اردو ترجمہ

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

الامام المجدد الاعلام الشیخ عبد اللہ
بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ

اس کتاب کے جملہ مصارف

الشیخ ابراہیم بن علی الناصر

غفر اللہ لہ ولوالدیہ وذریتہ ولجمیع المسلمین

جامعۃ العلوم الاثریۃ

جہلم — پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

وقف لله تعالیٰ

سلسلۂ مطبوعات (۱۵)

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اردو ترجمہ

تالیف

الامام العلامۃ الاعلام الشیخ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہما اللہ

اس کتاب کے جملہ مصارف

الشیخ ابراھیم بن علی الصبّاغ

غفر اللہ له ولوالدیه وذریّته ولجمیع المسلمین

نے فی سبیل اللہ مفت تقسیم کرنے کے لیے برداشت کیے

الناشر:

محمد مدنی بن حافظ عبد الغفور

رئیس

جامعۃ العلوم الاثریہ

جہلم۔ پاکستان

سلسلہ مطبوعات ۱۵

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

(اردو ترجمہ)

مترجم: شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق حفظہ اللہ

تسوید و تصحیح: اکرام اللہ ساجد کیلانی

طبع اول: محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق اگست ۱۹۹۰ء

۱۰,۰۰۰

مطبع: جاوید ریاض پرنٹرز۔ لاہور

باہتمام
عبدالحمید حافظ عبدالغفور

مدیر جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم پاکستان

فون {۳۶۷۰ / ۲۷۷۱} ۰۵۹۴۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی جمیع الأنبیاء والمرسلین ... اما بعد:

" مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" (عربی) الشیخ ابراہیم بن علی الناصر حفظہ اللہ کے تعاون، اور والدِ گرامی قدر حضرت مولانا حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے اہتمام سے پہلی مرتبہ پاکستان میں ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء) میں ۹۰۰۰ کی تعداد میں چھپ کر مفت تقسیم ہوئی۔ پھر اس کی افادیت کے پیشِ نظر والدِ محترم نے اسے اردو زبان میں شائع کرنے کا نہ صرف پروگرام ترتیب دیا، بلکہ اس کا ترجمہ اور کتابت بھی آپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔ تاہم وقت نے مہلت نہ دی —— وہ وقتِ موعود آن پہنچا، جو ہر ذی رُوح کا مقدر ہے —— اور آپ ۱۱ر صفر المظفر ۱۴۰۷ھ (۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو) بروز جمعرات اس عالمِ فانی سے رہگزارِ عالمِ جاودانی ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ!

—— لہٰذا اُن کی تمام تر نیک تمناؤں کے باوجود یہ پروگرام ان کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا! آپ کی وفات کے ساتھ ہی راقم الحروف کے نحیف کندھوں پر ایک بڑی ہی گرانبار ذمہ داری آن پڑی تھی۔ کیونکہ والدِ محترم نے جو کام جہلم شہر میں (۱۹۶۲ء میں) انتہائی محدود بنیادوں پر شروع کیا تھا، اُن کی اَن تھک محنتوں اور جہدِ مسلسل سے، پھیل کر اب "جامعہ علومِ اثریہ" کے نام سے ایک بڑے ادارہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ جس کی وسیع تر خدمات کا اندازہ جامعہ کے تحت قائم ہونے والے متعدد، تکمیل پا جانے والے یا زیرِ تکمیل شعبوں سے لگایا جا سکتا ہے —— اور جن کی موجودہ پوزیشن حسبِ ذیل ہے:

جامعہ علومِ اثریہ للبنین: یہ جامعہ کا صدر دفتر بھی ہے —— شہر کے وسط میں انتہائی خوبصورت، اور جدید سہولتوں سے آراستہ اس سہ منزلہ وسیع عمارت میں اس وقت (مقامی، غیر مقامی —— ملکی، غیر ملکی مثلاً افریقہ، یمن، متحدہ عرب امارات اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے) تقریباً ۲۲۵ طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔ جن کی کتب، رہائش، خوراک اور علاج معالجہ کا جامعہ کی طرف سے باقاعدہ انتظام ہے، اور جس کا بجٹ لاکھوں روپے سالانہ ہے —— جامعہ کا مدینہ یونیورسٹی سے معادلہ ہو چکا ہے، اور دیگر سعودی

جامعات سے بھی اس کا الحاق جلد متوقع ہے۔

المرکز الاسلامی : دو ایکڑ قطعۂ اراضی پر اس مرکز کی عظیم الشان عمارت، حاکم شارجہ الشیخ سلطان بن محمد القاسمی (حفظہ اللہ تعالیٰ) کے تعاون سے، تکمیل کے آخری مراحل طے کر رہی ہے۔ جو جدید طرز کی وسیع مسجد، بہت بڑی لائبریری، کلاس رومز، طلباء کے ہاسٹل، ان کے لیے کھیل کے میدان، اساتذہ کی رہائش گاہ اور ڈسپنسری پر مشتمل ہے۔

جامعہ اثریہ للبنات : کے تحت فی الحال مقامی طالبات کی دینی تعلیم کے لیے شہر کے متعدد اہم مقامات پر باقاعدہ کلاسیں ہو رہی ہیں ——— "المرکز الاسلامی" کی عمارت کی تکمیل کے بعد طلباء کو "المرکز" میں منتقل کر دیا جائے گا، جبکہ "جامعہ للبنین" کی موجودہ عمارت کو طالبات کے لیے مختص کر کے ان کی یہ کلاسیں یہاں منتقل کر دی جائیں گی۔ تب یہاں بیرونی طالبات کی بھی رہائش، خوراک اور تعلیم کا وسیع بنیادوں پر انتظام ہو گا۔ ان شاء اللہ!

مجلس التحقیق الاثری : اس مجلس کے رئیس حافظ ثناء اللہ صاحب زاہدی ہیں۔ علمائے کرام سے علمی اور تحقیقی کام کروانا ان کے پروگرام میں داخل ہے۔ موصوف خود بھی کئی عربی کتب کے مصنف ہیں، جو ادارہ کی طرف سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں ——— جبکہ متعدد زیرِ طبع ہیں!

مرکز التدریب العلمی : جس کے تحت دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کے لیے درجۂ تخصص کا پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔

مکتبۃ الجامعۃ : جامعہ کی اس وسیع لائبریری میں دینی مصادر و مآخذ کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود ہے۔ بحمد اللہ تعدادِ کتب میں اضافہ، روز افزوں ہے۔

قسم المخطوطات : اس شعبہ کے تحت اندرون اور بیرونِ ملک سے حاصل کردہ نادر قلمی مخطوطات، یا ان کی فوٹو سٹیٹ جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اثریہ لائبریری : یہ لائبریری جامع مسجد اہلحدیث (چوک اہلحدیث) کے ملحقہ دفتر میں قائم ہے، جس میں موجود اردو زبان کی تبلیغی، اصلاحی کتب سے عوام و خواص مستفید ہو رہے ہیں۔

دار الافتاء : جامعہ کے مفتی شیخ الحدیث پیر محمد یعقوب صاحب قریشی اس کے انچارج ہیں، اور دینی استفسارات کے جوابات لکھتے ہیں۔

اثریہ کیسٹ ہاؤس: میں مشاہیر علمائے کرام کے درسِ قرآن، تقاریر ــــ شعرائے توحید و سنّت کی نظموں کی کیسٹیں جمع کرنے، نیز ریکارڈنگ کے بعد ان کی فراہمی کا معقول انتظام ہے۔

جامع مسجد اہلحدیث (توحید چوک): یہ عظیم الشان اور انتہائی خوبصورت مسجد، ایک مخیر شخص کے تعاون سے، لاہور موڑ ــــ جی ٹی روڈ پر برلب سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ جس میں جمعہ و جماعت کے علاوہ بچوں کے حفظِ قرآن اور ناظرہ تعلیم کا انتظام بھی موجود ہے۔

اثریہ ٹرسٹ ہسپتال: یہ ہسپتال جی ٹی روڈ سے تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، جس میں نادار مریضوں کو مفت طبی سہولتیں میسر ہیں۔ جبکہ شہر کے اندر بھی ایک ڈسپنسری "اثریہ ڈسپنسری" کے نام سے زیرِ تعمیر ہے، اور بحمد اللہ جلد تکمیل کو پہنچنے والی ہے!

گو راقم الحروف کو انتہائی محنتی، فاضل علماء حضرات کی ایک بہترین ٹیم، اور دیگر کارکنانِ جامعہ کے علاوہ اپنے قابلِ قدر بھائیوں (حافظ عبدالحمید عامر، فاضل مدینہ یونیورسٹی ــــ حافظ احمد عمران، بی۔اے، فاضل درس نظامی ــــ قاری عبدالرشید ــــ حافظ عبدالرؤف) کا مخلصانہ تعاون حاصل ہے، تاہم ان جملہ شعبہ جات کا انتظام و انصرام اور بیرونی روابط کچھ کم مصروفیات کے متقاضی نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ تک "مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کی اشاعت کی طرف توجہ نہ دے سکا ــــ یہی حال "غایۃ الامانی" (اردو ترجمہ) کا بھی ہے۔ اس کا ترجمہ و کتابت بھی والدِ محترم اپنی زندگی میں کروا چکے تھے، اور یہ بھی عنقریب ان شاء اللہ شائع ہو رہی ہے ــــ کچھ عرصہ قبل اکرام اللہ ساجد جامعہ کے باقاعدہ ممبر بنے اور نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، تو یہ کام ان کے سپرد کیا، جنہوں نے اس کی تسوید و تصحیح وغیرہ کا کام بڑی محنت سے کیا، حتیٰ کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ــــ اور یوں راقم الحروف اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکا ہے، جسے والدِ محترم میرے سپرد کر گئے تھے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

دُعا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرماتے ہوئے اس کتاب کے مصنّف، مترجم، والدِ محترم، راقم ــــ اور بالخصوص اس کے جملہ اخراجات برداشت کر کے عوام الناس تک اسے پہنچانے والے (شیخ ابراہیم بن علی الناصر غفر اللہ لہ ولوالدیہ و ذریتہ) ــــ نیز ہر اُس شخص کے لیے، جس نے کسی بھی مرحلہ پر اس سلسلہ میں تعاون فرمایا ہے، توشۂ آخرت بنائے ــــ آمین، ثم آمین!

(محمد مدنی بن حافظ عبدالغفور غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ ولجمیع المسلمین!)

حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل رحمہما اللہ مؤسس و بانی "جامعۃ العلوم الاثریہ" کے مختصر حالاتِ زندگی

۵ شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ (۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء) بروز جمعرات بمقام اٹھوال جاگیر (ضلع اوکاڑہ) پیدا ہوئے، اور بروز جمعرات ہی ۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ (۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء) تقریباً ۶۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آپ کے آباء و اجداد چھوٹے زمیندار تھے، اور معاشی طور پر متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

چھ سال کی عمر میں ناظرہ قرآنِ مجید پڑھ لیا، پھر مقامی سکول میں داخلہ لے کر ۱۹۳۵ء میں پرائمری کا امتحان اس امتیازی حیثیت سے پاس کیا کہ تحصیل بھر میں اول رہے، اور وظیفہ کے حقدار قرار دیے گئے۔

آپ کی دینی تعلیم کا آغاز ۱۹۳۸—۳۹ء میں ہوا۔ پہلے ٹھٹہ پینے چک ۱۵-آر ضلع فیصل آباد میں قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھا۔ پھر بالترتیب جھوک دادو، دھیر داڈ دگراں، مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، مدرسہ محمدیہ لکھوکے اور مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں تقریباً گیارہ یکتائے روزگار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا —— محدثِ عصر حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے قابلِ فخر شاگردوں میں تھے، جبکہ میاں باقر رحمہ اللہ سے آپ کے دیرینہ روابط تھے۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک مدرسہ تدریس القرآن والحدیث جھوک دادو، اور پھر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک مدرسہ تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران راولپنڈی ہی کی جامع مسجد اہلحدیث (چک بازار، صدر) میں آپ خطیب بھی تھے۔ ۱۹۵۶ء میں تاندلیانوالہ تشریف لے گئے، لیکن ۱۹۵۸ء میں جہلم آکر جامع مسجد اہلحدیث میں خطابت کی ذمہ داری سنبھالی، جبکہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۱ء تک کا عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آپ کی تدریسی خدمات کو محیط ہے۔

۱۹۶۲ء میں جہلم میں مستقل رہائش اختیار کر کے اپنی ان خدمات کا آغاز کیا، جن کے نتیجہ میں "جامعہ علومِ اثریہ" کا قیام عمل میں آیا، اور جس کا سنگِ بنیاد امامِ کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ بن سبیل کے ہاتھوں بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز ہفتہ رکھا گیا —— آج اس جامعہ کے تحت چلنے والے مختلف شعبے آپ کے صاحبزادگان کی نگرانی میں وسیع تر دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

جمعیت اہل حدیث صوبہ پنجاب کی امارت، اور جامعہ کی انتظامی و تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ مختلف ملکی اور ملی تحریکات میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں حصہ لینے کی بناء پر ساہیوال جیل میں رہے —— اور صرف ۳۹ روز کی قلیل مدت میں یہاں سے حافظِ قرآن بن کر نکلے۔ یہ قرآنِ مجید سے آپ کے انتہائی شغف کا نتیجہ تھا! —— عجیب تر یہ کہ جیل میں، آپ کے شاگرد حافظ سلیم صاحب ہی آپ کے حفظِ قرآن کے استاد بھی تھے!

۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں فعال کردار ادا کیا۔ چنانچہ مجلسِ عمل تحریکِ ختمِ نبوت جہلم کے صدر منتخب ہوئے — اسی طرح ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نفاذِ اسلام میں حصہ لینے کی بناء پر تین ماہ کا عرصہ پسِ دیوارِ زنداں گزارا، اور کال کوٹھڑی میں رہے۔

فنِ خطابت کے علاوہ فنِ مناظرہ (تحریری و تقریری) میں بھی قدرت نے آپ کو حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ متعدد کتب کے مصنف بھی تھے، جن میں ادبیت کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ کی جماعتی اور مسلکی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ جہلم شہر آپ کی سرگرمیوں کی بناء پر ہی بیرونی دنیا، بالخصوص عرب میں کافی مشہور ہو گیا ہے —— اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ!

(اکرام اللہ ساجد)

"وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا !"

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام وہ مقدس ہستیاں ہیں کہ جنھیں انسانیت کی رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کے لیے مبعوث کیا گیا۔ ان کی دعوت کا بنیادی نکتہ، نکتۂ توحید اور "اعلائے کلمۃ اللہ" تھا۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہر نبی و رسول کی اطاعت و اتباع اس کے مخاطبین کے لیے لازم ٹھہری! ــــــ لیکن گمراہ قوموں نے ان کے اس مقصدِ بعثت کے علی الرغم :

● یا تو ان کی مخالفت میں ان پر ظلم و زیادتی کی انتہا کر دی، حتیٰ کہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام ان بدبختوں کے ہاتھوں شہادت کے مرتبہ پر بھی فائز ہوئے .....

● یا انہوں نے اِن علمبردارانِ توحید ہی کو اپنا معبود قرار دیتے ہوئے ان کی عبادت شروع کر دی، جیسے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سلوک کیا ...

● اور یا یہ ایسے تھے کہ زبانی دعوے تو بلند بانگ رکھتے تھے، اور انبیائے کرام علیہم السلام سے ان کے مطالبات اور فرمائشوں کی بھی کوئی انتہا نہ تھی، لیکن عملاً ان کی اطاعت سے گستاخانہ حد تک انحراف کیا! ــــــ مثلاً یہود کا ایک طرف یہ دعویٰ کہ :

" نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ "[1] (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں!) ــــــ اور موسیٰ علیہ السلام سے ان کا یہ مطالبہ کہ :

" اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً "[2] (ہمیں اللہ رب العزت کا کھلا دیدار کراؤ!)

لیکن دوسری طرف جب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دعوتِ جہاد دی، تو ٹکا سا جواب دے دیا کہ :

" فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ "[3] (موسیٰ! تم اور تمہارا رب دونوں جاکر لڑو ـــ ہم تو یہیں تشریف فرما رہیں گے!)

قرآنِ مجید کے بیان کردہ ان تلخ حقائق سے آگاہی کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حاملینِ قرآن اس غلط روش سے مجتنب رہتے، جسے ان "ضالّین" اور "مغضوب علیہم" نے اپنا لیا تھا۔

لیکن ہُوا یہ ہے کہ آج اُن کی اکثریت بھی اپنے نبی اور رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اسی ڈگر پر چل نکلی ہے جو ان جاہل اقوام کا شیوہ تھا! ــــــ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف جہاں آپؐ کے متعلق یہ اعتراف و ایمان ہے کہ آپؐ توحید کی بالادستی اور شرک کی تردید کے لیے سرگرم عمل رہے، وہیں دوسری طرف خود آپؐ ہی کو تنگی و آسانی میں پکارا جا رہا ہے، آپؐ ہی سے فریاد رسی کی دُعائیں کی جا رہی ہیں، اور آپؐ ہی کو بعض خدائی صفات سے متصف کرنے پر اصرار بھی ہو رہا ہے! ــــــ ایک طرف آپؐ سے عقیدت و محبت کے بلند بانگ دعوے بھی ہیں، تو دوسری طرف آپؐ ہی کی سنّت سے کد اور بَیر، آپؐ ہی کے فرامین سے روگردانی، اور آپؐ ہی کی

ذات سے تعلق و واسطہ کے حوالوں سے بدعات کو فروغ بھی دیا جا رہا ہے! ـــــ ان حالات میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آج ان لوگوں کے درمیان موجود ہوتے، پھر آپؐ اُن کے اس رویہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے، تو شاید یہ آپؐ سے بغض و عداوت کی راہ اختیار کرنے میں بھی پس و پیش سے کام نہ لیتے۔ اعاذنا اللہ منہ!

سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کے مطالعہ سے جہاں آپؐ کی زندگی کے حالات و واقعات سے آگہی حاصل ہوتی، اور "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کی ترجمانی ہوتی ہے۔ وہاں ان کتابوں سے آپؐ کے مشن کی نشاندہی بھی ہوتی ہے! ـــــ لہٰذا کتبِ سیرت کا مطالعہ کرتے وقت اس امر کو پیشِ نظر رکھنا بھی آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ "اعلائے کلمۃ اللہ" اور توحید کی سربلندی کے لیے مسلسل تیئیس سال تک آپؐ نے جو کٹھنائیاں جھیلیں، مشقتیں برداشت کیں، آپؐ سے متعلق امت کے درمیان آج مسلسل رواج پانے والے نت نئے غلط عقائد کو ان سے کیا نسبت ہے؟ ـــــ "عاقل را اشارہ کافی است" کے مصداق، کیا سیرت کی وہ تمام کتابیں غلط ہیں؟ جو آپؐ کے مشن کی تکمیل میں آپؐ کی محنتوں، ریاضتوں کے ذکر پر مشتمل و متفق ہیں، یا مثلاً آپؐ کے "مختارِ کل" ہونے کا عقیدہ غلط ہے؟ ـــــ وعلیٰ ہٰذا القیاس!

ـــــ نیز کیا آپؐ کے مشن کا تقاضا یہی ہے کہ ایک طرف تو آپؐ کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے کی کوششیں ہوں، اور دوسری طرف آپؐ کے فرامین پر ائمہ و فقہاء اور علماء کے علاوہ ہر ایرے غیرے کے اقوال کو بھی ترجیح دے ڈالی جائے؟ قرآنِ مجید اس رویہ کی یکسر نفی کرتا ہے!

ـــــ ہاں بلکہ آپؐ کے مشن کا اصل تقاضا (اور قرآنِ مجید کی بتکرار و اصرار دعوت بھی) یہی ہے کہ دین کو اللہ رب العزت کے لیے خالص کرتے ہوئے جملہ اوامر و نواہی میں آپؐ کی اطاعت کو لازم پکڑا جائے ـــــ کہ آپؐ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" [4] (جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی!)

ـــــ دین و دنیا میں سرفرازی و کامرانی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اور یہی ہدایت کی ضمانت بھی ہے:

"وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا" [5] ـــــ (اور اگر آپ ﷺ کی اطاعت کروگے، تو ہدایت پا جاؤ گے!)

ـــــ وما علینا الا البلٰغ!

(محمد مدنی بن حافظ عبد الغفور)

---

[1] المآئدۃ: ۱۸
[2] النسآء: ۱۵۳
[3] المآئدۃ: ۲۴
[4] النسآء: ۸۰
[5] النور: ۵۴

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوعِ انسان کے لیے ہدایت اور روشنی کا وہ مینار ہے جس سے گم گشتہ راہ انسانوں کو ہدایت ملتی ہے۔ خاتم الانبیاء کی سیرتِ پاک ہمارے لیے اُسوہ حسنہ قرار دی گئی ہے۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مقدس سیرت اُس وقت بھی ان انسانوں کے لیے ہدایت کا باعث بنی، جو انسانیت سے دُور درندگی اور حیوانیت کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ آج بھی اس پڑھے لکھے، علم و آگہی اور سائنس کے زمانے میں رشد و ہدایت کے متلاشیوں کے لیے تسکین و طمانیتِ قلب کا سامان مہیا کرتی اور ان کی علمی تشنگیوں کو بجھاتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کی جامعیت کا یہ پہلو کس قدر تابناک ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرتِ پاک نے ۵ لاکھ انسانوں کی سیرتوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ اسماء الرجال کا فن اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ اس عظیم ترقی کے دور میں کسی نبیؑ کی ولادت اور وفات کی تاریخ وثوق اور قطعیت سے نہیں بتائی جا سکتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ اور زندگی کی ایک ایک سرگرمی نہ صرف بتائی جا سکتی ہے، بلکہ اب سے لے کر آنحضرتؐ تک آپؐ کی ہر بات کے لیے سلسلۂ اسناد بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارک وہ دبستانِ علم ہے کہ چشمِ کائنات نے اس سے بڑھ کر کوئی منبعِ علوم اور مصدرِ فنون، مرکزِ رشد و ہدایت نہیں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کی جامعیت مسلّم امر ہے۔ آپؐ کے مے خانۂ علم سے بیک وقت قانون دان، خطیب، ادیب، مفسّر، محدّث، مؤرّخ، فقیہ، فاتح، جرنیل، درویشِ خدامست، شب زندہ دار، زاہد، عابد، ذاکر، کاروباری، تاجر، کسان، آجر، اجیر، عالم، فاضل، حکیم، معالج، سب اپنی تشنگیوں کا سامان

پار ہے ہیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے موضوع پر عربی بلکہ دُنیا بھر کی زبانوں میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اعجاز ہے کہ اگر دُنیا بھر کے مصلحین، سلاطین، امراء، اخیار، انقلابی ریفارمر، سیاسین، حکمرانوں، عباد، زہاد، علماء، فضلاء، مورخوں، صحافیوں، غرض جمیع قسم کے انسانوں کی سوانح عمریاں اکٹھی کی جائیں تو بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح ہائے حیات ان سب پر بھاری ہوں گی۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ وہ کمال ہے جو اس بوڑھے آسمان کے نیچے کسی بھی انسان کو حاصل نہیں۔ اسی کمال کی طرف "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کہہ کر اللہ پاک نے اشارہ فرمایا ہے!

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر سوانح نگار نے اپنے اپنے دور میں اور اپنی اپنی زبان میں، اپنے اپنے انداز میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں فصاحت و بلاغت کے گلہائے عقیدت پیش کیے، اور آپؐ کی عظیم خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ خصوصًا عربی، اُردو، انگریزی، اور دیگر معروف زبانوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بے شمار مدلّل، مفصل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جو کہ ایک سے ایک بڑھ کر "ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است" کی آئینہ دار ہیں۔

سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں انسانی زندگی بے پناہ مصروف ہو گئی ہے۔ اس صنعتی دور نے انسان کے ایک ایک لمحے کو مصروفیت سے دوچار کر دیا ہے۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عالمگیر مہنگائی نے معاشرے کے ہر فرد کو کچھ کر گزرنے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ اب کوئی انسان اپنے میں اتنی فرصت نہیں پاتا کہ وُہ ضخیم اور مفصّل کتابوں کے لیے کچھ وقت نکال سکے۔ وُہ ہلکے پھلکے مضامین، مختصر قسم کی کتابیں پڑھنے کے لیے کچھ وقت نکال سکتا ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی، بلکہ وقت کا تقاضا تھا کہ زندگانی کی گزرگاہوں میں ایسے مصروف انسانوں کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مختصر، جامع، مدلّل، جاندار اور شاندار پاکیزہ لٹریچر مہیا کیا جائے، جو فرصت کے اوقات میں اس کے مطالعہ کا ذریعہ بن سکے۔ چنانچہ اسی اہمیت کے پیشِ نظر امامِ انقلابِ دینی، عظیم مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تحقیقِ انیق اور تصنیفِ لطیف، بعنوان: "مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کا اُردو ترجمہ پہلی مرتبہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

یاد رہے، امام محمدؒ بن عبدالوہاب نے تاریخ کے اس پرفتن دور میں دینی انقلاب کا ڈول ڈالا، جبکہ عرب رجعتِ قہقری کر کے رسومِ شرک میں عرب کے دورِ جاہلیت کے بت پرستوں سے کئی قدم آگے بڑھ چکے تھے۔ امام موصوف نے جزیرہ نمائے عرب، خصوصاً نجد و حجاز میں پوری زندگی استقامت اور عزیمت سے توحید کی تبلیغ، شرک کی مذمت، سنّت کے احیاء، بدعات و رسوم کی تردید اور اسلام کی سربلندی کے لیے وقف فرمائی۔

پوری پامردی، عزم و حوصلہ، صبر و ثبات اور سکون و طمانیت سے مسلسل اس دینی محاذ پر دادِ شجاعت دی۔ اس راہ میں ہر پیش آمدہ صعوبت، پریشانیوں، مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا پوری خندہ پیشانی سے کیا۔ صلہ کی تمنا کے بغیر تمام خارزار وادیوں، مشکل گھاٹیوں کو عبور کیا، تاآنکہ اللہ پاک نے ان کے مخلصانہ دینی انقلاب کو بار بخشا!

آج جزیرہ نمائے عرب، خصوصاً نجد و حجاز ان کی دینی کوششوں سے شرک، شرکیہ رسوم اور قبر پرستی کی آلائشوں سے محفوظ و مصئون ہو گیا ہے۔ آج بحمداللہ مملکتِ سعودیہ عربیہ توحید و سنت کا گہوارہ، دینی علوم کا منبع، رُوحانی اقدار کا سرچشمہ اور اسلام کا مرکزِ دمامن ہے۔ دُنیا بھر میں دینی تحریکوں، دینی اداروں اور دینی شخصیتوں کا معاون اور سرپرست ہے۔ مملکتِ سعودی نے اقصائے عالم میں دینی تبلیغ کے مشن جاری کر رکھے ہیں۔ یہ ثمرہ ہے امامِ انقلاب، عظیم مصلح امام محمدؒ بن عبدالوہاب کی دینی دعوت اور مساعی کا۔

الشیخ عبداللہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک پر ایجاز و اختصار کے ساتھ نہایت جامع اور مدلّل کتاب "مختصر سیرت الرسول — صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے عربی میں تصنیف فرمائی۔ مصنّف کے اخلاص اور کتاب کی جامعیت کو اللہ پاک نے قبولیتِ عامہ کا اعزاز بخشا، جس کے متعدد ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے اور قدردانوں کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔ سن ۱۹۷۹ء کے اواخر میں "جامعہ علوم اثریہ" جہلم نے اسے عربی میں الشیخ ابراہیم بن علی الناصر کے خرچ پر نو ہزار کی تعداد میں شائع کیا، جسے پاکستان بھر کے علماء اور طلباء میں المکتبۃ الثقافی السعودی، لاہور — مکتب الدعوۃ، لاہور اور جامعہ علومِ اثریہ جہلم نے مفت تقسیم کیا۔

کتاب کی جامعیت و افادیت کا تقاضا تھا کہ اُردو دان حضرات کو بھی اس سے روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ افادۂ عام اور اردو دان حضرات کے علم و مطالعہ کے پیشِ نظر، ہم پہلی مرتبہ الشیخ کی اس نہایت

خوبصورت، فصیح و بلیغ کتاب کا اُردو ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کتاب ہٰذا کے مترجم دنیائے تدریس کی مسلّمہ شخصیت، اردو ادب کے مانے ہوئے ادیب، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمدؐ اسحاق مدظلہ العالی صدر مدرس تقویۃ الاسلام لاہور ہیں۔ کتاب کے اردو ترجمہ کی صحت و ثقاہت کے لیے شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمدؐ اسحاق صاحب کا نام نامی اسم گرامی ہی کافی ہے۔

موصوف سالہا سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ ایک عرصہ تک جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، حال ماموں کانجن میں بطور صدر المدرسین خدمات انجام دے چکے ہیں۔ موصوف کی متعدد علمی اور دینی کتب شائقینِ علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ملک کے علمی اور تحقیقی رسائل میں مولانا موصوف کے علمی اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ موصوف کی دیگر تصنیفات کے ساتھ ساتھ مشہور ادب شاہ پارہ حماسہ کا اردو ترجمہ آپ کے ادبی ذوق اور تحقیقی ذہن کا آئینہ دار ہے۔

حضرت حافظ صاحب نے "مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کا اُردو ترجمہ کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی ٹکسالی اردو میں ایسا رواں دواں کیا ہے کہ ترجمہ پر اصل کا گمان گزرتا ہے۔ مترجم چونکہ دونوں زبانوں کے ادیب ہیں، اس لیے پوری کتاب میں کوئی جھول، ابہام، اغلاق نظر نہیں آئے گا بلکہ زبان کی سلاست و شیرینی پوری کتاب میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مترجم کا یہ گمان ہے کہ جب قاری ایک مرتبہ کتاب کا مطالعہ شروع کرے گا، تو اسے مکمل کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہیگا۔

"جامعہ علوم اثریہ" نے کتابت، طباعت، کاغذ، اور کتاب کے ظاہری حسن کے تمام تقاضوں کو پورے شرحِ صدر سے مکمل کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس سلسلہ میں محترم جناب عبدالرشید قمر اور محمود احمد غضنفر کی خصوصی توجہ اور تعاون شاملِ حال رہا۔

اللہ تعالیٰ اس اُردو ترجمہ کو قارئین کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائے مصنف، مترجم، ناشر اور انتظام کنندگان کے لیے اس کو ذریعۂ آخرت، اور نجات کا باعث قرار دے۔ آمین ثم آمین!

والسلام

فقیرِ بارگاہِ صمدی حافظ عبدالغفور بن محمدؐ اسمٰعیل جامعہ علومِ اثریہ جہلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا ، اَمَّا بَعْدُ :

مَیں اس کتاب میں سیّدِ بشر حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ آپؐ کے کچھ حالات ونشانات اور آپؐ کے کچھ اخبار و آداب، وفات تک بالاختصار بیان کرتا ہُوں اور اسی طرح خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کا تذکرہ بھی ہو گا۔

آپؐ کا نسب یُوں ہے : ابو القاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصّی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک آپؐ کا نسب بالاتفاق صحیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں! البتہ عدنان کے بعد اختلاف ہے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ہے، نیز صحیح قول کے مطابق اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں اور اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قول باطل ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت و وفات

اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ حادثۂ فیل کے سال مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے جو اللہ تعالےٰ کے گھر اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ورنہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے والے اہلِ کتاب تھے' اور اُن کا دین اہلِ مکّہ کے دین سے بہرحال بہتر تھا کیونکہ اِنھوں نے بُت پرستی کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالےٰ نے ان کی اس طرح نصرت فرمائی، کہ اس میں انسانی فعل کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ سب کچھ پردۂ غیب سے نبی کریم ﷺ (جو مکّہ معظّمہ میں پیدا ہوئے) کے اکرام اور بلدِ حرام کی تعظیم کے لیے ظہور پذیر ہوا۔

آپ ﷺ پیر کے دن ۹ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے، اِس قول کو پسند کیا گیا ہے۔ بعض نے آپ ﷺ کی تاریخِ پیدائش دس اور بعض نے ۱۲ ربیع الاوّل بتائی ہے۔ اور آپ ﷺ ربیع الاوّل کے کچھ دن گزرنے کے بعد پیر کے دن شرفِ نبوّت سے مشرّف ہوئے اور بعض نے کہا، ۹ ربیع الاوّل کو آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔[1]

آپ ﷺ کے ساتھ عبدُالمطلب میں ابوطالب کے بیٹوں، علیؓ جعفرؓ عقیلؓ نیز عباسؓ، حارث اور ابولہب کی اولاد آکر ملتی ہے۔

اور عبدِ مناف میں امیہ، عبد شمس، مطلب اور نوفل کی اولاد آپ ﷺ سے آملتی ہے۔

اور قصیّ میں آپ ﷺ کے ساتھ عبدالعزّیٰ اور عبدالدار کی اولاد جمع ہوتی ہے اور نضر بن حارث قبیلہ عبدالدّار سے تعلق رکھتا ہے۔ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ورقہؓ بن نوفل ـــــ قبیلۂ عبدالعزیٰ کے مشاہیر نامدار ہیں۔

اور کلاب میں آپ ﷺ کے ساتھ زہرہ بن کلاب کی اولاد جمع ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اِسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور لوئی بن غالب میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو عامر ملتے ہیں، مشہور شہسوارِ عرب، عمرو بن

---

[1] مصنفؒ کی اپنی تحقیق "۱۲ ربیع الاوّل" ہے۔ دیکھیے صفحہ ۳۶، (مترجم)

عبدِ وُد جس کو علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا اور سہیل بن عمرؓ اسی قبیلے کے فرد ہیں۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غالب میں بنو تیم ادرم جمع ہوتے ہیں اور "ادرم" کا معنے "ناقص" ہے اور فہر میں آپؐ کے ساتھ فہر کے دونوں بیٹوں، محارب اور حارث کی اولاد جمع ہوتی ہے۔
بنو حارث کی ایک شاخ بنو الخلج ہے اور حضرت ابُو عبیدہؓ بن الجراح[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے ہے اور یہ فہر ہی سب قریش کا باپ ہے، اِس لیے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے، وُہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد سے نہیں وُہ قریشی نہیں۔
کنانہ میں وُہ تمام قبائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملتے ہیں، جو کنانہ کی طرف منسوب ہیں جیسے کنانہ کے بیٹوں عبدِ مناۃ، ملکان، ملک، عمرو اور عامر کی اولاد۔ بنو عبدِ منات سے بنو بکر ہیں اور بنو بکر سے بنو الدیل ابُو الاسود دؤلی کی جماعت، بنو مدلج، بنو لیث اور بنو ضمرہ ہیں اور بنو حارث سے لحابیش ہیں۔
بعض کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ قریش ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ فہر بن مالک قریش ہے۔
اور بنو اسد اور قارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خزیمہ میں جمع ہوتے ہیں اور یہی ھُون بن خزیمہ کہلاتے ہیں۔
ھُون کی فرع عضل ہے۔ اِس قبیلے کا باپ عضل بن ھُون ہے اور ان ہی سے قبیلہ دیش پھوٹتا ہے، جو عضل کا بھائی ہے، اِن دونوں قبیلوں کو مِلا کر قارہ کہا جاتا ہے۔
اور مدرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو ہذیل مِلتے ہیں۔ مشہور صحابی عبدُاللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد ہیں اور بنو تیم بن مر بن اُد بن طابخہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الیاس میں مِلتے ہیں۔ اسی طرح بنو ضبہ بن اُد، رباب اور مزینہ بھی الیاس میں مِلتے ہیں۔ مزینہ دراصل بنو عمرو بن اُد ہے۔ یہ اپنی والدہ مزینہ بنت کلب بن وَبَرہ کے نام پر مزینہ کہلاتے ہیں۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو قیس عَیلانؒ مضر میں جمع ہوتے ہیں۔ عیلان کا تلفظ "نقطہ عین کے بغیر" کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عیلانؒ قیس کے گھوڑے کا نام ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قیس کو بڑی کثرت سے مال و دولت عطا فرمائی تھی، سب غطفان کے قبائل، سب ہوازن کے قبائل اور سلیم اور مازن اسی کی اولاد ہیں۔ بنو سعد بن بکر، بنو کلاب، بنو کعب، بنو جشم، قبیلۂ ہوازن

---

[1] ابو عبیدہؓ کا تعلق بنو ضبہ بن حارث سے ہے اور خلج اُن کے بھائیوں بنو قیس بن حارث کی طرف منسوب ہیں۔ ۱۲

کی فروع ہیں، مشہور سردار درید بن صمہ جشم کے ذیلی قبیلے غزیہ سے تعلق رکھتا ہے، بنو کعب بن ربیعہ، بنو ہلال بنو نمیر، بنو جعدہ، بنو قشیر اور بنو عقیل سب قیس عیلان کی شاخیں ہیں۔ بنو منتفق اور بنو خفاجہ بنو عقیل بن کعب کی ذیلی شاخیں ہیں۔ بنو سلول اور بنو ثقیف بھی ہوازن کے قبیلے ہیں۔ مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ بنو عبس اور بنو ذبیان بھی قیس عیلان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنو فزارہ، عدوان اور باہلہ ذبیان کے ذیلی قبیلے ہیں۔ رعل، ذکوان، عصیہ اور زعب بن مالک بنو سلیم کی شاخیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ثقیف ایاد سے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں مشہور شاعر نابغہ بنو ذبیان میں سے ہے۔

اور نزار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو ربیعہ مل جاتے ہیں، آگے اُن سے بنو اسد اور بنو ضبیعہ کے قبیلے ہیں۔ بکر، تغلب اور عنز وائل بن قاسط کے بیٹے بنو اسد میں سے ہیں۔ ان میں سے بنو عبد القیس اور نمر بن قاسط ہیں، بنو حنیفہ اور بنو عجل بھی ان ہی میں سے ہیں۔ مرہ اور اس کے دونوں بیٹے ہمام اور جساس قاتل کلیب اور مشہور شاعر طرفہ بن عبد بنو بکر میں سے ہیں۔ کلیب بن ربیعہ بنو وائل کا بادشاہ، جس کو جساس نے قتل کر دیا تھا، بنو تغلب کے قبیلے سے ہے۔ اس کی وجہ سے ہی بنو تغلب اور بنو بکر کے درمیان ان لڑائیوں کی ابتدا ہوئی جو "حرب لبوس" کے نام سے مشہور ہیں عنزہ بن اسد بھی قبیلہ ربیعہ کی فرع تھا ان میں سے اہل خیبر ہیں، جو بنو عنزہ کے نام سے مشہور ہیں اور بنو عنزہ میں سے قارضان، اور ربیعہ میں سے سدوس اور لہازم ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ نزار میں بنو ایاد اور بنو انمار بھی آ ملتے ہیں مشہور سخی کعب بن مامہ، جس کی سخاوت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی، بنو ایاد سے تھا۔ نیز قس بن ساعدہ جس کی فصاحت ضرب المثل تھی، اسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کا انتخاب

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں کئی صدیوں بعد بنو آدم کے بہترین قرون میں بھیجا گیا ہوں۔ حتیٰ کہ وہ قرن آ گیا، جس میں میں پیدا ہوا ہوں" اور صحیح مسلم میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالےٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم اور ان سے مجھ کو منتخب کیا ہے"۔

ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق اور فریقین[1] میں سے بہتر فریق میں پیدا کیا۔ پھر قبائل کا انتخاب کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں کیا۔ اس کے بعد خاندانوں کا انتخاب کیا تو مجھے بہترین خاندان میں بھیجا۔ اس لیے میں بلحاظِ نفس اور بلحاظِ خاندان سب انسانوں سے بہتر ہوں"۔ اس حدیث کو ترمذی نے ذکر کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

طبرانی میں عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چُنا تو ان میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا، پھر بنو آدم سے عرب کو اور عرب سے مجھے پسند فرمایا۔ پس میں ہمیشہ سے پسندیدہ در پسندیدہ لوگوں سے پیدا ہوا ہوں۔ خبردار! جس نے عربوں سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر اُن سے بغض رکھا۔

آپ ﷺ کے والدین کا ذکر

آپ ﷺ کے والد کا نام عبداللہ ہے، اور آپ عبدالمطلب مذکور کے بیٹے ہیں۔ عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ عفیف تھے۔ ان کے والد ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ وہ حضور ﷺ کی حمل کی حالت میں وفات پا گئے تھے بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے دو ماہ بعد فوت ہوئے۔ حضرت عبداللہ نے اپنے ترکہ میں پانچ اونٹ، ایک حبشی کنیز چھوڑی، جس کا نام برکت اور کنیت اُمِ ایمن تھی، اور بچپن میں یہی آپ ﷺ کی دایا تھیں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ بنت وہب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔

حسبِ اختلافِ مورخین، آپ ﷺ ربیع الاول کی ۹ یا دس یا ۱۲ تاریخ کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔ بیہقی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے[2]۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ان کے نزدیک آپ ﷺ کا بہت بڑا مرتبہ تھا، اور کہتے کہ آئندہ چل کر اس بچے کا شان بہت بلند ہوگا"۔ بیہقی نے یہ

---

[1] یعنی عرب و عجم [2] ابنِ قیمؒ کہتے ہیں: اس بارے کوئی حدیث ثابت نہیں۔ دیکھیے زاد المعاد جلد اول ص ۱۸ (مترجم)

بھی ذکر کیا ہے کہ جس رات آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، کسریٰ کا محل لرز گیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فارس کی آگ جو متواتر ایک ہزار سال سے جل رہی تھی، بجھ گئی۔ اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔[1]

چودہ کنگرے گرنے سے اس طرف اشارہ تھا کہ اس خاندان سے کنگروں کی تعداد کے مطابق چودہ مرد اور عورتیں بادشاہ ہوں گی۔ چنانچہ چار سال کے عرصے میں اُن کے دس بادشاہ ہو گزرے تھے اور باقی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک پورے ہو گئے۔ امام احمدؒ عرباضؓ بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوحِ محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا، جب کہ آدم علیہ السلام ابھی تک گندھی ہوئی مٹی کی صورت میں پڑے تھے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ اُن سے ایک نور نکلا ہے، جس سے شام کے محل چمک اُٹھے ہیں! میسرہ ضبیؓ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: "یا رسول اللہ ﷺ آپؐ کب نبی ہوئے تھے۔ اور آپؐ کب نبی لکھے گئے تھے؟" فرمایا: "جب آدم علیہ السلام ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔" ابنِ سعد روایت کرتے ہیں: "آنحضرت ﷺ کی والدہ نے فرمایا: "جب آپ ﷺ پیدا ہوئے ——— اس وقت مجھ سے ایک نور نکلا، جس سے شام کے محل جگمگانے لگے۔ آپ ﷺ صاف ستھرے پیدا ہوئے، آپ ﷺ کے جسم پر میل کچیل مطلق نہیں تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورك الافق

"آپ ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین چمک اُٹھی اور آپ ﷺ کے نور سے کنارے روشن ہو گئے۔"

ونحن فی ذلک الضیاء وفی النور فسبل الرشاد نخترق

"اور ہم اسی نور سے متمتع ہیں۔ اور اس کی روشنی میں ہدایت کے راستے ہموار کیے جا رہے ہیں۔"

لطائف میں مذکور ہے: آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اس نور کے ظہور سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے نورِ نبوت سے اہلِ زمین ہدایت پائیں گے اور اس کے ساتھ

---

[1] محمد غزالی نے اس بات کو درست تسلیم نہیں کیا۔ دیکھیے "فقہ السیرۃ"، محمد غزالی ص ۶۹ (مترجم)

شرک کی ظلمت دُور ہو گی، جس طرح قرآن حکیم میں آیا ہے: "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ"[1] اور آپ ﷺ کے نُور سے بصرٰی کے روشن ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا نورِ نبوت خاص طور پر شام میں پھیلے گا، کیونکہ وُہ آپ ﷺ کا دارالسلطنت ہوگا، جیسا کہ کعبؓ نے ذکر کیا ہے کہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے: "محمدؐ ﷺ اللہ کے رسُول ہیں۔ اُن کی پیدائش مکہ میں ہوگی، مقامِ ہجرت یثرب ہوگا۔ اور دارالحکومت مُلکِ شام ہوگا۔"

اور آپ ﷺ کے شام میں بیت المقدس کی طرف اسراء میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت کی اور عیسٰے علیہ السلام بھی یہیں اُتریں گے۔ اور محشر کا میدان بھی یہی سرزمین ہوگی۔

---

[1] المائدۃ: ۱۵-۱۶ ـــ یہاں "نور" اور "کتابِ مبین" سے مراد قرآن مجید ہے، جیسے سورۂ نساء، آیت ۱۷۵ میں قرآنِ مجید کو نور کہا گیا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا"

اسی طرح سورۂ تغابن آیت ۸ میں ہے:

"فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ الآیۃ!"

آیۂ زیرِ نظر (المائدۃ: ۱۵) میں بھی ابتداءً "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا" کے الفاظ سے آپؐ کا الگ ذکر ہو چکا ـــ اس کے بعد "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" کے الفاظ ذکر فرما کر قرآنِ مجید کی خبر دی گئی ہے ـــ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں، نور سے مراد قرآن مجید ہے ـــ ابن کثیر!

اور اگر اس سے آں حضورؐ بھی مراد لیے جائیں، تو جیسے قرآنِ مجید سے کفر و شرک کی ظلمت دور ہوئی، ویسے ہی آپؐ کے نورِ نبوت سے اس کا سامان ہوا ـــ تاہم اس سے آپؐ کی بشریت کی نفی نہیں ہوگی، جیسا کہ بعض لوگ آپؐ کو بشر کہنا سوءِ ادبی خیال کرتے ہیں (مترجم)

رضاع کا بیان

آپ ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری ثویبہ نے ابولہب کو پہنچائی تو اس نے اس خوشی میں اُن کو آزاد کر دیا اور اِن ثویبہ نے ہی آپ ﷺ کو پہلے پہل دودھ پلایا۔ کسی نے ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا "تمھارا کیا حال ہے؟" بولا: "جہنم میں ہوں، ہاں! پیر کے دن میرے عذاب میں کچھ کمی ہو جاتی ہے اور دونوں انگلیوں کے درمیان سے کچھ پانی چوستا ہوں (اور اس نے اپنی انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کیا) اور اس کا سبب نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنانے پر میرا ثویبہ کو آزاد کرنا اور اس کا آپ ﷺ کو دودھ پلانا ہے"۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جب ابولہب کافر کا جس کی قرآن نے مذمت بیان کی ہے آپ ﷺ کی ولادت پر خوش ہونے کی وجہ سے یہ حال ہے تو آپ ﷺ کی اُمت کے اس موحد مسلمان کا کیا کہنا، جو آپ ﷺ کی ولادت پر مسرور اور خوش ہے"۔ [۱]

---

[۱] مصنف رحمہ اللہ نے اوّلاً تو ابن الجوزی کے اس قول کا حوالہ نقل نہیں کیا ــــ ثانیاً اگر یہ ثابت بھی ہو تو ابن الجوزی کے اس استدلال کی بنیاد، ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے خواب میں دیکھے جانے والے اُس واقعہ پر ہے، جس کا ذکر خود مصنف نے بھی سطورِ بالا میں کیا ہے ــــ لیکن یہ بھی بلا حوالہ ہے۔ البتہ اختلافِ الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ صحیح بخاری میں یوں مذکور ہے:

"قال عروۃ، وثویبۃ مولاۃ لابی لھب کان ابو لھب اعتقھا فارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما مات ابو لھب اریہ بعض اھلہ بشر حیبۃ قال لہ، ماذا لقیت؟ قال ابو لھب: لم الق بعدکم غیر انی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ"

"عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھیں، انہیں ابولہب نے آزاد کر دیا۔ پھر انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر والوں

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بعد ابُولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثُوَیبہ نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لڑکے مسروح کے ساتھ دُودھ پلایا، اور انہوں نے رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی اپنے لڑکے مسروح

میں سے کسی نے اسے خواب میں بری حالت میں دیکھا، اور پوچھا، "تجھ سے کیا معاملہ کیا گیا؟"

اس نے جواب دیا "جب سے تم سے جدا ہوا ہوں، سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ ہاں ثوَیبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے تھوڑا سا پانی پلایا جاتا ہوں!"

ہم نے یہ عبارت مع ترجمہ اس لیے نقل کی ہے کہ بعض لوگ صحیح بخاری میں اس واقعہ کے حوالہ سے اپنی مروّجہ "عید میلادُ النّبی" پر استدلال کرتے ہیں، جو بوجوہ باطل ہے ـــــ چنانچہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ:

۱۔ یہ عروہ کا قول ہے، نہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان! ـــ کہ جس کی بناء پر اس کا تعلق سنّت سے جوڑا جا سکے۔

۲۔ قرآنِ مجید میں نص موجود ہے کہ مشرک کے تمام اعمال باطل ہیں ـــــ لہٰذا یہ واقعہ قرآن کی نصِ صریح کے خلاف ہے۔

۳۔ پھر یہ واقعہ بھی خواب کا واقعہ ہے ـــــ صحیح بخاری میں اس کا مذکور ہونا اس بات پر سند تو ہو سکتا ہے کہ عروہ کا اسے بیان کرنا درست ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خواب واقعۃً سچا خواب تھا، کہ جس پر عقیدہ و عمل کی بنیاد رکھی جا سکے! ـــ ویسے بھی شریعت کتاب و سنّت ہیں۔ اس کا دارو مدار خوابوں پر نہیں!

رہی بات، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری پر مسرور اور خوش ہونے کی، تو کون مسلمان اس سے خوش نہ ہوگا؟ ـــ تاہم شریعتِ مطہرہ، کامل و اکمل نے خوشی اور غمی کے مواقع، اور پھر ان کے طریقۂ اظہار کی نشاندہی بھی کر دی ہے ـــ جبکہ عید میلاد کا ثبوت نہ تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، نہ خلفائے راشدینؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سے، نہ تابعینؒ سے، اور نہ تبع تابعینؒ سے! بلکہ یہ تو ساتویں صدی ہجری کی پیداوار ہے! (مترجم)

ـے ساتھ دُودھ پلایا تھا، اس کے بعد آپ ﷺ کو حلیمہ سعدیہ نے دُودھ پلایا۔

شقّ صدر اور مُہرِ نبوّت کا ذکر

کہتے ہیں: جب آپ ﷺ ۴ سال کی عمر کو پہنچے تو دو فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مُبارک چاک کر کے دِل نکالا، پھر دل کو چاک کیا اور اُس سے سیاہ جما ہوا خون نکالا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے دِل اور پیٹ کو برف کے پانی کے ساتھ دھویا، اس سے فارغ ہو کر ایک فرشتے نے دُوسرے سے کہا: "ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ تولو۔" اس نے تولا تو آپ ﷺ بھاری نکلے، پھر وُہ دس دس کر کے اور بڑھاتا رہا۔ جب ایک ہزار تک پہنچا اور آپ ﷺ بھاری نکلے تو اس نے کہا: "اگر تم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی ساری اُمّت کے ساتھ تولو گے، تو پھر بھی آپ ﷺ ہی بھاری نکلیں گے۔" ایک روایت میں ہے کہ: جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام غارِ حرا میں وحی لے کر آئے اُس وقت دُوسری بار اور اسرا کے وقت تیسری بار آپ ﷺ کا سینۂ مبارک چاک کیا گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دس سال کی عمر میں بھی شقّ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت لگائی گئی جس سے کستوری جیسی خوشبو مہکتی تھی۔ اور بُخاری شریف کی روایت کے مطابق وُہ "حجلہ" کے حلقے جیسی تھی، مُسلم شریف میں ہے کہ وُہ کندھے کی نرم ہڈی کے پاس جمع شدہ گوشت تھا جس پر سیاہ مُہکوں جیسے تِل تھے۔ ایک روایت کے مطابق وُہ بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی۔ اور ایک روایت میں ہے، دائیں کندھے کے پاس تھی۔ مُسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ وُہ کبوتری کے انڈے جیسی تھی۔ ترمذی اور دلائل بیہقی میں ہے کہ وُہ سیب جیسی تھی۔ (الفاظِ روایات کی تشریح یہ ہے) قولہٗ "مثل زر الحجلہ": ز اور رَا کے ساتھ۔ اور حجلہ حا اور جیم کے ساتھ ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ "حجال" کا واحد ہے۔ یہ قبہ نما گھر ہے، جس میں بڑے بڑے بٹن اور حلقے ہوتے ہیں۔ اس کا یہی معنیٰ درست ہے۔ قولہٗ "جُمع": جَ کے ضمّہ اور مَ کے جزم کے ساتھ ہے، بند کی ہوئی مُٹھی۔ یعنی اس کی صُورت ایسی تھی، جیسی ہاتھ کی پانچوں اُنگلیاں اکٹھی کرنے سے بنتی ہے۔ قولہٗ "خیلان": خا کے کسرہ اور یا کی سکُون کے ساتھ ہے، خال کی جمع ہے جسم پر نمُودار ہونے والا کالا تِل۔ "نغض و الناغض": کندھے کا

اُوپر کا حصہ۔ احمد اور طبرانی کے نزدیک عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ جب دونوں فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا تو ایک نے دُوسرے سے کہا، اب اِس کو سی دو، چنانچہ اس نے سی دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مُہرِ نبوّت بھی لگائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کی وفات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ابھی سات سال بھی پوری نہیں ہُوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ وُہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اُمّ ایمن کو ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال (ماموؤں) بنو نجار سے مدینہ منورہ میں ملنے گئی تھیں کہ واپسی پر راستہ میں ہی انتقال کر گئیں۔ والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد اُمّ ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ معظمہ لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطّلب کے حوالے کر دیا اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور اِتنے پیار و محبّت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیّت کی کہ اتنا پیار و محبّت انھوں نے اپنی اولاد سے بھی نہیں کیا تھا۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے جُدا نہیں کرتے تھے۔ اور جس بستر پر احتراماً اُن کے بیٹے نہیں بیٹھ سکتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ بنو مدلج کے قیافہ شناسوں کی ایک جماعت مکّہ مکرّمہ آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد سے کہنے لگی کہ "اِس بچّے کی خوب حفاظت کرنا۔ مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر پیر کا جو نشان لگا ہوا ہے، اِس بچّے کے پاؤں اس سے ملتے جلتے ہیں"۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے ابُو طالب سے کہا: "سُنو! یہ کیا کہہ رہے ہیں، اس بچّے کی حفاظت کرنا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد کا انتقال

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے آٹھ سال بھی پُورے نہیں کیے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی داغ مفارقت دے گئے اور وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور سرپرستی ابوطالب کے سپرد کر گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: "عبد المطّلب قریش کے سرداروں میں سے ایک صاحبِ وجاہت سردار

سے تھے۔ عہد کی پابندی اپنا فرض سمجھتے تھے، اچھی اچھی عادتوں کے خوگر تھے، مسکینوں سے محبت کرتے، حاجیوں کے آرام و راحت کا انتظام کرتے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے چرند و پرند تک کی خوراک کا بندوبست کرتے، قحط سالی میں محتاجوں کو کھانا کھلاتے اور ظلم پیشہ افراد کی بیخ کنی کرتے تھے۔"

عبدالمطلب کی والدہ کا نام سلمٰی بنت زید ہے، جو مدینہ منورہ میں رہنے والے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہاشم بن عبد مناف نے ان سے شادی کی، کچھ عرصہ بعد ہاشم اپنی بیوی کو بحالت حمل اس کے والدین کے پاس چھوڑ کر خود بغرض تجارت شام چلے گئے اور اس سفر میں شام کے شہر غزہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا، جس کا نام اس نے شیبہ رکھا۔ جب بچے نے ہوش سنبھالا تو اس کے چچا مطلب اس کو لینے آئے۔ پہلے تو اس کی والدہ نے انکار کیا لیکن جب چچا نے کہا کہ یہ اپنے باپ کی جائیداد کا وارث ہوگا تو اس نے اجازت دے دی۔

جب مطلب بچہ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگ دیکھ کر کہنے لگے: "ہذا عبدالمطلب"! یعنی "یہ مطلب کا غلام ہے"! یہ سن کر انہوں نے کہا: "یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے اور اس کی یادگار ہے، میرا غلام نہیں۔"! پھر عبدالمطلب نے اپنے والد کا کام سنبھالا اور اپنی قوم کے لیے اسی طرح بابرکت ثابت ہوئے جس طرح ان کے آباؤ اجداد، ان سے پہلے اپنی قوم کے لیے بابرکت ثابت ہوئے تھے۔ بلکہ یہ شرف و بزرگی میں اپنے پیش رووں سے بڑھ گئے اور قوم نے بھی انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنا عظیم راہنما تسلیم کر لیا۔

عبدالمطلب کی اولاد

عبدالمطلب کے دس لڑکے تھے، بڑے لڑکے کا نام حارث تھا، جو اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کے بیٹوں میں سے بدر کی جنگ میں ربیعہ مسلمان ہو گئے۔ بعد میں، فتح مکہ کے دن، ابوسفیان بن حارث بھی اسلام لے آئے، ان کا نام عبداللہ تھا۔ دوسرے بیٹے کا نام زبیر بن عبدالمطلب تھا، یہ زمانہ اسلام سے پہلے ہی فوت ہو گئے، اور یہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ایک لڑکے عبداللہ اور ایک لڑکی ضباعہ نے اسلام قبول کیا۔

تیسرے لڑکے ابوطالب ہیں، ان کا نام عبد مناف تھا۔ کہتے ہیں یہ بھی حضرت عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔

انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا ہے، لیکن شرفِ اسلام سے محروم رہے۔ ان کے طالب، عقیل، جعفر اور علی چار بیٹے تھے۔ اِن چاروں کی پیدائش میں دَس دس سال کا فاصلہ تھا۔ سب سے بڑے طالب، پھر عقیل، پھر جعفر اور آخر میں علی تھے۔

چوتھا بیٹا ابولہب تھا، جو جنگِ بدر کے بعد مَر گیا ـــــ اس کے لڑکے عتیبہ کے حق میں آنحضرت ﷺ نے بدُعا فرمائی تھی اور اسے ایک درندے نے مار دیا تھا۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکّہ کے دن مشرّف بہ اسلام ہُوئے۔ عبدالمطلب کے بیٹوں میں حضرت حمزہ اور حضرتِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبُول کیا تھا۔

عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے آنحضرت ﷺ کے والدِ ماجد حضرت عبدُاللہ بھی تھے۔ رسُول اللہ ﷺ کے علاوہ آپ ﷺ کے والدین سے کوئی اَولاد نہیں ہُوئی۔

جناب عبدُالمطلب کی چھ بیٹیاں تھیں، ایک کا نام اُمّ حکیم بیضاء تھا، ان سے کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدِ شمس نے شادی کی اور ان کے بطن سے ابوعبداللہ عامر بن عامر مشہور سخی پیدا ہُوئے۔ دُوسری بیٹی کا نام اروی ہے، ان کی شادی عفان سے ہُوئی اور ان کے پیٹ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ ثالث پیدا ہُوئے۔ خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد عقبہ بن ابی مُعیط کے نکاح میں آئیں اور وَلید بن عقبہ کو جنم دیا۔ یہ اپنے بیٹے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک بقیدِ حیات تھیں۔ تیسری بیٹی کا نام بَرّہ ہے۔ یہ ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کی والدہ ہیں۔ چوتھی عاتکہ ہیں ـــ یہ عبدُاللہ ابنِ ابی امیہ کی والدہ ہیں۔ ان کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ پانچویں بیٹی کا نام صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، یہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ مشرّف بہ اسلام ہُوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائیں۔ چھٹی بیٹی کا نام اروٰی ہے۔ اور عبدُاللہ، ابواحمد، عبیدُاللہ، زینب اور حمنہ اولادِ جحش کی والدہ ہیں۔

ابوطالب کی کفالت

آں حضرت ﷺ کی عُمر آٹھ سال یا کچُھ زیادہ تھی کہ آپ ﷺ کے دادا نے ۱۱۰ سال کی عُمر میں انتقال کیا اور آپ ﷺ کے چچا ابُوطالب آپ ﷺ کے سرپرست بنے۔

چونکہ ابُوطالب، آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے، اس لیے آپ ﷺ کے دادا عبدُالمطلب نے اُن کو آپ ﷺ کا کفیل مقرر کیا۔ واقدی کا بیان ہے کہ ابُوطالب نے آنحضرت ﷺ کی عُمر کے آٹھویں سال سے نبوّت کے دسویں سال تک ۴۲ سال آپ ﷺ کی حفاظت اور سرپرستی کا حق ادا کر دیا۔ ابُوطالب ہر موقعہ پر آپ ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ اور آپ ﷺ سے نہایت رحمدلی کا برتاؤ کرتے تھے۔

ابنِ عساکر جلہمہ بن عرفطہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکّہ مکرّمہ آیا، اس وقت وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ لوگ سخت پریشان تھے۔ قریش ابُوطالب کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہنے لگے ، "مُلک میں قحط پڑ گیا ہے اور بال بچّے بھُوکوں مر رہے ہیں۔ خُدا کے لیے آئیے اور بارش کی دُعا کیجیے۔" چنانچہ ابُوطالب ایک چاند سے نوجوان کو لے کر نکلے، جیسے وُہ ابھی ابھی سیاہ بادل کے حلقے سے برآمد ہوا ہو۔ اس کے اِردگرد اور لڑکے بھی تھے، خانہ کعبہ میں پُہنچ کر ابُوطالب نے اس نوجوان کی کمر دیوارِ کعبہ سے لگا دی اور بارش کی دُعا کے لیے اپنی اُنگلی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا۔ اُس وقت آسمان صاف تھا۔ اور کہیں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا تھا، اس کی دعا کا یہ نتیجہ ہُوا کہ چاروں طرف سے بادل گھر آئے، اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ میدانوں میں سیلاب آ گیا اور شہر اور جنگل سرسبز و شاداب ہو گئے۔ اسی کے متعلق ابُوطالب نے اپنا مشہُور شعر کہا ہے ؎

وابیض یُستسقی الغمام بوجھہٖ ثِمال الیتامٰی عصمۃ للارامل

ترجمہ: "وُہ روشن رُو ہے، اُس کے چہرے کے سبب بادل سے بارش کی دُعا کی جاتی ہے، یتیموں کی جائے پناہ اور بے کسوں کا سہارا ہے۔"

- ثِمال: ثائ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جائے پناہ۔ مددیا قحط سالی میں کھانا کھلانیوالا۔
- ارامل: مسکین مرد اور عورتیں۔ عصمۃ للارامل: مسکین مرد اور عورتوں کو محتاجی اور ضائع ہونے سے بچانیوالا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی گود اور دادا بزرگوار حضرت عبدالمطلب کی سرپرستی میں انتہائی پُرامن اور پُرسکون زندگی بسر کی۔ چونکہ آپ ﷺ کے سر پر عزّ و کرم کا تاج رکھا جانا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بڑے احسن طریق پر نشو و نما فرمائی۔

ایک راہب کی پیشگوئی

جب آپ ﷺ بارہ سال کے ہوئے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملکِ شام کی طرف سفر کیا۔ بصریٰ پہنچے تو بحیرا راہب نے جس کا نام جرجیس تھا، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: "یہ سب لوگوں کا سردار ہے اللہ تعالٰی اس کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔" ابو طالب نے پوچھا: "تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" بولا: "جب تم گھاٹی سے نیچے اترے تو میں نے دیکھا کہ راستے میں سب درخت اور پتھر اس کو سجدہ کر رہے ہیں اور یہ نبی کے بغیر کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ میں مہرِ نبوت سے بھی پہچانتا ہوں، جو سیب کی طرح اس کے کندھے کی نرم ہڈی کے نیچے ابھری ہوئی ہے اور اس کی صفات اور علامات ہم اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں[1]۔" پھر اس نے ابو طالب سے کہا کہ "ان کو واپس بھیج دیجئے، ایسا نہ ہو کہ یہود کی طرف سے ان کو کوئی ایذا پہنچے۔" یہ روایت بالتفصیل ابن ابی شیبہ نے ذکر کی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب آپ ﷺ آ رہے تھے تو بادل آپ ﷺ کے سر پر سایہ کر رہا تھا۔ پھر دوسری دفعہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ ملکِ شام آئے اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ جب آپ ﷺ بصریٰ میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھے تو نسطورا راہب نے کہا: "یہ نبی ہے، کیونکہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا آدمی کبھی نہیں بیٹھا۔" اس سفر میں میسرہ نے دیکھا کہ دوپہر کے وقت دو فرشتے آپؐ کے سر پر سایہ کرتے اور دھوپ سے بچاتے تھے۔

نیز ابو نعیم نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ قافلہ دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ واپس پہنچا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بالاخانے سے دیکھا کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہیں، اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر رہے ہیں۔

شادی خانہ آبادی

اس سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جو پہلے ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی اور اس کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں تھیں۔ عتیق کا انتقال

---

[1] اس روایت کی استنادی حیثیت مشکوک ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "سیرۃ النبیؐ" شبلی نعمانی جلد اول ص ۱۸۱-۱۸۲ (مترجم)

بطن سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام ھند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۴۰ برس تھی، اور ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لڑکے اور لڑکیاں ان ہی سے پیدا ہوئے۔ ابراہیمؑ کی والدہ کا نام ماریہ قبطیہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے لڑکے کا نام قاسمؑ تھا، اور انہی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ نبوت سے پہلے ہی چند دن زندہ رہ کر انتقال کر گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اور لڑکے بھی تھے، جن کے ناموں میں اختلاف ہے، عبداللہ، طیب یا طاہرؑ۔

ابراہیمؑ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور دو مہینے کم دو سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ۳ ماہ پہلے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اتفاقاً سورج کو اس دن گرہن لگا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں:

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی ہوئی۔ ان سے ایک لڑکے علی پیدا ہوئے، جو بلوغت کے قریب عمر پا کر انتقال کر گئے، اور ایک لڑکی امامہ پیدا ہوئیں، ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئیں، مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور مغیرہ کی زندگی میں وفات پائی۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انتقال ہوا۔ اور ان کے شوہر ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔

رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی ہوئی۔ اور ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہیں آئیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جو ۴ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ خود حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ بدر سے تقریباً تین روز بعد دنیا فانی کو چھوڑ کر عالم جاوداں کو سدھاریں۔

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی، ان سے حضرت حسن، حسین، زینب، ام کلثوم اور محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے۔ محسن صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے۔ زینبؓ کی عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب سے شادی ہوئی جن سے ایک لڑکا علیؓ پیدا ہوا، جو صاحب

اولاد تھا۔ اُمِ کلثومؓ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ یہ پہلے عتبہ بن ابی لہب سے بیاہی ہوئی تھیں لیکن اُس نے رخصتی سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ پھر انکی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی ہوئی، اُن کے پاس ان کا انتقال ہوا۔ اور ان سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے اُن کا انتقال ہوا - ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو سلام پہنچائیں۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت نشینی اور عبادتِ الٰہی کی طرف رغبت ہوئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں گوشہ نشین ہو کر اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت پرستی اور اپنی قوم کے مذہب سے سخت نفرت پیدا ہو گئی، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دُنیا میں اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو و نما اور تربیت اتنی اعلیٰ فرمائی کہ آپؐ اپنی قوم میں مُروت اور رواداری میں سب سے افضل، اخلاق و عادات میں سب سے اعلیٰ، حقوقِ ہمسائیگی ادا کرنے میں سب سے معزز، حوصلہ اور بُردباری میں سب سے بلند، اور گفتار و کردار میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی خصالِ حمیدہ اور اطوارِ جمیلہ کو دیکھ کر قوم نے آپؐ کا نام "امین" رکھا تھا۔

تعمیرِ کعبہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے ۳۵ سال پورے کیے، اُس وقت قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کا آغاز کیا اور وقت کے تقاضے کے مطابق اس کی تکمیل کی۔ "اہلِ سیر" کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کے بیٹے بیتُ اللہ کے متولی بنے اور دیر تک اس کے جملہ امور اپنی مرضی کے مطابق سرانجام

دیتے رہے، پھر رفتہ رفتہ ان کے ماموں بنوجرہم ان پر غالب آ گئے، اور بیت اللہ کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ بالآخر اُنھوں نے کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کیا۔ نذرانے اور تحائف، جو بیتُ اللہ کی تعمیر و ترقی کے لیے دیے جاتے تھے، ہضم کر گئے۔ اور مکّہ معظمہ میں داخل ہونے والوں کو ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کنانہ کے قبیلے بنوبکر اور خزاعہ کے قبیلے غبشان نے مل کر ان سے اقتدار کو چھیننے اور ان کو مکّہ مکرمہ سے نکال دینے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ان سے اعلانِ جنگ کیا، اور شدید لڑائی کے بعد بنوبکر اور غبشان نے ان پر فتح پائی، اور انھیں مکّہ مکرمہ سے نکال باہر کیا۔

زمانۂ جاہلیت میں مکّہ مکرّمہ میں ظلم وتعدی ناقابلِ معافی جرم تھا۔ ظلم پیشہ افراد کو اللہ تعالیٰ اس جگہ سے نکال دیتا تھا۔ اگر کوئی بادشاہ اس کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتا، تو اسی جگہ موقعہ پر ہلاک ہو جاتا۔ اسی واسطے اس کو بکّہ کہا جاتا تھا کہ جب ظالم اور سرکش اس کی بے حرمتی کرتے تو ان کی گردنیں توڑ دیتا تھا۔

پھر ایک وقت آیا کہ خزاعہ کا قبیلہ بنوغبشان بیت اللہ کا متولی بن گیا اور بنوبکر اس میں عمل ودخل سے محروم کر دیے گئے۔ عمرو بن حارث غبشانی برسرِاقتدار آ گیا، اور عرصہ تک بیت اللہ ان کے زیرِ انصرام رہا۔ قریش اس وقت اپنی قوم بنوکنانہ میں مختلف دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے، اور خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ مدت تک مکّہ مکرمہ پر بنوخزاعہ کا نسلاً بعد نسلٍ اقتدار قائم رہا۔ اُن کا آخری برسرِ اقتدار شخص حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ تھا، جو محّی خزاعی کے نام سے مشہور تھا۔

خانہ کعبہ پر قریش کا قبضہ

قریش کے جدِّ اعلیٰ قصیّ نے حلیل سے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگا، اس نے قبول کر لیا اور اپنی صاحبزادی کی شادی قصیّ سے کر دی۔ اس کے پیٹ سے قصیّ کے چار بیٹے عبدالدار، عبدِ مناف، عبدالعزیٰ اور عبد پیدا ہوئے، جب قصیّ کے بیٹے پھلے پھولے اور مال کے ساتھ ساتھ اس کے عزّ وجاہ میں بھی ترقی ہوئی، تو اس کے خسر حلیل کا انتقال ہو گیا۔ اب قصیّ نے دعویٰ کیا کہ وہ بنوخزاعہ اور بنوبکر سے بیت اللہ کی تولیت کا زیادہ حقدار ہے۔ اور قریش ہی اسماعیل علیہ السلام کی خالص اولاد اور ان کے ترکہ کے جائز وارث ہیں۔ قصیّ نے اس مقصد کے لیے اپنے خاندان قریش اور بنوکنانہ میں اس زور سے پرچار

کیا کہ وُہ سب اس کے ہمنوا ہو گئے۔ ادھر بنو خزاعہ بھی اپنا تسلط چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے، نتیجہ کے طور پر فریقین کے درمیان شدید جنگ شروع ہو گئی۔ آخر فریقین نے صُلح کر لی اور بنو بکر کے ایک معزز سردار عمرو بن عوف کے فیصلے پر متفق ہو گئے۔ اس نے فیصلہ دیا کہ قصیّ بنو خزاعہ اور بنو بکر سے نہ صرف بیت اللہ کی تولیت، بلکہ پورے مکہ شہر کی حکومت کا زیادہ مستحق ہے۔ نیز قصیّ کی جانب سے اُنکا جو جانی نقصان ہوا ہے، اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔ اور بنو خزاعہ اور بنو بکر نے قریش اور بنو کنانہ کے جتنے آدمی مارے ہیں، وُہ ان کی دیت اور خُون بہا ادا کریں اور آئندہ کے لیے بیت اللہ اور مکہ معظمہ کے انتظامی امُور میں قصیّ جو اقدام کرے، اس میں رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس فیصلے کے بعد قصیّ، بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کا جائز متولی قرار پایا۔ اُس نے مختلف مقامات پر بکھرے ہُوئے قریش بادیہ نشینوں کو مکہ میں جمع کیا اور اپنی قوم اور اہل مکہ کا بادشاہ بن گیا اور اُنھوں نے اس کی بادشاہی کو قبول کر لیا، مگر اُس نے اہل عرب کو اپنے اپنے رسم و رواج پر قائم رہنے کی آزادی دے دی۔ کیونکہ وُہ اسے اُن کا حق اور اُن کا دین سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے آل صفوان کے لیے، لوگوں کو واپس لانے کا حق بحال رکھا۔ بقول ابن اسحٰق حج کے موقعہ پر صفوان لوگوں کو عرفات سے واپس لاتا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یہ فریضہ ادا کرتے رہے، حتیٰ کہ اسلام کی عملداری شروع ہُوئی۔ اس وقت اُنکا آخری شخص کرب بن صفوان یہ ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا۔ اسی طرح اس نے مزدلفہ سے حجاج کو واپس لانے کا حق بنو عدوان کے لیے محفوظ رکھا اور وُہ نسلاً بعد نسلٍ اس کے وارث چلے آئے۔ اسلام کی آمد کے وقت ان کا آخری شخص ابُو سیّارہ یہ فریضہ بجا لاتا تھا، اس نے نسات اور مرہ بن عوف کو بھی اُنکی حالت پر قائم رہنے دیا۔ اسلام آیا تو اُس نے جاہلیت کے تمام آثار اور ہر قسم کے رسم و رواج ختم کر دیے۔

قصیّ بن کلابؒ کی حکمرانی

بنو کعب بن لوئی سے قصیّ پہلا شخص ہے، جس نے اپنی قوم پر حکومت کی۔ اس کی قوم نے دل اور جان سے اس کی حکومت کو قبول کر لیا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ بیت اللہ کی دربانی، حجاج کو پانی پلانا، انکو کھانا کھلانا، دارالندوہ کی صدارت اور حرب و ضرب کے وقت جھنڈے کا انعقاد، جیسے معزز عہدے اس کے پاس تھے۔ اُس نے مکہ معظمہ کی ازسرِ نو پلاٹ بندی کی اور منظم طریق پر قریش کے سب قبیلوں کو مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔ کہتے ہیں پہلے پہل قریش اپنے اپنے گھروں میں حرم کے درخت کاٹنے سے ڈرتے تھے، مگر قصیّ نے

خود اپنے ہاتھ سے اور اپنے حمایتیوں کی مدد سے درخت کاٹ کر اُن کا ڈر دُور کیا۔ قریش کو باعزت طور پر اور منظم طریق سے مکہ میں آباد کرنے کی وجہ سے وُہ قصیّ کو "مجمّع" کے نام سے موسُوم کرتے تھے اور اُس کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے۔ کسی لڑکی کی شادی اور کسی مرد کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ پیش آمدہ مصیبت میں اُس کے گھر میں بیٹھ کر اس کا حل تلاش کیا جاتا، اور اگر کبھی لڑائی کی نوبت آتی تو اس کے سامنے اس کا کوئی لڑکا جھنڈا باندھنے کی رسم ادا کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکی حدِ بلوغت کو پہنچتی، تو اُس کے گھر اُس کے ناپ کے مطابق قمیص تیار کی جاتی، پھر اس کو پہنا کر اس کے والدین کے حوالے کیا جاتا۔ غرض اس کی قوم اس کے ہر حکم کو دین کا حکم سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہوتی تھی۔

دارالنّدوہ کی تعمیر

قصیّ نے اپنے لیے ایک دارالندوہ تعمیر کیا اور اس کا دروازہ مسجد کعبہ کی طرف رکھا۔ قریش اسی میں بیٹھ کر اپنے تمام امور طے کیا کرتے تھے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ "الندوہ" کا لفظ "الندا" سے ماخوذ ہے۔ "نادی" اور "منتدیٰ" اس مجلس کو کہتے ہیں، جس میں لوگ حل طلب امر کے لیے جاتے ہیں اور کسی نتیجے پر پہنچ کر واپس آتے ہیں۔ یہی دارالندوہ بعد میں حکیم بن حزام بن خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ کی ملکیت میں آگیا، جس کو انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ملامت کی کہ "تم نے ایک ایسے گھر کو بیچ دیا ہے، جس کے ساتھ تمہارے بزرگوں کے فخر اور مکرمت کی داستانیں وابستہ ہیں"۔ حکیم نے جواب دیا کہ "اسلام آنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے ہر طرح کے مفاخر و مکارم مٹ گئے ہیں۔ اب فخر و عزت صرف تقویٰ سے حاصل ہو سکتی ہے، بخدا! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اس کو شراب کے ایک مشکیزے کے عوض خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا ہے۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کی ساری قیمت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی ہے، اب بتائیے اِخسارے میں کون رہا؟"

اِس واقعہ کو دارقطنی نے اپنی کتاب "اسماء رجال الموطأ" میں ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ!

عبدالدّار کے عہدے اور منصب

جب قصیّ بوڑھا ہو گیا تو حالت یہ تھی کہ اس کا بڑا لڑکا عبدالدار غریب تھا۔ عزّو جاہ اور شرف و دولت

میں اس کے بھائی عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبد اس سے بڑھ گئے تھے، اس لیے قصیؔ نے عبدالدار سے کہا:
"بیٹا! تیرے بھائی اگرچہ شرف و عزت میں تجھ سے بڑھ گئے ہیں لیکن بخدا! میں تم کو ان کے ساتھ ملا دونگا۔ آج سے جب تک تم بیت اللہ کا دروازہ نہیں کھولو گے، ان میں سے کوئی آدمی اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ لڑائی کے لیے قریش کا جھنڈا تیرے ہاتھ سے بندھے گا، مکہ میں تیری سبیل کے علاوہ کوئی آدمی پانی نہیں پی سکے گا۔ حج میں حاضر ہونے والے صرف تیرا ہی کھانا کھائیں گے اور قریش کے ہر معاملے کا فیصلہ تیرے ہی گھر میں ہوگا۔"
اس طرح قصیؔ نے فخر و مباہات کے تمام مناصب حجابت، لوار، سقایت اور رفادہ اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے حوالے کر دیے۔

رفادہ وہ سالانہ ٹیکس ہے جو قریش ہر سال حج کے موقعہ پر قصیؔ کو ادا کیا کرتے تھے، جس سے وہ نادار اور سفر خرچ سے عاجز حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرتا تھا۔ یہ ٹیکس قصیؔ نے قریش پر یہ کہہ کر فرض کر دیا تھا کہ "اے جماعتِ قریش! تم اللہ کے ہمسائے، اس کے گھر کے خادم اور حرم میں بسنے والے ہو اور حاجی حضرات اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائر ہیں یہ سب مہمانوں سے عزت اور احترام کے زیادہ مستحق ہیں، حج کے ایام میں واپسی تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرو۔" قریش نے قصیؔ کی اس اپیل کو قبول کیا اور ہر سال باقاعدہ اس مقصد کے لیے اس کو ٹیکس ادا کرنے لگے۔ اس سے وہ ایام منیٰ میں حاجیوں کی دعوت کرتا اور انھیں پُر تکلف کھانا کھلاتا تھا۔ دورِ جاہلیت میں اس کا جاری کردہ یہ نظام اسلام کے زمانے تک قائم رہا۔ پھر اسلام میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، مگر اب یہ بادشاہ کا وظیفہ تھا کہ وہ حج کے اختتام تک منیٰ میں لوگوں کے کھانے کا اہتمام کرے۔

بنو عبدالمناف کا بنو عبدالدار سے جھگڑا

قصیؔ کی زندگی میں اس کا ہر حکم قوم کے لیے واجب التعمیل تھا۔ کسی کو اس کے جاری کردہ نظام میں تنقید کی مجال نہیں تھی۔ اس کے انتقال کے بعد عرصے تک اس کے بیٹے بھی بالاتفاق اسی راستے پر گامزن رہے، پھر عبدمناف اور عبدالدار کے بیٹوں میں نزاع پیدا ہوا۔ عبدمناف کی اولاد عبدالدار کے بیٹوں سے وہ تمام اعزاز، چھیننا چاہتی تھی، جو ان کو ان کے جدِ اعلیٰ کی طرف سے تفویض ہوئے تھے۔ وہ مال و دولت اور عزّ و شرف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ قریش کے دوسرے قبائل فریقین کا ساتھ دینے کی وجہ سے

دو دھڑوں میں بٹ گئے، کچھ عبد مناف کے ساتھ مل گئے اور دُوسروں نے عبدالدار کا ساتھ دیا۔ فریقین نے اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ بڑے بڑے مؤکد عہد و پیمان کیے کہ جب تک سمندر میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود ہے وُہ ایک دُوسرے کی مدد سے مُنہ نہیں موڑیں گے اور نہ اپنے حلیفوں کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑیں گے عبد مناف کی ایک عورت نے تو خوشبو کا بھرا ہوا پیالہ حاضر کیا، جس کو انھوں نے مسجدِ حرام میں خانہ کعبہ کے پاس رکھا اور عہد و پیمان کی پختگی کے لیے اپنے حلیفوں کے ساتھ اس میں ہاتھ ڈبوئے جس کے باعث یہ "مطیّبین" (خوشبو میں ہاتھ ڈبونے والے) کہلائے۔ بالآخر ان میں مصالحت کی تحریک چلی جس کے نتیجے میں "السقایہ" اور "الرفادہ" بنو عبد مناف کو دے دیئے گئے، جب کہ "الحجابۃ" "اللواء" اور "الندوہ" بدستور بنو عبدالدار کے قبضے میں رہے۔ اس پر دونوں فریق رضامند ہو گئے اور قریش کے دُوسرے قبائل اسلام کی آمد تک اپنے اپنے حلیف فریق کی دوستی پر قائم اور دائم رہے۔ اسی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"مختلف قبائل کے درمیان دوستی اور باہمی تعاون کے جو معاہدے زمانہ جاہلیت میں ہوئے تھے، اسلام اُن کو توڑنے کی بجائے اور مستحکم کرتا ہے۔"

حلف الفضول

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حلف الفضول ایک مقدس اور پاکیزہ معاہدہ ہے کہ اس جیسا پاکیزہ معاہدہ پہلے عرب میں کبھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر انعقاد پذیر ہوا تھا۔ اس کے پہلے محرک اور داعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم جناب زبیر بن عبدالمطلب تھے ــــــــــ ہوا یوں کہ یمن کے شہر زبید سے ایک آدمی مکہ مکرمہ میں سامانِ تجارت بیچنے کے لیے لایا، وُہ سارا سامان عاص بن وائل نے خرید لیا۔ چونکہ یہ مکہ میں صاحبِ حیثیت اور با اقتدار رئیس تھا، اس لیے اس نے زبیدی کو مال کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ زبیدی نے ہر طرح اپنا حق لینے کا مطالبہ کیا مگر کامیاب نہ ہوا۔ اُس نے قریش کے قبائل بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی سے جو ایک دُوسرے کے حلیف تھے، عاص سے اپنا حق دلانے کے لیے مدد مانگی لیکن انھوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر اس نے کعبہ سے ملحق پہاڑ ابو قبیس پر چڑھ کر جب کہ قریش بیت اللہ کے گرد محفلیں جمائے بیٹھے تھے، چند اشعار پڑھے، جن میں اُس نے اپنے ستم رسیدہ اور مظلوم ہونے کا ایسا پُرسوز ذکر کیا کہ وُہ کلمات زبیر بن عبدالمطلب کا دل گرما گئے انہوں نے اپنے حلیف

قبائل بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تیم کو ظلم کے خلاف غیرت دلائی۔ چنانچہ یہ سب قبائل عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہو گئے، جہاں اُن کے لیے پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اُنھوں نے حرمت والے مہینہ ذیقعدہ میں کھڑے ہو کر معاہدہ کیا اور خُدا کی قسم اُٹھا کر بیک زبان کہا کہ: "واللہ ہم سب مظلوم کی مدد کے لیے ظالم کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح مُتحد رہیں گے اور جب تک ظالم سے مظلوم کا حق نہیں لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔" اسی معاہدے کو قریش نے "حلف الفضول" کا نام دیا کہ اس معاہدے کے شرکا نے یہ معاہدہ کر کے افضل ترین کردار کا ثبوت دیا ہے۔ پھر وہ سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کو اس کا حق دلایا۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے ؎

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا الا یقیم ببطن مکة ظالم

"حلف الفضول کے شرکا نے قسم اُٹھا کر معاہدہ کیا ہے کہ آج کے بعد کوئی ظالم مکہ میں نہیں ٹھہر سکے گا۔"

امر علیه توافقوا وتعاقدوا فالجار والمعتر فیهم سالم

"اس بات پر سب نے بالاتفاق عہد کیا ہے اس لیے اب ان میں ہمسائے اور باہر سے آنے والوں کے لیے سلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔"

اسی معاہدے کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک ایسے معاہدے میں شرکت کی ہے کہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر اسلام میں بھی مجھے اس قسم کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔"

یہ عبداللہ بن جدعان قبیلہ تیم سے تعلق رکھتا تھا، اس کی کنیت ابوزہیر تھی۔ اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا چچازاد بھائی تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دن پوچھا کہ عبداللہ بن جدعان بڑا فیاض تھا، وہ بھوکوں کو کھلاتا اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا تھا، کیا اُس کو قیامت کے دن اس کا فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا "اُس نے تو ایک دن بھی نہیں کہا کہ "اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہ معاف کر دینا۔" (اخرجه مسلم)

ابن قتیبہ کی تصنیف "غریب الحدیث" میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں دوپہر کے وقت سخت گرمی میں عبداللہ بن جدعان کے پیالے کے سائے میں چلتا تھا جس میں وہ عمی کی بھیڑ کو کھانا کھلاتا تھا۔" (باقی برصفحہ آئندہ)

اہلِ مکہ کی ثرید سے تواضع

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں کہ پہلے پہل ہاشم بن عبدِ مناف سقایہ (پانی کی سبیل) اور رفادہ (حاجیوں کے کھانے کا انتظام کرتے تھے، کیونکہ ان کا بھائی عبد شمس اکثر سفر میں رہتا تھا اور مکہ میں کم ہی ٹھیرتا تھا۔ دُوسرا وُہ کثرتِ عیال کے ساتھ ساتھ غریب بھی تھا اور ہاشم غنی اور سرمایہ دار تھے۔ ہاشم پہلا شخص ہے جس نے قریش کے لیے گرمی اور سردی میں دو دفعہ تجارتی سفر کا انتظام قائم کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے اہلِ مکہ کو ثرید (ایک اعلیٰ قسم کا کھانا) کھلایا۔ ان کا پہلا نام عمرو تھا ـــــ شوربا میں روٹی توڑ کر ثرید بنانے کی وجہ سے مکہ والوں نے ان کا نام ہاشم (توڑنے والا) رکھ دیا۔ شاعر[1] نے انہی کے متعلق کہا ہے ؎

عمرو العلا هشم الثريد لقومه　　　قوم بمكة مسنتين عجاف

"عالی قدر عمرو وہی ہے جس نے مکہ میں مسلسل قحط سالی کے باعث نڈھال ہونے والی اپنی قوم کو ثرید کھلایا۔"

ابنِ اسحٰق کے قول کے مطابق اس کے بعد ہاشم تجارت کرنے کے لیے شام گئے اور وہیں غزہ کے مقام پر داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ہاشم کے بعد "السقایہ" اور "الرفادہ" کے ناظم مطلب بن عبدِ مناف بنے، یہ اپنے دونوں بھائیوں عبد شمس اور ہاشم سے چھوٹے تھے اور اپنی قوم میں فضیلت اور عزو شرف کے مالک تھے۔ ان کی جود و سخا کی وجہ سے قریش ان کو "فیاض" کے نام سے پکارتے تھے۔ پھر مطلب بھی انتقال کر گئے اور "السقایۃ" اور "الرفادہ" کا انتظام ان کے بھتیجے عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گیا۔ انہوں نے ان کا ایسا اعلیٰ انتظام کیا اور آباؤ اجداد کے مستحسن افعال کو اس قدر ترقی دی کہ وُہ قوم میں تعظیم و تکریم کے ایسے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے جس پر پہلے کوئی نہیں پہنچا تھا۔

بئرِ زمزم کی کھدائی اور اس کے حقِ ملکیت میں نزاع

جب بنو جرہم کی بے اعتدالیوں اور مکہ میں آنے والے حاجیوں پر ان کے ظلم اور زیادتیوں کی وجہ سے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ سے) ـــــ اس سے مُراد عبداللہ بن جدعان کی دعوت میں کھانا کھانے والوں کی بھیڑ ہے جنہیں بنو عدان کا سردار عُمیٰ حج کے موقعہ پر دوپہر کے وقت عرفات سے واپس لاتا تھا۔

[1] اس شاعر کا نام مطرود بن کعب خزاعی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن سے اقتدار چھیننے اور اُن کو مکّہ سے نکال لینے کے اسباب مہیّا کیے، تو اُن کے آخری سردار عمرو بن حارث جرہمی نے کعبہ کے نفیس اور قیمتی تحائف زمزم میں پھینک دیئے اور اُس کو توڑ پھوڑ کر اس طرح بھرا کہ اس کا نشان ہی مٹا دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر مدّتیں گزر گئیں، اور زمزم اور اُس کا محلِ وقوع لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا۔ آخر خواب میں عبدالمطلب کو زمزم کھودنے اور اس کو دوبارہ جاری کرنے کا اشارہ ہُوا اور خواب میں ہی اس کے محلِ وقوع کی نشاندہی کی گئی۔ چنانچہ عبدالمطلب صبح سویرے کدال لے کر اپنے بڑے بیٹے حارث کے ہمراہ وہاں پہنچے اور نشان زدہ جگہ کو کھودنا شروع کیا۔ جب کچھ دیر کھودنے کے بعد چاہِ زمزم کے نشان مل گئے تو انہوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ اس وقت قریش کو پتہ چلا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ سب مل کر آئے اور کہنے لگے "اے عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے، اس میں ہمارا بھی حق ہے، اس لیے اس کے سب حقوق میں ہمیں بھی شرکت کا موقعہ دو۔" عبدالمطلب نے جواب دیا "ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ نوازش میرے ساتھ مخصوص ہے۔ تمہارا اس میں کوئی حصّہ نہیں۔" لیکن قریش اس میں شرکت پر مُصر تھے، اس لیے فیصلے کے لیے وہ یہ نزاع بنو بکر کی ایک کاہن عورت کے پاس لے گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کھدائی کے وقت سونے کے دو ہرن اور کچھ زرہیں اور تلواریں ملیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا "اے عبدالمطلب! ہمارا بھی ان چیزوں میں حق ہے۔" عبدالمطلب نے ان چیزوں میں اُن کا حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اگر تم حصّہ لینے پر مُصر ہو تو آؤ قرعہ اندازی کر لیں، جس کا قرعہ نکل آئے وہ حقدار ہوگا اور جس کا نہ نکلے وہ محروم متصوّر ہوگا۔" کہنے لگے "یہ قرعہ اندازی کیسے ہوگی؟" عبدالمطلب نے کہا "دو تیر کعبہ کے، دو میرے اور دو تمہارے لیے ہوں گے، جس کے تیر جس چیز پر نکل آئے وہ اس کو مل جائے گی اور جس کے نہ نکلے وہ محروم رہے گا۔" سب نے کہا "یہ ٹھیک ہے اور مبنی بر انصاف ہے۔" اس پر عبدالمطلب نے دو زرد تیر کعبہ کے لیے اور دو سیاہ تیر اپنے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے تیار کیے۔ پھر اپنے سب سے بڑے بُت ہبل کے پاس جا کر وہ تیر قرعہ انداز کے حوالے کیے اور خود عبدالمطلب وہاں کھڑے ہو کر دُعا کرنے لگے۔ قرعہ انداز نے دو زرد تیر سونے کے دونوں ہرنوں پر اور دو سیاہ تیر زرہوں اور تلواروں پر رکھ دیئے اور قریش کے دونوں تیر ناکام رہے۔ پھر عبدالمطلب نے زرہیں اور تلواریں بیچ کر بیت اللہ کا دروازہ بنا دیا اور سونے کے دونوں ہرن خوبصورتی کے لیے دروازے پر نصب کر دیے۔ کہتے ہیں یہ پہلا موقعہ ہے کہ بیت اللہ کو سونے کے ساتھ مزیّن کیا گیا۔

ایک لڑکا ذبح کرنے کی نذر

بعد میں عبدالمطلب نے پانی پینے کے لیے زمزم کو سب لوگوں کے لیے وقف کر دیا اور نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس لڑکے عطا کر دے جو اُن کے لیے قوت کا ذریعہ اور دشمن کی مدافعت کا کامیاب علاج ہوں تو ایک لڑکا کعبہ کے پاس ذبح کر دینگے۔

ایفائے نذر

جب اللہ تعالیٰ نے عبدالمطّلب کو دس لڑکے عطا کر دیے اور انہوں نے معلوم کیا کہ اب وہ کافی قوت کے مالک ہو گئے ہیں اور دشمن کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں، تو انہوں نے سب لڑکوں کو جمع کیا اور انکو اپنی نذر سے آگاہ کیا اور نذر پوری کرنے کی ترغیب دی۔ فرمانبردار بیٹوں نے باپ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوچھا کہ اس کی صورت کیا ہو گی؟ اُنہوں نے کہا: تم سب ایک ایک تیر پر اپنا اپنا نام لکھ کر لاؤ۔ جب سب نے اپنا اپنا نام لکھ کر تیر پیش کر دیے، تو وہ ان سب کو لے کر ہبل کے پاس آئے اور قرعہ انداز کو اپنی نذر بتا کر کہا، ان سے تیر لے کر قرعہ ڈالو۔ جس کے نام پر قرعہ نکلے گا، نذر پوری کرنے کے لیے اس کو ذبح کر دیا جائیگا۔ عبدالمطلب کو سب لڑکوں سے زیادہ عبداللہ سے محبت تھی، اُن کی آرزو تھی کہ قرعہ انکے نام نہ نکلے۔ اور یوں اُن کی مشکل میں تخفیف ہو جائے۔ اس لیے جب قرعہ انداز نے سب سے تیر لے کر قرعہ ڈالنے کی تیاری کی تو عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قرعہ انداز نے قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے نذر پوری کرنے کے لیے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اُن کو ذبح کرنے کے لیے اساف اور نائلہ کی طرف چلے۔ قریش یہ دیکھ کر اپنی اپنی مجلسوں سے اُٹھے اور اُن کو اس اقدام سے روکا۔ عبداللہ کے ماموں مغیرہ بن عبداللہ بن عمر مخزومی کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! جب تک بچاؤ کی تمام تدبیریں ناکام نہ ہوں، تم ہمارے بھانجے کو ذبح نہیں کر سکتے۔ اگر اُس کی جان بچانے کے لیے ہمیں اپنا سارا مال قربان کرنا پڑے تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔" پھر وہ سب مل کر ایک کاہن عورت کے پاس گئے اور اس سے اس کا حل پوچھا۔ وہ بولی: "ایک آدمی کے قتل کی تم کیا دیت دیتے ہو؟" سب نے بیک زبان کہا: "دس اُونٹ"! اور اُس وقت یہی دیت تھی۔ یہ سُن کر وہ عورت بولی: "اب اپنے گھر واپس جاؤ اور اس بچے اور دس اُونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ بچے کے

نام نکلے تو دس اُونٹ زیادہ کر کے پھر قرعہ ڈالو۔ اسی طرح دس دس اُونٹ بڑھاتے جاؤ، حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔ جب اُونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اُنکو ذبح کر دو اور سمجھو کہ رب راضی ہو گیا ہے اور تمہارے بچے کی جان بچ گئی ہے۔" چنانچہ وُہ واپس آئے، عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے لگے اور قریش نے عبداللہ اور دس اُونٹوں پر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ پھر وُہ دس دس اُونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ عبداللہ کے نام نکلتا رہا۔ جب اُنھوں نے سَو اُونٹ کیے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ پھر اُنھوں نے مزید تسلّی اور اطمینان کے لیے تین دفعہ ایسا کیا تو تین مرتبہ ہی اُونٹوں پر قرعہ نکلا۔ چنانچہ سَو اُونٹ ذبح کر دیے گئے اور جو شخص جتنا چاہتا گوشت لے جاتا، کسی کے لیے ممانعت نہیں تھی۔ اس کے بعد نہ صرف قریش میں بلکہ سب عربوں میں سَو اُونٹ دیت مقرّر ہو گئی اور آں حضرت ﷺ نے بھی اسلام میں اس کو بحال رکھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: "مَیں دو ذبیحوں کا بیٹا ہُوں"؛ اس سے آپ ﷺ کی مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ ہَیں۔ امام حاکم نے اپنی کتاب "مستدرک" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا، اور سوال کرتے وقت کہا: "یا ابن الذبیحین"! (یعنی اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ ﷺ یہ سُن کر مُسکرائے اور اُس کی بات کی تردید نہیں کی۔

کعبہ کی تعمیرِ نَو

ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا، جس سے خانہ کعبہ کی عمارت گِر گئی اور ٹوٹی ہُوئی دیواروں سے سونے کے ہرن، دُوسرے زیورات اور قیمتی جواہرات چوری ہو گئے۔ قریش نے باقی ماندہ حصّہ بھی توڑ دیا۔ اس کی دیواروں پر قسم قسم کی عجیب و غریب تصویریں بنی ہُوئی تھیں، اُن میں ایک ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی، جس کے ہاتھ میں قسمت آزمائی کے تیر تھے۔ اُس کے بالمقابل ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویر تھی، جو نشان زدہ گھوڑے پر سوار تھے۔ اس کے علاوہ قصیّ کے زمانے تک درجہ بدرجہ اُن کے بیٹوں کی تقریباً ساٹھ تصویریں تھیں۔ ہر تصویر میں تصویر والے کے ہتھیار، اس کی عبادت کی کیفیت اور اُس کے مخصوص فعل کا اظہار تھا جس کے ساتھ وُہ زندگی میں مشہور تھا۔

حجرِ اسود نصب کرنے پر نزاع اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

جب قریش نے کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا، اُس کی دیواریں بلند ہوئیں اور اُس میں وُہ لکڑی بھی استعمال کی جو سمندر میں ٹوٹے ہوئے جہاز سے حاصل ہوئی ہے جس کو رُوم کے بادشاہ نے مصر سے حبشہ میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرنے کے لیے بھیجا تھا تو ان میں حجرِ اسود کے اُس کے مقام میں رکھنے کے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ اعزاز اُسے حاصل ہو۔ قریب تھا کہ لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی، مگر بالآخر وُہ اس شخص کے فیصلے پر متفق ہو گئے، جو سب سے پہلے بنوشیبہ کے دروازے سے بیتُ اللہ میں داخل ہو۔ اَب سب کی آنکھیں آنے والے کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں، یہ اعزاز کس خوش نصیب کے حصے میں آتا ہے؟ پھر اُنھوں نے دیکھا کہ بابِ بنوشیبہ سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اہلِ مکہ پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار، راست کردار اور صدقِ گفتار کی وجہ سے نیز گندے اخلاق اور ناپاک عادات سے دُور رہنے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امین" کہا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے نزاع میں آپکو حکم بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر عملدرآمد کا یقین دلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے نزدیک قابلِ قبول فیصلہ کرنے کے لیے اپنے بدن سے چادر اُتار کر زمین پر بچھا دی اور حجرِ اسود کو خود اُٹھا کر اُس کے درمیان رکھا، پھر قریش کے چار سرداروں اور چوٹی کے لیڈروں کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر سب مِل کر اُٹھاؤ۔ وُہ لیڈر یہ تھے: عتبہ بن ربیعہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف، اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزٰی بن قصی، ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمرو بن مخزوم، قیس بن عمرو بن مخزوم اور قیس بن عدی سہمی۔ چنانچہ ان سب نے مِل کر اُٹھایا اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں حجرِ اسود نصب کرنا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر وہاں رکھ دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا فیصلہ تھا جو سب کے لیے قابلِ قبول تھا۔ اور یُوں یہ نزاع بخیر و خُوبی اختتام پذیر ہُوا۔ حاضرین میں سے قریش کے بعض آدمیوں نے کہا کہ "قریش کے بڑے بڑے عمر رسیدہ، شرفاء اور زعماء پر تعجب ہے کہ اُنھوں نے کس طرح اپنے سے کم عمر اور قلیل المال شخص کو اپنا حَکَم مقرّر کیا اور پھر اس کے فیصلے پر مطمئن ہو گئے۔ لات اور عزّٰی کی قسم! یہ نوجوان ضرور ان پر سبقت لے جائے گا اور ایک دن ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرے گا۔ بلاشبہ یہ آغاز اس کے عظیم الشان انجام کا غمّاز ہے۔"

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت دُوسروں کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی پتھر اُٹھا کر لاتے تھے۔ اہلِ مکّہ اپنے تہبند کھول کر پتھّروں کے نیچے کندھوں پر رکھ لیتے تھے اور ایک دُوسرے کے سامنے برہنہ پھرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ زخم سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے بھی اپنا تہبند اُتار کر کندھے پر رکھ لیا، اُسی وقت منہ کے بل گر پڑے اور ساتھ ہی سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے: "اپنی شرمگاہ کو چھُپایئے" اس کے بعد آپ ﷺ سے ایسی حرکت کبھی سرزد نہیں ہوئی، اور آپؐ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔ جب دیواریں ۱۵ ہاتھ بلند ہوئیں تو مکّہ والوں نے چھ ستونوں پر چھت ڈال دی۔ پہلے کعبہ کو قباطی کا غلاف دیا جاتا تھا، پھر یمنی چادروں اور اس کے بعد ریشم کا دیا جانے لگا۔ خرچ کم ہونے کی وجہ سے قریش نے بیتُ اللہ سے حطیم کا حصّہ خارج کر دیا اور اس کا دروازہ بہت اُونچا کر دیا تاکہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکے۔ جب اُن کی اجازت کے بغیر کوئی داخل ہونا چاہتا تو اس کو سیڑھیوں پر چڑھنے دیتے۔ دروازے کے قریب پہنچتا، تو دھکّا دے کر نیچے گرا دیتے تھے۔

قریش کی تعمیر سے پہلے بیتُ اللہ کی حالت

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں کہ اس سے پہلے بیتُ اللہ انسانی قد سے کچھ اُونچا صرف "رضم" تھا۔ سہیلی کہتے ہیں کہ گارا استعمال کیے بغیر پتھّروں کو ایک دُوسرے کے اُوپر جوڑ دینے کو رضم کہتے ہیں، اور انسانی قد سے اُونچا کہہ دینے سے بیت اللہ کی بلندی کا صحیح اندازہ معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں دُوسروں نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے دیواریں ۹ ہاتھ اُونچی تھیں اور اُن پر چھت نہیں تھی۔ جب اسلام سے پہلے قریش نے از سرِ نو تعمیر کیا، تو دیواروں کی بلندی ۹ ہاتھ اور زیادہ کر دی۔

خانہ کعبہ کتنی بار تعمیر ہُوا؟

سہیلی کہتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک خانہ کعبہ ۵ مرتبہ تعمیر ہُوا۔ پہلی دفعہ حضرت شیث بن آدم (علیہما السلام) نے، اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا۔ تیسری مرتبہ اسلام سے ۵ برس پہلے قریش نے بنایا۔ چوتھی مرتبہ جب عبدُاللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے زمانے میں ملحقہ پہاڑ ابو قبیس سے ایک چنگاری اُڑ کر پردوں میں گری، اور آگ بھڑک اُٹھنے سے بیتُ اللہ

جل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک عورت خوشبو کے لیے دھونی دے رہی تھی، کہ اس کی انگیٹھی سے ایک چنگاری پردوں میں گری اور اس کے نتیجے میں بیت اللہ جل گیا۔ بعدازاں ایک موقعہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کے بارے میں حاضرین سے مشورہ کیا۔ وہ بیت اللہ کو گرانے سے ڈر گئے اور مشورہ دیا کہ اس کی شکستہ دیواروں کی مرمت کر دینا ہی مناسب ہے۔ اس کو گرانا نہیں چاہیئے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ کو یہ مشورہ پسند نہ آیا اور کہا اگر تم میں سے کسی کا مکان جل جائے تو جب تک اس کو گرا کر نئے سرے سے نہ بنائے خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے انھوں نے بیت اللہ کو گرا دینے کا حکم دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں تک پہنچے تو کہنے لگے، ذرا اور گہرا کھود دو۔ مزدوروں نے بنیاد کا ایک پتھر اکھاڑا تو نیچے سے آگ اور دہشت ناک منظر دیکھنے میں آیا، جسے دیکھ کر لوگ ڈر گئے اور جہاں تک بنیادیں کھد چکی تھیں، وہیں سے دیواریں اٹھانے کا حکم دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بیت اللہ کی دیواریں بنیادوں تک گر گئیں، تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے عارضی ستون بنا کر ان پر پردے ڈال دیے۔ اب لوگ ان کے گرد طواف کرتے تھے، اور انکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح بیت اللہ طواف کرنے والوں سے خالی نہیں رہا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ذکر ہے کہ جس دن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ شہید ہوئے اور سخت لڑائی کی وجہ سے لوگ اپنی جان بچانے کی فکر میں دبکے بیٹھے تھے اور کسی انسان کو طواف کرنے کی جرأت نہیں تھی، اس دن ایک اونٹ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

بیت اللہ میں تبدیلی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت چند تبدیلیاں بھی کیں:

(۱) بیت اللہ کا دروازہ زمین کے ساتھ برابر کر دیا (۲) بیت اللہ کی پچھلی طرف ایک دوسرا دروازہ کھول دیا (۳) حطیم جو قریش نے خرچ کی کمی کی وجہ سے بیت اللہ سے خارج کر دیا تھا، دوبارہ اس میں شامل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے یہ تبدیلیاں اپنی خالہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث سن کر کی تھیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم نے خرچ کی کمی کے باعث تعمیر کرتے وقت بیت اللہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا تھا[1] نیز

فرمایا اگر یہ مشکل نہ ہوتی کہ تمہاری قوم ابھی ابھی جاہلیت کو چھوڑ کر اسلام لائی ہے تو میں بیت اللہ کی پچھلی جانب ایک دروازہ کھول دیتا اور موجودہ دروازہ زمین کے برابر کر دیتا۔ نیز حطیم کو بیت اللہ میں شامل کر دیتا۔" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام!

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آج ہمیں خرچ کی کمی کا کوئی عذر نہیں، اس لیے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا تقاضا پورا کرنے کے لیے بیت اللہ کو از سرِ نو اس طرح بنا دیا۔

بیت اللہ کا انہدام

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کا مکہ معظمہ پر قبضہ ہوا تو اس نے کہا: ہمیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بنائے ہوئے کعبہ کی ضرورت نہیں، اس لیے اس نے گرا کر خانہ کعبہ کو اسی حالت میں کر دیا، جس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ وہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوا تو حارث بن ابی ربیعہ جو قباع کے نام سے مشہور تھا اور مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہ کا بھائی ہے، ایک اور آدمی کے ہمراہ آیا اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہی حدیث بیان کی جو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ سن کر بہت نادم ہوا اور دیر تک اس لکڑی کے ساتھ جو اس کے ہاتھ میں تھی زمین کریدتا رہا۔ پھر بولا "میری خواہش ہے کہ میں وہ بوجھ جو ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھایا تھا، اسی کے سر رہنے دیتا"۔ یہ بیت اللہ کی پانچویں تعمیر ہے۔

بیت اللہ کے انہدام کا دورِ جدید

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے بیت اللہ کو گرا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بنا کردہ کعبہ کی شکل پر بنانے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے مشورہ لیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "امیر المومنین! خدا کا واسطہ مانیے اور بعد میں آنے والے بادشاہوں کے لیے اس اللہ کے گھر کو کھلونا نہ بنایئے۔ جو بادشاہ چاہے گا، اس کو بدل ڈالے گا اور اس طرح لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت نکل جائے گی"۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت شیث علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے بیت اللہ کی جگہ سرخ یاقوت رکھا ہوا تھا۔ حضرت

آدم علیہ السلام اس سے مانوس تھے اور اس کا طواف کرتے تھے، کیونکہ وہ انکے لیے جنت سے اُتارا گیا تھا اور آپ ہندوستان سے اس کا حج کرنے کے لیے آئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام اس کے پہلے بانی ہیں، بکائی کی روایت کے علاوہ ابن اسحٰق نے یہ بات ذکر کی ہے۔ ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے کہ طوفانِ نوحؑ کا پانی اس میں داخل نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یعرب بن قحطان نے حضرت ہودؑ سے کہا کہ کیا ہم اس کو تعمیر نہ کر دیں؟ انھوں نے کہا اُس کی تعمیر میرے بعد آنے والا ایک نبی کریم کریگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنا خلیل بنائے گا۔ جب طوفان کا پانی خشک ہوا اُس وقت بیت اللہ چکنی مٹی کا ایک تودہ تھا۔ ہودؑ اور نوحؑ علیہ السلام اور اُن پر ایمان لانے والے اسی حالت میں اس کا حج کرتے تھے۔

جب ابراہیم کے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) پل کر جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیتُ اللہ کی تعمیر کا حکم دیا اور ایک بدلی کے ذریعے اس کی نشاندہی کی گئی، جو بیتُ اللہ کی جگہ پر سایہ زن رہی۔ جب حجرِ اسود کی جگہ تک دیوار پہنچی تو جبرائیل علیہ السلام پہاڑ ابوقبیس کھود کر حجرِ اسود لائے اور اپنی جگہ پر نصب کر دیا گیا۔

ترمذیؒ ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا ہے۔ اُس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔" اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے یہ بھی مروی ہے کہ "حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی جنت کے دو یاقوت ہیں، اگر ان کی روشنی ہٹائی نہ جاتی، تو یہ مشرق اور مغرب تک روشنی پھیلاتے۔"

مسجدِ حرام کی تعمیر

سب سے پہلے مسجدِ حرام کی تعمیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے کعبہ کے چاروں طرف مکان بنا لیے اور اس کا صحن اس قدر تنگ کر دیا کہ نمازیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے عبادت کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے لیے کشادہ صحن ضروری ہے۔ تم لوگوں نے اس کے حدود میں داخل ہو کر اسے تنگ کر دیا ہے، وہ تمہارے گھروں کی حدود میں داخل نہیں ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالکوں سے وہ تمام مکانات قیمتاً خرید لیے اور اُن کو گرا کر کعبہ کے اردگرد مسجد بنا دی جو بیتُ اللہ کو محیط ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اپنے دورِ حکومت میں کچھ اور مکانات مہنگے داموں خرید کر مسجد حرام کی توسیع کی، اُس کے بعد عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا دور آیا تو اُنھوں نے مسجد میں توسیع تو نہیں کی، البتہ اس کے استحکام میں پوری کوشش کی۔ اس میں سنگِ مرمر کے ستون بنوائے، دروازوں کی تعداد میں اضافہ کیا اور ان کے حسن و جمال میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں مسجد کی دیواریں پہلے سے اُونچی کی گئیں اور اس کے ستون سمندر کے راستے جدّہ لائے گئے اور وہاں سے چھکڑوں میں لاد کر مکّہ مکرمہ پہنچائے گئے۔ نیز اس کی ہدایت پر حجاج نے بیت اللہ کو ریشم کا غلاف پہنایا اور حجاج سے پہلے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کو ریشم کا غلاف پہنایا تھا۔ یہ زبیر بن بکار کا بیان ہے۔ جب ولید بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اُس نے اس کی تحسین میں خوب اضافہ کیا، پھر عبّاسی خلیفہ ابُوجعفر منصور اور اس کے بیٹے محمد مہدی نے بھی مسجد حرام کے استحکام اور اس کی تحسین و تزئین میں نمایاں حصہ لیا۔ (انتہیٰ کلام السہیلی ملخصًا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور جاہلیت کے رسم و رواج

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہُوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسود اور احمر کی طرف بشیر و نذیر، داعی الی اللہ اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کیساتھ پہلے تمام انبیائے کرام کی شریعتیں منسوخ کر دیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر تفصیلی بحث سے پہلے جاہلیت کے رسم و رواج کا مختصر تذکرہ مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ اہلِ جاہلیت کے لیے رسالت کے تسلیم نہ کرنے میں کوئی حُجت نہیں کیونکہ رسالت سب بنو آدم کے لیے عام ہے۔ کوئی قوم اور کوئی فرد اس سے مُستثنیٰ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ"[1] یعنی رُوئے زمین پر کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔" نیز فرمایا: "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ"[2] یعنی ہم نے ہر قوم میں رسُول بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بُت پرستی سے دُور رہو۔"

پھر یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور ان کے ساتھی جنت سے اُترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى"[3] (الآیۃ) یعنی ہم نے کہا تم سب جنّت سے نیچے اُتر جاؤ، پس تمہارے پاس میری

---

[1] فاطر: ۲۴ [2] النحل: ۳۶ [3] البقرۃ: ۳۸

طرف سے ہدایت آئیگی"۔ اور دُوسری آیت میں فرمایا: "فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى" [1] یعنی "جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وُہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ اسے بدبختی کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ یعنی اس میں اور اس قسم کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف ہدایت بھیجنے کا وعدہ کیا ہے، اور اس سے کسی کو مستثنٰی نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت کا ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے، وُہ رسُول کا بھیجنا اور کتابوں کا اُتارنا ہے اور وُہ اس نے پورا کر دیا۔ چنانچہ اس نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسُول بھیج دیئے اور اُنکے آنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حُجّت باقی نہیں رہی۔ آدم کے بیٹے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے علم اور ہدایت یافتہ ہوتے چلے آئے، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں تک لوگ راہِ راست پر رہے، پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے نبی بھیجے۔ چنانچہ سب سے پہلے مبعوث ہونے والے نبی نوح علیہ السلام ہیں، یہی بات مجاہد اور دُوسرے اسلاف نے کہی ہے۔ اور سب سے پہلی گمراہی جو شیطان نے انسان پر مُسلّط کی ہے، وُہ بزرگوں کی حد سے بڑھی ہُوئی تعظیم و تکریم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اپنے اس فرمان میں ذکر کیا ہے: "وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا" [2] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع میں ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں نوح علیہ السلام کی قوم کے چند صلحا اور بزرگوں کے نام ذکر ہُوئے ہیں کہ جب یہ فوت ہُوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجلسوں میں بیٹھ کر یہ لوگ وعظ و تذکیر کیا کرتے تھے، ان میں ان کے مجسّمے نصب کرو۔ اور ان کے انہی بزرگوں والے نام رکھو۔ چنانچہ انھوں نے یہ کیا، لیکن ان کی عبادت نہیں کی۔ جب یہ لوگ مر گئے اور آنے والی نسلوں کے ذہن سے حقیقت حال محو ہو گئی تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ پھر یہی قوم نوح کے بُت عربوں میں پُوجے جانے لگے، چنانچہ ودّ دومۃ الجندل کے مقام میں نصب تھا اور بنو کلب اس کی پُوجا کرتے تھے اور سواع کی عبادت ہذیل قبیلے کے لوگ کرتے تھے اور یغوث سبا کے نزدیک جرف میں قبیلہ مراد اور بنو غطیف کا معبُود تھا اور یعوق ہمدان کے لیئے اور اسی طرح نسر حمیر میں آل ذی الکلاع کے لیے مخصُوص تھا۔ محمد بن کعب اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان کے زمانے میں چند نیکوکار اور بزرگ لوگ گزرے ہیں۔ بعد میں کچھ لوگ پیدا ہُوئے جو

---

[1] طٰہٰ : ۱۲۳، [2] نوح : ۲۳

عبادت میں اُن کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ شیطان نے اُنکے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر تُم اِنکے مجسّمے بنا کر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو تو تُم انکے فیوض و برکات سے جلد از جلد بہرہ وَر ہو سکے گے۔ چنانچہ انھوں نے ان بزرگوں کے مجسّمے بنا کر عبادت خانوں میں نصب کر دیئے۔ یہ لوگ مر گئے، تو بعد میں آنے والوں کو شیطان نے یہ سبق دیا کہ تمہارے بزرگ ان کی عبادت کیا کرتے تھے، پس وُہ بھی انکی عبادت کرنے لگے۔

مُحمّد بن قیس کہتے ہیں کہ یغوث، یعوق اور نسر نیک اَور صالح اِنسان تھے، ان کے عقیدت مند انکی اِقتدا کرتے تھے۔ جب یہ مر گئے تو عقیدت مندوں نے جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے تھے کہا: اگر ہم ان کے مجسّمے بنا لیں تو انھیں دیکھ کر ہمارا شوقِ عبادت تیز ہو جایا کرے گا۔ جب یہ لوگ بھی مر گئے تو بعد میں آنیوالوں کو آہستہ آہستہ یہ پٹّی پڑھائی کہ تمہارے آباؤ اجداد انکی عبادت کرتے تھے اور انکے طفیل ان پر بارش برستی تھی، چنانچہ وُہ انکی عبادت کرنے لگے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہت سے سلف صالحین نے کہا ہے کہ یہ لوگ قوم نوح ؑ کے صالح اور نیک بزرگ تھے۔ جب یہ مر گئے تو ان کے معتقدین انکی قبروں پر جُھک پڑے، پھر انکے مجسّمے بنا لیے، پھر کُچھ عرصہ کے بعد ان کی پرستش ہونے لگی۔ یہ لوگ دو فتنوں ــ قبروں اور مُورتیوں میں مُبتلا ہو گئے۔ اور ان دونوں کی طرف آں حضرت ﷺ نے اپنی اس حدیث میں اشارہ کیا ہے:

"أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

یعنی "جب اُن میں کوئی نیک اَور صالح آدمی مر جاتا تھا، تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اَور اس میں یہ صُورتیں اَور مُورتیاں نقش کر دیتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب مخلُوق سے بدتر ہوں گے"

کلبیؒ کہتے ہیں، یہ صالح لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے تو اُن کی موت سے انکے رشتے داروں کو بڑا صدمہ ہوا۔ انھوں نے انکے مجسّمے اور تصویریں بنا لیں، ہر تصویر کے پاس اس کے بھائی اور رشتے دار حاضر ہوتے اور اس کی تعظیم کرتے۔ پھر انکے بعد دُوسرے زمانے کے لوگ آئے تو انھوں نے ان سے بڑھ کر انکی تعظیم کی۔ جب تیسرے زمانے کے لوگ آئے تو انھوں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں کو عظمت اَور برتری ان کی

سفارش سے حاصل ہوتی تھی، اس لیے وہ انکی عبادت کرنے لگے جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور جن کو غرق کرنا تھا، غرق کیا تو طوفانِ نوحؑ نے ان بتوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل کر دیا۔ حتّٰی کہ یہ سب جدہ میں جمع ہو گئے۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ ساحل سمندر پر پڑے رہے۔ بعد میں ہواؤں نے انکو ریت اور مٹی میں دبا دیا۔ یہی کلبی کہتا ہے کہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحیؔ، کاہن تھا۔ اس کا ایک جن دوست تھا، اس نے عمرو بن لحیؔ سے کہا: "تہامہ سے جلدی جلدی چلو، سعادت اور سلامتی تمہاری ہمرکاب ہو گی۔ جدہ پہنچو، وہاں تمھیں بت تیار ملیں گے، ان کو تہامہ میں لاؤ اور ڈرو نہیں، پھر عربوں کو انکی عبادت کی طرف بلاؤ، وہ تمہاری بات پر عمل کریں گے۔" چنانچہ وہ جدہ گیا، بتوں کو زمین سے نکالا اور انکو تہامہ لے آیا۔ ادھر حج کا زمانہ بھی آ گیا، اس نے حج کے لیے آنے والے عربوں کو انکی عبادت کی دعوت دی، جو انھوں نے قبول کر لی اور یوں بت پرستی شروع ہو گئی۔ محمد بن ہشام کلبی کی عبارت کا خلاصہ ختم ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن لحیؔ اپنے کسی کام کے لیے شام گیا، واپسی پر "آب بلقا" میں پہنچا، تو وہاں عمالقہ کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا۔ یہ طریقہ اسے پسند آیا اور اس نے اس کو صحیح سمجھا اور ان سے ایک بت مانگا، تاکہ وہ عرب میں بھی یہ طریقہ جاری کرے۔ انھوں نے ہبل نامی ایک بت اس کو دیا، جسے اس نے مکہ معظمہ میں نصب کیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔

سہیلی نے کہا ہے کہ جب خزاعہ نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال دیا تو عربوں نے عمرو بن لحیؔ کو اپنا رب بنا لیا، عمرو ان کے لیے جو بدعت جاری کرتا، وہ شریعت کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرتے۔ عربوں میں اس کو یہ مقام لوگوں کی تعظیم کرنے اور حج کے موقع پر انکو کپڑے پہنانے سے حاصل ہوا۔ اکثر وہ ایام حج میں دس دس ہزار اونٹ ذبح کرتا اور دس دس ہزار حلّے لوگوں میں بانٹتا تھا۔ لوگوں میں اس کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ "لات" نامی ایک شخص، جو ایک مشہور پتھر پر (جسے بعد میں لات کا پتھر کہنے لگے) بیٹھ کر حاجیوں کو ستّو پلایا کرتا تھا۔ (بعض کہتے ہیں کہ ستّو پلانے والا آدمی قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتا تھا) جب وہ مرا تو اس نے مشہور کر دیا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اس پتھر میں داخل ہو گیا ہے جس پر بیٹھ کر وہ ستّو پلایا کرتا تھا۔ پھر اس نے لوگوں کو اس کی عبادت کا حکم دیا اور اس پر ایک بت خانہ بنوا دیا، جس کا نام لات رکھا گیا۔

ابوالولید ازرقی "اخبارِ مکہ" میں لکھتے ہیں کہ عمرو بن لحیؔ نے بیس اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں، کیونکہ ان میں یہ رسم جاری تھی کہ جب کسی کے اونٹ ایک ہزار ہو جاتے، تو وہ ایک نر اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے۔

اور جب دو ہزار ہو جاتے تو اُس کی دُوسری آنکھ بھی پھوڑ دیتے تھے، اس کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے

وکان شکر القوم عند النعم   کیّ الصحیحات وفقء الاعین

"یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ تندرست اُونٹوں کو آگ کے ساتھ داغنے اور ان کی آنکھیں پھوڑنے سے ادا کرتے ہیں۔"

ابراہیمی تلبیہ میں کفار کا اضافہ

ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تلبیہ کے الفاظ یہ تھے: "لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ" "میں حاضر ہوں؛ اے اللہ میں حاضر ہوں؛ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں" ــــ اور جب عمرو بن لحیّ کا وقت آیا تو ایک دفعہ وُہ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت لبیک ہی پکار رہا تھا تو شیطان بھی ایک بزرگ کی شکل میں اس کے ساتھ لبیک پکارنے لگا۔ جب عمرو نے "لبیک لا شریک لک لبیک" کہا تو اس "بزرگ" نے "اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ" کے الفاظ بڑھا دیے۔ عمرو نے انکار کرتے ہوئے کہا: "یہ کیا؟" تو "بزرگ" نے کہا: "آگے یہ لفظ بھی کہہ لو؛ ـــ "تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ"۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ چنانچہ عمرو نے یہ الفاظ کہنے شروع کر دیے اور عرب بھی اس کی اقتدا میں یُوں ہی کہنے لگے۔

عمرو بن لحیّ کا انجام

ابن اسحٰق کہتے ہیں: ابُوبکر بن محمّد بن عمرو بن حزم نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "میں نے عمرو بن لحیّ کو آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے پھرتے دیکھا ہے۔ میں نے اس سے پُوچھا: "میرے اور اس کے زمانے کے درمیان کے لوگوں کا کیا حال ہے؟" بولا: "سب ہلاک ہونے کے بعد اللہ کے عذاب میں مُبتلا ہیں"۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابُوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اکثم خزاعی سے فرماتے ہُوئے سُنا ہے: "میں نے عمرو بن لحیّ بن قمعہ بن خندف کو آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہُوئے دیکھا ہے۔ تمہارے ساتھ اس سے زیادہ اور اس کے ساتھ تم سے زیادہ ملتا جُلتا آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا"۔ انھوں نے کہا کہ "اے اللہ کے نبیّ! ممکن ہے اس کی مشابہت مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹھیک ہے، تم مومن ہو اور وہ کافر تھا۔ وُہ پہلا شخص تھا جس نے

ابراہیم علیہ السلام کا دین بدلا۔ جگہ جگہ بُت نصب کیے اور مختلف جانوروں کو بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کا نام دے کر بُتوں کے نام پر چھوڑا۔"

بُتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور

صحیحین میں سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: "بحیرہ وُہ اُونٹنی ہے جس کا دُودھ بُتوں کے نام کر دیا جاتا تھا اور اپنے استعمال کے لیے کوئی نہیں دوہ سکتا تھا۔ سائبہ وُہ جانور ہیں، جن کو اپنے معبُودوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، پھر اُن پر نہ سوار ہوتے تھے اور نہ ان سے بوجھ برداری کا کام لیتے تھے۔" ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے عمرو بن لحیّ کو دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے بُتوں کے نام پر جانور چھوڑے۔ وصیلہ وُہ اُونٹنی ہے، جس نے پہلی دفعہ مادہ کو جنم دیا اور دُوسری دفعہ بھی مادہ جنی اور اُن کے درمیان کوئی نر بچہ نہیں دیا۔ اس کو بُتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ حامی وُہ نر اُونٹ ہے جو مقرر اور متعین شُدہ جفتی کی تعداد پُوری کر لیتا۔ اس کو بُتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، پھر اس سے بوجھ برداری کا کام یا کوئی دُوسری خدمت نہیں لیتے تھے۔ اس کا نام حامی یا حَام رکھتے تھے۔"

بنو اسمٰعیل میں پتّھر پوجا کی ابتداء

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہلے پہل پتّھروں کی عبادت، اس طرح شرُوع ہُوئی کہ کوئی شخص مکّہ کے علاوہ کسی دُوسری جگہ سکونت اختیار نہیں کرتا تھا، نتیجہ یہ ہُوا کہ کثرتِ آبادی سے انکے لیے مکّہ کی زمین تنگ ہو گئی۔ لہٰذا اب اُنھوں نے دُوسرے شہروں میں جانا شروع کیا۔ ان میں یہ رسم چل نکلی کہ جو شخص ان میں سے باہر جاتا، وُہ حَرم کی تعظیم کے پیشِ نظر اپنے ساتھ حَرم کا کوئی پتّھر لے جاتا، پھر جہاں وہ سکُونت اختیار کرتے، وہاں اس پتّھر کو رکھ کر کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ ہوتے ہوتے وُہ بلاتخصیص حرم جس پتّھر کو اچھا سمجھتے، اس کی عبادت کرنے لگے۔ ذرا اور بعد میں جب نالائق پیدا ہُوئے، تو انھوں نے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کو بدل دیا اور خالص بتوں کی عبادت کرنے لگے اور وُہ تمام بدعات اور گمراہیاں اپنا لیں جن پر پہلے لوگ عامل تھے۔ ہاں کچھ ابراہیمی مذہب کی

باتیں بھی اُن میں جاری رہیں، مثلاً بیتُ اللہ کی تعظیم، طواف، حج، عمرہ، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف، قربانی کرنا اور حج اور عمرہ کے لیے لبّیک پکارنا لیکن لبّیک میں انھوں نے کچھ شرکیہ الفاظ بڑھا لیے تھے چنانچہ بنو کنانہ اور قریش اِس طرح لبیک پکارتے تھے: "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" "مَیں حاضر ہُوں اے اللہ! مَیں حاضر ہُوں، تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وُہ تیرا شریک ہے جس کا تُو مالک ہے اور جس کا وُہ مالک ہے، اس کا بھی تُو ہی مالک ہے"۔ وُہ یہ تلبیہ کہہ کر توحید کا اظہار کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے بُتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ تسلیم کرتے تھے (انتہیٰ کلام ابنِ اسحٰق)

طبرانی، ابنِ عبّاس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں، مُشرکین اس طرح لبّیک پکارتے تھے: "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ"۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ" [1] یعنی "اللہ تعالیٰ نے تُم ہی میں سے تمہارے لیے مثال بیان کی ہے کہ کیا وُہ مال، جو ہم نے تُم کو رزق کے طَور پر دیا ہے، اس میں تمہارے ساتھ تمہارے غُلام بھی شریک ہیں، حالانکہ اس کو مِل کر کمانے میں تُم سب برابر ہو؟"

مفسّرین اس کا معنےٰ یہ کرتے ہیں کہ "کیا تُم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مال میں اس کا غُلام شریک ہو؟ حالانکہ آقا و غلام اس میں برابر نہیں"۔ ابو مجاز نے کہا ہے کہ "تمھیں اس بات کا ڈر نہیں کہ تمہارا مال تمہارا غُلام تقسیم کرا لے گا، کیونکہ اس کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی کوئی شریک نہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے تُم میں سے کوئی تیار نہیں، تو پھر اللہ کی مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے شریک کیوں بناتے ہو؟ یہ اسی طرح ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اسے اللہ تعالیٰ کے لیے پسند کرتے ہیں یعنی یہ لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں اور اُن کی اپنی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سُنائی جائے تو اس کا مُنہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وُہ غم سے بھر جاتا ہے۔

عرب کے مشہور بُت

ہشام کلبی کہتے ہیں کہ سب سے پُرانا بُت مناۃ تھا اور بحرِ احمر کے ساحل پر مکّہ اور مدینہ کے درمیان

---

[1] الروم: ۲۰

مشلل کی جانب قدید میں منصوب تھا۔ ویسے تو عرب کے سب لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے، مگر اوس اور خزرج نیز مکّہ، مدینہ اور ملحقہ بستیوں کے باشندے خصوصًا اس کی تعظیم و تکریم میں پیش پیش تھے۔ یہ لوگ اس کے نام پر جانور ذبح کرتے اور اس پر بیش قیمت نذرانے اور تحائف چڑھاتے تھے، مگر اس کی تعظیم میں اوس اور خزرج سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ہشام کہتے ہیں کہ ہمیں قریش کے ایک آدمی نے ابُوعبیدہؓ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اوس، خزرج اور مدینہ کی نواحی بستیوں کے لوگ جب حج کرنے آتے تو عام لوگوں کی طرح، تمام مواقف میں حاضر ہوتے اور حج کا ہر وہ حکم بجالاتے جس پر سب حاجی عمل کرتے تھے۔ مگر مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے حاجیوں کی طرح یہ اپنے سر نہیں منڈاتے تھے۔ یہ واپسی پر منات کے پاس آتے، یہاں سر منڈاتے اور چند دن یہاں ٹھہرتے۔ اس کے بغیر وہ اپنا حج نامکمّل سمجھتے تھے۔ منات، ہذیل اور خزاعہ کا مخصوص بُت تھا۔ فتحِ مکّہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، انھوں نے اس کو توڑ کر پیوندِ خاک کیا۔

اس کے بعد طائف میں لات کا بُت خانہ وجود میں آیا۔ یہ منات کے بعد تعمیر ہوا۔ دراصل یہ چوکون پتھر تھا، ثقیف کے لوگ اس کے مجاور تھے، انھوں نے اس پر عالی شان عمارت کھڑی کر دی تھی۔ قریش اور عرب کے سب ہی لوگ اس کی تعظیم کرتے اور اس سے عقیدت کے باعث اپنے بچّوں کے "زید اللات" اور "تیم اللات" جیسے نام رکھتے تھے۔ یہ بُت خانہ طائف کی مسجد کے بائیں منارہ کی جگہ واقع تھا۔ یہ برابر عبادت گاہ بنا رہا اور ثقیف کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مغیرہؓ بن شعبہ اور ابُوسفیانؓ بن حرب نے گرایا اور اس کا ملبہ آگ لگا کر جلا دیا۔ انتہیٰ!

علامہ ابن جریرؒ نے آیتِ کریمہ "اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی"[1] کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، دراصل لات ایک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستّو پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کو پوجنے لگے اور اس کی قبر کو قبلۂ حاجات بنا لیا۔ ابوالجوزاء نے بھی ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ یہ ستّو گھول کر حاجیوں کو پلایا کرتا تھا۔ (رواہ البخاری)

پھر مشرکین نے عزّٰی کا بُت بنا لیا۔ یہ لات سے بعد بنا ہے۔ ظالم بن سعد نے اسے بنا کر ذاتِ عرق سے ذرا آگے وادیٔ نخلہ میں نصب کیا اور اس پر ایک شاندار عمارت کھڑی کر دی۔ لوگ اس سے ایک آواز سُنتے تھے۔ ہشام نے ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے نقل کیا ہے کہ عزّٰی پر ایک شیطان جنّیہ کا تسلط تھا۔ اُس

---

[1] النجم: ۱۹

نے بطنِ نخلہ میں کیکر کے درختوں پر بسیرا کیا ہوا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور فرمایا "بطنِ نخلہ میں تمھیں ایک قطار میں کیکر کے تین درخت ملیں گے۔ ان میں سے پہلا درخت کاٹ دو" حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیل ارشاد سے فارغ ہوکر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "درخت کاٹنے کے بعد کچھ نظر آیا؟" بولے "نہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا "اب جاکر دُوسرا درخت بھی کاٹ دو"۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو کاٹ کر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا: "کچھ دیکھا؟" کہنے لگے "کچھ نہیں دیکھا"۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ تیسرا درخت بھی کاٹ دو"۔ خالدؓ وہاں پہنچے، تو وہاں ایک حبشی عورت دیکھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، دونوں ہاتھ کندھوں پر رکھّے تھے اور غصّے سے دانت پیس رہی تھی اور اس بُت خانے کا مجاور اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس سے مخاطب ہوکر کہا: "کفرانکِ لا سبحانکِ۔ انی رایت اللہ قد اھانکِ" "اب تیری پُوجا پاٹ کا زمانہ گیا اور بے عزّتی کا زمانہ آگیا ہے۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کردیا ہے" پھر ایک ہی ضرب سے اس کا سر پھاڑ دیا، جس سے وُہ کوئلہ کی طرح بھسم ہوگئی، پھر درخت کاٹ کر مجاور کو بھی قتل کردیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہی حبشی عورت کی شکل میں عزّیٰ دیوی تھی اور آج کے بعد عربوں کے لیے کوئی عزّیٰ نہیں"۔ انتہیٰ!

بڑے بڑے تین بُت

بعض عُلما نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے بُت جن کی طرف لوگ دُور دراز سے سفر کرکے آتے تھے، تین ہی تھے: لات، عزّیٰ اور منات۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر فرمایا ہے: "اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى"۔ (النجم: ۱۹-۲۰) یہ تینوں عرب کے شہروں میں سے کسی نہ کسی شہر میں نصب تھے، حرم اور مواقیتِ حج کے قریب مکّہ، مدینہ اور طائف تین شہر تھے۔ لات اہلِ طائف کا مخصُوص بُت تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ دراصل ایک نیک آدمی تھا، ستّو بھگو کر حاجیوں کو پلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر پر جُھک پڑے، پھر اس کا مجسّمہ بنا کر نصب کر دیا اور اس پر ایک شاندار عمارت بنادی عزّیٰ اہلِ مکّہ کا بُت تھا۔ عرفات کے نزدیک ایک عظیم الشّان عمارت میں منصُوب تھا۔ اس کے نزدیک ایک درخت تھا، جہاں لوگ جانور ذبح کرتے اور اپنی اپنی حاجات کے لیے دُعائیں مانگتے تھے۔ فتح مکّہ کے بعد آنحضرت

ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور انھوں نے اس کو مسمار کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ یہاں سے ایک جلتیہ ظاہر ہوئی تھی، یہی عزّیٰ تھی اور مایوس ہوگئی تھی کہ آئندہ اس کی پہلے کی طرح عبادت نہیں ہوگی۔ مناۃ اہلِ مدینہ کا خاص بُت تھا۔ یہاں کے مشرک خانہ کعبہ کی طرح باقاعدہ احرام باندھ کر اس پر حاضر ہوتے تھے، اور یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع پہاڑ قدید کے سامنے ساحلِ سمندر کی جانب مرکوز تھا۔

جو شخص بُتوں کی عبادت میں مشرکوں کی عادات اور شرک کی حقیقت اور اس کے انواع و اقسام کو جنکی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان کی ہے، جاننا چاہتا ہے، اسے آں حضرت ﷺ کی سیرت، آپ کے زمانے میں عرب کے گفتار و کردار اور "اخبارِ مکہ" میں علامہ ازرقی اور دوسرے علماء کے بیان کردہ واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ اس پر قرآن حکیم کی تفسیر اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ناپسندیدہ امور کی وضاحت ہو جائے۔

غیر شعوری طور پر دوسروں کی عادات اور بدعات اپنانے کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گزر ایک قوم پر ہوا جو حالتِ امن میں اپنے ہتھیار بیری کے درخت پر لٹکا دیتے تھے اور بوقتِ ضرورت وہیں سے اُتار کر کام میں لاتے تھے۔ اس درخت کو وہ "ذاتِ انواط" کہتے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا: "یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی "ذاتِ انواط" چاہیئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اکبر! یہ تو وہی بات ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بت پرستوں کو بُت کی عبادت کرتے دیکھا تو کہا: "اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ"[1] یعنی "اے موسیٰ! ان کے بُتوں کی طرح ہمارے لیے بھی ایک بُت چاہیئے"۔ یہ تو اندھی تقلید ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ تم ایسے ہی ان کی اندھی تقلید کرنے لگ جاؤ گے"۔ دیکھیے، جب آنحضرت ﷺ نے محض کفار کی وجہ سے درخت پر ہتھیار لٹکانے کی مذمت کی ہے، تو شرک و کفر جیسی عظیم خباثت میں ان کی مشابہت کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ "جب اسلام میں "جاہلیت" سے ناواقف لوگ پیدا ہو جائیں، تو ایک ایک کڑی کر کے اسلام کی کڑیاں ٹوٹ جائیں گی۔ کیونکہ جب وہ جاہلیت کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہوں گے تو لامحالہ غیر شعوری طور پر ان میں مبتلا ہو جائیں گے"۔

---

[1] الاعراف: ۱۳۸

خانۂ خدا میں بتوں کی بھرمار

ہشام بن محمد کلبی نے کہا ہے کہ قریش نے کعبہ کے اندر اور اس کے باہر چاروں طرف بت نصب کر رکھے تھے۔ سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو انسانی شکل پر سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا۔ جب ان کا کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا، یا وہ سفر پر جانے کا ارادہ کرتے، تو اس کے پاس آکر تیروں کے ذریعے حق و باطل کا فیصلہ کرتے۔ اور انہی تیروں کو گھما کر معلوم کرتے کہ سفر میں انکی قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اور یہی وہ بت ہے جس کی بڑائی کا ابوسفیان نے جنگِ اُحد میں نعرہ لگایا تھا اور کہا تھا: "اُعْلُ هُبَل" یعنی ہبل کی جے" اور آں حضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ اس کے جواب میں تم "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ" کا نعرہ بلند کرو۔"

اساف اور نائلہ بھی قریش کے دو بت تھے۔ کہتے ہیں کہ اساف قبیلہ جرہم کے ایک آدمی کا نام ہے۔ اور اسی طرح نائلہ بھی اسی قبیلے کی عورت تھی۔ یمن میں رہتے ہوئے یہ آدمی اس عورت کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ حج کرنے کے لیے آئے، تو انھیں خانہ کعبہ میں خلوت کا موقعہ مل گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے بیتُ اللہ کے اندر بدکاری کی۔ اس گھناؤنے جرم کی پاداش میں یہ پتھر کی صورت میں مسخ کر دیے گئے۔ اہلِ مکہ نے لوگوں کی عبرت کے لیے انھیں کعبہ کے باہر پھینک دیا۔ عرصہ دراز گزرنے کے بعد جب بت پرستی شروع ہوئی تو ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔ لوگ ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان کے نام کے جانور ذبح کرتے تھے واللہ اعلم!

ذوالخلصہ کا انہدام

ابن اسحٰق اور کلبی کا بیان ہے کہ دوس، خثعم، بجیلہ اور ان کے علاقہ میں رہنے والے دوسرے عرب، "ذوالخلصہ" نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سفید سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کے سر پر تاج جیسی کوئی چیز نقش تھی اور اس پر ایک خوب صورت عمارت بنی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: کیا مجھے ذوالخلصہ سے نجات نہیں دلاؤ گے؟ چنانچہ وہ اس کی بیخ کنی کے لیے احمس قبیلہ کے نوجوان لے گئے۔

خثعم اور باہلہ کے لوگوں نے مزاحمت کی، لیکن جریرؓ اور ان کے ساتھی ان پر غالب آئے اور ذوالخلصہ کا بت خانہ توڑ کر اس کو آگ لگا دی۔ ذوالخلصہ کا پتھر آج کل تبالہ مسجد کی دہلیز پر لگا ہوا ہے۔

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی جگہ آج خثعم کے علاقہ میں ایک شہر آباد ہے جس کو عبلات کہتے ہیں۔

مبرد نے ابوعبیدؒ سے یہی بات نقل کی ہے سہیلی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو مہینے پہلے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے توڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟ ذوالخلصہ خثعم قبیلہ میں ایک مشہور بُت خانہ تھا جس کو کعبۂ یمانیہ کہا جاتا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کے لیے احمس کے ۱۵۰ آدمی لے کر ذوالخلصہ کی طرف چلا۔ وہ لوگ شہسواری میں بڑے ماہر تھے۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں گھوڑے پر تھم نہیں رہ سکتا، گر پڑتا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر زور سے ہاتھ مارا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشان ظاہر ہوگئے، اور فرمایا: "اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا"۔ "یا اللہ اس کو ثابت رکھ اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے"۔ ــــــ

ــــــ اس کے بعد یہ ذوالخلصہ میں گئے۔ اس کو توڑ کر اس کی عمارت کو آگ لگا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دینے کے لیے ایک قاصد روانہ کیا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فتح کی بشارت دی اور کہا: "اس خدا کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے، جب تک وہ بُت جل کر خارش زدہ اونٹ کی طرح سیاہ نہیں ہو گیا، میں وہاں سے نہیں چلا"۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احمس قبیلہ اور اس کے آدمیوں کے لیے ۵ دفعہ برکت کی دعا کی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

صادق المصدوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں ثابت ہے "کہ آخر زمانہ میں اس کو دوبارہ بنا لیا جائے گا اور جب تک دوس اور خثعم قبیلہ کی عورتوں کے سرین ذوالخلصہ کا طواف کرتے ہوئے حرکت نہیں کریں گے قیامت قائم نہیں ہو گی"۔

دوس قبیلہ کا ایک دوسرا بُت بھی تھا جس کو "ذوالکفین" کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے اس کو آگ لگا کر جلا دیا۔

اسی طرح قبیلۂ حارث بن یشکر کا ایک الگ بُت تھا جس کو "شرِیٰ" کہتے تھے۔

قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان قبائل کا مشارفِ شام میں ایک مخصوص بُت تھا جس کو "اُقیصر"

کہا جاتا تھا۔ مزینہ قبیلہ کا ایک علیحدہ بُت تھا، جسے "ہم" کہتے تھے اور اسی کے نام پر وُہ اپنے بچوں کے نام "عبدہم" رکھتے تھے۔ قبیلہ طیٔ کا بُت آجا اور سلمٰی کے درمیان نصب تھا، جس کو "فلس" کے نام سے پکارتے تھے۔

مکہ معظّمہ میں بُتوں کا سیلاب

مکہ کے ہر گھر میں ایک مخصوص بُت ہوتا تھا، جس کی وُہ اپنے گھر ہی میں عبادت کر لیتے تھے۔ اُن کا رواج تھا کہ جب وُہ سفر پر جاتے، تو پہلے اُس کو چُومتے چاٹتے، پھر سفر پر روانہ ہوتے اور جب واپس آتے، تو گھر میں داخل ہوتے ہی پہلے اس کے ساتھ اپنا جسم اور اپنے ہاتھ ملتے، پھر اس کے بعد کوئی دُوسرا کام کرتے۔

ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں، قبیلہ خولان کا ایک الگ بُت تھا جس کو وُہ "عمِ انس" کہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے جانور اور اپنا غلہ اللہ تعالیٰ اور اپنے بُت "عمِ انس" کے لیے تقسیم کرتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصّے کی کوئی چیز "عمِ انس" کے حصّے میں گر جاتی تو اُس کو وہیں رہنے دیتے۔ اور اگر "عمِ انس" کے حصّے کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصّے میں گر جاتی تو اس کو نکال کر "عمِ انس" کے حصّے میں ڈالتے۔ اِن ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سُورتِ انعام کی یہ آیت نازل فرمائی:

" وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا۔ الاٰیۃ " (الانعام : ۱۳۷)

ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں: بنو ملکان بن کنانہ بن خزیمہ کے بُت کا نام "سعد" تھا۔ یہ بے آب و گیاہ صحرا میں ایک طویل پتھر تھا۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک آدمی بہت سے اُونٹ لایا اور اِس خیال سے کہ بُت ان میں برکت عطا کرے گا، اس کے پاس کھڑے کر دیے۔ چُونکہ اس پر چڑھاوے کے جانوروں کے خُون ڈالنے کی وجہ سے وُہ مہیب شکل اختیار کر گیا تھا، اس لیے اسے ایسی صُورت میں دیکھ کر اُونٹ ڈر گئے اور جدھر کسی کا مُنہ ہوا، اُدھر بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر مالک کو غصّہ آیا اور ایک پتھر اُٹھا کر اس پر دے مارا اور کہا: "اے منحُوس بُت! تُو نے میرے اُونٹ بھگا دیے ہیں"۔ پھر بڑی مُشکل سے اُس نے اکٹھے کیے۔ سب جمع ہو گئے، تو بولا ؎

اَتَيْنَا اِلٰى سَعْدٍ لِيَجْمَعَ شَمْلَنَا   فَفَرَّقَنَا سَعْدٌ فَلَا نَحْنُ مِنْ سَعْدِ

"ہم تو سعد کے پاس اِس لیے آئے تھے کہ ہمارے بکھرے ہُوئے شیرازے کو جمع کر دے، مگر اُس نے

الٹا ہمیں بکھیر دیا، اس لیے ہم سعد کی عبادت اور اس کی دوستی سے باز آئے":

وھل سعد الا صخرۃ بتنوفۃ　　من الارض لا تدعو لغی و لا رشد

"سعد تو محض ایک پتھر ہے جو بے آب و گیاہ زمین میں نصب ہے یہ نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے، اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے":

جذبۂ بت پرستی کی تسکین

ابو رجاء عطاردیؒ کہتے ہیں، ہم جاہلیت میں پتھر پوجتے تھے۔ جب ہمیں کوئی پہلے پتھر سے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا تو ہم پہلے کو پھینک دیتے اور دوسرے کی پوجا شروع کر دیتے۔ جب پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی کا ایک ڈھیر اکٹھا کرتے، پھر اس پر بکری کا دودھ دوہتے اور اس کے گرد طواف کر کے اپنے جذبۂ بت پرستی کی تسکین کرتے۔ امام دارمیؒ مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے آقا نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا،" ایک دفعہ میرے گھر والوں نے بتوں کی نذر کرنے کے لیے مجھے مکھن کا پیالہ اور کچھ دودھ دے کر بھیجا، میں نے بتوں کے خوف سے وہ مکھن نہ کھایا اور لا کر بت کے پاس رکھ دیا۔ اتنے میں ایک کتا آیا، اس نے دودھ پیا اور وہ مکھن کھایا، پھر جاتے ہوئے اس بت پر پیشاب کر گیا۔ وہ بت اساف یا نائلہ تھا"۔

ہارون کہتے ہیں، جاہلیت میں جب کوئی آدمی سفر پر جاتا تو اپنے ہمراہ چار پتھر لے جاتا، تین پر ہانڈی پکاتا اور چوتھے کی عبادت کرتا۔ اپنے کتے کو پالتا اور اولاد کو قتل کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا، ہم لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے اور اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے۔ ایک دفعہ میرے گھر لڑکی پیدا ہوئی، جب اس نے ہوش سنبھالا اور کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئی تو وہ مجھ سے مانوس ہو گئی اور میری آواز سن کر بہت خوش ہوتی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا تو وہ دوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ میں اسے لے کر ایک کنوئیں پر آیا، جو میرے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ "ابوجی! ابوجی" کہتی رہی، مگر میں نے اس کو اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ رو پڑے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک آدمی نے کہا:

"تم نے تو رسول اللہ ﷺ کو غم میں مبتلا کر دیا ہے"، آپ ﷺ نے فرمایا: "خاموش رہو! یہ

اپنی آپ بیتی سنا رہا ہے اور اس ظلم پر توبہ کا طریقہ پوچھ رہا ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اپنا واقعہ دوبارہ سناؤ۔ اس نے یہ واقعہ دوبارہ بیان کیا تو آپؐ پھر رو پڑے، حتیٰ کہ آنسوؤں نے آپ ﷺ کی ڈاڑھی کو تر کر دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے گناہ معاف کر دیے ہیں، اب نئے سرے سے اپنے اعمال کا آغاز کرو۔"

خانہ کعبہ کے بتوں کا حال

جب آں حضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے اس میں تین سو ساٹھ بت موجود پائے۔ آپ ﷺ ہر بت کے پاس آتے، اس کی آنکھ میں اور منہ میں کمان کے کنارے سے چوکا مارتے۔ اور فرماتے "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[1]" بت سر کے بل گر پڑتا۔ آپؐ فرماتے، "اس کو لے جا کر مسجد سے باہر پھینک دو اور اس کو آگ لگا دو۔" بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) سے اسی طرح روایت کیا ہے، مگر انھوں نے بتوں کے گرنے کا ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے یہ کہا ہے کہ "آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپؐ ان کے منہ اور آنکھ میں چوکا مارتے تھے۔"

مشرکین کی قسمیں

ابوالحسن مسعودیؒ اپنی کتاب "مروج الذہب" میں لکھتے ہیں، جاہلیت میں عرب کئی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے:

۱ــــ توحید پرست، خالق کو ماننے والے، قبروں سے اٹھنے کو تسلیم کرنے والے اور اس بات پر ایمان لانے والے کہ اللہ تعالیٰ فرمانبردار کو اجر دے گا اور نافرمان کو سزا دے گا۔ مشہور فصیح و بلیغ آدمی قس بن ساعدہ، رباب شنی اور بحیرا راہب جو عبدالقیس کے خاندان سے ہے، اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲ــــ خالق کا اقرار کرنے والے، حدوث عالم کے قائل، قبروں سے اٹھنے اور اخروی زندگی پر ایمان لانے والے لیکن رسولوں کے منکر اور بتوں کے پجاری۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے یہ قول نقل کیا ہے: "مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ[2]" اس فرقہ کے لوگ دور دراز سے سفر کر کے آتے، بتوں کا حج کرتے، ان کے نام پر قربانیاں ذبح کرتے اور دیگر کئی قسم کی عبادتیں بجا لاتے تھے۔ یہ لوگ بتوں

---

[1] الاسراء: ۸۱ [2] الزمر: ۳

کے لیے کوئی چیزیں حلال کرتے اور کچھ چیزیں حرام سمجھتے۔

۳ـــــ خالق کو ماننے والے، ابتدائے آفرینش کے قائل مگر رسولوں کی تکذیب کرنے والے اور قبروں سے جی اُٹھنے کے منکر۔ دھریوں کے عقائد کے مؤید! یہ وُہ لوگ ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ[۱] الآیۃ"!

۴ـــــ یہودیت اور عیسائیت کی طرف میلان رکھنے والے۔

۵ـــــ فرشتوں کی عبادت کرنے والے اور ان کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھنے والے۔ یہ لوگ فرشتوں کی اس لیے عبادت کرتے تھے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس فرمان میں ان ہی لوگوں کا ذکر کیا ہے: "وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ[۲] الآیۃ"! "أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ[۳]" وغیرہ دیگر آیات۔ (انتہیٰ)!

۶ـــــ دُوسرے عُلمائنے کہا ہے: کچھ عرب جنّوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کی مدد سے علم الانساب، علم الانوار، تواریخ اور تعبیرِ رؤیا میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ آخری علم میں حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یدِطُولیٰ حاصل تھا۔ جاہلیت کے لوگوں میں کچھ اچھی عادتیں بھی پائی جاتی تھیں جنھیں اِسلام نے بحال رکھا ہے، چنانچہ یہ ماں اور بہن سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ ان میں سب سے قبیح عادت یہ تھی کہ دو بہنوں کے ایک آدمی سے نکاح کے قائل اور عامل تھے۔ نیز اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتے تھے۔

ان کی مندرجہ ذیل عادتیں سلام نے برقرار رکھی ہیں:

جنابت کا غسل کرنا، کُلّی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، زیرِناف بال مُونڈنا، ختنہ کرنا، چور کا داہنا ہاتھ کاٹنا اور حج اور عمرہ کرنا۔

عربوں کی قسمیں

مؤرخین نے عربوں کی تین قسمیں بتائی ہیں: (۱) عربِ بائدہ (۲) عربِ عاربہ (۳) عربِ مستعربہ

عربِ بائدہ وُہ ہیں جن کے حالات سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں، کیونکہ وُہ علمِ تاریخ ایجاد ہونے سے پہلے ہلاک ہو گئے تھے۔ عاد، ثمود اور جرہمِ اُولیٰ اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ قومِ عاد کے

[۱] الجاثیہ: ۲۴ [۲] النحل: ۵۷ [۳] النجم: ۱۹

زمانہ کے لوگ ہیں، ان کے ساتھ ساتھ ان کے حالات بھی خاک میں مِل گئے۔ جرہم ثانیہ قحطان کی اولاد ہیں، حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کا رشتہ ناطہ ان ہی کے ساتھ قائم ہوا تھا۔

عربِ بائدہ کا تاریخ میں بہت ہی کم ذکر ملتا ہے۔

عربِ عاربہ، یمن کے رہنے والے ہیں اور قحطان کی اولاد ہیں۔

عربِ مستعربہ، حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو عربِ مستعربہ کہتے ہیں۔ انتہیٰ!

شیطان کا کھیل

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بُتوں کی عبادت میں مشرکین کے ساتھ شیطان کے تلاعب کے کئی اسباب ہیں۔ وُہ ہر قوم سے اُن کی عقل کے مطابق کھیلتا ہے۔ اس نے ایک جماعت کو مُردوں کی انتہائی تعظیم کے ذریعے بُتوں کی عبادت میں مُبتلا کیا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انھوں نے قومِ نوح کی طرح انکی صُورت پر بُتوں کے مجسمے بنائے اور رفتہ رفتہ ان کو پُوجنے لگے۔ اِسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے اور اُن پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی، اور قبروں کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، اور اپنی اُمّت کو اپنی قبر پر میلہ لگانے اور عُرس کرنے سے روکا، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت ناراض ہے، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کیں"، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجسموں کو توڑنے اور قبروں کو زمین کے ساتھ ہموار کرنے کا حُکم دیا۔ لیکن مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کی ہمیشہ مخالفت کی اور اپنی جہالت کی وجہ سے یا اہلِ توحید کے ساتھ بغض کی بنا پر وہی کیا جس سے منع کیا گیا تھا۔ عام مشرکین کا بُتوں کی عبادت میں مُبتلا ہونے کا اکثر یہی سبب ہے مگر خواص نے دنیا میں تاثیر کرنے والے ستاروں کی شکل پر بُت بنائے، پھر ان کے ہیکل تعمیر کیے، اُن پر خدّام اور دربان بٹھائے، بعد ازاں اُنکا حج کرنے، اور اُن پر قربانی دینے کو رائج کیا، اور دُنیا میں قدیم سے اَب تک یہ طریقہ بھی معمُول بنا ہوا ہے۔ اسی طرح کا ایک ہیکل اصفہان میں پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا جس سے ایران کے کسی بادشاہ نے بُتوں کو نکال کر اپنے عقیدہ کے مُطابق آتش کدہ میں بدل دیا۔ اسی طرح دُوسرا، تیسرا اور چوتھا ہیکل کسی مُشرک نے زہرہ ستارے کے نام پر صنعا شہر میں بنایا تھا جس کو امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان کے عہدِ حکُومت میں مسمار کیا گیا۔ ایسا ہی ایک ہیکل بادشاہ قابُوس نے سُورج کے نام پر فرغانہ میں تعمیر کیا، اس کو خلیفہ معتصم نے ویران کیا۔ اس قسم کا شرک

دُوسری قوموں کی بہ نسبت اہلِ ہند میں زیادہ پایا جاتا تھا۔

دراصل یہ طریقہ صابئین کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ہے، جنھوں نے آپؑ سے مناظرے کیے اور بالآخر آپؑ کو جلانے کا اہتمام کیا۔ یہ طریقہ بھی دُنیا میں قدیم سے رائج ہے اور اس پر عمل کرنے والے گروہوں میں بٹے ہُوئے ہیں بعض سُورج کی عبادت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالمِ سفلی میں رہنے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے اور ان کے خیال میں یہ آسمان کا بادشاہ ہے، اس لیے تعظیم کا مستحق ہے۔ اس کو سجدہ کیا جائے اور اس سے دُعائیں مانگی جائیں اور حاجات طلب کی جائیں۔ اس کی عبادت کا انھوں نے یہ طریقہ نکالا کہ اس کے نام کا ایک بت بنایا، اس کے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک سُرخ یاقوت تھمایا اور اس پر ایک ہیکل تعمیر کیا۔ اس کے اخراجات کے لیے بہت سے گاؤں اور مربعہ جات وقف کیے۔ انتظام کے لیے خادم، دربان اور ناظم مقرر کیے یہ سُورج کے طلوع، غرُوب اور دوپہر کے وقت جب وہ آسمان کے وسط میں سر پر ہوتا ہے، اس کو سجدہ کرتے تھے۔ یہ سارے طریقے ان کو شیطان نے سکھائے تھے اور وُہ ان اوقات میں اپنا سر سُورج سے لگا دیتا تھا، تاکہ ان کا سجدہ اور عبادت اس کے لیے ہو جائے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے کفار کے ساتھ ظاہری مشابہت سے بھی بچنے اور شرک اور بُت پرستی کا دروازہ بند کرنے کے لیے اپنی اُمت کو ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔

ایک گروہ نے چاند کو اپنا معبُود بنا لیا۔ ان کے خیال میں یہی عالمِ سفلی کا نظام چلاتا ہے۔ اس لیے تعظیم و تکریم اور عبادت کا مستحق ہے۔ انھوں نے اس کی عبادت کا طریقہ یہ نکالا کہ اس کے نام پر بچھڑے کی شکل کا ایک بُت بنایا، جس کو چار آدمی اِدھر سے اُدھر منتقل کرتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک موتی پکڑایا۔ یہ لوگ اس کی عبادت کرتے، اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور ہر مہینے میں کئی کئی متعین دن اس کے لیے روزے رکھتے۔ روزوں سے فارغ ہو کر عید مناتے، طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں برکت کے لیے اس کے آگے لا کر رکھتے، پھر کھانے پینے سے فارغ ہو کر رقص و سرُود کی محفلیں جماتے۔

کواکب پرستی کی کچھ اور صُورتیں

بعض نے ستاروں کی شکل کے بُت بنائے اور ان کی روحانیت سے متمتع ہونے کیلئے اُن کی

عبادت کرنے لگے، ان کے لیے ہیکل اور عبادت خانے قائم کیے۔ چونکہ ہر چیز میں انفرادیت کے بغیر کسی طریقہ کا جاری رہنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہر ستارے کے لیے شکل، ہیکل اور عبادت کا طریقہ مخصوص ہوتا۔

بُت پرستی کی ابتداء

بُت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ بُت پرستوں نے پہلے پہل کسی غیر مرئی معبود کا تصور اپنے دل میں جمایا، پھر اُس کی فرضی شکل وصورت کا بُت بنایا اور اُس کو اپنے معبود کا نائب اور قائم مقام سمجھ کر پُوجنے لگے۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک عاقل اپنے ہاتھ سے لکڑی یا پتھر کا بُت بنائے اور پھر اُس کو اپنا رب اور خدا سمجھے؟

بُت پرستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات شیاطین بُتوں میں داخل ہو کر کلام کرتے ہیں، اور مخفی اور پوشیدہ باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ عوام اپنی نادانی سے سمجھتے ہیں کہ یہ بُت کلام کر رہے ہیں اور خواص اِس کو ان کی رُوحانیت کا کرشمہ قرار دیتے ہیں اور بعض انھیں فرشتے کہتے ہیں غرض کہ وجہ کوئی بھی ہو، اکثر اہلِ زمین بُت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگ ہی اِس لعنت سے محفوظ ہیں، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ بُت پرستی نوح علیہ السلام سے پہلے ہی زمین میں جاری تھی اور بُت خانوں، ان کے خادموں، مجاوروں، اور ان کی عبادت کا طریقہ سکھانے والی کتابوں سے زمین بھری تھی۔ امام الموحّدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی: ”وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ“[1] ”الٰہی مجھے اور میری اولاد کو بُتوں کی عبادت سے دُور رکھنا، انھوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔“

بُت پرستی کا ایک سبب مخلوق کی تعظیم وتکریم میں غلو کرنا ہے۔ اس کو اپنے مرتبے سے بڑھانا، اور اس میں الوہیت کا کچھ حصہ تسلیم کرنا ہے۔ چنانچہ مشرکین نے ایسی مخلوق کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرح پوجنے لگے۔ اسی تشبیہ کو جو اقوامِ عالم میں رائج تھی، باطل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے، کتابیں اُتاریں اور اس پر عمل کرنے والی قوموں کی تردید کی۔ چنانچہ فرمایا: ”فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ“[2]۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے شریک نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔) نیز فرمایا: ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا“ الآیۃ[3] ”یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں

---

[1] ابراہیم: ۳۵، ۳۶ [2] البقرۃ: ۲۲ [3] البقرۃ: ۱۶۵

جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں" نیز اللہ تعالیٰ نے اہل نار کا قول نقل فرمایا کہ اپنے معبودوں کو کہیں گے: "تَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ"[1] "بخدا ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، جب ہم دنیا میں تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے" اور فرمایا: "فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ"[2] "یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو" ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی مثل سمجھا جائے اور اس کے اختیارات اس کو تفویض کیے جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور بڑا عظیم المرتبت ہے کہ کوئی مخلوق اس کی مثل یا اس کے مشابہ ہو سکے۔ لیکن بعض غلو پسند لوگوں نے اپنے معبودوں کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

بحیرہ وغیرہ جانوروں کا ذکر اور انکے معنوں میں اختلاف

صحیحین میں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے خاص کر دیتے تھے، کوئی شخص اپنے استعمال کے لیے نہیں دوھ سکتا تھا۔ سائبہ وہ جانور ہے جس کو اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، پھر اس سے سواری یا بوجھ برداری کا کام نہیں لیتے تھے۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے، جس نے پہلی دفعہ مادہ کو جنم دیا اور دوسری دفعہ پھر مادہ جنی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نر بچہ نہیں دیا۔ اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ حامی وہ اونٹ ہے جو معین جفتی کی تعداد پوری کر لیتا، اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، پھر اس سے بوجھ برداری کا کام یا کوئی دوسری خدمت نہیں لیتے تھے۔ اس کو حام یا حامی کہتے تھے۔

ابن اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں: بحیرہ سائبہ کی بیٹی ہے اور سائبہ وہ اونٹنی ہے، جس نے پے درپے دس اونٹنیاں جنی ہوں اور ان کے درمیان کوئی اونٹ نہ ہو۔ اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نہ اس پر سواری کی جاتی تھی، نہ اس کے بدن سے اون کاٹی جاتی تھی اور نہ مہمان کے سوا اس کا کوئی دودھ پی سکتا تھا۔ پھر اگر اس کا گیارھواں بچہ بھی اونٹنی ہوتی تو اس کا کان چیر دیا جاتا اور اس کی ماں کی طرح اس کو بھی بتوں کے نام چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر بھی سواری نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس کی اون کاٹی جاتی تھی اور مہمان کے سوا اس کا دودھ بھی کوئی نہیں پی سکتا تھا۔ جو سلوک اس کی ماں سے کیا جاتا، وہی اس سے کیا جاتا تھا۔ یہ بحیرہ سائبہ کی بیٹی ہے۔ وصیلہ وہ بکری ہے جو اپنے پانچ بطنوں میں پے درپے دس بکریاں جنتی، اور ان

---

[1] الشعراء: ۹۷-۹۸ [2] النحل: ۷۴

کے درمیان کوئی بجرانہ ہوتا تو کہتے "یہ وصیلہ" ہو گئی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ بچے دیتی تو وہ مرد کھا سکتے تھے، عورتوں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، ہاں اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہوتا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تھے۔ حامی وہ اونٹ ہے، جس کی جفتی سے دس پے در پے اونٹنیاں پیدا ہوتیں، ان میں کوئی اونٹ نہ ہوتا تو کہتے اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے، اس پر نہ سواری کرتے، نہ اس کی اون کاٹتے۔ اس کو اونٹوں میں جفتی کرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا، اس کے علاوہ اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

ابن اسحٰق رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو ان پر مندرجہ ذیل آیات اتاریں:

"مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ[1] الاٰية" یعنی "اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بنانے کا حکم نہیں دیا" اور یہ آیت نازل کی: "وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا[2] الاٰية" یعنی "وہ کہتے تھے جو بچے ان جانوروں کے پیٹوں میں ہیں، وہ خالصۃً ہمارے مردوں کے لیے ہیں" اور اللہ کا یہ فرمان بھی اترا: "قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا[3] الاٰية" یعنی "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھیں: یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہارے لیے اتارا ہے، تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال کیوں بنا لیا ہے"؟

حُمس کا طریقہ

ابن اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں: واقعۂ فیل سے پہلے یا بعد قریش نے اپنے لیے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اس کی وجہ سے حُمس کہلانے لگے۔ مذہب یہ تھا کہ چونکہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، حرم کے باشندے، بیت اللہ کے متولی اور مقدس شہر مکہ میں بسنے والے ہیں، اس لیے ہمیں وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہے جو عرب کے دوسرے کسی قبیلے کو حاصل نہیں اور ہم اس تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں جس میں دوسرے لوگ ہمارے سہیم و شریک نہیں۔ اس لیے اے اہل مکہ! جس طرح تم حرم کا احترام کرتے ہو، "حِل" کے کسی حصہ کا ایسا احترام نہ کرو۔ ورنہ عرب کے دلوں سے تمہارا اپنا احترام اٹھ جائے گا اور تم بے عزت اور حقیر ہو کر رہ جاؤ گے۔ وہ

---

[1] المائدۃ: ۱۰۳ [2] الانعام: ۱۳۹ [3] یونس: ۵۹

کہیں گے کہ "جس طرح ہم مذہبی مناسک ادا کرنے کے لیے حرم کے محتاج ہیں، اسی طرح حرم میں بسنے والے "حِل" کے محتاج ہیں، ہم پر انھیں کوئی فوقیت حاصل نہیں" حج کا مقام "عرفات" حرم سے باہر ہے اور "حِل" میں داخل ہے، اس لیے اہلِ مکّہ نے حج کے لیے وہاں جانا اور عرفہ میں وقوف کرنا بند کر دیا۔ حالانکہ وُہ عرفات کو حج کا رکن اور دینِ ابراہیمؑ کا ایک اہم حصّہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے عرفات میں جانا، وہاں وقوف کرنا اور وہاں سے واپس آنا لازم قرار دیا تھا کہ اس کے بغیر ان کا حج مکمّل نہیں ہو گا، مگر ہم حرم کے پاسبان اور مکّہ کے بسنے والے ہیں، ہم حرم سے باہر نہیں جا سکتے۔ نیز "حِل" کی کوئی جگہ ہمارے لیے حرم کی طرح قابلِ تعظیم نہیں۔ ہم اہلِ حرم اپنے اصُولوں پر سختی کے ساتھ کاربند ہونے کی وجہ سے حُمس ہیں، اور ان کی اولاد حرم میں رہے یا "حِل" میں، وُہ بھی حُمس ہی کہلائے گی اور وہ بھی ان ہی اصُولوں کی پابند ہو گی جس کی پابندی اہلِ مکّہ کرتے ہیں۔ جو چیز اہلِ مکّہ کے لیے حلال ہے، وُہ ان کے لیے بھی حلال ہے اور جو چیز اہلِ مکہ کے لیے حرام ہے، وُہ ان کے لیے حرام ہے۔ کنانہ اور خزاعہ کے قبائل بھی قریش کی طرح حمس ہی شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے لیے نئے نئے اصُول وضع کر لیے تھے، جن کا پہلے کوئی وجوُد نہیں تھا۔ وُہ اصُول یہ تھے کہ: (۱) احرام کی حالت میں پنیر اور گھی کا استعمال نہیں کریں گے (۲) احرام کی حالت میں سایہ کے لیے چمڑے کے خیمے استعمال کریں گے، اُونی خیموں کے سایہ میں نہیں آئیں گے۔ (۳) اہلِ حِل، حج یا عمرے کے لیے حرم میں داخل ہوں گے تو وُہ کھانا نہیں کھائیں گے، جو وُہ اپنے ساتھ "حِل" سے لائے ہیں (۴) وُہ بیتُ اللہ کا پہلا طواف حمس کے کپڑوں میں کریں گے۔ اپنے کپڑوں میں طوافِ بیتُ اللہ نہیں کریں گے (۵) اگر حمس سے کپڑے نہ مل سکیں، تو ننگے بدن طواف کریں گے۔ (۶) اگر کوئی مرد یا عورت حمس سے کپڑے نہ ملنے کی صُورت میں ننگے طواف کرنے میں شرم محسُوس کرے یا اس کو بے عزّتی سمجھے تو اپنے کپڑوں میں، جسے وُہ حِل سے لایا ہے، طواف کر سکتا ہے۔ لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد ان کو فوراً اپنے بدن سے اُتار پھینکے۔ پھر وہ یا کوئی دُوسرا شخص ان کپڑوں کو استعمال نہیں کر سکتا۔ اہلِ عرب ایسے کپڑوں کو "لقیٰ" کہتے تھے۔ اور ان تمام باتوں میں قریش کی اتباع کو عین سعادت سمجھتے تھے۔ مرد تو ننگا طواف کرنے لگے اور اس میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے، ہاں عورت طواف کرتے وقت اپنے سارے کپڑے اُتار دیتی تھی۔ صِرف ایک قمیص بدن پر رہنے دیتی تھی، جس کے دونوں طرف چاک ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح طواف کرتے ہُوئے کسی عوّرت نے کہا تھا ؎

اليوم يبدو بعضه اوكله ـ وما بدا منه فلا احله" ۔آج میرے جسم کا کچھ حصہ ظاہر ہوگا۔ بہرحال جتنا حصہ بھی ظاہر ہو، میں اس کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔"

غرضکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک عرب ان تمام رسوم کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں چند آیات اُتار کر اُن کی غلط قسم کی رسوم کی اصلاح کی، چنانچہ فرمایا:

"ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ"[1] یعنی "اے اہلِ مکہ! جہاں سے دوسرے لوگ واپس آتے ہیں، تم بھی وہاں سے واپس آؤ" یعنی یہ قریش کو حکم دیا کہ جیسے دوسرے عرب عرفات سے واپس آتے ہیں، تم بھی حج کے لیے عرفات جاؤ اور وہیں سے واپس آؤ۔ اور انھوں نے بیت اللہ کے پاس لوگوں پر جو کپڑے پہننے اور بعض کھانے حرام کر دیے تھے، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" الیٰ قولہ "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الْاٰيَة"[2] یعنی "اے انسانو! ہر مسجد میں لباس پہن کر آؤ" ـــ آگے تک: ـــ "اے نبیؐ! آپ فرمادیں کہ جس زینت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، وُہ کس نے حرام کر دی ہے؟"

سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان واقع ہونے والے زمانے کے اہلِ توحید

مسعودیؒ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں اہلِ توحید کی ایک جماعت گزری ہے جو قیامت کے دن سب انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی قائل تھی۔ ان کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان میں کچھ نبی بھی تھے اور بعض لوگ اس زمانہ میں کسی نبی کے آنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں جن لوگوں کا نام لیا جاتا ہے، ان میں سے ایک رباب شنی ہیں، یہ عبد القیس کے ذیلی قبیلہ شن سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر گزرے ہیں۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آسمان کی طرف سے ایک منادی کو یہ کہتے ہوئے سنا: "اس وقت رُوئے زمین پر سب سے بہتر رباب شنی، بحیرا راہب اور ایک تیسرے شخص ہیں، جو ابھی پیدا نہیں ہوئے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم"! کہتے ہیں، رباب شنی کی اولاد سے جب کوئی آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر ہلکی بارش ضرور ہوتی تھی۔

اور ان میں سے ایک ابو کرب اسعد حمیری بھی ہیں۔ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

---

[1] البقرۃ: ۱۹۹ [2] الاعراف: ۳۱-۳۲

سات سو سال پہلے آپؐ پر ایمان لائے تھے اور مندرجہ ذیل شعر بھی کہے تھے ؎

شَہِدْتُّ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ　　رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ بَارِی النَّسَمِ

"میں شہادت دیتا ہوں کہ احمدؐ رُوحوں کو پیدا کرنے والے خدا کے رسولؐ ہیں"

فلومد عُمُری الی عُمُرِہٖ　　لکنت وزیرًا لّہ وابن عم

"اگر میری عُمر نے آپؐ کی زندگی تک وفا کی تو میں آپؐ کا وزیر اور چچا زاد بھائی ہوں گا"

یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبۃ اللہ کو چمڑے اور یمنی چادروں کا بِلا جُلا غلاف پہنایا تھا اور کسی حمیری نے اسی وجہ سے کہا: "وَكَسَوْنَا الْبَيْتَ الَّذِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ."

"اور ہم نے اس گھر کو غلاف پہنایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت بخشی ہے"

اور ان میں ایک قس بن ساعدہ ہیں جو قبیلہ ایاد بن سعد سے تعلق رکھتے ہیں، یہ حکیمِ عرب تھے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ انھوں نے ہی یہ کہا ہے: "جو زندہ ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا اور جو مرا وہ فوت ہو گیا اور جو چیز آنے والی ہے، وہ آنے والی ہے" عربوں کے نزدیک ان کی حکمت ضرب المثل تھی، چنانچہ اعشیٰ نے کہا ہے ؎

واحکم من قس واجری من الذی　　بذی الغیل من غسان اصبح خادرا

ایک دفعہ ایاد کا ایک وفد آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپؐ نے ان سے قس کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے: "وہ فوت ہو چکا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، میں نے اسے منڈی عکاظ میں سُرخ اونٹ پر سوار دیکھا ہے کہہ رہا تھا۔ لوگو! سنو اور یاد رکھو! جو زندہ ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا اور جو مرا وہ فوت ہو گیا اور جو چیز آنے والی ہے، وہ آکر رہے گی۔ امّا بعد، بلاشبہ آسمان میں خبر ہے اور زمین میں عبرت کے سامان ہیں۔ سمندر جوش مار رہا ہے اور ستارے ڈوب رہے ہیں۔ آسمان بلند ہے اور گڑھے پست ہیں۔ قس، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس کا دین تمہارے دین سے پسندیدہ ہے۔ یہ کیا حالت ہے کہ لوگ جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے؟ کیا وہاں کی رہائش پسند کر کے وہیں رہ پڑے ہیں، یا ان کو چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ سو گئے ہیں؟ راستہ ہموار ہے لیکن عمل مختلف ہے!۔ اس نے کچھ اشعار بھی پڑھے تھے، جو مجھے یاد نہیں رہے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کر کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! مجھے وہ اشعار یاد ہیں، اس نے کہا تھا ؎

فی الذاھبین الاولین من   القرون لنا بصائر

"پہلی گزرنے والی صدیوں میں ہمارے لیے سمجھ بوجھ کے بہت سامان ہیں"

لمّا رأیت موارداً   للموت لیس لہا مصادر

"جب مَیں نے موت کے گھاٹ دیکھے کہ ان میں داخل ہونے والے واپس نہیں آتے"

ورأیت قومی نحوھا   تمضی الاکابر والاصاغر

"اور اپنی قوم کو دیکھا کہ سب چھوٹے بڑے اُدھر ہی جا رہے ہیں"

لا یرجع الماضی ولا   یبقی من الباقین غابر

"کوئی جانے والا واپس نہیں آتا اور نہ باقی رہنے والوں میں سے کوئی پیچھے رہتا ہے"

ایقنت انّی لا محالۃ   حیث صار القوم صائر

"تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مجھے بھی لازمی طور پر وہاں جانا ہے، جہاں میری قوم گئی ہے"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قس پر رحم فرمائے! مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے اکیلے کو ایک اُمت کے قائم مقام اٹھائے گا"

ان میں سے ایک زید بن عمرو بھی تھے، جو عشرہ مبشرہؓ میں سے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد تھے۔ یہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ زید بتوں کی عبادت سے سخت متنفّر تھے، اور انکی عیب جوئی کرتے تھے۔ اس لیے ان کے چچا خطاب نے مکّہ کے غنڈوں کو ان کے خلاف بھڑکا دیا، جو ہر وقت اُنکے درپے آزار رہتے تھے۔

ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں، ایک دن اہلِ مکّہ اپنے ایک بت کے پاس جمع ہوئے۔ وہ ہر سال اس کے پاس ایک دن میلہ لگا دیتے تھے، جس میں وہ اس کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے، اس کا طواف کرتے اور ہر طریقے سے اس عبادت کو بجا لاتے۔ اس میلے میں قریش کے چار آدمیوں نے الگ ہو کر میٹنگ کی، ایک دوسرے سے سچ بولنے اور رازداری پر قائم رہنے کا عہد لیا۔ یہ چار آدمی یہ تھے: (۱) ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیّ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبیداللہ بن جحش (۳) عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ اور چوتھے زید بن عمرو تھے۔ یہ آپس میں کہنے لگے:

"تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری قوم کسی مذہب کی پابند نہیں، انھوں نے دینِ ابراہیم علیہ السلام چھوڑ دیا ہے۔

اور بُتوں کی پُوجا میں مُبتلا ہو گئے ہیں جو نہ سُنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں۔ نہ کسی کا نقصان کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں ہم ان پتھروں کا کیونکر طواف کریں ؟ —— دوستو! آؤ مل کر دینِ حق کی تلاش کریں۔ بخدا یہ دین جس پر ہم چل رہے ہیں، دینِ حق نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اس میٹنگ کے بعد اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور دینِ حق کی تلاش میں مختلف مُلکوں کی خاک چھاننے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ورقہ بن نوفل نے تو عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اہلِ کتاب سے علم پڑھ کر انجیل کی اتباع کو اپنا معمول بنا لیا —— عبید اللہ بن جحش شک کی دلدل میں پھنسا رہا۔ بعد میں اسلام قبول کیا اور اپنی بیوی اُمّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں جا کر مُرتد ہو گیا۔ العیاذ باللہ! —— عیسائی مذہب قبول کر لیا اور وہاں عیسائیت کی حالت میں مرا۔ اس کی بیوی اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں، اور بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ کر اُمّ المومنین کا اعزاز حاصل کیا۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا، اُس نے اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار ہزار دینار حق مہر میں ادا کیے۔

عثمان بن حویرث مُلکِ شام میں رُوم کے بادشاہ قیصر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عیسائی دین قبول کر لیا، اس پر بادشاہ نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اس کو اپنا مصاحب بنا لیا۔

رہے زید بن عمرو تو وُہ پہلے کی طرح یہودیت اور عیسائیت سے کنارہ کش رہے۔ اپنی قوم سے الگ ہو کر، بُت پرستی، بُتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور اور دیگر تمام بد رسُوم کو چھوڑ دیا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا، ربِّ ابراہیم علیہ السلام کی عبادت کا اعلان کیا اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی کھُل کر مخالفت کی۔

ابنِ اسحٰقؒ کہتے ہیں: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے : مَیں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا ہے۔ بہت بُوڑھے ہو چکے تھے، کعبے سے پیٹھ لگا کر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے: "اے گروہِ قریش! اُس خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہُوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرے سوا تُم میں کوئی شخص بھی دینِ ابراہیم علیہ السلام پر ثابت قدم نہیں رہا۔" پھر کہا: "الٰہی! اگر مُجھے معلوم ہوتا کہ کس طریقے سے تیری عبادت تجھے زیادہ پسند ہے، تو مَیں اُسی طریقے سے تیری عبادت کرتا، مگر مُجھے اس کا علم نہیں ہے۔" پھر اپنی ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا۔

ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں "ایک دِن ان کے بیٹے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا: کیا ہم زیدؒ بن عمرو کے لیے مغفرت کی دُعا کریں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! وُہ قیامت کے دِن اکیلا ایک اُمت کے قائم مقام اُٹھے گا۔" لیث کہتے ہیں: مجھے ہشام بن عروہ نے باپ کی طرف سے حضرت اسمأ بنت ابی بکرؓ کی یہ روایت لکھ کر بھیجی کہ مَیں نے ایک دن زیدؒ بن عمرو بن نفیل کو کعبے کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑے دیکھا، کہہ رہے تھے: "اے قریش کی جماعت! بخُدا! آج میرے سوا تم میں سے کوئی ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں رہا ہے۔" اور وُہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کی زندگی بچانے کی پُوری کوشش کرتے۔ جب کوئی سنگدِل باپ اپنی لڑکی کو قتل کرنے لگتا تو کہتے "بھائی! اس کو نہ مارو، مَیں اس کی پرورش کا ذمّہ لیتا ہُوں" چنانچہ وُہ اس لڑکی کو اپنے گھر لے جا کر پالتے۔ جب وُہ جوان ہوتی تو اس کے باپ کو کہتے: "اب لڑکی جوان ہے، اگر چاہو تو اُس کو مَیں تمہارے حوالے کر دیتا ہُوں اَور اگر چاہو تو مَیں اس کے تمام اخراجات اَدا کر کے اُس کی شادی کر دیتا ہُوں۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، کہ ایک دفعہ وحی اُترنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُلاقات بلدح مقام کے قریب زید بن عمرو بن نفیل سے ہُوئی۔ وہاں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بُتوں کے نام پر ذبح کیے ہُوئے جانور کا گوشت رکھا گیا اَور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے کھانے سے انکار کر دیا۔ زید بن عمرو نے کہا: "مَیں بھی اِن جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا، جن کو تُم بُتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ مَیں صرف وُہی گوشت کھاتا ہُوں جس پر ذبح کے وَقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔" اور بُتوں کے نام پر ذبح کرنے کی وجہ سے زیدؒ قریش کی مذمت کرتے تھے۔ وُہ اس کو ایک بڑا جرم سمجھتے تھے اَور انکار کے لہجے میں کہتے تھے: "تمھیں حیا نہیں آتی کہ جس بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس کے پینے کو آسمان سے پانی اُتارا اور زمین سے سبزی اُگائی، پھر تُم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو۔"

سالمؒ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دَفعہ زیدؒ بن عمرو دینِ حق کی تلاش میں شام گئے۔ وہاں ایک یہُودی عالم سے ملاقات ہُوئی، تو اس سے ان کے دین کی وضاحت چاہی تا کہ اس کو قبُول کر لیں۔ مگر اُس نے کہا: "اگر تُم ہمارا دین قبُول کرو گے تو تُمھیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے

اپنا حصہ لینا پڑے گا۔" وہ بولے "میں تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بھاگ کر ادھر آیا ہوں۔ اور میں اس کے غضب کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر آپ مجھے کسی اور دین کی خبر دیں۔" وہ بولا "مجھے کسی اور دین کا علم نہیں، ہاں اگر تم حنیف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ سکتے ہو۔" زید نے کہا "حنیف کیا ہے؟" بولا "حنیف دینِ ابراہیم علیہ السلام ہے جو نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی، صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔" پھر زید وہاں سے نکل کر ایک عیسائی عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے وہی سوال کیا، جو یہودی عالم سے کیا تھا۔ اس نے کہا "ہمارا دین ہرگز قبول نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے، تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے حصہ لینا پڑیگا۔" وہ بولے "اللہ تعالیٰ کی لعنت سے بھاگ کر تو میں ادھر آیا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ کیا آپ میری کسی اور دین کی طرف راہنمائی کر سکتے ہیں؟" وہ بولا "میں تمہارے لیے حنیف ہونے سے کوئی دین بہتر نہیں سمجھتا۔" زید نے پوچھا "حنیف کیا ہے؟" بولا "وہ دین ابراہیم علیہ السلام ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔" جب زید نے یہودی اور عیسائی عالم سے ابراہیمؑ کے متعلق یہ بات سنی، تو وہاں سے چلے آئے اور شہر سے باہر آکر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: "الٰہی! گواہ رہیے، میں آج سے ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں۔" (بخاری)

بتوں سے بیزاری

ابن اسحٰقؒ کہتے ہیں، زید بن عمرو بن نفیل نے اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور ان کی طرف سے مبتلائے مصیبت ہونے کے سلسلے میں کہا ہے ؎

أربًّا واحدًا أم ألفَ ربٍّ　　أدين إذا تقسّمت الأمور

"جب امور تقسیم ہو جائیں، تو میں ایک رب پر ایمان لاؤں یا ہزار رب پر؟"

فلا عزّى أدين ولا ابنتيها　　ولا صنمَي بني عمرو أزور

"میں عزّیٰ اور اس کی دونوں بیٹیوں کو نہیں مانتا اور نہ میں بنو عمرو کے دونوں بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔"

ولا غنمًا أدين وكان ربًّا　　لنا في الدهر إذ حلمي يسير

"میں غنم کو بھی نہیں مانتا اور جب میری عقل ناقص تھی، ہم عرصہ تک اس کو اپنا رب مانتے رہے۔"

ولٰکن اعبد الرحمان ربی   لیغفر ذنبی الرب الغفور

"ہاں میں اپنے رب رحمان کی عبادت کرتا ہوں تاکہ رب غفور میرے گناہ بخش دے۔"

فتقوی اللہ ربکم احفظوھا   متی ما تحفظوھا لا تبوروا

"تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی حفاظت کرو۔ اگر تم اس پر کاربند رہے تو اس کی رحمت سے محروم نہیں رہو گے۔"

تری الابرار دارھم جنان   وللکفار حامیۃ سعیر

"تم دیکھو گے کہ نیکوں کے گھر بہشت میں ہیں اور کفار کے لیے سخت بھڑکنے والی آگ ہے۔"

اور اس نے یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

إلی اللہ أھدی مدحتی وثنائیا   وقولا رضیا لا یبنی الدھر باقیا

"میری مدح و ثناء اور پسندیدہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"

إلی الملک الأعلی الذی لیس فوقہ   إلٰہ ولا رب یکون مدانیا

"اس اعلیٰ بادشاہ کے لیے جس سے اوپر کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی دوسرا رب اس کی گرد راہ کو پاسکتا ہے۔"

ألا أیھا الانسان إیاک والردی   فانک لا تخفی عن اللہ خافیا

"اے انسان! اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا، تو اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں سکتا۔"

وإیاک لا تجعل مع اللہ غیرہ   فان سبیل الرشد أصبح بادیا

"اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خدا ماننے سے بچتا رہ۔ بلاشبہ اب

ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا ہے۔"

حنانیك إن الجن كانت رجاءهم　　وأنت إلٰهي ربنا ورجائیا

"تیرے رحم و کرم کا طالب ہوں مشرکوں کی امیدیں جنوں سے وابستہ ہیں اے الٰہی تو ہی ہمارا رب ہے اور تجھ سے ہی میری امید وابستہ ہے۔"

رضیت بك اللّٰهم ربا فلن أرى　　أدین إلٰها غیرك الله ثانیا

"اللہ! میں تیرے رب ہونے پر راضی ہوں اور میں تیرے سوا کسی دوسرے کو اپنا معبود نہیں بناتا۔"

وأنت الذی من فضل منّ ورحمة　　بعثت إلى موسىٰ رسولًا منادیا

"اور تو نے ہی اپنے احسان اور رحمت سے موسیٰؑ کی طرف اپنا منادی کرنے والا قاصد بھیجا تھا۔"

وقلت له اذهب وهارون فادعوا　　إلى الله فرعون الذی كان طاغیا

"اور تو نے ہی اس کو کہا تھا کہ تم اور ہارونؑ دونوں جا کر سرکش فرعون کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔"

وقولا له آأنت سوّیت هٰذه　　بلا وتد حتى اطمأنت كما هیا

"اور اس کو کہو کہ بغیر میخوں کے تو نے ان آسمانوں کو برابر کیا ہے، جو اس طرح مستحکم کھڑے ہیں؟"

وقولا له آأنت رفعت هٰذه　　بلا عمد ارفق اذا بك بانیا

"اور اس کو کہو کہ ان آسمانوں کو بغیر ستونوں کے تو نے بلند کیا ہے؟ اگر فی الواقع تو ہی بنانے والا ہے تو نرمی اختیار کر۔"

وقولا له آأنت سوّیت وسطها　　منیرًا إذا ما جنّه اللیل هادیا

"اور اس کو کہو کہ ان کے درمیان روشنی پھیلانے والا چاند تو نے بنایا ہے؟ جو رات کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے۔"

وقولا له من یرسل الشمس غدوة　　فیصبح ما مست من الارض ضاحیا۔

"اور اس سے پوچھو، صبح کے وقت سورج کون چڑھاتا ہے، جس سے زمین کی ہر چیز روشن ہو جاتی ہے؟"

وقولا لہ من ینبت الحب فی الثری | فیصبح منہ البقل یهتز رابیا

"اور اس سے پوچھو کہ مٹی سے دانے کو کون اگاتا ہے، جس سے کھیتی بلند ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟"

ویخرج منہ حبہ فی رؤسہ | وفی ذالک آیات لمن کان واعیا

"اور کھیتی کی چوٹی پر دانے کون نکالتا ہے؟ اس میں نشانات قدرت ہیں، اس کے لیے جو گوش ہوش رکھتا ہے۔"

وأنت بفضل منک نجیت یونسا | وقد بات فی أضعاف حوت لیالیا

"اور اے اللہ! تو نے ہی اپنے فضل اور احسان سے یونس کو نجات دی تھی جس نے مچھلی کے پیٹ میں کئی راتیں گزاری تھیں۔"

وانی وان سبحت باسمک ربنا | لأکثر الا ما غفرت خطائیا

"اے اللہ! اگر تو میرے گناہ معاف نہ کرے تو بڑا مجرم ہوں، خواہ کتنی ہی تسبیحات پڑھوں۔"

فرب العباد ألق سیبا ورحمۃ | علی وبارک فی بنی وما لیا

"اے بندوں کو پالنے والے! مجھ پر اپنی رحمت کی بارش برسا اور میرے مال اور میری اولاد میں برکت عطا فرما۔"

ابن ہشام رح کہتے ہیں کہ یہ اشعار امیہ بن ابی الصلت کے ہیں اور اس کے ایک قصیدے میں مذکور ہیں۔ زید نے یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

واسلمت وجہی لمن أسلمت | لہ الارض تحمل صخرا ثقالا

"میں نے اپنے آپ کو اس خدا کے مطیع کر دیا ہے، جس کی زمین نے اطاعت کی ہے اور بھاری بھاری پتھروں کو اٹھالیا ہے۔"

دحاھا فلما رآھا استوت | علی الماء أرسی علیہا الجبالا

"اس نے اس کو بچھایا اور جب وہ پانی پر ہموار ہو گئی تو اس پر پہاڑ گاڑ دیئے۔"

واسلمت وجھی لمن اسلمت   لہ المزن تحمل عذباً زلالاً

"میں نے اپنے آپ کو اس کے تابع کر دیا، جس کے بادل تابع ہیں اور صاف ستھرا اور شیریں پانی اٹھا کر لاتے ہیں۔"

اذا ھی سیقت الی بلدۃ   اطاعت فصبت علیہا سجالاً

"جب ان کو کسی شہر کی طرف لایا جاتا ہے تو اطاعت کرتے ہیں اور اس پر پانی کے ڈول برسا دیتے ہیں۔"

خطاب نے زیدؓ کو بڑی اذیتیں دے کر مکہ سے نکال دیا۔ چنانچہ وہ مکہ کے سامنے حرا پہاڑ پر رہنے لگے۔ نیز خطاب نے قریش کے نوجوانوں اور اوباشوں کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ ان کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، اس لیے ان سے نظر بچا کر کبھی کبھی مکہ میں داخل ہوتے لیکن جوں ہی اُن کو پتہ چلتا، وہ خطاب کو اطلاع دے دیتے اور تکلیفیں دے دے کر انہیں مکہ سے نکال دیتے۔ اُن کو خطرہ تھا کہ وہ ان کے دین کو بگاڑ دیں گے اور آہستہ آہستہ لوگ ان کے پیچھے لگ جائیں گے۔

دینِ حق کی تلاش میں دُور دراز شہروں کا سفر

پھر زیدؓ دینِ ابراہیم علیہ السلام کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور یہودی علما اور عیسائی راہبوں سے پوچھتے پوچھتے موصل اور جزیرہ فرات کا سارا علاقہ چھان مارا۔ جب گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا، تو ملکِ شام کے شہروں میں گھومنے لگے۔ آخر بلقا کے علاقے میں ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہوئی، جس پر عیسوی علم ختم تھا۔ اس سے دینِ ابراہیمؑ حنیف کے متعلق دریافت کیا، تو اُس نے کہا: "تم ایسے دین کے متعلق پوچھتے ہو جس کا پتہ دینے والا تمہیں کوئی نہیں ملے گا لیکن ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جو اُس ملک میں پیدا ہو گا، جس سے تم آئے ہو۔ وہ دینِ ابراہیم حنیف کو دُنیا میں پھیلائے گا، اِس لیے تم وہاں چلے جاؤ۔ اس کے مبعوث ہونے کا اب وقت آ گیا ہے"۔ اس سفر میں

زیدؓ نے یہودی اور عیسائی مذہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، مگر ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔ اس لیے اس راہب کی بات سن کر فوراً مکّہ کی طرف مراجعت فرمائی، لیکن بلادِ لخم کے درمیان پہنچے تو انھوں نے اُن پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔ ورقہ بن نوفل نے ان پر آنسو بہائے اور ان کے مرثیے میں یہ اشعار کہے ؎

رشدت وأنعمت ابن عمرو وانّما　　تجنبت تنوراً من النار حامیا

"اے ابن عمرو! تُو نے بہت اعلیٰ ہدایت پائی اور آگ کے شعلے مارنے والے گرم تنور سے بچ گیا۔"

بدینك ربّاً لیس ربّ کمثلہٖ　　وترکك أوثان الطواغی کما ھیا

"ایسے ربّ کو مان کر جس کی مثل کوئی ربّ نہیں ہے اور ناکارہ بُتوں کو ان کی بے بسی میں چھوڑ کر۔"

وإدراکك الدّین الّذی طلبتہٗ　　ولم تك عن توحید ربّك ساھیا

"اور ایسے دین کو پاکر جس کی تلاش میں تم عمر بھر سرگرداں رہے اور اپنے ربّ کی توحید سے کبھی غافل نہ ہوئے۔"

فأصبحت فی دار کریم مقامھا　　تعلّل فیھا بالکرامۃ لاھیا

"تم ایسے گھر میں پہنچ گئے ہو، جہاں ٹھیرنا باعثِ عزّت ہے اور جس میں تم تعظیم و تکریم کے ساتھ بہرہ ور ہو۔"

تلاقی خلیل اللہ فیھا ولم تکن　　من النّاس جبّاراً الی النّار ھاویا

"جس میں تم خلیل اللہؑ سے ملاقات کرتے ہو اور (خدا کا شکر ہے کہ) تم سرکش انسان بن کر آگ میں نہیں گرے ہو۔"

وقد تدرك الانسان رحمۃ ربّہٖ　　ولو کان تحت الارض سبعین وادیا

"کبھی انسان کو ربّ کی رحمت پالیتی ہے، اگرچہ وہ زمین کے نیچے ستّر گہرے کھڈوں میں مُبتلائے عذاب ہو۔"

امیہ بن ابی الصّلت ثقفی

مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی بھی زمانۂ فترت میں گزرا ہے۔ یہ بڑا زیرک اور دانا آدمی تھا۔ تجارت کے لیے ملکِ شام میں جایا کرتا تھا۔ اہلِ کتاب میں سے علمائے یہود سے ملتا اور مذہبی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ اُس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مستقبل قریب میں عرب میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وُہ نبی مَیں ہی ہوں گا، لیکن جب آں حضرت ﷺ مبعوث ہُوئے اور یہ شرفِ نبوّت سے محروم رہا، تو حسد کی وجہ سے کفر کی راہ اختیار کی اور کسی دُوسرے نبی پر ایمان لانا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ تاہم اس کے اشعار میں مذہب کا رنگ نمایاں تھا۔ یہ ان میں ایک مومن کی طرح زمین و آسمان، شمس و قمر، ملائکہ، انبیاء، حشر و نشر اور دوزخ و جنّت کا ذکر کرتا۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی تعظیم و تکریم بجا لاتا تھا۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

الحمد للہ لا شریک لہ　　　من لم یکن ھٰکذا فقد ظلما

"حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس کا عقیدہ یہ نہیں، وُہ ظالم ہے۔"

اہلِ جنّت کی صفت بیان کرتے ہُوئے کہتا ہے ؎

فلا لغو ولا تاثیم فیھا　　　وما فاھوا بہ لھم مقیم

"جنت میں کوئی بیہودہ اور گندی بات نہیں ہو گی، اور جو اس قسم کی باتیں نہ کریں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمت ہے۔"

جب اسے رسُول اللہ ﷺ کے ظہور کا پتہ چلا تو اُس کو غصّہ آیا اور اس پر بڑا افسوس کیا۔ ایک دفعہ یہ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ منورہ آیا، لیکن حسد نے اس کو اس سعادت سے محرُوم رکھا اور جیسا گیا تھا، ویسا طائف واپس آ گیا۔

ایک دفعہ یہ نوجوانوں کے ساتھ مل کر شراب پی رہا تھا کہ اس کے سر پر ایک کوّا آ کر بیٹھا اور تین دفعہ آواز نکالی اور اُڑ گیا۔ امیہ نے اپنے شرابی دوستوں سے پُوچھا: "جانتے ہو اس نے کیا کہا ہے؟" وُہ بولے: "نہیں!" کہنے لگا: "اس نے کہا ہے کہ امیہ شراب کا تیسرا پیالہ پینے سے پہلے مر جائے گا۔" سب کہنے لگے: "ہم اس کی بات کو ابھی جھُوٹا ثابت کر دیتے ہیں۔" اس نے کہا: "اچھا شراب کے جام بھرو اور پیو۔" چنانچہ شراب

کا دَور چلنے لگا، جب امیّہ کی تیسرا پیالہ پینے کی باری آئی تو اس پر غشی طاری ہوگئی۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد ذرا ہوش میں آیا تو کہنے لگا ؎

"لبیکما لبیکما ہا أنا ذا لدیکما

"مَیں حاضر ہوں، مَیں حاضر ہوں اور تم دونوں کے پاس موجود ہوں۔"

ان تغفر اللّٰھمّ تغفر جمّا وأیّ عبد لك ما ألمّا

"اے اللہ! اگر معاف کرنا ہے تو سب گناہ معاف کر دے اور تیرا کونسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا؟"

پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اِن یوم الحساب یومٌ عظیمٌ شاب منہ الصغیر شیبا طویلا

"یقیناً حساب کا دن بڑا خوفناک دن ہے، اس کی وحشت سے بچے بوڑھے ہو گئے ہیں۔"

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی فی رؤس الجبال أرعی الوعولا

"کاش! جس کا مجھے اب پتہ چلا ہے اس سے پہلے مَیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریاں چرایا کرتا۔"

کل عیش وان تطاول دھرا صائر مرۃ الی أن یزولا

"زندگی خواہ کتنی ہی لمبی ہو، ایک دن اُس نے زائل ہو ہی جانا ہے۔"

اس کے بعد ایک لمبی سانس لی اور رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا"[1] یعنی اے اللہ کے نبیؐ! آپ اِن کو اس آدمی کی خبر پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں اور اُس نے اُن کو چھوڑ دیا۔ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی سے مُراد امیّہ بن ابی الصّلت ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے "باسمک اللّٰھمّ" لکھا، اور اسی سے قریش نے اپنی تحریروں میں یہ کلمہ لکھنا سیکھا۔ اس کے اس کلمہ کو سیکھنے کا مسعودیؒ نے ایک عجیب و غریب سبب لکھا ہے، امیّہ بن ابی الصّلت کی بہن عاتکہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اس نے اس کے متعلق،

---

[1] الاعراف: ۱۷۵

ایک قصہ بیان کیا ہے، جس کو عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اُس نے بیداری کی حالت میں دو شکرے دیکھے، جو میرے گھر کی چھت پر اُترے۔ اس میں میرا بھائی اُمیہ سویا ہوا تھا۔ انھوں نے چھت پھاڑ دی اور اُن میں سے ایک شکرا اڑ کر میرے بھائی کے سینے پر آبیٹھا۔ اُس نے اس کا سینہ چاک کیا، پھر اس میں کوئی چیز بھری اور سینے کو دُرست کر کے باہر نکل آیا۔ دُوسرے شکرے نے اس سے پُوچھا: "اس نے یاد کر لیا ہے"؟ کہا: "ہاں"۔ پھر اس نے پُوچھا "کیا پاک بھی ہو گیا؟" بولا "نہیں"! چنانچہ اُس کا انجام ایسا ہی ہوا۔ یہ اپنے اشعار میں حکمت کی باتیں، توحید کا ذکر، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دوزخ و جنّت کا بیان کیا کرتا لیکن جب جنگِ بدر میں قریش کے سردار قتل ہوئے تو اُس نے اُن پر آنسو بہائے، ان کے مرثیے لکھے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کیا اور یوں توفیقِ الٰہی سے محروم رہا!

مندرجہ ذیل شعر بھی اسی نے کہے ہیں (ترجمہ):

۱ ــــ "ہمارے ربّ کے نشانات باقی رہنے والے ہیں، ان کی صداقت میں کوئی کافر ہی جھگڑا کر سکتا ہے"۔

۲ ــــ "اُس نے دن اور رات کو پیدا کیا ہے، اس کی ہر چیز واضح ہے اور حساب کا دن مقرر ہے"۔

۳ ــــ "دن کو ربِ کریم سورج کے ساتھ روشن کرتا ہے جس کی شعاعیں ہر سُو پھیلی ہوئی ہیں"۔

۴ ــــ "اس نے مغمّس (جھاڑیوں والی جگہ) میں ہاتھی کو روکا، یہاں تک کہ وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ گویا کہ اس کی ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں"۔ (اور)

۵ ــــ "گردن کا حلقہ اس طرح زمین سے لگا دیا، گویا کہ اسے کبکب کی ڈھلان چٹان سے گرا دیا گیا ہو!"

۶ ــــ "اس کے اِرد گرد بنو کندہ کے بادشاہ تھے، جو کہ بہادر اشراف اور جنگوں کے شاہین تھے!"

۷ ــــ "انہوں نے اسے (اسکے حال پر) چھوڑ دیا، اور سبھی ڈر کر بھاگے۔ چنانچہ ہر ایک کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی"۔

۸ ــــ "ابراہیم حنیفؑ کے دین کے سوا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب دین ناکارہ ہیں"۔

یہ بھی اسی کے اشعار کا ترجمہ ہے:

۱ ــــ "حقیقت میں محمّد کا معبود ہی میرا معبود ہے اور بغیر کسی غلط بیانی کے اس کا دین میرا دین ہے"۔

۲ــــ "وُہی سب مخلوق اور ہر ملک کا معبود ہے۔ اور وُہی مضبوط جمے ہوئے پہاڑوں کا رب ہے۔"

۳ــــ اُس نے ان کو اور سات مستحکم آسمانوں کو بنایا، ان کے نیچے نہ ستون نظر آتے ہیں اور نہ باندھنے کے لیے رسیاں۔"

۴ــــ "ان کو بنانے کے بعد چمکدار سُورج اور مہتاب کی روشنی کے ساتھ زینت بخشی۔"

۵ــــ "ان کے اندھیروں میں ستارے بھی چمک رہے ہیں۔ اور ان کے چنگارے تیروں سے بھی زیادہ ہلاکت خیز ہیں۔"

۶ــــ "اُس نے بادل پیدا کیے، جس کی گھٹائیں گھن گرج کے ساتھ آتی ہیں۔ اور بارش کے لیے مشکیزوں کے منہ کھول دیتی ہیں۔"

۷ــــ "تاکہ کھیتی اور جانداروں کے لیے وقتاً فوقتاً پانی کے ڈول بھر بھر پلائے۔"

۸ــــ "اُس نے زمین کو پھاڑا، جس سے صاف اور شیریں پانی کے چشمے اُبل پڑے۔ اور نہریں جاری ہوگئیں۔"

۹ــــ "اُس نے اُنکے اطراف میں ایسی برکت کی کہ ہر طرح کی کھیتی اور جانور خوب پھلے اور پھُولے۔"

۱۰ــــ "اُس نے سمندر کی لہروں میں کشتیاں چلادیں، جو بھاری بھاری بادلوں کے لیے پانی مہیا کرتی ہیں۔"

۱۱ــــ "ہر عمر رسیدہ اور دُنیا میں رہنے والی ہر چیز یقیناً ایک دن فنا ہوجائے گی۔"

۱۲ــــ "اللہ پاک ذُوالجلال کے سوا ہر چیز نئی اور جدید ہونے کے باوجُود مٹ جائے گی اور بوسیدہ ہوجائے گی۔"

۱۳ــــ "جب ہم مَر کر پیوندِ خاک ہوگئے تو سمجھو کہ ہم دُنیا میں کچھ بھی نہیں رہے۔"

۱۴ــــ "جب مُردوں کو سنانے والا آواز دے گا تو ہم تیز چلنے والی کشتیوں کی طرح قبروں سے نکل کر بھاگے آئیں گے۔"

۱۵ــــ "اُس وقت لوگوں کے باہمی انساب کام نہیں آئیں گے، اور نہ کسی سے صلہ رحمی کی جائے گی۔"

۱۶ــــ "وہاں تقوٰی ہی کام آئے گا، اور ربِ رحیم کے سوا کسی مالک سے بہتری کی امید نہیں ہوگی۔"

۱۷۔۔۔ "اور مجرموں اور نافرمانوں کو ہتھوڑوں اور عبرت ناک سزا والی جہنم کی طرف لے جایا جائیگا۔"

۱۸۔۔۔ "جب اُن کے چمڑے جل جائیں گے، تو اُن کو پہلے کی طرح نئے چمڑے دے دیے جائینگے۔ اور آگ کی تہ میں لوٹ جائیں گے۔"

۱۹۔۔۔ "اور وہ دوزخ کے دربان کو آواز دیں گے۔ ہلاکت کو پکاریں گے، اور لمبی لمبی زنجیروں میں جکڑے ہوئے چلّائیں گے۔"

۲۰۔۔۔ "وہ مریں گے نہیں کہ عذاب سے چھوٹ جائیں، بلکہ سب کے سب آگ کی حرارت میں داخل رہیں گے۔"

۲۱۔۔۔ "اور پرہیزگار لوگ آرام وہ زندگی گزارنے کے لیے جنّت میں سایوں کے نیچے اُتریں گے۔"

۲۲۔۔۔ "اور یہ سائے، انگوروں، کھجوروں اور جنّت الفردوس کی بلند و بالا عمارتوں کے ہوں گے۔"

۲۳۔۔۔ انھیں وہاں ہر وُہ لذّت حاصل ہوگی، جسے وہ چاہیں گے۔ اور وہ حُسن و جمال عطا ہوگا جس کی آرزو کریں گے۔"

۲۴۔۔۔ "اور پہننے کے لیے ریشمی لباس ملے گا اور اس کے علاوہ جلیل القدر خدا کی طرف سے بے شمار عطیے حاصل ہوں گے۔"

۲۵۔۔۔ "اور حلال، پاکیزہ اور پُرلذّت شراب کے جام ملیں گے، جس سے پیٹ میں درد کی خلش تک نہیں ہوگی۔"

اس سے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اشعار مروی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آں حضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ "سب سے سچا کلمہ کسی شاعر کی زبان سے اگر نکلا ہے تو لبید کا یہ شعر ہے: "اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ" اور امیہ بن ابی الصلت تو مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا ہے۔" عمرو بن رشید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ "آں حضرت ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے شعر سنانے کے لیے کہا۔ میں اس کے اشعار سناتا رہا، حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کو پورے سو شعر سنائے۔" (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

تو دُوسروں پر احسان کرو"۔ اِس سلسلے میں انھوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں (ترجمہ):

۱ــــ "ہر صبح اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو، جب سُورج نِکلے اور ہر ماہ اس کی حمد میں مصرُوف رہو، جب چاند طلُوع ہو"

۲ــــ "پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے رَب نے ہمیں کچھ بھی تو غلط نہیں کہا ہے"

۳ــــ "میرے بچّو! اپنے عزیزوں سے بدسلُوکی نہ کرو اور ٹُوٹے ہُوئے تعلقات کو جوڑ کر بحال کرو"

۴ــــ "کمزور یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اکثر لوگ ان کے حرام مال کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں"

۵ــــ "جان لو! یتیم کا سرپرست سب حالات جانتا ہے، اس کو کسی سے پُوچھنے کی حاجت نہیں"

۶ــــ "یتیم کا مال ہرگز نہ کھانا، ایک زبردست حاکم اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے"

۷ــــ "پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرو، فحش کاری اور بے حیائی چھوڑ دو، اور حلال رزق کی فِکر کرو"

ابُو عامِر اوسی کا ذِکر

ابو عامر اَوسی بھی ان ہی میں سے ہے۔ اس کا نام عمرو بن صیفی بن نعمان ہے، اور قبیلۂ بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتا ہے مشہُور صحابی "حنظلہؓ غسیل الملائکہ" کا باپ ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ اپنی قوم کا سردار تھا، پھر راہب بن گیا اور ٹاٹ کا لباس پہننے لگا۔ اس لیے جاہلیت میں راہب کے نام سے مشہُور ہُوا۔ جب آں حضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے کھُل کر آپؐ سے دشمنی کی۔ جب کچھ پیش نہ گئی تو قریش کو آپ ﷺ کے ساتھ لڑائی پر اُبھارنے کے لیے مکّہ بھاگ گیا۔ جنگِ اُحد میں اُن کے ساتھ آیا اور موقعہ پاکر میدانِ جنگ میں دونوں صفوں کے درمیان گڑھے کھود دیے، ایک میں رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے۔ جنگ شرُوع ہونے سے پہلے اپنی قوم کو اپنی مدد کے لیے مائل کرنے لگا۔ جب انصار نے اس کو پہچان لیا تو کہنے لگے، "اے فاسق! اللہ کے دشمن! اللہ تعالیٰ کبھی تیری آنکھیں ٹھنڈی نہیں کرے گا۔

تو دُوسروں پر احسان کرو"۔ اِس سلسلے میں انھوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں (ترجمہ):

۱ ــــ "ہر صُبح اَللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو، جب سُورج نِکلے اور ہر ماہ اس کی حمد میں مصرُوف رہو، جب چاند طلُوع ہو۔"

۲ ــــ "پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے رَب نے ہمیں کچھ بھی تو غلط نہیں کہا ہے۔"

۳ ــــ "میرے بچّو! اپنے عزیزوں سے بدسلُوکی نہ کرو اور ٹُوٹے ہُوئے تعلقات کو جوڑ کر بحال کرو۔"

۴ ــــ "کمزور یتیموں کے بارے میں اَللہ سے ڈرتے رہو۔ اکثر لوگ ان کے حرام مال کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں۔"

۵ ــــ "جان لو! یتیم کا سرپرست سب حالات جانتا ہے، اس کو کسی سے پُوچھنے کی حاجت نہیں۔"

۶ ــــ "یتیم کا مال ہرگز نہ کھانا، ایک زبردست حاکم اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔"

۷ ــــ "پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرو، فحش کاری اور بے حیائی چھوڑ دو، اور حلال رزق کی فِکر کرو۔"

ابُو عامِر اوسی کا ذِکر

ابو عامر اَوسی بھی ان ہی میں سے ہے۔ اس کا نام عمرو بن صیفی بن نعمان ہے، اور قبیلۂ بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتا ہے۔ مشہُور صحابی "حنظلہؓ غسیل الملائکہ" کا باپ ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ اپنی قوم کا سردار تھا، پھر راہب بن گیا اور ٹاٹ کا لباس پہننے لگا۔ اس لیے جاہلیت میں راہب کے نام سے مشہُور ہُوا۔ جب آں حضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے کھُل کر آپؐ سے دشمنی کی۔ جب کچھ بیش نہ گئی تو قریش کو آپ ﷺ کے ساتھ لڑائی پر اُبھارنے کے لیے مکہ بھاگ گیا۔ جنگِ اُحد میں اُن کے ساتھ آیا اور موقعہ پاکر میدانِ جنگ میں دونوں صفوں کے درمیان گڑھے کھود دیے۔ ایک میں رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی قوم کو اپنی مدد کے لیے مائل کرنے لگا۔ جب انصار نے اس کو پہچان لیا تو کہنے لگے، "اے فاسق! اَللہ کے دشمن! اللہ تعالیٰ کبھی تیری آنکھیں ٹھنڈی نہیں کرے گا۔

اور تو اپنے بد ارادہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا" نیز اس کو بہت کچھ سخت و سست کہا۔ قوم کا یہ جواب سنکر مایوسی کی حالت میں واپس چلا گیا اور کہنے لگا: "میرے بعد میری قوم بگڑ گئی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی تھی کہ گھر سے دور راندہُوا موت سے ہمکنار ہو، چنانچہ اس کو آپ ﷺ کی بددعا لگ گئی۔ ہوا یوں کہ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کے کام کو ترقی پذیر دیکھا تو آپؐ کے خلاف مدد لینے کے لیے روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچا، اس نے اس سے وعدہ کیا اور مدد دینے کا یقین دلایا۔ یہ کچھ عرصہ اس کے پاس ٹھہر گیا اور اپنے دوست منافقین کی ایک جماعت کو لکھا کہ "میں جلد ہی ایک جرار لشکر لے کر آؤں گا اور محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو مدینے سے نکال دوں گا" ساتھ ہی حکم دیا کہ وہ ایک مسجد بنائیں اور وہاں جس قدر قوت اور سامانِ حرب جمع کر سکتے ہوں، جمع کریں۔ چنانچہ اس کی ہدایت کے مطابق منافقین نے مسجد ضرار بنائی اور فراغت کے بعد آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے، ہم آپؐ سے استدعا کرتے ہیں کہ آپؐ اس کا افتتاح فرمائیں اور اس میں نماز پڑھنے کے بعد ہمارے حق میں برکت کی دعا کریں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں سورۂ توبہ کی درج ذیل آیات اتاریں:

"وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا — (التوبة: ۱۰۷) آخر تک"!

اور جنگِ تبوک سے واپس آکر آپ ﷺ نے اسے جلا دینے کا حکم دیا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام کا واقعہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت سلمان فارسی رضؓ نے یہ واقعہ اپنی زبانی بیان کیا کہ "میں فارس کے شہر اصبہان کی ایک نواحی بستی کا رہنے والا ہوں جس کا نام جَیّ ہے۔ میرا باپ اپنی قوم کا نمبردار تھا۔ اسے مجھ سے بڑی محبت تھی اور اس محبت کا تقاضا تھا کہ جس طرح ایک لڑکی کو گھر سے باہر نہیں جانے دیا جاتا، میرا باپ مجھے بھی گھر میں محبوس رکھتا تھا۔ میں اپنے مجوسی مذہب میں اتنا متشدد تھا کہ میں اس آتش کدے کا مجاور بن کر رہ گیا، جو آگ جلاتا ہے اور ایک منٹ کے لیے بھی اس کو بجھنے نہیں دیتا۔ میرا باپ ایک بڑا لینڈلارڈ تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی مکان کی تعمیر میں مصروف تھا۔ مجھے کہنے لگا: "بیٹا! میں اس مکان کی وجہ سے باہر کھیتوں میں نہیں جا سکا، تم جاؤ اور ان کی مناسب دیکھ بھال کرو" اور مجھے

کسی کام کے کرنے کے لیے کہا ساتھ ہی یہ کہا"زیادہ دیر نہ کرنا، ورنہ تمہاری یہ تاخیر میرے لیے ایک مسئلہ بن جائے گی، پھر مجھے اپنی جائیداد کی بجائے تمہاری فکر پڑجائے گی اور سب کام چھوڑکر تمہاری تلاش میں نکلنا پڑے گا۔"

کرنا خدا کا یہ ہوا کہ کھیتوں کو جاتے ہوئے میں عیسائیوں کے ایک گرجے کے پاس سے گزرا، وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور اُنکے پڑھنے کی اُونچی اُونچی آواز آرہی تھی! ۔ ہروقت گھر میں محبوس رہنے کی وجہ سے میں ادیانِ عالم سے ناواقف تھا۔ میں اُن کی آواز سُن کر اندر چلا گیا، تاکہ دیکھوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جب میں نے انکو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے ان کا یہ طریقہ عبادت بہت پسند آیا اور میں نے کہا: واللہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میں سورج غروب ہونے تک وہیں کھڑا ان کا طریقہ دیکھتا رہا۔ اور اپنے کھیتوں میں نہ جا سکا۔ میں نے اُن سے پُوچھا، "اس دین کا مرکز کہاں ہے اور اس کی تعلیم کہاں سے شروع ہوتی ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ "اس کا مرکز شام کا ملک ہے، جہاں سے یہ چشمہ پھُوٹا ہے۔" میں شام کے وقت گھر آیا تو پتہ چلا کہ والد صاحب نے میری تلاش کے لیے آدمی بھیجے ہیں اور میرے دیر کرنے سے بڑے پریشان ہیں۔ میں اُنکے پاس آیا تو پُوچھنے لگے "بیٹا! تم اتنی دیر کہاں رہے؟ کیا میں نے تمھیں جلدی واپس آنے کی تاکید نہیں کی تھی؟" میں نے کہا "اباجی! میں راستے میں عیسائیوں کے گرجے پر گزرا، وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقہ اتنا اچھا لگا کہ میں سورج غروب ہونے تک وہیں کھڑا، اُن کو دیکھتا رہا" میرے باپ نے کہا "بیٹا! اُن کا دین اچھا دین نہیں ہے۔ تمھارے آباؤ اجداد کا دین ہی ان کے دین سے اچھا ہے" میں نے کہا، "نہیں اباجی! خُدا کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے"۔ میری بات سُن کر میرے باپ کو میرے متعلق خطرہ پیدا ہوگیا، چنانچہ اس نے میرے پاؤں میں زنجیر ڈال کر مجھے گھر میں قید کر دیا۔ میں نے کسی طرح عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ جب تمھارے پاس شام کی طرف سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے اطلاع دینا۔ کچھ عرصہ کے بعد عیسائی تاجروں کا قافلہ آیا تو انھوں نے مجھے خبر دی۔ میں نے کہا، یہ قافلہ جب واپس جانے لگے تو مجھے اطلاع دیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ میں نے اپنے پاؤں سے کسی طرح زنجیر کاٹی اور اُن کے ساتھ شام کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے پُوچھا، "اس دین کا سب سے بڑا راہنما کون ہے؟" انھوں نے کہا: "اس گرجے کے اندر ایک پادری صاحب سب سے بڑے عالم ہیں اور یہی سب کے لیڈر ہیں"۔ میں نے اندر جا کر اس سے کہا، "مجھے آپ کا دین پسند آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں یہاں گرجے میں آپ کے ساتھ رہوں۔ آپ کی خدمت

بھی کروں اور علم پڑھ کر آپ کے ساتھ نماز بھی ادا کروں"۔ اس نے کہا: "اندر آجاؤ"۔ میں اندر داخل ہوا اور اُس کے ساتھ رہنے لگا، مگر وُہ بُرا آدمی ثابت ہوا۔ وہ لوگوں کو صدقہ کرنے کے لیے کہتا۔ جب وُہ صدقہ کرتے، تو وُہ سارا مال اپنی جیب میں ڈال لیتا اور غربا و مساکین کو کچھ نہ دیتا۔ اِس طرح اس نے سونے اور چاندی کے سات مٹکے بھر لیے۔ یہ دیکھ کر مجھے اس سے سخت نفرت ہوگئی اور میں اُس کو بُرا جاننے لگا۔ جب وُہ مرا اور عیسائی اس کو دفن کرنے کے لیے جمع ہُوئے تو مَیں نے کہا: "یہ بہُت بُرا آدمی تھا۔ تمھیں صدقہ خیرات کا حکم دیتا تھا۔ جب تم صدقہ کا مال جمع کر کے اس کو دیتے تو وُہ سب اپنے کیسے میں ڈال لیتا اور غربا و مساکین پر ایک حبہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا"۔ وُہ بولے: "اس کا کیا ثبوت ہے؟" مَیں نے کہا: "آؤ! مَیں تمھیں اس کا خزانہ دکھاتا ہُوں"۔ کہنے لگے: "دکھاؤ!" مَیں نے انکو وُہ جگہ دکھائی جہاں وہ سارا مال پڑا تھا۔ انھوں نے وہاں سے سونے اور چاندی سے بھرے ہُوئے سات مٹکے نکالے۔ یہ دیکھ کر وُہ کہنے لگے: "واللہ! یہ دفن کرنے کے قابل نہیں ہے"۔ چنانچہ انھوں نے اس کو سُولی پر چڑھا کر پتھروں سے سنگسار کیا۔ پھر وُہ اس کی جگہ اور آدمی لائے، جو ہر لحاظ سے اس سے بہتر تھا۔ مَیں نے نمازیں پڑھنے والا ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو اس سے افضل، اس سے زیادہ دُنیا سے بے رغبت اور اس سے زیادہ آخرت کا شائق ہو اور نہ کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے، جو دن رات اس سے بڑھ کر عبادت کرنیوالا ہو۔ مجھے اس سے اتنی شدید محبت ہوگئی، جتنی اس سے پہلے کسی کے ساتھ نہیں ہُوئی۔ مَیں عرصے تک اس کے پاس رہا، پھر اس کو بھی موت نے آلیا۔ مَیں نے عرض کی: "مَیں مدت تک آپ کے ساتھ رہا ہُوں اور مجھے آپ سے اتنی محبت ہوگئی ہے، جو آپ سے پہلے کسی کے ساتھ نہیں ہُوئی۔ آپ اب آخرت کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں، آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟" اس نے کہا: "بیٹا! واللہ! آج میں کوئی ایسا آدمی نہیں جانتا، جو میرے طریقے پر عمل کرتا ہو۔ لوگ برباد ہو چکے ہیں، انھوں نے دینِ حق بدل دیا ہے اور خُدا کے اکثر احکام چھوڑ دیے ہیں۔ ہاں موصل میں ایک آدمی ہے، اس کا فلاں نام ہے۔ وُہ اسی طریقے پر عمل پیرا ہے جس پر مَیں عمل کرتا رہا ہُوں۔ تم اس کے پاس چلے جاؤ"۔ جب وُہ فوت ہو گیا اور اس کو سپردِ خاک کر دیا گیا، تو مَیں صاحبِ موصل کے پاس آگیا اور اس سے کہا: "جناب! مرتے وقت فلاں صاحب نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیّت کی تھی اور کہا تھا کہ وُہ میری طرح دینِ حق کی پُوری پُوری تابعداری کرتا ہے"۔ اس نے کہا: "بہتر ہے، تم یہاں ٹھیر جاؤ"۔ چنانچہ مَیں اس کے پاس رہنے لگا۔ واقعی وُہ بہُت اچّھا آدمی تھا اور اپنے دوست کے طریقے پر چلتا تھا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد اس کو بھی

موت نے آخرت کا مُسافر بنا دیا۔ جب وُہ مرنے لگا، تو مَیں نے کہا: "حضرت! فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیّت کی تھی۔ اَب آپ اللہ تعالیٰ کے پاس جارہے ہیں، مُجھے کس کے پاس جانے کی وصیّت کرتے ہیں اَور کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ بولا "بیٹا! وَاللہ! مَیں کوئی ایسا آدمی نہیں جانتا، جو ہماری طرح کا پابند ہو۔ ہاں نصیبین میں فلاں آدمی ہے" جب وُہ مرگیا اَور دفن کردیا گیا، تو مَیں نصیبین میں رہنے والے آدمی کے پاس آگیا اَور سارا واقعہ سُنایا اور جو میرے اُستاذ نے حکم دیا تھا، وُہ اسے بتایا۔ اس نے کہا، اگر یہ بات ہے، تو میرے پاس ٹھہر جاؤ" چنانچہ مَیں اس کے پاس رہ پڑا۔ مَیں نے اس کو اس کے دونوں دوستوں کی طرح پایا، وُہ بہترین آدمی تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد وُہ بھی مَوت کی آغوش میں چلا گیا۔ نزع کے وقت مَیں نے اس سے کہا: "جناب فلاں آدمی نے مجھے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی تھی، پھر اس نے مُجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی، اَب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں اور کس بات کا حکم دیتے ہیں؟" اس نے کہا: "بیٹا! خُدا کی قسم! مجھے کوئی ایسا آدمی معلُوم نہیں جو ہمارے طریقے پر چلتا ہو اَور مَیں تجھے اس کے پاس جانے کی وصیت کرُوں۔ ہاں مُلک رُوم کے شہر عموریہ میں ایک آدمی ہمارے طریقے پر کاربند ہے۔ اگر چاہو تو اس کے پاس چلے جاؤ، وُہ ہمارے مسلک پر پختہ ہے" جب وُہ فوت ہوگیا اور مَیں اس کے دفن سے فارغ ہوا تو مَیں صاحبِ عموریہ کے پاس چلا گیا اور اس کو سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ اس نے کہا: "تُم میرے پاس رہ سکتے ہو" مَیں اس کے پاس رہنے لگا۔ وُہ بھی بہُت اچھا آدمی تھا اور اپنے ساتھیوں کے مسلک پر گامزن تھا۔ وہاں مَیں نے کچھ محنت مزدُوری کرکے چند گائیں اور کچھ بکریاں خریدلیں، ان پر گزر بسر کرتا اور پیر طریقت سے علم دین سیکھتا۔ پھر اس کے لیے بھی اللہ کا حکم آگیا۔ نزع کے وقت مَیں نے اس سے کہا: "مَیں فلاں کے پاس رہتا تھا۔ اس نے مجھے فلاں کے پاس بھیجا، پھر اس نے مجھے فلاں کے پاس بھیجا، پھر اس نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی، اَب آپ مجھے کس کے پاس بھیجتے ہیں اَور کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟" اُس نے کہا: "بیٹا! وَاللہ آج مَیں کوئی ایسا آدمی نہیں جانتا جو ان لوگوں کے طریقے پر چلتا ہو اَور مَیں تجھے اس کے پاس جانے کا مشورہ دُوں۔ ہاں البتّہ اَب ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت آگیا ہے، جو ابراہیمؑ کے دین پر ہوگا اور ہجرت کرکے ایک ایسے شہر میں سکونت اختیار کرے گا، جو دونوں طرف سے سنگلاخ ترین میدانوں میں گھرا ہوا ہوگا۔ وہاں کھجوُر کے باغ بکثرت ہوں گے، اس کی نبوّت کی علامتیں واضح ہونگی۔ وُہ ہدیہ قبوُل کرے گا اور صدقہ کا مال نہیں کھائے گا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت

ہوگی۔ اگر ہوسکے تو وہاں چلے جاؤ۔" پھر وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگیا اور سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، مَیں عموریہ میں رہا۔ پھر بنو کلب کے ایک تجارتی قافلے سے میری ملاقات ہُوئی۔ مَیں نے اُن سے کہا: "مجھے مُلکِ عرب میں پہنچا دو اور اس کے عوض مَیں تمھیں اپنی یہ ساری گائیں اور بکریاں دے دُوں گا۔" اس پر وُہ رَاضی ہو گئے اَور مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب وادی القرای میں پہنچے، تو انھوں نے غدّاری کی اَور مجھے غُلام بنا کر ایک یہُودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ مَیں اس کے پاس رہنے لگا۔ مَیں نے وہاں کھجوریں دیکھیں تو خیال کیا کہ شاید یہ وُہی شہر ہو جس کی مجھے میرے استاد نے خبر دی تھی۔ مگر میرا دل اس پر مطمئن نہیں تھا۔ ایک دَفعہ جب مَیں اس کے پاس تھا، مدینے سے اس کا چچا زاد بھائی آیا، جو قبیلہ بنو قریظہ سے تعلّق رکھتا تھا۔ وُہ مجھے اس سے خرید کر مدینہ منوّرہ لے آیا۔ مَیں مدینہ میں اپنے آقا کے ہاں رہنے لگا۔ اُدھر مکّہ مکرّمہ میں آنحضرت ﷺ مبعُوث ہُوئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ ﷺ وہاں رَہے۔ مَیں غلامی کی مصرُوفیات کی وَجہ سے آپ ﷺ کے متعلق کوئی ذکر نہ سُن سکا۔ پھر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے، تو ایک دن مَیں کھجُور کی چوٹی پر کوئی کام کر رہا تھا۔ میرا آقا بھی اس کے نیچے بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کا چچا زاد بھائی آیا اَور کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ بنو قیلہ[1] کو ہلاک کرے، وُہ قبا میں ایک ایسے شخص کے پاس جمع ہو رہے ہیں جو آج ہی مکّہ سے آیا ہے اَور کہتا ہے کہ وُہ نبی ہے۔" سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، یہ سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اَور مَیں کانپنے لگا۔ مجھے خطرہ تھا کہ مَیں اس لرزہ کی وَجہ سے اَپنے آقا پر گر پڑوں گا۔ اِس لیے مَیں نیچے اُتر آیا اور اس کے چچا زاد بھائی سے پُوچھا، "جناب! آپ نے کیا کہا ہے؟" یہ سنتے ہی میرے آقا نے میرے مُنہ پر زور سے طمانچہ مارا اور کہا: "تجھے اس سے کیا غرض؟ تو اپنا کام کر۔" مَیں نے کہا: "کچھ نہیں، مَیں صرف معلُوم کرنا چاہتا تھا کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟"

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، مَیں نے اپنی کھجُوریں جمع کر رکھی تھیں۔ مَیں وُہ لے کر شام کے وَقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپؐ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ مَیں نے کہا: "مجھے معلُوم ہُوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اَور آپ کے ہمراہ کچھ مسافر اور غریب

---

[1] انصار کے دونوں قبیلوں اَوس اور خزرج کو بنو قیلہ کہتے ہیں۔

لوگ ہیں۔ مَیں یہ صدقہ دینا چاہتا ہوں اَور سمجھتا ہوں کہ دُوسروں کی نسبت آپ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، اسے قبول فرمایئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا، اس کا صدقہ لے کر کھالو اَور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے اپنا ہاتھ روک لیا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا' یہ ایک علامت پوری ہُوئی۔ پھر مَیں نے کچھ اور کھجُوریں جمع کیں، اس وقت آپؐ مدینہ شہر میں منتقل ہوچکے تھے۔ مَیں کسی وَقت وُہ کھجوریں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اَور عرض کی "مَیں نے دیکھا ہے کہ آپؐ صدقہ کا مال نہیں کھاتے، اس لیے مَیں احترام کے پیشِ نظر آپؐ کے لیے ھدیہ لایا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ خُود بھی کھایا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اپنے ساتھ کھانے کا حکم دیا۔ مَیں نے کہا کہ یہ دُوسری علامت بھی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جنّت البقیع میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے، اُس وقت آپؐ نے دو چادریں زیب تن کی ہُوئی تھیں۔ مَیں تیسری دفعہ حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بیٹھے ہُوئے تھے، مَیں نے سلام عرض کیا اَور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو کر کچھ دیکھنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر کہ کسی نے اس کو کوئی نشانی بتائی ہے اَور یہ اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہے' اپنی چادر کندھوں سے نیچے پھینک دی۔ مَیں نے مہرِ نبوّت دیکھ کر تیسری نشانی بھی دُرست پائی۔ پھر کیا تھا، مَیں نے جُھک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے اَور مَیں بھی رونے لگا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِدھر سامنے آجاؤ"، مَیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔"

"اے ابنِ عباسؓ! جس طرح مَیں نے تمھیں اپنا واقعہ سنایا ہے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بالتفصیل بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ واقعہ سُن کر بہت محظُوظ ہُوئے۔"

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزادی

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی غلامی کی وَجہ سے جنگِ بدر اَور جنگِ اُحد میں شریک نہیں ہوسکے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سلمان! اَپنے آقا سے مکاتبتؒ کرلو۔" چنانچہ مَیں نے اَپنے آقا سے اِس

ؒ مالک کو قیمت دیکر آزاد ہونے کو کتابت یا مکاتبت کہتے ہیں۔ (مترجم)

شرط پر مکاتبت کی کہ گڑھے کھود کر کھجوروں کے تین سو درخت لگاؤں اور کچھ سونا بھی دوں جب سارے درخت ہرے بھرے ہو کر بڑھنے لگیں، تب میں آزاد ہو جاؤں گا۔ میں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی امداد کرو۔ چنانچہ کسی نے تیس تیس کے تیس، کسی نے بیس، کسی نے پندرہ اور کسی نے دس پودے دینے کا وعدہ کیا۔ جب تین سو پودے پورے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ "سلمان! جہاں درخت لگانے ہیں، پہلے جا کر وہاں گڑھے کھود دو اور پھر آ کر مجھے اطلاع دو، یہ پودے میں اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔" چنانچہ میں نے اپنے دوستوں کے تعاون سے تین سو گڑھے کھودے اور آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پودے پکڑاتے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے مبارک ہاتھ سے نصب کرتے تھے، حتّٰی کہ پورے تین سو درخت لگا دیے۔ اُس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے، ان میں سے ایک پودا بھی خشک نہیں ہوا، سب ہی زندہ ہو گئے۔ اور اس طرح تین سو پودے لگانے کی شرط پوری ہو گئی۔ صرف سونا ادا کرنا باقی رہ گیا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے اس طرح سبب بنایا کہ سونے کی بعض کانوں سے آمدہ مرغی کے انڈے جتنا سونا آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا! ______ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فارسی مکاتب کہاں ہے؟" لوگوں نے مجھے آواز دی۔ میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سونا لو! اور اپنے آقا سے حساب بے باق کر دو۔" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جتنا سونا دینا ہے، یہ اس سے بہت کم ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ لے لو، اللہ تعالیٰ برکت کرے گا اور تمھاری قیمت ادا ہو جائے گی۔" میں نے لے لیا اور اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے، میں نے اس سے ان کو ۴۰ اوقیہ سونا (تقریباً چار سو درہم) دے کر پوری قیمت ادا کر دی اور آزاد ہو گیا۔ پھر خندق کی لڑائی میں ایک آزاد آدمی کی حیثیت سے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوا اور اس کے بعد کسی جنگ سے غیر حاضر نہیں رہا۔ (انتہیٰ!)

صحیحین میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث

صحیح بخاری میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے دس سے زیادہ مالکوں نے

ایک دُوسرے سے خریدا۔ اور صحیح بُخاری میں ہے، ابُوعثمان کہتے ہیں: سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مَیں رامہُرمز میں پیدا ہُوا تھا۔ اسی میں ہے: سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام اور محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فترت کا زمانہ چھ سو سال تک پھیلا ہُوا ہے۔ صحیح مُسلم میں ہے، حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین پر نظر ڈالی، تو اہلِ کتاب میں سے چند باقی ماندہ آدمیوں کو چھوڑ کر عجم اور عرب سب پر ناراض ہُوا۔

پہلی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کا ذکر

صحیح بُخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مُبارکہ یُوں مذکور ہیں: اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: "اے نبی! ہم نے تجھے شاہد، مبشّر، نذیر اور ناخواندہ لوگوں کے لیے جائے پناہ بنا کر بھیجا ہے۔ تُو میرا بندہ اور میرا رسُول ہے۔ مَیں نے تیرا نام متوکّل رکھا ہے۔ تُو بد اخلاق، سخت دِل اور بازاروں میں چلّا کر بولنے والا نہیں اور نہ تُو بُرائی کا جواب بُرائی سے دیتا ہے، بلکہ معاف کرتا ہے اور درگزر سے کام لیتا ہے۔ جب تک اس کی کوشش سے ٹیڑھی قوم سیدھی نہ ہوجائے اور اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردوں میں بند دِل اسطرح نہ کُھل جائیں کہ وُہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پکار اُٹھیں، اللہ تعالیٰ اسے فوت نہیں کرے گا"۔

واقدی لکھتے ہیں کہ یمن میں نعمان نامی ایک یہُودی عالِم تھا، اُس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سُنا تو وُہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ چند سُوالات کیے، پھر کہنے لگا: "میرے والد نے مُہر لگا کر مجھے ایک مکتُوب دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ جب تک تم یثرب میں ایک نبی کی آمد کا ذکر نہ سُنو، اِس مکتُوب کو نہ کھولنا۔ جب مدینے میں اس کی آمد کا ذِکر سُنو تو اس کو کھولو"۔ نعمان کہتا ہے "جب مَیں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سُنا تو مَیں نے وُہ مکتوب کھولا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعینہٖ وُہی صفات درج ہیں جو اَب میں آپؐ میں دیکھ رہا ہوں۔ اِس میں وُہ چیزیں بھی ذکر تھیں جن کو آپؐ حلال یا حرام کریں گے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تمام اُمتوں سے بہتر ہوگی۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آپؐ کی اُمت حامدُونَ (حمد بیان کرنے والے) کہلائے گی۔ خُون بہانا اُن کی قُربانی ہے اور ان کے سینے اُن کی کتابیں ہیں۔ وُہ جب بھی جنگ کے لیے گھر سے نکلیں

گے، جبرائیل علیہ السلام اُن کے ساتھ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اس طرح رحم فرمائے گا، جس طرح پرندہ اپنے چوزوں پر رحم کرتا ہے پھر اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جب ان کو سُنو تو اُن کی خدمت میں حاضر ہونا، اُن پر ایمان لانا اور اُن کی تصدیق کرنا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس کی زبان سے یہ تقریر سُنیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی موجودگی میں فرمایا! ”نعمان! اپنا واقعہ ہمیں پھر سُناؤ“ چنانچہ اُس نے شروع سے وُہ واقعہ سُنایا اور آپ تبسّم فرماتے رہے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”میں شہادت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسُول ہوں“! انہی نعمانؓ کو اسود عنسی نے قتل کیا تھا اور اُن کے بدن کا ایک ایک عضو کاٹ کر الگ کر دیا تھا، لیکن اُن کی زبان سے یہی الفاظ نکل رہے تھے کہ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں اور تو جھُوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتا ہے“ پھر اس نے اُن کو آگ میں جلا دیا۔

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقریر

شیخُ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عیسائیوں کا رد کرتے ہُوئے فرماتے ہیں ”عُلمائے نے آج کل عیسائیوں کی موجُودہ کتابوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت کے سلسلے میں بہت سے اقتباسات نقل کیے ہیں اور اس پر مفصّل کتابیں لکھی ہیں۔ اِن کتابوں میں یہ بشارات اسی قسم کی ہیں، جس قسم کی بشارات مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان میں درج ہیں۔ یہودی ان کے الفاظ کا اقرار کرتے لیکن تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بشارتیں مسیح علیہ السلام کے متعلق نہیں، بلکہ کسی اور نبی کے بارے میں ہیں جس کی آمد کا انتظار ہے۔ یُوں دراصل وُہ مسیح دجال کا انتظار کر رہے ہیں۔ وُہ آسمان سے نزُول کے وقت عیسٰی علیہ السلام کی آمد کا بھی انتظار کرتے ہیں، لیکن الفاظ میں تحریف کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کی آمد پر دلالت نہیں کرتے جس کا انتظار ہے۔ یہ اسی قسم کی تحریف ہے، جو انھوں نے اس قول میں کی ہے کہ: ”اے مُوسٰی! میں بنی اسرائیل کے لیے ان کے بھائیوں سے تیرے جیسا نبی بھیجُوں گا۔ اس پر کتاب اتارُوں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالُوں گا“۔ بعض یہودی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خبر نہیں، بلکہ استفہامِ انکاری ہے اور اس کے شرُوع میں ہمزہ استفہام مقدر مانتے ہیں۔ ”ای اسا قیم“ یعنی کیا میں تیرے جیسا نبی بھیجُوں گا؟ (یعنی نہیں بھیجوں گا)، حالانکہ عبارت میں اس قسم کی صراحت نہیں ہے۔ یہودی، مسیح علیہ السلام کی بشارت پر دلالت کرنے والے الفاظ میں تحریف کرتے ہیں، لیکن یہ تحریف مُسلمانوں اور

عیسائیوں کے نزدیک مسیح علیہ السلام کی بشارت میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتی، بلکہ منصوص علیہ کی دلالت اور یہود کی تحریف کے بطلان کو واضح کرتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پہلی کتابوں میں موجود بشارتوں میں یہود و نصاریٰ کی تحریف کوئی نقص پیدا نہیں کرتی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ان نصوص کی دلالت، اور اہلِ کتاب کی تحریف کے بطلان کو واضح کرتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پہلی کتابوں کی شہادت یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شہادت ہے، یا اس خبر کی تصدیق پر شہادت ہے، جو آپؐ نے اپنی نبوت اور انبیائے سابقین کی نبوت کے بارے میں دی ہے۔ اور یہ اہلِ کتاب کی مختلف مشرکوں اور ملحدوں کے خلاف حجت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی آیات اپنی کتاب قرآن حکیم میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہیں:

○ "اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" (الشعراء: ۱۹۷)

ترجمہ: "کیا ان کے لیے اس بات میں نشانی نہیں کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں؟"

○ "فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ۔ الآیۃ" (یونس: ۹۴)

ترجمہ: "اگر آپؐ کو اس چیز میں جو ہم نے اتاری ہے، شک ہے، تو ان لوگوں سے پوچھ لیجئے، جو آپؐ سے پہلے اتری ہوئی کتاب پڑھتے ہیں۔"

○ "وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ۔ الآیۃ" (الانعام: ۱۱۵)

ترجمہ: "اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے، جانتے ہیں کہ یہ کتاب (قرآن مجید) سچ مچ آپؐ کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔"

○ "قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ الآیۃ" (الرعد: ۴۳)

ترجمہ: "آپؐ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور وہ شخص بھی، جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔"

○ "اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى" (طٰہٰ: ۱۳۳)

ترجمہ: "کیا ان کے پاس پہلی کتابوں میں بیان شدہ واضح دلیل نہیں آئی ہے؟"

اور یہ اسی قسم کی بات ہے جو تورات میں مذکور ہے، جس کا عربی ترجمہ یہ ہے:

"جاء الله من طور سیناء، وبعضھم یقول تجلّی الله من طور سیناء،
واشرق من ساعیر، واستعلٰی من جبال فاران"۔

یعنی "اللہ تعالیٰ طورِ سینار سے آیا اور بعض اس کی جگہ یہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ طورِ سینار سے چمکا، ساعیر سے روشن ہوا، اور فاران کے پہاڑوں سے غالب ہوا اور پوری طرح واضح ہوا۔"

اکثر علماء کہتے ہیں: یہ لفظ ابُو محمّد کے ہیں۔ جسے یاد ہے، اس کے نزدیک اس میں کوئی اخفاء اور ابہام نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طورِ سینار سے آنا موسیٰ علیہ السلام پر طورِ سینار سے تورات اُتارنا ہے، جیسا کہ یہ اہلِ کتاب کے نزدیک اور ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے۔ اسی طرح واجب اور ضروری ہے کہ اس کے "ساعیر" سے روشن ہونے کا مطلب عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا اتارنا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ارضِ مقدس ساعیر کی ایک بستی ناصرہ سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے نام پر ان کے اتباع کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ اور جس طرح یہ واجب ہے کہ اس کا ساعیر سے روشن ہونا عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہے، اسی طرح اس کا فاران کے پہاڑوں سے غالب ہونا بھی ضروری ہے۔ اور فاران کے پہاڑوں سے مکّہ کے پہاڑ مراد ہیں، اس لیے کہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں میں اس پر کوئی اختلاف نہیں کہ فاران سے مراد مکّہ مکرمہ ہے۔ اور اگر اہلِ کتاب کہیں کہ فاران، مکّہ نہیں کوئی اور جگہ ہے، تو بلاشُبہ یہ ان کا جھوٹ اور افتراء ہوگا۔ ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا تورات میں یہ مذکور نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام حضرتِ ہاجرہؓ اور حضرتِ اسمٰعیلؑ کو فاران میں چھوڑ آئے؟ ہمیں بتایا جائے وہ کونسی جگہ ہے جس سے اللہ ظاہر ہوا اور اس کا نام فاران ہے۔ اور وہ نبی کون ہے جس پر اللہ کریم نے مسیح علیہ السلام کے بعد کتاب اُتاری؟ کیا "استعلن" اور "علا" دونوں کا ایک معنیٰ نہیں؟ کہ وہ ظاہر ہوا اور کھل کر سامنے آیا۔ پھر اسلام کے سوا کونسا دین ہے جو اس کی طرح ظاہر ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی ممالک میں اس کی طرح پھیلا؟

ابنِ ظفر کہتے ہیں: ساعیر شام میں ایک پہاڑ ہے، جس سے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ظاہر ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ بیت اللحم جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اس کے گرد و نواح کو آج تک ساعیر کہا جاتا ہے اور وہاں کے پہاڑ ساعیر کہلاتے ہیں۔ اور تورات میں مذکور ہے کہ عیص کی اولاد ساعیر میں رہائش پذیر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ان کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تینوں پہاڑوں کا ذکر برحق ہے۔ حِراوہ پہاڑ ہے کہ مکہ مکرمہ کے نواح میں اس سے زیادہ اُونچا اور کوئی پہاڑ نہیں اور اس میں

پہلے پہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیٔ الٰہی کا نزول ہوا ! ۔ اس کے اردگرد بہت سے پہاڑ واقع ہیں حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ مکہ میں بارہ ہزار پہاڑ ہیں اور آج تک اسی علاقے کا نام فاران ہے نیز مکہ اور طورِ سینا کے درمیان واقع ہونے والا صحرا بھی صحرا فاران ہے اور یہ ہرگز ثابت نہیں کہ مسیح علیہ السلام کے بعد اس جگہ کوئی کتاب نازل ہوئی ہے یا کوئی نبی آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فاران کے پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے کا مطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر مبعوث فرمانا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو تورات میں ترتیبِ زمانی کے مطابق بیان فرمایا ہے۔ پہلے تورات پھر انجیل پھر قرآن مجید کے اتارنے کا ذکر کیا ہے اور یہی کتابیں اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی ہدایت ہیں۔ پہلی کتاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "آئی اور ظاہر ہوئی"، دوسری کے متعلق "چمکی" اور تیسری کے متعلق "خوب واضح ہوئی" فرمایا ہے۔ اس لیے تورات کی آمد صبحِ صادق کے طلوع یا اس سے بھی زیادہ ظاہر چیز کی طرح ہے اور انجیل کا نزول سورج کے چمکنے کی مانند اور قرآن حکیم کا نزول سورج کے نصف النہار کے وقت روشنی پھیلانے کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کے متعلق "وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ" کہ "وہ فاران کے پہاڑوں سے کھل کر سامنے آ گیا"، فرمایا ہے۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے زمین کے مشرقی اور مغربی کناروں میں اللہ کے نور اور اس کی ہدایت کا ظہور اس سے کہیں زیادہ ہوا، جتنا کہ پہلی دونوں کتابوں کے ذریعے ہوا۔ جیسا کہ نصف النہار کے وقت زمین کے سارے کنارے یکساں روشن ہو جاتے ہیں اور یہی سبب آپ کو "سراجِ منیر" (روشنی پھیلانے والا چراغ) کے ساتھ موصوف کرنے کا ہے۔ حالانکہ سورج کو "سراجِ وہاج" (چمکنے والا چراغ) کہا ہے اور لوگ بہ نسبت چراغِ روشن کے، روشنی پھیلانے والے چراغ کے، ہر وقت ہر جگہ، دن اور رات، سرًّا وعلانیۃً محتاج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی اور میں نے زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے دیکھ لیے چنانچہ میری امت کی حکومت ان کناروں تک پہنچے گی، جو مجھے نظر آئے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان ہی تین جگہوں کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے: "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ"[1] اللہ پاک نے تین اور زیتون کی قسم کھائی۔ اس سے مراد بیت المقدس کی زمین ہے، جہاں یہ دونوں درخت اگتے ہیں چنانچہ اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام

[1] سورۃ التین: ۱ تا ۳

کو پیدا کیا اور اُن پر انجیل اُتاری۔ اس کے بعد "طور سینین" کی قسم کھائی ہے۔ اس سے کوہِ طور مُراد ہے، جہاں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہُوا۔ اور اس کے دائیں جانب واقع ہونے والی وادی کی مُبارک جگہ (درخت) سے اُن کو آواز دی۔ بعد ازاں "بلدِ امین" کی قسم کھائی اور یہ مکّہ مکرّمہ ہے، جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ کو ٹھیرایا۔

خداوندِ کریم نے اپنے قول "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ... الخ" میں ان تین مُکرّم اور مُعظّم جگہوں کی قسم کھائی، جن میں اس کے نُور اور اس کی ہدایت کا ظہور ہُوا۔ اور تورات، انجیل اور قرآن حکیم تین کتابیں اُتاریں۔ جیسا کہ اُس نے اِن تینوں کتابوں کا تورات میں ان الفاظ کے ساتھ تذکرہ فرمایا: "جاء اللہ من طور سیناء واشرق من ساعیر واستعلن من جبال فاران" یعنی اللہ تعالیٰ طورِ سینار سے آیا، ساعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے خوب ظاہر ہُوا۔"

چونکہ تورات میں ان تینوں مقامات کی خبر ہے، اس لیے ترتیبِ وجُودی کے مُطابق خبر دی ہے جو پہلے ہے اس کو پہلے بیان کیا اور جو پیچھے ہے اس کو پیچھے بیان کیا۔

اور قرآنِ حکیم نے ان کی عظمتِ شان بیان کرنے کے لیے قسم اُٹھائی ہے۔ اس لیے درجہ بدرجہ اور "ترقّی من الادنیٰ الی الاعلیٰ" کا لحاظ رکھ کر قسم اُٹھائی ہے۔ پہلے تین اور زیتون، پھر طورِ سینار اور آخر میں مکّہ معظّمہ کی قسم اُٹھائی ہے۔ سب کتابوں سے اعلیٰ کتاب قرآن حکیم ہے، اس کے بعد تورات اور اس کے بعد انجیل کا درجہ ہے۔ ایسے ہی اِن انبیاء کے مراتب ہیں جن پر یہ کتابیں نازل ہُوئیں۔ اس لیے بالتدریج قسم کھائی ہے۔ اسی طرح حفظِ مراتب کا لحاظ رکھتے ہُوئے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں اپنی مخلوق کی قسم کھائی ہے:

"وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا۔
فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طبقہ بہ طبقہ قسم اُٹھائی ہے۔ پہلے ریت اُڑانے والی ہواؤں، پھر بارش برسانے والے بادلوں کی، جو ہوا سے اُوپر ہوتے ہیں۔ پھر "جاریاتِ یسرا" کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مُراد کشتیاں ہیں، لیکن مُناسب یہ ہے کہ اس سے ستارے مُراد لیے جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے: "فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ" اور ستارے بادلوں کے اُوپر ہوتے

---

[1] الذّٰریٰت: ۱ تا ۴ ۔ التکویر: ۱۵ - ۱۶

ہیں۔ پھر "فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا" کہا اور یہ فرشتے ہیں جن کا درجہ مذکورہ بالا مخلوق سے بلند تر ہے اور ابن قتیبہ وغیرہ نے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تربیت کا صحرائے فاران میں ذکر کیا ہے، یہ درست ہے۔ تورات میں اس کی تصدیق موجود ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور میں کہا ہے "نئے سرے سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ اُس کو مخلوق کے ساتھ خوش ہونا چاہیئے، جس کی اُمت کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے اور اس کو مدد دی ہے۔ ان میں سے نیک لوگوں کو کرامت کے طور پر راہِ راست پر گامزن کر دیا ہے۔ وہ بستروں میں لیٹے ہوئے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور بلند آواز سے تکبیر کہتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں دو دھاری تلواریں ہوں گی اور ان کے ذریعے ان قوموں سے انتقام لیں گے، جو اُس کی عبادت نہیں کرینگے۔"

یہ صفات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمت پر فٹ بیٹھتی ہیں یہی لوگ پانچوں نمازوں کی اذان میں بلند آواز سے تکبیر کہتے ہیں اور اُونچی جگہوں پر چڑھتے وقت "اللہ اکبر" پکارتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُونچی جگہ پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور نیچے اُترتے تو سُبحان اللہ پڑھتے اور نماز بھی اسی حالت میں مقرر کی گئی ہے"۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ۔

نیز ایامِ منٰی میں حاجی اور سب دُنیا کے لوگ فرض نمازوں کے بعد تکبیریں پڑھتے ہیں اور ہدی اور قربانی دیتے وقت "اللہ اکبر" کہہ کر اپنی قربانیاں ذبح کرتے ہیں بکثرت تکبیریں کہنے کی وجہ سے عیسائی مسلمانوں کی عید کو "اللہ اکبر" کی عید کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے سوا دُنیا کی کسی قوم میں یہ وصف موجود نہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام اپنی قوم کو ناد کے ذریعے اکٹھا کرتے تھے اور عیسائی ایسے وقت گھڑیال بجاتے ہیں۔

اسی طرح حضرتِ داؤد علیہ السلام کا یہ قول کہ "اُن کے ہاتھوں میں دو دھاری تلواریں ہوں گی۔" مسلمانوں پر ہی صادق آتا ہے۔ کیونکہ اس سے عربی تلواریں مُراد ہیں، جن کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن کے اَتباع نے دُنیا کے مُلک فتح کیے۔ نیز ان کے اس قول میں کہ "وہ اپنے بستروں میں لیٹے ہوئے تسبیح پڑھیں گے"۔ مسلمانوں کی صفت ہی بیان ہو رہی ہے، جو اپنے قیام، قعود اور لیٹنے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ہر مسلمان کے لیے قاعدہ مُقرر ہے کہ وہ فرض نماز کھڑا ہو کر پڑھے، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر لیٹ کر پڑھے۔ اور مسلمان ہی اپنے گھروں میں اور اپنے بستروں پر نماز پڑھتے ہیں، جبکہ اہلِ کتاب اس وصف سے محروم ہیں اور نماز ہی سب سے بڑی تسبیح ہے۔

فصل (حضرت داؤد علیہ السّلام کی بشارت)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے مزامیر میں جو زبور ہے، کہا ہے: "اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر ہمیشہ کے لیے برکت کی ہے۔ پس اے زبردست آدمی! تلوار کو اپنے کندھے پر لٹکا، یہ تیرے چہرے کے لیے رونق اور تیرے غلبے کے لیے ضمانت ہے۔ کلمۂ حق اور خدا پرستی کی نشانی کو اکٹھا کر دے۔ بلاشبہ تیری عزت اور تیرے قوانین تیرے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے وابستہ ہیں اور تیرے تیر تیز دھار ہیں، سب قومیں تیرے نیچے گر پڑیں گی"۔ علماء کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی کندھے پر تلوار لٹکانے والا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام بنی آدم کے سردار ہیں ـــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین ہی ہیبت کے ساتھ مقرون ہیں، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک مہینے کی مسافت تک میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے"۔ داؤد علیہ السلام نے بتایا ہے کہ آنے والے نبی کی عزت ہوگی اور اس کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا۔ اور اس کو "جبار" کہہ کر خطاب کیا ہے جس میں قوت اور دشمنوں پر غلبہ پانے کی طرف اشارہ ہے۔ وہ کمزور اور ضعیف نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحم کرنے والے نبی اور جنگ کرنے والے نبی تھے۔ اسی طرح آپؐ کی اُمّت کافروں کے حق میں سخت گیر اور آپس میں رحم دل تھی: "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِينَ"[1] یعنی ایمانداروں کے مقابلے میں نرمی کرنے والے اور کافروں کے مقابلے میں سختی کا برتاؤ کرنے والے تھے۔ عیسائیوں اور یہود کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ عیسائی کفار کے مقابلے میں ضعیف اور مقہور تھے، جہاں یہودی ایمانداروں کے حق میں سختی کا برتاؤ کرنے والے متکبر تھے: "كُلَّمَا جَاۤءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ"[2] یعنی جب رسول ان کی مرضی کے خلاف حکم لاتے تو بعض کو انھوں نے قتل کر دیا اور بعض کی تکذیب کی"۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے مزمور میں یہ بھی کہا: "ہمارا ربّ عظیم ہے اور بے حد تعریف کا مستحق ہے" اور ایک روایت میں ہے: "ہمارا معبود بے عیب ہے اور محمدؐ نے ساری زمین میں خوشی بھر دی ہے"۔ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے صراحۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے شہر کا نام لیا ہے اور

---

[1] المائدة: ۵۴ [2] المائدة: ۷۰

اس کو "اللہ کی بستی" کہا ہے اور خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کا کلمہ ساری زمین میں پہنچ جائے گا۔ پہلے یہ صحیح حدیث گزر چکی ہے کہ جب عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے کہا گیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض وہ صفات بتائیں جن کا تورات میں ذکر ہے"۔ تو انھوں نے آپ ﷺ کی وہ صفات بیان کیں جو اشعیا نبی کی کتاب میں موجود ہیں اور خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں مذکور نہیں اور تورات سے مراد وہ سب کتابیں ہیں، جو اہل کتاب کے نزدیک معتبر ہیں۔ اسی طرح جب کعب احبار اور دوسرے علما کہتے ہیں "میں نے تورات میں پڑھا"۔ تو اس سے مخصوص موسیٰ علیہ السلام کی کتاب مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سب کتابیں مراد ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے نزدیک معتبر ہیں۔ اور اہل کتاب اپنی معتبر کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ بلکہ ان میں آپ ﷺ کا ذکر بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کی مخصوص کتاب کے بہت واضح ہے۔ جب تورات سے سب معتبر کتابیں مراد لی جائیں، تو کسی عقلمند کے لیے آپ ﷺ کے ذکر اور کثرت صفات میں شک باقی نہیں رہتا، بلکہ ان کتابوں میں آپ کی اُمت کے صفات بھی واضح طور پر مذکور ہیں۔ جب آپ ﷺ کا ذکر مبارک موسیٰ علیہ السلام کی مخصوص کتاب کی بجائے دوسری کتابوں میں بکثرت پایا جاتا ہے، تو بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے ان سے استدلال زیادہ بہتر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے مزمور میں کہا ہے: "وہ ایک سمندر سے دوسرے سمندر کی طرف اور مختلف دریاؤں سے گزر کر وہاں پہنچ جائے گا، جہاں زمین ختم ہوتی ہے۔ جزیروں میں رہنے والے جھک جائیں گے، دشمن اس کی قدم بوسی کریں گے، فارس کے بادشاہ اس کے سامنے سجدہ میں گریں گے اور اقوامِ عالم اس کی مطیع و منقاد ہو جائیں گی۔ وہ مصیبت زدہ مظلوم کو طاقت ور ظالم سے نجات دلائیگا، بے یار و مددگار کمزور کو بچائے گا، مسکینوں اور ضعیفوں پر مہربانی کرے گا اور ہر وقت ان کے حق میں رحمت اور برکت کی دعا کرے گا"۔

یہ صفات بھی عیسےٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت محمد ﷺ اور آپ کی اُمت پر منطبق ہوتی ہیں، کیونکہ مسیح علیہ السلام کو اپنی موجودگی میں اور ان کے اتباع کو ان کے بعد یہ شان و شوکت کبھی حاصل نہیں ہوئی۔

اشعیاؑ نبی کی بشارت

عُلماء کہتے ہیں کہ اشعیاؑ نبی نے آنحضرت ﷺ کا نام لے کر اعلان کیا: "اے محمدؐ! مَیں نے تیرا معاملہ قابلِ تعریف پایا ہے، اے رب کے پاکباز بندے! تیرا نام ہمیشہ سے مَوجُود رہا ہے" اور انہوں نے مُہرِ نبوت کا خاص طَور پر ذکر کیا ہے: "ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو عجیب طریقے پر پھلے پھُولے گا، اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر ہوگی، عظیم سلامتی والا ہوگا۔ اس کی عظمت دیکھ کر لوگ حیران ہوں گے۔ زبردست طاقت کا مالک ہوگا۔ اس کی حکُومت امن و سلامتی کی حکومت ہوگی اور وُہ داؤد علیہ السلام کی کُرسی پر بیٹھے گا"۔

کیا اِس وضاحت کے بعد کسی کج رَو طعنہ باز کے لیے انکار کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ عُلماء کہتے ہیں کہ انجیل کی لغت میں "ارکونؔ" کا معنیٰ عظیم ہے، اس کی جمع "اراکنۃ" ہے (عظمت والے لوگ)۔

دیکھیے! اشعیاؑ نبی نے محمد ﷺ کی نبوّت کی صحت کی شہادت دی ہے اور آپؐ کا ایک خاص وصف "شامہ" بیان کیا ہے، جو نہ سلیمان علیہ السلام میں تھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام میں۔ اور آپ ﷺ کا انہوں نے یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ "وُہ داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھے گا"۔ مطلب یہ ہے کہ وُہ بنی اسرائیل کی نبوّت اور حکُومت کا وارث ہوگا اور ان سے سرداری چھین لے گا۔

کہتے ہیں، اشعیاؑ نے اپنی خبر میں کہا ہے: "مجھے حکم ہُوا کہ کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو کیا دیکھتے ہو؟ مَیں نے کہا: مَیں اِدھر آتے ہُوئے دو سَوار دیکھ رہا ہوں، ایک گدھے پر سوار ہے اور دُوسرا اُونٹ پر، اُن میں سے ایک دُوسرے کو کہتا ہے: بابل کے بُت اور ان کو پُوجنے والے سمندر میں گر گئے"۔

عُلماء کہتے ہیں کہ گدھے پر سَوار مسیح علیہ السلام ہیں اور اُونٹ پر سَوار محمّد ﷺ ہیں اور آپ ﷺ اُونٹ کی سَواری کے ساتھ جتنے مشہور ہیں، اُتنے مسیح علیہ السلام گدھے کی سواری کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور محمّد ﷺ کی وجہ سے بابل کے بُت گرے"۔

فصل (حزقیلؑ کی بشارت)

کہتے ہیں: حزقیلؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے اُمتِ محمّد ﷺ کا وصف بیان کرتے ہُوئے

کہا: "اللہ تعالیٰ ان کو تم پر غالب کرے گا، ان میں ایک نبی بھیجے گا، ان پر کتاب اتارے گا اور ان کو تمھاری گردنوں کا مالک بنائے گا۔ وہ سچ مچ تم پر غالب آئیں گے اور تمھیں ذلیل کریں گے۔ بنو قیذار کے مختلف قبائل کے لوگ مختلف جماعتوں کی صورت میں نکلیں گے، ان کے ساتھ سفید گھوڑوں پر مسلح فرشتے سوار ہوں گے۔ وہ تم کو گھیر لیں گے اور تمھارا انجام آگ میں گرنا ہوگا۔ ہم آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔" یہ بنو قیذار عدنان کے بیٹے ربیعہ اور مضر ہیں۔ یہ سب قیذار بن اسمٰعیل کی اولاد ہیں، کیونکہ سب عرب عدنان اور قحطان کی نسل ہیں اور مضر، ربیعہ اور انمار کا جدِ اعلیٰ عدنان تو بالاتفاق اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ مگر قحطان کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہود کی نسل سے ہے۔ مضر کا بیٹا الیاس ہے اور سب قریش الیاس کی اولاد ہیں۔ اسی طرح سے عقیل، کلاب، سعد بن بکر، بنو نمیر اور ثقیف وغیرہ ہوازن کے قبائل بھی الیاس بن مضر کی اولاد ہیں۔ یہی لوگ شام، جزیرہ، مصر اور عراق وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے۔ مضر نے حران اور اس کے نواحی علاقوں میں حکومت اختیار کی، تو ان کا نام دیارِ ربیعہ ہو گیا۔ حزقیل کا یہ کہنا کہ "ان پر سفید گھوڑوں پر سوار ہو کر فرشتے نازل ہوں گے" صحیح ہے، کیونکہ یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اسلامی جنگوں میں فرشتے سفید گھوڑوں پر سوار ہو کر اترتے تھے۔

دانیال نبی کی تفصیلی بشارت

دانیال نبی علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لے کر ذکر کیا اور کہا:

"اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! تیری کمانیں زور سے کھینچی جائیں گی اور تیرے حکم سے تیر خون سے خوب سیراب ہوں گے۔"

یہ بغیر کسی اشارے کے تصریح ہے اور ایسی صحیح بات ہے، جس میں کسی الجھاؤ کی گنجائش نہیں۔ پھر بھی اگر اس میں کوئی جھگڑالو، جھگڑا کرے تو اس کو کوئی دوسرا محمد ثابت کرنا چاہیے، جس کے تیر کفار کے خون سے سیراب ہوئے ہوں اور اس کا حکم بغیر حیل و حجت تسلیم کیا گیا ہو۔

دانیال نبی نے یہ بھی کہا ہے کہ "میں نے اللہ تعالیٰ سے انتہائی تضرّع اور عاجزی کے ساتھ سوال کیا کہ یا اللہ! بنی اسرائیل کا کیا بنے گا؟ کیا وہ ان کی توبہ قبول کرے گا؟ ان کی حکومت ان کو واپس کر دے گا؟ اور ان میں انبیا کا سلسلہ شروع کرے گا، یا یہ سعادت کسی اور قوم کے حصے میں آئے گی؟"

دانیالؑ نے کہا: "میری اس التجا کے جواب میں ایک خوبصورت چہرے والا نوجوان فرشتہ ظاہر ہوا، اور کہا: اے دانیالؑ! اَلسَّلامُ عَلَیْکَ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور سرِ نیاز خم کرنے کی بجائے سرکشی کا مظاہرہ کیا ہے اور مجھے چھوڑ کر دُوسرے معبُودوں کی عبادت کرنے لگے ہیں اور علم کی جگہ جہالت کو اور صدق کی جگہ کذب بیانی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ میں نے اُن پر بخت نصر کو مُسلط کیا، جس نے مردوں کو قتل کیا، عورتوں، بچّوں کو غلام بنایا، بیت المقدس کو منہدم کیا اور ان کے کُتب خانوں کو جلا دیا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے بھی ان سے یہی سلوک کیا، میں ان سے راضی نہیں ہوؤنگا اور نہ اُن کی لغزشوں سے درگزر کرُوں گا۔ یہ ہمیشہ مغلوب، مقہور، ذلیل اور مسکین ہیں گے حتیٰ کہ میں بنو اسماعیل میں ایک نبی بھیجُونگا، جس کی میں نے ہاجرہ کو بشارت دی اور ملائکہ کو اسے خوش خبری سُنانے کے لیے بھیجا۔ میں اس کی طرف وحی کرُوں گا، اس کو سب نام سکھاؤنگا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ اس کو زینت بخشُوں گا۔ نیکی اس کا شعار، تقوائے اس کے دل کی آواز، سچائی اس کی بات، وفاداری اس کی طبیعت، میانہ روی اس کی سیرت اور ہدایت اس کا طریقہ بناؤں گا۔ میں اس کو ایک ایسی کتاب دُوں گا، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرے گی اور اُن کے بعض احکام منسُوخ کرے گی۔ میں اُس کو رات کے وقت اپنی طرف لاؤں گا، پھر ایک آسمان سے دُوسرے آسمان کی طرف چڑھاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنے قریب کرُوں گا اور اس کو سلام کہُونگا اور اس کی طرف وحی کرُونگا، پھر اس کو خوشی خوشی اپنے بندوں کی طرف بھیجُونگا۔ جو چیز اُس کے ذمّہ لگائی جائے گی، اس کی حفاظت کرے گا۔ جس کا حکم دیا جائیگا، اس کو صدقِ دل سے پُورا کرے گا۔ نرم بات اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ توحید کی دعوت دے گا۔ وُہ بدمزاج، سخت دل اور بازاروں میں چیخنے چلّانے والا نہیں ہوگا۔ دوستوں پر مہربان، ایمانداروں پر رحم کرنیوالا اور دشمنوں کے حق میں سخت گیر ہوگا، اپنی قوم کو توحید اور میری عبادت کی طرف بُلائے گا۔ جو نشانِ قُدرت دیکھے گا وُہ انھیں بتلائے گا، مگر وُہ اُس کی تکذیب کریں گے اور اس کے درپے آزار ہوں گے۔"

اِس بشارت کے ناقل نے کہا ہے: "پھر دانیالؑ نے آنحضرت ﷺ کا واقعہ جس طرح فرشتے نے اُن کو سُنایا تھا، حرف بہ حرف بیان کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اُمّت کے آخری ایّام کی نفخۃ الصّور اور اختتامِ دُنیا تک پُوری تفصیل ذکر کر دی۔ یہ بڑی لمبی تقریر ہے، جو یہود اور نصاریٰ کے پاس اب تک موجُود ہے۔ وُہ اس کا اِقرار کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں جس کے متعلق یہ بشارت ہے، وُہ ابھی

تک ظاہر نہیں ہُوا! ـــــــ اِس بشارت میں اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت اور اس کے نبیؐ کی تمام صفات بیان کی ہیں اَور بتایا ہے کہ انکی حکومت قیامت تک قائم رہے گی۔

مَیں کہتا ہُوں کہ دانیال علیہ السلام کی اِس خبر میں مسیح علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت مذکور ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کی اُمت کی مفصّل صفات کا بیان ہے۔ جب مُسلمانوں نے عراق فتح کیا تو اُنھوں نے اِس بشارت کو پڑھا، عُلماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اَبوالعالیہ کہتے ہیں: "جب قلعہ تستر فتح ہُوا، تو وہاں دانیالؑ کی میّت اور اُن کے پاس ایک کِتاب ملی۔ مَیں نے اس کتاب کو پڑھا ہے، اے اہلِ اسلام! اس میں تمھاری صفات اَور تمھارے طرزِ تکلّم کا ذِکر ہے"

اس علاقے میں جب قحط رونما ہوتا تو وہاں کے لوگ اُن کی قبر کو ظاہر کر دیتے اور مُوسلا دھار بارش شروع ہو جاتی۔ اَبو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس واقعہ کی اِطّلاع حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی، تو اُنھوں نے لکھا کہ "دِن کے وقت ۱۳ قبریں تیّار کرو اور رات کے وقت ایک قبر میں ان کو دفن کردو، تاکہ لوگ فِتنے میں مُبتلا نہ ہوں"

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، جب اَللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعُوث فرمایا اَور مکّہ مکرّمہ میں اُن کی شہرت ہو گئی، تو مَیں شام کے مُلک میں گیا۔ جب مشہُور شہر بصرٰی میں پُہنچا تو میرے پاس عیسائیوں کی ایک جماعت آئی اَور مجُھ سے پُوچھا کہ "تُم حرم کے رہنے والے ہو؟" مَیں نے کہا "ہاں" پھر پُوچھا "کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو، جس نے تمھارے شہر میں نبوّت کا دعوٰے کیا ہے؟" مَیں نے کہا: "ہاں!" پھر وُہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ایک گرجا میں لے گئے، جس میں بہُت سی تصویریں تھیں۔ مجھے کہنے لگے "کیا تُم اس نبی کی تصویر دیکھتے ہو، جو تمھارے شہر میں مبعُوث ہُوا ہے؟" مَیں نے دیکھا، تو مجھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر نظر نہ آئی۔ مَیں نے کہا: "مَیں یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر نہیں دیکھتا" پھر مجھے اس سے بڑے گرجے میں لے گئے، جس میں پہلے گرجے کی نسبت تصویریں بہُت زیادہ تھیں۔ انھوں نے مجُھ سے کہا کہ "دیکھو اور بتاؤ کہ یہاں تم اس کی تصویر دیکھتے ہو؟" مَیں نے دیکھا تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ شریف بھی لکھی ہُوئی تھی اور آپؐ کی تصویر بھی مَوجُود تھی۔ اَبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت اور ان کی تصویر بھی مَیں نے دیکھی، انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑی پکڑی ہُوئی تھی۔ انھوں نے مجُھ سے پُوچھا "کیا تُو نے اس کی صِفت دیکھی ہے؟" مَیں نے کہا "ہاں!" پھر ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے "کیا یہ وُہی ہے؟"

مَیں نے کہا "ہاں ! مَیں شہادت دیتا ہُوں کہ یہ وُہی ہے" پھر پُوچھا "کیا اس کو پہچانتے ہو جس نے اس کی ایڑی پکڑی ہُوئی ہے" مَیں نے کہا "ہاں" بولے "ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہی تمہارا نبی ہے اور یہ اس کے بعد اس کا خلیفہ ہوگا" اس کو امام بُخاریؒ نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے جس نے تصویریں دکھائی تھیں، وُہ کہتا تھا "ہر نبی کے بعد نبی ہے، مگر اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں" یہ روایت اَبُونُعیم نے "دلائل النبوۃ" میں ذکر کی ہے۔

مُوسٰی بن عقبہ سے روایت ہے کہ "ھشام بن عاص، نعیم بن عبداللہ اور ایک اور آدمی جسکا نام انہوں نے بتایا تھا، جب یہ حضرت ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بادشاہِ رُوم کے پاس پہنچے تو پہلے جبلہ بن ایہم پہ داخل ہُوئے وُہ اس وقت غوطہ میں رہتا تھا۔ وُہ انکو بادشاہِ رُوم کے دربار میں لے گیا، تو اُنھوں نے وہاں ایک بہت بڑا تابوت دیکھا جس پر سونے کا کام کیا ہُوا تھا۔ اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دَروازے تھے۔ اس نے ایک دَروازہ کھولا، جس سے سیاہ رنگ کا ایک ریشمی ٹکڑا نکالا۔ اس میں آدم علیہ السلام کی تصویر تھی۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس سے ریشم کا ٹکڑا نکالا، جس میں نوح علیہ السلام کی تصویر تھی۔ پھر اس کے بعد ان کو ریشم کا وُہ ٹکڑا دکھایا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی" اور کہنے لگا "یہ آخری دَروازہ ہے۔ باقی سب دروازے چھوڑ کر مَیں نے تمہیں یہ پہلے دکھا دیا ہے، تاکہ مَیں تمہارا نظریہ معلوم کرُوں" پھر اس نے اَور بہت سے دروازے دکھائے جن میں باقی انبیاء کی تصویریں تھیں، جیسے مُوسٰے، ہارُون، داؤد، سلیمان، عیسٰے بن مریم، لُوط اور اسحٰق علیہم السلام کی تصاویر تھیں اور اس نے بیان کیا کہ تابوت ان کے پاس آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے اور یہ سب تصویریں دانیالؑ نے بنائی تھیں" اور اس وَاقعہ جیسی روایت مغیرہؓ بن شعبہ سے بھی مَروی ہے، وُہ کہتے ہیں کہ "جب مَیں مصر کے بادشاہ اور اسکندریہ کے مقوقس کے پاس گیا، تو اُس نے انبیاء کرامؑ کی تصویریں دکھائیں۔ ان میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی، جس کو مَیں نے دیکھتے ہی پہچان لیا"

چنگارے پھینکنے جانے کی ابتدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں کاہنوں کی طرف سے پیش گوئیاں

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ یہودی عالموں، عیسائی راہبوں اور عربی کاہنوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے زمانہ کے نزدیک آنے کی خبریں دینی شروع کیں یہودی عالم اور عیسائی راہب تو اپنی کتابوں میں پڑھ کر خبر دیتے تھے، کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے زمانے کی صفات واضح طور پر مذکور تھیں۔ نیز ان کے انبیاءؑ نے بھی عہد بعہد آپ ﷺ پر ایمان لانے کی اپنے اتباع کو وصیت کی تھی، البتہ عربی کاہنوں کا انحصار زیادہ تر جنوں اور شیاطین کی فراہم کردہ خبروں پر تھا۔ اور وہ آپ ﷺ کی آمد کے متعلق اشارات کرتے تھے۔ مگر عرب اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نبی بن کر مبعوث ہو گئے۔ اُس وقت کاہنوں کی بعض باتوں کی صداقت دیکھ کر سوچنے پر مجبور ہوئے۔

جنوں اور شیاطین پر پابندی

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا زمانہ مبارک قریب آگیا تو شیاطین کے چھپ کر سننے پر پابندی لگا دی گئی اور جہاں بیٹھ کر وہ خبریں سنتے تھے، اُس پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اب اگر کوئی وہاں جاتا، تو آگ کے شعلے سے بھسم کر دیا جاتا۔ شیاطین یہ دیکھ کر اِس نتیجے پر پہنچے کہ زمین پر کوئی نیا حادثہ رونما ہوا ہے، جس کی وجہ سے ہم پر یہ سختی نازل ہوئی ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ اہتمام وحیِ الٰہی کے لیے کیا گیا، تاکہ وہ بحفاظتِ تمام اپنے مقام پر پہنچے اور درمیان میں کسی طرح کی ملاوٹ اور شبہ کا اِمکان باقی نہ رہے۔

سہیلی لکھتے ہیں کہ ابن اسحٰق نے جو کچھ کہا ہے، درست ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کبھی شعلے پھینکے نہیں گئے، شعلے قدیم زمانے میں بھی پھینکے جاتے تھے اور اس کا ذکر جاہلیت کے قدیم شعراء کے کلام میں ملتا ہے۔ عبدالرزاق نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ "ستاروں کا ٹوٹنا، چنگاروں کا پھینکا جانا جاہلیت میں بھی تھا؟" تو انھوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور کہا، "جب اسلام آیا تو ان میں شدت اور سختی پیدا ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان ــ "وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا"[1] یعنی ہم نے آسمان کی پڑتال کی، تو اُس کو بہت زیادہ پہرے داروں اور چنگاروں سے بھرا ہوا پایا۔" میں بھی اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ "حُرِسَت" "محفوظ کیا گیا" نہیں کہا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کا ہے گا ہے چنگارے پھینکے جانے کے واقعات

[1] الجن: ۸

ہوجاتے تھے۔ جب رسُول اللہ ﷺ مبعُوث ہُوئے تو آسمان کو بہُت زیادہ پہرے داروں اور چنگاروں سے بھر دیا گیا، تاکہ شیطان آسمان سے دُور رہیں اور اُن کے لیے چھُپ کر چوری چوری بات سُننے کا امکان نہ رہے۔ یہ سختی زمانۂ نبوّت تک جاری رہی۔ اس کے بعد وُہ سختی نہیں رہی۔ کیونکہ بعض زمانوں میں اَور بعض جگہوں پر شاذ و نادر انکا وجُود پایا جاتا ہے۔ کسی نے کہا کہ "بعض اوقات تو ان کی بات سچّی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا وُہ کہتے ہیں، ویسا ہی ہوجاتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وُہ کلمۂ حق ہے، جو کوئی جِن آسمان سے اُچک لیتا ہے اَور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ جس طرح مُرغی اپنے چُوزوں کے کان میں آواز ڈالدیتی ہے! پھر وُہ اس میں سَو سے زیادہ جھُوٹ مِلا دیتا ہے"۔ ابنِ سَلَام نے اپنی تفسیر میں ابنِ عباسؓ کا یہ قول ذکر کیا کہ "جب جِن پر چنگارا پھینکا جاتا ہے، تو وُہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔ جو چیز اُس نے چُرائی ہوتی ہے، اس کو ختم کر ڈالتا ہے، مگر اس کو قتل نہیں کرتا"۔ لیکن حَسَنؒ کہتے ہیں کہ "چنگارا اس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے قتل کر دیتا ہے"۔

ابوجعفر عقیلی نے اپنی تصنیف "کتابُ الصحابہؓ" میں بنولہب کے ایک آدمی سے، جس کا نام اَبولہب تھا، بیان کیا ہے کہ ایک دَفعہ مَیں آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ کے پاس کہانت کا تذکرہ ہُوا، تو مَیں نے کہا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، ہم نے چنگارے پڑنے سے، سب سے پہلے معلُوم کر لیا تھا کہ آسمان پر پہرے لگا دیے گئے ہیں اَور جنّوں اور شیاطین کو آسمان کی بات چوری چوری سُننے سے روک دیا گیا ہے۔ وَاقعہ یُوں ہُوا کہ ایک دِن ہم اپنے کاہن کے پاس حاضر ہُوئے، اس کا نام خطر بن مالک تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۸۰ برس تھی اَور وُہ سب کاہنوں کا اُستاذ تھا۔ ہم نے اس سے پُوچھا: "اے خطر! تمھیں ان ستاروں کے ٹُوٹنے کا بھی کچھ علم ہے؟ ہم تو ان سے بہُت خوف زدہ ہیں اَور ان کے انجامِ بد سے ڈرتے ہیں"۔ وُہ کہنے لگا: "سحری کے وقت آنا، اُس وقت تمھیں بتاؤں گا، ان کا انجام اچھّا ہے یا بُرا۔ امن کے لیے ہیں یا حذر کے لیے"۔ اُس کے کہنے پر اُس وقت تو ہم چلے گئے، دُوسرے دن سحری کے وقت اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وُہ اپنے قدموں پر کھڑا آسمان کی طرف گھُور رہا ہے۔ ہم نے اُس کو آواز دی اَور اپنے آنے سے آگاہ کیا، اس نے اشارے سے کہا: "خاموش رہو"! تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر ایک بہُت بڑا ستارہ ٹُوٹا، تو کاہن اُونچی اُونچی آواز سے چیخنے لگا: "اُس کو چوٹ لگ گئی، اُس کو سزا مِل گئی، اس کو عذاب نے جلدی پکڑ لیا، چنگارے نے اس کو

جلا دیا، اس کی بات ختم ہوئی، افسوس! اس کا کیا حال ہوا؟ غم نے اس کو پریشان کر دیا، فساد نے اُس پر دوبارہ حملہ کر دیا، اس کے تمام جوڑ کٹ گئے اور تمام حالات بگڑ گئے" پھر دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا ۔

یا معشر بنی قحطان　　اخبرکم بالحق والبیان

"اے گروہ بنو قحطان! میں تم کو ایک سچی اور واضح بات بتاتا ہوں"

اقسمت بالکعبۃ والارکان　　والبلد المؤتمن السدان

"میں کعبہ اور اس کے ارکان کی اور اس شہر کی جس کے خادم بہت امانت دار ہیں قسم کھا کر کہتا ہوں"

قد منع السمع عتاۃ الجان　　بثاقب بکف ذی سلطان

"شریر جنوں کو آسمان کی بات سننے سے منع کر دیا گیا ہے، ایک چمکدار ستارے کے ذریعے جس کو طاقت ور فرشتہ اپنے ہاتھ سے پھینکتا ہے"

من اجل مبعوث عظیم الشان　　یبعث بالتنزیل والقرآن

"ایک عظیم الشان نبیؐ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ قرآن لے کر آیا ہے"

وبالھدیٰ وفاصل الفرقان　　تبطل عبادۃ الاوثان

"وہ ہدایت اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب لے کر آیا ہے جس سے بتوں کی عبادت باطل ہو جائے گی"

میں نے کہا "اے خطر! تجھ پر افسوس! تو نے ایک بُری بات کہی ہے، تو اپنی قوم کی فلاح کس میں دیکھتا ہے؟" کہنے لگا ۔

اریٰ لقومی ما اریٰ لنفسی　　ان یتبعوا خیر نبی الانس

"میں اپنی قوم کے لیے وہی چیز مناسب سمجھتا ہوں، جو اپنے لیے مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ انسانوں کے بہترین پیغمبرؐ کی اتباع کریں"

بحکم التنزیل غیر اللبس　　برھانہ مثل شعاع الشمس

یبعث فی مکۃ دار الحمس

"محکم کتاب لے کر جس میں کوئی ملاوٹ نہیں، جس کی دلیل سورج کی شعاع کی طرح روشن ہے حمس کے شہر مکہ میں مبعوث ہوگا"

ہم نے پوچھا: "اے خطر! وہ کون ہے؟" بولا: "زندگی اور بقا کی قسم! وہ قبیلہ قریش سے ہوگا، اس کی عقل میں فتور نہیں ہوگا اور نہ اس کے جسم میں کوئی نقص ہوگا۔ وہ بنو قحطان اور آلِ ایش کا عظیم الشان لشکر لے کر آئے گا" ہم نے پوچھا: "وہ قریش کے کس خاندان سے ہوگا؟" بولا: "قسم ہے ستونوں والے گھر کی، اور قسم ہے رکن اور سایہ دار درختوں کی! وہ ہاشم کی اولاد میں سے ہوگا، اور عزت والے سرداروں کی جماعت سے ہوگا۔ اس کو لڑائیوں کی اجازت دے کر بھیجا جائیگا اور وہ ہر ظالم کو قتل کریگا۔" پھر کہنے لگا: "یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، جو مجھے جنوں کے سردار نے بتائی ہے۔" پھر کہا: "اللہ اکبر! حق آگیا اور ظاہر ہوا۔ اور جنوں سے آسمان کی خبر منقطع ہو گئی۔" پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔ تیسری رات گزرنے کے بعد ہوش میں آیا اور کہا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس نے ایک نبی جیسی بات کہی ہے، اور وہ قیامت کے دن اکیلا ایک اُمت کے قائم مقام اٹھے گا۔"

بعض الفاظ کی تشریح

حافظ ابوالقاسم (سہیلی صاحب "الروض الانف") نے اس حدیث کے اس لفظ "اصابۃ اصابۃ" کے متعلق کہا ہے کہ علی بن ابی بکر بن طاہر نے دوسرے لفظ "اِصابۃ" کو ہمزہ کے کسرے کے ساتھ ضبط کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ہمزہ در اصل واؤ مکسورہ سے بدلا ہوا ہے۔ جیسے "اشاح" اصل میں "وشاح" تھا، اسطرح "اِصابٌ" اصل میں "وِصابٌ" تھا۔ واؤ مکسورہ کو ہمزہ مکسورہ سے بدل دیا، "اِصابٌ" ہو گیا۔ اِس جملے کا معنے "اصابۃ وصابۃ" ہے۔ اور "وصاب" "وصب" کی جمع ہے، جیسے "جمل" کی جمع "جمال" ہے۔ قولہ: "من آل قحطان و آل ایش": آلِ قحطان سے انصار مراد ہیں، کیونکہ وہ قحطان کی اولاد ہیں۔ اور آلِ ایش ممکن ہے کہ یہ مسلمان جنوں کا کوئی قبیلہ ہو اور ایش کی طرف منسوب ہے۔ اور اگر ایسا نہیں، تو یہ ایک عجیب طرح کی مدح ہے۔ کہتے ہیں "فلان ایش ھو وابن ایش ھو"، "فلاں کیا شئے ہے اور کس شئے کا بیٹا ہے"۔ یعنی "بہت بڑا آدمی ہے اور بہت بڑے آدمی کا بیٹا ہے"۔ جیسے اُس نے یوں کہا ہے: "من قحطان و من المھاجرین الذین یقال فیھم مثل ھذا"، یعنی "وہ قحطان اور ایسے مہاجرین کی فوج لے کر آئیگا، جن کے بارے میں اِس قسم کے مدحیہ الفاظ کہے جائیں گے۔" جیسے کہا جاتا ہے: وہ ہیں اور وہ کیا ہیں۔ وہ زید ہے اور وہ

کیا زید ہے؟ اور زید کیا چیز ہے؟ یعنی بڑا عظیم الشان انسان ہے، اور "ایش" "ای شیٔ" کے معنے میں ہے، جیسے "ویلمّہ" اصل میں "ویل امّہ" تھا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے کچھ حروف حذف کر دیے گئے ہیں۔

سوادؓ بن قارب کا ذکر

محمدؒ بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں: ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اُنکے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ کسی نے کہا: "امیر المؤمنین! اس گزرنے والے آدمی کو آپ جانتے ہیں؟" آپ رضؓ نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" حاضرین نے کہا: "یہ سواد بن قارب ہے، جس کو اس کے ہمراز جن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی تھی۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا بھیجا اور کہا: "تم سواد بن قارب ہو؟" بولا: "جی ہاں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: "تمھیں تمھارے ہمراز جن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی تھی؟" کہنے لگا: "جی ہاں!" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا: "تم ابھی تک کہانت کا کام کرتے ہو؟" یہ سن کر وہ ناراض ہو گیا اور بولا: "اے امیر المؤمنین! میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی نے مجھ سے ایسی بات نہیں کہی۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اس میں تعجب کیا ہے؟ جس شرک میں ہم مبتلا تھے، وہ تمھاری کہانت سے بڑا تھا۔" پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کے بارے میں اپنے ہمراز جن کی خبر سناؤ۔" بولا: "ہاں، امیر المؤمنین! سنیے: میں ایک رات سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ میرا ہمراز آیا اور اپنا پاؤں مار کر کہنے لگا: اے سواد بن قارب! اُٹھ اور میری بات سن، اور اگر سمجھتا ہے تو سمجھ۔ قبیلہ لؤی بن غالب سے ایک رسولؐ مبعوث ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

عجبت للجن وتطلابها　　　وشدها العیس باقتابها

"مجھے جنّوں پر اور ان کے تلاش کرنے پر اور اپنی اونٹنیوں پر کجاوے کسنے پر تعجب ہوا۔"

تہوی الی مکۃ تبغی الہدیٰ　　　ما صادق الجن ککذابها

"وہ ہدایت کی تلاش میں مکہ معظمہ جا رہے ہیں اور سچا جن جھوٹے جن کی طرح نہیں ہے۔"

فارحل الی الصفوۃ من ہاشم　　　لیس قدامہا کاذنابہا

"تو بھی بنو ہاشم کے برگزیدہ انسان کی طرف چل۔ بعد کے آنے والے پہلوں کی طرح نہیں ہو سکتے۔"

اُس نے بیان کیا کہ جب مَیں جاگنے اَور سونے کی درمیانی حالت میں ہوتا تھا، تو پہلی رات کے بعد دو رَاتیں اَور میرے پاس آیا اور کہا: "اے سَواد بن قارب! اُٹھ۔ اور اگر سمجھ رکھتا ہے تو سمجھ۔ قبیلہ لوی بن غالب سے ایک رسُولؐ مبعوث ہُوا ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی عبادت کی طرف بُلاتا ہے۔"

پھر وُہ قافیے بدل بدل کر مجھے یہی شعر پڑھ کر سُناتا اور اِس طرح اُس نے اپنا پُورا واقعہ بیان کیا۔ اِس واقعہ سے متاثر ہو کر یہی سَواد بن قارب رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہُوا اَور اپنے ہمراز جنّ کا قِصّہ مندرجہ ذیل اشعار میں آپ ﷺ کو سُنایا ؎

اتانی نجیی بعد ھدء وقدۃ ... ولم یاك فیما قد بلوت بکاذب

"میرا ہمراز رات کا کچھ حِصّہ گزرنے اور لوگوں کے سوجانے کے بعد آیا اور جہاں تک مَیں نے تجربہ کیا ہے، وُہ جھُوٹا نہیں ہے۔"

"ثلاث لیال قولہ کلّ لیلۃ ... اتاك رسول من لؤیّ بن غالب

"وُہ تین رات برابر آتا رہا اَور ہر رات اُس نے یہی کہا، "تمھارے زمانے میں لوی بن غالب سے ایک رسُولؐ مبعوث ہُوا ہے۔"

فرفعت اذیال الازار وارقلت ... من العرس الوجنا ھجول التباسب

"چنانچہ مَیں نے اپنا دامن اُٹھایا اَور طاقت ور، صحراؤں کو قطع کرنے والی تیز اُونٹنی دوڑنے لگی۔"

فأشھد انّ اللہ لا ربّ غیرہ ... و انّك مأمون علٰی کلّ غائب

"مَیں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی رَبّ نہیں اَور آپؐ ہر غیب کی بات پر امین ہیں۔"

و انّك ادنی المرسلین وسیلۃ ... الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطایب

"اے عِزّت والے پاکباز سرداروں کے بیٹے! آپؐ وسیلے کے لحاظ سے سب رسُولوں سے اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔"

فمرنی بما یأتیك من وحی ربّنا ... و ان کان فی ما قلت شیب الذّوائب

"پس مجھ کو ہمارے رَبّ کی وَحی کا حکم دیجئے، جو آپؐ کے پاس آتی ہے۔ اگرچہ اس کی شِدّت

سے بال سفید ہو جائیں۔"

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة   بمغن فتیلا عن سواد بن قارب

"اور میری اس روز سفارش کرنا، جب کوئی سفارشی سواد بن قارب کو ذرّہ برابر فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔"

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سواد رضی اللہ تعالیٰ کا کردار

جب دوس قبیلہ میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کی خبر پہنچی اور فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا، تو سواد رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے میں بڑے اچھے کردار کا مظاہرہ کیا اور اپنی قوم کو جادۂ حق سے بھٹکنے سے بچا لیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا: "اے گروہ ازد! کسی قوم کی سعادت مندی اس میں ہے کہ وہ دوسروں سے نصیحت پکڑیں اور یہ اس کی بدبختی ہے کہ وہ اپنے آپ سے نصیحت پکڑیں۔ جو شخص تجربات سے فائدہ نہیں اٹھاتا، وہ اس کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں اور جس کی حفاظت حق نہیں کرتا، باطل بھی اس کی حفاظت سے عاجز ہے۔ جس حقیقت کے پیش نظر تم کل مسلمان ہوئے تھے، اسی حقیقت کی خاطر تم آج بھی مسلمان رہ سکتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے دور قوم پر حملہ کیا تو کامیاب رہے اور تم سے زیادہ تعداد والی قوم کو دھمکی دی، تو اُن کو ڈرنے پر مجبور کیا اور تم کو تمہاری تعداد یا سامانِ حرب نے نہیں بچایا! ہر مصیبت بھول جاتی ہے، مگر وہ مصیبت نہیں بھولتی، جس کے کچھ کے لوگ دیر تک محسوس کریں۔ مصیبت زدہ لوگوں کو اپنی مصیبت اس سے زیادہ یاد رکھنی چاہیے، جتنی کہ اہل عافیت یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے تم سے اپنا ہاتھ بند رکھا، جب تک تم نے اس سے اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ پس تم ہمیشہ اہلِ مصیبت سے دور ہوتے اور اہلِ عافیت میں داخل ہوتے رہے، حتیٰ کہ تمہارے خطیب اور نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے۔ خطباء نے وہاں موجود لوگوں کے متعلق اور نقباء نے غیر حاضر لوگوں کے بارے میں شہادت دی۔ مجھے معلوم نہیں شاید لوگ فتنہ ارتداد کی طرف لپکیں۔ اگر ایسا ہوا تو سلامتی سوچ و بچار اور عقل و خرد سے کام لینے میں ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے، تم بھی اس کو پسند کرو۔ قوم نے اُن کی بات سنی اور اس کو قبول کیا۔

اسی کے متعلق سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ نے کہا ؎

جلت مصیبتك الغداة سواد ا — واری المصیبة بعدها تزداد

"اے سواد! آج تیری مصیبت بڑی ہوگئی ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ مصیبت اس کے بعد اور بڑھے گی۔"

أبقی لنا فقد النبی محمد — صلّی الإلٰه علیه مایعتاد

"تیری بقا کی قسم! ہمارے لیے محمدؐ رسول اللہ کے انتقال نے۔ (اللہ تعالیٰ اُن پر وہ رحمتیں بھیجے جو وہ بھیجا کرتا ہے)۔"

حزناً لعمرك فی الفؤاد محنا مرا — وهل لمن فقد النبی فؤاد

"دِل میں پیوست ہونے والا غم چھوڑا ہے۔ بھلا جس نے نبیؐ کو گم پایا ہے، اس کے لیے دِل کہاں؟"

كنا نحل به جنابا ًمرعا — جفّ الجناب فأجدب الروّاد

"ہم اس کے ہوتے ہوئے ایک سرسبز و شاداب وادی میں اُترے ہوئے تھے۔ اب وادی خشک ہوگئی ہے اور آب و دانہ کے متلاشی قحط زدہ ہیں۔"

فبكت علیه ارضنا وسماؤنا — وتصدعت وجداً به الاكباد

"اس پر ارض و سما رو رہے ہیں اور اس کے غم میں جگر پارہ پارہ ہوگئے ہیں۔"

كان العیان هو الطریف وحزنه — باق لعمرك فی النفوس تلاد

"گویا کہ وہ شخص مجسم تعریف ہے ـــــ اور اس کا غم، تیری عمر کی قسم، لوگوں میں جڑواں بھائیوں کی طرح باقی ہے۔"

ان النبی وفاته كحیاته — الحق حق والجهاد جهاد

"نبی ﷺ کی وفات اُن کی زندگی کی طرح سبق آموز ہے۔ حق حق ہے اور جہاد جہاد ہے۔"

لو قیل تفدون النبی محمداً — بذلت له الأموال والاولاد

"اور اگر کہا جاتا کہ تم نبی محمد ﷺ پر کچھ قربان کرو تو اُن پر سب مال اور سب اولاد قربان کی جاتی۔"

وتسارعت فیه النفوس ببذلها　　هٰذا له الاغیاب والاشهاد

"اور آپ ﷺ پر قربان ہونے کے لیے سب حاضر اور غائب جانیں ایک دُوسرے سے سبقت کرنے لگیں۔"

ھٰذا وھٰذا لا یرد نبیّنا　　لوکان یفدیه فداه سواد

"مگر حاضر اور غائب جانوں کا قربان ہونا ہمارے نبی ﷺ کو واپس نہیں لاسکتا۔ اور اگر کوئی چیز آپ ﷺ کا فدیہ بن سکتی، تو سوادِ ضرور آپ ﷺ کا فدیہ بن جاتا۔"

انّی آحاذر والحوادث جمة　　أمرًا لعاصف ریحه أرعاد

"مجھے تو ایک امر کا ڈر ہے جس کے جھکڑ بجلی کی طرح کڑکتے ہیں اور نئے نئے حوادث بکثرت وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔"

ان حلّ منه ما یخاف فانتم　　للأرض ان رجفت بنا أوتاد

"اگر خوفناک حالت پیدا ہو اور زمین لرزنے لگے تو تم اس کے لیے بمنزلہ پہاڑوں کے ہو۔"

لوزاد قوم فوق منیة صاحب　　زدتم، ولیس لمنیة مزداد

"اگر کوئی قوم اپنے دوست کی موت پر کچھ زیادتی کر سکتی تو تم ضرور زیادتی کرتے لیکن: موت پر کوئی زیادتی نہیں ہے۔"

اُن کی قوم کو اُن کے یہ اشعار اور یہ بات پسند آئی تو انھوں نے اُن کی بات مان لی اور جیسا انہوں نے کہا ویسا کیا۔

یہود کو رسول اللہ ﷺ کی انتظار

ابن اسحٰق کہتے ہیں، مجھے عاصم بن عمر و بن قتادہ نے اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کی زبانی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت کے علاوہ ہمارے اسلام کا سبب وُہ باتیں بنیں، جو ہم اکثر یہودیوں سے سنا کرتے تھے۔ ہم مشرک اور بُت پرست تھے اور وُہ اہلِ کتاب تھے۔ انکے پاس علم تھا

جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ ہمارے اور اُنکے درمیان لڑائی اور فتنہ و فساد ہوتا رہتا تھا جب ہماری طرف سے انھیں کوئی نقصان پہنچتا، تو وُہ کہتے: "ایک نبی کے مبعوث ہونیکا وقت نزدیک آگیا ہے، اُن کے ساتھ مل کر ہم تمھیں عاد و ثمود کی طرح قتل کریں گے" ہم انھیں یہ کہتے ہُوئے اکثر سُنا کرتے تھے۔ اور جب رسُول اللہ ﷺ مبعوث ہُوئے اور آپ ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کیطرف دعوت دی تو ہم نے پہچان لیا کہ یہی وُہ نبی ہے جس کے بارے میں یہودی ہمیں دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے سبقت کی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے لیکن انھوں نے تکذیب کی اور کفر کی راہ اختیار کی۔ اِس پر ہمارے اور ان کے درمیان سُورۃُ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہُوئیں:

"وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا - الآیۃ" (البقرۃ: ۸۹)

ابن اسحٰق کہتے ہیں: مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے بنو قریظہ کے ایک بزرگ سے حدیث بیان کی کہ اُس نے مجھ سے پُوچھا "تمھیں معلوم ہے کہ بنو قریظہ کے شیوخ ثعلبہ بن شعیہ، اسید بن شعیہ اور اسد بن عبید کے اسلام کا سبب کیا چیز بنی؟ یہ جاہلیت میں اہلِ مدینہ کے ساتھ رہتے تھے اور اسلام لانے کے بعد اُنکے سردار بن گئے" میں نے کہا "نہیں"۔ بولا: "اسلام سے دو سال پہلے شام کا ایک یہودی جس کا نام ھیبان تھا، ہمارے ساتھ رہنے لگا۔ واللہ! ہم نے پانچ وقت نماز پڑھنے والا کوئی آدمی اس سے افضل نہیں دیکھا۔ جب کبھی مدینہ میں قحط پڑتا، ہم اسے کہتے: "ھیبان! کھلے میدان میں چل کر ہمارے لیے بارش کی دُعا کرو۔" وُہ کہتا: "بخدا! جب تک تم اپنے مالوں سے صدقہ نہیں نکالو گے مَیں دُعا نہیں کرُونگا" ہم پُوچھتے "کتنا صدقہ نکالیں"؟ وُہ کہتا: "فی کس ایک ٹوپہ کھجور راور دو مُد جَو"۔ جب ہم اس کے کہنے کے مُطابق صدقہ نکالتے، تو وُہ ہمیں شہر کے باہر حرہ میدان میں لے جاتا اور اللہ تعالےٰ سے بارش کی دُعا کرتا۔ اللہ کی قسم! اکثر ایسا ہُوا، وُہ ابھی اپنی جگہ کھڑا دُعا کر رہا ہوتا کہ بادل آتے اور مُوسلا دھار بارش شرُوع ہوجاتی۔ ایک یا دو یا تین دفعہ ایسا نہیں ہُوا، بلکہ اس سے زیادہ دفعہ یہ بات ہمارے دیکھنے میں آئی ہے۔ بالآخر جب وُہ فوت ہونے لگا تو اُس نے کہا: "اے گروہِ یہُود! جانتے ہو، مجھے شراب اور پُرتکلف کھانوں کی جگہ سے اِس بھُوک اور تنگدستی کی جگہ میں کیا چیز لائی"؟ ہم نے نفی میں جواب دیا اور کہا: "اِس کا عِلم آپ ہی کو ہے"۔ بولا: "اے گروہِ یہُود! مَیں اس شہر میں اِس لیے آیا تھا،

کہ ایک نبی کے آنے کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ یہ شہر اُس کا مقامِ ہجرت ہے۔ مجھے اُمید تھی کہ وُہ میری زندگی میں تشریف لائیگا اور مَیں اُس پر اوّلین فرصت میں ایمان لے آؤں گا۔ اے جماعتِ یہُود! اُس کا وقت قریب آ چکا ہے، وُہ آئے تو اس پر ایمان لانے میں دُنیا کی کوئی قوم تم سے سبقت نہ کرے وُہ کفار کے ساتھ جنگ بھی کرے گا اور اُن کی عورتوں اور بچّوں کو قیدی بھی بنائیگا لیکن یہ چیز تم کو اس پر ایمان لانے سے ہرگز ہرگز نہ روکے"۔ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہُوئے اور آپؐ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا، تو ان آدمیوں نے جو اُس وقت نوجوان تھے، اپنی قوم سے کہا: "اے بنو قریظہ! اللہ کی قسم! یہ وُہی نبیؐ ہے، جس پر ایمان لانے کی ابنِ ہیبان نے ہمیں وصیت کی تھی"۔ بولے "نہیں، یہ وُہ تو نہیں ہے"۔ انھوں نے کہا: "کیوں نہیں! بخُدا! یہ وُہی ہے"۔ چنانچہ یہ قلعہ سے اُتر آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اور اس طرح اپنی جان و مال کا تحفظ کیا۔

بعثت کا ذکر

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ نے اپنی عمرِ شریف کے ۴۰ سال پُورے کر لیے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور اس سے پہلے سب انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ ﷺ پر ایمان لانے، آپ ﷺ کی تصدیق کرنے اور مخالفین کے مقابلے میں آپ ﷺ کی بھرپُور امداد کا عہد لیا اور اُن سے یہ عہد بھی لیا کہ وُہ یہ بات اپنے متّبعین تک پہنچا دیں کہ نبیؐ منتظر پر ایمان لانا اور وقت آنے پر اس سے کامل تعاون اُن پر بھی فرض اور لازم ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اس عہد کو پُورا کیا، اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس کی ہدایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے رسُول ﷺ کو اس کی خبر دیتے ہُوئے فرمایا ہے:

"وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ الآیۃ (آلِ عمران: ۸۱)

"یعنی اُس وقت کو یاد کرو، جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ مَیں تم کو کتاب اور

حکمت دُوں، پھر تمھارے پاس وُہ رسُولؐ آئے، جو تمھاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تمھارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا ضرُوری اور لازم ہے۔"

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وحی آنے سے پہلے حضرت محمد ﷺ پر خوابوں کا سلسلہ شروع ہُوا۔ آپ ﷺ جب کوئی خواب دیکھتے، تو کچھ عرصہ میں اس کی سچّائی اس طرح ظاہر ہو جاتی جس طرح رات کی تاریکی میں سپیدۂ سحر نمُودار ہوتا ہے۔ پھر آپ کو خلوت نشینی کی رغبت ہُوئی، چنانچہ مکّہ سے دُور کوہِ حرا میں گوشہ نشین ہو کر کئی کئی رات تک عبادت میں مصرُوف رہتے۔ جب آپ ﷺ کا کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا، تو واپس آکر حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اتنی مدت کا خرچ لے کر واپس چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاتے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آگیا۔ ایک دن آپ ﷺ بدستور غارِ حرا میں مصرُوفِ عبادت تھے کہ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ ﷺ سے کہا: "پڑھو!" آپ ﷺ نے جواب دیا، "میں پڑھ نہیں سکتا۔" آپ ﷺ فرماتے ہیں: یہ سُن کر اُس نے مُجھ کو پکڑ لیا اور مجھے اِس قدر بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسُوس کی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا "پڑھو!" میں نے کہا: "میں پڑھ نہیں سکتا۔" پھر اس نے مُجھ کو تیسری مرتبہ بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسُوس کی۔ پھر اُس نے مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا:

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (العلق: ۱تا۵)

یعنی "اپنے اُس رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہُوئے خُون سے پیدا کیا، پڑھ تمھارا رب بڑا عزّت والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ جو چیز انسان کو معلُوم نہیں تھی، وُہ اسے سکھائی۔"

آپؐ اِس واقعہ کے بعد گھر تشریف لائے، خوف سے آپ ﷺ کا دل دھڑکتا تھا۔ حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آکر کہنے لگے "مجھ پر کمبل ڈال دو، کمبل ڈال دو۔" ذرا گھبراہٹ دُور ہوئی، تو فرمانے لگے "خدیجہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟" پھر انھیں سارا ماجرا کہہ سُنایا اور ساتھ ہی کہا: "مجھے اپنی جان کا

خطرہ پیدا ہو گیا ہے، مَیں زندہ نہیں بچوں گا" حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ڈھارس بندھاتے ہُوئے کہا: "نہیں نہیں!! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، خوش ہو جائیے۔ اللہ کریم آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ناداروں کے بوجھ اُٹھا لیتے ہیں۔ فقیروں کو اپنی کمائی سے حصّہ دیتے ہیں، اور ناگہانی مصائب میں مصیبت زدگان کی امداد کرتے ہیں۔"

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں انہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ یہ بڑے عالم فاضل آدمی تھے اور جس طرح اللہ چاہتا انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتے۔ اُس وقت وہ بُوڑھا ہونے کی وجہ سے نابینا بھی ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: "چچا! ذرا اپنے اس بھتیجے کی بات تو سُنو! یہ بڑے خوفزدہ ہیں"۔ ورقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "بھتیجے! بتائیے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سارا گزرا ہُوا واقعہ بیان کیا۔

یہ سُن کر ورقہ بن نوفل نے کہا: "آپؐ تو بڑے خوش نصیب ہیں۔ یہ تو وُہی فرشتہ اعظم ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مُوسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش! مَیں ظہورِ نبوّت کے وقت جوان ہوتا۔ کاش! جب آپؐ کی قوم آپؐ کو شہر بدر کرے گی، مَیں زندہ ہوتا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میری قوم مجھے اپنے شہر سے نکال دے گی؟" ورقہ نے جواب دیا: "ہاں! جب بھی کوئی آدمی حق کی بات پیش کرتا ہے، جو آپؐ کے نصیب ہوا ہے، تو لوگ اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اگر مَیں اُس وقت تک زندہ رہا، تو آپؐ کی بھرپور امداد کرونگا۔"

لیکن تھوڑے دِنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور اُدھر وحی کی آمد بھی بند ہو گئی، یہاں تک کہ آپؐ کو اس سعادت سے وقتی محرومی پر اتنا صدمہ ہُوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل برداشتہ ہو کر متعدد دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبرائیلؑ ظاہر ہو کر فرماتے، "محمدؐ، آپ اللہ کے سچّے رسُول ہیں (گھبرائیے نہیں)" یہ سُن کر آپؐ کی گھبراہٹ دُور ہو جاتی اور آپؐ کا دِل مطمئن ہو جاتا اور آپؐ واپس گھر تشریف لے آتے۔ جب وحی کی بندش کا زمانہ دراز ہو گیا اور دوبارہ اسی ارادے سے گھر سے نکلے کہ اپنے تئیں پہاڑ سے گرا دیں، تو حضرت جبرائیلؑ نے ظاہر ہو کر وُہی بات کہی جو پہلے کئی بار کہہ چکے تھے۔

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں: مجھے وہب بن کیسان نے حدیث بیان کی کہ مَیں نے عبداللہ ابن زبیرؓ سے سُنا، وُہ عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی کو کہہ رہے تھے، "اے عُبید! مجھے پہلے پہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر وحیِ نبوّت نازل ہونے کا واقعہ سناؤ، جب جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس وحی لائے"۔ وہب بن کیسان کہتے ہیں: میری موجودگی میں عبید نے عبداللہ بن زبیرؓ اور حاضرینِ مجلس کو اس طرح واقعہ سنایا کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال غارِ حراء میں ایک مہینہ اعتکاف کیا کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک مہینے کا اعتکاف کیا کرتے تھے، اور جو مسکین آپ ﷺ کے پاس آتا، اُس کو کھانا کھلاتے تھے۔ مہینے کا یہ اعتکاف پورا کرنے کے بعد جب آپ ﷺ واپس آتے تو گھر جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے۔ یہ طواف سات چکر، یا جس طرح اللہ چاہتا، کم و بیش ہوتا تھا۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد گھر تشریف لاتے، یہاں تک کہ جب وہ مہینہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شرفِ نبوّت سے مشرّف کیا اور یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، تو آپؐ معمول کے مطابق اعتکاف کرنے کے لیے گھر سے غارِ حراء کی طرف نکلے۔ اُس وقت آپ ﷺ کے گھر والے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب وہ رات آئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصبِ نبوّت پر فائز کیا اور اس طرح اپنے بندوں پر رحم فرمایا، تو حضرت جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر حاضر ہوئے"۔ پھر عبید نے وہ حدیث بیان کی، جو پہلے گزر چکی ہے اور یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف پورا کرنے کے بعد واپس آئے تو اسی طرح کیا جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔ پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے، تو دورانِ طواف ورقہ بن نوفل سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت ورقہ نے آپؐ سے پوچھا "بھتیجے! مجھے بتائیے، آپؐ نے کیا دیکھا اور کیا سنا؟" رسول اللہ ﷺ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ سن کر ورقہ بولے "خدا کی قسم! بلاشبہ آپؐ اس اُمت کے نبی ہیں۔ آپؐ کے پاس وہی ناموسِ اکبر (فرشتہ اعظم) آیا ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ تیار رہیے، آپکی تکذیب کی جائے گی؛ آپؐ کو ایذا دی جائے گی۔ آپؐ کو دیس سے نکالا جائیگا۔ اور آپؐ سے لڑائی بھی کی جائے گی۔ اگر میں اُسوقت کو پالونگا تو پوری تندہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرونگا"۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے سرِ مبارک کو بوسہ دیا اور وہ اپنے گھر، اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر چلے آئے۔ انتہیٰ!

واقعہ نزولِ وحی سُن کر ورقہ کے تاثرات

حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے آنحضرت ﷺ کا مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا، تو انہوں نے یہ اشعار کہے ؎

یا للرجال لصرف الدھر والقدر — وما الشئ قضاہ اللہ من غیر

"لوگو! زمانہ اور تقدیر کے تصرفات پر تعجب کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی"۔

حتّٰی خدیجۃ تدعونی لاخبرھا — امرًا اراہ سیاتی الناس من اُخر

"خدیجہؓ مجھ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ میں انہیں ایسے امر کی خبر دوں، جو میری رائے میں آخر کار لوگوں کو پیش آنے والا تھا"۔

فخبرتنی بامرٍ قد سمعت بہٖ — فیما مضی من قدیم الدھر والعصر

"انہوں نے مجھے ایک بات بتائی جس کے بارے میں میں نے پہلے ہی سُن رکھا تھا"۔

بانّ احمد یاتیہ فیخبرہٗ — جبریل انّک مبعوث الی البشر

"کہ احمد ﷺ کے پاس جبرائیلؑ آئے اور بتایا کہ آپؐ کو نوعِ انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے"۔

فقلت علّ الذی ترجین ینجزہ — لک الالٰہ فرجی الخیر وانتظری

"میں نے کہا: شاید جس چیز کی آپکو امید ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دے۔ اس لیے خیر کی اُمید رکھیے اور انتظار کیجیے"!

وارسلتہ الینا کی نسائلہ — عن امرہٖ ما یری فی النوم والسھر

"اور اس نے ان کو ہمارے پاس بھیجا تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ وہ خواب یا بیداری میں کیا دیکھتے ہیں"؟

فقال حین اتانا منطقا عجبا — یقف منہ اعالی الجلد والشعر

"جب وہ ہمارے پاس آئے تو ایسی عجیب بات سُنائی جس سے بدن کے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔"

انی رایت امین اللہ واجھنی   فی صورۃ کملت فی اھیب الصور

"مَیں نے اللہ تعالیٰ کے امین کو دیکھا ہے، جو میرے سامنے ایسی کامل صورت میں آئے، جو بڑی ہیبت ناک تھی۔"

ثم استمر فکان الخوف یذعرنی   مما یسلم ما حولی من الشجر

"پھر وہ چلے گئے اور مجھے اپنے اِردگرد کے درختوں سے سلام سُن کر ڈر لگتا ہے۔"

فقلت ظنی وما ادری ایصدقنی   ان سوف یبعث یتلو منزل السور

"مَیں نے کہا: میرا خیال ہے، اور نہ معلوم سچا ہے یا نہیں کہ یہ عنقریب مبعوث ہوں گے، اور نازل شدہ سورتوں کی تلاوت کریں گے۔"

وسوف اُبلیك ان اعلنت دعوتہٗ   من الجھاد بلا منّ ولا کدر

"اگر دعوتِ جہاد کا اعلان ہوا، تو مَیں آپ سے ایسا بھرپور تعاون کروں گا، جس میں نہ کوئی احسان ہوگا اور نہ کسی طرح کی پریشانی۔"

ابن اسحٰق کہتے ہیں، حضرت خدیجہؓ نے راہب کی، وَرقہ سے وہ بات بھی بیان کی تھی، جو انہیں ان کے غلام میسرہ نے بتائی تھی، اور یہ بھی بتایا کہ میسرہ نے آپ ﷺ پر دو فرشتوں کو سایہ کرتے دیکھا ہے۔ یہ سُن کر ورقہ نے کہا: "خدیجہؓ! اگر یہ سچ ہے، تو بلاشک محمدؐ اِس اُمّت کے نبی ہیں اور مجھے معلوم تھا کہ اِس اُمّت کا نبی آنے والا ہے، جس کا انتظار ہو رہا ہے، اور یہ اس کے ظہور کا زمانہ ہے۔" اوکما قال۔ ورقہ آپؐ کی آمد کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے تھے اور کہا کرتے: "معلوم نہیں کب ظہور ہو؟" اِس سلسلے میں ورقہ نے یہ اشعار کہے ۔

لجحت وکنت فی الذکری لجوجا   لھم طال ما بعث النشیجا

"مَیں ایک سوچ پر قائم ہوں، جس نے مجھے اکثر رُلایا ہے اور مَیں نصیحت کے معاملے میں ایک نظریے پر قائم رہتا ہوں۔"

ووصف من خدیجۃ بعد وصف   وقد طال انتظاری یا خدیجا

"اور خدیجہؓ کے بار بار بیان کرنے کی وجہ سے اس پر قائم ہوں۔ اے خدیجہؓ! مجھے

تو اُس کا انتظار کرتے کرتے عُمر گزر گئی ہے"۔

ببطن المکتین علیٰ رجائی　　حدیثك ان اریٰ منہ خروجا

"آپکی بات کی وجہ سے اُمید ہے کہ مکّہ شہر میں ہی اُس کا ظہُور ہو گا"۔

وما خبرتنا من قول قس　　من الرھبان اکرہ ان یعوجا

"اور راہب کے اس قول کی وجہ سے جو آپ نے مجھے بتایا ہے، یہ کہتا ہُوں۔ اور میں اس کے غلط ہونے کو ناپسند کرتا ہُوں"۔

بان محمدًا سیسود قومًا　　ویخصم من یکون له حجیجا

"کہ جلد ہی محمدؐ قوم کے سردار بن جائیں گے۔ اور جو ان سے جھگڑا کرے گا یہ اُس پر غالب آئیں گے"۔

ویظھر فی البلاد ضیاء نور　　یقیم به البریة ان تموجا

"اور اس مُلک میں نور کی ایسی روشنی پھیلے گی، جس سے خلقت پریشان ہونے سے بچ جائے گی"۔

فیلقی من یحاربه خسارا　　ویلقی من یسالمه فلوجا

"جو اُن سے لڑے گا، وہ گھاٹے میں رہے گا اور جو صُلح کرے گا، وہ کامیاب ہو گا"۔

فیالیتی اذا ما کان ذاکم　　شھدت وکنت اولھم ولوجا

"کاش! اُن کے ظہُور کے وقت میں موجُود رہوں اور اُن کے دین میں سب سے پہلے داخل ہوؤں"۔

ولوجا فی الذی کرھت قریش　　ولو عجت بمکتھا عجیجا

"اِس دین میں داخل ہو جاؤں، جس کو قریش مکرُوہ سمجھتے ہیں اور مکّہ میں اس کے خلاف کتنا ہی شور مچاتے ہیں"۔

ارجی بالذی کرھوا جمیعا　　الی ذی العرش ان سفلوا عروجا

"میں اُمید کرتا ہُوں کہ جس دین کو یہ سب مکرُوہ جانتے ہیں، وہ مالکِ عرش کے نزدیک عروج کو پہنچے گا اور یہ نیچے گریں گے"۔

وهل أمر السفاهة غير كفر　　بمن يختار من سمك البروجا

"کیا اس شخص کے ساتھ کفر کرنے کے سوا اور بھی کوئی حماقت ہے کہ جس کو آسمانوں کے خالق نے منتخب فرما لیا ہے۔"

فان يبقوا وأبق تكن أمور　　يصيح الكافرون لها ضجيجا

"اگر وہ باقی رہے اور میں بھی باقی رہا، تو ایسے واقعات رونما ہوں گے، جن سے کفار چیخ چیخ پڑیں گے۔"

وان اهلك فكل فتى سيلقى　　من الاقدار متلفة تحروجا

"اور اگر میں ہلاک ہو گیا، تو فکر نہیں کیونکہ تقدیر ہر جوان کو ہلاکت تک پہنچا دیگی۔"

ابن اسحٰق نے یونس کی روایت سے ورقہ کے یہ اشعار بھی ذکر کیے ہیں ؎

اتبكر ام انت العشية رائح　　وفي الصدر من اضمارك الحزن قادح

"کیا تو سویرے سویرے جائیگا یا شام کے وقت؟ اور سینے میں چھپے ہوئے غم کی بنا پر عجیب پریشانی ہے۔"

لفرقة قوم لا احب فراقهم　　كانك عنهم بعد يومين نازح

"اِن لوگوں کی جدائی کے باعث، جن کی جدائی کو میں دوست نہیں رکھتا، یوں لگتا ہے کہ دو دن کے بعد تو اُن سے دُور رہو جائیگا۔"

واخبار صدق خبرت عن محمد　　يخبرها عنه اذا غاب ناصح

"اور محمد ﷺ کے متعلق سچی خبریں آرہی ہیں جب آپؐ غائب ہوتے ہیں، تو ایک خیر خواہ آدمی آپؐ کے بارے میں یہ خبریں بتاتا ہے۔"

فتاك الذي وجهت ترجى خيره　　بغور وبالنجدين حيث الضحاضح

"یہ وہ نوجوان ہے، جس کی خیر کی زمین کے نشیب و فراز میں امید کی جاتی ہے۔"

الى سوق بصرى في الركاب التي غدت　　وهن من الاحمال قعص دوالح

"اور بصریٰ کے بازاروں میں جن میں خمیدہ کمر اونٹنیاں بوجھ کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر چلتی ہیں۔"

فخبرنا عن كل خير بعلمه ولِلحقِّ ابواب لهن مفاتح

"اس نے خوب معلوم کر کے ہمیں ہر بھلائی کی خبر دی ہے۔ حق کے مختلف دروازے ہیں، اور اُن کے کھولنے کے لیے چابیاں ہیں۔"

بأن ابن عبد الله احمد مرسل الى كل من ضمت عليه الاباطح

"کہ محمدؐ بن عبداللہ اُن سب انسانوں کی طرف رسُول بنا کر بھیجے گئے ہیں، جو پتھریلے میدانوں میں رہتے ہیں۔"

وظني به ان سوف يبعث صادقا كما ارسل العبدان هود وصالح

"اور میرا بھی اُن کے بارے میں یہی گمان ہے کہ انہیں جلد ہی سچ مچ رسُولؐ بنا کر بھیجا جائے گا، جیسا کہ پہلے ہُود اور صالح علیہما السلام بھیجے گئے۔"

وموسٰی وابراهيم حتى يرى له بهاء ومنشور من الذكر واضح

"اور مُوسٰیؑ اور ابراہیمؑ بھیجے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی رونق اور واضح طور پر پھیلا ہُوا ذکر ہر جگہ مشاہدہ کیا جائیگا۔"

ويتبعه حيا لؤى بن غالب شبابهم والأشيبون الجحاجح

"اور لؤیؔ بن غالب کے دونوں قبیلوں کے نوجوان اور بُوڑھے سردار اُن کی تابعداری کریں گے۔"

فان ابق حتى يدرك الناس عصره فاني به مستبشر الود فارح

"اگر میں دُوسرے لوگوں کی طرح اُن کے زمانے تک باقی رہا، تو میں اُن کی آمد پر خوش ہوں گا اور مجھے اُن کی دوستی سے فرحت حاصل ہو گی۔"

والا فاني يا خديجة فاعلمي عن ارضك في الارض العريضة نازح

"اور اگر باقی نہ رہا، تو اے خدیجہؓ! جان لیجئے۔ میں آپکی زمین چھوڑ کر دُوسری وسیع اور عریض دُنیا کی طرف کُوچ کرنے والا ہُوں۔"

صحیح بُخاری میں ہے، ابنِ شہاب کہتے ہیں: مجھے ابُوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی، کہ حضرت

جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بندشِ وحی کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک روز میں جا رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی۔ میں نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو وُہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اُسے دیکھ کر پھر ڈر گیا اور واپس آکر اپنی بیوی سے کہا: مجھ پر کمبل ڈال دو۔ مجھ پر کمبل ڈال دو۔" اُس وقت اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت اُتاری:

"یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ إلیٰ قوله وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" (المدثر: ۱ تا ۵)

اس کے بعد وحی تیز ہو گئی اور پے درپے آنے لگی۔

فصل

اِن احادیثِ مبارکہ سے تعلّق رکھنے والے فوائد کا بیان

بعض عُلماء کہتے ہیں، جیسا کہ مذکور ہے: جبرائیل علیہ السلام سوموار کے دن، رمضان المبارک کو اُترے اور ایک روایت کے مطابق ۱۷ رمضان المبارک کو اُترے۔ اس کو براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۲۷ رجب مروی ہے۔ ابنِ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ۱۸ ربیع الاوّل حادثۂ فیل سے ۴۱ سال بعد بتاتے ہیں۔

ابنِ قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو کہتے ہیں، رمضان المبارک میں اُترے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل پکڑتے ہیں:

" شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۔الآیۃ" (البقرۃ: ۱۸۵)

عُلماء کہتے ہیں: پہلے پہل اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت کے اعزاز سے مشرف کیا، تو سارا قرآن، آسمانِ دُنیا پر لیلۃ القدر کو بیت العزّۃ میں اُتارا۔ پھر وہاں سے ضرورت کے مطابق بالاقساط ۲۳ سال میں مکمل ہُوا۔ یہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ انتہیٰ!

اور ورقہ کے قول "یالیتنی فیہا جذع" میں "ہا" کی ضمیر نبوّت کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہے، کاش! نبوّت کے ظہور کے وقت میں جوان ہوتا، تاکہ اس کی نصرت وحمایت میں انتہائی کوشش

کرتا۔" اور "فعطنی" کا معنیٰ ہے "ختقنی" "میرا گلا گھونٹا۔" "ناموس" کا معنیٰ ہے "بادشاہ کا راز دان" بعض نے کہا ہے: ناموس، نیک راز دان کو، اور جاسوس، بُرے راز دان کو کہا جاتا ہے۔ "موزرا" "ازر" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنیٰ "قوّت اور امداد" ہے۔ "یا فوخ" مہموز ہے۔ بچّے کا سر جب تک مضبوط نہ ہو، اُس کو "یافوخ" نہیں کہا جاتا۔ بلکہ "غاذیہ" کہا جاتا ہے۔

سہیلی لکھتے ہیں، عامر شعبی سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ فترت میں اسرافیل آپ ﷺ کے ساتھ ۳ سال تک مقرّر کیے گئے۔ گاہے گاہے وہ آپ ﷺ کو نظر آتے تھے۔ اور کوئی کلمہ وحی وغیرہ کا آپ ﷺ کو بتاتے تھے۔ پھر حضرت جبرائیلؑ مقرر کیے گئے، اور انھوں نے آپ ﷺ پر سارا قرآن کریم اُتارا۔

وحی کی مختلف صورتیں

وحی نیند میں بھی ہوتی ہے، جیسا کہ ابن اسحٰق کی حدیث میں ہے اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ"[1] "میں نیند میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں"۔ یہ سُن کر آپؑ کے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام نے کہا: "اِفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ"[2] "جس کا آپؑ کو حکم ہوتا ہے کر گزریے"۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کو جس طرح بیداری میں وحی آتی تھی، نیند میں بھی آتی تھی۔ عبید بن عمیر نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہے۔ پھر یہی مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

دِل میں کلام ڈال دینا بھی وحی ہے، جیسا کہ نبیِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "جبرائیلؑ نے میرے دِل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی متنفس اپنا رزق پُورا کرنے سے پہلے نہیں مرے گا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاشِ رزق میں جائز طریقہ استعمال کرو۔ رزق میں تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے کماؤ۔ بلاشبہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وُہ فرمانبرداری سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔" ابن اِبی الدّنیا نے اِس کو اپنی کتاب "القناعۃ" میں روایت کیا ہے۔ اور امامِ حاکم نے اِس کو صحیح کہا ہے۔

کبھی وحی گھنٹی جیسی آواز میں آتی ـــــ اور یہ صُورت آپ ﷺ پر سب سے زیادہ سخت تھی۔ اور

---

[1] الصّٰفّٰت: ۱۰۲ [2] ایضاً

کہتے ہیں یہ صورت اس لیے پیش آتی تھی کہ اس آواز کے وقت دل میں یکسوئی پیدا ہو تاکہ جو سُنے اُس کو یاد رکھے اور جو اس میں ڈالا جائے، اس کو محفوظ کرلے۔ اس کی شدت کا یہ حال تھا کہ سخت سردی کے وقت بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی۔ اور اس کے بوجھ سے آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ نیز ایک دفعہ آپ ﷺ پر اس طرح وحی آئی کہ اُس وقت آپؐ کی ران مبارک زیدؓ کی ران پر تھی، تو اُس نے اِس کو قریب قریب کچل ہی دیا۔

کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آکر کلام کرتا ہے۔ ایسی حالت میں جبرائیل علیہ السلام عموماً آپؐ کے پاس دِحیہؓ بن خلیفہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دحیہ اتنے خوب صورت تھے کہ وہ جب مدینے میں آتے، عورتیں اُن کے حسن وجمال کا نظارہ کرنے کے لیے گھروں سے نکل آتیں۔

ابنِ سلامؒ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا﴾[1] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "لَھْو" سے مراد یہ ہے کہ لوگ خطبہ کے دوران دحیہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگ جاتے تھے۔

جبرائیل علیہ السلام کبھی وحی لے کر اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوتے تھے۔ ان کے چھ سو پر تھے، جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔ جو اللہ چاہتا وہ آپ ﷺ کو پیغام پہنچاتے۔ اور جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے، ایسا دو دفعہ ہوا۔

کبھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے پردے کے پیچھے سے کلام کرتا تھا۔ ایسا یا تو بیداری کی حالت میں ہوتا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے شبِ معراج میں کلام فرمایا۔ یا نیند کی حالت میں ہوتا تھا، جیسے معاذؓ کی روایت میں ترمذی شریف میں آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آیا اور فرمایا: بتائیے! ملأ اعلیٰ میں کس چیز پر بحث ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ اور مجھے اس کی ٹھنڈک دونوں پستانوں کے درمیان محسوس ہوئی۔ اس سے ہر چیز کا علم مجھ پر ظاہر ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "محمدؐ! بتائیے ملأ اعلیٰ میں کس چیز پر بحث ہو رہی ہے؟" میں نے عرض کیا: "کفارات میں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ کیا ہیں؟" میں نے کہا: "ناپسندیدہ اوقات میں وضو کرنا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے پیدل چل کر جانا۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

---

[1] الجمعۃ: ۱۱

جو شخص ایسا کرتا ہے، اس کی زندگی قابلِ رشک ہوتی ہے اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے، جیسا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔"

یہ وحی کی چھ حالتیں ہیں۔ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بعض علماء نے ساتویں حالت بھی بیان کی ہے۔ وہ ہے، اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے بے حجاب بات کرنا۔

میں کہتا ہوں، بعض نے ایک اور حالت کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے مختلف احکام میں اجتہاد کرتے وقت آپ ﷺ کے دل میں اور آپ کی زبانِ مبارک پر صحیح علم کا القاء کرنا۔ کیونکہ جب آپ ﷺ اجتہاد فرماتے، تو آپ کا اجتہاد قطعاً صحیح ہوتا تھا۔ اور آپ ﷺ غلطی سے محفوظ رہتے تھے۔ یہ صرف آپ ﷺ کے لیے خرقِ عادت کے طور پر حاصل تھا۔ اُمت کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا اور یہ حالت، دل میں ڈالنے کی حالت (نفث فی الروع) سے الگ ہے۔ کیونکہ یہ حالت اجتہاد کے وقت حاصل ہوتی تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ وحی کی یہ مختلف حالتیں تقاضائے وحی کے اختلاف کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ جب کوئی وعدہ کرنا یا خوشخبری سنانا مقصود ہوتا تو جبرائیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں اُترتے اور اس طرح خطاب کرتے کہ آپ ﷺ کو اس کے سمجھنے میں مطلق تکلیف نہ ہوتی اور اگر دھمکی دینا یا ڈرانا مقصود ہوتا تو اس وقت وحی گھنٹی کی آواز کی طرح سنائی دیتی تھی۔ انتہیٰ!

فقہی نکات

سہیلی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"[1] میں یہ نکتہ ہے کہ تم اس کو اپنی قوت، اپنے علم یا اپنی کسی نفسانی کیفیت کے زور سے نہیں پڑھ سکتے۔ لیکن اپنے رب کے نام سے شروع کر کے اسی کی مدد سے پڑھو۔ وہی تمھیں تعلیم دے گا، جس طرح اس نے تمھیں پیدا کیا، اور تمھارے دل سے جما ہوا خون اور شیطان کا حصہ نکالا، جسے تمھارے اور ہر انسان کے دل میں پیدا کیا۔ پہلی دو آیتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دوسری دو آیتیں اُن کی امت کے لیے ہیں اور وہ یہ ہیں: "اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ"[2]۔ اس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں، جو وہ نہیں جانتا تھا۔" آپ ﷺ کی اُمت ناخواندہ اُمت تھی۔ لکھنا پڑھنا

---

[1] العلق: ۱ [2] ایضاً ۴-۵

نہیں جانتی تھی۔ اب وہ اہلِ کتاب اور اہلِ علم بن گئی ہے۔ انھوں نے قلم کے ذریعے قرآن سیکھا اور اُن کے نبیؐ نے جبرائیلؑ سے سیکھا، جس نے اِس کو اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے دل پر اُتارا۔ اور اِس طرح آپؐ رسُولوں کے زمرے میں داخل ہو گئے۔

اس میں ایک فقہی نکتہ یہ بھی ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا واجب ہے۔ مگر ابہام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے کس نام سے ابتدا کرے؟ ہاں ان آیات میں وضاحت ہو گئی ہے اور ابہام باقی نہیں رہا:

(۱) "بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا. الآیۃ!" (ہود: ۴۱)

(۲) "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" (النمل: ۳۰)

اس کے بعد جبرائیلؑ ہر سُورت کے ساتھ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لے کر اُترتے تھے۔

اور ورقہ کے قول "لتکذبنّہ ولتوذینّہ" میں "ہا" سکتہ کی ہے اور ساکن ہے۔ اس کو پڑھا نہیں جائیگا اور ان کے قول "اومخرجیّ ھم" میں "یا" مشدد پڑھنا ضروری ہے کیونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اصل میں "مُخرِجُوْنِیَ" تھا۔ نُون، اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ "مخرجوی" رہ گیا۔ پھر واؤ کو "یا" میں ادغام کر دیا اور ضمّہ کو کسرہ سے بدل دیا۔ "مخرجیّ" ہو گیا اور یہ خبر مقدم ہے ابتدا کی اور اگر مبتدا اسم ظاہر ہو تو "یا" میں تخفیف جائز ہے۔ اس وقت اسم ظاہر فاعل ہوگا، مبتدا نہیں ہوگا۔ جیسے "اضارب قومك اخارج اخوتك"۔ اس وقت صیغہ صفت کا مفرد آئیگا۔ کیونکہ اس وقت اس نے فاعل ظاہر کو رفع دی ہے اور سیبویہ اور اخفش کے نزدیک یہ فصیح ہے۔

وطن سے اِخراج نفس پر شاق ہے!

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جب انہوں (ورقہ) نے آپ ﷺ سے کہا کہ: "آپؐ کی تکذیب کی جائیگی"، تو آپؐ خاموش رہے اور جب انھوں نے یہ کہا کہ: "آپؐ کو ایذا دی جائے گی"، پھر بھی خاموش رہے۔ اور جب انہوں نے کہا: "آپؐ اپنے وطن سے نکال دیے جائیں گے": تو آپؐ جھٹ بول اُٹھے "کیا وہ مجھ کو وطن سے نکال دیں گے؟" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن کی محبت انسان کے

ریشے ریشے میں سمائی ہوئی ہے اور اس کی مفارقت نفس پر شاق گزرتی ہے۔ خصوصاً جب کہ وطن حرم ہو اور اللہ تعالیٰ کے گھر کا قرب حاصل ہو اور آپؐ کے جدِ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شہر ہو۔ اس لیے وطن سے نکالنے کے ذکر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ تحریک پیدا ہوئی، جو اس سے پہلے نہیں ہوئی۔ اس لیے فوراً کہا: "کیا وہ مجھے نکال دیں گے"؟ دل کی تحریک اور اس پر وطن سے خروج کے شاق گزرنے کی دلیل ہمزہ استفہام کے بعد واؤ کا آنا ہے۔ حالانکہ سوال صرف نکالنے کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ واؤ پہلے کلام کی طرف لوٹاتی ہے، جس سے مخاطب سمجھتا ہے کہ استفہام انکار کے طور پر ہے اور متکلم کے کلام پر غم اور دکھ کے اظہار کے لیے ہے۔ (انتہیٰ کلام السہیلی)

"اِقرأ" اور "مُدّثّر" میں شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کے بیان کردہ مسائل

ہمارے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پہلے پہلے نازل ہونے والے قرآن میں چند مسائل ہیں: (۱) پڑھنے کا حکم دینا (۲) غالی فقہاء اور غالی صوفیوں کے خلاف "توکل اور سبب" دونوں سے کام لینا (۳) توکل کا مقتضیٰ، راز جو "باسم ربک" کی اضافت میں پنہاں ہے (۴) اللہ تعالیٰ کو وصفِ خلق کے ساتھ موصوف کرنا، جو اس کے وجود کی سب سے روشن دلیل ہے (۵) خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا انسان کی پیدائش کا ذکر کرنا (۶) انسان کا جمے ہوئے خون سے وجود پانا (۷) پڑھنے کا دوبار حکم دینا (۸) یہ بیان کہ اللہ تعالیٰ "اکرم" ہے (۹) قلم کے ذریعے تعلیم کے فروغ پانے کا ذکر جو چوتھے مرتبہ میں ہے (۱۰) خصوصاً انسان کو ان باتوں کی تعلیم دینا، جن کو وہ نہیں جانتا تھا (۱۱) دل اور زبان دونوں سے ذکر کرنا، اکیلے دل کے ذکر سے افضل ہے (۱۲) "من علق" کہہ کر تواضع پر ترغیب دینا (۱۳) اس میں "اپنے آپ کو پہچانو، اپنے رب کو پہچان لوگے" کا ثبوت ہے۔ (۱۴) اس بات کا ثبوت کہ علم اور ایمان قیامت تک موجود ہیں جو انکو تلاش کرے گا، پالے گا (۱۵) پہلے بیان شدہ فضل کی بنا پر اس کے آئندہ فضل کا امیدوار رہنا (۱۶) اس "کا اکرم" کی صفت کے ساتھ موصوف ہونا (۱۷) خلق اور تعظیم دونوں کو جمع کرنا (۱۸) توحید کی طرف راہنمائی کرنا (۱۹) نبوت پر دلالت کرنا (۲۰) جہمیہ کی تردید (۲۱) استحالہ سے چیز پاک ہوجاتی ہے (۲۲) قدریہ کی تردید (۲۳) جبریہ کی تردید (۲۴) ابتدا کے نقص کا نہیں، بلکہ انجام کے کمال کا اعتبار ہے (۲۵) علم کے شرف کا بیان۔

"یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" سے ثابت ہونے والے مسائل

اللہ تعالیٰ کے فرمان "یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" میں چند مسائل کا بیان ہے (۱) دعوت الی اللہ آپؐ کی اپنی ذات تک محدود نہیں (۲) "الْمُدَّثِّرُ" کے لقب سے آپؐ کو مخاطب کرنا (۳) داعی کو سب سے پہلے اپنے عیوب کی اصلاح کرنا چاہیئے (۴) علم اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا (۵) بتوں کو چھوڑنا (۶) اللہ تعالیٰ کا فرمان "زیادہ لینے کی نیت سے کسی کو عطیہ نہ دے" (۷) اللہ تعالیٰ کا فرمان "اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لے" جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قوت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اور وہ ہے خالص صبر۔ اس آیت میں داعی کے آداب ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے سب پر یا بعض پر عمل نہ کرنے سے دین کے سربراہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں اور ناکامی کے متعدد اسباب ہیں۔ پہلا دُنیا کی حرص، اس سے "وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" کہہ کر منع کیا۔ دوسرا محنت اور کوشش نہ کرنا۔ اس پر "یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" کہہ کر متنبہ کیا۔ تیسرا ایسے عیوب کا پایا جانا جنھیں دیکھ کر لوگ دین سے متنفر ہو جاتے ہیں جیسا کہ آج کل مبلّغین میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ چوتھا علم کی تعظیم میں کوتاہی کرنا، جو در اصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کوتاہی ہے۔ پانچواں دعوت و تبلیغ کی تکلیفوں پر صبر نہ کرنا۔ چھٹا اخلاص کا ناپید ہونا۔ ساتواں معصیت خصوصاً بُت پرستی کو ترک نہ کرنا، حالانکہ لوگوں کے حق میں یہی سب سے مضر چیز ہے۔ یہ تطہیر ثیاب کا حصّہ ہے، لیکن اس کی اہمیّت کے پیش نظر اس کو الگ ذکر کیا ہے۔

"اِقْرَاْ" اور "الْمُدَّثِّرُ" میں ذکر ہونے والے مسائل

(۱) "اِقْرَاْ" کے شروع میں علم طلب کرنے کا، اور "الْمُدَّثِّرُ" کے شروع میں اس پر عمل کرنے کا حکم ہے (۲) "اِقْرَاْ" کے شروع میں آپ ﷺ پر اللہ کے انعام کا، اور "المدثر" کے شروع میں آپ ﷺ پر اللہ تعالےٰ کے حق کا ذکر ہے[۱] (۴) "اِقْرَاْ" کے شروع میں استعانت، اور "المدثر" کے شروع میں صبر کی تلقین ہے (۵) "اِقْرَاْ" کے شروع میں خالص استعانت، اور "المدثر" کے شروع میں خالص صبر کا حکم ہے (۶) "اِقْرَاْ" کے شروع میں استعانت، اور "المدثر" کے شروع میں عبادت کی طرف راہنمائی کی گئی ہے (۷) "اِقْرَاْ" کے شروع میں متعلّم، اور "المدثر" کے شروع میں

[۱] تیسری چیز اصل کتاب میں مذکور نہیں، شاید لکھتے وقت کاتب سے رہ گئی ہے۔

عالم کے آداب کا ذکر ہے (۸) "اِقرأ" کے شروع میں اللہ کی اور نفس کی معرفت، اور "المدثر" کے شروع میں امر اور نہی کا بیان ہے (۹) "اِقرأ" کے شروع میں نفس اور رب کی معرفت، اور "المدثر" کے شروع میں عملِ ذاتی اور عملِ متعدّی الی الخیر کی تعلیم ہے (۱۰) "اِقرأ" کے شروع میں اسماء و صفات کے اصل علم اور قدرت، اور "المدثر" کے شروع میں امر و نہی کے اصل توحید کے امر نیز شرک سے نہی کا بیان ہے (۱۱) "اِقرأ" کے شروع میں قلم کا، جس پر علم کا دار و مدار ہے۔ اور "المدثر" کے شروع میں صبر، جس پر عمل کا دار و مدار ہے۔ کا ذکر ہے (۱۲) "اِقرأ" کے شروع میں توکّل کا، جس سے مغلق مسئلہ کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ اور "المدثر" کے شروع میں صبر کا بیان ہے، جو یہی کام سرانجام دیتا ہے (۱۳) "اِقرأ" کے شروع میں عملِ ذاتی، اور "المدثر" کے شروع میں عملِ متعدّی الی الخیر کا ذکر ہے (۱۴) "اِقرأ" کے شروع میں خبر سے تعلّق رکھنے والی چھ چیزوں، اور "المدثر" کے شروع میں "انشاء" سے متعلق چھ چیزوں کا بیان ہے (۱۵) "اِقرأ" کے شروع میں مخلوق کی ابتداء، اور "المدثر" کے شروع میں اس کی حکمت مذکور ہے (۱۶) "اِقرأ" کے شروع میں انسان کے اصل مادہ، اور "المدثر" کے شروع میں اس کے کمال کا ذکر ہے۔ (۱۷) "اِقرأ" کے شروع میں ربوبیتِ عامہ، اور "المدثر" کے شروع میں ربوبیتِ خاصہ کا ذکر ہے (۱۸) "اِقرأ" کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اِعقِلها وَ تَوَکَّل" کی دلیل ہے، اور "المدثر" کے شروع میں صبر کا ذکر ہے۔ جس کا ایمان میں وہی درجہ ہے، جو سر کا جسم میں ہے (۱۹) "اِقرأ" کے شروع میں ابتداء نبوّت، اور "المدثر" کے شروع میں ابتداء رسالت کا ذکر ہے۔ (۲۰) دونوں سورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اَلعِلمُ قَبلَ العَمَلِ" کا ثبوت ہے۔ انتہیٰ کلام شیخنا۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سرداران مکّہ شاہِ رُوم کے دربار میں

صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب نے اُن کو خبر دی کہ جب وہ قریش کا ایک قافلہ لے کر صلح حدیبیہ کے زمانے میں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان وغیرہ کفارِ مکّہ کے درمیان انجام پائی تھی، بغرضِ تجارت مُلکِ شام میں گئے ــــ ہرقل شاہِ رُوم نے ان کو پیغام بھیجکر اپنے پاس بُلایا۔ شاہِ رُوم اُس وقت بیت المقدس میں مقیم تھا۔ یہ وہاں پہنچے اور اپنی آمد کی اطلاع دی، تو اس نے دربار منعقد کیا اور اپنے ارد گرد درجہ بدرجہ عظمائے رُوم کو بٹھایا۔ پھر ان کو دربار میں طلب کیا اور ساتھ ہی ترجمان کو بُلایا اور ان سے پُوچھا "جس آدمی نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے ــــ

تم میں سے زیادہ اُس کا قریبی رشتہ دار کون ہے"؟ ابوسفیانؓ کہتے ہیں: مَیں نے کہا: "مَیں رشتے میں اس کے زیادہ قریب ہوں"۔ اس پر بادشاہ نے کہا: "اس کو میرے قریب لے آؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے نزدیک بٹھا دو"۔ پھر اس نے ترجمان سے کہا: "ان سے کہو، مَیں اس سے اُس آدمی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹ بولے، تو اس کی تکذیب کریں"۔ وَاللہ! اگر اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ یہ میرے جھوٹ کو نقل کریں گے، تو مَیں آپ ﷺ کے متعلق جی بھر کر جھوٹ بولتا۔ پھر اُس نے مجھ سے پہلے یہ پُوچھا، "تم میں اس کا خاندان کیسا ہے"؟ مَیں نے کہا: "وُہ ہم میں سے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے"۔ پھر پُوچھا: "کیا تُم میں سے کسی نے اس سے پہلے بھی یہ دعوٰی کیا تھا؟" مَیں نے کہا "نہیں"۔ اُس نے کہا "کیا اس کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے"؟ مَیں نے کہا "نہیں"۔ اُس نے کہا کہ "اس کے متبع سردار لوگ ہیں یا ضعیف و حقیر"؟ مَیں نے کہا: "کم حیثیت اور کمزور لوگ اس کے پیچھے لگے ہیں"۔ اُس نے کہا: "ان میں دِن بدن اضافہ ہوتا ہے یا کمی"؟ مَیں نے کہا: "ان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے"۔ اُس نے پُوچھا: "کیا مُسلمان ہونے کے بعد ان میں سے کوئی اس کے دین کو بُرا سمجھ کر مرتد ہوتا ہے"؟ مَیں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا کہ "کیا اس دعوے سے پہلے تم کو اس کے جھوٹ کا تجربہ ہوا"؟ مَیں نے کہا "نہیں"! اُس نے کہا: "کیا وُہ کبھی عہد شکنی کرتا ہے"؟ مَیں نے کہا: "نہیں"۔ ہاں اَب ہمارے ساتھ اس کا ایک معاہدہ ہُوا ہے معلوم نہیں، وُہ کیا کردار ادا کرے"؟ ابُوسفیانؓ نے کہا کہ اِس سوال کے اِس جواب کے علاوہ مجھے موقع نہیں مِلا کہ مَیں اس میں کوئی خلافِ واقعہ بات شامل کرُوں۔ بادشاہ نے کہا: "کیا تم نے اس سے کبھی لڑائی بھی کی ہے"؟ مَیں نے کہا: "ہاں"! اس نے کہا: "اس لڑائی کا کیا نتیجہ نکلا"؟ مَیں نے کہا: "ہمارے اور اس کے درمیان لڑائی، کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے۔ کبھی وُہ ہمیں شکست دیتا ہے اور کبھی ہم اسے شکست دیتے ہیں"۔ پھر اس نے کہا: "وُہ تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے"؟ مَیں نے کہا: "وُہ کہتا ہے: اَللہ کی عبادت کرو، جو اکیلا ہے اور کِسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دو۔ اور وُہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے"۔ پھر اُس نے اپنے ترجمان سے کہا: "اس سے کہو، مَیں نے تُم سے پُوچھا تھا کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟ تُم نے کہا ہے کہ وُہ ہم میں اعلیٰ خاندان سے تعلّق رکھتا ہے۔ اِسی طرح رسُول اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان سے بھیجے جاتے ہیں۔ اور مَیں نے تجھ سے پُوچھا تھا، کیا تم میں سے پہلے بھی کِسی نے یہ دعوٰی کیا تھا؟ تُم نے

کہا ہے، نہیں۔ اِس سے مَیں اِس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ اگر کِسی نے پہلے یہ دعوٰے کیا ہوتا، تو مَیں سمجھتا کہ یہ ایک ایسا دعوٰے کرتا ہے، جو اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اَور مَیں نے تجھ سے پُوچھا تھا کہ اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تُو نے کہا نہیں۔ مَیں کہتا ہُوں، اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو مَیں کہتا، یہ اپنے باپ کی بادشاہی حاصل کرنے کے لیے یہ دعوٰی کرتا ہے۔ اَور مَیں نے تجھ سے پُوچھا تھا کہ تُم نے اُس کے اِس دعوے سے پہلے اس کا کوئی جھُوٹ معلوم کیا ہے؟ تُم نے کہا، نہیں۔ مَیں اس سے اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ جس شخص نے آج تک لوگوں پر جھُوٹ نہیں بولا، وُہ اللہ تعالیٰ پر کِس طرح جھُوٹ بولے گا؟ اور مَیں نے تجھ سے سوال کیا ہے: کیا سردار لوگ، اس کی پَیروی کرتے ہیں یا کمزور اور حقیر لوگ؟ تُم نے کہا کمزور اور حقیر لوگ! ۔ تو رسُولوں کے پَیروکار ایسے ہی ہوتے ہَیں۔ اَور مَیں نے تُجھ سے پُوچھا تھا، کیا دِن بدن ان میں اضافہ ہوتا ہے یا کمی واقع ہو جاتی ہے؟ تُو نے ذِکر کیا ہے کہ ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اَور ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہے، حتیٰ کہ وُہ پُورا ہو جاتا ہے۔ اَور مَیں نے تجھ سے پُوچھا ہے کہ کیا ان میں سے کوئی اس کے دین سے ناراض ہو کر مُرتد بھی ہوتا ہے؟ تُو نے ذِکر کیا ہے کہ نہیں۔ اَور ایمان کا حال ایسا ہی ہے، جب اس کی حلاوت دِلوں میں رَچ بس جاتی ہے۔ اَور مَیں نے تُجھ سے پُوچھا تھا کہ وُہ غدر اور عہد شکنی بھی کرتا ہے؟ تُو نے ذِکر کیا ہے کہ نہیں۔ اِسی طرح رسُول عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔ اَور مَیں نے تُجھ سے پُوچھا ہے کہ وُہ تمھیں کِس چیز کا حکم دیتا ہے؟ تُو نے ذِکر کیا ہے کہ وُہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تُم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کِسی کو شریک نہ کرو۔ اور وُہ تم کو بُتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ اَور تم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر تُم سچ کہتے ہو تو وُہ وقت دُور نہیں کہ وُہ اس جگہ کا مالِک بن جائے گا، جہاں مَیں کھڑا ہُوں۔ مجھے یہ علم تھا کہ وُہ پَیدا ہونیوالا ہے، مگر میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وُہ تُم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ مَیں اس تک پہنچ سکتا ہُوں، تو مَیں تکلیف اُٹھا کر بھی اس سے مُلاقات کرتا۔ اگر مَیں اس کے پاس ہوتا تو مَیں اس کے پاؤں دھوتا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کی وُہ چِٹھی منگوائی، جو آپ ﷺ نے دِحیہ کلبیؓ کے ہاتھ عظیم بصری کو بھیجی تھی اور عظیم بصری نے ہرقل کو پہنچائی تھی۔ پھر اس کو پڑھا، تو اس میں یُوں لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول محمد (ﷺ) کی طرف سے رُوم کے عظیم آدمی ہرقل

کی طرف! جو شخص ہدایت قبول کرے، اس پر سلامتی ہو۔ امّا بعد! مَیں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہُوں کہ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمھیں دو گنا ثواب دیگا۔ اور اگر تم نے مُنہ پھیرا تو یاد رکھو کہ تمھاری رعیت کا گُناہ بھی تم پر ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دُوسرے کو اپنا ربّ سمجھیں پس اگر مُنہ پھیر جائیں، تو اُنکو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"۔

ابُوسفیانؓ نے کہا: جب اُس نے وُہ باتیں کہیں، جو پہلے گزر چکی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چٹھی پڑھ کر فارغ ہُوا تو دربار میں شور وغل مچ گیا۔ ہمارے خلاف آوازیں بلند ہُوئیں اور ہمیں دربار سے نکال دیا گیا۔ جب ہم باہر آئے تو مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "ابنِ ابی کبشہ (رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا معاملہ بہت بڑھ گیا ہے۔ اس سے تو رُوم کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے"۔

بیت المقدس کا گورنر، ہرقل کا دوست اور شام کے عیسائیوں کا لاٹ پادری ابن ناظور کہتا ہے کہ جب ہرقل بیت المقدس آیا تو ایک دن وُہ بڑا ڈرا ہُوا اور خوف زدہ نظر آیا۔ اس کے ارکینِ دربار نے اس سے پُوچھا: "ہم نے آپ کی حالت کو بگڑا ہُوا پایا ہے، اس کا کیا سبب ہے؟" ابنِ ناظور کہتا ہے کہ ہرقل علمِ نجُوم کا ماہر تھا۔ وُہ ستاروں میں دیکھا کرتا تھا۔ اُس نے ان کے جواب میں کہا: "مَیں نے آج رات ستاروں میں غور کیا تو معلوم ہُوا کہ ہماری جگہ کسی ختنہ کرنے والی قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ بتاؤ بنی نوعِ انسان میں سے کون لوگ ختنہ کرتے ہیں"؟ اُنھوں نے کہا: "یہودیوں کے سوا کوئی قوم ختنہ نہیں کرتی اور ان کے بارے میں آپ کو فکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں، آپ اپنی عملداری کے سارے شہروں کی طرف لکھ بھیجیں کہ ان میں آباد سب یہودیوں کو قتل کر دیا جائے"۔ وُہ ابھی اِس قسم کے تذکرہ میں لگے ہُوئے تھے کہ ہرقل کے رُوبرُو ایک آدمی پیش کیا گیا، جس کو غسّان کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ وُہ آدمی اُس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر بیان کرتا تھا۔ جب ہرقل نے بھی اِس سے تفصیل پوچھ لی، تو کہا: "اِس کو علیحدگی میں لے جاؤ اور دیکھو اس نے ختنہ کیا ہُوا ہے؟" اُنھوں نے دیکھا، اور بیان کیا کہ "اس نے ختنہ کیا ہوا ہے"۔ بادشاہ نے اس سے عربوں کے متعلّق پُوچھا، تو اُس نے کہا "سب عرب ختنہ کرتے ہیں"۔ یہ سُن کر ہرقل نے کہا: "اِس قوم کی حکُومت ظاہر ہوتی ہے"۔ پھر ہرقل

نے رومیہ میں رہنے والے اپنے ایک دوست کی طرف خط لکھا، جو علمِ نجوم میں اس کی طرح ماہر تھا۔ اور خود بیت المقدس سے چل کر اپنے دارالخلافہ حمص میں آگیا اور وہیں رہا۔ یہاں تک کہ رومیہ میں رہنے والے اُسکے اُس دوست کا جواب آگیا، جس نے آنحضرت ﷺ کے ظہور پر ہرقل کی موافقت کی اور اقرار کیا کہ وُہ نبی برحق ہے۔ پھر ہرقل نے رُوم کے بڑے بڑے مدبّروں اور ارکینِ دَولت کو حمص میں اپنے محل میں جمع کیا اور دروازوں کو تالے لگا دینے کا حُکم دیا۔ پھر اُوپر سے اُس نے انکی طرف دیکھا اور کہا: "اے گروہِ رُوم! اگر تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو۔ نیز یہ چاہتے ہو کہ تمھاری حکومت قائم رہے، تو اس نبیؐ پر ایمان لے آؤ اور اس کی اتّباع کرو"۔ لیکن وُہ یہ سُنتے ہی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، مگر وہاں جاکر دیکھا، تو اُن پر تالے لگے ہُوئے تھے۔ اور باہر جانے کے تمام راستے مسدُود تھے۔ جب ہرقل نے ان کی اس نفرت کو دیکھا اور ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا، تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وُہ آگئے، تو اُس نے کہا کہ "مَیں نے جو بات ابھی کہی ہے، اس سے مَیں دین کے متعلق تمھاری پختگی اور استقامت دیکھنا چاہتا تھا، جو مَیں نے دیکھ لی ہے"۔ یہ سُن کر وُہ اس کے قدموں پر گر پڑے۔ اُس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے یہاں پہنچکر ہرقل بادشاہ کا قصّہ ختم ہوگیا ہے۔

فصل (اوّلیں ایمان لانے والے)

جب رسُول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی، تو ہر قبیلہ میں سے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہی۔ سب سے پہلے صدّیقۃ النساء حضرت خدیجہؓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول ﷺ پر ایمان لائیں اور صدّیقیت کے تمام تقاضوں کو پُورا کیا۔ ابنِ اسحٰقؒ لکھتے ہیں کہ وُہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول ﷺ پر ایمان لائیں۔ جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا، اس کی تصدیق کی اور ہر معاملہ میں آنحضرت ﷺ کو تقویت پہنچائی۔ چنانچہ اُن کی وجہ سے آپ ﷺ کا کافی بوجھ ہلکا ہُوا۔ جب کبھی آپؐ کفّار کیطرف سے تردید یا تکذیب سنکر کبیدہ خاطر ہُوئے تو یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں جن کی حوصلہ افزائی سے آپ ﷺ کا غم دُور ہوتا تھا۔ وُہ ہر وقت آپ ﷺ کو تسلّی دیتی رہتی تھیں اور جب

تک زندہ رہیں، برابر آپ ﷺ کے لیے اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر کا سامان مہیا کرتی رہیں۔

ابنِ قیّم کہتے ہیں: جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے" تو انھوں نے آپ ﷺ کو بشارت دی اور کہا، بخدا! اللہ تعالیٰ آپکو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ سے ایسے اخلاقِ فاضلہ، خصالِ حمیدہ اور اوصافِ کریمہ کا حامل کبھی ذلت کا منہ نہیں دیکھتا۔ انھوں نے اپنی کمالِ دانشمندی سے معلوم کر لیا تھا کہ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ۔ عزت افزائی، تائید اور احسانِ الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ صرف اعمالِ بد اور عاداتِ قبیحہ کا بدلہ ہی رسواکن عذاب کی صورت اختیار کرتا ہے۔ آپؓ اسی عقلمندی اور صدّیقیت کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے دو رسولوں، جبرائیلؑ اور محمد ﷺ کی معرفت سلام بھیجا اور رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان کو جنّت میں موتیوں کے گھر کی خوش خبری دیں، جس میں نہ کسی طرح کی کچھ تھکاوٹ ہوگی اور نہ کسی قسم کا شوروغل ہوگا۔ آپؓ پہلی خاتون ہیں جن سے حضور ﷺ نے شادی کی، اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں کسی بیوی سے شادی نہیں کی، اور آپ ﷺ کی ساری اولاد ان ہی کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔

پھر ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ آپؓ کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ بن کعب ہے۔ آپؓ مرہ میں آنحضرت ﷺ سے ملتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؓ کا نام عتیق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عتیق آپکا لقب ہے جو خوبصورتی کی وجہ سے عطا ہوا۔ آپؓ کے والد ابو قحافہ کا نام عثمان ہے۔ آپؓ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کیا، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دینے لگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نرمی کی وجہ سے اپنی برادری میں ہر دل عزیز تھے۔ سب لوگ آپؓ سے محبّت کرتے تھے۔ قریش کے نسب کو سب قریشیوں سے زیادہ جانتے تھے اور اپنی برادری کی خوبی اور برائی سے خوب آگاہ تھے۔ بڑے ملنسار اور خوش اخلاق تاجر تھے۔ برادری کے لوگ آپکی تجارت، حُسنِ اخلاق اور بہترین ہم نشینی کی وجہ سے آپؓ کے گرد جمع رہتے تھے اور آپؓ سے محبّت رکھتے تھے، چنانچہ آپؓ کی تبلیغ ہی سے مندرجہ ذیل اکابر صحابہؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے:

حضرت عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ، سعدؓ بن ابی وقاص اور ابو وقاص کا نام مالک بن وہب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب تھا۔ زبیرؓ بن عوام بن خویلد بن سعد بن عبدالعزّٰی بن قصیؒ عبدالرحمٰنؓ بن عوف بن عبدِ عوف بن عبد بن زہرہ، طلحہؓ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ یہ سب حضرات عشرہ مبشرہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت علیؓ بن ابی طالب بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپؐ ہی کے گھر میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے قحط سالی کی وجہ سے اپنے چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے انکو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زیدؓ بن حارثہ نے بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے میں دُوسروں سے سبقت کی۔ یہ دَراصل حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ سے شادی کے بعد انھوں نے آپؐ کو ہبہ کر دیا تھا۔ زیدؓ کے وَالِد اور چچا فدیہ دے کر اُن کو لینے کے لیے مکّہ آئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، تو پتہ چلا کہ آپؐ مسجد میں مصرُوفِ عبادت ہیں۔ دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: "اے ابنِ عبدالمطلب! اے ابنِ ہاشم! اے اپنی قوم کے سردار کے بیٹے!! آپ لوگ حرم کے رہنے والے، اللہ تعالیٰ کے ہمسائے ہیں۔ قیدیوں کو چھڑاتے اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم اپنے لڑکے کو لینے آئے ہیں ـــ جو آپؐ کا غلام ہے۔ اس کی قیمت لے کر احسان فرمائیں اور اس کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں" آپؐ نے پُوچھا "وُہ کون ہے"؟ کہنے لگے "زید بن حارثہ" آپؐ نے فرمایا: "کیا مَیں اس سے اچّھا طریقہ اختیار نہ کرُوں"؟ بولے "وُہ کیا ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: "مَیں اس کو بُلا کر تمہارے ساتھ جانے کا اختیار دیتا ہُوں۔ اگر وُہ جانا چاہے، تو بِلا قیمت لے جاؤ۔ اور اگر وُہ میرے پاس رہنا چاہے، تو بخُدا! جو میرے پاس رہنا چاہتا ہے، مَیں اُس کو کسی دُوسرے کے سپرد نہیں کرُونگا" دونوں بیک زبان بولے "ٹھیک ہے۔ آپؐ نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے زیدؓ کو بُلایا اور پوچھا "یہ آدمی کون ہیں"؟ زیدؓ نے کہا: "یہ میرا باپ اور یہ میرا چچا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "تُم مجھے اور میرے حُسنِ سلُوک کو بھی جانتے ہو۔ مَیں تمھیں اختیار دیتا ہوں کہ میرے پاس رہو یا ان کے ساتھ چلے جاؤ"۔ زیدؓ نے کہا: "مَیں آپؐ کو چھوڑ کر کسی کے ساتھ جانا پسند نہیں کرتا۔ آپؐ میرے لیے میرے باپ اور میرے چچا کا نعم البدل ہیں"۔ وُہ دونوں کہنے لگے "زید! بڑا افسوس ہے! تُم آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ، چچا اور پُورے خاندان پر ایک دُوسرے آدمی کو ترجیح

دے رہے ہو؟" کہنے لگے "ہاں! ٹھیک ہے، مَیں نے ان کے ہاں وُہ پیار اور وُہ سکون پایا ہے کہ اس کے بدلے میں مَیں کسی کو پسند نہیں کر سکتا" جب آپؐ نے زیدؓ کا یہ فیصلہ سُنا تو آپؐ اس کو لے کر حطیمِ کعبہ میں آئے اور فرمایا: "اے اہلِ مسجد! گواہ رہو۔ آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے، مَیں اس کا وارث بنوں گا اور یہ میرا وارث بنے گا" یہ دیکھ کر زیدؓ کا باپ اور اُن کا چچا بہت خوش ہُوئے اور مطمئن ہو کر واپس چلے گئے اور اس دن سے زیدؓ کو "زید بن محمدؐ" کہہ کر پکارا جانے لگا۔ یہاں تک کہ اسلام آیا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم: "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ[1]" "اُن کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف والی چیز ہے"، کے ساتھ اس رواج کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس دن سے پھر زید کو زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ معمر نے اپنی جامع میں لکھا ہے: "ہمیں معلُوم نہیں کہ زیدؓ بن حارثہ سے پہلے کوئی شخص اسلام لایا ہے۔ اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور اس کے رسولؐ نے بھی اس پر انعام کیا ہے اور اس کا نام لے کر اس کا ذکر کیا ہے"۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے ہیں۔ ابوعمرو کہتے ہیں، "سلمان فارسیؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، جابرؓ، ابوسعید خدریؓ، زید بن ارقمؓ، ابن شہابؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی نظریہ ہے"۔ بعض کہتے ہیں، "سب سے پہلے اسلام لانے والے شخص ورقہ بن نوفل ہیں"۔ جامع ترمذی میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اچھی حالت میں دیکھا، اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے انہیں سفید لباس پہنے دیکھا۔

ابنِ صلاح کہتے ہیں کہ "بہتر یہ ہے کہ ان مختلف احادیث میں یُوں تطبیق دی جائے کہ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ابوبکر صدیق، نوعمر بچوں میں سے سب سے پہلے علی، عورتوں میں سے سب سے پہلے خدیجہ، آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے زید بن حارثہ اور غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرتِ بلال اسلام لائے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) انتہیٰ!

ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ "سب سے پہلے حضرتِ ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا" اور وُہ حسّان بن ثابتؓ کے اِس قول سے دلیل پکڑتے ہیں:

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقۃٍ　　فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا

"جب تمھیں کسی قابلِ اعتماد بھائی کی طرف سے کوئی خوشی کی بات یاد آئے تو ابُوبکر صدّیقؓ کا کردار بھی یاد کرو"

---

[1] الاحزاب: ۵

التالی الثانی المحمود مشهدہٗ و اوّل الناس طرا صدق الرسلا

"آپؐ کا ساتھ کرنے والا دوسرا آدمی جس کی موجودگی لائق تعریف ہے۔ اور جس نے سب سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔"

خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا بعد النبیؐ واوفاھا بما حملا

"جو نبیؐ کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، زیادہ پرہیزگار، زیادہ انصاف پرور، اور اپنی ذمہ داری کو زیادہ پورا کرنے والا ہے۔"

اور انھوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ تعالیٰ کے یہ اشعار سُنے اور انکار نہیں کیا۔ ان کے علاوہ عمرو بن عبسہ سلمیؓ اور خالدؓ بن سعید بن عاص بن امیہ اسلام لائے۔ بلالؓ، خالدؓ، سعدؓ، عمرؓ اور علیؓ تو پہلے مسلمان ہوئے۔ اور ان کے بعد درج ذیل حلقہ بگوش اسلام ہوئے:

ابو عبیدہؓ: ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن وہب بن ضبہ بن حارث ہے۔

ابو سلمہؓ: بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ۔

عثمانؓ: بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن ہصیص بن کعب بن لوی۔

ان کے بھائی قدامہؓ بن مظعون بن حبیب۔

عبداللہؓ۔

سعیدؓ: بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔

ان کی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب۔

سعیدؓ کے والد زید نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کو چھوڑ دیا تھا اور ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن یہ اکیلا ایک اُمت کے قائم مقام اُٹھے گا۔"

ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے حضرت عباسؓ کی بیوی حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لائی تھیں۔

عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب۔

عمیر بن ابی وقاص، سعد بن ابی وقاص کے بھائی۔

عبداللہ بن مسعودؓ، بنو زھرہ کے حلیف۔ یہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان کے اسلام کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کی بکریوں میں سے ایک ایسی بکری سے دودھ دوھنے کا ارادہ کیا، جو کبھی حاملہ نہیں ہوئی تھی؛ انہوں نے دیکھا تو بکری کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے

مسعود بن ربیعہ بن عمرو بن سعد۔

سلیط بن عمرو بن ود بن نصر بن مالک بن عامر بن لوی۔

عیاش بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

ان کی بیوی اسما بنت مخرمہ تمیمیہ۔

خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سہم بن عمرو بن ہصیص۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہ حفصہ بنت عمر بن الخطاب کے شوہر تھے۔

عامر بن ابی ربیعۃ العنزی۔ یہ لفظ نون کے سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ عنزہ بن وائل کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، جو ربیعہ کی ذیلی شاخ ہے اور آلِ خطاب کا حلیف ہے۔

عبداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ حلیف بنی امیہ۔ ان کے بھائی ابو احمد بن جحش، یہ نابینا تھے۔

جعفر بن ابی طالب۔

ان کی بیوی اسما بنت عمیس۔

حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل بن عبداللہ۔

ان کے بھائی خطاب بن حارث۔

ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار۔

معمر بن حارث بن معمر بن حبیب۔

سائب بن عثمان بن مظعون۔

مطلب بن ازہر بن عبد عوف بن عبدالحارث بن زہرہ۔

مطلب کی بیوی رملہ بنت ابی عوف بن ضمرہ بن سہم۔

نحام، ان کا نام نعیم بن عبداللہ بن اسد بن عبداللہ بن عوف بن عبداللہ بن عوف بن عدی بن کعب ہے۔

عامر بن فہیرہ ازدی۔ فہیرہ ان کی والدہ کا نام ہے، جو حضرت ابوبکر کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔

امیمہ بنت خالد خزاعیہ، خالد بن سعید بن عاص کی بیوی۔

حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد مناف۔

واقد بن عبداللہ بن عبد مناف، حلیف بنی عدی۔

خباب بن ارت بن جندلہ بن خزیمہ، جو نسبتِ ولاء کی وجہ سے خزاعی، اور حلف کی وجہ سے زہری تھے۔

خالد بن بکیر۔

عامر بن بکیر۔

عاقل بن بکیر۔

ایاس بن بکیر، یہ چاروں بھائی بنو عدی کے حلیف تھے۔

عمار بن یاسر بن عامر بن مالک، حلیف بنی مخزوم۔

یاسر، عمار کے والد۔

صہیب بن سنان بن مالک رومی، یہ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ ابو عمر نے ان کو سابقین اولین میں ذکر کیا ہے۔

عتبہ بن مسعود، مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود کے بھائی۔ رضی اللہ عنہما!

ابن اسحٰق کہتے ہیں: پھر لوگ مرد اور عورتیں فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا اور اس کے قریش کے گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ خدا کے احکام لوگوں کو کھلم کھلا سنائیے، اور اسلام کی طرف لوگوں کو عام دعوت دیجئے! اور میری معلومات کے مطابق دین کو چھپانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے برسرِ عام منادی کرنے کے اس حکم کے درمیان تین سال کا عرصہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اُتارا: "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ"[1] "جو حکم آپؐ کو ملا ہے، کھلم کھلا سنا دیجئے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ نیز فرمایا: "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ"[2] "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے" اس فرمان کے مطابق جب آپؐ نے کھلم کھلا اعلان کیا اور اسلام کی

[1] الحجر ۹۴ [2] الشعراء ۲۱۴

برسرِ عام منادی کی، تو پہلے پہل آپؐ کی قوم آپؐ سے دُور نہیں بھاگی، اور نہ انھوں نے آپؐ کی تردید کی جب آپؐ نے ان کے معبُودوں کا ذکر کیا اور ان کے عیب گِن گِن کر سُنائے، تو اُنھوں نے اس کو آپؐ کی ایک ناجائز حرکت سمجھا اور ان معدودے چند لوگوں کے سوا جِن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دَولت سے مالا مال کر دیا تھا اور چھپ چھپ کر زندگی کے دن پُورے کر رہے تھے، پُوری کی پُوری قوم آپؐ کی مخالف ہوگئی اور برملا طور پر آپؐ سے دشمنی کرنے لگی۔ اس وقت ابوطالب ان کے آڑے آئے اور انہوں نے کھل کر آپؐ کی حمایت کی۔ چونکہ وُہ قریش میں ایک عظیم المرتبہ سردار تھے، مکہ والے اُن کا احترام کرتے تھے، اِس لیے کسی کو آپؐ کے خلاف کھلم کھُلا ایذارسانی کا موقع نہیں ملا۔ ابنِ قیّمؒ کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی اسی میں حکمت تھی کہ وُہ اپنی قوم کے دین پر قائم رہیں۔ اس میں ایسی مصلحتیں تھیں، جو غور و فکر سے کام لینے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔"

دُوسرے صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ جس کی اس کے قبیلے نے حمایت کی، وُہ تو دشمنوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننے سے محفوظ رہا۔ اور جس کو اس قسم کی حمایت میسّر نہیں آئی، اس کو انتہائی گھناؤنے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ ان میں عمار بن یاسرؓ، اُن کی والدہ اور سارے خاندان والے سرِفہرست ہیں۔ انھیں اللہ کے بارے میں سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ آنحضرت ﷺ ان کی سزاؤں کو دیکھتے تو فرماتے: "اے آلِ یاسرؓ! صبر سے کام لو، جنّت تمھارا انتظار کر رہی ہے۔"

رسُول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو شدید ترین عذاب کا سامنا کرنا پڑا جس کا بدلہ انھیں آخرت میں ملے گا۔ اللہ کے دشمن ابوجہل نے حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انتہائی بیدردی سے قتل کیا۔ حضرتِ بلالؓ کے مالک، جو بنو جمح سے تعلق رکھتے تھے، بلالؓ کو مکّہ مکرّمہ کی سخت گرمی میں انتہائی گرم پتھروں پر لٹا دیتے اور اُن کے سینے پر بہت بڑا پتّھر رکھ دیتے۔ کبھی سخت گرمی میں ان کو لوہے کی قمیص پہنا دیتے اور گردن میں رسّی باندھ کر لڑکوں کو پکڑوا دیتے، اور وُہ آپؓ کو مکّہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور بلالؓ حصُولِ ثواب کے لیے اللہ کے راستے میں یہ سب مصیبتیں جھیلتے۔ اور جب عذاب حد سے بڑھتا، تو زبان سے "اَحَد اَحَد" پکارتے۔ ان ہی حالات میں سلمہؓ بن ہشام و ولیدؓ بن ولید بن مغیرہ اور ابوحذیفہؓ ھشیمؓ بن عتبہ بن ربیعہ وغیرہ بھی اسلام لے آئے، اور کمزور مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے۔ حضرتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفّار کے ستم رسیدہ کئی غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا۔ ان میں حضرتِ بلالؓ اُنکی

والدہ حمامہؓ اور عامرؓ بن فہیرہؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے اُمّ عبسؓ، زنیرہؓ، ان کی بیٹی نہدیہؓ اور بنو عدی کی لونڈی کو بھی جس کو عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے سخت عذاب دیتے تھے، کُفّار کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی۔ کہتے ہیں؛ یہ دیکھ کر ان کے والد ابو قحافہؓ نے ایک روز کہا "بیٹا! میں دیکھتا ہوں کہ تم انتہائی کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو، جو تمہاری کسی طرح مدد نہیں کر سکتے۔ اگر طاقت ور اور مضبوط غلاموں کو آزاد کرتے تو وہ مصیبت کے وقت تمھارے کام آتے "حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا؛" اباجی! اس کی حکمت میں ہی جانتا ہوں، دُوسرے نہیں جانتے"۔ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں ہی یہ آیت اُتری ہے:

" وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى " (الّیل : ۱۷-۱۸)

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: "آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے "جس کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی، اس نے منہ لبسورا، گھُورنے لگا اور تردّد کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ابُوبکرؓ سُنتے ہی ایمان لے آئے اور کسی قسم کے تردّد اور شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا"۔

نماز کی فرضیّت کا ذکر

ابنِ اسحٰقؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ابتدا میں ہر نماز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر دو دو رکعت فرض ہُوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضر میں چار چار رکعت مقرّر کر دی اور سفر میں وُہی دو رکعت رہنے دی۔ ابنِ اسحٰق کہتے ہیں: مجھے بعض اہلِ علم نے بتایا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر نماز فرض ہُوئی تو مکہ کی مشرقی جانب جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اور زمین پر ایڑی ماری، پانی کا چشمہ پھُوٹ پڑا۔ اس سے جبرائیلؑ نے وضوء کیا، پھر جس طرح آپؐ نے جبرائیلؑ کو وضوء کرتے دیکھا، آپؐ نے بھی وضوء کیا۔ پھر جبرائیلؑ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپؐ نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر جبرائیلؑ آسمان پر چلے گئے اور آنحضرت ﷺ نے گھر آکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تعالیٰ کو وضوء کرنے کا طریقہ سکھایا، جس طرح کہ آپؐ نے جبرائیلؑ کو وضوء کرتے دیکھا تھا۔ پھر انکو نماز پڑھائی، جس طرح آپؐ نے جبرائیلؑ کے ساتھ پڑھی تھی۔ ابنِ اسحٰق نے اس حدیث کو اِسی طرح منقطع ذکر کیا ہے۔ مگر حارث بن ابی اسامہ نے اس کو اس سند کے ساتھ موصُول بیان کیا ہے:

حدثنی الحسن بن موسٰی عن ابن لہیعہ عن عقیل بن خالد عن الزہری عن عروۃ عن اسامہ بن زید حدثنی ابی

زید بن حارثہ ۔ یعنی اسامہؓ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد زیدؓ بن حارثہ نے حدیث بیان کی کہ "جب سب سے پہلے پہل آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو جبرائیلؑ نے آکر آپؐ کو وضوء کا طریقہ سکھایا ۔ جب آپؐ وضوء سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلّو لے کر اپنی شرمگاہ پر چھڑکا" ابن ماجہ نے بھی اسی سند سے اسی مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے ۔ اور براء بن عازبؓ اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے ۔ اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ "جب سب سے پہلے پہل نماز فرض ہوئی ، تو وضوء کا طریقہ بھی سکھایا گیا تھا"۔ اس سے ثابت ہوا کہ وضوء مکہ مکرمہ میں فرض ہوا اور اس کے بارے میں آیت مدینہ منورہ میں اتری ، کیونکہ وضوء کی آیت مدنی ہے ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری" اور یہ نہیں کہا کہ "وضوء کی آیت اتاری" حالانکہ یہ وہی آیت ہے جس میں وضوء کا ذکر ہے ۔ کیونکہ وضوء پہلے فرض ہو چکا تھا ، لیکن قرآن میں اس کا ذکر نہیں تھا ۔ یہاں تک کہ سورت مائدہ کی آیت نازل ہوئی ۔

مقاتل بن سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شروع شروع اسلام میں دو رکعت صبح کے وقت اور دو رکعت شام کے وقت نماز فرض کی اور اس کی دلیل میں یہ آیت پڑھی : "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ"[1] یعنی "اپنے رب کی صبح و شام تسبیح و تحمید بیان کرو"۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اسراء سے پہلے آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ حتماً نماز پڑھتے تھے ، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں ؟ بعض کہتے ہیں کہ ایک نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور ایک نماز سورج ڈوبنے سے پہلے فرض تھی ۔ انتہیٰ ۔

نوویؒ کہتے ہیں : سب سے پہلے پہل انذار اور دعوتِ توحید فرض ہوئی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل فرض کیا ، جس طرح کہ سورہ مزمل میں اس کا ذکر ہے ۔ پھر اس کو اسی سورت کی آخری آیت کے ساتھ منسوخ کر دیا ۔ پھر مکہ میں اسراء کی رات پانچ نمازیں فرض کر کے اس کو منسوخ کیا ۔

سہیلی نے کہا ہے : ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کہ "حضر میں نماز میں زیادتی کر دی گئی" کا یہ معنیٰ ہو کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں ۔ اس صورت میں نماز کی رکعتوں اور نماز کی تعداد دونوں میں زیادتی ہوئی ہو ۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے اور ابن عباسؓ ان میں سرِ فہرست ہیں ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول "نماز فرض کر دی گئی" کا یہ معنیٰ ہو کہ اسراء کی رات پانچوں نمازیں دو دو رکعت

---

[1] غافر : ۵۵

فرض کی گئیں اور بعد میں حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ بعض رواتِ حدیث حضرت عائشہؓ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ حسن بصریؒ اور شعبیؒ بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ حضر میں نماز میں زیادتی ہجرت سے تقریباً ایک سال بعد ہوئی ہے۔ اس کو ابو عمر نے روایت کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد چار چار رکعت فرض ہو گئی۔

بعض اہل العلم نے ذکر کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا، تو آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر مکہ کی بعض گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں چھپ چھپ کر نماز پڑھتے۔ پھر شام کے وقت واپس گھر آتے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، اسی طرح کرتے رہے۔ پھر ایک دن ابوطالب نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھ لیا؛ توانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "بھتیجے! تم نے یہ کیا دین نکال لیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "چچا! یہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور ہمارے جدِ اعلیٰ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ (وکما قال) مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دین سکھانے لیے مبعوث کیا ہے۔ چچا! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ میں آپ کو اس کی نصیحت کروں اور دینِ ہدایت کی طرف آپ کو دعوت دوں۔ اسی طرح آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ میری دعوت کو قبول کریں اور اس سلسلے میں میری مدد کریں۔" اس پر ابوطالب نے کہا: "بھتیجے! میں اپنے آباؤ اجداد کے دین اور ان کے رسم و رواج کو نہیں چھوڑ سکتا، لیکن آپ اپنا کام کیے جائیں، بخدا! جب تک میرے جسم میں جان ہے، کوئی شخص آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔" کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرتِ علیؓ سے بھی پوچھا، "بیٹا تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کر لیا ہے؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا، "ابا جی! میں اللہ کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں اور وہ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔" کہتے ہیں کہ: علیؓ سے ابوطالب نے کہا، "انہوں نے تمھیں نیکی کی طرف ہی بلایا ہے، ان کے ساتھ لگے رہو۔"

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابہؓ بھی نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے جاتے اور چھپ چھپ کر نماز پڑھتے۔ ایک دفعہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت ادھر آ نکلی۔ انھوں نے صحابہؓ پر انکار کیا، اور انکے

اس طرح نماز پڑھنے پر عیب دھرنے لگے۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ اس دن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے سر پر اونٹ کا جبڑا مار کر زخمی کر دیا، جس سے خون بہنے لگا۔ اور یہ پہلا خون ہے جو اسلام میں بہایا گیا۔ انتہیٰ!

اپنی قوم کو ڈرانا

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت "وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ"[1] "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" نازل کی! تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی۔ "یَا صَبَاحَاہ!" "ہائے صبح کے وقت لوٹ پڑ گئی"۔ یہ سن کر بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ بعض لوگ تو خود آئے اور بعض نے اپنے نمائندے بھیجے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: "اے عبدالمطلب کی اولاد! اے فہر کی اولاد! اگر میں کہوں کہ اس طرف پہاڑ کے دامن میں دشمن کی فوج جمع ہے اور تم پر لوٹ ڈالنا چاہتی ہے، تو تم میری خبر پر یقین کرو گے"؟ سب نے بیک آواز کہا، "ہاں!"۔ آپ نے فرمایا، "تو پھر میں تمھیں ایک شدید ترین عذاب سے ڈراتا ہوں۔" ابولہب یہ سن کر بولا: "تَبًّا لَکَ سَائِرَ الۡیَوۡمِ" "تیرے لیے ہلاکت ہو، تو نے ہمیں اس لیے بلایا ہے"؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری "تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ"[2] یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہو۔" (متفق علیہ) صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "جب آیت "وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ" نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے عام اور خاص رشتہ داروں کو دعوت دی اور کہا: "اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو ہاشم کی جماعت! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبدالمطلب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو آگ سے بچا لے۔ بخدا! اللہ کے عذاب سے میں تمھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔ ہاں تمھارے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہے۔ جہاں تک ہو سکا، دنیا میں اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

فصل قریش کا تردد

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ دین حق کی تبلیغ اور اس کے آگے بڑھانے میں

---

[1] الشعراء: ۲۱۴ [2] اللھب: ۱

برابر محنت کرتے رہے اور مخالفین کی کوئی کوشش آپؐ کو اس راستے سے ہٹا نہ سکی۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی طرح ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے باز نہیں آتے اور انکے چچا ابوطالب ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کو قوم کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں، تو قریش کے چند شرفا۔ ابوطالب کے پاس آئے، جن میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

عتبہ اور شیبہ، ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی کے بیٹے، ابوسفیان بن حرب بن امیہ، ان کا نام صخر ہے۔ ابن ہشام نے ابوالبختری کا نام بھی ذکر کیا ہے، اس کا نام عاص بن ہشام بن حارث بن عبدالعزیٰ بن قصی ہے۔ ابن اسحٰق نے یہ نام بھی گنائے ہیں:

اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، ابوجہل اس کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم ہے۔ نبیہ اور منبہ، حجاج بن عامر بن حذیفہ کے بیٹے، عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم وغیرہ اور کہا: "اے ابوطالب! تم جانتے ہو! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دی ہیں۔ ہمارے دین کے عیب بیان کیے ہیں۔ ہمیں بے وقوف بتایا ہے اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہا ہے۔ ہمارے لیے یہ باتیں ناقابلِ برداشت ہیں۔ اس کو اس زبان درازی سے روکو، یا اس کو ہمارے حوالے کر دو۔ آخر آپ بھی تو اسی مذہب کے پیرو ہیں، جس کے پیرو ہم ہیں۔ ہم اس کا بندوبست کرلیں گے۔" ابوطالب نے بڑے ٹھنڈے دِل سے ان کی گفتگو سنی اور نرم لہجے میں جواب دیا چنانچہ وُہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

سدی کہتے ہیں، ایک دفعہ قریش نے اجتماع کیا۔ اس میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبدیغوث اور قریش کے کچھ اور سردار شریک ہوئے اور یہ تجویز منظور کی کہ آؤ ہم سب مل کر ابوطالب کے پاس چلیں اور اسے کہیں کہ وُہ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کو گالی دینے سے روکے۔ ہم اس کو اور اس کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر خدانخواستہ اس کا انتقال ہوگیا اور ہماری طرف سے اس کے بھتیجے کو کوئی ایذا پہنچی، تو عربوں میں ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔ وُہ کہیں گے کہ اس کی زندگی میں تو وُہ خاموش رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بھتیجے کو طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ دروازے پر پہنچ کر مطلب نامی ایک شخص نے ابوطالب کو اطلاع دی کہ قریش کے سرداروں کا ایک وفد آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ ابوطالب نے اُن کو اندر بلا لیا۔ جب وُہ سب

اندر آگئے، تو کہنے لگے: "اے ابُوطالب! آپ ہمارے قابلِ احترام بزرگ ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔ اپنے بھتیجے کے بارے میں منصفانہ رویّہ اختیار کرو۔ اس کو ہمارے معبُودوں کو گالیاں دینے سے روکو۔ ہم اس کو اور اس کے خُدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔" یہ سُن کر ابُوطالب نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بلایا اور کہا: "بھتیجے! یہ قریش کے بزرگ اور سردار مطالبہ کرتے ہیں کہ تم آئندہ ان کے معبُودوں کو بُرا بھلا نہ کہو۔ یہ تمھیں اور تمھارے ربّ کو کچھ نہیں کہیں گے۔" آپؐ نے فرمایا: "چچا! آپ ان کے سامنے وُہ تجویز کیوں نہیں رکھتے، جو ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو؟" ابوطالب بولے: "وُہ کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "وُہ یہ ہے کہ یہ ایک بات تسلیم کرلیں، عرب و عجم کے مالک بن جائیں گے۔" ابوجہل نے کہا: "وُہ کیا ہے؟ ہم ایک نہیں، اس کے لیے تو ہم دس باتیں ماننے کے لیے تیار ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "وُہ یہ ہے کہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہو۔" اس پر انھوں نے نفرت کا اظہار کیا اور کہا: "اس کے سوا، کوئی اور بات کہو۔" آپؐ نے جواب دیا: "بخُدا! اگر تم میرے ہاتھ میں سُورج بھی رکھ دو، تو مَیں اس کے علاوہ کوئی دُوسری بات نہیں کہُوں گا۔" یہ سُنتے ہی وُہ ناراض ہو کر چلے گئے اور کہنے لگے، "ہم تمھیں بھی اور تمھارے اس خدا کو بھی گالیاں دیں گے، جس نے تمھیں یہ حکم دیا ہے۔"

"وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ۔" (صٓ: ٦)

"وُہ یہ بکواس کرتے ہوئے چلے گئے کہ "اپنے معبُودوں پر جمے رہو۔ یہ تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

اس کو ابنِ ابی حاتم اور ابنِ جریر نے روایت کیا ہے اور ابنِ جریر نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا کو "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کردیا اور کہنے لگے، "مَیں تو اپنے بزرگوں کے دین پر ہُوں۔" اس پر یہ آیت نازل ہُوئی: "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔" (القصص: ۵۶)

مقاتل کہتے ہیں: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ابوطالب کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتنے میں قریش کے کچھ لوگ بھی ان کے پاس جمع ہو گئے۔ وُہ آپؐ سے کوئی بدسلوکی کرنا چاہتے تھے، تو ابوطالب نے اونٹوں کو دیکھتے ہُوئے کہا کہ "اگر کوئی اُونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کسی اَور

بچے پر نازل ہوگی، تو میں اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا" پھر یہ اشعار کہے ؎

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتّٰی اوسد فی التراب دفینا

"بخدا! جب تک میں زمین میں دفن نہیں ہوتا، یہ سب مل کر بھی آپؐ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے!"

فاصدع بأمرك ما علیك غضاضة وابشر وقر بذاك منك عیونا

"اپنے دین کی علی الاعلان تبلیغ کر، اس میں تجھ پر کوئی ذلت نہیں۔ اس کی کامیابی پر خوش ہو اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کر۔"

ودعوتنی وزعمت انّك ناصحی ولقد صدقت وکنت ثم امینا

"تم نے مجھے دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ یہ تم نے بالکل سچ کہا ہے اور تم میرے نزدیک امین ہو۔"

وعرضت دینا لا محالة انّه من خیر ادیان البریّة دینا

"تم نے ایسا دین پیش کیا ہے، جو یقیناً دنیا کے سب دینوں سے بہتر ہے۔"

لولا الملامة أو حذار مسبة لوجدتنی سمحا بذاك مبینا

"اگر ملامت کا ڈر یا گالی سے بچنے کی وجہ نہ ہوتی، تو تم دیکھتے کہ بڑی آسانی کے ساتھ میں اس کی قبولیت کا اعلان کر دیتا۔"

فصل

اہلِ اسلام پر تشدد اور ہجرت

جب اہلِ ایمان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اور بعض پر اتنے مظالم توڑے گئے کہ کفار اس سے پوچھتے کہ "لات کو اللہ کے سوا اپنا معبود مانتے ہو؟" تو وہ کہتا "ہاں"۔ اور ایک حقیر کیڑے کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ "خدا کے سوا تیرا یہ رب ہے؟" وہ کہتا "ہاں"۔ عوفی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ذیل کی آیت عمارؓ کے بارے میں اتری ہے۔ مشرک ان کو اس قدر مارتے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفر کرنے میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ اور پھر موقعہ پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ

کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرتے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ - الآیۃ" (النحل: ۱۰۶)

بیہقی نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور اس میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ان کے بُتوں کی تعریف و توصیف کی اور پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: "جب تک مَیں نے آپؐ کو گالیاں نہیں دیں، مُشرکوں نے مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھایا"۔ آپؐ نے فرمایا: "تمھارے دِل کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا "میرا دل ایمان پر مطمئن ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تمھارے ساتھ دوبارہ ایسا سلوک کریں، تو دوبارہ ایسا کرنا"۔

جب اہلِ اسلام پر ظلم و ستم حد سے بڑھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی اجازت دی۔ اور فرمایا کہ وہاں کا بادشاہ عادِل ہے، وُہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کے مُلک میں چلے جاؤ۔ چنانچہ پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی رقیہؓ بنتِ رسُولؐ بھی تھیں۔ نیز ابوحذیفہؓ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہیل، ابوسلمہؓ اور ان کی بیوی امِ سلمہؓ، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، عثمانؓ بن مظعون، عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ، ابوسبرہؓ بن ابی رہم، حاطبؓ بن عمر، سہیلؓ بن وہب اور عبداللہ بن مسعودؓ۔ یہ لوگ چھُپ چھُپ کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بھی بنا دیا کہ جب یہ ساحلِ سمندر پر پہنچے، تو تاجروں کے دو جہاز حبشہ کی طرف جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ انھوں نے ان کو سوار کر لیا اور حبشہ کے مُلک میں پہنچا دیا۔

یہ قافلہ ماہِ رجب نبوّت کے پانچویں سال گھر سے نکلا اور حبشہ میں شعبان اور رمضان کے دو مہینے رہا۔ کفّار کو پتہ چلا، تو اُنھوں نے ساحلِ سمندر تک ان کا پیچھا کیا۔ مگر ان کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے جہاز روانہ ہو چکے تھے۔ جب ان کو خبر ملی کہ کفّار نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صُلح کر لی ہے اور انھوں نے آپؐ کی ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہے، تو یہ لوگ شوّال میں مکّہ شریف واپس آ گئے۔ اِس غلط خبر کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سورۂ نجم پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ آیت اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى[1] پر پہنچے، تو شیطان نے آپؐ کی آواز سے آواز ملا کر کہا: "تلك الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجىٰ"۔ یعنی "یہ بُت بھی بڑے بلند قدر ہیں۔ اور ان کی سفارش کی بھی امید کی جا سکتی ہے"۔ یہ سُن کر مُشرکوں نے کہا: "یہ پہلا موقعہ

[1] النجم: ۱۹-۲۰

ہے کہ اِس نے ہمارے بتوں کا ذکرِ خیر سے کیا ہے۔ اور یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ پیدا کرنے اور رزق دینے والا اللہ ہے، لیکن یہ بت اللہ تعالےٰ کے ہاں اپنے عقیدتمندوں کی سفارش کرتے ہیں" یہی وجہ ہے کہ جب سورۃ کے اختتام پر آپؐ نے اور مسلمانوں نے سجدہ کیا، تو مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے نے کنکر ہاتھ میں لیکر اپنی پیشانی اُن پر رکھدی اور کہا "میرے لیے یہی کافی ہے"۔ آنحضرت ﷺ کو اِس واقعہ پر بڑا غم ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا بڑا خوف پیدا ہوا۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں اُتار کر آپؐ کا خوف دُور کیا: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ۔ الخ" (الحج: ۵۲)

جب آنحضرت ﷺ نے بتوں کے عیب بیان کرنے اور ان کی کمزوری ظاہر کرنے کا سلسلہ جاری رکھا، تو وہ پہلے سے بھی زیادہ ایذارسانی پر اُتر آئے اور اہلِ اسلام پر پہلے سے زیادہ تشدّد کرنے لگے۔ اُدھر مہاجرین مکہ کے قریب پہنچے اور ان پر حقیقتِ حال واضح ہوئی تو مکہ کے باہر ہی رُک گئے۔ پھر ہر شخص مکہ کے کسی آدمی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوا، لیکن قریش اور ان کے قبائل نے ان کو پہلے سے زیادہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ صرف مسلمان ہونا ہی ان کا جرم نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ نجاشی شاہِ حبش کے حسنِ سلوک کے واقعات نے بھی کفار کے غیظ وغضب میں اضافہ کر دیا اور ان کے بڑھتے ہوئے ظلم وستم کو دیکھ کر آپؐ نے دوبارہ ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس وقت مہاجرین کی تعداد ۵۲ افراد پر مشتمل تھی۔

ابنِ اسحٰق کے قول کے مطابق عمار بن یاسرؓ میں شک ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ گئے تھے یا نہیں؟

بہرحال ان میں ۳۳ مرد اور ۱۹ عورتیں تھیں، جن کی تفصیل اِس طرح ہے:

- جعفر بن ابی طالب، ان کے ساتھ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس تھیں تو ہاں ان کے ہاں محمد، عبداللہ اور عون تین بچے پیدا ہوئے۔
- عمرو بن سعید بن عاص، یہ بنو امیہ بن عبدِ شمس سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے ساتھ ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان بن امیہ کنانی بھی تھیں۔
- ان کے بھائی خالد بن سعید، ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ امیمہ بنت خلف بن اسعد خزاعیہ بھی تھیں۔ ان کے ہاں ایک لڑکا سعید اور ایک لڑکی امِ خالد پیدا ہوئی، جس سے بعد میں حضرت زبیرؓ نے شادی کی۔

اور اس سے خالد اور عمرو' دو لڑکے پیدا ہوئے۔

○ عبداللہ بن جحش' جو قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش' اس کے ساتھ اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی تھیں عبیداللہ وہاں جاکر عیسائی ہو گیا اور بحالت ارتداد فوت ہوا۔

○ قیس بن عبداللہ' ان کے ساتھ ان کی بیوی تھیں' جن کا نام برکت بنت یسار تھا۔ اور یہ ابوسفیان بن حرب کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔

○ عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب' یہ بنو نوفل بن عبدمناف کے قبیلے کے فرد ہیں' انھوں نے حضرت عمر کے دورِ خلافت میں شہر بصرہ کی بنیاد رکھی تھی اور اس کو آباد کیا تھا۔

○ زبیر بن عوام' یہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسود بن عبدالمطلب بن اسد اور عمرو بن امیہ بن حارث بن اسد۔

○ طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد' یہ بنی عبد بن قصی سے تعلق رکھتے ہیں اور بنو عبد کی نسل منقطع ہو گئی ہے۔

○ سویبط بن عبدالدار' ان کے ساتھ ان کی بیوی صرملہ بنت مالک بھی تھیں' جہم بن قیس' ان کے ساتھ ان کی بیوی حرملہ بنت عبدالدار خزاعیہ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا عمرو اور لڑکی خزیمہ بنت جہم بھی تھے ابوالروم بن عمیر' فراس بن النضر بن حارث اور مصعب بن عمیر' یہ سب بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ عبدالرحمٰن بن عوف، عامر بن ابی وقاص سعد بن ابی وقاص کے بھائی مطلب بن ازھر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف' جن کے بطن سے حبشہ میں عبداللہ بن مطلب پیدا ہوئے۔ یہ سب حضرات قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ عبداللہ بن مسعود، ان کے بھائی عتبہ، مقداد بن عمرو بن ثعلبہ' ان کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اسود بن عبدیغوث بن عبدمناف کے حلیف تھے اور اس نے ان کو متبنیٰ بنا لیا تھا۔ یہ حضرات بنو زہرہ کے حلیف' ہذیل کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ حارث بن خالد بن صخر اور ان کی بیوی ریطہ بنت حارث، ان کے ہاں حبشہ میں موسیٰ بن حارث پیدا ہوا۔

○ فاطمہ، عائشہ، زینب اور عمرو بن عثمان بن عمرؓ یہ بنو تیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلمہ تھیں۔ ان کے ہاں حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں۔ یہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ شماس بن عثمان، ہبار بن سفیان اور ان کے بھائی عبداللہ، ہشام بن ابی حذیفہ، عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کے حلیف معتب بن عوف خزاعی۔ سلمہ بن ہشام۔

○ عثمان بن مظعون، ان کے بیٹے سائب، ان کے بھائی قدامہ اور ان کے بھائی عبداللہؓ یہ قریش کے قبیلہ بنو جمح سے تعلق رکھتے ہیں۔

○ حاطب بن حارث، ان کی بیوی فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے محمد اور حارث، ان کے بھائی خطاب بن حارثؓ ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار، سفیان بن معمرؓ ان کے دونوں بیٹے جابر اور جنادہ، انکی بیوی حسنہ۔ یہ ان دونوں بھائیوں کی والدہ ہیں۔ اور ماں کی طرف سے ان دونوں کے بھائی شرحبیل بن حسنہ۔

○ ابن ہشام نے ایک یہ نام بھی ذکر کیا ہے۔ شرحبیل بن عبداللہؓ جو تمیم بن مرہ کے بھائی غوث بن مرہ سے ہیں۔ ابن اسحٰق نے عثمان بن ربیعہ کا اضافہ کیا ہے۔

○ خنیس بن حذافہ سہمی اور ان کے بھائی قیس، عبداللہ، ہشام بن عاص عمرو بن عاص کے بھائی، عمیر بن رئاب۔ ابوقیس بن حارث، ان کے بھائی حارث بن حارث، معمر بن حارث ——— ماں کی طرف سے ان کے بھائی سعید بن عمرؓ جو بنو تمیم کے معزز فرد ہیں۔ اور سائب بن حارث۔

○ معمر بن عبداللہ عدوی، عروہ بن عبدالعزیٰ، عدی بن نضلہؓ اور ان کے بیٹے نعمان آل خطاب کے حلیف ——— عامر بن ربیعہ عنزی اور ان کی بیوی۔

○ بنو عامر بن لوی سے ابوسبرہ بن ابی رُہمؓ اور ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، عبداللہ بن مخرمہؓ عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سکران بن عمر کے بھائی سلیط بن عمرؓ اور ان کی بیوی سودہ بنت زمعہ، مالک بن زمعہ اور ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی، ان کے حلیف ابوحاطب بن عمرؓ اور سعد بن خولہ۔

○ بنو حارث بن فہر سے ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاءؓ یہ سہیل بن وہب ہیں۔ اور اپنی والدہ دعد بنت جحدم کی طرف منسوب ہیں، جو بیضاء کے نام سے مشہور ہے۔ عمرو بن ابی سرح، عیاض بن زہیر۔

عمرو بن حارث بن زہیر، عثمان بن غنم، سعد بن عبد قیس اور حارث بن عبد قیس۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم!

علامہ ابنِ قیّم لکھتے ہیں کہ اس دُوسری ہجرت میں حضرت عثمانؓ بن عفان اور جنگِ بدر میں شریک ہونے والے صحابہؓ کی ایک جماعت کا ذکر آیا ہے، جو وہم ہے۔ یا پھر جنگِ بدر سے پہلے ان کی ایک اَور واپسی ہوئی ہے۔ یہ لوگ پھر تین دفعہ واپس آئے۔ ایک دفعہ ہجرت سے پہلے، دُوسری دفعہ بدر سے پہلے اور تیسری دفعہ جنگِ خیبر کے سال۔ اسی وجہ سے ابنِ سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کی خبر پہنچی، تو ان میں سے ۳۳ مرد اور ۸ عورتیں واپس آگئیں۔ ان میں سے دو مکّہ مکرمہ میں فوت ہوگئے، سات گرفتار ہوگئے اور ۲۴ آدمی جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ سب مہاجرین بڑی اچھی حالت میں نجاشی کے پاس مقیم رہے اور ان کی خبریں قریش کو ملتی رہیں۔

فصل

مہاجرین کو نجاشی سے حاصل کرنیکی ناکام کوشش

جنگِ بدر میں ذلّت آمیز شکست کے بعد قریش کا دار الندوہ میں اجتماع ہوا، جس میں قرار پایا کہ اس کا انتقام ہم مہاجرینِ حبشہ سے بھی لے سکتے ہیں، جو نجاشی کے پاس مقیم ہیں۔ اس لیے دو سمجھدار آدمی اس مُہم کو سرانجام دینے کے لیے آگے آئیں۔ چنانچہ انھوں نے گرانقدر اور قیمتی تحائف دے کر عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو بھیجا۔ یہ جہاز پر سوار ہوئے۔ نجاشی کے پاس پہنچ کر اس کو سجدہ کیا اور سلام کہا۔ پھر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے بولے؛ "ہماری قوم نے آپ کی خیرخواہی کے لیے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، تاکہ ہم آپ کو ان لوگوں کی شرارت اور فتنہ و فساد سے آگاہ کریں، جو ہمارے شہر مکّہ سے بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ یہ ایک جھوٹے آدمی کے پیروکار ہیں، جس نے مکّہ میں اپنے نبی ہونے کا دعوٰے کیا ہے۔ کچھ بے وقوف لوگ اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ہم نے ان پر گرفت کی اور انھیں ایک گھاٹی میں محبوس کر دیا، جہاں سے وُہ نہ نکل سکتے ہیں اَور نہ ان کے پاس کوئی آدمی باہر سے جا سکتا ہے۔ بھُوک و پیاس نے ان کو ہلاک کر دیا ہے۔ مجبور ہو کر اس نے اپنے چچازاد بھائی کو آپ کا دین خراب کرنے اور آپ کے مُلک میں بدامنی اور بغاوت پیدا کرنے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ آپ بروقت اس کا سدِّ باب کیجئے اور ان کو ہمارے حوالے کر دیجئے، ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ ان کی بدنیّتی کی علامت یہ

ہے کہ وُہ آپ کے دربار میں حاضر ہوتے وقت آپ کو سجدہ نہیں کریں گے۔ اور نہ اس طریقے سے سلام کریں گے۔ جس کا یہاں سرکاری دربار میں رواج ہے"۔ یہ سُن کر نجاشی نے ان کو بلایا۔ جب وُہ آئے، تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب نے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: "بادشاہ سلامت! دربار میں حاضر ہونے کے لیے اللہ کی جماعت اجازت چاہتی ہے"۔ نجاشی نے کہا: "اس اجازت طلب کرنے والے کو کہو کہ یہ کلمات دوبارہ کہے"۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ اور جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ کی جماعت دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے"۔ نجاشی نے کہا: "ہاں! ان کو اللہ تعالیٰ کے امن و امان کے ساتھ اندر آنے کی اجازت ہے"۔ جب مہاجرین اجازت ملنے کے بعد اندر آئے، تو انھوں نے حسبِ دستور بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ بادشاہ نے پوچھا: "تم لوگوں نے شاہی آداب کے مطابق سجدہ کیوں نہیں کیا؟" انھوں نے کہا: "ہم سجدہ صرف اس اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں، جس نے آپ کو پیدا کیا اور حکومت سے نوازا ہے۔ ایسا سجدہ ہم بت پرستی کے زمانہ میں کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک سچا نبی بھیجا ہے، جس نے ہمیں سلام کرنے کا وُہ طریقہ سکھایا ہے، جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وُہ آپس میں سلام کرنے کا اہلِ جنّت کا طریقہ ہے"۔ نجاشی نے معلوم کیا کہ یہ درست ہے، کیونکہ تورات اور انجیل میں یہی طریقہ بیان ہوا ہے۔ نجاشی نے پُوچھا: "تم میں سے اجازت کس نے طلب کی تھی؟" جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: "جناب! میں نے اجازت طلب کی تھی"۔ بادشاہ نے کہا: "پھر گفتگو شروع کرو"۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ بادشاہ ہیں، آپ کے دربار میں لمبی گفتگو مناسب نہیں اور آپ کے دربار میں ظلم کا بھی خطرہ نہیں۔ آپ ان دونوں کو حکم دیں کہ ان دونوں میں سے کوئی اپنا مقصد بیان کرے، پھر آپ ہماری بات بھی سُن لیں گے"۔

عمرو بن عاص نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "بولو! کیا بولنا چاہتے ہو؟" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ ان سے پُوچھیں، ہم آزاد ہیں یا غلام؟ اگر ہم غلام ہیں اور اپنے مالکوں سے بھاگ کر آئے ہیں، تو آپ ہمیں ان کے حوالے کر دیں"۔ عمرو نے جواب دیا: "یہ غلام نہیں، بلکہ باوقار آزاد لوگ ہیں"۔ پھر جعفر نے کہا: "کیا ہم نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے کہ ہمیں قصاص کے لیے طلب کیا جا رہا ہے؟" عمرو بن عاص نے کہا: "نہیں، انھوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا"۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: "کیا ہم نے کسی کا مال دبایا ہے، جس کا ادا کرنا ہمارے ذمّہ لازم ہے؟" عمرو نے کہا: "نہیں، کسی کی ایک دمڑی بھی ان کے ذمّہ نہیں ہے"۔ نجاشی نے کہا کہ "پھر تم ان سے کیا چاہتے ہو؟" عمرو نے کہا: "پہلے ہم اور یہ ایک دین کے پیرو

مجھے اور وُہی ہمارے آباؤ اجداد کا دین تھا۔ اَب انھوں نے وُہ چھوڑکر دُوسرا دین اپنالیا ہے" نجاشی نے جعفرؓ سے پُوچھا "جس دین کو تُم نے چھوڑا ہے اور جس کی تُم اتباع کرتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ، وُہ کیا دین ہے؟" جعفرؓ نے کہا "جس دین کو ہم نے چھوڑا ہے، وُہ شیطان کا دین تھا۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُفر کرتے تھے اور پتھروں اور بُتوں کو پُوجتے تھے۔ اور اب جس دین کو ہم نے اختیار کیا ہے، وُہ اللہ تعالےٰ کا دینِ اسلام ہے، جس کو ہمارے پاس اللہ کا رسُولؐ لایا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل ہُوئی ہے، جس طرح ابنِ مریمؑ کے پاس ایک کتاب تھی۔ اور یہ کتاب اس کی موافقت کرتی ہے۔"

نجاشی نے کہا "تم نے ایک اہم بات کہی ہے، ذرا ٹھیرو" پھر اس نے ناقوس (گھڑیال) بجانے کا حکم دیا۔ اس کی آواز سُن کر تمام عیسائی عالِم اور راہب جمع ہو گئے۔ اُس نے کہا "مَیں تمھیں اُس خُدا کی قسم دے کر پُوچھتا ہُوں، جس نے عیسٰی علیہ السلام پر انجیل اُتاری ہے، کیا عیسٰی علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی رسُول کے آنے کا تمھیں علم ہے؟" سب نے بیک زبان کہا "ہاں! عیسٰی علیہ السلام نے ہمیں اس کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے، جو اس کے ساتھ ایمان لائیگا، وُہ میرے ساتھ ایمان لائیگا۔ اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا، وہ میرے ساتھ کفر کرے گا" پھر نجاشی نے جعفرؓ سے کہا "یہ آدمی تمھیں کیا کہتا ہے؟ اور تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے اور کس چیز سے منع کرتا ہے؟" جعفرؓ نے کہا "وُہ ہمیں اللہ کی کتاب پڑھ کر سُناتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ وُہ ہمیں ہمسایوں سے نیک سلوک، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور یتیموں سے احسان کا حکم دیتا ہے اور ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں" اس نے کہا "جو وُہ تمھیں پڑھ کر سُناتا ہے، ہمیں بھی سناؤ" اس پر حضرت جعفرؓ نے سُورۃ عنکبوت اور سورۃ رُوم پڑھی۔ جسے سُن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے کہا "یہ پاک کلام ہمیں اور سناؤ" جعفرؓ نے اب سُورتِ کہف پڑھی۔ اس موقع پر عمرو نے نجاشی کو مشتعل کرنے کے لیے کہا "یہ لوگ آپ کے پیغمبر اور اس کی ماں کو گالیاں دیتے ہیں" اس پر جعفرؓ نے سُورۃ مریم کی تلاوت شروع کی۔ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرتِ مریمؑ کا ذکر ہُوا، تو نجاشی نے اپنے مسواک سے آنکھ میں پڑنے کے قدر ایک تنکا لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا "واللہ! عیسٰی علیہ السلام کی حقیقت اس سے اِتنی بھی زیادہ نہیں عیسٰی علیہ السلام کا مقام بالکل یہی ہے، جو اس نے بیان کیا ہے۔"

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب نجاشی نے یہ کہا، تو پادریوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ نجاشی نے کہا: "خدا کی قسم! خواہ تمھیں ناگوار گزرے، حقیقت یہی ہے۔" مہاجرین سے اس نے کہا، "جاؤ! میرے مُلک میں امن حاصل ہے۔ جو تمھیں گالی دے گا، یا بُرا بھلا کہے گا، وُہ سزا پائے گا۔ حزبِ ابراہیمؑ کے بارے میں آج سے کسی سے نرمی نہیں برتی جائے گی۔ بخُدا! میں پسند نہیں کرتا کہ سونے کا پہاڑ لے کر تم میں سے کسی کو ایذا پہنچاؤں۔ ان دونوں کے تحائف واپس کر دو، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ بخُدا، جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا ملک واپس دیا، تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی کہ میں اس کے بارے میں رشوت لُوں۔ اور اس نے میرے بارے میں لوگوں کی کوئی بات نہیں مانی کہ میں اب اس کے بارے میں ان کی بات مانوں۔" چنانچہ کفار کے دونوں نمائندے بڑی بے عزتی کے ساتھ اپنے تحائف اور نذرانے لے کر واپس ہوئے۔ قتادہؒ اور دُوسرے مفسّرین کہتے ہیں کہ سُورۃ مائدہ کی یہ آیتیں نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اُتری ہیں:

"وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ۔الخ" (المائدۃ: ۸۳)

"اور جب وُہ کلام سُنتے ہیں، جو اللہ کے رسُولؐ پر اُتارا گیا ہے، تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگ جاتی ہیں۔"

کہتے ہیں کہ مہاجرین کے سلسلے میں قریش نے دو دفعہ نجاشی کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، پہلے ان کی ہجرت کے وقت اور دُوسری دفعہ جنگِ بدر کے بعد۔ عمروؓ بن عاص دونوں دفعہ ہی قاصد بن کر گئے تھے۔ اور ایک دفعہ عمارہ بن ولید مخزومی اور دُوسری دفعہ عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ان کے رفیق تھے۔

فصل

نجاشی کا اسلام اور اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیِ مبارک

ربیع الاوّل ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف ایک مکتوب لکھا، جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ کا یہ مکتوب عمروؓ بن امیہ ضمری لے کر گئے تھے۔ خط پڑھ کر نجاشی نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور کہا "کاش! میں آپؐ کی خدمت میں خُود حاضر ہو کر یہ سعادت حاصل کرتا۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی

کو یہ بھی لکھا تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی کرا دے۔ اُم حبیبہؓ نے اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، جو وہاں جا کر عیسائی ہو گیا۔ اور اسی ارتداد کی حالت میں فوت ہو گیا تھا۔ چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی کرا دی، اور آپؐ کی طرف سے چار سو دینار حق مہر ادا کیا۔ اس نکاح میں حضرت ام حبیبہؓ کی طرف سے خالدؓ بن سعید بن عاص وَلی تھے۔ اور آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ آپؐ کے باقی ماندہ اصحاب کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دے، اور ان کی سواری کا انتظام کرے۔ چنانچہ اس نے عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ ان کو ۲ دو جہازوں میں سوار کر کے بھیج دیا، اور یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے، جب آپؐ خیبر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔

صحیحین میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوا تھا، اسی دن رسول اللہ ﷺ نے اس کی وفات کی خبر دی تھی اور عید گاہ میں اس پر نماز جنازہ پڑھی، اور چار تکبیریں کہیں اور صحابہؓ سے فرمایا، "اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔"

سہیلی کہتے ہیں کہ رجب ۹ھ میں نجاشی کی موت واقع ہوئی اور جب آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، تو حبشہ سے اس کی چارپائی اٹھا کر لائی گئی، اور آپ ﷺ نے اسے مدینے میں[1] دیکھا۔

منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ ﷺ نے ایک عجمی نژاد پر جو حبشہ کے ملک میں مرا ہے، مدینے میں نماز جنازہ پڑھی ہے۔

ابن اسحٰق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، لوگ باتیں کرتے تھے کہ جب نجاشی فوت ہوا تو اس کی قبر پر نور کا مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ اور جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اہل حبشہ نجاشی کے پاس جمع ہوئے اور اس سے کہا، تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے جہاز تیار کیے اور جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہا، "ان جہازوں میں سوار ہو جاؤ اور ابھی یہاں ٹھہرو۔ اگر مجھے شکست ہوئی، تو جہاں چاہو چلے جانا۔ اور میں کامیاب رہا، تو یہیں ٹھہرنا۔" پھر اس نے ایک مکتوب لکھا، جس میں اس نے گواہی دی کہ "اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام اُسکے

---

[1] یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کی تاویل ہے، جو جنازہ غائبانہ کے قائل نہیں۔ (مترجم)

بندے، اس کے رسول، اس کی رُوح اور اس کے کلمہ ہیں، جو مریم کی طرف ڈالا گیا۔"

پھر اس نے اس مکتوب کو لپیٹ کر اپنے دائیں کندھے کے پاس کوٹ کے نیچے چھپا لیا اور حبشیوں کی طرف نکلا، جو صفیں باندھ کر لڑائی کے لیے تیار کھڑے تھے اور اُن سے کہا، "اے اہلِ حبشہ! کیا میں تم پر حکومت کرنے کا سب لوگوں سے زیادہ حقدار نہیں؟" بولے "کیوں نہیں!" اس نے کہا، "تم نے اپنے ساتھ میرا برتاؤ کیسا پایا؟" کہنے لگے، "ہمارے ساتھ آپ کا برتاؤ بہت بہتر تھا۔" اس نے کہا: "پھر تم میرے خلاف کیوں ہو گئے ہو؟" بولے "تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور عیسٰےؑ کو عبد کہتے ہو۔" اس نے پوچھا: "تم لوگ عیسٰےؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" کہنے لگے "ہم تو کہتے ہیں، عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا ہے۔" نجاشی نے اپنے کندھے پر کوٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا، "وُہ گواہی دیتا ہے کہ عیسٰے علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔" اس سے مراد اس کی وُہ تحریر تھی، جو اس نے کندھے کے پاس کوٹ کے نیچے چھپائی تھی۔ یہ سُن کر عیسائی راضی ہو گئے اور خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس واقعہ کی خبر ملی تھی۔ اسی لیے جب نجاشی فوت ہوا تو آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے حق میں دُعا مغفرت کی۔

سہیلی کہتے ہیں، حبش کے ہر بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔ جیسے ایران کے ہر بادشاہ کو کسرٰی، ترک بادشاہ کو خاقان اور یُونان کے ہر بادشاہ کو بطلیموس کہتے ہیں۔ اِس نجاشی کا نام اَصحمہ بن حرمتھا اور "اصحمہ" کا معنیٰ "عطیہ" ہے۔

اِس واقعہ سے مستنبط فقہی مسائل

اس واقعہ سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے دین کو بچانے کے لیے مکّہ جیسے افضل وطن سے نکل کر ایسے مُلک میں چلے جانا، جہاں مُسلمان آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ اور اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ خواہ وُہ دارالکفر ہی ہو، ضرُوری ہے۔ کیونکہ اہلِ حبش عیسائی تھے۔ عیسٰی علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے اور ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اسی ترکِ وطن کی وجہ سے صحابہؓ کا نام "مہاجرینؓ" پڑا۔ ان لوگوں نے دو دفعہ ہجرت کی اور اسلام کی طرف سبقت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی اور "السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کا اطلاقی تمغہ عطا فرمایا۔ تفسیر میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو دفعہ ہجرت کی۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کی وجہ سے ان لوگوں کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔ حالاں کہ یہ بلاد اللہ الحرام کو چھوڑ کر دارالکفر میں گئے تھے۔ کیونکہ ان کا یہ فعل اپنے دین کو بچانے کے لیے تھا اور اس لیے کہ انھیں آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کا موقع مل جائے، وہ اطمینان کے ساتھ اس کا ذکر کر سکیں اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے جاری ہے۔ جب کسی شہر میں منکر غالب آجائے اور حق پر عمل کرنے کی وجہ سے مومن کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے — وہ باطل کو حق پر قاہر دیکھے اور امید کرے کہ وہ کسی دوسرے شہر میں اپنے دین کا پرچار اور اپنے رب کی عبادت کھلے بندوں کر سکے گا، تو وہاں سے نکل جانا مومن پر واجب ہے اور یہ ہجرت قیامت تک جاری ہے کبھی بند نہیں ہوگی۔" وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. الآیۃ[1] (انتہی کلام السہیلی)

حضرت ابوبکرؓ کا ترکِ وطن اور رجوع

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو اس دینِ اسلام کا متبع پایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر روز صبح و شام ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے، اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ جب اہلِ اسلام پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، تو میرے والد بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلے۔ جب برک الغماد مقام پر پہنچے، تو ان کی ملاقات قبیلہ قارہ کے سردار ابنِ دغنہ سے ہوئی۔ اس نے پوچھا، "ابوبکرؓ! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" بولے "میری قوم نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی زمین میں گھوم پھر کر اپنے رب کی عبادت کروں گا۔" یہ سن کر ابنِ دغنہ نے کہا، "ابوبکرؓ! آپ جیسے آدمی کو شہر سے نہیں نکلنا چاہیے اور نہ نکالنا چاہیے۔ آپ مفلسوں کی خبرگیری کرتے، قرضداروں کے بوجھ اٹھاتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے اور حق کی مصیبتوں میں اہلِ مصائب سے تعاون کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں۔" چنانچہ ابوبکرؓ واپس آگئے — ابنِ دغنہ بھی ان کے ساتھ آیا اور شام کے وقت شرفاء مکہ کے گھروں میں گیا اور ان سے کہا کہ "ابوبکرؓ جیسے آدمی کو شہر سے نہ نکلنا چاہیے اور نہ نکالنا چاہیے۔ کیا تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جو مفلسوں اور بیکسوں کی خبرگیری کرتا، ناداروں کے بوجھ اٹھاتا، صلہ رحمی کرتا، مہمانوں کی مہمان نوازی اور اہلِ مصائب سے تعاون کرتا ہے۔" قریش نے ابنِ دغنہ کی اس پناہ سے انکار نہیں کیا اور

---
[1] البقرۃ: ۱۱۵

کہا:" ابُوبکرؓ سے صِرف اتنا کہو، وُہ اَپنے گھر میں اپنے رَبّ کی عبادت کرے، نماز پڑھے، یاجس چیز کی قرأت کرنا چاہے، چار دیواری کے اندر کرے۔ اس کا بُازار میں اعلان کرکے ہمیں ایذا نہ پہنچائے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ اِس سے ہمارے بیٹے اور ہماری عورتیں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گی"۔ ابنِ دغنہ نے یہ بات اَبوبکرؓ سے کہی، انھوں نے اس پر عمل کرتے ہُوئے کچھ مدت اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ پھر ابُوبکرؓ نے مناسب سمجھا اور دَروازے کے باہر بازار میں مسجد بنالی۔ وَہاں نماز پڑھتے اور وہیں بیٹھ کر تلاوت کرتے تھے۔ اس وقت مُشرکوں کے بچے اور عورتیں اُن کے گرد جمع ہو جاتے اَور ابُوبکر کو نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے دیکھ کر تعجب کرتے۔ ابوبکرؓ قرآنِ کریم تلاوت کرتے وقت رو پڑتے تھے، جس سے سامعین پر اثر پڑنا ضرُوری تھا۔ اس لیے مُشرکینِ مکّہ بڑے پریشان ہُوئے اور ابنِ دغنہ کو مکّہ مکرمہ بُلا بھیجا۔ وُہ آیا، تو اس سے کہا "ہم نے تمھاری پناہ کی وَجہ سے ابُوبکر کو پناہ دی تھی کہ وُہ اپنے گھر کی چار دیواری میں اپنے رَبّ کی عبادت کرے۔ لیکن اس نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اَور اپنے دَروازے کے باہر بازار میں مسجد بنالی ہے اَور کھُلے بندوں وہاں نماز پڑھتا اَور قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس سے ہماری عورتیں اور ہمارے بچے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ اس کو جا کر منع کرو، اگر وُہ پہلے کی طرح اَپنے گھر میں اپنے ربّ کی عبادت کرے، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور اگر اِنکار کرے تو اسے کہو کہ تمھاری پناہ وَاپس کر دے۔ کیونکہ ہم آپ کے عہد کی خلاف وَرزی نہیں کرنا چاہتے اَور ابُوبکر کو بھی یہ حق نہیں دیں گے کہ وُہ کھُلے بازار میں عبادت کر کے ہماری پریشانیوں میں اضافہ کرے"۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابنِ دغنہ ابُوبکرؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا:" آپ کو معلُوم ہے کہ مَیں نے آپ سے کیا عہد و پیمان کیا تھا؟ یا تو آپ اس کی پابندی کریں یا میرا عہد مجھے واپس کر دیں، کیونکہ مَیں یہ نہیں چاہتا کہ عرب میں میری بدنامی ہو کہ ایک آدمی کے بارے میں میرا عہد توڑا گیا ہے"۔ یہ سُن کر ابُوبکرؓ نے کہا:" مَیں تمہارے عہد کو وَاپس کرتا ہُوں اَور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر رَاضی ہُوں"۔

حمزہ اور عُمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا واقعہ

پھر حمزہؓ بن عبدالمطلب اَور عُمرؓ بن خطاب مُسلمان ہو گئے۔ ابنِ اسحٰق کہتے ہیں، مجھے اسلم قبیلہ کے ایک آدمی نے حدیث بیان کی اَور اُس کی قوّتِ حافظہ بڑی مضبُوط تھی، کہ ایک دن ابُوجہل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اُس نے آپؐ کو ایذا پہنچائی، گالیاں دیں اور آپؐ کے دین کی عیب جوئی اور آپؐ کے اَمْ

کی کمزوری ذلّت آمیز لہجہ میں بیان کی، جس کو سُن کر آپؐ خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہے اور اس سے کوئی بات نہ کی۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک کنیز اپنے مکان میں بیٹھی یہ سب کچھ سُن رہی تھی۔ پھر ابوجہل خانہ کعبہ میں قریش کی ایک مجلس میں جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد حمزہؓ بھی ادھر آ نکلے۔ وُہ شکار سے واپس آئے تھے اور کندھے پر کمان لٹک رہی تھی۔ وُہ شکاری تھے اور تیر و کمان کے ساتھ شکار کھیلا کرتے تھے۔ جب شکار سے واپس آتے تو گھر جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور اگر قریش کی کسی مجلس پر گزرتے، تو ان کو سلام کہتے اور کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر ان سے باتیں کرتے۔ یہ قریش کے ایک معزز نوجوان تھے۔ اور بڑی مضبوط طبیعت کے مالک تھے۔ جب وُہ اس لونڈی کے پاس آئے ، اُس وقت رسُول اللہ ﷺ گھر جا چکے تھے۔ تو وُہ حمزہؓ سے کہنے لگی "ابوعمارہ! کاش! تم وہ بدسلوکی دیکھتے جس کا مظاہرہ ابھی ابھی ابوالحکم بن ہشام نے تمہارے بھتیجے محمدؐ کے ساتھ کیا ہے۔ وُہ یہاں بیٹھے تھے، ابوجہل نے انھیں ایذا پہنچائی، گالیاں دیں اور نہایت صبر آزما باتیں کہیں، پھر واپس چلا گیا۔ لیکن محمد ﷺ خاموشی کے سوا کچھ نہیں کر سکے"۔ اب حمزہؓ پر اللہ تعالیٰ کے انعام کا وقت آ چکا تھا۔ یہ سُن کر آگ بگولہ ہو گئے۔ بھاگ کر باہر نکلے۔ کسی کی طرف نہیں دیکھا، صرف ابوجہل کو اس بدسلوکی کا مزہ چکھانے کی دُھن تھی۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی اس کو قوم کی مجلس میں بیٹھے دیکھا، ادھر آئے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کو ایک گہرا زخم لگا دیا اور کہا "تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے، آج سے میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے اور وُہی کہتا ہوں، جو وُہ کہتا ہے۔ اگر کر سکتے ہو تو مجھ پر نکتہ چینی کرو"۔ یہ دیکھ کر بنومخزوم کے کچھ آدمی ابوجہل کی حمایت میں حمزہؓ کی طرف لپکے، مگر ابوجہل نے کہا: "ابوعمارہ کو کچھ نہ کہو، میری زیادتی ہے۔ میں نے اس کے بھتیجے کو بڑی قبیح گالیاں دی ہیں"۔ حمزہؓ اسلام پر قائم رہے اور رسُول اللہؐ کی اتباع میں سرگرمی کا زبردست مظاہرہ شروع کر دیا۔ قریش سمجھ گئے کہ رسُول اللہؐ کو اب قوت اور حمایت حاصل ہو گئی ہے، حمزہؓ ضرور ان کو بچائیں گے۔ وُہ رسُول اللہ ﷺ کو جو تکلیفیں دیتے تھے، اس سے کافی حد تک محتاط ہو گئے۔

ابنِ اسحٰق کے علاوہ دُوسرے مورّخ لکھتے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کے بارے میں مزید کہا کہ "جب میں نے غصّہ سے مغلوب ہو کر کہا: میں نے اس کا مذہب قبول کر لیا ہے، تو مجھے بعد میں اپنے آباء اجداد اور اپنی قوم کے دین چھوڑنے پر ندامت ہوئی، رات بھر شک اور تردّد کی وجہ سے نہ سو سکا۔ میں کعبہ میں آیا اور گڑگڑا کر اللہ کریم سے دُعا کی کہ "یا اللہ! میرا سینہ کھول دے اور شک اور تردّد کو زائل فرما دے"۔ ابھی

میری دُعا پُوری نہیں ہُوئی تھی کہ شک دُور ہو گیا اور میرا دِل یقین اور اطمینان سے بھر گیا۔ دو دُعا فالـ۔ پھر میں نے رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قلبی واردات کا ذکر کیا، تو آپؐ نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت بخشے اور میرے دِل میں ایمان کو جما دے۔ اِس ضمن میں حضرت حمزہؓ نے یہ اشعار کہے:

حمدت اللہ حین ھدیٰ فؤادی الی الاسلام والدین الحنیف

"جب اللہ تعالیٰ نے میرے دِل کو اسلام اور دینِ حنیف کی نعمت سے مالا مال کیا، تو میں اس کی حمد اور شکر بجا لایا۔"

لدین جاء من ربٍّ عزیزٍ خبیر بالعباد بھم لطیف

"وہ دین جو ربِّ عزیز کی طرف سے آیا ہے، جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان پر مہربان ہے۔"

اذا تلیت رسائلہ علینا تحدّر دمع ذی اللبّ الحصیف

"جب اس کے پیغامات ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو کامل العقل آدمی کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔"

واحمد مصطفیٰ فینا مطاع فلا تغشوہ بالقول العنیف

"اور احمدِ مصطفےٰ ﷺ ہم میں واجب الاطاعت ہیں، کوئی شخص ان سے سخت بات کہنے کی جُراَت نہ کرے۔"

فلا واللہ لا نسلمہ لقوم ولما نقض فیھم بالسیوف

"خدا کی قسم! ہم آپؐ کو کسی قوم کے حوالے نہیں کریں گے، حالانکہ ہم نے ابھی تک ان کے بارے میں تلواروں کا فیصلہ نہیں سُنا۔"

ونترک منھم قتلیٰ بقاع لورد الطیر کالورد العکوف

"اور نہ ہم نے پرندوں کے کھانے کے لیے چٹیل میدان میں ان کے مقتول چھوڑے ہیں۔"

ترمذی کی ابنِ عمرؓ کی صحیح حدیث اور طبرانی کی ابنِ مسعودؓ اور انسؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دُعا کی تھی: "یا اللہ! اِن دو آدمیوں میں سے تجھے جو زیادہ محبوب ہے، اس کے ساتھ اسلام

کو عزت عطا فرما، عمرؓ بن خطاب یا عمرو بن ہشام ابوجہل کے ساتھ":

ابو نعیم نے "دلائل" میں اور ابنِ عساکر نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دن حضرتِ عمرؓ سے پوچھا، "آپ کا نام "فاروق" کس وجہ سے ہے؟" بولے، "مجھ سے حمزہؓ تین دن پہلے مسلمان ہوئے، ایک دن میں گھر سے نکلا، تو میری ملاقات ایک مخزومی شخص سے ہوئی۔ میں نے اس سے کہا، "تم نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر محمدؐ کے دین کی اتباع کیوں کی ہے؟" وہ بولا، "اگر میں نے ایسا کیا ہے، تو یہ کام اس شخص نے بھی کیا ہے، جس کا حق تجھ پر مجھ سے بھی زیادہ ہے۔" میں نے کہا، "وہ کون ہے؟" بولا، "تیری بہن اور تیرا بہنوئی۔" یہ سن کر میں ان کی طرف چلا اور دروازے پر پہنچ کر کچھ غیر مفہوم آواز سنی۔ میں اندر گیا، تو پوچھا، "یہ کیا آواز تھی؟" ہمارے درمیان دیر تک بات ہوتی رہی، حتیٰ کہ میں نے اپنی بہن کا سر پکڑ لیا اور اس کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ پھر اس نے اٹھ کر میرا سر پکڑ لیا اور کہا، "مان یا نہ مان، ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔" مجھے اس کے لہولہان سر کو دیکھ کر شرم آئی۔ میں بیٹھ گیا اور کہا، "مجھے یہ کتاب دکھاؤ۔" اس نے کہا، "اس کو پاک آدمی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔" چنانچہ میں اٹھا اور غسل کیا، پھر انھوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھا تھا۔ میں نے کہا: "بڑے پاک اور مبارک نام ہیں۔" آگے لکھا تھا: "طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ الیٰ قولہٖ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى[1]" اس کی عظمت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ میں نے کہا: "مَا هٰذَا[2] .... قریش؟"

میں مسلمان ہو گیا اور میں نے پوچھا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟" میری بہن نے کہا: "وہ ارقم کے گھر ہیں۔" چنانچہ میں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا، تو سب حاضرین دروازے پر جمع ہو گئے۔ حمزہؓ نے پوچھا، "کیا بات ہے؟" وہ بولے، "عمرؓ آیا ہے۔" انھوں نے کہا: "عمرؓ آیا ہے تو کیا ہوا؟ اس کے لیے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ اسلام لایا تو ہم قبول کر لیں گے اور اگر کچھ گڑبڑ کی تو ہم اس کو قتل کر دیں گے۔" اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آواز سن کر باہر نکل آئے۔ عمرؓ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اس پر گھر میں موجود سب لوگوں نے اتنی بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہا کہ سب اہلِ مسجد نے سن لیا۔ میں نے کہا:

---

[1] طٰہٰ: ۱تا۸ [2] یہاں "اصل" میں سفید جگہ ہے۔۱۲

"اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا "کیوں نہیں"۔ مَیں نے کہا "پھر چھپنے کی کیا وجہ ہے"؟ پھر ہم دو صفوں میں گھر سے نکلے۔ ایک صف کے آگے مَیں تھا اور دُوسری کے آگے حمزہؓ تھے۔ اور اسی طرح مسجد الحرام میں داخل ہُوئے۔ جب قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو یُوں دیکھا، تو انھیں سخت رنج ہوا۔ اُس دِن رسُول اللہ ﷺ نے میرا نام "فارُوق" رکھا تھا"۔

ابو یعلیٰ، حاکم اور بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دِن حضرت عمرؓ گلے میں تلوار لٹکا کر نکلے۔ اُن کی "بنوزہرہ" کے ایک آدمی سے ملاقات ہُوئی، تو اس نے پُوچھا: "اے عمرؓ! کس ارادے سے نکلے ہو"؟ انھوں نے کہا: "محمدؐ کے قتل کا ارادہ ہے"۔ اس نے کہا "محمدؐ کو قتل کر کے تم بنو ہاشم اور بنوزہرہ سے کیونکر محفوظ رہو گے"؟ حضرت عمرؓ بولے "میرے خیال میں تم بھی بے ایمان ہو گئے ہو"۔ وہ بولا: "مَیں تمھیں اس سے بھی عجیب بات نہ بتاؤں؟ تیری بہن اور تیرا بہنوئی صابی (بے دین) ہو گئے ہیں اور انھوں نے تیرا دین چھوڑ دیا ہے"۔ عمرؓ یہ سُن کر ادھر چل پڑے، اس وقت انکو خبابؓ پڑھا رہے تھے۔ وُہ تو عمرؓ کی آواز سُن کر گھر میں چھپ گئے۔ اندر آکر عمرؓ نے پوچھا "یہ کیا آواز آ رہی تھی"؟ وہ سُورت طٰہٰ پڑھ رہے تھے، بولے "کچھ نہیں، ہم یُوں ہی آپس میں باتیں کر رہے تھے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "شاید تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو"؟ ان کے بہنوئی نے کہا "اے عمرؓ! اگر تیرے دین کے سوا "حق" کسی دُوسرے دین میں ہو تو"؟ یہ سُنتے ہی عمرؓ نے کُود کر اپنے بہنوئی کو نیچے گرا لیا اور انھیں سخت زدوکوب کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کی بہن اپنے خاوند کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھیں تو انھوں نے ان کے مُنہ پر اس زور سے الٹا ہاتھ مارا کہ ان کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ وُہ ناراض ہو کر بولیں "اگر حق تیرے دِین کے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو؟ مَیں گواہی دیتی ہُوں کہ اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسُول ہیں"۔ عمرؓ نے متعجب ہو کر کہا: "مجھے وُہ تحریر دو جو تمھارے پاس ہے"۔ اور حضرت عمرؓ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اُن کی بہن نے کہا "تو پلید ہے اور اس کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ پہلے اٹھو غسل اور وضو کرو"۔ حضرت عمرؓ اُٹھے اور وضُو کیا، پھر کاغذ لیا اور طٰہٰ سے پڑھنا شروع کیا۔ پھر "إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ[1]" تک پڑھا۔ یعنی "مَیں اللہ ہُوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لیے میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر"۔ اس کے بعد عمرؓ نے کہا: "مجھے محمد ﷺ کا پتہ بتاؤ"۔ خبابؓ عمرؓ کی یہ بات سُن کر باہر نکلے اور کہا کہ "عمرؓ!

[1] طٰہٰ: ۱۴

خوش ہو جاؤ! میں اُمید کرتا ہوں کہ تم جمعرات کو رسُول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ ہو۔ آپؐ نے دعا فرمائی تھی: "الٰہی! عمرؓ بن خطاب یا عمرو بن ہشام کے ساتھ اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرما!"

اُس وقت رسُول اللہ ﷺ صفا پہاڑ کے نیچے ایک گھر میں پناہ گزیں تھے۔ حضرت عمرؓ وہاں سے چل کر اس گھر آئے، دروازے پر حمزہؓ، طلحہؓ اور دُوسرے لوگ جمع تھے۔ حضرت حمزہؓ نے دیکھ کر کہا، "یہ تو عمرؓ آرہا ہے۔ اگر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ خیر کا ہے، تو یہ مسلمان ہو جائے گا اور اگر دُوسری بات ہوئی، تو اس کو قتل کرنا ہم پر آسان ہے۔" حضرت حمزہؓ یہ کہہ رہے تھے اور اندر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ فارغ ہو کر آپؐ آئے اور ان کے کپڑے اکٹھے کر کے اور ان کی تلوار کا پرتلہ پکڑ کر کہا، "عمرؓ! جب تک تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وُہ ذلت اور سزا نہ اُترے، جو ولید بن مغیرہ پر اُتری ہے، تم باز نہیں آؤ گے؟" آپؐ کا یہ کلام سُن کر عمرؓ پکار اُٹھے: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ" "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔" صحیح بخاری میں ہے، سعیدؓ کہتے ہیں: "خُدا کی قسم! میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے عمرؓ نے اسلام لانے کی وجہ سے میری مشکیں کس کر باندھی ہوئی تھیں۔"

حضرت عمرؓ ایسی مضبوط طبیعت کے مالک تھے کہ کوئی ان سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ جب وُہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، تو اُن کی اور حمزہؓ کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی۔ عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے: "جب تک عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے، ہم خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے" اور ان سے ہی صحیح بخاری میں آیا ہے: "عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہم عزت کی زندگی بسر کرنے لگے۔"

ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نبوت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی اور قریش کے سرداران نامدار میں شمار ہوتے تھے۔ جب کسی قوم سے لڑائی درپیش ہوتی، تو وُہ انؓ کو قاصد بنا کر بھیجتے تھے۔ جب کوئی فیصلہ کرنے یا قومی فخر بیان کرنے میں ان سے مقابلہ کرتا، تو قوم کی طرف سے یہ خدمت بھی حضرت عمرؓ کے سپرد کی جاتی تھی اور صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے، تو ان کے گھر کے پاس بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے اور کہنے لگے "عمرؓ بے دین ہو گیا ہے۔"

اس کو اس کا مزہ چکھانا چاہیے ۔ میں اس وقت بچہ ہی تھا اور اپنے مکان کی چھت پر تھا۔ ایک آدمی آیا جس نے ریشمی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "عمرؓ بے دین ہو گیا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی ؛ میں نے اس کو پناہ دی ہے"۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب اس نے یہ کہا، تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ منتشر ہو گئے ہیں۔ میں نے پوچھا: "یہ کون ہے"؟ لوگوں نے بتایا: "یہ عاص بن وائل سہمی ہے"۔ اور یہ بھی صحیح بخاری میں ان سے روایت آئی ہے کہ ایک دفعہ خوف زدہ ہو کر گھر میں محبوس تھے، اس وقت عمرؓ کا باپ عاص بن وائل سہمی آیا، اس نے دھاری دار حلہ پہنا ہوا تھا۔ اور ریشمی کفوں والی قمیص زیب تن کی ہوئی تھی۔ اور وہ بنو سہم کا سردار تھا۔ جاہلیت میں ان کے ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ حضرت عمرؓ سے کہنے لگا: "کیا بات ہے، چھپے کیوں بیٹھے ہو؟" انہوں نے کہا: "تیری قوم کہتی ہے کہ وہ مجھے اس لیے قتل کر دے گی کہ میں اسلام لایا ہوں"۔ اس نے کہا: "میں نے تمھیں امن دیا ہے، ان کو تمھارے پاس آنے کی جرأت نہیں ہے"۔

فصل

◎ قریش کا ابوطالب کے پاس جمع ہونا اور انکو آخری فیصلہ کی دھمکی دینا

ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بڑھنے لگا ہے۔ اور ان میں کافی قوت پیدا ہو گئی ہے، تو وہ دوسری دفعہ ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا: "اے ابوطالب! آپ عمر رسیدہ، بزرگ اور صاحب مرتبہ سردار ہیں، ہم پہلے بھی آپ سے اپنے بھتیجے کو منع کرنے کی درخواست کر چکے ہیں۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا اور آپ نے اس کو منع نہیں کیا۔ اب پھر حاضر ہوئے ہیں کہ اس نے ہمارے اسلاف کو گالیاں دینے، ہمیں بے وقوف کہنے اور ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرنے کا جو شغلہ اختیار کر رکھا ہے، اس سے ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ مزید برداشت کرنے کی ہمیں طاقت نہیں۔ اس لیے ہماری طرف سے آپ کو یہ آخری انتباہ ہے کہ یا تو اس کو منع کریں یا اسکے اور آپ کے ساتھ ہماری جنگ ہو گی، جو فریقین میں سے ایک فریق کی ہلاکت پر منتج ہو گی"۔ انھوں نے یہ یا اس سے ملتی جلتی دھمکی دی۔ ابوطالب پر اپنی قوم کی یہ جدائی اور دشمنی بڑی شاق گزری۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: "بھتیجے! تیری قوم میرے پاس آئی ہے اور انھوں نے یہ بات کہی ہے، خدا کے لیے مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو، جس کے اٹھانے کی مجھے

طاقت نہیں ہے"۔ ابوطالب کی یہ بات سُن کر آپؐ کو خیال ہُوا کہ آپؐ کے چچا کا ارادہ بدل گیا ہے، اب وُہ کسی مرحلہ پر آپؐ کی مدد چھوڑ دیں گے، اور آپؐ کو دشمنوں کے رحم و کرم کے حوالے کر دیں گے۔ نیز وُہ آپؐ کی مدد کرنے اور آپکا ساتھ دینے سے کمزور ہو گئے ہیں۔ اس لیے آپؐ نے کہا "چچا! اگر وُہ میرے دائیں ہاتھ میں سُورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں کہ مَیں یہ کام چھوڑ دُوں، تو مَیں یہ کام ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے، یا مَیں اسی راستے میں ہلاک ہو جاؤں"۔ یہ کہہ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور آپؐ رونے لگے۔ پھر اُٹھ کر جانے لگے تو ابُوطالب نے آواز دی "بھتیجے! ادھر آؤ"۔ آپؐ آئے، تو انہوں نے کہا "بھتیجے! اب جو مرضی ہو کہو۔ خُدا کی قسم! مَیں تمھیں کسی وجہ سے بھی اور کسی وقت بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا"۔

پھر جب قریش کو معلوم ہُوا کہ ابوطالب کسی طرح بھی رسُول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے اور ان کو دشمنوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ قوم کی جُدائی اور اس سے دشمنی کی راہ پر گامزن ہیں، تو انھوں نے ایک نئی چال چلی اور عمارہ بن ولید کو پیش کر کے کہنے لگے: "اے ابُوطالب! عمارہ بن ولید قریش کا سرو قد اور حسین و جمیل نوجوان ہے، اس کو لے لو! یہ عقلمند بھی ہے اور تمھارا مددگار بھی ثابت ہو گا۔ یہ ہم تمھیں دیتے ہیں، تم اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دو جس نے تیرے اور تیرے اسلاف کے دین کی مخالفت کی ہے، تیری قوم میں تفریق ڈال دی ہے اور اس کو بے عقل اور بے وقوف کہا ہے۔ ہم اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی ہے"۔ ابوطالب نے کہا "بخُدا! تم مجھے بدترین قسم کی سزا دینا چاہتے ہو۔ تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ مَیں اسے پالُوں، پوسُوں اور تمھیں اپنا بیٹا دُوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا"۔

اس پر مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدِ مناف بولا: "ابُوطالب! بخُدا! تیری قوم نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے اور تیرے گلے سے ہمیشہ کے لیے ایک جنجال دُور کرنے کی کوشش کی ہے جس نے تجھے پریشان کر رکھا ہے۔ مگر مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ تم ان کی پیش کش قبول نہیں کر رہے"۔ انہوں نے کہا "خدا کی قسم! تم نے مجھ سے ہرگز انصاف نہیں کیا، لیکن تم نے میری مدد چھوڑنے اور میرے خلاف قوم سے تعاون کرنے کا تہیّا کر لیا ہے۔ اس لیے جاؤ، جو کچھ چاہو کر دو"۔ اوکما قال ؎ :

اس کے بعد معاملہ نے نازک صُورت اختیار کر لی، لڑائی بھڑک اُٹھی اور قوم نے کھلم کھُلا ایک دوسرے

سے بدعہدی کی۔ ابو طالب نے مطعم کی طرف خاص طور پر اور بنو عبد مناف سے ان کی امداد ترک کرنے والوں اور قریش کے دوسرے دشمن قبائل کی طرف عام طور پر اشارہ کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے ہیں۔ ان میں انہوں نے دور از کار اور ناقابل عمل پیشکش کا بھی ذکر کیا ہے ؎

اَلاَ قُل لعمرو والولید ومطعم　　　الا لیت حظی من حیا طتکم بکر

۱ــــ "خبردار! عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو، کاش تمہاری حفاظت کے نتیجے میں مجھے ایسا اونٹ مل جاتا۔"

من الخور حبحاب کثیر رغاؤہ　　　یرش علی الساقین من بولہ قطر

۲ــــ "جو کمزوری کی وجہ سے پست قد ہو گیا ہو۔ اس کا جھاگ بہت زیادہ ہو اور اپنے پیشاب کے قطرے اپنی دونوں پنڈلیوں پر گرانے والا ہو۔"

تخلف خلف الورد لیس بلاحق　　　إذا ما علا الفیفاء قیل له وبر

۳ــــ "پانی کے گھاٹ سے پیچھے رہ جانے والا، اس تک نہ پہنچنے والا ہو۔ جب بے آب وادی میں آئے، تو لوگ اسے بلّی سمجھیں!"

أری أخوینا من أبینا وأمنا　　　إذا سئلا قالا الی غیرنا الامر

۴ــــ "ماں اور باپ کی طرف سے اپنے بھائیوں کو میں دیکھتا ہوں کہ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ اس معاملہ کا تعلق ہمارے علاوہ کسی دوسرے سے ہے!"

بلی لھم امر ولکن تجرجما　　　کما جرجمت من رأس ذی علق الصخر

۵ــــ "حالانکہ یہ معاملہ انہی سے متعلق ہے۔ لیکن وہ دونوں (اپنے اختیارات کی چوٹی سے) یوں گر پڑے ہیں، جس طرح کوہِ ذی علق کی چوٹی سے کوئی بڑا پتھر گرتا ہے!"

اخص خصوصا عبد شمس ونوفلا　　　هما نبذانا مثل ما ینبذ الجمر

۶ــــ "میں خصوصی طور پر عبد الشمس اور نوفل سے کہتا ہوں، ان دونوں نے ہمیں یوں پھینک دیا ہے، جیسے چنگاروں کو پھینک دیا جاتا ہے!"

هما اغمزا للقوم فی أخویهما　　　فقد أصبحا منهم اکفهما صفر

۷ــــ "اُن دونوں نے اپنے بھائیوں کی برسرِ مجلس بے عزتی کی۔ چنانچہ وہ دونوں ان کی طرف سے خالی ہاتھ ہو گئے ہیں!"

هما أشركا في المجد من لا أبا له　　من الناس إلا أن يرس له ذكر

۸ــــ " وہ دونوں بزرگی میں اس کے شریک ہیں، کہ جس کا باپ مشہور لوگوں میں سے نہیں، ہاں اس کی شہرت بالکل معمولی ہو۔"

وتيم ومخزوم وزهرة منهم　　وكانوا لنا مولى إذا بغي النصر

۹ــــ " بنو تیم، بنو مخزوم اور بنو زہرہ انہی میں سے ہو گئے، حالانکہ جب مدد طلب کی جاتی تھی، تو وہ ہمارے ساتھی ہوتے تھے۔"

فوالله ما تنفك منا عداوة　　ولا منهم ما كان من نسلنا شفر

۱۰ــــ " بخدا! ہماری نسل میں سے جب تک ایک بھی رہے، ہماری اور ان کی دشمنی ختم نہ ہو گی۔"

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: اس کے بعد قریش نے صحابہ کرامؓ پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا اور انتقامی کارروائی کے لیے ایک دوسرے کو بھڑکایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قبیلے نے اپنے میں سے ایمان لانے والے کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا، اور اس کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ جب ابو طالب نے قریش کو صحابہؓ پر مظالم ڈھاتے دیکھا، تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور حفاظت پر آمادہ کر لیا۔ ان میں سے صرف ابولہب اور اس کے بیٹوں نے قریش کے دشمن قبائل کا ساتھ دیا۔ (انتہیٰ)

موسیٰ بن عقبہؒ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ دشمن قبائل نے رسول اللہ ﷺ کو علانیہ طور پر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، تو ابو طالب نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ مل کر آپؐ کو شعب ابی طالب میں بلا لیا اور آپؐ کو ہر قیمت پر دشمنوں سے بچانے کا تہیا کر لیا۔ بعض نے قومی تعصب کی بنا پر اور بعض نے ایمانی جذبہ کے تحت اپنے آپ کو مخالفین کے مقابلے کے لیے سینہ سپر کر دیا۔

قریش نے یہ دیکھا، تو انھوں نے ایک مجمع عام میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف مقاطعہ کا فیصلہ کیا اور اس مضمون کا عہد نامہ تحریر کیا کہ وہ آئندہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے نہ رشتہ لیں گے اور نہ انھیں رشتہ دیں گے۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچیں گے، اور نہ ان سے کچھ خریدیں گے۔ نہ ان سے صلح کریں گے، اور تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کریں، ان سے کسی ہمدردی اور کسی طرح کی نرمی کا برتاؤ

نہیں کریں گے۔ یہ عہد نامہ منصور بن عکرمہ یا بغیض بن عامر نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔ اس ظالمانہ اور سفاکانہ عہد نامہ تحریر کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ اس کے نتیجے میں اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ اس عہدنامہ پر تمام قریش نے دستخط کر کے خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ اس کے بعد تمام بنوہاشم اور بنو مطلب کیا مسلمان اور کیا کافر، شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے اور وہاں انتہائی بے سروسامانی اور پریشانی میں مقاطعہ کا تین یا دو سال کا عرصہ کاٹا۔ ابن سعد نے دو سال کا عرصہ ذکر کیا ہے۔ یہاں وہ اتنا تنگ ہوئے کہ ان کے پاس شہر سے کوئی چیز چھپ چھپا کر ہی پہنچ سکتی تھی۔ کھلے بندوں کوئی چیز میسّر نہیں آسکتی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کی پیدائش یہیں اسی اسیری کے زمانے میں ہوئی۔ قریش نے ان پر منڈیوں کے دروازے بند کر دیے اور اتنا شدید مقاطعہ کیا کہ بھوک کی وجہ سے ان کی عورتوں اور بچّوں کے چیخنے کی آوازیں شعب سے باہر تک سُنی جاتی تھیں۔ یہ تو شعب ابی طالب میں داخل ہونے والوں کا حال تھا۔ اور جو مسلمان وہاں نہیں جا سکے تھے، اہلِ مکّہ نے ان پر وہ مظالم توڑے اور ان پر اتنے مصائب نازل کیے کہ الامان والحفیظ!

موسٰی بن عقبہؒ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا یہ انتظام کیا تھا کہ جب رات کو لوگ سونے لگتے تو ابوطالب آپ ﷺ کو انکے مخصوص بستر پر سُلاتے تاکہ قاتلانہ حملہ کا ارادہ کرنے والے دیکھ لیں اور جب لوگ سو جاتے تو ابو طالب آپ ﷺ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا عمزاد کو سُلا دیتے اور آنحضرت ﷺ کو اس کے بستر میں منتقل کر دیتے۔ اس کے بارے میں انہوں نے اپنا مشہور "لامیہ قصیدہ" کہا ہے ؎

ولما رأیت القوم لا ودّ فیھم   وقد قطعوا کل العری والوسائل

"اور جب میں نے قوم (کفارِ قریش) کو دیکھا کہ محبت سے نا آشنا ہے، اور تمام اسباب و وسائل کو منقطع کر رہی ہے۔"

وقد حالفوا قومًا علینا اضنّۃ   یعضون غیظا خلفنا بالأنامل

"انہوں نے ہمارے خلاف ایک ایسی تہمت زدہ قوم سے معاہدہ کیا ہے، جو ہمارے پسِ پشت، غصّے سے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔"

صبرت لھم نفسی بسمراء سمحۃ   وأبیض عضب من تراث المقاول

"تو میں نے اپنے نفس کو روکے رکھا اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ میرے پاس بھی اپنے عظیم آباء واجداد کی وراثت کے لچکدار نیزے اور قاطع تلواریں موجود ہیں!"

وأحضرت عند البيت رهطي واخوتي　　وامسكت من اثوابه بالوصائل

"بیت اللہ کے پاس میں نے اپنے خاندان اور بھائیوں کو جمع کیا۔ اور میں نے بیت اللہ شریف کے غلاف کے پردوں کو تھام لیا!"

اعوذ برب الناس من كل طاعن　　علينا بسوء او ملح بباطل

"میں ہر انسان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، جو ہمارے متعلق برے عزائم رکھتا ہو، یا کسی بھی باطل کام کو کر گزرنے والا ہو!"

ومن كاشح يسعى لنا بمعيبة　　ومن ملحق في الدين مالم نحاول

"اور میں اس دشمن سے بھی پناہ مانگتا ہوں، جس کی تمام تر کوششیں ہماری عیب جوئی کیلیے ہیں اور جو ہمارے ارادے کے برعکس، کچھ امور کو دین میں داخل کرنیوالا ہے!"

وثور ومن ارسى ثبيرا مكانه　　وراق ليرقى في حراء ونازل

"میں جبلِ ثور کے ساتھ اور اس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس نے کوہِ ثبیر کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ بھی جو نیکی کے لیے غارِ حراء میں آتا جاتا ہے!"

وبالبيت حق البيت من بطن مكة　　وبالله ان الله ليس بغافل

"اور میں اس گھر کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، کہ جو وادئ مکہ میں سے اس بات کا مستحق ہے اور اللہ رب العزت کے ساتھ بھی پناہ مانگتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ کسی بات سے غافل نہیں ہے!"

وبالحجر المسود إذ يمسحونه　　إذا اكتنفوه بالضحىٰ والأصائل

"اور حجر اسود کی بھی پناہ مانگتا ہوں، جب یہ لوگ اسے چھوتے اور صبح وشام اس کا احاطہ کر لیتے ہیں!"

وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة　　على قدميه حافيا غير ناعل

"اور نہایت ملائم چٹان پر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں سے پامال جگہ کی بھی پناہ مانگتا ہوں۔ کہ جس پر آپ کے بلا نعلین، برہنہ قدموں کے نشانات ہیں!"

وأشواط بين المروتين إلى الصفا　　　وما فيهما من صورة و تماثل

"اور صفا و مروہ کے درمیان لگائے جانے والے چکروں، نیز اُن دونوں کے درمیان صور و تماثیل کی پناہ مانگتا ہوں!"

ومن حج بيت الله من كل راكب　　　ومن كل ذي نذر ومن كل راجل

"اور بیت اللہ کا حج کرنے والے ہر پیادہ و سوار، نیز ہر نذر ماننے والے کی پناہ مانگتا ہوں!"

وبالمشعر الاقصى إذا عمدوا له　　　الال إلى مفضى الشراج القوابل

"اور عرفہ کی پناہ مانگتا ہوں، جبکہ وہاں تک پہنچنے کے لیے لوگ جبل "الال" کا قصد کرتے ہیں۔ پھر وہاں سے برساتی نالوں کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، جو ایک دوسرے کے متقابل ہیں!"

وتوقافهم فوق الجبال عشية　　　يقيمون بالأيدي صدور الرواحل

"اور شام کے وقت پہاڑوں پر اُن کے کھڑے ہونے کی پناہ، جہاں سواریوں کے اگلے حصے کو ہاتھوں سے سیدھا کرتے یا تھامتے ہیں!"

فهل بعد هذا من معاذ لعائذ　　　وهل من معيذ يتقي الله عادل

"کیا کسی پناہ مانگنے والے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی قابلِ احترام جائے پناہ ہو سکتی ہے؟ اور کیا کوئی پناہ مانگنے والا اس سے بڑھ کر عادل ہو سکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو؟"

كذبتم وبيت الله نترك مكة　　　ونظعن إلا أمركم في بلابل

"بیت اللہ کی قسم! تمھاری امیدیں باطل ہیں کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے۔ یاد رکھو، ہم جب بھی یہاں سے کوچ کریں گے، تمہیں حزن و ملال کا سامنا کرنا ہوگا!"

كذبتم وبيت الله نبزى محمدا　　　ولما نطاعن دونه ونناضل

"بیت اللہ کی قسم! تمہاری یہ بات بھی باطل ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غالب آ جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے ابھی تک تیروں اور نیزوں کے ساتھ آپ کا دفاع کیا ہی نہیں!"

ونسلمه حتى نصرع حوله　　　ونذهل عن ابنائنا والحلائل

"واللہ! ہم کبھی بھی آپ کو، تمہارے حوالے نہ کریں گے ـــ خواہ ہمارے درمیان شدید ترین معرکہ آرائی

ہو۔ اور آپؐ کی حفاظت کے لیے ہم آپؐ کے گرد و پیش جمع ہو کر اپنے بیوی بچوں سے بھی غافل ہو جائیں گے!"

وینھض قوم فی الحدید الیکم　　　نھوض الروایا تحت ذات الصلاصل

"پھر لوہے کے ہتھیاروں سے لیس قوم تمہارے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑی ہو گی جس کے ہتھیاروں کی آواز مشکیزوں میں چھلکتے ہوئے پانی کی طرح ہو گی!"

وانا لعمر اللہ ان جد ما أری　　　لتلتبسن أسیافنا بالأماثل

"اللہ کی قسم! میں جس چیز کو دیکھ رہا ہوں، اگر طول پکڑ گئی تو ہماری تلواریں یقیناً تمہارے معززین کا کام تمام کر دیں گی!"

بکفی فتی مثل الشھاب سمیدع　　　أخی ثقة حامی للحقیقة باسل

"ایسی تلواریں، جو کہ شعلوں کی طرح پھرتیلے سرداروں، قابلِ اعتماد اور اہل و عیال نیز اموال کی حفاظت کرنے والے، نہایت بہادر جوانوں کے ہاتھوں میں ہوں گی!"

وما ترك قوم لا أبالك سیدا　　　یحوط الذمار غیر ذرب مواکل

"تمہارا باپ نہ ہو! کیا قوم نے ایسے معزز سردار کو چھوڑ دیا ہے، جو کہ قابلِ حفاظت چیزوں کی حفاظت کرنے والا، مصلح ہے۔ اور امور کو دوسروں کے سپرد کرنے والا نہیں ہے؟"

وأبیض یستسقی الغمام بوجھہ　　　ثمال الیتامی عصمة للأرامل

"وہ گورے مکھڑے والا، جس کے روئے زیبا کے واسطے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں جو یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور یتیموں کا سرپرست ہے!"

تلوذ بہ الھلاك من آل ھاشم　　　فھم عندہٗ فی رحمة وفواضل

"آلِ ہاشم کے تباہ حال لوگ اس سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ اور وہ ہاشمی اس کے نزدیک مہربان اور صاحبِ فضیلت ہیں!"

وسائل أبا الولید ماذا حبوتنا　　　بسعیك فینا معرضا کالمخاتل

"ابوالولید سے دریافت کرو کہ دغا بازوں کی طرح منہ پھیر کر ہمارے خلاف کوشش کر کے تو نے ہمیں کیا نقصان پہنچایا؟"

أضاق علیہ بغضنا کل تلعة　　　من الأرض بین أخشب وجنادل

"کوہِ اخشب اور کوہِ مجادل (مکہ کی دو پہاڑیوں کے نام) کی درمیانی زمین کی ہر وادی ہماری دشمنی میں اس کے لیے تنگ ہو گئی ہے۔"

فعتبۃ لاتسمع بنا قول کاشح حسود کذوب مبغض ذی دغاول

"عتبہ! تم ہمارے بارے کسی بھی کٹر دشمن، حاسد، کاذب، مبغض اور مصائب برپا کرنے والے کی بات نہ سنو!"

وکنت امرأ ممن یعاش برأیہ ورحمتہ فینا ولست بجاھل

"تُو اس بات سے ناواقف نہیں کہ ہم سے متعلقہ معاملات میں تیری حالت اس شخص کی سی ہو گئی ہے، جو خود رائی اور جذبات کے تحت زندگی گزارتا ہے!"

ومرّ أبو سفیان عنّی معرضا کما مرّ قیل من عظام المقاول

"ابوسفیان، میرے پاس سے، ایک نہایت متکبّر اور سرکش انسان کی طرح اعراض کرتے ہوئے گزر گیا!"

یفرّ الیٰ نجد وبرد میاھہ ویزعم أنّی لست عنکم بغافل

"وہ نجد اور ٹھنڈے پانیوں کی طرف بھاگ گیا ہے۔ اور گمان کرتا ہے کہ میں تم سے غافل نہیں ہوں!"

ویخبرنا فعل المناصح انّہ شفیق ویخفی عارمات الدواخل

"اور خیر خواہ (کی طرح اس) کا طرزِ عمل ہمیں بتلاتا ہے کہ وُہ مہربان ہے، اور سخت فسادوں کو چھپائے رکھتا ہے۔"

أمطعم لم اخذلك فی یوم نجدۃ ولا معظم عند الامور الجلائل

"اے مطعم! میں نے تو تمہیں کسی بھی سخت مشکل دن اور شدید آلام و مصائب میں تنہا نہیں چھوڑا تھا (پھر تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟)"

أمطعم إن القوم ساموك خطۃ و إنّی متیٰ أوکل فلست بوائل

"مطعم! اگر لوگوں نے تجھے تکلیف پہنچائی ہے، تو مجھے بھی تکلیف پہنچی ہے۔ اور میں جب مغلوب ہوں گا، تو (تمہارے سوا) کسی سے التجا نہیں کروں گا!"

جزی اللہ عنا عبد شمس ونوفلا   عقوبۃ شر عاجلا غیر آجل

"اللہ تعالیٰ، ہماری طرف سے عبدِ شمس اور نوفل کی برائی کی سزا جلد اور بلا تاخیر دے!"

بمیزان قسط لا یخس شعیرۃ   لہٗ شاھد من نفسہ غیر عائل

"انصاف کے ترازو میں تول کر، جو جَو برابر بھی کمی نہیں کرتی — جس کے متعلق خود اس کا ضمیر گواہی دے کہ وُہ سزا ظالمانہ نہیں!"

لقد سفھت احلام قوم تبدلوا   بنی خلف قیضابنا والغیاطل

"ان لوگوں کی عقلیں ماری گئی ہیں، جنھوں نے ہماری بجائے بنو خلف اور بنو غیاطل کو اختیار کر لیا!"

ونحن الصمیم من ذؤابۃ ھاشم   وآل قصیّ فی الخطوب الأوائل

"(حالانکہ) ہم اہم معاملات میں قدیم ہی سے بنو ہاشم اور آلِ قصیّ میں کے اعلیٰ افراد اور ان کی جان رہے ہیں۔"

فکلّ صدیق وابن أخت نعدہ   لعمری وجدنا غبہٗ غیر طائل

"بخدا! ہم ہر دوست اور ہمشیر زادے کو اپنا سمجھتے تھے، لیکن ہم نے اس کا نتیجہ بے سود پایا ہے!"

سوی أن رھطا من کلاب بن مرۃ   براء الینا من معقۃ خاذل

"البتہ بنو کلاب بن مرّہ کا ایک گروہ بری ہے۔ اور اس نے کسی رسوا کرنے والے کی سی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا!"

ونعم ابن أخت القوم غیر مکذب   زھیر حساما مفردا من حمائل

"زہیر ہمارا بہترین ہمشیر زادہ ہے۔ اور بلاشبہ وُہ نیام سے نکالی ہوئی منفرد شمشیر ہے!"

أشمّ من الشمّ البھالیل ینتمی   إلی حسب فی حومۃ المجد فاضل

"سربلند سرداروں میں کا ایک سربلند سردار ہے — وُہ ایسے حسب (ونسب

والے خاندان سے نسبت رکھتا ہے، جو انتہائی شرف و عظمت کا حامل ہے۔"

لعمري لقد كلفت وجدا بأحمد و اخوته دأب المحب المواصل

"مجھے اپنی عمر کی قسم! مجھے احمدؐ اور اُن کے بھائیوں سے بے پناہ محبت ہے ــــ جیسا کہ ایک محبِ مخلص کی عادت ہوتی ہے!"

فمن مثله في الناس أي مؤمل إذا قاسه الحكام عند التفاضل

"لوگوں میں اِن (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کون ہے؟ کہ جس کے بارے میں امید لگائی جاتی ہے، اِن کے ہم پلّہ ثابت ہو سکے؟ ــــ جب حکام تفاضل کے وقت تقابل کر رہے ہوں!"

حليم رشيد عادل غير طائش يوالي إلٰها ليس عنه بغافل

"وُہ صاحبِ حلم و رشد و عدل ہیں، باوقار ہیں! ــــ اور ایسے اللہ کو انہوں نے دوست بنا رکھا ہے، جو اُن سے غافل نہیں ہے!"

فوالله لولا أن أجئ بسبة تجر على أشياخنا في المحافل

"اللہ کی قسم! اگر میں کوئی ایسی قابلِ ملامت چیز نہ لا سکا، جو ہمارے قبائل کے سرداروں کے سر آتی ہو" ــــــ

لكنا اتبعناه على كل حالة من الدهر جدا غير قول التهازل

ــــ "تو زمانہ بھر، ہر حال میں ہم ان کے تابع رہیں گے ــــ اور میں یہ سچ کہتا ہوں، کوئی مذاق نہیں!"

لقد علموا أن ابننا لا مكذب لدينا ولا يعني بقول الأباطل

"ان سب نے معلوم کر لیا ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک راستباز ہے ــــ اور وُہ باطل اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا!"

فاصبح فينا أحمد في أرومة تقصر عنها سورة المتطاول

"ہم میں احمدؐ نے ایسی جڑوں سے ظہور کیا (یعنی ایسے ماں باپ سے پیدا ہوئے) کہ دست درازوں کی سختیاں انہیں ضرر پہنچانے یا ان کا رتبہ و منزلت حاصل کرنے سے قاصر ہیں!"

حدبت بنفسي دونه وحميته و دافعت عنه بالذرى والكلاكل

"میں نے اپنی جان کے ساتھ اُن کی حفاظت کی ہے۔ اور اپنی تمام تر قوتیں صرف کر کے آپؐ کا دفاع کیا ہے!"

نقضِ عہدنامہ کی مساعی

پھر قریش کی ایک جماعت نے اِس ظالم عہدنامہ کو پھاڑنے اور اس کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ اس میں سب سے زیادہ کوشش ہشام بن عمرو بن حارث بن مالک بن عامر بن لوی نے کی۔ پہلے وُہ زہیر بن امیہ بن مغیرہ سے ملا۔ اور اُس کو اپنے ماموؤں کی مدد چھوڑنے پر ملامت کی۔ اس کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں، اس لیے اُبوطالب اور تمام بنُو ہاشم اس کے ماموں ہُوئے۔ اس نے عہدنامہ توڑنے پر ہشام سے اتفاق کیا۔ پھر ہشام مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اس کو بنو ہاشم اور بنو مطلب کی رشتہ داری یاد کرائی، اس نے بھی اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ پھر وُہ ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا۔ اور اس سے بھی اسی بات کا ذِکر کیا، جس کا ذِکر مطعم بن عدی سے کیا تھا۔ اسی طرح پھر وہ زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور اس کو بنو ہاشم سے رشتہ داری اور باہمی حقوق یاد دلائے۔ اس نے کہا "جس کام کی تم مجھے دعوت دیتے ہو، اس کے لیے کوئی اور بھی ہمارے ساتھ تیار ہے؟" کہنے لگا: "ہاں! ہمارے ساتھ دُوسرے لوگ ہیں۔" پھر اس نے مذکورہ بالا جماعت کا نام لیا اور سب نے مکّہ معظمہ کی بالائی جانب "باب الحجون" میں جمع ہونے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ وعدے کے مطابق وُہ سب وہاں جمع ہُوئے اور اس عہدنامہ کو توڑنے کا ایک دوسرے سے عہد کیا۔ زہیر بولا: "اِس امر کی ابتدا مجھ پر چھوڑ دو۔ مَیں تم سب سے پہلے اس معاملے میں گفتگو کرُونگا۔" چنانچہ یہ سب لوگ دُوسرے دن سویرے سویرے کعبے گھر میں جمع ہُوئے۔ زہیر بھی ریشمی حلہ زیبِ تن کیے علی الصبح پہنچ گیا۔ پہلے بیتُ اللہ کا سات دفعہ طواف کیا۔ پھر اس مجمع میں آیا، جہاں سب لوگ بیٹھے تھے اور کہا: "اے اہلِ مکّہ! کیا یہ انصاف ہے کہ ہم جو چاہیں کھائیں اور جو چاہیں پہنیں، اور بنو ہاشم ایک ایک دانے کو ترسیں؟ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے اور نہ خریدی جائے، خُدا کی قسم! مَیں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا، جب تک یہ ظالم عہدنامہ پھاڑ نہ دیا جائے، جو قوم میں قطع رحمی کا سبب بنا ہوا ہے۔"

ابوجہل مسجد کے ایک کونے سے بولا: "جھُوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم! یہ عہدنامہ قائم رہے گا۔ کوئی طاقت اسے پھاڑ نہیں سکتی۔" زمعہ بولا: "بخُدا! تو سب سے بڑا جھُوٹا ہے، ہم تو پہلے دِن ہی سے اس پر راضی نہیں تھے۔"

ابوالبختری بولا: "زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے، نہ ہم اس پر راضی ہیں اور نہ اس کو برقرار رکھیں گے" مطعم نے کہا: "تم درست کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ جھوٹ کہتا ہے۔ ہم اس عہد نامے سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے، بیزار ہیں" ہشام بن عمرو نے بھی ایسا ہی کہا۔ ابوجہل بولا: "یہ معاملہ رات کو طے ہوا ہے اور اس کے بارے میں کسی دوسری جگہ مشورہ کیا گیا ہے"۔ ابوطالب بھی مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہے تھے۔ مطعم بن عدی یہ عہد نامہ پھاڑنے کے لیے اٹھا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ اس کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس نے سرنامہ "باسمک اللّٰھم" اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے ناموں کے سوا، اس میں کچھ نہیں چھوڑا۔[1]

موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عہد نامہ کی اس حالت سے مطلع کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کو خبر دی، تو وہ بولے "نہیں! روشنی پھیلانے والے ستاروں کی قسم! آپ جھوٹ نہیں کہتے"۔ پھر وہ بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں آئے۔ وہ اس وقت قریش سے بھرا پڑا تھا۔ جب انھوں نے ان کو آتے دیکھا، تو سمجھا کہ شدید قسم کی بھوک سے تنگ آ کر اب رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ ابوطالب نے کہا: "ایک واقعہ رونما ہوا ہے۔ ممکن ہے، وہ ہمارے اور تمھارے درمیان صلح کا ذریعہ بن جائے۔ پہلے اپنا عہد نامہ لے آؤ" اور یہ انہوں نے اس لیے کہا تاکہ وہ اس کو لانے سے پہلے دیکھ نہ لیں۔ یہ سن کر قریش بہت خوش ہوئے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرنے میں کوئی شک باقی نہ رہا۔ وہ کہنے لگے: "اب تمھارے ہوش ٹھکانے آئے ہیں۔ اور تم قوم کی بات سننے پر تیار ہوئے ہو"۔ ابوطالب بولے: "میں تمھیں ایک انصاف کی بات کہتا ہوں۔ اس کو مان لوگے، تو ہمارے تمھارے درمیان صلح ہو سکتی ہے۔ میرے بھتیجے نے کہا ہے، اور بخدا! وہ جھوٹ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے عہد نامہ سے بری ہے۔ اس نے اس سے اپنے سب نام مٹا دیے ہیں اور صرف تمھارا ظلم اور تمھاری قطع رحمی کی باتیں رہنے دی ہیں۔[2] اگر یہ سچ ہے، تو جب تک ہمارا بچہ بچہ نہیں کٹ جائے گا، ہم اس کو تمھارے حوالے نہیں کریں گے۔ اور اگر یہ جھوٹ ہے، تو ہم اس کو تمھارے حوالے کیے دیتے ہیں تمھیں اختیار ہے، اس کو مار ڈالو یا زندہ رکھو"۔ انھوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا، تو ویسا ہی پایا، جیسے انہوں نے خبر دی تھی۔ مگر بولے "یہ تمھارے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے"۔ یہ کہہ کر انھوں نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور پہلے سے بھی

---

[1] [2] یہ دونوں عبارتیں باہم متضاد ہیں، لیکن اصل میں اسی طرح ہے۔ (مترجم)

زیادہ فساد پر اُتر آئے۔ لیکن عہدنامہ پھاڑنے پر اتفاق کرنے والے لوگ آگے بڑھے اور اس عہدنامہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں جب عہدنامہ پارہ پارہ ہو گیا، تو ابُو طالب نے ایک طویل مدحیہ قصیدے میں اُن لوگوں کی تعریف کی، جنھوں نے اس ظالم دستاویز کو پھاڑنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ قصیدہ کے اشعار یہ ہیں ۔

ألا هل أتى بحريّنا صنع ربنا ... على نأيهم والله بالناس أرْوَدُ

"کیا ہمارے سمندر پار کے مسافروں کو ہمارے پروردگار کی کارسازی کی بھی کچھ خبر ملی ہے، کہ اس دوری کے باوجود اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بڑا مہربان ہے؟"

فيخبرهم أن الصحيفة مزقت ... وأنّ كل مالم يرضه الله مفسد

"(کیا کوئی شخص ایسا نہیں) جو انھیں خبر دے کہ صحیفہ پھاڑ دیا گیا ہے؟ اور یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا وُہ خرابی پیدا کرنے والی ہے"!

تراوحها إفك وسحر مجمع ... ولم يلف سحر آخر الدهر يصعد

"اس (نوشتہ) کو بہتان اور دانستہ جھوٹ نے قوت دی تھی؛ اور کوئی جھوٹ کبھی بھی ترقی کرتا ہوا نہیں پایا گیا!"

تداعى لها من ليس فيها بقرقر ... فطائرها في رأسها يتردد

"اس (نوشتہ) کے معاملہ میں وُہ لوگ بھی جمع ہو گئے، جو اس پر مطمئن نہ تھے۔ لہٰذا اس کی نحوست کے پرندان کے سروں میں پھڑ پھڑا رہے ہیں"

وكانت كفاء وقعة بأثيمة ... ليقطع منها ساعد ومقلد

"یہ واقعہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے عوض ہاتھ اور گردنیں کاٹی جاتیں، تو بجا تھا"

ويظعن أهل المكتين فيهربوا ... فرائصهم من خشية الشر ترعد

"مکہ کے نشیب و فراز کے رہنے والے سفر کیے جا رہے ہیں، اور اس حالت میں بھاگے چلے جا رہے ہیں کہ ان کے شانے بُرائی کے خوف سے پھڑ پھڑا رہے ہیں"

---

[1] "ارضِ حبشہ" کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمان مہاجرین مراد ہیں۔
[2] بمعنی "ارفق" یعنی بہت زیادہ نرمی کرنے والا - مہربان!

ويترك حراث يقلب أمره ... أيتهم فيهم عند ذاك وينجد

"اور کمائی کرنے والا شخص اپنے معاملہ میں تدبیریں کرنے کے لیے (بے روک ٹوک) چھوڑ دیا جاتا ہے، کہ خواہ ارضِ حجاز کی پست زمین تہامہ میں جائے یا بلند حصہ نجد میں سفر کرے"

فمن يتنس من حضار مكة عزه ... فعزتنا في بطن مكة أتلد

"مکّہ کے باسیوں میں سے کون اس کی عزت کو فراموش کر سکتا ہے؟ اور ہماری عزت تو وادیٔ مکّہ میں بہت پرانی ہے۔"

نشأنا بها والناس فيها قليل ... فلم ننفكك نزداد خيرًا ونحمد

"ہم نے اس میں اس وقت نشوونما پائی، جب اس میں تھوڑے سے لوگ تھے۔ لہٰذا ہماری عزت ہمیشہ بھلائی میں بڑھتی رہی اور ہمیشہ سراہی جاتی رہی ہے۔"

ونطعم حتى يترك الناس فضلهم ... إذا جعلت أيدي المضيفين ترعد

"ہم (مہمانی میں) کھانا کھلاتے ہیں، حتیٰ کہ لوگ اپنی فضیلت اور بڑائی کو چھوڑ دیتے ہیں اور مہمانی کیے جانے والوں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔"

جزى الله رهطا بالحجون تتابعوا ... على ملأ يهدي لحزم ويرشد

"اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جزائے خیر عطا فرمائے جو مقام حجون میں یکے بعد دیگرے برسرِ مجلس پہنچے۔ جو عقل کی بات کی جانب راہنمائی کرتے اور سیدھی راہ بتا رہے تھے۔"

قعود لدى حطم الحجون كأنهم ... مقاولة بل هم أعز وأمجد

"وُہ (مقام) حطم الحجون کے قریب یوں بیٹھے تھے، گویا رئیس ہیں۔ بلکہ وُہ تو رئیسوں سے بھی زیادہ عزو شان والے ہیں۔"

أعان عليها كل صقر كأنه ... إذا ما مشى في رفرف الدرع أجرد

"اس معاملہ میں جن لوگوں نے مدد دی، ان کا ہر فرد گویا ایک شہباز تھا۔ جب وُہ لمبی زرہوں میں چلتا تو بہت آہستہ چلتا۔"

جريء على كل الخطوب كأنه ... شهاب بكفي قابس يتوقد

"بڑے بڑے اہم معاملات میں بڑی جرأت کرنے والا ہے، گویا وُہ ایک چنگاری

سے ہے جو آگ لینے والے کے ہاتھوں میں بھڑک رہی ہے۔"

من الاکرمین من لؤیّ بن غالب إذا سیم خسفا وجهه یتربد

"وہ لؤیّ بن غالب کے شرفاء میں سے ہے۔ جب کوئی ذلّت کا برتاؤ کیا جائے تو اس کا چہرہ متغیّر ہو جاتا ہے۔"

طویل النجاد خارج نصف ساقه علیٰ وجهه تسقی الغمام وتسعد

"وُہ دراز قد، جس کی آدھی پنڈلی باہر نکلی رہتی ہے، اس کے چہرہ کے طفیل ابر پانی برساتا اور سعادت حاصل کرتا ہے۔"

عظیم الرماد سیّد وابن سیّد یحض علی مقری الضّیوف ویحشد

"بڑا سخی سردار، اور سردار کا بیٹا ہے ـــ مہمانوں کی ضیافت پر دوسروں کو بھی ابھارتا اور جمع کرتا رہتا ہے۔"

ویبنی لأبناء العشیرة صالحا إذا نحن طفنا بالبلاد ویمهد

"جب ہم شہروں میں ادھر ادھر گھومتے اور سیاحت کرتے ہیں، تو وُہ خاندان کے بچوں کے لیے اچھی اچھی بنائیں ڈالتا اور تمہیدیں باندھتا ہے۔"

ألظّ بهٰذا الصّلح کل مبرأ عظیم اللّواء امرهٗ ثم یحمد

"اس صلح کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے والا ہر فرد بے عیب، عظیم جھنڈے والا ہے، جس کے کام کی تعریف کی جاتی ہے۔"

قضوا أمرهم فی لیلهم ثم أصبحوا علیٰ مهل وسائر النّاس رقّد

"انہوں نے اپنے کام کا راتوں رات فیصلہ کر ڈالا، اور باطمینان صبح صبح مقامِ مطلوب پر پہنچ گئے۔ جبکہ تمام لوگ سو رہے تھے۔"

هم رجعوا سهل بن بیضاء راضیاً وسرّ أبوبکرٍ بها ومحمّد

"انہی لوگوں نے سہل بن بیضاء کو راضی کر کے واپس کیا ـــ ابوبکرؓ بھی اس سے خوش ہو گئے، اور محمّد صلی اللہ علیہ وسلم بھی!"

متیٰ شرك الاقوام فی جلّ أمرنا وکنّا قدیما قبلها نتودّد

"اور ہمارے بڑے بڑے امور میں یہ لوگ کہاں شریک رہے ہیں؟ ۔۔۔ حالاں کہ اس معاملہ سے قبل بھی ہم ہمیشہ باہم دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔"

وکنّا قدیمًا لا نقرّ ظلامۃ　　　وندرک ما شئنا ولا نتشدّد

"ہماری یہ عادت قدیم سے رہی ہے کہ ظلم کو برقرار نہیں رہنے دیتے ۔۔۔ ہم جو چاہتے ہیں حاصل کرتے ہیں، اور سختی بھی نہیں کرتے۔"

فیال قصیّ ھل لکم فی نفوسکم　　　وھل لکم فیما یجئ بہ غد

"پس اے آلِ قصیّ، تم پر تعجّب ہے، کیا تم نے اپنے ذاتی نفع ونقصان پر بھی غور کیا ہے، اور کیا کل پیش آنے والے واقعات پر بھی تم نے کبھی نظر ڈالی ہے؟"

فانی وایاکم کما قال قائل　　　لدیک البیان لو تکلمت أسود[1]

"میری اور تمہاری بس وہی حالت ہے، جیسے کسی کہنے والے نے کہا ہے، ۔۔۔ (میں تو کچھ بول نہیں سکتا) ۔۔۔ اے اسود! بولنے کے تمام ذرائع تیرے ہی پاس ہیں۔"

اِس عہدنامہ کو توڑنے کا محرکِ اوّل ہشام بن عمرو فتح مکّہ کے روز شرفِ اسلام سے مشرّف ہُوا۔ نقضِ عہد کے بعد بنو ہاشم شعبِ اَبی طالب سے نکلے اَور دُوسرے لوگوں کی طرح اپنے مکّہ والے گھروں میں رہنے لگے۔ اَور یہ واقعہ نبوّت کے دس سال بعد پیش آیا۔ اس کے چھ ماہ بعد ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اَور اس سے تین دِن بعد حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

اَبُوطالِب کو عالمِ نزع میں اِسلام کی دَعوت

صحیحین میں ہے، ابنِ مسیّبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب اَبوطالِب کی وَفات کا وقت قریب آیا، تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ اس وقت اَبُوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی وہاں

---

[1] اسود ایک کالے پہاڑ کا نام ہے، جس میں کوئی آدمی اگر قتل ہوجاتا تو اس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا۔ اس پر مقتول کے وارث کہتے "اے اسود، کاش تُو بولے" ان کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ بولے، تو قاتل کی نشاندہی ہوجائے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی۔

موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چچا! ایک مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیجیے میں اللہ کریم سے جھگڑ کر بھی آپ کی خلاصی کراؤں گا۔" وہ دونوں بولے: "اے ابوطالب! دُنیا سے جاتے وقت عبدالمطلب کے دین سے منہ پھیرتے ہو؟" آپ نے دوبارہ یہ بات کہی اور انھوں نے بھی دوبارہ یہی کہا۔ ابوطالب نے جو آخری بات کہی، وُہ یہ تھی: "مَیں عبدالمطلب کے مذہب پر جا رہا ہُوں"۔ اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: "بخدا! جب تک مجھے منع نہ کیا گیا، مَیں ان کے لیے استغفار کرتا رہُوں گا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوٓا اُولِيْ قُرْبٰى - الآیۃ!" (التوبۃ: ۱۱۳)

"یعنی نبیؐ اور دُوسرے ایمانداروں کے لیے جائز نہیں کہ وُہ مشرکوں کے حق میں دُعا مغفرت کریں، خواہ وُہ اُن کے قریبی رشتے دار ہوں"۔

اور ان کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہُوئی: "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ[1] - الآیۃ!"

"یعنی جس کو آپؐ چاہتے ہیں، ہدایت نہیں دے سکتے۔"

صحیح بُخاری میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ:

"ابُوطالب آپؐ کی حمایت اور مدد کیا کرتے تھے اور آپؐ کی خاطر ساری قوم سے ناراض تھے، کیا ان کو اس کا کچھ فائدہ ہو گا؟" فرمایا: "ہاں! مَیں نے اُن کو آگ میں غوطے لگاتے ہُوئے پایا اور اُن کو نکال کر ٹخنے ٹخنے میں کر دیا۔" ایک روایت میں ہے: "شاید قیامت کے دن ان کو میری سفارش نفع دے اور ان کو ٹخنے ٹخنے تک آگ میں کر دیا جائے۔ اس سے بھی ان کا دماغ ہنڈیا کی طرح اُبلے گا۔" ایک روایت میں ہے: "اگر مَیں نہ ہوتا، تو وُہ آگ کے نچلے طبقہ میں ہوتے!"

صحیح قول کے مُطابق ان کا انتقال نبوّت کے دس سال بعد رمضان المبارک میں ہُوا۔ کہتے ہیں کہ: رسُول اللہ ﷺ اس سال کو "غم کا سال" فرماتے تھے۔ اور صحیح قول کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ ﷺ کے ساتھ ۲۵ سال رہیں۔ پھر اُن کی وفات کے کچھ دن بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

---

[1] القصص ۵۶

قریش کی طرف سے آپ ﷺ کے مصائب میں اضافہ

ابُوطالب کی وفات کے بعد کفّار کی طرف سے آپ ﷺ کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وُہ کھلم کھلا ایذارسانی پر اُتر آئے اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمیشہ اپنے مقاصد میں ناکام کیا۔

مؤرخین اور دُوسرے علماء نے قریش کی طرف سے پہنچنے والی کئی طرح کی مصیبتوں کا ذکر کیا ہے ایک وُہ ہے، جو ابنِ اسحٰق نے عبداللہ بن عمروؓ سے بیان کی ہے کہ ایک دفعہ قریش حطیم میں جمع ہُوئے۔ رسُول اللہ صَلّی اللہُ علیہ وسلّم کا ذکر کرنے لگے اور کہنے لگے "ہمارے صبر کی بھی کوئی مثال نہیں۔ اس نے ہمیں بیوقوف کہا، ہمارے اسلاف کو گالیاں دیں اور ہماری جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے" وُہ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپؐ نے حجرِ اسود کو بوسہ دے کر طواف کرنا شروع کیا۔ جب ان کے پاس سے گزرے، تو اُنھوں نے آنکھوں آنکھوں میں اشارے کیے، جس کا ناگوار اثر مَیں نے آپ کے چہرے میں محسوس کیا۔ دُوسری دفعہ وہاں سے گزرے، تو اُنھوں نے پہلے کی طرح پھر اشارے کیے اور مَیں نے اس کا اثر آپؐ کے چہرے میں دیکھا۔ تیسری مرتبہ گزرے، تو آپؐ نے وہاں کھڑے ہو کر فرمایا: "اے گروہِ قریش! مَیں تمھارے پاس ذبح کرنا اور حلقوں کا کاٹنا لے کر آیا ہُوں" وُہ کہنے لگے: "اے ابوالقاسم! آپ جاہل تو نہیں، آپ بخیریت تشریف لے جائیے۔" دُوسرے دِن وُہ پھر حطیم میں جمع ہُوئے اور آپؐ بھی تشریف لے آئے۔ وُہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کہنے لگے "اس پر ایک آدمی کی طرح یکبارگی کُود پڑو۔" اتنا کہنا تھا کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کو گلے سے پکڑ لیا۔ ابُوبکرؓ آپؐ کو چھڑانے کے لیے اُٹھے اور روتے ہُوئے کہا، کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وُہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے؟

اور اسماءؓ کی حدیث میں یُوں آیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی بلانے والا آیا اور کہنے لگا "اپنے دوست کو جا کر چھڑاؤ۔" چنانچہ ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً گھر سے نکل بھاگے، ان کے بال چار لٹوں میں بٹے ہُوئے تھے۔ وہاں جا کر کہنے لگے، "کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وُہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟" یہ سُنتے ہی اُنھوں نے رسُول اللہ ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لپٹ گئے۔ ان کو اتنا زدوکوب کیا اور ان کے اس قدر بال نوچے کہ جب ہم ان کے بالوں کو ہاتھ لگاتی تھیں تو وُہ ہمارے ہاتھ میں

اُچھالتے تھے۔

صحیح بُخاری میں ہے، عروہؓ کہتے ہیں: مَیں نے ایک دفعہ عبداللہ بن عمروؓ سے پُوچھا کہ "رسُول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے سب سے سخت کونسی تکلیف پہنچی ہے؟" بولے: "ایک دفعہ آنحضرت ﷺ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس زور سے گلا گھونٹا کہ اگر بروقت امداد نہ ملتی، تو آپ ﷺ کی زندگی خطرے میں تھی۔ ابُوبکرؓ آئے اور عقبہ کو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور کہا: کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وُہ کہتا ہے، میرا رَبّ اللہ ہے؟"

ایک وُہ ہے، جو امام بُخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدُاللہ ابنِ مسعُود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور کفار کی ایک جماعت اپنی مجلس میں بیٹھی ہُوئی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا، کیا تم اس ریاکار کو دیکھتے نہیں؟ کیسے دکھاوے کی نماز پڑھ رہا ہے۔ کوئی ہے، جو آلِ فلاں کے گھر جائے اور خُون میں لت پت اُونٹ کی اوجھڑی اور اُس کی جیر اُٹھا لائے" اور جب یہ سجدہ میں جائے تو اس کے کندھوں کے درمیان رکھ دے"؛ قوم کا ایک بدبخت انسان اُٹھا اور جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا، تو اس کو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور دشمن ہنسنے لگے۔ وہ ہنستے ہنستے ایک دُوسرے پر گرتے تھے۔ مَیں کھڑا کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، لیکن بے بس تھا۔ کاش! مجھ میں طاقت ہوتی اور مَیں اس کو آپ ﷺ کے کندھے سے اُتار پھینکتا۔ کسی نے جا کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس حادثہ کی خبر دی، وُہ دوڑتی ہُوئی آئیں۔ رسُول اللہ ﷺ بدستور سجدے میں تھے۔ بوجھ کی وجہ سے سر نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے اِس گندگی کو آپؐ کی پیٹھ مبارک سے اُتار پھینکا۔ پھر ان بدبختوں کو گالیاں دینے لگیں۔ رسُول اللہ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور بلند آواز سے ان کے حق میں یُوں بددُعا کی۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ دُعا کرتے، تو تین دفعہ دُعا کرتے اور جب سوال کرتے، تو تین دفعہ سوال کرتے۔ آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: "الٰہی! قریش کو پکڑلے، الٰہی! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو پکڑلے"۔ عبداللہ کہتے ہیں، مَیں نے بدر کی جنگ میں ان سب کو قتل ہُوئے پڑے دیکھا ہے۔ سخت دُھوپ کی وجہ سے ان کے رنگ کالے ہو گئے تھے۔ پھر انھیں گھسیٹ کر بدر کے

کنوئیں میں ڈالا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، کنوئیں میں ان کی لاشوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی گئی ہے۔"

ایک وہ ہے جس کا یوں ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک دن سجدہ کی حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن شریف پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور اس زور سے دبایا کہ آپ ﷺ کی آنکھیں مبارک باہر نکل آئیں۔

ایک وہ ہے کہ قریش کے بے وقوف لوگ آپ ﷺ کے منہ اور سر پر مٹی ڈال لیتے تھے۔ اس کو ابن اسحٰقؒ نے ذکر کیا ہے۔

ایک وہ ہے کہ مخالفین آپ ﷺ کے دروازے پر خون اور خون سے لت پت اوجھڑی ڈال جاتے تھے۔

ایک وہ ہے کہ ایک دفعہ اُمیہ نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر تھوک دیا تھا۔ اناللہ!

تکلیف دینے والے کافروں کے نام

ابن اسحٰقؒ لکھتے ہیں: جو لوگ آپ ﷺ کے گھر جا کر آپؐ کو تکلیف پہنچاتے تھے، ان کے نام یہ ہیں: ابولہب، حکم بن ابی العاص بن اُمیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی اور ابن اصداء ہذلی۔ یہ سب آپ ﷺ کے ہمسائے تھے۔ ان میں سے حکم بن ابی العاص کے سوا کسی کو اسلام لانے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ جیسے مجھے بتایا گیا ہے، بعض نماز پڑھنے کی حالت میں آپ ﷺ پر بکری کی بچہ دانی پھینک دیتے تھے۔ بعض جب آپ ﷺ کی ہانڈی وغیرہ پکنے کے لیے چولہے پر ہوتی، تو اُس میں ڈال دیتے۔ یہاں تک کہ نماز کی حالت میں ان کی تکلیفوں سے بچنے کے لیے آپؐ کو ایک حجرہ بنانا پڑا۔ تاکہ اس میں چھپ کر نماز پڑھیں اور کسی حد تک ان کی تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔ بعض اوقات جب یہ لوگ بچہ دانی وغیرہ آپ ﷺ پر ڈالتے، تو آپؐ اس کو لکڑی پر اٹھا کر اپنے دروازے میں کھڑے ہو جاتے۔ اور فرماتے، "اے عبد مناف کے بیٹو! یہ کیا پڑوس ہے؟" پھر اس کو راستے میں پھینک دیتے۔ عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ ایک احمق نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈالی، آپؐ اسی طرح اپنے گھر تشریف لے گئے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کی صاحبزادی آپؐ کے سر مبارک سے مٹی دھوتی تھیں اور اپنے والدِ

بے مثل کی اس تحقیر پر رو تی بھی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بیٹی مت رو، اللہ تعالیٰ تیرے باپ کی حفاظت کرے گا" اور ساتھ ہی آپؐ یہ بھی فرماتے تھے کہ "قریش نے اس قسم کی تکلیفیں مجھے ابوطالب کی وفات کے بعد دی ہیں"۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کفّار کے مظالم

ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ آپؐ کے سامنے آپؐ کے صحابہؓ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا، اور قسم قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ ابن اسحٰقؒ قاسم بن محمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابوبکرؓ خانہ کعبہ کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں قریش کے ایک بے وقوف نے ان کے سر پر مٹی کا ایک ٹک ڈال دیا۔ اسوقت ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل بھی بازار میں گزر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا، آپ دیکھتے نہیں اس بیوقوف نے کیا کیا ہے"؟ وہ بولے "اس نے کچھ نہیں کیا ہے، یہ سب کچھ اپنے ساتھ تم نے خود کیا ہے"! ابوبکرؓ بولے "الٰہی! تو کتنا حوصلے والا ہے، الٰہی! تو کتنا حوصلے والا ہے"!

صحیح بخاری میں حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپؐ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے اور ہمیں کفار کی طرف سے بڑی سخت تکلیفیں پہنچی تھیں۔ میں نے کہا "یارسولؐ اللہ! آپؐ اللہ تعالیٰ سے دُعا نہیں کرتے"؟ آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے، آپ ﷺ کا چہرہ انور غصہ سے سُرخ ہوگیا، اور فرمایا "تم سے پہلے لوگوں کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں، اور گوشت پوست اُتار کر ہڈیاں ننگی کردی جاتی تھیں، مگر اس قسم کا انتہائی ظلم بھی اُن کو راہِ حق سے برگشتہ نہیں کرسکتا تھا۔ خدا کی قسم! یہ دین پُورا ہو کر رہے گا اور ایک وقت آئے گا کہ ایک آدمی صنعاء سے حضرموت تک چلے گا اور اس کو راستے میں اللہ کے ڈر' یا اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے ڈر کے سوا کوئی ڈر نہیں ہوگا"!

کفّار کا اجتماع اور آنحضرت ﷺ کو لالچ دینا

ابن اسحٰقؒ عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ خانہ کعبہ کے پاس غروب آفتاب کے وقت عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث بن کلدۃ عبدالدار، ابوالبختری بن ہشام،

اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، عاص بن وائل سہمی، حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ اور امیہ بن خلف وغیرہ جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: "محمد (ﷺ) کو بلاؤ اور آج اس سے فیصلہ کن بات کرو اور ہمیشہ کے لیے اس کا عذر دور کردو" چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپؐ کی قوم کے شرفا آپؐ سے کچھ بات کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپؐ کو بلاتے ہیں۔ آپؐ یہ پیغام پہنچتے ہی بلا تاخیر چلے آئے۔ آپؐ سمجھے تھے کہ شاید قوم کا ذہن بدل گیا ہے اور وہ اسلام کے قریب آ گئے ہیں۔ آپؐ کی یہی خواہش تھی، آپؐ ان کی ہدایت پر حریص تھے اور اُن کا کسی طرح کی مصیبت میں مبتلا ہونا آپ ﷺ پر شاق تھا۔ جب آپؐ تشریف لے آئے تو اُنھوں نے کہا: "محمدؐ! ہم نے تمھیں اس لیے بلا بھیجا ہے کہ آج تم سے فیصلہ کن بات کریں۔ ہم نے آج تک کوئی عربی نہیں دیکھا، جس نے اپنی قوم کو تباہی میں مبتلا کیا ہو، جس میں تم نے اپنی قوم کو مبتلا کر دیا ہے۔ تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، دین میں عیب جوئی کی، معبودوں کو برا بھلا کہا، ہمیں بے عقل بتایا اور جماعت میں تفریق ڈالی اور کونسی قباحت باقی رہ گئی ہے، جو تم نے ہمارے درمیان پیدا نہیں کی"۔

"سچ سچ بتاؤ! اگر اس ڈھونگ سے تم مال حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم چندہ جمع کر کے تمھیں اتنا مال اکٹھا کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم اس سے عزّو شرف چاہتے ہو، تو ہم تمھیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر تم پر کسی جن پری کا سایہ ہے، جس نے تمھیں پریشان کر رکھا ہے، تو ہم سرمایہ جمع کر کے تمھارا علاج کرا دیتے ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے جواب دیا: "جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں، مجھے ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ جو چیز میں تم پر پیش کر رہا ہوں، اس سے میری غرض تمھارے مال لینا، یا تم میں عزّو شرف پانا یا تم پر بادشاہ بننا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ ہاں مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر اپنی کتاب اُتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں کو خوش خبری سناؤں اور انکار کرنے والوں کو ڈراؤں۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات آپ لوگوں تک پہنچا دیے ہیں اور آپ سب کی خیر خواہی کر دی ہے۔ اگر اس کو قبول کر لوگے، تو یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی خوش قسمتی ہے۔ اور اگر رد کر دوگے، تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا، یہاں تک کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔ او کما قال ؐ"!

انھوں نے کہا: "محمد! (ﷺ) جو چیزیں ہم نے تم پر پیش کی ہیں، اگر تمھیں ان میں سے کوئی چیز منظور نہیں، تو دیکھو، ہمارا مُلک ہمارے لیے بہت تنگ ہے، پانی کی بے حد کمی ہے اور ضروریاتِ زندگی ناپید ہیں۔ تو اپنے رب سے جس نے تمھیں وُہ کچھ دے کر بھیجا ہے، جو تم کہتے ہو۔ کہو کہ وہ یہ پہاڑ ہی دُور کر دے، جن کی وجہ سے ہمارا شہر بہت تنگ ہو گیا ہے' ہمارا مُلک کشادہ کر دے، ہمارے لیے شام و عراق کی طرح دریا بہا دے اور ہمارے مرے ہُوئے بزرگوں کو زندہ کر دے۔ خصوصًا ان میں قصیّ کا زندہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ وُہ قوم کا سچا سردار تھا۔ ہم ان سے پُوچھیں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو، سچ ہے یا باطل ہے؟ اگر تم نے ایسا کر دیا، جس کا ہم نے تم سے مطالبہ کیا ہے اور ان بزرگوں نے بھی تمھاری تصدیق کر دی، تو ہم تمھیں سچا مان لیں گے اور اللہ کے نزدیک تمھارے مرتبے کو بھی جان لیں گے اور تسلیم کر لیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم کہتے ہو تمھیں اپنا رسُول بنا کر بھیجا ہے۔" رسُول اللہ ﷺ نے جواب دیا "میں اس کام کے لیے نہیں آیا ہُوں۔ میں تمھارے پاس وُہ دین لے کر آیا ہُوں، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ چنانچہ میں نے تمھیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دیے ہیں۔ اگر قبول کر لو گے، تو دُنیا اور آخرت میں خوش قسمت ہو گے اور اگر رد کر دو گے، تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنے والا ہُوں تاآنکہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو جائے۔" اس کے جواب میں انھوں نے کہا "اگر تم قوم کے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتے، تو اپنے لیے ہی خدا سے کچھ مانگ لو۔ اس سے کہو کہ وُہ تمھارے ساتھ کوئی فرشتہ بھیجے، جو تمھاری تصدیق کرے اور تمھاری طرف سے ہمارے سوالوں کا جواب دے۔ اگر یہ بھی نہیں مانتے تو اس کو کہو کہ وُہ تمھیں محلات اور کوٹھیاں دے اور سونے اور چاندی کے اتنے خزانے عطا فرمائے کہ تمھیں آئندہ کے لیے سامانِ زندگی حاصل کرنے سے بے نیاز کر دے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے تم بھی ہماری طرح بازاروں اور منڈیوں میں مارے مارے پھرتے ہو۔ اگر واقعی تم اللہ کے رسُول ہو، جیسا کہ تمھارا دعویٰ ہے، تو اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبات پُورے کرا کر دکھاؤ، پھر ہم مان لیں گے کہ تم سچ مچ اللہ کے رسُول ہو اور تمھارا اس کے ہاں بڑا مرتبہ ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں اور نہ میں اِن چیزوں کا اپنے رب سے سوال کروں گا۔ میں تو بشیر اور نذیر بن کر آیا ہُوں، او کما قال ﷺ! اگر جس دین کو میں لے کر آیا ہُوں قبول کر لو گے، تو دُنیا اور آخرت میں خُوش قسمت ہو گے اور اگر رد کر دو گے، تو میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا۔ تاآنکہ میرے اور تمھارے

درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو۔" وہ بولے "پھر اپنے رب سے کہو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ہی برسا دے جیسا کہ تمھارا دعویٰ ہے کہ اگر وہ چاہے، تو ایسا کر سکتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر تمھارے ساتھ وہ ایسا کرنا چاہے، تو اس کے ہاں کچھ دیر نہیں ہے۔"

انھوں نے کہا: "اے محمدؐ! اگر تمھارا خدا جانتا تھا کہ ہم تم سے ایک مجلس میں یہ سوال کریں گے اور یہ مطالبات پیش کریں گے، تو اس نے پہلے سے تمھیں ہمارے سوالات کے صحیح صحیح جواب کیوں نہیں سکھا دیے جن سے ہم مطمئن ہو جاتے؟ نیز یہ بتاتا کہ اگر ہم تمھارا دین نہیں مانیں گے، تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ تمھیں یمامہ کا ایک رحمان نامی آدمی یہ سب کچھ سکھاتا ہے اور خدا کی قسم! ہم رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمدؐ! ہم نے اب تمھارے سب عذر ختم کر دیے ہیں اور تمھیں ہر طرح سے لاجواب کر دیا ہے۔ واللہ! اب ہم تمھیں موقع نہیں دیں گے کہ ہمیں مزید پریشان کرتے رہو۔ اب تو یہی صورت ہے کہ یا ہم تم کو ہلاک کر دیں گے، یا تو ہم کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔" بعض نے کہا "ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔" بعض نے کہا "ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے، جب تک تم اللہ کو اور فرشتوں کو صف در صف ہمارے سامنے نہ لے آؤ۔" جب وہ سب اس قسم کی باتیں کرنے لگے، تو آپؐ اٹھ کر چلے آئے اور آپؐ کے پیچھے آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی بھی چلا آیا۔

عبداللہ بن ابی امیہ کا آپ ﷺ کو ملامت کرنا

عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: "اے محمدؐ! تمھاری قوم نے تمھارے سامنے کئی تجویزیں پیش کیں مگر تم نے ان کی ایک بات بھی نہیں مانی۔ پھر انھوں نے تم سے اپنے لیے چند باتیں عرض کیں، تاکہ ان کے پورے ہونے سے اللہ کے نزدیک تمھارے مرتبہ کا پتہ چل جاتا اور وہ تمھاری تصدیق کرتے اور تمھارے تابع ہو جاتے لیکن تم یہ بھی نہ کر سکے۔ پھر انھوں نے کہا، تم اپنے لیے ہی اپنے رب سے کچھ مراعات حاصل کر لو۔ اس سے ان پر تمھاری فضیلت ظاہر ہو جاتی اور اللہ کے ہاں تمھارے مرتبے کا بھی پتہ چل جاتا، مگر تم نے یہ بھی نہ کیا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے، تو ہم پر عذاب ہی لے آؤ، جس سے ان کو روز ڈراتے رہتے ہو۔ اور کما قال! خدا کی قسم! میں تم پر قطعاً ایمان نہیں لاؤں گا، تا آنکہ تو میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے، پھر وہاں

سے اپنے رب سے ایک چٹھی لکھوا لائے اور ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو شہادت دیں کہ واقعی، تُو اللہ کا رسُول ہے۔ واللہ! اگر تم ایسا کر بھی لو، تو مجھے پھر بھی یقین نہیں آتا کہ میں تمھاری تصدیق کر لوں گا۔ اور تمھیں اللہ کا رسُول مان لوں گا۔" ایسی سرزنش کرنے کے بعد وُہ چلا گیا اور آپ ﷺ بھی انتہائی مغموم ہو کر اپنے گھر واپس آ گئے۔ اور اُن کے بلانے پر ان کے ایمان لانے کی جو آرزو لے کر گئے تھے، وُہ ناکام ہو گئی۔

اُبوجہل کی دھمکی

جب آپ ﷺ اُٹھ کر چلے آئے تو اُبوجہل نے کہا: "اے قریش کی جماعت! محمدؐ نے تمھاری تمام تجویزیں رد کر دی ہیں اور اس بات پر مُصر ہے کہ ہمارے دین میں کیڑے نکالے، ہمارے بزرگوں کو گالی دیئے ہیں بے وقوف کہے اور ہمارے معبُودوں کی توہین کرے۔ خدا کی قسم! میں اللہ سے عہد کرتا ہُوں کہ کل میں اس کے لیے اتنا وزنی پتھر لے کر بیٹھوں گا، جسے میں مشکل اُٹھا سکوں۔ دو کما قال! پھر جب وُہ اپنی نماز میں سجدہ میں گرے گا، میں اس پتھر سے اس کا سر کچل دُونگا۔ پھر تمھاری مرضی ہے، مجھے اس کے قبیلے کے حوالے کر دینا یا مجھے بچا لینا۔ میں اپنا یہ ارادہ پُورا کر دُونگا، پھر بنوعبد مناف جو چاہیں کریں۔" سب نے بیک آواز کہا: "خُدا کی قسم! ہم تمھیں کسی کے حوالے نہیں کریں گے، شوق سے اپنا ارادہ پُورا کرو۔"

دُوسرے دن صُبح کے وقت ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر بیٹھا اور رسُول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر رسُول اللہ ﷺ بھی اپنے معمُول کے مطابق نماز پڑھنے کے لیے سویرے سویرے آ گئے۔ مکّہ میں آپؐ جب تک رہے، شام کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس طرح بیت اللہ آپ ﷺ کے اور بیت المقدس کے درمیان ہوتا تھا۔ رسُول اللہ ﷺ نماز پڑھنے لگے، ادھر قریش بھی علی الصبح اپنی مجلسوں میں آ کر بیٹھ گئے، تاکہ دیکھیں کہ اُبوجہل کس طرح اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے؟ جب رسُول اللہ ﷺ سجدہ میں گرے، تو اُبوجہل بھی پتھر اُٹھا کر اُدھر چل پڑا۔ وُہ ابھی آپ ﷺ کے نزدیک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اندھا دھند پیچھے کو بھاگا۔ مارے ڈر کے اس کا رنگ فق تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھ پتھر سے چمٹ گئے تھے۔ دُور جا کر اس نے پتھر اپنے سر سے پھینک دیا۔ قریش کے آدمی دوڑ کر اس کے پاس آئے اور پُوچھنے لگے: "اباالحکم! کیا بات ہے؟ واپس بھاگ آئے ہو؟" بولا: "میں اپنے رات کے ارادے کو پُورا کرنے

اُٹھا، جب اس کے نزدیک پہنچا، تو مجھ پر ایک سانڈھ اُونٹ نے حملہ کر دیا۔ خُدا کی قسم! مَیں نے اتنا بڑا سَر، اتنی موٹی گردن اور اتنی تیز کچلیاں آج تک کسی اُونٹ کی نہیں دیکھیں۔ وُہ مجھ کو کھا جانا چاہتا تھا۔" ابنِ اسحٰق کہتے ہیں؛ مجھ سے کسی نے ذکر کیا ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا، "یہ جبرائیل تھے اگر اور آگے بڑھتا، تو وُہ اس کو ہلاک کر ڈالتے" جب اَبُو جہل اپنی سرگزشت سُنا چکا، تو نضر بن حارث بن کلدہ کھڑا ہو گیا، اور بولا: "اے قریش کی جماعت! تم پر ایک عظیم مصیبت آ پڑی ہے جس کا علاج تم آج تک نہیں کر سکے۔ محمدؐ کا بچپن تمہارے سامنے گزرا ہے۔ اس نے عہدِ شباب میں قدم رکھا، تو وُہ قریش کا سب سے زیادہ پسندیدہ، سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار نوجوان تھا۔ اُس وقت تمھیں اس میں کوئی عیب نظر نہ آیا، لیکن اَب جب کہ اُس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو گئے ہیں اور تمھارے سامنے اس نے ایک آسمانی دین پیش کیا ہے، تو تم کہتے ہو؛ یہ جادُوگر ہے۔ خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ جادُوگر نہیں ۔ہم نے جادوگروں، ان کے دم جھاڑ اور ان کے گرہ لگانے کو دیکھا ہے! کہتے ہو، یہ کاہن ہے۔ خُدا کی قسم! یہ کاہن بھی نہیں ۔ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے، انکی پُرفریب باتوں اور ان کے مسجّع کلام کو سُنا ہے! کہتے ہو، یہ شاعر ہے۔ واللہ! یہ شاعر نہیں ۔ہم نے شعراء دیکھے ہیں اور ان کے ہر قسم کے اشعار سُنے ہیں! کہتے ہو؛ یہ دیوانہ ہے۔ بخُدا! یہ دیوانہ بھی نہیں ۔ہم نے جنون دیکھا ہے! یہ اس کی دَم گھٹی، وسوسہ اور بے ربط، اُوٹ پٹانگ باتیں نہیں ہیں۔ اے قریش کی جماعت اپنی فکر کر لو۔ خُدا کی قسم! تم پر ایک بہت بڑی آفت نازل ہو گئی ہے۔"

نضر بن حارث کی شخصیت

نضر بن حارث، قریش کا ایک شیطان آدمی تھا۔ رسُول اللہ ﷺ کو بڑی تکلیف دیا کرتا تھا، اور آپؐ سے دشمنی بپا رکھتا تھا۔ حیرہ میں جا کر اُس نے شاہانِ ایران کی تاریخ پڑھی تھی اور رستم و اسفندیار کے واقعات سیکھے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کسی مجلس میں وعظ و نصیحت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر نازل ہونے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر فرماتے، تو آپ ﷺ کے چلے جانے کے بعد یہ ان کی اس مجلس میں آ بیٹھتا۔ اور کہتا، "اے قریش کی جماعت! واللہ مَیں تم کو اس سے اچھے واقعات سُناتا ہوں۔ آؤ! مجھ سے عجیب و غریب واقعات سُنو۔" پھر شاہانِ ایران، رستم و اسفندیار کی کہانیاں سُناتا۔ پھر کہتا، "محمدؐ کی بات میں مجھ سے زیادہ کیا خوبی ہے؟" ابنِ ہشام کہتے ہیں، جہاں تک مجھے اطلاع ملی ہے یہ

اُسی نے کہا تھا: "سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ"[1] یعنی "جیسی اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی ہے، ویسی کتاب تو مَیں بھی نازِل کرسکتا ہوں"۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: ابنِ عباسؓ فرمایا کرتے تھے، "اُس کی مذمت میں قرآن حکیم میں تین آیات اُتری ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: "اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ"[2] یعنی "جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی باطل کہانیاں ہیں"۔ اور ہر وہ آیت جس میں "اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن" کا لفظ آیا ہے"۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا یہودِ مدینہ کے پاس آنا

جب نضر نے اپنی قوم سے کہا کہ اِس جیسی کتاب مَیں بھی اُتار سکتا ہوں، تو قوم نے اس کو اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودی دانشوروں کے پاس مدینہ منورہ بھیجا کہ ان سے محمدؐ کے بارے میں پُوچھ کر آؤ، اور ان سے اس کے صفات بیان کرو، اور اس نے جو دعوٰی کیا ہے، اس کا تذکرہ کرو۔ کیونکہ وہ اہلِ کتاب ہیں اور انبیاء کے بارے میں جو علم انھیں حاصل ہے، ہمیں حاصل نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں مدینہ منورہ آئے، یہودی علماء سے رسُول اللہ ﷺ کے بارے میں سوالات کیے، آپؐ کے صفات بتائے اور آپؐ کے دعوٰی نبوت اور آپؐ کی تعلیمات کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا: "اے علمائے یہود! آپ اہلِ تورات ہیں، ہم آپ سے اس مدعیِ نبوت کے بارے میں پُوچھنے آئے ہیں کہ ہم اس کے سچ یا جھُوٹ کا کس طرح فیصلہ کریں"؟ انھوں نے کہا: "اس سے یہ تین باتیں پوچھیں، اگر اس نے ان کا جواب دے دیا، تو سمجھو کہ وُہ نبی بھی ہے اور رسُول بھی ہے، اور اگر ان کا جواب نہ دے سکا، تو جان لو کہ وُہ جھُوٹا ہے۔ پھر اس کے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو۔ پہلے اس سے ان نوجوانوں کے بارے میں پُوچھو، جو قرونِ اُولیٰ میں ظلم سے بچنے کے لیے اپنے شہر سے دُور نکل گئے تھے، ان کی ایک عجیب سرگزشت ہے۔ دُوسرے اس آدمی کے متعلق پُوچھو، جس نے زمین کے تمام مشرقی اور مغربی ممالک زیرِنگیں کر لیے، وُہ کون تھا اور اس کا کیا حشر ہوا؟ تیسرے رُوح کے بارے میں پُوچھو کہ وُہ کیا ہے؟ اگر اس نے ان تینوں سوالوں کے جواب دے دیے، تو اس کی اتباع کرو۔ وُہ نبی برحق ہے، اور اگر وُہ ان کے جواب نہ دے سکا، تو سمجھ لو کہ وُہ جھُوٹا ہے اور اس کے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو"۔ یہ سُن کر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط

---

[1] الانعام: ۹۴ [2] القلم: ۱۵

مکہ مکرمہ واپس آگئے اور قریش کو جمع کر کے کہنے لگے "اے جماعتِ قریش! ہم تمھارے اور محمدؐ کے درمیان فیصلہ کن باتیں پوچھ کر آئے ہیں۔ ہمیں یہودی اہلِ علم نے اس سے تین باتیں پوچھنے کے لیے کہا ہے اگر اس نے اُن کے جواب دے دیئے، تو وہ نبی برحق ہے اور اگر جواب نہ دیئے تو وہ جھوٹا ہے۔ اسکے متعلق جو چاہو فیصلہ کر دو"! یہ سُن کر سب قریش اکٹھے ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا: "اے محمدؐ! وہ نوجوان کون تھے، جو ظلم سے بچنے کے لیے قرونِ ماضیہ میں گھر سے نکل گئے؛ ان کی عجیب و غریب سرگزشت کی تفصیلات بیان کرو۔ دوسرا وہ آدمی کون تھا جس نے زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے چھان مارے اور ان پر اپنا تسلط جمالیا؛ نیز یہ بتاؤ کہ رُوح کیا چیز ہے"؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمھارے ان سوالات کا کل جواب دوں گا۔ لیکن "إِنْ شَاءَ اللّٰهُ" کہنا بھول گئے۔ قریش یہ وعدہ لیکر واپس چلے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ پندرہ دن تک رسول اللہ ﷺ پر کسی قسم کی وحی نہیں آئی اور نہ ہی جبرائیلؑ آئے۔ قریش اور اہلِ مکہ نے غل مچانا شروع کر دیا کہ "محمدؐ نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور آج پندرہ دن ہو گئے ہیں، مگر اس نے ہمارے سوالات کا جواب کچھ نہیں دیا"۔ اِدھر وحی کے رُک جانے سے آپؐ کو بڑا غم ہوا اور اُدھر اہلِ مکہ کی طرف سے شور و غل مچانا سخت گراں گزرا۔ پندرہ دن کے بعد حضرت جبرائیلؑ آئے اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ کہف نازل کی۔ اس میں پہلے آپ ﷺ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ "ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپؐ اپنے آپ کو ہلکان کیوں کرتے ہیں؛ نہیں ایمان لاتے، تو آپؐ کی بلا سے، نہ ایمان لائیں"! پھر نوجوانوں، ساری دُنیا میں گھومنے والے انسان اور رُوح سے متعلق مذکور فرمایا۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، "جب جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا؛ آپ اتنی دیر کیوں رُکے رہے؟ آپ کے نہ آنے کی وجہ سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہونے لگی تھی، تو جبرائیلؑ نے جواباً یہ آیت پڑھی:

"وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا ۔ الآیۃ"[1]

یعنی "ہم آپکے ربّ کے حکم کے سوا نہیں اُترتے، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے کی سب مخلوق اسی کی ہے"۔

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں کہ ابنِ عباسؓ فرماتے تھے، "جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے

---

[1] مریم ۱۹:۶۴

تو علمائے یہود نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا"[1] "تمھیں بہت تھوڑا علم ملا ہے" میں خطاب ہم سے ہے، یا آپ کی قوم سے ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم سے اور میری قوم، سب سے خطاب ہے"، بولے "تم خود ہی اپنی کتاب میں پڑھتے ہو کہ ہمیں تورات ملی ہے، جس میں ہر چیز کا بیان ہے"؟ آپ نے فرمایا: "تورات بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کم ہے، اگر تم تحریف نہ کرو تو تمھارے پاس بھی اس کا کافی علم ہے" اور ان کے جواب میں اللہ نے یہ آیت اُتاری:

"وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ"[2]

یعنی "اگر زمین کے سارے درخت قلمیں بن جائیں اور پانی کے سمندر میں سات سمندر اور شامل ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ کے کلمے ختم نہیں ہوں گے"۔

مطلب یہ ہے کہ تورات بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کم ہے اور آپ کی قوم نے جو اپنے لیے سوال کیا تھا کہ "ہمارے شہر سے پہاڑ دُور کر دو، زمین پھیلا دو، اور ہمارے فوت شدہ بزرگوں کو زندہ کر دو" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا" (الرعد: ۳۱)

یعنی "اگر گزشتہ کتابوں میں سے کسی کتاب کے ساتھ پہاڑ دُور کیے گئے ہوتے، زمین کو کاٹ کر پھیلایا ہوتا اور مُردے زندہ کر کے ان سے باتیں کی ہوتیں (تو دُوسری کتابوں کی نسبت یہ قرآن بطریقِ اَولیٰ اس کا زیادہ مستحق تھا کہ یہ سب کام اس کے ذریعے کیے جاتے) لیکن تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں"۔

اور جو اُنھوں نے کہا تھا کہ "اپنے ربّ سے اپنے لیے باغات، محلات، سونے چاندی کے خزانہ جات اور تعاون اور امداد کے لیے فرشتے طلب کر لو" اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں درج ذیل آیات اُتاریں:

"وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

---

[1] بنی اسرآئیل: ۸۵ [2] لقمان: ۲۷

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ـ اِلٰی قولہٖ ـ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا " (الفرقان : ۷ تا ۱۰)

یعنی "وہ کہتے ہیں کہ یہ رسُول کھانا کیوں کھاتا ہے اور (بغرضِ تجارت) منڈیوں میں کیوں جاتا ہے، اللہ اُس کی طرف فرشتہ کیوں نہیں بھیجتا، جو ہر وقت اس کے ساتھ ڈرانے کے کام میں شریک رہے" (اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک) "اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے، اگر وُہ چاہے تو تیرے لیے (منڈیوں میں تلاشِ معاش کے لیے جانے سے) بہتر چیز مہیّا کر سکتا ہے یعنی باغات جن کے سیراب کرنے کے لیے نہریں بہتی ہوں اور شاندار محلات وغیرہ"

اور کفار کی ان ہی باتوں کے جواب میں یہ آیت بھی اُتاری:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا " (الفرقان : ۲۰)

یعنی "ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسُول بھیجے ہیں، سب ہی کھانا کھاتے تھے۔ اور بغرضِ تجارت منڈیوں میں بھی جاتے تھے اور ہم نے ایک کو دُوسرے کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔ کیا تم صبر سے کام لو گے؟ اور تمھارا رب دیکھنے والا ہے" (یعنی ہم نے تمھیں ایک دُوسرے کے لیے فتنہ بنا دیا ہے تاکہ صبر سے کام لو۔ اور اگر مَیں چاہتا، تو مخالفت اور دشمنی سے بچانے کے لیے اپنے رسُولوں کو دُنیا بھی دے سکتا تھا)!

اور جو تجویزیں عبداللہ بن ابی امیہ نے آپ ﷺ کے سامنے رکھی تھیں اس کے جواب میں یہ آیات اُتاریں:

"وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اِلٰی قولہٖ: هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا " (بنی اسرآئیل : ۹۰ تا ۹۳)

"اور کہنے لگے، ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمارے لیے زمین سے

چشمہ جاری کردو۔ (آگے تک) میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا بشر ہوں۔"

اور کفار کی طرف سے مال کی پیش کش کے جواب میں فرمایا:

"قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ"[1]

یعنی آپ کہہ دیجئے، میں نے تم سے جو مزدوری مانگی ہے، وہ تمھیں دیتا ہوں، میں اپنی مزدوری اللہ تعالیٰ سے لوں گا۔"

جب آنحضرت ﷺ نے مشرکین مکہ پر دینِ حق پیش کیا، انھوں نے آپ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی صداقت بھی معلوم کر لی اور آزمائش کے لیے جو سوالات کیے تھے، ان کے جوابات بھی سن لیے، تو حسد اور غرور کی بنا پر آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع پر آمادہ نہ ہوئے۔ بلکہ سرکشی اور نافرمانی میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑا اور کفر و شرک پر اصرار کیا۔

بعض نے کہا: "لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ"[2] یعنی اس قرآن کو نہ سنا کرو، بلکہ شور و غل مچا دیا کرو۔ شاید تم غالب آجاؤ۔" یعنی اس کو باطل اور لغو سمجھو اور اس کا مذاق اڑاؤ، شاید تم اس طریقے سے اس پر غالب آجاؤ۔ ورنہ اگر تم نے مناظرہ بازی اور مخاصمت کی راہ اختیار کی، تو اس میں تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔

ابوجہل کا مذاق

ایک دن ابوجہل نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے پیش کردہ دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: "اے جماعتِ قریش! محمد کہتا ہے کہ تم کو عذاب دینے اور تمھیں دوزخ میں بند کرنے والے فرشتوں کی کل تعداد ۱۹ ہے، تم تعداد میں سب لوگوں سے زیادہ ہو۔ کیا تم سو سو آدمی مل کر ایک ایک فرشتے کے مقابلے میں عاجز ہو؟" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر کی یہ آیت اتاری: "وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰۗىِٕكَةً"[3] الی آخر القصہ!

جب کفار نے ایک دوسرے کو قرآن سننے سے منع کر دیا، تو آنحضرت ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے سن کر منتشر ہو جاتے اور اس خوف سے کہ مبادا قرآن ان کے دلوں میں اتر جائے، اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے۔ اس کے بعد اگر کوئی آنحضرت ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے سننا چاہتا، تو ان سے ڈرتا

---

[1] سبا: ۴۷ [2] فصلت: ۲۶ [3] المدثر: ۳۱

ہُوا چوری چوری سُنتا۔ جب اس کو شک پڑتا کہ کسی نے اس کو قرآن سُنتے دیکھ لیا ہے، تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے وہاں سے چلا جاتا۔ اور اگر آنحضرت ﷺ آہستہ آواز سے پڑھتے اور سُننے والا سمجھتا کہ یہ آواز دُوسروں تک نہیں پہنچتی، صرف میں ہی سُن سکتا ہُوں تو پھر وُہ کان لگا کر توجہ سے سُنتا۔ ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں کہ ابنِ عباسؓ کا کہنا ہے کہ آیت: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾[1] اِن لوگوں کے بارے میں اُتری ہے۔ یعنی اتنی بلند آواز سے نہ پڑھو کہ یہ منتشر ہو جائیں اور نہ اتنی آہستہ آواز سے پڑھو جو مارے ڈر کے چوری چوری سُننا چاہتا ہے، وُہ بھی نہ سُن سکے۔ شاید قرآن سُن کر اس کے دل میں کوئی بات اُتر جائے اور اس سے وُہ نفع حاصل کرے۔ انتہیٰ!

میں کہتا ہُوں، صحیح بُخاری میں ابنِ عباسؓ سے اس آیت کا شانِ نزول اِس طرح بیان ہوا ہے کہ آں حضرت ﷺ مکّہ میں چھُپ کر زندگی کے دن پُورے کر رہے تھے، اس وقت صحابۂ کرامؓ کو نماز پڑھاتے وقت آپؐ بلند آواز سے قرأت کرتے تھے۔ مشرکین سُنتے تو قرآن، اس کو اتارنے والے اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾: یعنی بلند آواز سے نہ پڑھو کہ مُشرک سُن کر قرآن کو گالیاں دیں۔ ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾: اتنا آہستہ بھی نہ پڑھو کہ آپؐ کے ساتھی بھی نہ سُن سکیں۔ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾: اس کے درمیان درمیان آواز رکھو۔ مُسلم نے اپنی روایت میں یہ لفظ زیادہ کیے: ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾۔ يقول: بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ: یعنی بلند اور آہستہ آواز کے درمیان آواز رکھو۔

کفارِ مکّہ کا چوری چوری قرآن سُننا

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں، ابنِ شہاب زہری کا بیان ہے کہ ایک رات جب کہ رسُول اللہ ﷺ اپنے گھر میں نماز کے دوران قرآن پڑھ رہے تھے، اَبُوسفیان بن حرب، اَبُوجہل بن ہشام اور بنو زہرہ کا حلیف اخنس بن شریق ثقفی اپنے اپنے گھر سے قرآن سُننے کے لیے نکلے۔ ہر آدمی ایک جگہ بیٹھ کر قرآن سُننے لگا۔ اور کسی کو دُوسرے کی خبر نہیں تھی۔ جب صُبح صادق طلوع ہُوئی، تو ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ راستہ میں سب کی مُلاقات ہوگئی اور سمجھ گئے کہ کہاں سے آ رہے ہیں؛ اس طرح اُنھوں نے چوری چوری قرآن سُننے پر ایک دُوسرے کو ملامت کی اور کہا: آئندہ ہمیں یہ حرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کسی بے وقوف نے

[1] بنی اسرآئیل: ۱۱۰

ہمیں اس طرح دیکھ لیا، تو خواہ مخواہ اس کے دل میں شک پڑ جائے گا" یہ کہہ کر وُہ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ دُوسری رات پھر وُہ اپنی اپنی مجلس میں بیٹھ کر قرآن سُنتے رہے۔ صُبح صادق کے وقت وہاں سے نکلے، تو راستے میں ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے ایک دُوسرے سے وُہی کہا، جو کل کہا تھا۔ اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ تیسری رات وُہ پھر آئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر قرآن سُنتے رہے۔ صُبح صادق طلُوع ہونے کے بعد نکلے، تو پھر راستے میں ملاقات ہوگئی۔ اب تو وُہ بہت نادم ہُوئے اور ایک دُوسرے سے کہنے لگے کہ جب تک ہم پختہ عہد نہیں کریں گے، کام نہیں چلے گا۔ چنانچہ انھوں نے آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ عہد کیا اور اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔ دن نکلنے کے بعد اخنس بن شریق نے لکڑی ہاتھ میں لی، اور اُبوسفیانؓ کے گھر آیا اور کہنے لگا "ابوحنظلہ! جو کچھ تم نے محمدؐ سے سُنا ہے، اس کے بارے میں صاف صاف اپنی رائے بتاؤ" اس نے کہا "اے ابوثعلبہ! جو کچھ مَیں نے سُنا ہے، اس سے بعض کو میں جانتا ہُوں۔ اور یہ بھی جانتا ہُوں کہ اس سے کیا مُراد ہے؟ بعض کا معنیٰ مجھے سمجھ نہیں آیا اور نہ اس کا پتہ چلا ہے کہ اس سے کیا مُراد ہے؟"

اخنس بولا "خدا کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر ابوجہل کے پاس آیا اور کہا "ابوالحکم! سچ سچ بتاؤ، جو کچھ تم نے محمدؐ سے سُنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے"؟ ابوجہل بولا "کیا سُنا ہے بھائی! ہمارا اور بنو عبدِمناف کا عزّ و شرف میں مقابلہ ہوا۔ انھوں نے کھانا کھلایا۔ اور ہم نے بھی کھلایا۔ انھوں نے مسکینوں کو سواری کے لیے اُونٹ، گھوڑے دیے، تو ہم نے بھی دیے۔ اور انھوں نے غرباء میں اپنا مال لُٹایا، تو ہم نے بھی لُٹایا۔ جب ہم دونوں فریق گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور گھوڑ دوڑ کے دونوں گھوڑوں کی طرح میدان میں سرپٹ دوڑنے لگے، تو انھوں نے کہا، ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے، جس پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ اب ہم اُن کا مقابلہ کیسے کریں؟ خدا کی قسم! ہم تو اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے"۔ یہ سُن کر اخنس اُٹھ کر چلا آیا۔

ولید بن مغیرہ کا واقعہ

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں، ایک دفعہ قریش کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہُوئی، وُہ ان میں عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔ کہنے لگا: "اے جماعتِ قریش! حج کا وقت قریب آگیا ہے۔ مُلک کے اطراف و

اکناف سے لوگ حج کرنے کے لیے آئیں گے۔ انھوں نے تمھارے اس نبی کا ذکر سُن لیا ہے۔ وُہ ضرور اس سے ملنے کی خواہش کریں گے، اس لیے اس کے بارے میں بالاتفاق ایک بات طے کر لو۔ سب وہی کہو۔ بھانت بھانت کی بولیاں نہ بولنا، جن سے ایک دُوسرے کی تکذیب لازم آئے، اور ایک کی بات دُوسرے کی تردید کر دے"۔ سب نے کہا: "اے ابوعبدشمس! آپ ہی کہیں، اور آپ ہی ہمارے لیے ایک بات تجویز کر دیں، ہم سب وُہی کہیں گے"۔ بولا "نہیں، تم کہو، مَیں سُنتا ہُوں۔ جو بات پسند آئے گی، مَیں اس کی تائید کروُنگا"۔ انھوں نے کہا: "ہم کہیں گے، یہ کاہن ہے"۔ بولا: "نہیں بخُدا! یہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہیں، اس کا کلام نہ انکی طرح بھنبھناہٹ ہے اور نہ ان کی طرح مسجع ہے"۔ انھوں نے کہا: "پھر ہم کہیں گے، یہ دیوانہ ہے"۔ بولا "یہ دیوانہ نہیں۔ ہم نے جنُون دیکھا ہے، یہ اس کی دَم کشی، بے ربط کلام اور وسوسہ نہیں"۔ بولے "پھر ہم کہیں گے، یہ شاعر ہے"۔ اس نے کہا: "یہ شاعر بھی نہیں ہے، ہم شعر کی رجز، ہزج قریض، مقبوض اور مبسوط سب قسمیں جانتے ہیں اس کا کلام شعر نہیں ہے"۔ وُہ بولے "پھر ہم کہیں گے، یہ جادُوگر ہے"۔ اس نے کہا: "یہ جادُوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادُوگر اور ان کا جادو دیکھا ہے۔ یہ ان کا دم جھاڑ اور اُن کا گرہ لگانا نہیں ہے"۔ وُہ کہنے لگے "اے ابوعبدشمس! پھر آپ ہی کچھ بتائیں"۔ بولا "واللہ! اس کا کلام شیریں ہے، اس کی جڑ مضبُوط اور اس کی شاخیں پھلدار ہیں۔ اور جو باتیں تم نے تجویز کی ہیں، ان میں سے جو بات بھی کہوگے معلُوم ہو جائے گا کہ یہ باطل ہے۔ کسی قدر یہی صحیح ہے کہ تم سب جادوگر کہو، کہ یہ ایسی جادُو بھری بات کرتا ہے کہ اس کے ذریعے باپ بیٹے اور سب بھائی بندوں کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے"۔ ولید کی یہ بات سُن کر سب اُٹھ کر چلے گئے اور جن راستوں سے لوگ حج کے لیے آرہے تھے، ان میں جابیٹھے ۔۔۔ ہر گزرنے والے کو آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے اور آپؐ کی بات سُننے سے ڈرانے لگے اور آپؐ کو بدنام کرنے کے طرح طرح کے پاپڑ بیلے۔ ولید اور اس کی گفتگو کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر کی یہ آیات اُتاری ہیں:

"ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا - الی قولہ - سَأُصْلِيهِ سَقَرَ" (المدثر: ۱۱ تا ۲۶)

جو لوگ رسُول اللہ ﷺ اور آپؐ پر نازل شدہ قرآن کے بارے میں قسم قسم کی باتیں جوڑتے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ" [1] ای اصنافا "فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ [2] - الآیۃ" یعنی "جنھوں نے قرآن کے بارے میں قسم قسم کی

[1] الحجر: ۹۱ [2] الحجر: ۹۲

باتیں کی ہیں۔ تیرے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ لیں گے"۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں، ایک دن ولید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور گویا ہوا کہ "مجھے کچھ پڑھ کر سنائیے"۔ آپؐ نے یہ آیت شریف پڑھی "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ الآیۃ[1]" بولا "ذرا دوبارہ پڑھیے"۔ آپؐ نے دوبارہ پڑھی۔ کہنے لگا: "خدا کی قسم! اس میں حلاوت ہے۔ یہ حسین وجمیل ہے، اس کے نیچے مضبوط جڑ ہے اور اوپر پختہ پھل ہے۔ کوئی انسان اس قسم کی بات نہیں کر سکتا"۔ ایک روایت میں ہے، ابوجہل کو اس کا پتہ چلا، تو وہ اس کے پاس آیا اور بولا: "چچا! تمہارے لیے تمہاری قوم چندہ اکٹھا کرنا چاہتی ہے"۔ ولید نے کہا: "وہ کیوں؟" ابوجہل نے کہا "اس لیے کہ تم محمدؐ کے پاس آئے ہو اور اس کی مدح کر کے معاوضہ لینا چاہتے ہو"۔ اس نے کہا: "قریش جانتے ہیں کہ میرے پاس ان سب سے زیادہ مال ہے۔ مجھے ان کے مال اور چندے کی کیا حاجت ہے"؟ ابوجہل نے کہا "پھر اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو، جس سے تمہاری قوم جان لے کہ تم اس کو برا جانتے ہو"۔ ولید نے کہا "پھر میں کیا کہوں، بخدا! تم میں مجھ سے زیادہ اشعار جاننے والا کوئی نہیں ہے"۔

آنحضرت ﷺ اور عتبہ کا واقعہ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں: ایک دن قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے: اپنے میں سے زیادہ کسی جادوگر، کہانت اور شعر و شاعری جاننے والے کو دیکھو، پھر اس کو اس شخص کے پاس بھیجو جس نے ہماری قوم میں تفریق ڈال دی ہے۔ ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے اور ہمارے دین میں سینکڑوں عیب نکالے ہیں۔ وہ اس سے گفتگو کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے؟ سب بیک زبان بولے، "ہمارے علم میں اتنی خوبیوں کا حامل عتبہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔ اس لیے سب نے کہا: "اے ابوالولید! تم ہی اس کے پاس جاؤ"۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے محمدؐ! یہ بتاؤ، تم بہتر ہو یا تمہارا باپ عبداللہ بہتر ہے؟" آپ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے کہا، "تم بہتر ہو یا تمہارا دادا عبدالمطلب بہتر ہے"؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگا، "کہ اگر تم یہ کہو کہ وہ تم سے بہتر ہیں، تو وہ تو بتوں کی عبادت کرتے تھے، جن میں تم عیب نکالتے ہو۔ اور اگر کہو کہ تم ان سے بہتر ہو تو بولو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہم تمہاری بات پر غور کریں گے۔ بخدا! ہم نے کوئی بکری کا بچہ بھی اپنی قوم

---

[1] النحل: ۹۰

کے لیے تمھارے جیسا منحوس نہیں دیکھا۔ تم نے ہماری جماعت میں جُدائی ڈال دی ہے، ہمارا شیرازہ منتشر کردیا ہے، ہمارے دین میں کیڑے نکالے ہیں اور ہمیں سارے عرب میں ذلیل کردیا ہے۔ عرب میں یہ مشہور ہے کہ قریش میں ایک جادُوگر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے۔ تمھاری وجہ سے قوم میں اس قدر دشمنی پیدا ہوچکی ہے کہ ہر لحہ یہی خطرہ ہے کہ ہم میں باہمی تلوار چلے اور ہم ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے نابُود ہوجائیں۔ اے انسان! اگر تم محتاجی سے تنگ آکر ایسا کرتے ہو تو ہم تمھیں اتنا مال جمع کردیتے ہیں کہ تم سب قریش سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے۔ اگر شادی کرنا چاہتے ہو تو قریش کی جس عورت کو تم پسند کروگے ہم ایسی دس عورتوں سے تمھاری شادی کردیتے ہیں۔" رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بس اپنی بات ختم کرچکے ہو؟" اس نے کہا "ہاں!" پھر آپ ﷺ نے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کہہ کر سُورۂ حٰمٓ سجدۃ کی تلاوت شروع کی، "حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔" یہاں تک کہ آپؐ اِس آیت پر پہنچے: "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ[1]۔" یہ سُن کر عتبہ بس! بس! پکار اُٹھا اور بولا: "تمھارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں!" اتنی گفتگو کے بعد عتبہ قریش کی طرف لوٹ گیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا "کیا خبر لائے ہو؟" اس نے کہا: "جو کچھ تم اس کے متعلق کہتے ہو، مَیں نے وُہ سب کچھ اس سے کہا ہے۔" بولے: "پھر اس نے تمھیں کوئی جواب دیا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں جواب دیا ہے۔ اُس خدا کی قسم! جس نے اِس عمارت (خانہ کعبہ) کو بنایا ہے۔ جہاں تک مَیں اس کی بات کو سمجھ سکا ہُوں، اُس نے تمھیں ایسی بجلی سے ڈرایا ہے جس نے عاد اور ثمود کو بھسم کردیا تھا۔"

امام بغویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔" یعنی اگر یہ اعراض کریں تو اعلان کردو کہ مَیں تمھیں ایسی بجلی سے ڈراتا ہُوں، جیسی بجلی نے عاد اور ثمود کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا ہے۔" تو عتبہ نے آپؐ کے مُنہ مبارک پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر بولا، کہ خُدا کے لیے آگے کچھ نہ کہنا۔ پھر سیدھا گھر چلا گیا۔ اور قریش کی مجلس میں نہیں آیا۔ ابوجہل نے کہا: "اے جماعتِ قریش! ہمارے خیال میں عتبہ، مُحمّدؐ کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ اور اس کے کھانے پر ریجھ گیا ہے۔ یُوں لگتا ہے کہ اس نے تنگدستی سے مجبُور ہوکر ایسا ہی کیا ہے۔ آؤ! اس کے پاس چلیں۔" چنانچہ

---

[1] حٰمٓ السجدۃ: ۱۳

وہ سب اس کے پاس آئے۔ ابوجہل نے کہا: "اے عتبہ! ہم تمہارا انتظار کرتے رہے ہیں۔ تم ہمارے پاس اس لیے نہیں آئے کہ تم محمدؐ کی طرف مائل ہوگئے ہو اور اس کے کھانے پر ریجھ گئے ہو۔ اگر تم نے تنگدستی کی وجہ سے ایسا کیا ہے، تو ہم چندہ کر کے تمھیں اتنا مال اکٹھا کر دیتے ہیں کہ آئندہ تمھیں محمدؐ کے کھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" یہ سُن کر عتبہ آگ بگولہ ہوگیا اور قسم کھا کر کہا کہ "آئندہ اس سلسلے میں مَیں محمدؐ سے ہرگز کوئی بات نہیں کرونگا۔ اور مَیں سب قریش سے زیادہ مالدار ہوں۔ مجھے تمھارے چندے کی مطلق ضرورت نہیں مَیں نے اس کے سامنے وُہ سب تجویزیں رکھّی ہیں، جو تُم کہتے ہو۔ اس نے وُہ تجویزیں ٹھکرادی ہیں اور مجھے ایسا کلام سُنایا ہے کہ خُدا کی قسم! وُہ جادُو، شعر یا کہانت نہیں ہے ــــ اُس نے سُورۂ حٰمٓ سجدۃ اس آیت تک پڑھی:

"فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ"۔ (حٰمٓ السجدۃ:۱۳)

ــــ تو مَیں نے بےاختیار اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ آگے کُچھ نہ کہے۔ تُم جانتے ہو کہ محمدؐ کی بات سچّی ہوتی ہے، اس نے جھُوٹ کبھی نہیں بولا۔ مجھے ڈر ہے کہ تم پر عذاب نازل ہوکر رہے گا۔"

ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں محمّد بن کعب قرظی سے یہ روایت ذِکر کی ہے۔ اس میں ہے کہ رسُول اللہ ﷺ یہ سُورۃ پڑھتے رہے اور عتبہ نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر رکھ کر ٹیک لگائی اور خاموش بیٹھ کر سُنتا رہا۔ جب آپؐ نے سجدہؐ کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا، تو کہا "اے ابوالولید! جو کچھ تُم نے سُنا ہے سُن لیا ہے۔ اب مانو یا نہ مانو، تمھیں اختیار ہے۔" عتبہ اُٹھ کر اپنے دوستوں کے پاس چلا آیا۔ انھوں نے اسے دیکھ کر ایک دُوسرے سے کہا "خُدا کی قسم! اب ابوالولید کا چہرہ وُہ چہرہ نہیں، جو یہاں سے لے کر گیا تھا۔" جب وُہ آکر بیٹھ گیا، تو اُنھوں نے کہا: "اے ابوالولید! کیا خبر لائے ہو؟" بولا "مَیں یہ خبر لایا ہوں کہ مَیں نے وُہ بات سُنی ہے کہ بخُدا! مَیں نے پہلے ایسی بات کبھی نہیں سُنی تھی۔ واللہ! نہ تو وُہ جادُو ہے اور نہ وہ شعر، یا کہانت ہے۔ اے جماعتِ قریش! میری بات سنو۔ اور اس کی ذمّہ داری مجھ پر رہنے دو۔ محمّدؐ کو اپنا مشن جاری رکھنے دو اور اس کو کچھ نہ کہو۔ اگر عربوں نے اس کو مار ڈالا، تو تمھاری بلا ٹل گئی۔ اور اگر وُہ عربوں پر غالب آگیا، تو اس کی بادشاہی تمھاری بادشاہی ہے۔ اور اس کی عزّت تمھاری عزّت ہے اور تم اس کی وجہ سے سب لوگوں سے زیادہ سعادت مند ہوگے۔" یہ سُن کر قریشی کہنے لگے: "اے ابوالولید! بخدا، اس

نے تم پر جادُو پھونک دیا ہے۔" وُہ بولا "میرا اس کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔ آگے جو تمھاری مرضی ہے وُہ تم کر لو۔"

آپؐ سے مذاق کرنے والے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اُبولہب اور اس کی بیوی امِ جمیل بنت حرب بن امیہ آپؐ کے استخفاف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اُمِ جمیل کا نام "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" رکھا ہے۔ اس کا معنٰی "لکڑیاں اُٹھا کر لانے والی" ہے۔ جیسا کہ مجھے اِطلاع ملی ہے، یہ کانٹے اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں ڈال دیتی تھی، جہاں سے آپؐ گزرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی مذمت کرتے ہُوئے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے: "تَبَّتْ يَدَآ أَبِى لَهَبٍ وَتَبَّ ۔ الیٰ آخر السورۃ[1]" یعنی "اُبولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وُہ خود بھی ہلاک ہو جائے۔" یہ پُوری سورۃ ان دونوں میاں بیوی کی مذمت میں اُتری ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چغلی کھایا کرتی تھی اور اِدھر اُدھر کی باتیں نقل کر کے لوگوں میں لڑائی بھڑکا دیتی تھی، جس طرح لکڑی کے ساتھ آگ بھڑکائی جاتی ہے۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، جب اُمِ جمیل کو پتہ چلا کہ قرآنِ حکیم میں اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت نازل ہُوئی ہے، تو وُہ اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اُبوبکرؓ خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے، دوائی پیسنے کا کھرل لے کر آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ یُوں اندھی کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو نظر نہیں آ رہے تھے، لیکن حضرت اُبوبکرؓ کو صاف دیکھ رہی تھی۔ ان سے پُوچھنے لگی، "اُبوبکرؓ! تیرا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ وُہ میری ہجو کہتا ہے۔ بخدا! اگر وُہ مجھے مِل گیا، تو مَیں یہ پتھر مار کر اس کا مُنہ توڑ دُوں گی۔ خوب یاد رکھو، خدا کی قسم! مَیں شاعر ہُوں۔" پھر اس نے یہ رجز پڑھا ؎

مذمّمًا عصينا ۔ وامرہٗ ابينا ۔ ودينهٗ قلينا

"ہم نے مذمّم کی نافرمانی کی ہے۔ اس کی بات کا انکار کیا
ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔" (اناللہ!)

یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ اُبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، "یارسُولؐ اللہ! اس نے آپؐ کو نہیں دیکھا تھا؟" آپؐ نے فرمایا، "اس نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ مجھے دیکھنے سے اندھی کر دی تھی۔"

---

[1] سورۃ اللہب

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ قریش آنحضرت ﷺ کو "مُذَمَّم" کہتے تھے۔ ("مُذَمَّم" بروزن "مُحمّد" یعنی: آپؐ تعریف کی بجائے مذمّت کے لائق ہیں) پھر آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے۔ اس پر آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، "تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی تکلیف دِہ باتیں مجھ سے کس طرح پھیرتا ہے؟ یہ "مذمم" کو گالیاں دیتے ہیں اور "مذمم" کی ہجو کرتے ہیں اور میں "مُحمّد" ہُوں۔

امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح بھی مذاق اڑانے والوں کا ایک سرگرم رکن تھا۔ یہ جب آپؐ کو گالیاں دیتا اور آنکھ دبا کر آپؐ کی طرف اشارہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمّت میں یہ پُوری سُورت اتاری، "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ - الخ"[1] ابن ہشام کہتے ہیں: "ہُمَزَہ" وُہ ہے، جو کسی کو عَلانیہ طور پر گالیاں دے اور آنکھ دبا کر اس کی طرف اشارے کرے۔ اس کی ہجو میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے ؎

همزتك فاختضعت لذل نفس
بقافية تأجج كالشواظ

"نفس کی کمینگی کی وجہ سے تیرے آنکھوں آنکھوں میں اشارے شعلہ کی طرح بھڑکنے والے اشعار سے اب ماند پڑ گئے ہیں۔"

○ "ہمزہ" کی جمع "ہمزات" ہے۔ اور "لُمزہ" وُہ ہے، جو چھُپ چھُپ کر لوگوں کی عیب جوئی کرے اور اذیت پہنچائے۔

عاص بن وائل کا مذاق

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مکہ مکرمہ میں لوہار کا کام کرتے تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے تلواریں بنا کر عاص بن وائل کے ہاتھ بیچی تھیں اور ابھی قیمت وصُول کرنا باقی تھی۔ وُہ اپنی اُجرت لینے آئے تو عاص نے کہا، "خباب رضی! تمھارے نبیؐ نے جس کا تم نے دین قبُول کیا ہے، یہ نہیں کہا: "جنّت میں جانے والے لوگ جسقدر سونا، چاندی، کپڑے اور خادم، جتنے چاہیں گے، حاصل کریں گے؟" خباب رضی نے کہا، "کیوں نہیں!" بولا، "پھر مجھے قیامت تک مُہلت دو، مَیں تمھارا حق وہاں ادا کرُونگا۔ خُدا کی قسم! اللہ کے ہاں تیرا اور تیرے نبیؐ کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت اُتاری:

---

[1] الھمزۃ: ۱

"اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝
اِلٰی قولہٖ : وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا" (مریم : ۷۷ تا ۸۰)

صحیح بخاری میں خبّاب بن ارت سے روایت ہے کہ میں مکہ میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لیے کچھ کام کیا اور اُجرت لینے کے لیے اس کے پاس آیا۔ وہ بولا "جب تک تم محمدؐ کے ساتھ کفر نہیں کروگے، میں تمھیں اُجرت نہیں دوں گا" میں نے کہا "میں محمدؐ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا۔ تاوقتیکہ تم مرکر دوبارہ زندہ ہو" وہ کہنے لگا "جب میں مرکر دوبارہ زندہ ہوں گا۔ تو میرے پاس مال بھی ہوگا، اور اولاد بھی ہوگی"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝
اِلٰی قولہٖ : وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا" (حوالہ مذکور)

یعنی کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا ہے، جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد ملے گی، حالانکہ وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔"

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ایک دن ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا محمدؐ، تمھارے سامنے اپنا چہرہ زمین پر رگڑتا ہے"؟ انھوں نے کہا: "ہاں" بولا، "لات اور عزّیٰ کی قسم! اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ لیا، تو میں اس کی گردن پر چڑھ جاؤں گا اور اس کا چہرہ زمین پر رگڑ دوں گا"۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ کی گردن پر چڑھنے کے لیے آیا، لیکن وہ فوراً پیچھے بھاگا، اور ہاتھ یوں اندھا دھند ہلاتا تھا، جیسے کسی چیز کو اپنے سے دور ہٹاتا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا "اے ابوالحکم! کیا بات ہے، پیچھے کیوں بھاگ آئے"؟ بولا "میں نے اپنے اور اس کے درمیان آگ کی خندق دیکھی ہے اور خوف اور پر دیکھے ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا "اگر میرے نزدیک آتا، تو فرشتے اس کا جوڑ جوڑ الگ کردیتے" اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى" (العلق: ۶-۷)

یعنی "بلاشبہ! انسان نے اس لیے سرکشی کی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مستغنی دیکھا ہے"۔

ابوجہل اور نضر بن حارث کا کردار

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابوجہل کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملاقات ہوئی، تو کہنے لگا "محمدؐ! خدا کی قسم! یا تو تم ہمارے معبودوں کو گالی دینا چھوڑ دو گے، یا پھر ہم تمہارے معبود کو گالی دیں گے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ الآية" (الانعام: ۱۰۹)

یعنی "اللہ تعالیٰ کے بغیر یہ جن کو پکارتے ہیں ان کو گالی مت دو۔ ورنہ یہ لاعلمی اور دشمنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے معبودوں کو گالی دینا چھوڑ دیا، اور اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی مجلس میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اُن کو اس عذاب سے ڈراتے جو پہلی قوموں پر آیا تھا، تو آپ ﷺ کے تشریف لے جانے پر نضر بن حارث آکر آپؐ کی جگہ پر بیٹھ جاتا اور اُن کو رستم، اسفندیار، اور دیگر شاہانِ ایران کے واقعات سناتا۔ اور کہتا "خدا کی قسم! محمد ﷺ کی باتیں میری باتوں سے اچھی نہیں ہیں۔ اس کی باتیں تو صرف پہلے لوگوں کی باطل اور بے سروپا کہانیاں ہیں جو وہ کسی سے سیکھ کر سنا دیتا ہے۔"

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اُتاریں:

"وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ۔ الآية" (الفرقان: ۵-۶)

یعنی "کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی باطل اور بے بنیاد کہانیاں لکھ لایا ہے، جو اسے صبح و شام لکھائی جاتی ہیں۔ آپؐ فرما دیجیے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے جس کو اُس ذات نے اُتارا ہے، جو بھیدوں کو جانتی ہے۔"

اس کے بارے میں یہ آیت بھی اُتری ہے:

"اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ" (القلم: ۱۵)

یعنی جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو کہتے ہیں، یہ پہلے لوگوں کی بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

اور اس کے بارے میں یہ آیت بھی اُتری:

"وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ۔(الیٰ قولہٖ) فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" (الجاثیہ: ۷-۸)

یعنی "ہر جھوٹے گنہگار کے لیے ہلاکت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات سنتا ہے، جو اس پر پڑھی جاتی ہیں ـــــ (اس قول تک): پس اس کو عذاب دردناک کی بشارت دے دو۔"

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، وہاں قریش کے اور بھی بہت سے آدمی موجود تھے۔ نضر بن حارث بھی آکر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و نصیحت فرمانے لگے تو نضر بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُلجھ پڑا لیکن آپؐ نے اس انداز سے گفتگو کی کہ نضر کے لیے سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الانبیاء کی درج ذیل آیات پڑھیں:

"اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَہَا وٰرِدُوْنَ" (الآیات) (الانبیاء: ۹۸)

یعنی "تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہو اور تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔"

فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو عبداللہ بن زبعریٰ سہمی وہاں آکر بیٹھا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعریٰ سے مخاطب ہو کر کہا، "آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں نضر بن حارث کی کچھ پیش نہ گئی اور سوائے خاموشی کے اس کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ محمدؐ نے کہا ہے کہ ہم اور جن معبودوں کی ہم عبادت کرتے ہیں، سب جہنم کا ایندھن ہیں"۔ عبداللہ بن زبعریٰ نے کہا، "خدا کی قسم! اگر میں اس وقت موجود ہوتا، تو ضرور اس پر غالب آجاتا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھو، اگر جن معبودوں کی خدا کے بغیر عبادت کی جاتی ہے ـــ وہ اور ان کی عبادت کرنے والے سب جہنم کا ایندھن ہیں تو ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں، یہود، عزیر کو اور عیسائی عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں"۔ ولید اور حاضرین مجلس اس کی بات سے بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ یہ غالب

اُگیا ہے اور محمد (ﷺ) کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا "جو بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کی جائے، وہ اپنے عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہوگا۔ یہ لوگ تو شیطان کی عبادت کرتے ہیں یا جن کی عبادت کا شیاطین نے انکو حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ" (الانبیاء: ۱۰۱)

یعنی "جن کے لیے پہلے ہی ہماری طرف سے نیکی لکھی گئی ہے، وہ اِس (جہنم) سے دُور رہیں گے"۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو یہ کہا گیا ــــ کہ "اُن کی بھی اللہ کے سوا عبادت ہوتی ہے" اور ولید اور اور حاضرینِ مجلس اس سے بہت خوش ہوئے تھے، اس کے بارے میں یہ آیت اُتری:

"وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ" (الزخرف: ۵۷)

یعنی "جب عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی، تو آپؐ کی قوم اس سے بہت خوش ہوئی"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ" الیٰ قولہٖ: "وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا - الآیۃ"! (الزخرف: ۵۹ تا ۶۱)

"وہ تو ہمارا ایسا بندہ ہے، جس پر ہم نے انعام کیا ہے ...... اور اس کا نزول قیامت کی نشانی ہے۔ اِس لیے اس میں شک نہ کرو"، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مُردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو شفا بخشنے جیسے معجزات اور پھر ان کے آسمانوں سے اُترنے میں قیامت کی نشانی ہے۔ اِس لیے اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو!

"قرآن بڑے آدمی پر اُترنا چاہیے"!

ولید بن مغیرہ نے کہا، "کیا مجھے اور ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی کو چھوڑ کر محمدؐ پر قرآن اُتارا جاتا ہے، حالانکہ ہم دونوں مکہ اور طائف کے بڑے آدمی ہیں۔ میں قریش کا سردار اور ان کا بڑا آدمی ہوں اور ابو مسعود ثقیف کا سردار ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ — الآیۃ!" (الزخرف: ۳۱-۳۲)

"اور وہ کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں (مکّہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اُتارا گیا۔ کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟"

آپ ﷺ کے رُوئے انور پر ایک بدبخت کا تھوک دینا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ایک دُوسرے کے گہرے دوست تھے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط آں حضرت ﷺ کی مجلس میں آیا اور آپ کا وعظ سُنا۔ ابی بن خلف کو پتہ چلا، تو عقبہ کے پاس آیا اور کہا: "میں نے سُنا ہے کہ تم آج محمدؐ کی مجلس میں گئے ہو۔ اور اس سے قرآن اور وعظ سُنا ہے؟ اگر آج کے بعد تم محمدؐ کی مجلس میں گئے اور اُس سے کچھ سُنا، تو کلام تو کجا، میرے لیے تیرا چہرہ دیکھنا حرام ہے (اور اس نے اس پر سخت قسم کھائی) یا تم محمدؐ کے پاس جا کر اُس کے مُنہ پر تھوکو!" چنانچہ اس ظالم نے اپنی دوستی کی پاسداری کے لیے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور پر تھوکا۔ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

"وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا — الٰی قولہٖ "وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۔" (الفرقان ۲۷ تا ۲۹)

"اُس دن کو یاد رکھو، جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا، کاش! میں رسُول کا ساتھ اختیار کرتا اور اس کے راستے پر چلتا"۔ (الی قولہٖ) "اور شیطان موقعہ پر انسان کی مدد چھوڑنے والا ہے"۔

ایک دن ابی بن خلف مٹی کی کھائی ہُوئی بوسیدہ ہڈی لے کر آیا، اور بولا: "محمدؐ! تم کہتے ہو کہ ہڈی کی یہ حالت ہو جانے کے بعد بھی اللہ اس کو زندہ کرے گا؟" پھر اس کو توڑا اور ہتھیلی پر رکھ کر آپ ﷺ کی طرف پھُونک مار کر اُڑا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں میں کہتا ہُوں کہ ایسی حالت کے بعد اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اُٹھائے گا۔ پھر تمھیں آگ میں داخل کرے گا۔" اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

"وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۚ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ

رَمِيمٌ ٥ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۙ" (یٰس: ۷۸-۷۹)

اُور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی ہے اور کہتا ہے، بوسیدہ ہوجانے اور گل سڑ جانے کے بعد ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دیجئے ان کو وُہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور وُہ اپنی سب مخلوق کا جاننے والا ہے۔"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ بیت اللہ کا طواف کررہے تھے کہ اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، اُبیّ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ یہ اپنی قوم کے عمر رسیدہ اور بزرگ لوگ تھے اور کہنے لگے "محمدؐ! آج ہم تمھارے سامنے ایک انصاف کی بات پیش کرتے ہیں، امید ہے تمھیں اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ہم تمھارے خُدا کی عبادت کرتے ہیں، اور اس کے بدلے میں تُم ہمارے معبُودوں کی عبادت کرو۔ اس میں ہم دونوں فریق مشترک ہوں گے۔ پھر اگر تُمھارا خدا ہمارے معبُودوں سے اچھا ہُوا، تو ہم نے اس کی عبادت کرکے اپنا حصّہ لے لیا اور اگر ہمارے معبُود تُمھارے خُدا سے اچھے ہُوئے، تو تم ان کی عبادت کرکے اپنا حصّہ لے لوگے"! تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوُری سُورۃ اُتاری، "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔ الخ" (الکافرون)

ابن اسحاق نے لکھا ہے: ایک دِن ابُوجہل نے پُوچھا: "اے جماعتِ قریش! تمھیں معلوم ہے کہ زقوم کیا ہے، جس سے محمدؐ روز تمھیں ڈراتا ہے؟" اُنھوں نے کہا "نہیں" ! بولا: "وُہ مکھن کے ہمراہ مدینہ کی عجوہ کھجُوریں ہیں۔ بخُدا! اگر ہمیں مل جائے تو یہ زقوم تو ہم مزے لے لے کر کھائیں گے"! اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ٥ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ٥ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ٥ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ" (الدخان: ۴۳ تا ۴۶)

"یقیناً زقوم کا درخت گناہ گاروں کا کھانا ہے، جو تلچھٹ کی شکل کا ہوگا۔ وُہ ان کے پیٹوں میں اِس طرح اُبلے گا، جس طرح ہانڈی میں گرم پانی اُبلتا ہے" (یہ اس طرح نہیں جس طرح یہ ابُوجہل کہتا ہے)!

اور اِس درخت کے بارے میں یہ آیت بھی اُتاری: "وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ

وَنُخَوِّفُهُمْ ۔ الآیۃ ! (بنی اسرائیل : ۶۰)

"اور اُس کو قرآن میں ملعُون درخت کہا گیا ہے اور ہم اِن کو اس سے ڈراتے ہیں۔"

سُورۃ عبس کے اُترنے کا سبب

ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں : ایک دفعہ وَلید بن مغیرہ رسُول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ آپؐ اس سے باتیں کرنے لگے، اور اس کے اسلام میں طمع کیا۔ اتنے میں ایک نابینا صحابی ابن اُمِّ مکتُومؓ آ گئے۔ وُہ آپ ﷺ سے بات کرنے لگے اور آپ ﷺ سے قرآن پڑھانے کی خواہش کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس حرکت کو گراں سمجھا اور اس سے اپنے دل میں تنگی محسُوس کی۔ کیونکہ آپؐ اس وقت ولید کی طرف متوجّہ تھے اور آپؐ کو اس کے اسلام لانے کی کچھ اُمید بندھی تھی۔ جب ابنِ اُمِّ مکتُومؓ نے چند بار اپنی بات دُہرائی تو آپ ﷺ نے تیوری چڑھائی اور اُنہیں وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اِس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے "عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى" سے لیکر "مُطَهَّرَةٍ" تک آیتیں اُتاریں۔ (عبس : ۱تا۱۴)

"یعنی اللہ کے رسُولؐ نے تیوری چڑھائی ہے، اور پیٹھ پھیر کر چلا گیا ہے۔ اِس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آدمی آیا ہے۔"

یعنی اے نبیؐ ! ہم نے تمھیں بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کی تبلیغ کسی کے لیے خاص نہیں، جو اس کو چاہے، اس کو اس سے مت روکو، اور جو نہ چاہے، اس کے پیچھے نہ پڑو!

ابنِ مکتُومؓ بنو عامر بن لوی کے قبیلے سے تعلّق رکھتے تھے۔ اور ان کا نام عبداللہ ہے!

اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ اُن کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے کہ "اُس شخص کو خوش آمدید ہو، جس کے بارے میں مجھ کو میرے ربّ نے عتاب فرمایا تھا۔" اور ان سے پُوچھتے "کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟" نیز جب آپ ﷺ کسی جنگی مہم پر مدینے سے باہر تشریف لے جاتے، تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں : مَیں نے اُن کو جنگ قادسیہ میں دیکھا تھا۔ انھوں نے زرہ زیبِ تن کی ہُوئی تھی اور سیاہ جھنڈا ہاتھ میں پکڑ رکھّا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف رکھتے، تو خبابؓ، عمارؓ، ابو فکیہہؓ، یسارؓ۔ سولی صفوان بن امیہ ۔ صہیبؓ اور ان جیسے دوسرے کمزور مسلمان آپؐ کے گرد جمع ہو جاتے۔ کفار ان کا مذاق اُڑاتے اور ایک دوسرے سے کہتے، "دیکھتے ہو! یہ ہیں اس کے ساتھی، کیا ہمیں چھوڑ کر، انھیں حق اور ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے؟ بخدا! اگر محمدؐ کے دین میں کوئی خوبی ہوتی، تو اس کے تسلیم کرنے میں یہ ہم پر سبقت نہ لے جاتے اور نہ اس کے ساتھ ان کی تخصیص ہوتی"۔ انتہیٰ! میں کہتا ہوں:

امام احمدؒ عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس خبابؓ، صہیبؓ اور بلالؓ بیٹھے تھے۔ ان پر قریش کی ایک جماعت گزری۔ انھیں دیکھ کر کہنے لگے: "اے محمدؐ! اپنی قوم کو چھوڑ کر ان پر راضی ہو گئے ہو؟" اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَ اَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ‌ لَـيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ الیٰ قولہٖ "وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِيۡنَ"[1]

یعنی "اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈراؤ، جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انھیں ان کے رب کے دربار میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اور وہاں اس کے سوا نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا موجود ہوگا۔ واللہ اعلم بالظّٰلمین تک"!

(رواہ ابن جریر)

اور اس روایت میں ہے، اُنھوں نے کہا: "اے محمدؐ! کیا تم اپنی قوم کی بجائے ان پر راضی ہو گئے ہو۔ کیا ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے؟ کیا ہم ان کے تابع ہو جائیں؟ انکو نکال دو۔ اگر ان کو نکال دو گے، تو اُمید ہو سکتی ہے کہ ہم تمھاری پیروی کریں"۔ اس وقت یہ آیت اُتری:

"وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ"[2] الآیتین! یعنی "ان لوگوں کو اپنی مجلس سے ہرگز نہ نکالنا، جو صبح و شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں"۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اکثر مروہ پہاڑی کے پاس بنوالحضرمی کے عیسائی غلام کی دکان پر بیٹھتے تھے جس کا نام خیر تھا۔ اسی لیے مشرک کہتے تھے کہ محمدؐ جو کچھ ہمیں سُناتا ہے، اس کا بیشتر حصہ اسکو

---

[1] الانعام: ۵۱ تا ۵۸ [2] الانعام: ۵۲

بنوالحضرمی کا یہی عیسائی غلام خیر نامی سکھاتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

"وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ" (النحل: ۱۰۳)

"ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں کہ اسے کوئی انسان سکھاتا ہے۔ جس کی طرف یہ فعل منسوب کرتے ہیں، وہ عجمی ہے اور یہ قرآن مجید فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔"

"يُلْحِدُوْنَ": "مائل ہوتے ہیں" اور "الحاد" کا معنیٰ "مائل ہونا" ہے۔

سورتِ کوثر کا بیان

ابن اسحاق نے کہا ہے: میری اطلاع کے مطابق عاص بن وائل سہمی کا معمول تھا کہ جب آنحضرت ﷺ کا تذکرہ ہوتا، تو وہ کہتا: "اس کو چھوڑ دو، یہ ابتر ہے، یہ بے اولاد ہے۔ بس اس کے مرنے کی دیر ہے، اس کا نام مٹ جائے گا اور تم آرام پا لو گے۔" اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سورت اُتاری: "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" یعنی ہم نے تمھیں وہ چیز عطا کی ہے، جو دُنیا اور دُنیا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے اور کوثر عظیم چیز کو کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا: "یارسول اللہ! کوثر کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے؟" آپ نے فرمایا: "وہ نہر ہے، جو صنعاء سے لے کر ایلہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے تاروں کی گنتی کے مطابق ہیں۔ اس میں ایسی مرغابیاں ہوں گی، جن کی گردنیں اُونٹوں کی گردنوں جیسی دراز ہوں گی۔" یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "یارسول اللہ! یہ پرندے تو بہت نازک ہوں گے۔" آپ نے فرمایا: "ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ نازک ہوں گے۔" اور اس حدیث میں یا کسی دُوسری حدیث میں آیا ہے: "جو شخص اس سے ایک دفعہ پانی پی لے گا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔" بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کوثر وہ خیر کثیر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔" راوی کہتے ہیں، میں نے اپنے شیخ سعید بن جبیر سے کہا: "لوگ کہتے ہیں کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے؟" بولے: "جنت کی نہر بھی اسی خیر سے ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔" انتہیٰ!

عرب ہر اُس چیز کو جو تعداد یا مرتبہ میں زیادہ ہو کوثر کہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"[1] ابنِ عباسؓ نے اِنَّ شَانِئَكَ کا معنیٰ "دشمن" کیا ہے۔ "هُوَ الْاَبْتَرُ" یعنی کم مایہ ذلیل ہے، جو ہر خوبی سے محروم ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا رُکانہ سے کُشتی لڑنا

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: ابو اسحاق بن یسار نے کہا ہے کہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قریش کا ایک نامی گرامی پہلوان تھا۔ اس کی کسی گھاٹی میں رسُول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے رکانہ! تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے، اور جس دین کی میں تجھے دعوت دیتا ہوں، اس کو قبول نہیں کرتے؟" اس نے کہا: "جو کچھ تم کہتے ہو اگر سچ ہوتا، تو مَیں ضرور اس کی پیروی کرتا۔" رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر مَیں کُشتی میں تمھیں پچھاڑ دُوں، تو میرے دین کو سچا مان لو گے؟" بولا: "آؤ کُشتی لڑ کر دیکھیں۔" چنانچہ رکانہ آپ ﷺ سے کُشتی لڑنے کے لیے مَیدان میں نکل آیا۔ رسُول اللہ ﷺ نے اس کو پکڑتے ہی زمین پر لٹا دیا اور اس کو اپنے آپ پر ذرا بھر قابُو نہ رہا۔ رکانہ نے دوبارہ کُشتی لڑنے کے لیے کہا، آپؐ نے دوبارہ کُشتی لڑی اور اس کو پھر پچھاڑ دیا۔ وُہ بولا: "محمدؐ! بخُدا، یہ بڑی عجیب بات ہے، کہ تم نے مجھے پچھاڑ دیا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو، اللہ سے ڈرو اور میری اتباع کرو، تو میں تم کو اس سے بھی زیادہ عجیب چیز دکھاتا ہوں۔" بولا: "وُہ کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "وُہ جو سامنے درخت دیکھ رہے ہو، مَیں اسے بُلاتا ہوں، وُہ میرے پاس آجائے گا۔" اُس نے کہا: "پھر بُلاؤ!" آپؐ نے اُس کو بُلایا، تو وُہ چلنے لگا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر آپؐ نے اُس سے کہا: "واپس چلا جا۔" تو وُہ واپس اپنی جگہ پر جا کھڑا ہُوا۔ یہ سب ماجرا دیکھ کر رکانہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: "اے بنو عبد مناف! محمدؐ کا رُوئے زمین کے جادُوگروں سے مقابلہ کراؤ۔ بخُدا! مَیں نے اس سے بڑا جادُوگر نہیں دیکھا۔" پھر اُس نے جو کچھ کیا تھا اور جو کچھ دیکھا تھا، اس کی تفصیل بیان کی۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور انتہائی مؤثر طریق پر خُدا کے احکام اُن تک پہنچائے۔ ایک دن زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، اُبی بن خلف اور عاص بن وائل سہمی نے کہا: "محمدؐ! کاش! تمھارے پاس ایک فرشتہ ہوتا، جو لوگوں کو نظر آتا اور ان سے براہِ راست گفت گو کرتا۔" اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ان کی یہی بات اُتاری اور اُس کی تردید کی: "وَقَالُوا

[1] الکوثر: ۳

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ۔
الیٰ قولہٖ: "مَا یَلْبِسُوْنَ" ۔ (الانعام: ۸ تا ۹)

" وُہ کہتے ہیں اس پر فرشتہ کیوں نہیں اُتار اُجاتا؟ اور اگر ہم اس پر فرشتہ اُتار دیں تو معاملہ ختم ہو جائے اور اُن کو مہلت نہ ملے "

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف اور ابوجہل بن ہشام پر گزرے، تو اُنھوں نے آپؐ کو دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں اشارے کیے اور آپؐ کا مذاق اُڑایا۔ آپؐ کو اس حرکت سے بڑا رنج ہُوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ سے ان کا یہ سلوک قرآن میں ذکر کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلگیری فرمائی:

"وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ" (الانبیاء: ۴۱)

"(اے اللہ کے رسولؐ!) آپؐ سے پہلے رسُولوں کے ساتھ بھی اسی طرح مذاق کیا گیا، لیکن جلد ہی مذاق کرنے والوں کو ان کے وبال نے گھیر لیا"

فصل

امام ابن تیمیہؒ کی بحث

امام ابن تیمیہؒ عقلی اور نقلی دلائل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات کرتے ہُوئے اپنی مشہور کتاب "الجواب الصحیح" ص ۱۷۵ جلد ۴ طبع ۱۳۲۳ھ میں فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی رسُول کو مبعوث فرمائے اور اس کے صدق پر کوئی معجزہ قائم کر دے، تو حجت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس پر ایمان لانے کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی دُوسرا معجزہ طلب کرتا ہے، تو اس کا یہ مطالبہ پُورا کرنا واجب نہیں، بلکہ بعض اوقات اس سے اعراض کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اگر اس سلسلے کو جاری رکھا جائے تو ایک معجزے کے بعد دُوسرے اور دُوسرے کے بعد تیسرے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور بدباطن لوگوں کے مطالبات کی کوئی حد نہیں رہے گی۔

جھگڑے کی صورت میں کسی علمی مسئلہ یا حقوق العباد میں سے کسی حق میں ثبوت اور حجت قائم ہو جانے کے بعد اگر مخالف کہے کہ جب تک اس پر دوسری اور تیسری دلیل قائم نہ ہو میں تسلیم نہیں کرونگا، تو یقیناً وہ ظالم اور راہ حق سے منحرف ہے۔ حکام پر لازم ہے کہ وہ کسی فریق کو اس کا موقعہ نہ دیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جس نے بندوں پر توحید اور اپنے اور اپنے رسولوں پر ایمان لانا واجب کیا ہے۔ زیادہ حقدار ہے کہ جب وہ بذریعہ معجزہ انسانوں پر اپنے رسولوں پر ایمان لانا واجب کر دے تو دوسرے اور تیسرے معجزے کا مطالبہ پورا کرنا اس پر واجب نہ ہو۔

کبھی حکمت متعدد معجزات کی متقاضی ہوتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ یکے بعد دیگرے کئی معجزات بھیج دیتا ہے۔ کیونکہ ایک مطلوب پر جتنے زیادہ دلائل قائم ہوں، اتنی ہی حق کی معرفت زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی ایک دلیل نہیں سمجھ پاتا، تو دوسری دلیل سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ بعض اوقات ایک دلیل دوسری سے زیادہ واضح اور زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ سے بکثرت معجزات صادر ہونے میں یہی حکمت کارفرما ہے اور اسی حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کفار کو محمد ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق عطا نہیں فرمائی، تاکہ وہ آپ کی مخالفت میں پوری پوری کوشش کر دیکھیں۔ اور قرآن مجید اور دیگر معجزات کے معارضہ میں مقدور بھر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ جب وہ عاجز آجائیں گے، تو آپ ﷺ کی اور آپ کے سب معجزات کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ پہلی دفعہ ایمان لے آتے تو ممکن ہے، بعض لوگ سمجھتے کہ وہ معارضہ پر قادر تھے۔ نیز ان کی تاخیر میں یہ حکمت ملحوظ تھی، کہ آپ ﷺ کو اور آپ کے متبعین کو یقین، صبر اور جہاد کا مظاہرہ کرنے پر دنیا اور آخرت میں عظیم درجات اور بلند ترین مقامات حاصل ہوں۔

کبھی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسے معجزات نہ بھیجے جائیں جن کے انکار پر بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والا عذاب نازل ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ کفار انبیاء سے ان کے پیش کردہ معجزات کے علاوہ اپنے من پسند معجزات طلب کرتے تھے۔ کبھی حکمت اور مصلحت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ انکا مطالبہ پورا کر دیتا اور کبھی اس کی مضرت اور فساد کو مدنظر رکھتے ہوئے رد فرما دیتا۔

بعض اوقات کفار کے ایمان کی امید میں آنحضرت ﷺ نے بھی ایسے معجزات کا مطالبہ کیا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ ایسے معجزات سے ہدایت ہونا لازم نہیں۔ ہاں حجت قائم ہو

جاتی ہے، اور ان کے انکار کرنے والوں پر بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والا عذاب نازل ہو جاتا ہے۔
کبھی عظیم تر حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرعون اور ابُولہب وغیرہ کی طرح کفار کے دلوں پر مُہر لگانے کے باوجود بہت سے معجزات ظاہر فرماتا ہے، جیسا کہ قرآن اور تورات وغیرہ آسمانی کتابوں سے ثابت ہے۔ کبھی عدمِ حکمت یا وجودِ فساد کی وجہ سے ان کو ظاہر نہیں فرماتا۔ جیسا کہ درج ذیل آیت اور اس کے بعد کی دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے:

"وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" (الانعام: ۱۱۰)

"انھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بڑی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئیگا، تو وُہ اسے دیکھ کر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ کے پاس بہت معجزات ہیں لیکن آپکو کیا معلوم کہ اگر وُہ آجائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

نیز فرمایا:

"وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ" (الاسراء: ۵۹)

"اور ہم معجزات، اس وجہ سے نہیں بھیجتے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی تھی۔"

اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم معجزات اس لیے نہیں بھیجتے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی، جس کی پاداش میں وُہ عذاب کے مُستحق ٹھیرے۔ اگر یہ لوگ بھی تکذیب کریں گے، تو اسی عذاب کے مستحق ہوں گے، جس نے پہلوں کو نیست و نابُود کیا۔
قرآن و حدیث اور کُتبِ تفسیر میں اس مضمون کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ مفسرین نے ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اہلِ مکّہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دو اور دُوسرے پہاڑوں کو دُور کر دو، تا کہ ہمیں کھیتی باڑی کی سہولت حاصل ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے کہا کہ اگر چاہیں تو صبر سے کام لیں اور اگر

چاہیں تو ہم اُنکا مطالبہ پُورا کیے دیتے ہیں مگر ان کے انکار پر ان پر وُہی عذاب آئے گا، جو پہلی قوموں پر آیا اور یہ نیست و نابُود کر دیے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے کہا، میں ان کے بارے میں صبر و تحمّل سے کام لیتا ہُوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ" (الاسراء: ۵۹)

امام ابنِ ابی حاتم وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں امام حسن بصری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"اے قوم! یہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے۔ اگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تمھارے مطالبے کے مطابق معجزات بھیج دیتے اور تم ان کی تکذیب کرتے، تو تم پر وُہی عذاب نازل ہوتا، جو تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہُوا۔ آنحضرت ﷺ نے اُنکو یکے بعد دیگرے متعدّد معجزات دکھائے لیکن انھوں نے ان کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ"[1] یعنی جب بھی ان کے پاس ان کے ربّ کے نشانات میں کوئی نشانی آئی، تو اُنھوں نے اس سے اعراض کیا اور حق کی تکذیب کر دی"۔ چند سطور آگے چل کر فرمایا:

"وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ"[2] "اگر ہم ان کے پاس کاغذ پر لکھی ہُوئی کتاب بھیج دیں اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھُو کر یقین کر لیں۔ پھر بھی کہہ دیں گے کہ یہ کھُلا ہُوا جادُو ہے"۔ آگے فرمایا:

"ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"[3] "دیکھو! پہلے تکذیب کرنے والوں کا انجام کیسا ہُوا!"

خُود پسند کردہ معجزہ کے انکار پر عذاب استیصال لازم ہے!

اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ان کے پاس معجزات آتے رہتے ہیں، مگر یہ اپنے ربّ کا ہر معجزہ دیکھ کر اعراض کر لیتے ہیں۔ تکذیبِ حق کی بنا پر اپنی تباہی دیکھ کر انھیں محمّد ﷺ کے دین کی

---

[1] الانعام: ۴-۵ [2] الانعام: ۷ [3] الانعام: ۱۱

صداقت معلوم ہوگی جس طرح پہلے لوگ تکذیبِ رُسل کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا - الآية" (القصص: ۵۹)

"تیرا رب بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک نہیں کرتا، جب تک ان سے بڑی بستی میں اپنا رسُول نہ بھیجے، جو انکو ہماری آیتیں پڑھ کر سُنائے"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا کفر اس قدر شدید ہے کہ اگر وُہ ان پر کاغذات میں لکھی ہُوئی کتاب بھی بھیج دے، اور وُہ اس کو ہاتھ سے چھُو کر یقین بھی کرلیں، تو کہدیں گے، یہ کھُلا ہُوا جادُو ہے (الآیات!) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وُہ ان کے کہنے کے مطابق فرشتے کو رسُول بنا کر بھیجے، تو چونکہ یہ فرشتوں کو اُن کی اصل شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے اس کو انسانی شکل میں ہی بھیجے گا، تو یہ پھر شک میں پڑجائیں گے اور کہیں گے، یہ انسان ہے فرشتہ نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا - (الیٰ قولہ) - لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا" (الاسراء: ۹۰ تا ۹۵)

"اور کفّار کہتے ہیں کہ جب تک تو ہمیں زمین سے چشمہ جاری کر کے نہیں دکھائے گا، ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ اسے قولہ تک کہ "اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے، تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسُول بنا کر بھیجتے" (اگر ان معجزات کو جن کا یہ خود مطالبہ کر رہے ہیں، پُورا کر دیا جاتا۔ پھر یہ ایمان نہ لاتے، تو ان پر برباد کرنے والا عذاب نازل ہوجاتا)!

یاد رہے ان معجزات کا صدُور ویسے بھی حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کا یہ قول کہ "ہمیں زمین سے چشمہ جاری کر کے دکھا" اس بات کا متقاضی ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں چشمے پھُوٹ پڑیں اور یہ قطعہ زمین کھیتی باڑی کے قابل ہوجائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اپنے گھر کو "وادیٔ غیرِ ذی زرع" میں بنایا ہے، تاکہ یہاں دُنیاوی خوشحالی کے اسباب نہ ہوں اور لوگ دُنیا کے لیے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرنے آئیں۔ اِسی طرح اگر آپؐ کو اتنی وسیع دُنیا مل جائے کہ آپؐ کھجوروں اور انگوروں کے باغات کے مالک ہوں اور انھیں نہروں کے ذریعے سیراب کریں، تو اس سے آپؐ کا درجہ کم ہوجائے گا اور آپؐ کے مرتبہ ومقام میں نقص واقع ہوجائے گا۔ اِسی طرح جب آپؐ کے پاس سونے کا گھر ہوگا، تو اس سے بھی آپؐ کے

مرتبے میں کمی آجائے گی۔

رہا، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دینا، تو یہ قیامت سے پہلے نہیں ہوگا۔ اور آپؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ کام قیامت سے پہلے نہیں ہوگا، اس لیے ان کا یہ کہنا کہ "جیسا کہ تو کہتا ہے" آپؐ پر جھوٹ ہے ہاں اگر انکا ارادہ پہلی چیزوں پر قیاس ہے تو پھر جھوٹ نہیں مگر یہ قیاسِ فاسد ہے۔

ان کا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو قطار در قطار لانے کا مطالبہ ایک عظیم مطالبہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اس سے چھوٹا مطالبہ کیا تھا، تو اُن کو بجلی نے جلا کر بھسم کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ۔ الآیۃ" (البقرۃ: ۵۵)

"اور وہ وقت یاد کرو، جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، "جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے، تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے"۔ تو تمھارے اس مطالبے پر بجلی نے جلا کر تمھیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔"

کفار کی طرف سے آسمان سے کتاب اُتارنے کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤی اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ۔ الآیۃ" (النساء: ۱۵۳)

یعنی "اہلِ کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپؐ اُن پر آسمان سے کتاب اُتاریں۔ انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ "ہمیں اللہ کا کھلم کھلا دیدار کراؤ"۔ چنانچہ ان کو ان کے ظلم کے باعث آسمانی بجلی نے پکڑ لیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب نے کتاب اُتارنے کا مطالبہ کیا اور مشرکوں نے بھی یہی سوال کیا۔ جواب میں بتایا گیا کہ مطالبہ پُورا ہونے پر یہ دونوں گروہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کا مطالبہ محض بدباطنی پر مبنی ہے۔ مشرکوں کے بارے میں فرمایا:

"وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ‌" (الانعام: ۷)

"اگر ہم کاغذات میں لکھی ہوئی کتاب ان پر اُتار دیں، اور یہ ہاتھوں سے چھُو کر معلوم کرلیں، پھر بھی کافر یہی کہیں گے: یہ کھُلا ہوا جادو ہے۔ اور اہلِ کتاب کے متعلق کہا کہ اُنھوں نے مُوسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کیا اور کہا، ہمیں خُدا کا کھُلم کھُلا دیدار کراؤ۔ پھر بھی انھوں نے اپنا عہد توڑ دیا، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا اور اِس قسم کی دُوسری قباحتوں سے دریغ نہیں کیا)!

اہلِ کتاب کے اسی ظُلم اور راہِ خُدا سے روکنے کی وجہ سے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کردی گئی ہیں جن سے وُہ پہلے لُطف اندوز ہوتے تھے۔ اُمتِ محمّدیہ کے لیے مقامِ عبرت ہے کہ جب ان لوگوں نے مَن پسند معجزات دیکھ کر انکار کر دیا اور ان کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچا، بلکہ بیخ کنی کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوئے، دریں حالات اس قسم کے معجزات کا صادر نہ ہونا باعثِ برکت اور موجبِ رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر یہ بات پیش کی کہ اگر یہ لوگ خُود تجویز کردہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے، تو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: اِس قسم کے معجزات کی بجائے، مَیں انکے کفر اور اذیّتوں پر صبر اور تحمّل سے کام لُوں گا۔ ممکن ہے اِن کی پشت سے وُہ لوگ پیدا ہوں، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کفر و شرک سے تائب ہو جائیں۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مَیں نے ایک دِن آپ ﷺ سے پُوچھا کہ "اُحد سے بڑھ کر بھی آپؐ پر کوئی سخت دِن آیا ہے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تیری قوم کی طرف سے مجھے سخت ترین مصائب میں مبتلا ہونا پڑا ہے۔ ان سب سے بڑی مصیبت مجھ پر عقبہ کے دِن پیش آئی جب مَیں نے اپنے آپ کو ابنِ عبد یالیل بن عبد کلاب پر پیش کیا۔ اس نے قبول کرنے کی بجائے مجھے اپنے شہر کے اوباشوں سے پِٹوایا۔ مَیں زخموں سے چوُر، غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا واپس چل پڑا۔ "قرن المنازل" میں پہنچا، تو مجھے ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ مَیں اس وقت کہاں ہوں۔ مَیں نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا، تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے۔ اس سے جبرائیلؑ نے آواز دی کہ "اللہ تعالیٰ نے آپکی قوم کی بات سُن لی اور جو سلوک کیا ہے وُہ دیکھ لیا ہے۔ اُس نے آپؐ کی طرف پہاڑوں کا (بادشاہ) فرشتہ بھیجا ہے۔ آپؐ اپنی قوم کے لیے جو سزا تجویز کریں گے، وُہ اُن پر وُہی عذاب نازل کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گا۔" اتنے میں "ملک الجبال" نے آکر

مجھے سلام کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سُن لی ہیں اور جو سلوک کیا ہے، وہ دیکھ لیا ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ اگر آپ پسند کریں، تو میں "اخشبین" (مکہ کے دونوں جانب دو پہاڑ) کے درمیان انھیں پیس کے رکھ دوں؟ آپ رحمۃ للعالمین نے فرمایا: "میں ان کو ہلاک کرانا نہیں چاہتا، بلکہ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے، جو اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔" (متفق علیہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے من پسند معجزہ کا مُطالبہ

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا مطالبہ کیا گیا، تو یہ معجزہ تھا کہ اس کے انکار پر ایسا خوفناک عذاب آسکتا تھا جس کی کوئی مثال نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ - (الٰى قوله) - فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ" (المائدۃ: ۱۱۲ تا ۱۱۵)

"وہ وقت یاد کرو، جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: "اے ابنِ مریم! کیا تیرا رب ہم پر آسمان سے پکا پکایا کھانا اُتار سکتا ہے؟" عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا "خدا سے ڈرو، اگر تم ایمان میں پختہ ہو" (ایسا معجزہ نہ مانگو جس کے انکار پر دُنیا سے مٹ جاؤ!)۔ اللہ کے اس فرمان تک کہ "میں انکار کرنے والوں کو وہ عذاب دُوں گا، جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد عذابِ استیصال نہیں آیا

نزولِ تورات سے پہلے اللہ تعالیٰ رسُولوں کی تکذیب کرنے والوں پر بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے والا عذاب بھیجتا اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑتا تھا۔ قومِ نوحؑ، عاد، ثمود، اہلِ مدین، قومِ لوطؑ اور قومِ فرعون کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ لیکن نزولِ تورات کے بعد ایسا استیصال کرنے والا عذاب اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر نازل نہیں کیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ

مَا اَھۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی ۔ الاٰیۃ ؕ (القصص: ۴۳)
"ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی"۔
اس کے بعد بنو اسرائیل اپنی نافرمانیوں اور کفر کی وجہ سے کچھ عذاب میں مبتلا ہوئے اور کچھ بچ رہے۔ چونکہ یہ سب کفر پر متفق نہیں تھے، اس لیے بنو اسرائیل سے ایک قوم ہمیشہ باقی رہی۔ قرآن حکیم میں ہے:
"وَقَطَّعۡنٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اُمَمًا مِنۡھُمُ الصّٰلِحُوۡنَ ۔ الاٰیۃ" (الاعراف: ۱۶۸)
"ہم نے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے بہت سے لوگ صالح اور نیک تھے"۔
نیز فرمایا:
"مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ ۔ الاٰیۃ" (آل عمران: ۱۱۳)
"اہل کتاب سے ایک جماعت حق پر قائم ہے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے"۔
جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، تو اس کی رحمت اور حکمت کا تقاضا ہوا کہ آپؐ کی اُمت کو عذاب استیصال سے ہلاک نہ کرے، بلکہ بعض کو بچائے اور بعض کو انواع و اقسام کے عذاب کا مزا چکھائے، جیسے مذاق اُڑانے والے دشمنوں کے متعلق فرمایا:
"اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَھۡزِءِیۡنَ ۔ "ہم آپؐ کی طرف سے استہزاء کرنے والوں کے لیے کافی ہیں"۔ (الحجر: ۹۵)
چنانچہ ہر مکذّب کو جُدا جُدا عذاب کے ساتھ ہلاک کیا۔ کسی کے حق میں آپؐ نے دُعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! اس پر اپنے کتّوں میں سے کوئی کتّا مسلّط کر، جو اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے"، چنانچہ وہ سفر میں اپنی قوم کی طرف سے سخت ترین حفاظتی تدابیر کے باوجود نجات نہ پا سکا۔ اور شیر نے سارے قافلے میں سے صرف اُسی کو پکڑ کر پارہ پارہ کر دیا۔ یہ واقعہ بڑا مشہور اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں مسطور ہے۔ یہ واقعہ عتیبہ بن ابی لہب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابولہب کے دو بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ابولہب نے سخت عداوت کے باعث اپنے بیٹوں سے کہہ کر رخصتی سے قبل ہی طلاق دلوا دی تھی۔ بدبخت عتیبہ نے شقاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپؐ سے کہا: "میں تیرے دین سے انکار کرتا ہوں، تیری بیٹی کو طلاق دیتا ہوں اور اپنے اور تیرے درمیان محبت و مودت کے تمام رشتے توڑتا ہوں"۔ اس شقی نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

گُتھم گُتھا ہوگیا اور آپؐ کا کُرتہ پھاڑ ڈالا۔ اُس وقت آپؐ نے اس کے حق میں کہا: "الٰہی! اس پر اپنے کتّوں میں سے کوئی کُتّا مسلّط کر"۔ چنانچہ شام کے سفر میں اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ رات گزارنے کے لیے یہ قافلہ مقامِ زرقا میں اُترا ہُوا تھا کہ ایک شیر ادھر آنکلا۔ عتیبہ کہنے لگا: "جس طرح محمدؐ نے میرے حق میں دُعا کی ہے۔ یہ شیر مجھے نہیں چھوڑے گا ـــــــــ یہ ضرور مجھے اپنا لقمہ بنالے گا۔ نظر آرہا ہے کہ مکّہ میں رہتے ہُوئے محمدؐ کی دُعا مجھے شام میں ہلاک کر دے گی"۔ المختصر اسی رات سب سونے والوں کے درمیان سے شیر نے اسی کو پکڑا اور اس کا سر چبا ڈالا۔

عروہ کی روایت میں ہے کہ شیر ایک دفعہ اس قافلہ کا چکّر لگا کر چلا گیا۔ اہلِ قافلہ نے احتیاطاً عتیبہ کو اپنے درمیان سُلایا۔ شیر کسی وقت رات کو آیا، سب سے گزر کر عتیبہ کو پکڑا اور اس کا سر چبا ڈالا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے ہی دشمنوں کے بارے میں فرمایا ہے:

"قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى ٱلْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن يُصِيبَكُمُ ٱللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِۦٓ أَوْ بِأَيْدِينَا۔ الآیۃ" (التوبۃ: ۵۲)

یعنی "اے اللہ کے رسُولؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے متعلق دو اچھی باتوں میں سے ایک اچھی بات کا انتظار کرتے ہو (اور وہ ہے شہادت یا فتح) اور ہم تمھارے بارے میں اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا، یا ہمارے ہاتھوں سے تمھاری تباہی کا سامان کرے گا"۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ کبھی کفار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اُترے گا، کبھی جہاد اور حدود کی صورت میں مومنوں کے ہاتھوں ان کی تباہی ہوگی، اور کبھی اور طریقے سے مبتلائے آلام ہوں گے۔ ان کا اس طرح انواع واقسام کے عذاب میں گرفتار ہونا، دوسروں کے ایمان کا سبب ہوگا۔ چنانچہ قریش اور عرب کے دوسرے قبائل کے ساتھ یہی ہُوا۔ اگر وہ کفر اور تکذیب کی پاداش میں فرعون اور دوسری پہلی قوموں کیطرح ہلاک کر دیے جاتے، تو وہ بالکلیہ فنا ہو جاتے، اور ان کو آپؐ کی بعثت کا کچھ فائدہ نہ ہوتا، اور ان کی نسل بھی نہ بچتی، جو حلقہ بگوش اسلام ہو کر نفع دارین حاصل کرتی۔ اس کے برعکس اگر بعض کو ہزیمت، قید یا قتل جیسے انواع واقسام عذاب میں مبتلا کیا جائے، جیسے بدر کی جنگ میں کفارِ مکّہ گوناں گوں عذاب کا شکار ہُوئے، تو اس میں انکی بقا کے ساتھ ساتھ تذلیل وعجز کا سامان ہوا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب تک انسان اپنی سفلی اغراض و عادات کی تکمیل پر قادر رہتا ہے، وہ ان سے کبھی باز نہیں آتا۔ لیکن عاجزی اور بے بسی اسے توبہ اور انابت پر آمادہ کرتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: "من العصمة الا تقدر"۔ یعنی معصیت سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ تمھیں اس پر قدرت حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف قسم کے عذاب کفار کے عجز، گناہ کی زندگی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بنے۔ اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور سرداران مکہ کے علاوہ باقی لوگ قتل سے محفوظ رہے۔ ان میں سے ایک موسیٰ کے فرعون کی طرح اس امت کا فرعون تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابو جہل اس امت کا فرعون ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا، وہ تجھ پر ایمان نہیں لائے گا، تاکہ میرے نشانات اور عجائبات ظاہر ہوں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح زمین میں انبیاء کے بے شمار نشانات موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھ سے کلام کیا ہے۔ مجھے اپنی کتاب تورات عنایت فرمائی ہے اور مجھے وہ وہ معجزات عطا کیے ہیں، جن کا ذکر رہتی دنیا تک زمین میں باقی رہے گا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کا دل سخت کر دیا، اور وہ ایمان نہ لایا۔ جس کے نتیجے میں وہ اور اس کی پوری قوم صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔

فرعون صانع کائنات کا منکر اور اس کی ربوبیت کا قائل نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے مناسب حال معجزات بھیجے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنو اسرائیل کا معاملہ اس سے مختلف تھا، وہ کتاب تورات کو مانتے تھے۔ اس لیے ان کو موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس نبوت کے اثبات کی حاجت نہیں تھی۔ پہلے انبیاء اس سے فارغ ہو چکے تھے، اور آپ کی قوم صانع کی معترف تھی۔ آپ کو صرف اپنی نبوت ثابت کرنا تھی۔ پھر بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو سابق انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا فرمائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا معجزہ پیش نہیں کیا جس کے انکار پر ساری قوم ہلاک کر دی جائے۔ جیسا کہ فرعون، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب اور دیگر اقوام صفحۂ ہستی سے نابود کر دی گئیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ ایسے معجزات سے ان کو فائدہ نہیں ہو گا، بلکہ نقصان پہنچے گا۔ جس طرح پہلے لوگ انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے، یہ ان کا

کرنے پر بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب کے مستوجب ہوں گے حکمت کے قائل جمہور کے نزدیک ایسا کرنا مناسب نہیں جس میں فائدے کی بجائے نقصان ہو۔ اور جو حکمت اور علت کے قائل نہیں، وہ ایسے معجزات کا مطالبہ نہیں کرتے، بلکہ وہ ہر معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

"وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ" (الاسراء: ۵۹)

یعنی ——— "ہم معجزات اس لیے نہیں بھیجتے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی تھی"۔

وہ جانتا ہے کہ ان لوگوں کے دل بھی پہلے لوگوں کی طرح ہیں، یہ ان کی تکذیب کردیں گے اور اسی تباہی کے مستحق ہو جائیں گے، جس تباہی کی مستحق نوح، ہود، صالح، شعیب اور لوط علیہم السلام کی قومیں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ -الآية" (الذاریات: ۵۲-۵۳)

اسی طرح جب پہلی قوموں کے پاس کوئی رسول آیا، تو اُنھوں نے اس کو جادوگر یا دیوانہ کہا۔ کیا انھوں نے اس کی ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے"؟

نیز فرمایا:

"كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ" الآیۃ (البقرۃ: ۱۱۸)

"اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی ان جیسی بات کہی۔ ان کے دل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں"۔

اور اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

"يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ - الآية" (التوبة: ۳۰)

"یہ پہلے لوگوں سے ملتی جلتی بات کہتے ہیں"۔

اور فرمایا:

"اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ

يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ "(القمر:۴۳-۴۵)

"کیا یہ تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں، یا کتبِ الٰہیہ میں تمہاری نجات کا وعدہ ہو چکا ہے؟ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر ایک دوسرے کو بچا لیں گے . . . . "!

یہ بات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سورۂ قمر میں بیان فرمائی ہے۔ جس میں چاند پھٹنے، کفّار کی طرف سے معجزات کا انکار کرنے، اس کو "سحرِ مستمر" کہنے اور اُنکے اپنی خواہشات کی اتباع کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ" (القمر:۴)

"ان کے پاس غیب کی وہ خبریں آچکی ہیں جو ان کو کفر سے روکتی ہیں"۔ کیونکہ ان میں رسولؐ کی صداقت بیان ہوئی ہے اور انکو پہلے تکذیب کرنے والوں جیسے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ہر واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: " فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ " یعنی "میرے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر میرا کیسا عذاب آیا۔ اور اس کے آنے سے پہلے میں نے اُنکو کس طرح ڈرایا"؟

پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، ہودؑ، صالحؑ اور قومِ لوطؑ کے واقعات ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے:

"وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ " (القمر:۴۱-۴۲)

"اُن کے بعد فرعون کی قوم کے پاس میرے ڈرانے والے آئے، مگر اُنھوں نے ہمارے سب معجزات کی تکذیب کی اور ہم نے ان کو ایک زبردست غالب آنے والے کی طرح پکڑ لیا۔"

فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام اور دوسرے انبیاءؑ کے سب معجزات جھٹلا دیے اور اللہ تعالیٰ کے وجود، قدرت اور مشیت پر دلالت کرنے والی تمام آیات کی تکذیب کر دی۔ چونکہ وہ خالق کے منکر تھے، اس لیے ساری آیات کا انکار کر دیا۔ اور اس کے نتیجے میں حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ یہ سارے واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ - الاٰیۃ" ! (القمر:۴۳)

"(اے اُمتِ محمدؐ) کیا تمھارے کافر ان کافروں سے بہتر ہیں (جو حضرت نوحؑ، ہود، صالح اور حضرت موسیٰ علیہم السّلام اجمعین کی تکذیب کرنے کی وجہ سے کیفرِ کردار کو پہنچے)؟" اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ" (القمر: ۴۳-۴۴)

یعنی تکذیب کرنے کے بعد تمھارا اُن کافروں جیسے عذاب سے بچ رہنا، یا تو اس وجہ سے ہے کہ تم ان سے بہتر ہو اور اُس عذاب کے مستحق نہیں، جس کے وُہ مستحق ہوئے؟ یا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اطلاع دے دی ہے کہ تم پر عذاب نہیں آئے گا، اور اس کا ثبوت کتابوں میں موجود ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کام کو سرانجام دیتا ہے، اس کا پتہ یا تو اس کے بتانے سے ہوتا ہے یا اس کی مشیت، حکمت اور عدل سے واضح ہوتا ہے۔ تمھیں اس کا علم اس طریقے سے ہُوا ہے یا اس طریقے سے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فعل کے لحاظ سے ہے جس کی انسان کو قدرت نہیں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اتباع کی قوّت اور طاقت کا لحاظ رکھا جائے، تو وُہ یوں کہتے ہیں: " یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ " "ہم سب مِل کر ایک دُوسرے کی مدد کریں گے"۔ کیونکہ وُہ مالی اور عددی قوّت میں فوقیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دُوسری آیت میں آیا ہے:

" وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا " (مریم: ۷۳، ۷۴)

"اور جب اُن پر ہماری واضح اور روشن آیات پڑھی جاتی ہیں، تو کافر اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم دونوں فریق میں سے مقام و مرتبہ کس کا بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے؟ (کیا وُہ دیکھتے نہیں) کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں برباد کی ہیں جو مال و دولت اور شکل وصورت میں ان سے بہتر تھیں"۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [1] "جلد ہی یہ سب فوجیں شکست کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگ جائیں گی"۔

ابھی آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کے اتباع کمزور اور تعداد میں کم تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کفّار کی شکست کی خبر دی۔ حالانکہ جہاد سے پہلے یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آپ ﷺ اس طرح مخالفین پر غالب آئیں گے اور آپ کو ان پر اس قدر برتری حاصل ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ جنگِ بدر میں قریش کی فوجیں پیٹھ پھیر کر بھاگ گئیں (۷۰ آدمی کھیت رہے اور ۷۰ گرفتار ہوئے)

---

[1] القمر: ۴۵

پہلے اور بعد میں آنے والوں میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ ۔الآیۃ" (الفتح: ۲۲-۲۳)

"اگر کافر تم سے لڑیں، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر ان کو کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ملے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے (کہ اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، اور دشمنوں کو شکست دیتا ہے)۔"

رہی یہ بات کہ بعض جنگوں میں کافر مسلمانوں پر غالب آئے، تو اس کا سبب مسلمانوں کا گناہ آلود کردار ہے۔ جو ان کے ایمان کی کمزوری کا باعث ہوا۔ پھر جب انھوں نے توبہ کی اور ان کا ایمان کامل ہوا، تو اللہ کی مدد اُنکے شامل حال ہوگئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" (آل عمران: ۱۳۹)

"نہ سست پڑو اور نہ غم کرو۔ اگر تم ایمان پر قائم رہے، تو غلبہ تمھیں ہی حاصل ہوگا۔"

نیز فرمایا:

"أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۔ الآیۃ" (آل عمران: ۱۶۵)

"کیا جب تم کو مصیبت پہنچی، حالانکہ تم اس سے پہلے دوگنا مصیبت پہنچا چکے تھے، تو تم نے کہا، "یہ مصیبت کیسے پہنچی"؟ آپؐ فرمادیں "اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔"

جب اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ امت محمد ﷺ پر عذاب استیصال نہ آئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولَٰئِكُمْ"[1] یعنی "تمھارے کافر ان سے بہتر نہیں ہیں" تو ایسے معجزات نہ بھیجنا، جن کے انکار پر عذاب استیصال لازم ہو، عین حکمت اور انتہائی رحمت ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات بھیجے جن سے کافروں پر حجت قائم ہوئی اور واضح راستہ متعین ہوا۔ جس پر چل کر لوگوں نے ہدایت پائی اور نفع حاصل کیا۔ عذاب استیصال نہ بھیج کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو ہلاکت سے بچایا۔ تاکہ ایمان لائیں، توبہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور راہ ہدایت پر گامزن ہوں۔

چونکہ محمد ﷺ خاتم الرسل ہیں۔ اس لیے آپؐ کے مبعوث کرنے میں وہ حکمت بالغہ اور احسان عظیم

---

[1] القمر: ۴۳

ہے، جو آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء کی رسالت میں نہیں ہے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین!

فصل (بعض عیسائیوں کا قبولِ اسلام)

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: ابھی آپؐ مکّہ ہی میں تھے کہ آپؐ کی خبر سُن کر بیس کے قریب عیسائی حبشہ سے آئے۔ اُن کی آپؐ سے مسجد میں ملاقات ہُوئی۔ اُنھوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور کچھ سوالات پُوچھے۔ قریش خانہ کعبہ میں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جب وُہ اپنے سوالات سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اُن کو قرآن پڑھ کر سُنایا، جسے سُن کر اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کی آواز پر لبّیک کہی اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اور اپنی کتاب میں آپؐ کے جو اوصاف لکھے ہُوئے پائے تھے، اُن کو درست پایا۔ جب وُہ اُٹھ کر جانے لگے، تو ابوجہل قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے ملا اور کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ تمھیں ناکام کرے، تمھارے ہم مذہبوں نے تو تمھیں دینِ حق کی تلاش اور اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا، تم ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس کی باتوں میں آکر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اور اس کو سچا مان لیا۔ ہم نے آج تک تمھارے جیسا بے وقوف اور احمق قافلہ کوئی نہیں دیکھا۔" انھوں نے جواب میں "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" کہا اور کہا، "ہم جاہلوں کی طرح تم سے جھگڑنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے راستے پر چلے ہیں، تم اپنی راہ لو۔ ہم نے اپنی بھلائی تلاش کرنے میں کمی نہیں کی۔" بعض کہتے ہیں: یہ نجران کے عیسائی تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں صحیح کیا ہے؟ کہتے ہیں، سُورۃ قصص کی درج ذیل آیات ان ہی کے بارے میں نازل ہُوئی تھیں:

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔ (الیٰ قولہٖ):
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۔" (القصص: ۵۲ تا ۵۵)

ابن اسحٰق کہتے ہیں: مَیں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پُوچھا، "یہ آیات کن لوگوں کے بارے میں اُتری ہیں؟" بولے: "ہم نے تو ہمیشہ اپنے عُلماء سے یہی سُنا ہے کہ یہ آیات نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اُتری ہیں" اور سُورۃ مائدہ کی یہ آیات بھی ان کے بارے میں اُتری ہیں:

"ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔
(الیٰ قولہٖ) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ۔"[1] یعنی اہلِ اسلام سے اُنکا حسنِ سلوک

---

[1] المائدۃ: ۸۲ تا ۸۵

اس وجہ سے ہے کہ ان میں عالم اور صوفی لوگ موجود ہیں اور یہ تکبّر نہیں کرتے ـــــ اور یہی نیک عمل کرنے والوں کا بدلہ ہے۔"

ابنِ ہشام بکر بن وائل کے اہلِ علم سے نقل کرتے ہیں کہ اعشیٰ جس کا نام میمون بن قیس بن ثعلبہ ہے۔ اسلام لانے کے لیے گھر سے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلا اور اس نے آپ کی مدح میں یہ قصیدہ کہا ؎

الم تغتمض عيناك ليلة ارمدا ۔۔۔ وبتّ كما بات السّليم مسهّدا

"کیا یہ صحیح ہے کہ آنکھ دکھنے کی وجہ سے تو رات بھر نہیں سویا اور سانپ گزیدہ شخص کی طرح ساری رات جاگتا رہا؟"

وما ذاك من عشق النّساء وانما ۔۔۔ تناسيت قبل اليوم صحبة مهددا

"اور یہ رات بھر جاگنا عورتوں سے عشق کی وجہ سے نہیں تھا۔ میں تو آج سے بہت پہلے مہدد کا ساتھ چھوڑ چکا ہوں۔"

ولكن ارى الدّهر الّذى هو خائن ۔۔۔ اذا اصلحت كفّاى عاد فافسدا

"لیکن میں خائن زمانہ کو دیکھتا ہوں کہ جب میں کوئی معاملہ درست کرتا ہوں، وہ آکر خراب کر دیتا ہے۔"

كهولاً وشبانًا فقدت وثروة ۔۔۔ فللّٰه هذا الدّهر كيف تردّدا

"بوڑھے اور جوان عزیز مجھ سے بچھڑ گئے اور سرمایہ ضائع ہو گیا۔ زمانے پر تعجب ہے کہ اس نے کس طرح بار بار حملہ کیا ہے!"

وما زلت ابغى المال مذ انا يافع ۔۔۔ وليدًا وكهلاً حين شبت وامردا

"میں نوجوانی اور بڑھاپے میں برابر مال کی تلاش میں رہا ہوں اور بے ریشی کے وقت سے بال سفید ہونے تک یہی کوشش کرتا رہا ہوں۔"

وابتذل العيش المراقيل تعتلى ۔۔۔ مسافة ما بين النّجير فصرخدا

"اور سفید اونٹ تیز چلنے لگے اور مقامِ نجیر اور صرخد کی درمیانی مسافت میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے لگے۔"

الا ايّهذا السّائلى اين يممت ۔۔۔ فانّ لها فى اهل يثرب موعدا

"اے مجھ سے سوال کرنے والے کہ "یہ اُونٹنی کہاں جا رہی ہے"؟ آگاہ رہے! یہ اہلِ مدینہ کے پاس جا رہی ہے۔"

فان تسألی عنی فیارب سائل ... حفیّ عن الأعشیٰ به حیث أصعدا

"اگر تو میرے بارے میں پوچھتی ہے، تو کوئی عجب نہیں۔ اعشیٰ کے بارے میں، جہاں بھی وہ جاتا ہے، بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں۔"

أجدّت برجلیها النجاء وراجعت ... یداها خنافاً لینًا غیر أحردا

"میری اُونٹنی اپنے پاؤں کو خوب دوڑاتی ہے اور خوشی سے اپنے ہاتھ گھما گھما کر رکھتی ہے، جس میں سستی کا کوئی اثر نہیں ہے۔"

وفیها اذا ما هجرت عجرفیة ... إذا خلت حرباء الظهیرة أصیدا

"اور دوپہر کے وقت جب گرگٹ رنگ بدلتی ہے، وہ نہایت متکبرانہ چال چلتی ہے۔"

وأما إذا ما أدلجت فتری لها ... رقیبین جدیا ما یغیب وفرقدا

"جب وہ پہلی رات سفر پر روانہ ہوئی، تو رات بھر دو ستارے جدی اور فرقد، اس کی نگہبانی کرتے رہے اور ان میں کوئی بھی غائب نہیں ہوا۔"

وآلیت لا آوی لها من کلالة ... ولا من حفی حتی تلاقی محمدا

"میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ محمد ﷺ کے دربار میں نہیں پہنچتی، میں تھک جانے اور پاؤں کے گھس جانے پر بھی اس پر رحم نہیں کروں گا۔"

متی ما تناخی عند باب ابن هاشم ... تراحی وتلقی من فواضله ندی

"اے میری ناقہ! جب تو ابنِ ہاشم کے دروازے جا بیٹھے گی، تب تجھے آرام ملے گا۔ اور اس کے بڑے بڑے عطیات سے نوازی جائے گی۔"

نبی یری ما لا یرون وذکره ... أغار لعمری فی البلاد وأنجدا

"وہ نبی برحق ہے۔ وہ وہ چیز دیکھتا ہے جس کو دوسرے نہیں دیکھتے۔ میری زندگی کی قسم! اس کی شہرت اور نیک نامی ملک کے زیریں اور بالائی حصوں میں پھیل گئی ہے۔"

له صدقات ما تغب ونائل ... ولیس عطاء الیوم مانعه غدا

"اس کے صدقات اور عطیہ جات میں دیر نہیں ہوتی اور آج کا عطیہ اس کو کل دوبارہ دینے سے نہیں روکتا۔"

أجدك لم تسمع وصاة محمد　　نبي الإله حيث أوصى وأشهدا

"کیا تو نے سچ مچ ارادہ کر رکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نبی محمد ﷺ وصیت کریں گے، تو تم ان کی وصیت نہیں سنو گے؟"

اذا أنت لم ترحل بزاد من التقى　　ولاقيت بعد الموت من قد تزودا

"جب تو تقویٰ کا زاد لے کر نہیں چلے گا اور مرنے کے بعد زاد لانے والے کو ملے گا.. !"

ندمت على أن لا تكون كمثله　　فترصد للأمر الذي كان أرصدا

"تو تو اس کی طرح زاد نہ لانے پر پشیمان ہوگا۔ لہٰذا اس امر کی تیاری کر، جس کی اس نے تیاری کی ہے۔"

فاياك والميتات لا تقربنها　　ولا تأخذن سهما حديدا لتفصدا

"مری ہوئی چیزوں سے بچ اور ان کے قریب نہ جا اور کسی کا خون بہانے کے لیے تیز دھار تیر اپنے پاس نہ رکھ۔"

وذا النصب المنصوب لا تنسكنه　　ولا تعبد الأوثان والله فاعبدا

"اس نصب کردہ بت کی پوجا نہ کر اور نہ دوسرے بتوں کو پوج۔ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔"

ولا تقربن جارة كان سرها　　عليك حراما فانكحن أو تابدا

"کسی پڑوسی عورت کے جس کا جسم تجھ پر حرام ہے، نزدیک نہ جا۔ نکاح کرلے، یا گناہ سے بچنے کے لیے جنگل میں رہائش اختیار کرلے۔"

وذا الرحم القربى فلا تقطعنه　　لعاقبة واصدق وفك المقيدا

"سزا دینے کے لیے کسی قریبی رشتہ دار سے قطع رحمی نہ کر۔ سچ بول اور قیدیوں کو رہائی دلا۔"

وسبح على حين العشيات والضحى　　ولا تحمد الشيطان والله فاحمدا

"صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر، شیطان کی تعریف نہ کر اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو"

وَلَا تَسْخَرَنْ مِنْ بَائِسٍ ذِي ضَرُورَةٍ   وَلَا تَحْسَبَنَّ الْمَالَ لِلْمَرْءِ مُخْلِدَا

"کسی مصیبت زدہ حاجتمند کا مذاق نہ اُڑا اور یہ خیال نہ کر کہ مال کسی آدمی کو ہمیشہ کی زندگی دے سکتا ہے۔"

لیکن اعشیٰ جب مکہ میں یا اس کے قریب پہنچا، تو اس کو کوئی قریشی مشرک ملا۔ اُس نے اس سے پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے؟" اُس نے جواب دیا کہ وُہ "رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام لانے کے لیے آیا ہے"۔ قریشی نے کہا: "ابُوبصیر! وُہ تو زِنا کو حرام کرتا ہے"۔ اعشیٰ نے کہا: "بخدا! اس کی مجھے قطعاً حاجت نہیں ہے"۔ وُہ بولا: "ابُوبصیر! وُہ شراب کو بھی حرام کرتا ہے"۔ اعشیٰ بولا: "واللہ! اس کی ابھی دل میں خواہش باقی ہے۔ اس لیے واپس جاتا ہُوں۔ اِس سال جی بھر کے شراب پی لُوں۔ آئندہ سال آکر اسلام قبول کرُوں گا"۔ چنانچہ وُہ واپس چلا گیا اور اسی سال اس کا انتقال ہو گیا اور یُوں اسلام کی دولت سے محرُوم رہا۔

فصل

طائف کا سفر

جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد احمق قریشیوں کی آپ ﷺ پر سختی بڑھتی گئی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور وُہ کھلم کھلا آپؐ کی ایذا رسانی پر اُتر آئے، تو آپؐ مکہ چھوڑ کر طائف کی طرف چلے کہ شاید وُہ لوگ آپؐ کو وہاں رہنے کے لیے جگہ دیں۔ اور قریش کی زیادتیوں سے آپؐ کو بچائیں۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے ان کو توحید کی دعوت دی، تو توقع کے برخلاف نہ کسی نے آپؐ کو رہنے کے لیے جگہ دی، اور نہ کوئی آپؐ کی مدد کے لیے تیار ہوا۔ بلکہ آپؐ کو سخت ترین تکلیفیں دیں۔ ایسی تکالیف آپ ﷺ کو اپنی قوم سے بھی نہیں پہنچی تھیں۔ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے غلام زیدؓ بن حارثہ بھی تھے۔ آپؐ وہاں صرف دس دن رہ سکے۔ اس عرصہ میں آپؐ نے وہاں کے ہر سردار سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ مگر سب نے یہی جواب دیا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ اپنے اوباشوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا۔ جنھوں نے بقولِ موسیٰ بن عقبہ پتھر مار مار کر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی کر دیے اور آپؐ کے جُوتے خُون سے بھر گئے۔ دُوسرے مورخین لکھتے ہیں، جب آپؐ کو پتھر لگتے اور آپؐ اس کے صدمہ سے بیٹھ جاتے

تو وُہ بدبخت بازوؤں سے پکڑکر آپؐ کو اُٹھا دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ چلنے لگتے، تو پتھروں کی بارش شروع کر دیتے اور آپؐ کو تلملاتا دیکھ کر خوب ہنستے۔ زیدؓ بن حارثہ آگے ہو کر آپ ﷺ کو بچاتے، حتیٰ کہ ان کے سر میں بھی کئی زخم لگے۔ اِس سلوک کے بعد آپ ﷺ بڑے غمناک ہو کر طائف سے مکّہ کی طرف چلے اور واپسی کے وقت آپ ﷺ نے یہ مشہور دُعا کی:

"اِلٰہی! مَیں تیرے حضور اپنی کمزوری کی شکایت کرتا ہُوں۔ میری تدبیر ناکام ہے، اور مَیں لوگوں کے ہاں بے قدر ہوں! ——— تُو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ کمزوروں کو پالنے والا ہے اور مُجھے بھی تُو ہی پالنے والا ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ دُور کے دشمن کے، جو مُجھ سے ترش رُوئی سے پیش آتا ہے؟ یا ایسے دشمن کے، جس کو تُو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟"

"اِلٰہی! اگر تو ناراض نہیں، تو مجھے اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں، مگر تیری عافیت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیرے نُور کے ساتھ جس سے سب اندھیرے دُور ہوگئے ہیں اور دُنیا و آخرت کے سارے معاملے سُلجھ گئے ہیں، تیرے غضب سے اور تیرے غصّے سے پناہ مانگتا ہُوں۔ جب تک تُو راضی نہ ہو، تیری رضا کا طلب گار رہوں۔ گُناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت تیرے ہی عطا کرنے سے ہے۔"

اس کو ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دُعا آپ ﷺ نے اُس وقت کی، جب اہل طائف نے اپنے اوباشوں اور اپنے غُلاموں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا، جو آپؐ پر آوازے کستے اور آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے۔ حتیٰ کہ انکا شور و شغب سُن کر لوگ جمع ہو گئے۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کیا، جب کہ وُہ دونوں بھی وہاں موجود تھے۔ وہاں سے طائف کے اوباش واپس چلے گئے، جو آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے۔ جب آپؐ نے ذرا آرام کا سانس لیا تو یہ دُعا فرمائی تھی!

طبرانی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے چچا ابُوطالب کی وفات کے بعد

آپ ﷺ پیادہ پا تشریف لے گئے۔ اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دی، جس کا انھوں نے وُہ جواب دیا، جس کا ذکر ہُوا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں آئے، دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر یہ دُعا کی، "اللّٰھم اشکوا الیك۔الخ"!

اس دُعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کا نگران فرشتہ) بھیجا، جس نے آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وُہ "اخشبین" کو، جو مکّہ کے دونوں جانب پہاڑ ہیں، اہلِ مکہ پر ٹکرا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ان کے لیے مہلت طلب کرتا ہُوں۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی پُشتوں سے وُہ لوگ پیدا کر دے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔" یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واسطہ سے شیخینؒ نے ذکر کی ہے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے، جب عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو اور آپؐ کے ساتھ اہلِ طائف کے اس سلوک کو دیکھا، تو ان میں برادری کی رگ پھڑکی اور انھوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ آپؐ کے لیے بھیجا۔ جب آپؐ کھانے لگے، تو پہلے بسم اللہ کہا اور پھر انگور کھائے۔ یہ سُن کر عداس نے آپؐ کا چہرہ بغور دیکھا اور کہا: "خُدا کی قسم! اِس شہر کے لوگ تو یہ کلام نہیں بولتے۔" آپؐ نے اس سے پُوچھا، "تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اور تمھارا دین کیا ہے؟" وُہ بولا "میں عیسائی ہُوں اور نینوی شہر کا رہنے والا ہُوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا، "وُہ تو نیک آدمی یونس بن متی کا شہر ہے۔" عداس بولا: "آپؐ کو یہ کیسے معلوم ہُوا؟" آپ ﷺ نے فرمایا، "وُہ میرا بھائی ہے اور میری طرح وُہ بھی نبی ہے۔" یہ سُن کر عداس جُھکا اور اس نے آپ ﷺ کے سرِ مبارک اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

عتبہ اور شیبہ نے یہ دیکھا، تو ایک نے دُوسرے سے کہا: "اُس نے تیرے غُلام کو خراب کر دیا۔" جب عداس واپس آیا، تو وُہ دونوں کہنے لگے: "عداس! تم پر افسوس ہے، تم نے اُس کے سر اور اُس کے ہاتھ، پاؤں کو کیوں بوسہ دیا؟" کہنے لگا: "میرے آقا، روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے وُہ بات بتائی ہے، جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" وُہ دونوں بولے: "عداس! تُم پر افسوس ہے۔ دیکھنا! کہیں یہ تم کو تمھارے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ تمھارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

جنّات کا قرآن سننا

جب آپؐ طائف سے واپس آئے، مقامِ "نخلہ" میں آدھی رات کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ نے نصیبین کے جنّوں کی ایک جماعت ادھر بھیج دی۔ انہوں نے آپؐ کو کچھ پڑھتے دیکھا تو وہاں کھڑے ہو کر توجہ سے سننے لگے مگر آپؐ کو معلوم نہیں ہوا کہ قرآن پڑھتے ہوئے جنّ آپؐ سے قرآن سن رہے ہیں جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جنّ، جو قرآن سن کر مسلمان ہو چکے تھے اپنی قوم کے پاس مبلّغ بن کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو اطلاع دی اور درج ذیل آیات نازل فرمائیں،

"وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ الخ!" (الاحقاف: ۲۹)

"وُہ وقت یاد کرو جب ہم نے جنّوں کی ایک جماعت آپؐ کی طرف بھیجی جو قرآن سنتی تھی!"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں، ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ طائف کے پاس گئے۔ ان کو اسلام کی دعوت دی، مگر ان کے دعوت مسترد کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ مقامِ نخلہ میں رات کے وقت قرآن پڑھا اور نصیبین کے جنّ قرآن سن کر مسلمان ہو گئے۔ یہ سب صحیح ہے مگر اس رات جنّوں کا قرآن سننا محلِ نظر ہے کیونکہ جنّوں کا قرآن سننا وحی کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وُہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنّ آسمان کی خبر سننے جاتے تھے۔ جب کوئی کلمہ سن پاتے تو اس میں بیسیوں کلمے شامل کر کے کاہنوں کو پہنچاتے!۔۔۔ جو کلمہ آسمان سے سنا ہوتا وُہ حق ہوتا اور جو اپنی طرف سے بڑھاتے وُہ باطل ہوتا۔ پہلے ان پر چنگارے نہیں پڑتے تھے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جنّوں پر آگ کے چنگارے پڑنے لگے۔ انہوں نے اس کی شکایت ابلیس کے پاس کی، اس نے کہا: "زمین میں کوئی حادثہ رُونما ہوا ہے جس کی وجہ سے چنگاروں کا یہ سلسلہ شروع ہوا ہے" اس نے اس کا کھوج نکالنے کے لیے چاروں طرف اپنے لشکر بھیجے، ان میں سے ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ نخلہ کے پہاڑوں میں نماز پڑھتے سنا۔ اس نے جا کر ابلیس کو خبر دی تو اس نے کہا: "یہی وُہ حادثہ ہے جو زمین میں رُونما ہوا ہے۔" (رواہ النسائی)

علامہ ابنِ کثیرؒ کہتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد طائف گئے تھے۔"

ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطنِ

نخلہ میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ آپؐ پر جنوں کی ایک جماعت گزری۔ قرآن سُن کر انھوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اُتاریں:

"وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ الآیات" (الاحقاف)

اس کا اور عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُس وقت جنوں کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا، اُس وقت صرف وُہ قرآن سُن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ پھر بعد میں وُہ مختلف جماعتوں کی صورت میں آپ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتے رہے۔ انتہیٰ!

رسُول اللہ ﷺ طائف سے واپسی کے بعد چند دن نخلہ میں ٹھیرے۔ زیدؓ بن حارثہ نے کہا: "قریش نے آپؐ کو مکہ سے نکال دیا ہے، اب آپؐ وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "زید! اللہ کریم اِس مُشکل کا کوئی حل پیدا کرے گا۔ اُس نے اپنے نبی کی مدد کرنا اور اپنے دین کو ظاہر کرنا ہے"۔ مکّہ کے قریب پُہنچکر آپ ﷺ نے خزاعہ کے ایک آدمی کے ہاتھ مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ میں آپکی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ اس نے قبول کر لیا اور اپنے بیٹوں اور اپنی قوم سے کہا: "مسلّح ہو کر سب بیت اللہ میں پہنچ جاؤ، مَیں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے"۔ رسُول اللہ ﷺ، زیدؓ کے ساتھ مسجدِ حرام میں پہنچے، تو مطعم بن عدی نے اپنی اُونٹنی پر سوار ہو کر اعلان کیا:

"اے جماعتِ قریش! مَیں نے محمّد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ آئندہ انہیں کوئی پریشان نہ کرے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ حجرِ اسود کے پاس آئے، اس کو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے مسلّح ہو کر آپؐ کو گھیر رکھا تھا اور اس طرح آپ ﷺ اپنے گھر داخل ہُوئے۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے طائف سے واپسی کے بعد جب مکّہ میں داخل ہونیکا ارادہ فرمایا، تو پہلے آپؐ نے اخنس بن شریق کی طرف پیغام بھیجا کہ میں تمھاری پناہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے کہلا بھیجا کہ مَیں حلیف ہُوں اور حلیف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کی طرف یہی پیغام بھیجا۔ اُس نے کہا: میرا قبیلہ بنو عامر، بنو کعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مطعم کو پیغام بھیجا اور اُس نے آپؐ کو پناہ دی۔ انتہیٰ!

فصل

طفیل دوسیؓ کا اسلام لانا

علماء کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے مکہ ہی میں سلام کی دعوت دینا شروع کی۔ اس کے نتیجے میں طفیلؓ بن عمرو دوسی نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی تھی کہ اللہ تعالے انہیں کوئی نشانی عطا فرمائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکے چہرے میں نور پیدا کر دیا انہوں نے عرض کی، "یا رسول اللہ! مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اس کو مثلہ کہیں گے۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے پھر دعا کی، تو وہ نور ان کے کوڑے میں منتقل ہو گیا۔ اس لیے لوگ ان کو "ذو النور" کہتے تھے۔ ان کو دیکھ کر ان کی قوم کے کچھ افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ طفیلؓ اپنے علاقے میں رہے، جنگِ خندق کے بعد اپنی قوم کے ستر، اسی خاندانوں کو لے کر ہجرت کی اور خیبر میں آپ ﷺ سے آملے۔ اُس وقت آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا تھا۔ پھر آپؐ کے انتقال تک یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں رہے۔ جب بعض عربی قبائل مرتد ہوئے، تو یہ ان کی سرکوبی کے لیے اسلامی فوج میں بھرتی ہو گئے اور جب تک طلیحہ اسدی اور نجد کے سارے علاقے کو صاف نہیں کیا، چین سے نہیں بیٹھے۔ اس کے بعد اسلامی فوج میں شامل ہو کر یمامہ گئے اور مسیلمہ کذاب کا خاتمہ کیا۔ اِس جنگ میں ان کے بیٹے عمرو بن طفیل بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یمامہ کی طرف جاتے ہوئے انھوں نے ایک خواب دیکھا اور اپنے ہم راہیوں سے اس کی تعبیر پوچھی، کہنے لگے: "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرا سر منڈا ہوا ہے، میرے منہ سے ایک پرندہ نکل کر اُڑ گیا ہے اور ایک عورت نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا ہے نیز میں نے دیکھا ہے کہ میرا لڑکا تیز تیز میرے پیچھے آرہا ہے اور پھر رُک گیا ہے۔" ان کے ساتھی کہنے لگے: "یہ خواب ٹھیک ہے، کوئی فکر کی بات نہیں۔" بولے: "میں نے اس کی تعبیر کی ہے۔" انھوں نے پوچھا، "وہ کیا ہے؟" کہنے لگے: "سر مونڈنے سے مراد میرے سر کا کٹنا ہے، پرندے کا نکلنا، میری روح کا نکلنا ہے اور عورت کا مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کرنا میرا قبر میں دفن ہونا ہے۔ اور میرے لڑکے کا میرے پیچھے تیز تیز آنا اور پھر رُک جانا اس کا یہ کوشش کرنا ہے کہ اسے بھی وہ چیز حاصل ہو، جو مجھے حاصل ہوئی ہے۔" اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے!

یہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور انکے بیٹے بھی اس جنگ میں شدید زخمی ہوئے لیکن موت سے بچ نکلے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگِ یرموک میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما!

فصل

واقعہ معراج

پھر صحیح مذہب کے مطابق آپؐ کو عالمِ بیداری میں جسدِ عنصری سمیت مسجدِ حرام سے بیت المقدس لے جایا گیا۔ آپؐ براق پر سوار ہو کر جبرائیلؑ کے ساتھ گئے اور وہاں اُتر کر انبیاء کرامؑ کی امامت کرائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقہ کے ساتھ باندھا۔ پھر اسی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا، اور آپؐ بیت المقدس سے آسمانِ دنیا کی طرف چڑھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا، جو کھل گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو دیکھا اور اُن کو سلام کہا۔ اُنھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آدمؑ کی دائیں جانب سعادتمندوں کی روحیں اور بائیں جانب بدبختوں کی روحیں دکھائیں۔ پھر آپؐ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ اور دروازہ کھلوایا، وہاں آپؐ نے یحییٰؑ بن زکریاؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کو دیکھا۔ آپؐ ان سے ملے اور "السلام علیکم" کہا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا، خوش آمدید کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر تیسرے آسمان پر گئے۔ اس میں یوسفِ صدیقؑ کو دیکھا اور ان کو سلام کہا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور خوش آمدید کہا۔ پھر چوتھے آسمان میں ادریس علیہ السلام کو دیکھا، ان کو "السلام علیکم" کہا اور اُنھوں نے آپؐ کو خوش آمدید کہا۔ پھر پانچویں آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے مُلاقات کی اور سلام کہا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، پھر خوش آمدید کہا اور آپکی نبوت کا اقرار کیا۔ آپؐ آگے جانے لگے، تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپؐ نے رونے کا سبب پوچھا، تو بولے "میرے بعد آنے والے نوجوان نبیؐ کی اُمت میری اُمت سے جنت میں زیادہ داخل ہو گی"۔ پھر ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپؐ نے انکو "السلام علیکم" کہا۔ اور انھوں نے آپؐ کو خوش آمدید کہا، اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر گئے اور بیت المعمور کو دیکھا۔ پھر جبارِ اعلیٰ کی طرف چڑھے اور اس کے اتنے قریب ہوئے کہ درمیان میں دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو چاہا وحی کی اور آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ آپؐ واپس آئے اور موسیٰ علیہ السلام پر گزرے۔ انھوں نے پوچھا: آپؐ کو کیا حکم ملا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، پچاس

نماز کا حکم ہوا ہے"۔ موسیٰ علیہ السلام بولے "آپ کی اُمت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی۔ واپس جائیے اور اپنی اُمت کے لیے اپنے پروردگار سے تخفیف کا سوال کیجیے"۔ آپ ﷺ نے مشورہ لینے کے انداز سے حضرت جبرائیلؑ کی طرف دیکھا، انھوں نے کہا "ٹھیک ہے، اگر چاہیں تو جا سکتے ہیں"۔ چنانچہ جبرائیلؑ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں لے گئے۔ اللہ کریم نے آپؐ کی درخواست پر دس نمازیں معاف کر دیں۔ آپؐ نیچے اُتر آئے اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر کی۔ انھوں نے کہا: "واپس جائیے اور اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجیے"۔ آپؐ اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان متعدد بار آئے، یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے پانچ نمازیں مقرر ہو گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے آپؐ کو پھر واپس جانے اور تخفیف کا سوال کرنے کا مشورہ دیا، مگر آپؐ نے فرمایا "اب تو مجھے شرم آتی ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کے اِس حکم پر راضی ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں"۔ جب آپؐ نیچے اُترے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ "مَیں نے فرض مقرر کر دیے اور اپنے بندوں پر تخفیف کی"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رؤیت میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف

اِس مبارک رات میں آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا یا نہیں؟ اس میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف ہے۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے اور ان سے یہ بھی صحیح سند کے ساتھ آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ربّ کو دل سے دیکھا ہے۔ اِس کے برعکس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ ابنِ مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اِس کا انکار ثابت ہے۔ وُہ دونوں کہتے ہیں کہ آیت: "وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی"[1] میں جبرائیلؑ کا ذکر ہے۔ ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسندِ صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے پُوچھا کہ "آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: "وہاں نُور ہی نُور تھا۔ مَیں اُسکو کِس طرح دیکھ سکتا تھا"؟ یعنی میرے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے درمیان نُور حائل تھا۔ جیسا کہ دُوسری روایت میں آیا ہے: "رَاَیْتُ نُوْرًا" "مَیں نے نُور ہی نُور دیکھا ہے"۔ ابنِ خزیمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا تھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس سے حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جس میں نُور کا ذِکر ہے۔ یعنی نُور آپؐ کے درمیان اور ربّ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھنے کے درمیان حائل ہو گیا۔ پھر دل سے دیکھنے سے مراد "رؤیت القلب" ہے، صرف حصُولِ علم مُراد نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم آپ ﷺ کو دائماً حاصل تھا۔ بلکہ جو لوگ آپؐ کے لیے دِل سے

[1] النجم: ۱۳

دیکھنا ثابت کرتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ رؤیت آپ ﷺ کے دل میں اس طرح پیدا کی گئی، جس طرح کہ رؤیت دوسروں کی آنکھ میں پیدا کی جاتی ہے۔ ابنِ خزیمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اور اس کی سند قوی ہے۔ داؤد بن حصین کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: "کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟" انھوں نے کہا "ہاں"!

عبدالرزاق کی تفسیر میں ہے: زہری سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے اپنے رب کو دیکھنے کا انکار ذکر کیا، تو امام زہری نے کہا کہ "ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے زیادہ عالم نہیں ہیں"۔ ابنِ سلام کی تفسیر میں عروہؒ سے روایت ہے کہ جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دیکھنے سے "انکار" کا ذکر کرتے، تو اُن پر یہ بات شاق گزرتی۔ عبدالرزاقؒ نے بواسطہ معمرؒ حسن بصریؒ سے بیان کیا ہے کہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ "آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے"۔ امام احمدؒ نے بھی نبی ﷺ کے لیے رؤیت ثابت کی ہے۔ خلالؒ "کتاب السنۃ" میں مروزیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے کہا، علماء کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، "جو شخص یہ کہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اس نے بہت بڑا جھوٹ باندھا ہے"۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ فرمایا: "اس کا جواب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے"، "رَأَیْتُ رَبِّیْ" یعنی "میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے"۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے زیادہ معتبر ہے"۔ مگر اس کے برعکس عثمان بن سعید دارمیؒ نے صحابۂ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا یہ قول کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس کے منافی نہیں۔ اور ان کا یہ قول اس کے منافی ہے کہ آپؐ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے"۔ لیکن یہ معراج کے موقع پر نہیں، بلکہ مدینہ منورہ میں اس وقت کا واقعہ ہے، جب آپ ﷺ کو صبح کی نماز پڑھانے میں دیر ہو گئی، اور آپؐ نے بتایا کہ میں نے آج رات اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسی بناء پر یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ انبیاءؑ کے خواب بھی

وحی اور حق ہوتے ہیں۔ امام احمدؒ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو بیداری میں دیکھا ہے۔ جس نے امام موصوف سے یہ نقل کیا ہے، اس نے وہم کیا ہے۔ ہاں اُنھوں نے کبھی کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور کبھی کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دل کے ساتھ دیکھا ہے۔ یہ دو قول ان سے صحت کے ساتھ منقول ہیں اور تیسرا قول ان کے بعض تلامذہ کے تصرف سے یوں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن امام صاحب کے نصوص کو دیکھا جائے، تو ان میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

بعض عُلماء نے حدیثِ عائشہؓ صدیقہ اور حدیثِ ابن عباسؓ میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنکھ سے دیکھنے کا انکار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان " لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ "[1] سے استدلال کیا ہے اور ابن عباسؓ نے دل سے دیکھنے کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے اور بعض عُلماء نے ان کو دو مختلف قول قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ ابن عباسؓ کے قول میں اثبات ہے، اکثر اہلِ سُنّت اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر جو کہتا ہے کہ آپ نے دُنیا میں اپنے رب کو آنکھ سے دیکھا ہے، وہ غلط کہتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے، جو صحابہؓ اور ائمہ دین میں سے کسی نے نہیں کہی اور یہ جو نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپؐ نے دنیا میں اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، یہ جھوٹ ہے اور باتفاقِ علماء موضوع ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ سے یہ نقل کرنا بھی غلط ہے۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ رہی معراج کی احادیث، تو ان میں کسی روایت میں رؤیت کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ثابت شدہ احادیث و اقوال کی اتباع واجب ہے اور سلفِ صالحین اور ائمہ دین کے نزدیک صرف دل سے دیکھنے کا ثبوت ہے ـــ اور بس ـــ وَنُہٰی!

فصل

یہ واقعہ سُننے کے بعد قریش کے تاثرات

جب دُوسرے دن صبح کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کو بتایا کہ آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائی ہیں، تو اُنھوں نے پہلے سے بھی زیادہ آپ ﷺ کی تکذیب کی اور سخت ایذا رسانی پر اُتر آئے۔ اللہ کا دشمن، ابوجہل آپؐ کے پاس آیا اور بیٹھتے ہی مذاق کے انداز میں

[1] الانعام ۶: ۱۰۳

کہا، "آج کوئی نیا واقعہ بھی پیش آیا"؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "ہاں"! بولا، "وہ کیا"؟ آپؐ نے فرمایا: "آج رات مجھے ایک دُور مقام پر لے جایا گیا تھا"۔ بولا: کہاں"؟ آپؐ نے فرمایا: "بیت المقدس میں"۔ کہنے لگا: "پھر تم صبح ہوتے ہی ہمارے پاس بھی پہنچ گئے"؟ آپؐ نے فرمایا، "ہاں"! راوی کہتا ہے، اس وقت تو اس نے آپؐ کی تکذیب نہیں کی، مبادا جس وقت وہ اپنی قوم کو بلائے آپؐ اس سے انکار کر دیں۔ بلکہ کہنے لگا، "اگر میں لوگوں کو بلاؤں تو ان کے سامنے بھی یہ بات کہو گے"؟ آپؐ نے فرمایا، "ہاں ان کے سامنے بھی کہوں گا"۔ پھر اس نے بلند آواز سے پکارا: "اے بنو کعب بن لوی کے لوگو! اِدھر آؤ"! اس کا یہ کہنا تھا کہ لوگ اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ بولا: "اپنی قوم کو وہ بات بتاؤ، جو مجھے بتائی ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "آج رات مجھے ایک دُور مقام پر لے جایا گیا تھا"۔ سب نے کہا، کہاں"؟ آپؐ نے فرمایا: "بیت المقدس"! بولے: "پھر تم صبح سویرے ہمارے پاس بھی پہنچ گئے"؟ آپؐ نے فرمایا، "ہاں"! یہ سن کر کچھ تو تالیاں بجانے لگے، بعض نے تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لیے۔ مطعم بن عدی بولا، "تمہاری سابقہ سب باتیں ٹھیک تھیں، مگر اس کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہم بیت المقدس کو ایک مہینہ جاتے اور ایک مہینہ آتے اونٹ تھکا تھکا کر مار دیتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ میں ایک ہی رات میں وہاں سے ہو آیا ہوں۔ لات اور عزیٰ کی قسم! میں تمھیں سچا نہیں مانتا"۔ حضرت ابوبکرؓ بولے: "مطعم! تم نے بُرا کہا ہے، تم نے بُرا کہا ہے۔ تم نے اپنے بھتیجے کی تحقیر اور تکذیب کی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ سچ کہتے ہیں"۔ کہنے لگے، "محمدؐ! بیت المقدس کی عمارت اور اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤ۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ وہ پہاڑ سے کتنی دُور ہے"؟ حاضرین میں سے کچھ لوگ اس کی طرف سفر کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی عمارت، اس کی شکل و صورت اور پہاڑ سے اس کا فاصلہ اندازاً بتایا، لیکن کچھ چیزیں مشتبہ ہو گئیں جس سے آپؐ کو اتنی پریشانی ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو عقیلؓ کے گھر سے بھی زیادہ نزدیک لا کر آپ ﷺ کے پاس رکھ دیا۔ انھوں نے پوچھا، "بتاؤ بیت المقدس کے دروازے کتنے ہیں"؟ آپؐ نے پہلے اس کے دروازے نہیں گنے تھے، مگر اب دیکھ کر اس کے دروازے گنتے اور ان کو بتاتے جاتے تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا: "درست اور صحیح ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔ لوگ کہنے لگے: "بخدا! بیت المقدس کے حالات تو ٹھیک بتائے ہیں"۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم اس امر کی بھی تصدیق کرتے ہو کہ وہ آج رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے یہاں بھی آ گیا؟ حضرت ابوبکرؓ

نے کہا "ہاں! میں اس سے مشکل بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح و شام ان کے پاس آسمان کی خبر آتی ہے" اس موقعہ پر تصدیق کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام "صدیق" رکھا گیا۔ پھر انھوں نے پوچھا "محمدؐ! ہمارے تجارتی قافلے کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں دیکھا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ جاتے وقت فلاں مقام پر تھا اور آتے وقت فلاں جگہ آرہا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مکہ پہنچنے کا وقت بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ کونسا اونٹ اس کے آگے آگے آرہا ہے۔ یہ سب باتیں اسی طرح پوری ہوئیں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں مگر انھوں نے اس کو جادو کا کرشمہ سمجھا اور بولے: ولید نے سچ ہی کہا تھا۔ اس طرح اس واقعہ نے انکو پہلے سے بھی زیادہ ہلاکت میں دھکیل دیا اور ظالموں نے اس کے انکار ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔

فصل

معراج کب ہوا؟

زہریؒ کہتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے۔ عروہؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ ہجرت سے ۱۶ ماہ پہلے ہوا ہے۔ ابن عبدالبرؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہجرت اور معراج کے درمیان ۱۲ ماہ کا فاصلہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ معراج ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں دو دفعہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ بیداری میں اور دوسری دفعہ نیند میں! یوں لگتا ہے کہ اس کے قائلین نے شریک کی حدیث "پھر میں بیدار ہوگیا" اور دوسری احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ معراج دو دفعہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ وحی سے پہلے، جیسا کہ شریک کی حدیث میں "قبل ان یوحی الیه" ہے اور دوسری دفعہ وحی کے بعد ہوا ہے، جیسا کہ باقی احادیث میں آیا ہے۔ بعض متاخرین کہتے ہیں کہ اسراء تین دفعہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ مکہ سے بیت المقدس تک، دوسری دفعہ مکہ سے آسمان تک، اور تیسری دفعہ مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان تک۔ جن لوگوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے، انھوں نے بہت سے اشکالات سے نجات پالی ہے، مگر یہ واقعہ کے لحاظ سے بہت بعید ہے۔ اسی لیے سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں۔ یہ بات حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔ صاحب "الہدیٰ" رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، وہ صحیح بات جس پر تمام ائمہ نقل متفق ہیں یہ ہے کہ معراج بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ جو لوگ متعدد دفعہ معراج کے قائل ہیں، ان پر تعجب ہوتا ہے

کہ ان کے اس قول کے پیشِ نظر ہر دفعہ پچاس نمازوں کی فرضیت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، موسیٰ علیہ السلام کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کئی مرتبہ آئیں جائیں۔ حتیٰ کہ ۵ نمازیں مقرر ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ فرما دے کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی ہے ۔ پھر دوسری مرتبہ ۵۰ نمازیں ہو جائیں اور دس دس کر کے کم ہوں ؟ یہی وجہ ہے کہ حفاظِ حدیث نے شریک کی روایت کردہ معراج کی حدیث میں چند مقامات میں شریک کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ان کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے "فقدم واخر وزاد ونقص ولم یسرد الحدیث" کہ "شریک نے اس حدیث میں تقدیم و تاخیر اور کمی و بیشی کر دی ہے" اور حدیث کو درست بیان نہیں کیا۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے شریک کی حدیث پر یہ بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ انتہیٰ!

قاضی عیاضؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ معراج بعثت کے ۵ سال بعد ہوا ہے۔ اور قرطبیؒ اور نوویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے، اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نماز فرض ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر نماز پڑھی ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ہجرت سے تین یا پانچ سال پہلے فوت ہو گئی تھیں اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ نماز معراج کی رات فرض ہوئی تھی۔ اور اس پر تعاقب کیا گیا ہے۔ کہ صحیح قول کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات نبوت کے دس سال بعد رمضان المبارک میں ہوئی تھی اور یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث بھی کرتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ۵ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہوا ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ ان کا انتقال معراج سے پہلے ہوا ہے۔ اور یہی قابلِ اعتماد قول ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے سالِ وفات میں تردد کی تردید حضرت عائشہؓ کے اس جزم سے ہوتی ہے کہ وہ ہجرت سے تین برس پہلے فوت ہوئیں۔ یہ بات حافظ ابنِ حجرؒ نے فرمائی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے۔ یہ ابن حزمؒ کا قول ہے، اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں معراج ربیع الآخر کی ۱۳ تاریخ کو بتایا ہے اور صحیح مسلم کی شرح میں ربیع الاول میں لکھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ۲۷ رجب کی رات کو ہوا ہے، اور حافظ عبدالغنی بن سرور مقدسیؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم!

فصل

ہجرت کی ابتدا، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق کیا ہے، اور اس کو اپنے دین کے غلبہ اور اپنے رسولؐ کی مدد کا مبدار بنایا ہے!

ترمذیؒ، عاصم بن عمر بن قتادہؓ اور یزید بن رومانؒ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے پہلے تین سال مکہ میں چھپ چھپ کر گزارے تھے، پھر چوتھے سال لوگوں کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دی، اور دس سال تک برابر دیتے رہے۔ ہر سال حج کے موقعہ پر گھر گھر جاتے، اور اسی طرح عرب کے سالانہ میلوں، عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ملک کے اطراف و اکناف سے آنے والے ہر قبیلے کو اسلام کی دعوت دیتے اور اپنے آپ کو اُن پر پیش کرتے کہ وہ آپؐ کو اپنے ساتھ لیجائیں اور آپؐ کی حفاظت کریں، تاکہ آپؐ اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنے رب کے احکام پہنچائیں۔ اور اس کے بدلے میں اُنکو جنت ملے! مگر کسی نے آپ ﷺ کی بات نہیں سُنی اور نہ کوئی آپؐ کی امداد کے لیے آمادہ ہوا۔

آپؐ منادی کرتے تھے: "لوگو! "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہو کامیاب ہو جاؤ گے، عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمھاری غلامی کریں گے، نیز مرنے کے بعد جنت میں شاہانہ زندگی بسر کرو گے"۔ مگر ابُولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا اور بکتا تھا: "اس کی بات نہ ماننا یہ بے دین اور کذّاب ہے"! نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ نہ صرف آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا دیتے، بلکہ ہر طرح سے ایذا پہنچانے کی کوشش کرتے۔ کہتے "تیری قوم اور تیرا قبیلہ تجھے خوب جانتے ہیں۔ وہ تیری بات نہیں مانتے، تو ہم کیسے مانیں"! لیکن آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں سُستی نہیں کی اور نہ کسی طرح غفلت سے کام لیا۔

فرماتے تھے "الٰہی اگر تو چاہتا تو یہ میرے ساتھ اس قسم کا سلوک نہ کرتے"۔

جہاں تک ہمیں پتہ چلا ہے، آپ ﷺ درج ذیل قبائل کے پاس گئے، اُن کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا:

بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، غسان، مرہ، بنو حنیفہ، سُلیم، عبس، بنو نصر بنو البکاء، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ۔ مگر ان میں سے کسی نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہ کی۔

انتہیٰ!

بعض افراد کے ساتھ حضرت ابُوبکر صدّیق کا مُکالمہ

بعض مورخین حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ ایک دفعہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے گھر سے نکلے، تو میں اور ابُوبکرؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم عرب کی ایک محفل کے پاس گئے۔ ابُوبکرؓ علم الانساب کے ماہر تھے۔ وُہ آگے بڑھے، ان کو سلام کہا۔ اُنھوں نے جواب دیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے پُوچھا: "آپ کون لوگ ہیں؟" بولے: "ہم ربیعہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔" ابُوبکرؓ نے پُوچھا: "ان کے سردار قبائل سے تعلق رکھتے ہو، یا ماتحت قبائل سے؟" بولے: "بہت اُونچے قبائل سے۔" ابُوبکرؓ نے پُوچھا: "کس اُونچے قبیلے سے؟" کہنے لگے: "ہم ذہل اکبر سے تعلق رکھتے ہیں۔" ابوبکرؓ نے پوچھا: "عوف تمھارا آدمی ہے، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عوف کے علاقہ میں اُس جیسا کوئی دُوسرا آزاد آدمی نہیں ہے؟" اُنھوں نے کہا: "نہیں۔" پُوچھا: "جھنڈے کا مالک اور زندوں کا رئیس اعظم بسطام بن قیس تمھارا آدمی ہے؟" بولے: "نہیں۔" پُوچھا: "عہد کا پابند اور پڑوسی کا محافظ جساس بن مرہ تمہارے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟" کہنے لگے: "نہیں۔" ابوبکرؓ نے پُوچھا: "بادشاہوں کا قاتل اور ان کی جانیں چھیننے والا حوفزان تم میں سے ہے؟" بولے: "نہیں۔" پُوچھا: "صاحب عمامہ مزدلف تمھارا آدمی ہے؟" اُنھوں نے کہا: "نہیں۔" ابُوبکرؓ نے کہا: "تم لوگ شاہانِ کندہ کے ماموں ہو؟" اُنھوں نے کہا: "نہیں۔" پوچھا: "تم شاہانِ لخم کے سُسرال ہو؟" بولے: "نہیں۔" اس پر حضرت ابُوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "پھر تُم ذہلِ اکبر نہیں، ذہلِ اصغر ہو۔"

یہ سُن کر ان میں سے ایک نوجوان جس کے چہرے پر ابھی سبزۂ شباب اُگ رہا تھا اور اس کا نام دغفل تھا، اُٹھ کر ابُوبکرؓ کے پاس آیا اور بولا: "محترم! آپ نے ہم سے کئی باتیں پُوچھی ہیں، جو ہم نے سچ سچ بتا دی ہیں اور کسی طرح غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ اب آپ بتائیے آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں؟" ابُوبکرؓ نے کہا: "میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہُوں۔" وُہ بولا: "خُوب! شریف اور رئیس لوگ ہیں۔" اس نے کہا: "آپ کا قریش کے کس قبیلے سے تعلق ہے؟" حضرتِ ابوبکرؓ نے کہا: "میں تیم بن مرہ سے تعلق رکھتا ہُوں۔" نوجوان بولا: "بخدا! تُم نے تیر انداز کو سینے میں تیر مارنے کا موقعہ دیا ہے۔ بتائیے! قصیّ جس نے قبائلِ فہر کو اکٹھا کیا اور اپنی قوم قریش میں "مجمع" کا لقب پایا، تُم میں سے ہے؟" ابُوبکرؓ نے کہا: "نہیں۔" اس نے پُوچھا: "ہاشم تُم میں سے ہے، جس نے اپنی قوم کو اُس وقت ثرید (ایک اعلیٰ قسم کا کھانا) کھلایا، جب اہلِ مکّہ قحط سالی کی وجہ سے ہلاکت

کے قریب پہنچ چکے تھے"؟ کہا: نہیں! پھر اُس نے پُوچھا: "آسمان پر اُڑنے والے پرندوں کو کھانا دینے والا شیبۃ الحمد عبد المطلب تم میں سے ہے، جو اندھیری رات میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا"؟ ابوبکرؓ نے کہا "نہیں"! اس نے پُوچھا "کیا آپ حج کے موقعہ پر لوگوں کو عرفات سے واپس لانے والوں میں ہیں؟" ابوبکرؓ نے کہا: نہیں"! اس نے کہا: "پھر آپ کا تعلق خانہ کعبہ کے دربان خاندان سے ہے"؟ ابوبکرؓ نے نفی میں جواب دیا۔ اس نے کہا: "پھر حاجیوں کو پانی پلانے والوں میں سے ہو"؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا "نہیں"! اُس نے پُوچھا: "آپ دار الندوہ کے ناظم ہیں"؟ ابوبکرؓ نے کہا "نہیں"! اُس نے کہا: "پھر آپ حاجیوں کو کھانا کھلانے والے خاندان سے ہیں"؟ ابوبکرؓ نے کہا "نہیں"! پھر اُونٹنی کی مہار موڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے آئے۔ یہ دیکھ کر نوجوان بولا ؎

صادف در السیل درأ یدفعہ ۔۔۔ یھیضہ حینا وحینا یصدعہ

"سیلاب میں بہنے والا موتی راستے میں کسی موتی سے ٹکراتا ہے، کبھی اس کو چکنا چُور کر دیتا ہے اور کبھی صرف ٹھوکر لگاتا ہے"۔

"محترم! بخدا! اگر آپ پسند کریں تو میں بتا سکتا ہُوں کہ آپ قریش کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں"؟ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "ابوبکرؓ! آپ کا پالا بڑے گھاگھ اعرابی سے پڑا ہے"۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "ہاں ابوالحسن! ٹھیک کہتے ہو۔ خواہ مصیبت کتنی بڑی ہو، اس سے بڑھ کر بھی مصیبت ہوتی ہے اور بولنے سے ہی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔

قاسم بن ثابتؒ نے حدیث کی تکمیل کے لیے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

پھر ہم ایک اور مجلس پہ آئے۔ جو بڑے پرسکون اور باوقار لوگ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو سلام کہا، اور ابوبکرؓ ہر نیکی کے کام کو آگے بڑھ کر کرتے تھے، پھر ان سے پُوچھا: "آپ لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں"؟ کہنے لگے: "ہم شیبان بن ثعلبہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں"۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ لوگ اپنی قوم میں نامدار اور شہرہ آفاق ہیں۔ ان میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک خاص طور پہ قابل ذکر ہیں لیکن مفروق حسن و جمال اور زباندانی میں ان سب پر فائق تھا۔ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں

اور وہ مجلس میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹھا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا "تمہاری آبادی کتنی ہے" مفروق نے جواب دیا "ہم ایک ہزار سے زیادہ ہیں"۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے سوال کیا "تمہاری قوت کا کیا حال ہے؟ ویسے ایک ہزار کمی کے باعث مغلوب نہیں ہوتے"۔ مفروق نے کہا "ہمارا کام صدق دل سے جدوجہد کرنا ہے۔ اور ہر قوم کے لیے اپنا ایک مقام ہوتا ہے"۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان لڑائی کیسی رہتی ہے؟" مفروق نے کہا: "جب ہم میدان میں آتے ہیں، تو سخت غضب ناک ہوتے ہیں اور ہماری لڑائی اتنی شدید ہوتی ہے، جتنا ہمارا غصّہ تیز ہوتا ہے۔ ہم اپنے بچوں پر اپنے گھوڑوں کو ترجیح دیتے ہیں، اور اونٹنیوں سے زیادہ نیزوں سے محبت کرتے ہیں۔ ہم لڑائی میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑتے لیکن مدد من جانب اللہ ہے۔ کبھی ہمیں دشمنوں پر اور کبھی دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیتا ہے۔ شائد آپ قریش کے آدمی ہیں؟"

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ بولے "کیا تم نے سنا ہے کہ قریش میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں؟ وہ آپ ہی ہیں" (آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) مفروق نے کہا: "ہاں! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے"!

پھر مفروق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"اے قریش کے بھائی! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں"؟ آپ نے آگے آ کر جواب دیا: "میں دعوت دیتا ہوں کہ اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں نیز یہ دعوت دیتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے اپنے پاس جگہ دیں اور میری مدد کریں۔ میری قوم قریش کے لوگ اللہ کے دین کی مخالفت پر تل گئے ہیں، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے، اور حق کو چھوڑ کر باطل کو اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل تعریف ہے"۔ مفروق بولا "اے قریش کے بھائی! اس کے علاوہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ"[1] (یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین سے احسان کرو، اور اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو)

مفروق نے کہا: "اور اس کے علاوہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں"؟ اس پر آپ

---

[1] الانعام: ۱۵۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى - الآیۃ" (النحل:۹۰)

یعنی "اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور قریبی رشتہ دار کو صدقہ و زکوٰۃ دینے کا حکم دیتا ہے۔"

مفروق بولا: "خدا کی قسم! اے قریش کے بھائی! آپؐ نے اچھی عادتوں اور نیک اعمال کی دعوت دی ہے۔ اور آپؐ کی قوم جس نے آپؐ کی تکذیب کی ہے، اور آپؐ کی مخالفت میں متحد ہوگئی ہے، وہ جھوٹی ہے۔ پھر اُس نے ہانی کو اس گفتگو میں شریک کرنے کے لیے کہا: "یہ ہانی بن قبیص ہمارے بزرگ اور ہمارے مذہبی لیڈر ہیں، ان کے تاثرات بھی سن لیجئے۔" ہانی بولا: "اے قریش کے بھائی! میں نے آپ کی بات سن لی ہے، لیکن ایک مجلس میں جس سے پہلے اور بعد ہمارا باہمی کوئی تعارف نہیں، اپنا دین چھوڑنا اور آپ کی اتباع کرنا بڑی بے عقلی اور بڑی بے تدبیری ہے۔ نیز جلد بازی سے آدمی ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں۔ اور پھر ہمارے پیچھے ہماری قوم ہے، ان کی رائے معلوم کیے بغیر ہم کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب جائیے، ہم بھی جاتے ہیں۔ اِس بارے میں آپؐ بھی سوچیے اور ہم بھی مزید سوچیں گے۔" پھر اس نے اس گفتگو میں مثنیٰ بن حارثہ کو شریک کرنا چاہا، اور کہا: "یہ مثنیٰ بن حارثہ ہمارا بزرگ اور لڑائی کے معاملہ میں ہمارا پیشوا ہے۔ اس کا نظریہ بھی سن لیں کہ یہ کیا کہتا ہے؟" اس پر مثنیٰ نے کہا: "اے قریش کے بھائی! میں نے آپ کی بات سن لی ہے۔ ایک مجلس میں جس سے پہلے اور بعد ہماری باہمی کوئی شناسائی نہیں ہے، اپنا دین چھوڑنے اور آپ کے پیچھے لگ جانے کا وہی جواب ہے، جو ہانی نے دیا ہے۔ ہم صریانِ یمامہ اور صریانِ سماوہ کے درمیان رہتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: "دونوں صریان کیا ہیں؟" مثنیٰ نے کہا: "وہ علاقہ جہاں کسریٰ نے نہریں جاری کی ہیں، اور وہ علاقہ جہاں عرب کے دریا بہتے ہیں۔ کسریٰ کے نہری علاقہ میں قصور دار کا قصور معاف نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی عذر سنا جاتا ہے۔ البتہ عرب کے دریائی علاقہ میں قصور دار کا قصور معاف ہو سکتا ہے اور اس کا عذر بھی سنا جاتا ہے۔ کسریٰ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم اس کے علاقہ میں نہ کوئی نیا طریقہ اختیار کریں گے اور نہ کسی نیا طریقہ جاری کرنے والے کو وہاں رہنے دیں گے۔ ہاں اگر آپؐ چاہیں تو ہم عرب کے دریائی علاقہ میں آپ کو جگہ بھی دے سکتے اور آپ کی امداد بھی کر سکتے ہیں۔" مثنیٰ کی اس تقریر کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم نے حقیقت واضح کر دی ہے، تو تمہارا یہ جواب کوئی برا جواب نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے کے لیے ایسا آدمی

چاہیئے جو چاروں طرف سے اس کی حفاظت کرے۔ ہاں! یہ بتاؤ کہ اگر تھوڑے عرصہ میں اللہ تعالیٰ ایسا انقلاب بپا کر دے کہ ان کے ملک میں تمھاری حکمرانی ہو اور ان کی عورتیں تمھارے نکاح میں آجائیں تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ گے۔ اور اس کی تسبیح و تقدیس اپنا شعار بنالو گے؟ اس پر نعمان بن شریک نے کہا، "ہاں ہم آپؐ سے اس کا وعدہ کر سکتے ہیں"۔ اس کے بعد آپؐ نے سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا" (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

"اے نبیؐ، ہم نے آپؐ کو شاہد، مبشر، نذیر اور اللہ کی طرف بلانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے!"

پھر آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "اے ابوبکرؓ اور اے ابوالحسنؓ! جاہلیت میں بھی بعض اخلاق کیسے اچھے اور کیسے اعلیٰ ہیں جن کی پابندی کرنے سے باہمی لڑائیاں بند ہوتی ہیں اور لوگ باہم دست و گریباں ہونے سے دور رہتے ہیں"۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "پھر ہم وہاں سے اٹھ کر اوس اور خزرج کی مجلس میں آئے اور وہاں سے اس وقت اٹھے، جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ یہ بڑے سچے اور صابر لوگ تھے"۔

فصل

اہل مدینہ کے اسلام کا ذکر

ابن اسحٰق لکھتے ہیں: جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دین کو ظاہر کرنے، اپنے نبیؐ کو غلبہ دینے اور ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، تو اس کا سبب یہ ہوا کہ آن حضرت ﷺ معمول کے مطابق موسم حج میں عرب کے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے اور اپنے آپ کو ان پر پیش کرتے ہوئے عقبہ کے پاس بنو خزرج کی اس جماعت سے ملے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

عاصم بن عمر بن قتادہؒ اپنی قوم کے بزرگوں سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے تو ان سے پوچھا، "تم کون ہو؟" انھوں نے کہا: "ہم قبیلۂ خزرج کی ایک جماعت ہیں"۔ آپؐ نے پوچھا: "وہ خزرج، جو یہود کے دوست ہیں؟" بولے "ہاں!" آپؐ نے فرمایا: "تھوڑی دیر یہاں بیٹھتے نہیں، میں آپ

لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں" بولے "کیوں نہیں! بیٹھ جاتے ہیں" چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ آپ نے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، اُن پر اسلام پیش کیا اور قرآن حکیم کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ اسلام کی بہتری کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ یہود اُن کے ساتھ ایک شہر میں رہتے تھے، وہ اہلِ کتاب اور اہلِ علم تھے اور یہ مشرک، بتوں کی پوجا کرنے والے تھے۔ بنو خزرج کو شہر میں غلبہ حاصل تھا۔ جب یہود کو کسی موقعہ پر ان سے کوئی تکلیف پہنچتی، تو وہ کہتے "کوئی بات نہیں، جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ نزدیک آگیا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تمھیں تمھاری شرارتوں کا مزہ چکھائیں گے اور تمھیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے" جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: "اے قوم! تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ وہی نبیؐ ہے، جس کی یہود تمھیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ اب اس پر ایمان لانے میں انھیں تم پر سبقت نہیں کرنی چاہیئے" چنانچہ انھوں نے اسی جگہ آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور آپؐ کی تصدیق کرتے ہوئے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ انھوں نے کہا: "ہمارے پیچھے ہماری ایک ایسی قوم ہے کہ جتنی باہمی عداوت اور جتنا باہم ایک دگر خون خرابہ ان میں ہے، دُنیا کی کسی قوم میں نہیں۔ ممکن ہے آپؐ کی کوششوں سے ان میں اتفاق ہو جائے۔ ہم وطن جا کر ان کو دعوت دیں گے، اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے، ان پر پیش کریں گے۔ اگر آپؐ پر ایمان لانے میں سب کا اتفاق ہو گیا، تو آپؐ سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہوگا" پھر وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ خزرج کے وہ سعادت مند درج ذیل چھ آدمی تھے:

۱۔ بنو نجار میں سے، ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ۔

۲۔ عوف بن حارث بن رفاعہ جو "ابنِ عفرا" کے نام سے مشہور تھے۔

۳۔ بنو عامر بن زریق بن جشم بن خزرج سے، رافع بن مالک بن عجلان بن زُریق۔

۴۔ بنو سلمہ سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔

۵۔ بنو حرام بن کعب سے عقبہ بن عامر۔

۶۔ بنو عبید بن عدی بن غنم سے جابر بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم!

یاد رہے یہ جابرؓ بن عبداللہ، مشہور صحابی جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو بن حرام نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بعض مورخین جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب کی جگہ عبادہ بن صامتؓ کو ذکر کرتے ہیں۔

جاتے وقت ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری پشت پناہی کروگے، تاکہ میں خلقِ خدا کو اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں"؟ انھوں نے کہا: "یارسولؐ اللہ! ہم میں ایک خوفناک جنگ "بعاث" نامی لڑی گئی ہے۔ اگر آپؐ اس جیسی حالت میں ہمارے پاس آتے تو آپؐ پر ایمان لانے میں کبھی سب کا اتفاق نہ ہوتا۔ اب ہم اپنے قبائل کی طرف جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے مختلف قبائل میں صلح ہوجائے گی۔ پھر جو دعوت آپ ﷺ نے ہم کو دی ہے، وہی دعوت ہم ان کو دیں گے۔ امید غالب ہے کہ سب آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ اگر ایسا ہوا اور سب نے آپؐ کی اتباع کر لی، تو آپؐ سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہوگا۔ اگلے سال حج کے موسم میں ہم آپؐ سے پھر ملیں گے۔" پھر وہ خدا حافظ کہہ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

مدینہ منوّرہ میں اسلام کا چرچا

ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب یہ لوگ مدینہ منوّرہ آئے تو اپنی اپنی قوم میں رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر کیا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام ان میں پھیل گیا اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ چنانچہ اگلے سال انصار کے بارہ آدمی حج کے لیے آئے اور پہلے کی طرح عقبہ گھاٹی میں آپ ﷺ سے ملاقات کی اور جن باتوں پر بعد میں عورتوں سے بیعت لی گئی تھی، ان ہی پر انھوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ لڑائی فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

پھر ابن اسحٰق نے جابر بن عبداللہ بن رباب کے سوا پہلے چھ آدمیوں کے نام گنوائے ہیں، جابرؓ اس حج میں حاضر نہیں ہوسکے تھے۔ بارہ میں سے باقی سات یہ ہیں:

۱. معاذ بن حارث بن رفاعہ، یہ بھی "ابنِ عفراء" کے نام سے مشہور ہیں اور پہلے (عوف) کے بھائی ہیں۔
۲. ذکوان بن عبد قیس زرقی کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ جاکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ اس لیے یہ انصاری مہاجر ہیں اور جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔
۳. عبادہ بن صامت بن قیس۔
۴. ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بلوی۔

۵۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ، یہ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ پانچوں حضرات قبیلۂ خزرج میں سے ہیں۔

۶۔ ابو الہیثم بن تیہان اشہلی۔

۷۔ عویم بن ساعدہ ـــــ یہ دونوں قبیلۂ اوس کے فرد ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم!

یہ بارہ آدمی اسلام لائے اور عورتوں جیسی بیعت کی یعنی فتح مکہ کے موقع پر جن باتوں کے بارے میں عورتوں سے بیعت لینے کا حکم نازل ہوا، اسی کے مطابق انھوں نے بیعت کی۔ عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ "ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھیرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو نہیں ماریں گے۔ آپس میں ایک دوسرے پر بہتان نہیں باندھیں گے اور کسی معروف بات میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ نیز تنگی میں، آسانی میں، خوشی میں، غمی میں اور ہم پر دوسروں کو ترجیح کی صورت میں غرض ہر حالت میں آپؐ کی بات سنیں گے اور آپؐ کی اطاعت کریں گے۔ حقداروں سے حکومت نہیں چھینیں گے اور جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم ان باتوں کو پورا کرو گے، تو جنت پاؤ گے۔ اگر کوئی ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا، تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا۔ چاہے تو اسے عذاب دے، اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔"

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس سے کچھ مختصر بیان کیا ہے۔ اور اس کی ایک روایت میں ہے، عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں: "میں ان نقیبوں میں سے ایک ہوں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔"

بیعت یہ تھی: "ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ زنا نہیں کرینگے۔ جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس کو ناحق قتل نہیں کریں گے۔ لوٹ نہیں ڈالینگے اور نافرمانی نہیں کریں گے۔ اگر ہم اس کے مطابق عمل کریں گے، تو جنت کے مستحق ہونگے۔ اور اگر اس میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کریں گے، تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا۔"

اور ایک روایت میں ہے: "جس نے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا اس کو دنیا میں مل گئی تو اس کا وہ گناہ معاف ہو جائیگا اور وہ اس کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا۔ چاہے اسے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔"

ابوالزبیرؒ جابرؓ سے روایت کرتے ہیں نبی ﷺ دس سال تک لوگوں کے گھروں میں حج کے موسم میں عکاظ اور مجنّہ کی منڈیوں میں اور منیٰ کی اقامت گاہوں میں منادی کرتے رہے کہ کوئی مجھے اپنے ہاں رہنے کی جگہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کے پیغام مخلوقِ خدا کو پہنچاؤں، اس کو جنت ملے گی مگر کوئی آپ ﷺ کی مدد نہیں کرتا تھا اور نہ کوئی اپنے ہاں جگہ دینے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی مصر سے، یا یمن سے اپنے رشتہ داروں کے ہاں جاتا تو اس کی قوم اس کو تاکید کرتی کہ خبردار! قریشی نوجوان سے ہوشیار رہنا کہیں تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔" آپ ﷺ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے نکلتے تو لوگ انگلی سے آپ ﷺ کی طرف اشارے کرتے۔ یہاں تک کہ انصار کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ سے مکہ بھیجا ان میں سے کوئی آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا۔ آپ ﷺ اسے احکامِ الٰہی سکھاتے اور اسے قرآن پڑھاتے، تو مدینہ واپس آکر اس کی تبلیغ سے سارے گھر والے مسلمان ہو جاتے۔ اس طرح انصار کا کوئی خاندان ایسا نہیں تھا جس میں اسلام کا برملا اظہار کرنے والی ایک جماعت موجود نہ ہو۔ ایک وقت آیا کہ ہم سب اہلِ مدینہ نے مشورہ کیا اور طے پایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کب تک مکہ کے پہاڑوں میں مارے مارے پھریں گے اور اہلِ مکہ کے خوف سے کب تک چھپ چھپ کر زندگی گزاریں گے، ہمیں آگے بڑھ کر آپ ﷺ کا ہاتھ بٹانا چاہیے اور اس مصیبت کی زندگی سے آپ ﷺ کو نجات دلانا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے حج کے موسم میں آپ ﷺ سے ملاقات کی اور عقبہ کی گھاٹی میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا وعدہ کیا۔ آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو کہنے لگے "بھتیجے! معلوم نہیں آپؐ کے پاس یہ کون لوگ آتے ہیں؟ اہلِ یثرب سے میں بھی واقف ہوں۔" پھر جب مقررہ جگہ میں ایک ایک، دو دو آدمی مل کر ہم آپ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور عباس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دیکھا تو کہا "ان لوگوں کو تو میں نہیں جانتا یہ تو نوعمر ہیں۔" ہم نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! ہم کس بات پر آپ ﷺ کی بیعت کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "خوشی اور ناخوشی میں بات سننے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر، تنگی اور خوشحالی میں خرچ کرنے پر، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے پر، اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو میری مدد کرو گے اور مجھے اس چیز سے بچاؤ گے جس سے اپنی جانوں اور بیوی بچوں کو بچاتے ہو اس کے بدلہ میں تمہیں جنت ملے گی۔" ہم یہ سن کر

بیعت کے لیے اُٹھے تو اسعد بن زرارہ ؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ وہاں جمع ہونے والے ستر آدمیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور کہا "اے اہلِ یثرب! ذرا صبر سے کام لو اور دیکھو ہم نے آپؐ کی طرف اس لیے سفر کیا ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسُول ہیں مگر آپؐ کو یہاں سے لے جانے میں سارے عرب کی دشمنی مول لینا ہے' اس میں ایک ایسا وقت آسکتا ہے کہ تم پر تلواریں چلیں گی اور تمہارے پسندیدہ اور بہتر لوگ قتل ہوں گے۔ اگر یہ سب تکلیفیں سہنے کے لیے تیار ہو تو آپؐ کو اپنے ساتھ لے چلو' اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے پاؤ گے۔ اور اگر تم ڈرتے ہو، کہ یہ بوجھ نہیں اُٹھا سکو گے' تو آپ ﷺ کو یہیں رہنے دو' تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ گے۔ یہ تقریر سن کر سب بولے "اسعد ؓ! اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاؤ! خدا کی قسم! ہم اس بیعت سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور نہ اس کو واپس کریں گے" چنانچہ ایک ایک آدمی آتا رہا اور آپؐ سے بیعت کرتا رہا اور آپ ﷺ اس پر اسے جنّت کی بشارت دیتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ پھر یہ لوگ مدینہ شریف واپس آئے اور اسلام کو عرُوج حاصل ہوا۔

مدینہ منوّرہ میں نمازِ جمعہ

مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سب مسلمانوں کو اکٹھا کر کے نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ پھر خزرج اور اوس دونوں قبیلوں نے مل کر آنحضرت ﷺ کی طرف ایک مکتوب بھیجا جس میں استدعا کی گئی تھی کہ آپ ﷺ ہمارے پاس کوئی آدمی بھیجیں جو ہمیں قرآن مجید پڑھائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن اُمّ مکتوم نابینا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فروکش ہوئے عبد بن حمید' ابن سیرین (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے نقل کرتے ہیں کہ اہلِ مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے آنے اور جمعہ کی فرضیت اُترنے سے پہلے جمعہ پڑھنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے ہی اس دن کا نام "جمعہ" رکھا تھا۔ انصار نے کہا' یہودی سات دنوں میں ایک دن جمع ہوتے ہیں اور اسی طرح عیسائیوں نے بھی ایک دن مقرر کر رکھا ہے ہمیں بھی ایک دن مقرر کرنا چاہیے جس میں جمع ہو کر ہم اللہ کا ذکر کریں۔ نماز پڑھیں اور اس کا شکر بجا لائیں۔ کہنے لگے یہودیوں نے اپنے اجتماع کے لیے ہفتہ کا اور عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کر رکھا ہے '

تو ہم اپنے اجتماع کے لیے عروبہ کا دن مقرر کرلیں (جاہلیت میں "جمعہ" کے دن کو "عروبہ" کہتے تھے) چنانچہ سب اہلِ اسلام حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے ان کو جمعہ کی دو رکعت نماز پڑھائی اور ایک بکری ذبح کی مسلمانوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہی بکری ان کے دو وقت صبح اور شام کے کھانے کے لیے کافی ہوگئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی فرضیت کا یہ حکم نازل فرمایا:

"اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ[1] الآیۃ"

یعنی "جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے چل کھڑے ہو۔"

سہیلی لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ساتھ یہ مستبعد ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر اتنا بڑا اہم دینی کام شروع کر دیا ہو پھر انہوں نے دارقطنی کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مسلمانوں کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ مکہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ظلم کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ وہ مسلمانوں کو جمعہ پڑھائیں۔ الحدیث" اور وہ اس وقت چالیس آدمی تھے مصعبؓ کی تبلیغ سے انصار کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ان کی وجہ سے بنو اشہل کا پورا قبیلہ ایک دن میں اسلام لے آیا۔ صرف اصیرم جن کا نام عمرو بن ثابت بن قیس ہے پیچھے رہ گئے۔ یہ جنگ احد کے دن مسلمان ہوئے اور اسی دن شہید ہو گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرنے کا بھی موقعہ نہیں ملا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا وہ جنتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ انصار کے اس قبیلہ بنو عبدالاشہل میں کوئی مرد یا عورت منافق نہیں تھا۔

مصعبؓ بن عمیر کی واپسی اور تیسری بیعتِ عقبہ

اگلے سال مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ واپس آئے اور ان کے ساتھ ۱۲ ذی الحج کو مدینہ کے ستر آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ تیسری بیعتِ عقبہ ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ستر سے ایک یا دو مرد زیادہ تھے اور ان کے علاوہ دو عورتیں بھی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ اس سال انصار کے مشرک اور مسلمان بہت سے لوگ حج کے لیے آئے تھے اور سب لوگوں کے راہنما براءؓ بن معرور تھے۔ جب رات کا پہلا تیسرا حصہ گزر گیا تو ان میں سے ۷۳ مرد اور دو عورتیں چھپتے چھپاتے

---

[1] الجمعۃ: ۹

آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ عورتوں میں سے بنو مازن بن نجار کی ایک عورت نسیبہ بنت کعب اُمِ عمارہ ، اور دوسری بنو سلمہ میں سے اسماء بنت عدی تھیں۔

لیلۃ العقبہ کا منظر

ابنِ اسحاق کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ اپنے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ کی معیت میں آئے جو اس وقت اپنی قوم کے دین پر تھے۔ لیکن وہ انصار کے ساتھ آپ ﷺ کے معاہدہ کے وقت حاضر ہونا چاہتے، اور آپ ﷺ کے تحفظ کا یقین کرنا چاہتے تھے۔ جب بیٹھ گئے، تو عباس رضی اللہ عنہ نے کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا: "اے گروہِ خزرج! (کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عرب، مدینہ کے رہنے والوں کو خواہ وہ خزرج ہوں یا اوس خزرج کہتے تھے) جیسا کہ تم جانتے ہو محمد ﷺ کا مقام ہمارے نزدیک بہت اونچا ہے ہم ان کو اپنی قوم سے بچاتے ہیں، اس لیے وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں پُر امن اور محفوظ ہیں مگر یہ تمہارے پاس جانا چاہتے، اور تمہارے ہاں ہی زندگی کے دن پورے کرنا چاہتے ہیں۔ اب تم دیکھ لو اگر تم ان سے کیے ہوئے وعدے پورے کرو گے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو گے تو تمہاری مرضی! شوق سے ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اور اگر تم نے وہاں سے جا کر ان کی مدد ترک کرنا ہے اور ان کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہے، تو اب ہی ان کو چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں پُر امن اور محفوظ ہیں۔"

ہم نے اُن کی تقریر سُن کر کہا: "ہم نے آپ کی بات سُن لی ہے یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ کلام فرمایئے، اور اپنے رب کے لیے جو عہد ہم سے لینا چاہتے ہیں، لے لیجئے ہم حاضر ہیں"۔ آپ ﷺ نے خطاب شروع کیا۔ پہلے قرآنِ حکیم کی تلاوت کی، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی پھر فرمایا: "میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم نے میری اس چیز سے حفاظت کرنا ہو گی جس سے تم اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو" کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد براء رضی اللہ عنہ بن معرور نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، "ہاں! ہاں!! اس خدا کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے بلاشبہ ہم آپ ﷺ کی اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے اپنوں کی حفاظت کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ بے فکر ہو کر ہم سے بیعت لیجئے۔ بخدا! ہم لوگ جنگجو ہیں، اپنے پاس آزمودہ کار مسلح افواج رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ

اس کے وارث چلے آتے ہیں"۔ براءؓ ابھی رسول اللہ ﷺ سے سلسلہ گفتگو جاری کیے ہوئے تھے کہ درمیان میں ابوالہیثم بن تیہان بول پڑے، اور کہنے لگے"یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے دوسرے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں، جنہیں ہم ختم کر دیں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم یہ کریں، اور آپ ﷺ کامیاب ہو جائیں، پھر آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں آ بسیں؟" اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: "بل الدم، الدم! والھدم، الھدم! انتم منی، و انا منکم: أحارب من حاربتم، و أسالم من سالمتم"۔ ابن ہشام کہتے ہیں: "الھدم کا معنی"حرمت" کا ہے۔ یعنی"میرا خون تمہارا خون ہے، اور میری حرمت تمہاری حرمت ہے۔ تم مجھ سے ہو، اور میں تم سے ہوں جس سے تم لڑو گے، میں لڑوں گا، اور جس سے تم صلح کر دو گے، میں صلح کر دوں گا"۔ کعبؓ حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا"اپنے میں سے بارہ نقیب چنو! جو اپنی اپنی قوم کا خیال رکھیں، اور ان کے باہمی جھگڑے نپٹائیں"۔ انہوں نے خزرج میں سے نو اور اوس سے تین نقیب منتخب کیے، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ (۲) سعد بن ربیع (۳) عبداللہ بن رواحہ (۴) رافع بن مالک (۵) براء بن معرور (۶) حضرت جابر کے والد عبداللہ بن حرام، یہ اس رات ہی اسلام لائے تھے (۷) سعد بن عبادہ (۸) منذر بن عمرو (۹) عبادہ بن صامت یہ نو آدمی خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱۰) اسید بن حضیر (۱۱) سعد بن خیثمہ (۱۲) رفاعہ بن عبدالمنذر (بعض نے ان کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان کا نام لیا ہے) یہ تینوں قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

شیطان کا اشتعال

کعبؓ نے اپنی حدیث جاری رکھتے ہوئے کہا: جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے، تو شیطان نے گھاٹی کی چوٹی سے اتنا زور سے چلا کر کہا کہ میں نے ایسی اونچی آواز کبھی نہیں سنی: "اے منیٰ کے خیموں میں اترنے والو! کیا تمہیں مذمم اور اس کے بے دین ساتھیوں کے منصوبوں کی کچھ خبر ہے؟ یہ تم سے لڑنے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"یہ اس گھاٹی پر متعین شیطان ہے۔ اس کا نام"ازب بن ازیب" ہے" پھر فرمایا:"اے اللہ کے دشمن! کان کھول کر سن لے، بخدا! میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہو جاؤں گا"۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا"اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جاؤ"۔ لیکن عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے کہا"اس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم

گزرتے اور اہلِ مدینہ سے کوئی ان پر ظلم کرنا چاہتا تو یہ ان کو بچایا کرتے ۔ ادھر جب انصارؓ نے دیکھا کہ سعدؓ کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں، تو وہ جوابی حملہ کے لیے تیار ہوئے مگر انہیں آتا دیکھ کر رک گئے۔ پھر سب مدینہ منوّرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر ضرار بن خطاب بن مرداس نے کہا ؎

تدارکت سعداً عنوۃ فاسرتہ   وکان شفائی لو تدارکت منذراً

"میں نے سعد کو بزورِ بازو پکڑ لیا اور گرفتار کر لیا مگر میرا سینہ تو تب ٹھنڈا ہوتا اگر میں منذر کو بھی پکڑ لیتا"

ولو نلتہ طلّت دماء جراحہ   وکان حقیقاً أن یہان ویہدرا

"اور اگر میں اس کو پکڑ لیتا تو اس کے زخموں کا خون باطل نہ ہوتا اور وہ مستحق بھی اس کا تھا کہ اس کی بے عزتی کی جائے اور خون بہایا جائے"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں، ان دو شعروں کا جواب حضرت حسّانؓ نے درج ذیل اشعار میں دیا ؎

(۱) لست الیٰ سعد ولا المرء منذر   اذا ما مطایا القوم أصبحن ضمرا

"تو سعدؓ اور منذرؓ تک نہیں پہنچ سکتا جب کہ تضمیر شدہ سواریاں ان کی سواری کے لیے موجود ہیں"

(۲) فلولا ابو وہب لمرّت قصائد   الیٰ شرف البرقاء یہوین حُسّرا

"اگر ابو وہب کا لحاظ نہ ہوتا تو میرے ہجویہ قصیدے کھلم کھلا شرف البرقا تک پہنچ جاتے"

(۳) أتفخر بالکتان لما لبستہ   وقد یلبس الأنباط ریطاً مقصراً

"کیا تو کتان کے عمدہ کپڑے پہن کر فخر کرتا ہے؟ حالانکہ کبھی کسان بھی دھلی ہوئی باریک چادریں پہن لیتے ہیں"

(۴) فلاتک کالوسنان یحلم أنہ   بقریۃ کسریٰ أو بقریۃ قیصرا

"اس اونگھنے والے کی طرح نہ بن جو خواب میں دیکھتا ہے کہ کبھی وہ کسریٰ اور کبھی قیصر کے شہر میں پہنچ گیا ہے"

(۵) ولاتک کالثکلی وکانت بمعزل   عن الثکل لو کان الفؤاد تفکرا

"اور اس مرے ہوئے بچے والی عورت کی طرح نہ ہو جو بچہ مرنے کے غم سے دور ہے، اگر اس کے دل میں سوچنے کا مادہ ہو"

(۶) ولاتک کالشاۃ التی کان حتفہا   بحفر ذراعیہا فلم ترض محفراً

"اور نہ اس کی بکری کی طرح ہو جس کی موت اس کے کھروں سے زمین کھودنے کے باعث ہوئی اور وہ اس کھدائی سے راضی نہ ہوئی"

گزرتے اور اہلِ مدینہ سے کوئی ان پر ظلم کرنا چاہتا تو یہ ان کو بچایا کرتے۔ ادھر جب انصارؓ نے دیکھا کہ سعدؓ کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں، تو وہ جوابی حملہ کے لیے تیار ہوئے مگر انہیں آتا دیکھ کر رک گئے۔ پھر سب مدینہ منوّرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر ضرار بن خطاب بن مرداس نے کہا ؎

تدارکت سعداً عنوۃ فاسرتہ　　　وکان شفائی لو تدارکت منذراً

"میں نے سعد کو زور بازو پکڑ لیا اور گرفتار کر لیا مگر میرا سینہ تو تب ٹھنڈا ہوتا اگر میں منذر کو بھی پکڑ لیتا۔"

ولو نلتہ طلّت دماء جراحہ　　　وکان حقیقاً ان یہان ویہدرا

"اور اگر میں اس کو پکڑ لیتا تو اس کے زخموں کا خون باطل ہوتا اور وہ مستحق بھی اس کا تھا کہ اس کی بے عزتی کی جائے اور خون بہایا جائے۔"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں، ان دو شعروں کا جواب حضرت حسّانؓ نے درج ذیل اشعار میں دیا ؎

(۱) لست الی سعد ولا المرء منذر　　　اذا ما مطایا القوم اصبحن ضمرا

"تو سعدؓ اور منذرؓ تک نہیں پہنچ سکتا جب کہ تضمیر شدہ سواریاں ان کی سواری کے لیے موجود ہیں۔"

(۲) فلولا ابو وھب لمرّت قصائد　　　الی شرف البرقاء یھوین حُسّرا

"اگر ابو وہب کا لحاظ نہ ہوتا تو میرے ہجویہ قصیدے کھلم کھلا شرف البرقاء تک پہنچ جاتے۔"

(۳) اتفخر بالکتان لما لبستہ　　　وقد یلبس الأنباط ریطاً مقصراً

"کیا تو کتان کے عمدہ کپڑے پہن کر فخر کرتا ہے؟ حالانکہ کبھی کسان بھی دھلی ہوئی باریک چادریں پہن لیتے ہیں۔"

(۴) فلاتک کالوسنان یحلم انہ　　　بقریۃ کسریٰ او بقریۃ قیصرا

"اس اونگھنے والے کی طرح نہ بن، جو خواب میں دیکھتا ہے کہ کبھی وہ کسریٰ اور کبھی قیصر کے شہر میں پہنچ گیا ہے۔"

(۵) ولاتک کالثکلی وکانت بمعزل　　　عن الثکل لو کان الفؤاد تفکرا

"اور اس مرے ہوئے بچے والی عورت کی طرح نہ ہو، جو بچہ مرنے کے غم سے دور ہے، اگر اس کے دل میں سوچنے کا مادہ ہو۔"

(۶) ولاتک کالشاۃ التی کان حتفھا　　　بحفر ذراعیھا فلم ترض محفراً

"اور نہ اس کی بکری کی طرح ہو جس کی موت اس کے کھروں سے زمین کھودنے کے باعث ہوئی اور وہ اس کھدائی سے راضی نہ ہوئی۔"

(۷) ولا تک کالعادی و أقبل نحرہ ولم یخشہ سہم من النبل مضمرا

"اور نہ اس چیخنے والی کی طرح ہو جس کا سینہ سامنے ہے' اور ابھی اس میں باریک اور تیز تیر پیوست نہیں ہوا"

(۸) فانّا ومن یہدی القصائد نحونا کمستبضع تمراً الیٰ أہل خیبراً

"ہماری طرف ہجویہ قصیدے بھیجنے والا ایسا ہے' جیسے کوئی تاجر کھجوریں بیچنے کے لیے خیبر کا قصد کرے"

جب یہ لوگ مدینہ پہنچے' تو انہوں نے زور و شور سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی مگر ان کے کچھ بوڑھے اپنے قدیم مذہب' شرک اور بُت پرستی پر قائم تھے۔ ان میں عمرو بن جموح بھی تھا اس کے بیٹے معاذؓ عقبہ میں حاضر ہو کر رسُول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ عمرو بن جموح بنوسلمہ کا سردار تھا اور دوسرے سرداروں کی طرح اس نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک علیٰحدہ بُت بنا رکھا تھا' اور اس کا نام "مناۃ" رکھا تھا۔ یہ اس کا خدا تھا' اُس کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتا تھا۔ جب بنوسلمہ کے نوجوان' معاذؓ بن جبل' عمرو کے بیٹے معاذؓ بن عمرو اور دیگر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے' اور عقبہ میں شرفِ بیعت سے مشرف بھی ہو گئے تو انہوں نے اس بوڑھے سردار کو سبق دینے کی ٹھانی۔ رات کے سناٹے میں آتے اور عمرو کا یہ بُت اٹھا کر گاؤں سے باہر کسی گڑھے میں سر کے بل اُلٹا پھینک دیتے' جس میں یہ لوگ پاخانہ بیٹھا کرتے تھے۔ صبح کو عمرو اپنے بُت کو گم پاتا' تو کہتا "تم ہلاک ہو جاؤ آج رات ہمارے خدا پر کس نے زیادتی کی ہے' اور اسے کون چُرا لے گیا ہے؟" پھر اس کی تلاش میں نکلتا' کسی گڑھے سے غلاظت میں لت پت مل جاتا' تو اس کو دھو کر صاف کرتا' اس کو خوشبو لگاتا اور کہتا "خدا کی قسم! اگر معلوم ہو جائے کہ یہ حرکت کس نے کی ہے' تو مَیں اس کو رُسوا کن سزا دوں گا۔" رات کو جب عمرو سو جاتا تو یہ پھر اس طرح کرتے سویرے عمرو پھر اس کو کسی گڑھے سے نجاست میں لتھڑا ہوا لاتا' اس کو دھوتا' صاف کرتا اور خوشبو لگاتا۔ اگلی رات وہ نوجوان پھر اسی طرح کرتے۔ جب روز کا یہ معمول بن گیا تو ایک دن پھر وہ اسے نجاست سے اٹھا کر لایا' اُسے دھویا' صاف کیا اور خوشبو لگائی لیکن آج اس نے ایک تیز دھار تلوار اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہا "خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے' یہ تیرے پاس تلوار ہے' اگر تجھ سے ہو سکتا ہے' تو اپنی حفاظت کر اور اپنے دشمن کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دے۔" لیکن جب عمرو رات کو سو گیا تو وہ نوجوان آئے' اس کے گلے سے تلوار اتاری اور کُتّے کی لاش اس کے گلے میں باندھ دی۔ پھر بنوسلمہ کے ایک گڑھے میں' جہاں لوگ پاخانہ پھرا کرتے تھے' ڈال دیا۔ صبح کو بابا عمرو اُٹھا' تو اپنے خدا کو اپنی جگہ نہ پا کر تلاش میں نکلا' جب اس نے اس کو کُتّے کی لاش کے ساتھ بندھا ہوا منہ کے بل گندی جگہ میں گرا ہوا دیکھا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ ادھر

اس کی قوم کے مسلمانوں نے بھی سمجھایا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اس کا اسلام بہت اچھا ثابت ہوا۔ اسلام لانے کے بعد جب اس نے اپنے حقیقی خدا کو پہچانا اور ادھر اپنے بت کی بے بسی بھی نظروں کے سامنے پھر گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے 'جس نے اس کو اس اندھے پن اور گمراہی سے نکالا' درج ذیل اشعار کہے اور بت کی مذمت بیان کی ہے

(۱) واللہ لو کنت إلٰھا لم تکن ۔۔۔ أنت وکلب وسط بئر فی قرن

"خدا کی قسم! اگر تو خدا ہوتا تو کتے کے ساتھ ایک رسی میں بندھا ہوا کنوئیں کے درمیان نہ پڑا ہوتا۔"

(۲) أف لملقاک إلٰھا مستدن ۔۔۔ الآن فتشناک عن سوء الغبن

"خدا سمجھ کر تیری ملاقات اور تیری عبادت پر صد لعنت، اب تحقیق کرنے پر ہمیں تیرے بُرے نقائص معلوم ہوئے ہیں۔"

(۳) الحمد للہ العلی ذی المنن ۔۔۔ الواھب الرزاق دیان الدین

"سب تعریف بلند مرتبہ اور بے شمار احسان کرنے والے خدا کی ہے، جو عطا کرتا ہے، رزق دیتا ہے اور سب حساب نپٹاتا ہے۔"

(۴) ھو الذی أنقذنی من قبل أن ۔۔۔ أکون فی ظلمۃ قبر مرتھن

"وہی ہے جس نے مجھے تاریک قبر میں قید ہونے سے پہلے کفر و شرک سے بچا لیا ہے۔"

بأحمد المھدی النبی المؤتمن!

"امانت دار نبی احمدؐ کی راہنمائی سے جو خود بھی ہدایت یافتہ ہیں۔"

اہلِ اسلام کی مدینہ کی طرف ہجرت

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائی کی اجازت دے دی، اور انصارؓ نے اسلام پر، آپؐ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں کی امداد پر بیعت کر لی، اور مسلمانوں کو ان کے ہاں رہنے کا موقع مل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے مہاجروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں اور اپنے بھائیوں انصار سے جا ملیں، اور فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لیے بھائی بنا دیئے ہیں اور ایسا گھر مہیا کر دیا ہے جس میں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

چنانچہ مختلف جماعتوں کی صورت میں مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور خود آنحضرت ﷺ مکّہ سے نکلنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے رسول اللہ ﷺ کے قریشی صحابہؓ میں سے سب سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کا نام عبداللہ ہے، یہ بیعتِ عقبہ سے ایک سال پہلے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے جب یہ حبشہ سے واپس آئے، اور قریش نے انہیں انتہائی اذیت پہنچائی اور انہوں نے انصارؓ کے اسلام لانے کی خبر سُنی تو یہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ مگر ان کی بیوی امِ سلمہؓ کو ان کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔ پھر ابوسلمہؓ کے بعد عامرؓ بن ربیعہ، بنو عدی کے حلیف، اپنی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی خیثمہ کے ساتھ مدینہ پہنچے اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنو امیہ بن عبدِ شمس کے حلیف، نے ہجرت کی اور یہ اپنی بیوی اور اپنے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ عبیداللہ کی کنیت ابو احمد ہے یہ نابینا تھے اور مکہ کے بالائی اور نشیبی حصّوں میں بغیر کسی قائد کے بلا تکلف آ جا سکتے تھے یہ شاعر تھے اور ان کے نکاح میں فارعہ بنت ابوسفیان بن حرب تھی۔ ان کی والدہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں جحش کی اولاد کی ہجرت کے بعد ان کا گھر مقفل ہو گیا۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ، عباسؓ بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام کا، مکہ کے بالائی حصّہ میں گزر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے ان کے بے آباد گھر کے جس میں کوئی متنفس سکونت پذیر نہیں تھا، دروازے کھٹکھٹاتے دیکھ کر لمبی سانس لی اور کہا ؎

(۱) وکل دارٍ وإن طالت سلامتها — یوماً ستدرکها النکباء والحرب

"اور ہر گھر خواہ وہ کتنا عرصہ سلامت رہے، ایک دن اس پر چوپائی ہوائیں چلیں گی اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گی۔"

(۲) کل امرئ بلقاء الموت مرتهن — کأنه غرض للموت منصوب

"ہر آدمی موت کے ہاتھ میں گرفتار ہے، گویا کہ وہ ہدف ہے جو موت کے لیے نصب کیا گیا ہے۔"

بنو غنم بن دودان کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا تھا اور سارے کے سارے مرد اور عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جا آباد ہوئے تھے۔ اس خاندان کے افراد یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن جحش (۲) ان کے بھائی ابو احمد (۳) عکاشہ بن محصن (۴) شجاع (۵) عقبہ بن وہب (۶) اربد بن جمیرہ (۷) منقذ بن نباتہ (۸) سعید بن قیس (۹) محرز بن نضلہ (۱۰) یزید بن رقیش (۱۱) قیس بن جابر (۱۲) عمرو بن محصن

(۱۳) مالک بن عمرو (۱۴) صفوان بن عمرو وغیرہ — رضی اللہ عنہم ! — اور عورتیں یہ ہیں :

(۱) اُمّ المومنین زینبؓ بنت جحش (۲) امِّ حُبیبہ بنت جحش، یہ عبدالرحمانؓ بن عوف کے نکاح میں تھیں اور استحاضہ میں مبتلا تھیں (۳) حمنہؓ بنت جحش، یہ مصعبؓ بن عمیر کی زوجہ ہیں، یہ بھی استحاضہ کی مریضہ تھیں (۴) جذامہؓ بنت جندل (۵) امِ قیسؓ بنت محصن (۶) امِ حبیبؓ بنت ثمامہ (۷) آمنہؓ بنت ثمامہ — ان کے بارہ میں ابواحمد بن جحش نے ذیل کے اشعار کہے ہیں ؎

(۱) ولو حلفت بین الصفا اُمّ احمد — و مروتها بالله برت یمینها

"اگر امِّ احمدؓ صفا اور مروہ کے درمیان اللہ کی قسم کھائے تو اس کی قسم پوری ہو گی"

(۲) لنحن الاُلی کنا بها ثم لم نزل — بمکة حتی عاد غثا سمینها

"ہم ہی وہاں کے آباد کار تھے اور ہمیشہ مکہ میں رہے، یہاں تک کہ وہاں کی موٹی تازی چیز لاغر اور کمزور ہو گئی"

(۳) بها خیمت غنم بن دودان وابتنت — وما ان غدت غنم وخف قطینها

"اس میں ہی غنم بن دودان نے خیمے لگائے اور مکان تعمیر کیے۔ پھر غنم بن دودان، اللہ کی طرف چل پڑے اور ان کے آباد کاروں پر سفر آسان ہو گیا"

(۴) الی الله تغدو بین مثنیٰ و واحد — و دین رسولؐ الله بالحق دینها

"وہ ایک ایک اور دو دو کر کے اللہ کی طرف چل پڑے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا دین ان کا دین ہے"

انصارؓ کے گھروں میں مہاجرینؓ کی آباد کاری

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ان کے گھر والے اور ان کی قوم کے لوگ بھی اُن سے آملے۔ نیز ان کے بھائی زید بن خطاب، عمرو اور عبداللہ — سراقہ بن معتمر کے بیٹے، خنیس بن حذافہ سہمی، عمرؓ کے داماد (ان کی بیٹی حفصہؓ کے خاوند۔ پھر یہی حفصہؓ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اور امّ المومنین کہلائیں) سعید بن زید، واقد بن عبداللہ تمیمی ان کے حلیف، بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر، عاقل اور خالد، خولی بن خولی اور مالک بن ابی خولی، یہ سب لوگ قباء میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں فروکش ہوتے۔ اس کے بعد مہاجرین کی آمد پے در پے شروع ہوئی طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان اور صہیب بن سنان، خبیب بن اساف کے ہاں، جو قبیلہ "بنوالحارث بن خزرج" سے تعلق رکھتے تھے، مقام سنح میں اُترے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ طلحہ، اسعد بن زرارہ نجاری کے گھر آباد ہوئے۔ رضی اللہ عنہما !

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا "تم ایک فقیر حقیر کی حالت میں ہمارے پاس آئے تھے پھر ہمارے پاس رہ کر تم نے بہت مال کمایا اب تم اپنا مال اور اپنی جان لے کر یہاں سے جانا چاہتے ہو بخدا! ایسا کبھی نہیں ہوگا" صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا "اگر میں اپنا سارا مال تمہیں دے دوں تم پھر مجھے جانے دو گے؟" کہنے لگے "پھر جانے دیں گے" صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا "گواہ رہو میں نے اپنا سارا مال تمہیں دے دیا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "صہیب رضی اللہ عنہ نے نفع کمایا، صہیب رضی اللہ عنہ نے نفع کمایا"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، زید بن حارثہ، ابو مرثد کناز بن حصین غنوی، ان کے بیٹے مرثد غنوی (حلیف حمزہ بن عبدالمطلب)، انسہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ! اور ابوکبشہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ! کلثوم بن ہدم (جو بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے) کے گھر قبا میں اُترے بعض کہتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ کے گھر اُترے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہ اسعد بن زرارہ نجاری کے ہاں فروکش ہوئے۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، ان کے دونوں بھائی طفیل اور حصین (حارث کے بیٹے) مسطح بن اثاثہ، سویبط بن سعد عبدری، طلیب بن عمیر اور خباب، مولیٰ عتبہ بن غزوان، بنی عجلان کے گھر قبا میں اترے۔ عبدالرحمان بن عوف اور کچھ دوسرے مہاجرین سعد بن ربیع خزرجی کے گھر ٹھہرے زبیر بن عوام اور ابوسبرہ بن ابی رہم منذر بن محمد بن عقبہ کے ہاں ٹھہرے مصعب بن عمیر سعد بن معاذ اشہلی کے گھر فروکش ہوئے۔ ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کے آزاد کردہ غلام سالم (یہ سالم دراصل ثبیتہ بنت یعار کے غلام تھے اُس نے ان کو آزاد کر دیا تو انہوں نے ابوحذیفہ بن عتبہ کے پاس رہنا شروع کر دیا۔ نیز ابوحذیفہ نے ان کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا تو یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ ثبیتہ بنت یعار ابوحذیفہ کی بیوی تھی اس نے سالم کو آزاد کر دیا تو لوگ ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہتے لگے) اور عتبہ بن غزوان، عباد بن بشر اشہلی کے گھر اُترے اور حضرت عثمان بن عفان، اوس بن ثابت (حسان بن ثابت کے بھائی) کے گھر بنو نجار میں ٹھہرے۔ یہی وجہ ہے کہ حسان کو حضرت عثمان سے بڑی محبت تھی، ان کے قتل پر روئے اور ان کے فراق میں دلدوز مرثیے کہے (رضی اللہ عنہما!)

فصل (آنحضرت ﷺ کے متعلق قریش کا آخری فیصلہ)

جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے حمایتی اور دوست دوسرے قبیلوں سے اور دوسرے شہر میں پیدا ہو گئے ہیں اور آپ ﷺ کے صحابی نہ صرف خود ہجرت کر کے وہاں جا رہے ہیں بلکہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو بھی اوس اور خزرج کی طرف منتقل کر رہے ہیں تو انہوں نے معلوم کیا کہ مسلمانوں کو محفوظ جگہ مل گئی ہے

اور ان کو پناہ دینے والے اوس اور خزرج جنگ آزمودہ، مسلح اور صاحب ہمت ہیں۔ اب انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اُن سے جا ملیں گے، اور اُن کا مقصد جنگ کے بغیر اور کچھ نہیں اس لیے وہ آپ ﷺ کے بارہ میں آخری فیصلہ کرنے کے لیے کمیٹی گھر میں جمع ہوئے اور تاکید کر دی کہ کوئی عقلمند اور سمجھدار آدمی جو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتا ہے پیچھے نہ رہے۔

ابن اسحاق، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں جب وہ وقتِ مقررہ پر آنحضرت ﷺ کے بارہ میں فیصلہ کرنے کے لیے دار الندوہ میں جمع ہوئے، تو شیطان بھی ایک بارُعب اور تجربہ کار بزرگ کی شکل میں قیمتی لباس زیبِ تن کیے، دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ جب انہوں نے اس کو اس طرح دروازہ میں کھڑا دیکھا تو پوچھا "کون بزرگ ہیں؟" اس نے کہا "میں نجد کا رہنے والا ہوں میں نے سُنا ہے کہ آپ لوگوں نے آج کوئی اہم فیصلہ کرنے کے لیے اجلاس طلب کیا ہے، میں اس اجلاس کی کارروائی سُننا چاہتا ہوں ممکن ہے میں آپ کو کوئی صحیح مشورہ دے سکوں" سب بولے "ٹھیک ہے تشریف لے آیئے" چنانچہ وہ اندر آیا اور ان کے ساتھ میٹنگ میں شریک ہو گیا۔

اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو قریش کے سربرآوردہ سردار ایک دوسرے سے کہنے لگے "محمد ﷺ نے جو کچھ کیا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ خدا کی قسم! اس کا ارادہ اغیار کے تعاون سے ہم پر حملہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں اب پانی سر سے گزر گیا ہے، اس کے متعلق حتمی اور آخری فیصلہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس لیے اپنی اپنی تجویز پیش کرو کہ آخر اس کا حل کیا ہے"؟ ایک آواز آئی کہ "اس کو ہتھکڑی پہنا کر اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کال کوٹھڑی میں قید کر دو۔ جس طرح دوسرے زہیر اور نابغہ جیسے شاعر مر گئے ہیں، اس کی موت کا انتظار کرو" شیخ نجدی نے کہا: "واللہ! یہ کوئی معقول تجویز نہیں۔ اس کے ساتھیوں کو پتہ چلے گا تو عین ممکن ہے، وہ تم پر حملہ کر کے اس کو چھین لے جائیں پھر کسی مناسب وقت پر جوابی حملہ کر کے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ میری رائے میں تمہاری یہ تجویز معقول تجویز نہیں، کوئی اور تجویز پیش کرو"۔ دوسرا سردار بولا "اس کو جلاوطن کر دو جب ہم اس کو ملک بدر کر دیں گے، تو ہماری بلا سے۔ جہاں چاہے جائے ہم روز روز کی مصیبت سے نجات پا لیں گے اور باہمی اختلاف دُور کر کے پہلی سی پُر امن زندگی بسر کرنے لگیں گے"۔ شیخ نجدی بولا "خدا کی قسم! پہلی تجویز کی طرح یہ تجویز بھی کوئی معقول تجویز نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور شیریں کلامی تم جانتے ہی ہو، وہ باتوں باتوں میں دوسروں کے دل موہ لیتا ہے جہاں جائے گا میٹھی میٹھی باتوں سے وہاں کے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لے گا۔ پھر اُن کو ساتھ لے کر تم سے اقتدار چھین لے گا اور پھر تمہارے ساتھ وہ سلوک کرے گا جو اس کا دل چاہے گا کوئی اور تدبیر سوچو"۔ اس پر ابوجہل بولا "میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے جو ابھی

تک تمہارے دماغوں میں نہیں آئی" سب نے چونکتے ہو کر پوچھا" ابوالحکم! وہ کیا ہے؟" اس نے کہا" میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک ایک بدن کا مضبوط، ارادہ کا پکا اور تلوار کا دھنی نوجوان لیں۔ پھر ہر ایک کو قاطع تلوار دے کر حکم دیں کہ وہ یکبارگی حملہ کر کے اس کو قتل کر دیں۔ اس طرح اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور بنو عبد مناف اپنی ساری قوم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ وہ دیت کا مطالبہ کریں گے، جسے ہم آسانی سے ادا کر دیں گے۔" یہ سن کر شیخ نجدی چلا اٹھا" بس! بس!! یہی معقول تجویز ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری مصیبت کا اور کوئی حل نہیں۔" چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق پاس ہو گئی۔ جلسہ برخاست ہوا اور سب نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ اس وقت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا" آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں" اور کفار کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔ عشاء کے وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق تمام قبائل کے نوجوان مسلح ہو کر آپ ﷺ کے دروازہ پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا" آج رات تم میرے بستر پر لیٹو! اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور بے فکر رہو تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔" آنحضرت ﷺ سوتے وقت یہی چادر اوڑھ کر سوتے تھے۔

ابن اسحاقؒ محمد بن کعب قرظیؒ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ قریش کے سب نوجوان آپ کے دروازہ پر جمع ہوئے، ان میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ کہنے لگا: "محمد (ﷺ) کہتا ہے کہ اگر تم اس کا دین قبول کر لو گے، تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے پھر مرنے کے بعد اٹھو گے، تو تمہیں اردن کے باغوں جیسے باغات ملیں گے۔ اور اگر یہ نہ کرو گے، تو ذبح ہو جاؤ گے پھر مرنے کے بعد اٹھو گے، تو آگ میں گرو گے جہاں ہمیشہ جلتے رہو گے۔" اس نے ابھی اتنی بات کہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور مٹی کی مٹھی لے کر کہا" ہاں! میں یہ کہتا ہوں، اور تو ان میں سے ایک ہے۔" پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں، اور آپ ﷺ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے اور سورۂ یٰسین کی آیتیں پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ وہ آیات یہ ہیں:

" يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ .. وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ " (یٰسٓ: ۱تا۹)

" قسم ہے قرآنِ حکیم کی، یقیناً آپ ﷺ کا شمار اللہ کے رسولوں میں ہے اور ہم نے ان کے آگے دیوار کھڑی کر دی، اور ان کے پیچھے دیوار کھڑی کر دی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اس لیے وہ نہیں دیکھتے تھے۔"

جب آپ ﷺ ان آیات کی تلاوت سے فارغ ہوئے، تو سب حاضرین کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے جہاں جانا تھا چلے گئے، اور آپ ﷺ کو جاتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ سکا۔

پھر کسی نے ان سے آکر پوچھا، تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟ بولے "محمد (ﷺ) کا" اس نے کہا، "اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام کرے۔ بخدا! محمد (ﷺ) تو تمہارے پاس سے نکل گیا ہے، اور تم میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر مٹی ڈال گیا ہے، اور جہاں جانا تھا چلا گیا ہے۔ تم اپنے سر پر مٹی نہیں دیکھتے ہو؟" پھر ہر آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو سچ مچ اس کے سر میں مٹی تھی۔ پھر اندر دیکھا تو علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بستر پر آپؐ کی چادر میں لپٹے ہوئے پایا۔ کہنے لگے "خدا کی قسم! محمد (ﷺ) تو یہ اپنی چادر اوڑھے اپنے بستر پر لیٹا ہے" پھر وہ بدستور صبح تک آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے، جب صبح کے وقت علیؓ بستر سے اٹھے تو کہنے لگے "خدا کی قسم! اس کہنے والے نے سچ کہا تھا۔"

ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے دروازہ پر جمع ہونے والے یہ لوگ تھے: ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی، ابولہب، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، ربیعہ بن اسود، نضر بن حارث اور نبیہ اور منبہ، حجاج کے بیٹے! اور ابن ابی حاتم کی، ابن عباسؓ کی روایت میں ہے، جس کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے، کہ اس رات جس کو کنکر لگا تھا، وہ بحالت کفر جنگ بدر میں قتل ہوا۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس رات اس مقصد کے لیے جو لوگ جمع ہوئے تھے، ان کے متعلق یہ آیت اتری: "وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ[1] الآیۃ" اور اس وقت کو یاد کریں، جب کفار، آپ ﷺ کے متعلق تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں، یا آپؐ کو قتل کر دیں، یا آپؐ کو ملک سے نکال دیں، اور یہ آیت بھی اتری: "اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ[2]" "بلکہ کہتے ہیں، یہ شاعر ہے، ہم اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔"

ہجرت اور غارِ ثور میں قیام

کفار کی اس سازش کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق اجازت اس آیت میں نازل ہوئی: "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا[3]"

---

[1] الانفال: ۳۰ [2] الطور: ۳۰ [3] الاسراء: ۸۰

چنانچہ امام ترمذیؒ نے ابنِ عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں اس طرح کفار کے نرغے میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دی اور آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا" (الاسراء: ۸۰)

"اور آپؐ یوں کہیے، اے میرے رب! مجھے داخل کرنے کی سچی جگہ میں داخل کر، اور مجھے نکالنے کی سچی جگہ سے نکال، اور مجھے اپنی طرف سے کامیاب حکومت عطا فرما۔" حسنؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ "مدخل صدق" سے مدینہ اور "مخرج صدق" سے مکہ معظمہ مراد ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ آپؐ دینِ اسلام کو سوائے مضبوط حکومت کے آگے نہیں بڑھا سکتے، اس لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پھیلانے، حدود اللہ کو جاری کرنے، اس کے فرائض کو بجالانے اور دینِ اسلام کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مستحکم حکومت کا سوال کیا کیونکہ حکومتِ الٰہیہ بندوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اگر حکومت نہ ہو تو لوگ قتل و غارت کا بازار گرم کریں اور طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں۔

مکہ سے نکلنے اور مدینہ میں پہنچنے کی تاریخ

امام حاکمؒ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بیعتِ عقبہ سے قریباً تین یا پورے تین مہینے بعد نکلے۔ اور اموی اپنے مغازی میں ابنِ اسحاقؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ مکہ سے بیعتِ عقبہ کے دو مہینے اور کچھ راتیں بعد نکلے نیز لکھا ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو نکلے اور ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ متواتر احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن نکلے اور پیر کے دن ہی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے لیکن محمدؒ بن موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے جمعرات کو نکلے اور غارِ ثور سے پیر کی رات سفر پر روانہ ہوئے تین رات جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی رات، وہاں رہے اور پیر کی آدھی رات وہاں سے چلے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو سب حالات کی اطلاع دے دی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ابھی مکہ میں رہیں، اور لوگوں کی جو امانتیں آپؐ کے پاس تھیں، وہ ان کے مالکوں تک پہنچا دیں اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، وہاں کھجور بکثرت پیدا ہوتی ہے اور اس شہر کی دونوں جانب دو سنگلاخ میدان ہیں، جہاں سیاہ رنگ کے جلے ہوئے پتھر بکھرے پڑے ہیں۔ صحابہؓ کو یقین

ہو گیا کہ یہ جگہ مدینہ منورہ ہے اس کے بعد جن لوگوں نے ہجرت کی انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جو لوگ پہلے ہجرت کر کے حبشہ جا چکے تھے، وہ بھی مدینہ منورہ میں منتقل ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاری کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا اور فرمایا "ذرا صبر کیجئے، امید ہے مجھے بھی اجازت مل جائے گی"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا "میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ــ کیا آپؐ کو اس کی امید ہے"؟ آپؐ نے فرمایا، "ہاں"! چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کرنے کے لیے رک گئے اور اپنی دو اونٹنیوں کو سفر کی تیاری کے لیے چار مہینہ تک درختوں کے پتّے کھلاتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت ہم سب اہلِ خانہ گھر میں موجود تھے کہ کسی نے آکر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو چادر سے ڈھانپے ہوئے آ رہے ہیں حالانکہ پہلے دوپہر کے وقت کبھی تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ ابوبکرؓ بولے: "میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو، خدا کی قسم! آپؐ اس وقت کسی اہم کام کے لیے آ رہے ہیں"! اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کے لیے دروازے پر دستک دی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی آپؐ نے اندر داخل ہوتے ہی ابوبکرؓ سے کہا، گھر میں جو لوگ موجود ہیں، ان کو تھوڑی دیر کے لیے باہر بھیج دیجئے! وہ بولے: "میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو، یہ آپؐ کی بیوی عائشہؓ ہی گھر میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے"۔ ابوبکرؓ نے پوچھا، کیا آپؐ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"! ابوبکرؓ نے کہا "پھر میری دونوں اونٹنیوں میں سے ایک آپؐ لے لیں"؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں میں ایک اونٹنی قیمتاً لیتا ہوں"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: پھر ہم نے دونوں کے لیے بہت اچھا سامان تیار کیا، سفر میں کھانے کے لیے کھانا پکا کر ایک تھیلی میں بند کیا اور اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا دوپٹہ چیر کر اس کا ایک حصہ پانی کے مشکیزے پر لپیٹا، اور دوسرا کھانا باندھنے میں استعمال کیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام "ذات النطاقین" پڑ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات تک ابوبکرؓ کے گھر رہے، پھر رات کی تاریکی میں غارِ ثور میں چلے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دونوں رات کی تاریکی میں ابوبکرؓ کے گھر کی پچھلی طرف کی کھڑکی سے نکلے اور غارِ ثور میں جا چھپے، وہاں تین رات ٹھہرے، رات کے وقت عبداللہ بن ابی بکرؓ، جو بڑے ہونہار اور سمجھدار نوجوان تھے، آخر رات وہاں سے نکل کر منہ اندھیرے مکہ پہنچ جاتے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے انہوں نے شہر میں ہی رات گزاری ہے۔ اہلِ مکہ ان دونوں کے خلاف جو تدبیریں کرتے، وہ پوری کارروائی رات کی تاریکی میں ان کو آکر بتا دیتے ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ عشاء کے بعد بکریاں چرا کر لاتا، ان کو ان کا دودھ پلاتا، رات ان کے پاس رہ کر صبح سویرے بکریاں چرانے کے لیے لے جاتا۔ تین رات یہ ایسا ہی کرتا رہا۔ ان کا راہنما عبداللہ بن ارلقیط لیثی

تھا جو اپنے اہلِ ملک کے دین پر تھا۔ یہ کٹھن اور ناواقف راستوں کو خوب جانتا تھا۔ ان دونوں نے اس پر اعتماد کیا - اُجرت طے کر کے دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کیں اور تین رات کے بعد غارِ ثور میں آنے کا وعدہ کیا۔ امام حاکمؒ اپنی مستدرک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور کی طرف چلے تو راستہ میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی آپ کی دائیں طرف کبھی بائیں طرف، کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "ابوبکرؓ! کیا بات ہے، پہلے تو آپ نے اس طرح کبھی نہیں کیا"۔ انہوں نے جواب دیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس خیال سے کہ آگے دشمن نہ ہو، میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور یہ سمجھ کر کہ پیچھے سے دشمن نہ آجائے، میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور ایسے ہی کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ آپ پر خطرے کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! اگر کوئی خطرہ ہوا تو آپ چاہتے ہیں کہ میری بجائے آپ اس سے دوچار ہوں؟" بولے "ہاں! اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا"۔

اس روز شدتِ خوف سے آپ اپنے پاؤں کے اگلے حصہ پر چلتے تھے تاکہ پورے پاؤں کا نشان دیکھ کر دشمن پیچھا نہ کریں حتیٰ کہ آپ کے پاؤں چھل گئے اور چلنے سے عاجز آگئے۔ یہ دیکھ کر ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا لیا اور اسی طرح بھاگتے بھاگتے غارِ ثور پر جا پہنچے۔ پھر عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ باہر ٹھیریئے، مجھے اندر جانے دیجئے۔ اگر اس میں کوئی سانپ وغیرہ موذی چیز ہوئی تو آپ کو تکلیف نہ پہنچائے"۔ آپ نے فرمایا "اچھا اندر جایئے"۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر جا کر غارِ ثور کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولتے اگر کوئی بل دیکھتے تو اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے۔ اس طرح کرتے کرتے ان کا سارا کپڑا ختم ہو گیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں انہوں نے ایڑی رکھ دی تاکہ اس سے کوئی چیز نکل کر آپ کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس غار میں سانپ اور بچھو وغیرہ بکثرت تھے۔ ان انتظامات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے۔ صبح کے وقت آپ نے پوچھا "ابوبکرؓ! وہ کپڑا کہاں ہے؟" تو آپؓ نے یہ ساری تفصیل بتائی۔ یہ سن کر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی، "الٰہی! ابوبکرؓ کو میرے درجہ میں میرے ساتھ جنت میں داخل کرنا"۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتایا کہ "اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمالی ہے"۔

کفار کا آپ ﷺ کے تعاقب میں غار تک پہنچنا

کفارِ مکہ نے آپ دونوں کی تلاش میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کھوجیوں کو ساتھ لے کر کھُرا دیکھتے دیکھتے غار کے منہ تک جا پہنچے۔ مسند بزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا اس نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور دو جنگلی کبوتروں کو بھیج دیا وہ غار کے دروازے پر جا بیٹھے۔ یہ دیکھ کر کفار غار کے اندر جانے سے رُک گئے جب وہاں پہنچے تو کبوتروں کو اُڑتے اور غار کے منہ پر جالا تنا ہوا دیکھ کر کہنے لگے اگر کوئی اس میں داخل ہوتا تو یہ انڈے گر جاتے اور جالا ٹوٹ جاتا چنانچہ یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخفی تدبیر سے ان کو نامراد واپس کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ابوبکرؓ کہتے تھے میں نے اپنے سر کے اوپر کفار کے قدموں کو دیکھ کر کہا "یا رسول اللہ ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے پیروں کی طرف نظر کی تو ہمیں دیکھ لے گا" آپ ﷺ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! آپ کا ان دو آدمیوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے غم نہ کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ابوبکرؓ نے کھوجیوں کو دیکھا تو اُن کو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے سخت غم ہوا اور آپ ﷺ سے کہا "اگر میں قتل ہوا تو میری موت ایک آدمی کی موت ہے اور اگر خدانخواستہ آپ قتل ہو گئے تو ایک پوری قوم ہلاک ہو جائے گی"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "گھبرایئے نہیں! بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" یعنی اس کی مدد اور نصرت ہمارے ساتھ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ پر اپنی سکینت اتاری اور یہ وہ امن ہے جس سے دل سکون اور اطمینان محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہی زیادہ پریشان تھے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے لشکروں سے تائید فرمائی جن کو تم نہیں دیکھتے تھے" اور وہ فرشتے تھے جو نماز میں آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ ﷺ کو دیکھنے کی بجائے دشمن کی نظریں اور ان کے چہرے دوسری طرف پھیر دیتے تھے۔ اس میں فوجوں کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے سے زیادہ واضح معجزہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی تدبیریں مخفی ہیں وہ چاہے تو ساری دنیا کو مکڑی کی ایک تار کے ساتھ جکڑ سکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو دوسرے اسباب اختیار کرے۔ آپ ﷺ غار میں تین دن ٹھہرے حتیٰ کہ تلاش کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔

غارِ ثور سے روانگی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن اریقط پروگرام کے مطابق تیسری رات کے آخری حصّہ میں صبح کے وقت اونٹنیاں لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہو گئے اور عامر بن فہیرہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ راہنما نے سمندر کا ساحلی راستہ اختیار کیا اور آگے آگے چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی آنکھ دونوں ساتھیوں کی حفاظت کر رہی تھی، اس کی تائید ان کا ساتھ دے رہی تھی، اور سعادت دونوں کو منزل پر اتارتی اور رخصت کرتی تھی۔ جب مشرک مایوس ہو گئے، تو انہوں نے پکڑ کر لانے والے کے لیے بطورِ انعام سو سو اونٹ دینے کا اعلان کر دیا اس لالچ میں لوگوں نے تلاش کی انتہائی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں سب پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

بخاری و مسلم میں براءؓ بن عازب کے واسطے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم مکّہ سے روانہ ہوئے تو ساری رات اور دن چلتے رہے جب دوپہر کا وقت ہوا تو میں نے سایہ کے لیے چاروں طرف نظر دوڑائی تاکہ تھوڑی دیر سستا لیں۔ دُور ایک پہاڑ نظر آیا، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اس کا کچھ سایہ ہے۔ میں نے جگہ صاف کر کے اس پر پوستین بچھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ "یا رسولؐ اللہ! تشریف لایئے اور اس پر لیٹ جایئے۔" آپؐ لیٹ گئے تو میں ہٹ کر دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی تلاش کرنے والا تو نہیں آ رہا، میں نے ایک گڈریئے کو دیکھا کہ وہ بکریاں ہانک کر لا رہا ہے اور ہماری طرح پہاڑ کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا "اے نوجوان! تم کس کے غلام ہو؟" اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ میں نے پوچھا "تمہاری بکریاں دُودھ دیتی ہیں؟" بولا "ہاں"۔ میں نے کہا "تم ہمیں کچھ دودھ دوہ دو گے؟" کہنے لگا "ہاں دوہ دوں گا۔" میرے کہنے پر اس نے ایک بکری پکڑی تو میں نے کہا "پہلے اس کے تھن غبار وغیرہ سے جھاڑ لو۔" پھر میں نے کہا: "اب اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لو۔" اس نے اس طرح اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا۔ پھر اس نے تھوڑا سا دودھ دوہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی ٹھنڈا کرنے کی خاطر مشکیزے پر ایک گیلا کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے اس سے دُودھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا اُس سے برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ میں آپؐ کے پاس لایا تو دیکھا کہ آپؐ نیند سے بیدار ہو چکے ہیں۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈا پانی نوش فرمایئے!" آپؐ نے سیر ہو کر پانی پیا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی پھر میں نے کہا "چلنے کا وقت ہو گیا ہے" چنانچہ ہم اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔ لوگ ہماری تلاش میں سرگرداں تھے،

لیکن سراقہ بن مالک مدلجی کے سوا ہم تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑائے آ رہا تھا۔ میں نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! یہ تلاش کرنے والا پہنچ گیا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "غم نہ کیجیے' اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" آپ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی اور اس کا گھوڑا سخت زمین میں اپنے پیٹ تک دھنس گیا۔ وہ بولا "میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے' میرے حق میں دعا کرو اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن دے کر عہد کرتا ہوں کہ تلاش کرنے والوں کو واپس لے جاؤں گا۔" چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی' اس نے نجات پائی اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ جس کسی کو دیکھتا کہتا "میں ادھر دیکھ بھال آیا ہوں' ادھر کوئی نہیں ہے" پھر اس کو واپس کر دیتا۔

اس واقعہ کی مزید تفصیل

ابن شہاب زہری کی حدیث میں ہے کہ مجھے عبدالرحمان بن مالک بن جعشم نے اپنے باپ سے خبر دی کہ اس نے سراقہ بن مالک سے سنا وہ کہتا تھا کہ ہمارے پاس قریش کے قاصد آئے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رض کو قتل کر دے گا' یا انہیں زندہ پکڑ کر لے آئے گا' اسے ہر ایک کی دیت بطور انعام دی جائے گی۔ میں ایک وقت اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آکر کہنے لگا "سراقہ! میں نے ساحل سمندر پر کچھ آدمی جاتے دیکھے ہیں' میرے خیال میں وہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی ہیں"۔ سراقہ کہتا ہے' میں نے معلوم کیا کہ وہی ہیں لیکن میں نے کہا: "وہ نہیں ہیں تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے' جو ابھی ہمارے پاس سے گئے ہیں"۔ پھر میں تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھا رہا۔ بعد ازاں گھر آیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ میری گھوڑی باہر ٹیلے کے پیچھے لے جائے اور وہاں اس کو روکے۔ میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کی چھت پر چڑھا۔ میں نے نیزے کا بھالا نیچے کر کے زمین میں گاڑا اور اس کے سہارے نیچے اترا پھر گھوڑی پر سوار ہو کر اس کو دوڑایا۔ وہ سرپٹ دوڑ رہی تھی اور ان کے قریب پہنچ گئی تھی کہ اس نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا۔ میں نے اٹھ کر اپنے ترکش سے قسمت آزمائی کے تیر نکالے اور ان سے قسمت معلوم کی کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں؟ پس وہ تیر نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ میں گھوڑی پر سوار ہوا اور تیروں کی پرواہ نہ کی۔ گھوڑی تیز دوڑ رہی تھی اور اتنی نزدیک پہنچ گئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت سن سکتا تھا۔ آپ ﷺ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکثرت ادھر ادھر دیکھتے تھے کہ ناگہاں میری گھوڑی کی دونوں اگلی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں۔ پھر میں گر پڑا۔ میں نے اس کو ڈانٹا تو وہ اٹھی اور بڑی مشکل سے اپنے پیر زمین سے نکالے اور اس جگہ سے اتنا غبار نکلا' جیسے دھواں اڑ کر آسمان پر جا رہا ہے۔

میں نے قسمت آزمائی کے تیر نکال کر دیکھے تو وہ تیر نکلا جس کو میں مکروہ سمجھتا تھا۔ میں نے امن کا وعدہ دیتے ہوئے ان کو آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں گھوڑی پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا۔ جب میں نے دیکھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ میں نے آپ سے کہا "آپ کی قوم نے آپ کو قتل کرنے والے کے لیے دیت دینے کا اعلان کیا ہے اور لوگ اس کے لالچ میں ان تھک کوشش کر رہے ہیں"۔ میں نے ان پر زادِ راہ اور دوسرا سامان پیش کیا، مگر انہوں نے کوئی چیز قبول نہیں کی اور مجھ سے صرف یہی خواہش کی کہ میں آپ کے راستہ کی کسی کو خبر نہ دوں، اور تلاش کرنے والوں کو اِدھر نہ آنے دوں۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر لکھ دیں آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر مجھے یہ تحریر لکھ دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ (زہری کی حدیث ختم ہو گئی ہے) کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن تک یہ چِٹھی اس کے پاس تھی اور اس نے وہاں حضورؐ کے سامنے پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنا وعدہ پورا کیا اور وہ دن وفاداری اور نیک سلوک کا دن تھا۔ سراقہؓ شروع دن میں ان دونوں کو پھانسنے کے لیے کوشاں تھے اور دن کے آخری حصے میں ان کے پہرہ دار اور محافظ بن گئے۔

فصل

آپؐ کا اُمِّ معبدؓ کے خیمہ پر گزر

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی چلے اور اُمِّ معبد بنو خزاعہ کی ایک عورت پر گزرے جو بر لب سڑک دو خیموں میں رہتی تھی، وہ بڑی مضبوط اور فاضل عورت تھی۔ عموماً اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھی رہتی تھی، اور راستہ سے گزرنے والوں کو کھانا کھلاتی اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ "اس کے پاس کوئی چیز ہے، جسے یہ خریدیں اور اپنی ضرورت پوری کریں"۔ وہ بولی "خدا کی قسم! اگر کوئی چیز ہوتی تو بغیر مانگے مہمانی میں پیش کرتی۔ بکریاں بھی باہر چرنے گئی ہیں اور یہ سال انتہائی قحط سالی کا سال ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری بیٹھی دیکھی، آپ نے فرمایا "اے اُمِّ معبد! یہ بکری کیسی ہے؟" بولی "یہ انتہائی لاغر اور کمزور بکری ہے جو دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں جا سکی"۔ آپ نے پوچھا "یہ کچھ دودھ دیتی ہے؟" کہنے لگی "وہ اس سے کہیں زیادہ لاغر ہے کہ دودھ کا ایک قطرہ بھی دے"۔ آپ نے فرمایا "اگر تم اجازت دو تو اس سے دودھ دوہ لوں" بولی "ہاں میرا باپ آپ پر قربان، اگر اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو شوق سے دوہ لیجئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے بکری کو باہر منگوایا اور "بسم اللہ"

پڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا "الٰہی! اس کی بکری میں برکت عطا فرما" آپؐ کا اتنا کہنا تھا بکری نے اپنی ٹانگیں کھولیں، تھنوں میں دودھ بھر لائی اور جگالی کرنے لگی۔ آپؐ نے اتنی بڑی دیگچی منگوائی جو ایک جماعت کے لیے کافی تھی آپؐ نے اس میں اتنا دودھ دوہا کہ اس پر جھاگ تیرنے لگا۔ پہلے آپؐ نے ام معبد کو دودھ دیا اس نے پیٹ بھر کر پیا پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ انہوں نے پیٹ بھر کر پیا آخر میں آپؐ نے پیا پھر سب نے دوبارہ پیا۔ اس کے بعد آپؐ نے دوسری مرتبہ اتنا دودھ دوہا کہ وہ برتن لبالب بھر گیا جس کو آپؐ ام معبدؓ کے پاس چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا خاوند ابو معبد بڑی کمزور بکریاں ہانکتا ہوا آیا جو اپنی کمزوری کے باعث بڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھیں وہ گھر میں دودھ دیکھ کر حیران ہوا اور کہنے لگا یہ دودھ کہاں سے آیا، گھر میں تو دودھ دینے والی کوئی بکری نہیں تھی؟" ام معبد نے کہا "خدا کی قسم! راستہ سے ایک بابرکت آدمی گزرا ہے، اس نے ایسا کیا ہے"۔ ابو معبد کہنے لگا "بخدا! میرا خیال ہے کہ قریش کا آدمی ہے جس کو وہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اسے ام معبد! ذرا مجھے اس کا حلیہ بتاؤ"! ام معبد نے کہنا شروع کیا: "وہ ایک خوبصورت اور پاکیزہ اخلاق انسان تھا جس کو بڑی توند نے عیب نہیں لگایا تھا اور نہ گنجے سر نے اس کو حقیر بنایا تھا اس کی گردن چاندی کی صراحی جیسی تھی۔ خوبصورت اور قد آور تھا اس کی آنکھیں موٹی موٹی تھیں۔ اور پلکیں لمبی اور گھنی تھیں۔ آواز گرجدار تھی آنکھوں کا سفید حصہ بہت سفید اور سیاہ حصہ بہت سیاہ تھا۔ سرگیں آنکھیں، لمبے ابرو اور سر کے بال سیاہ اور دراز تھے۔ گردن چمکدار اور داڑھی بھاری تھی۔ چپ رہتا تو پُر وقار اور بات کرتا تو پُر رونق اور خوبصورت، جیسے منہ سے موتی جھڑ رہے ہوں۔ میٹھی بولی، علیحدہ علیحدہ الفاظ، نہ ضرورت سے کم اور نہ ضرورت سے زیادہ، بلند آواز، دور سے بڑی حسین، قریب سے بڑی میٹھی اور پیاری، درمیانہ قد نہ اتنا لمبا جو آنکھ کو برا لگے اور نہ اتنا پست جس کو آنکھ حقیر جانے۔ دو ٹہنیوں میں درمیانی ٹہنی جیسا جو دیکھنے میں تینوں سے زیادہ سرسبز، شاداب اور خوبصورت دکھائی دے۔ اس کو ایسے ساتھی گھیرے ہوئے تھے کہ جب بات کرتا تو کان لگا کر اس کی بات سنتے اور اگر حکم کرتا تو فوراً حکم بجا لاتے۔ ایسا مخدوم جس کی مجلس ہر وقت بھری رہتی ہے نہ ماتھے پر بل ڈالنے والا اور نہ حواس باختہ بوڑھا"۔ اس نے کہا: "خدا کی قسم! یہ تو قریش کا وہی آدمی ہے جس کو وہ تلاش کرتے پھرتے ہیں اور جس کے واقعات ہمارے ہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر میں اس سے ملتا تو ساتھ جانے کی درخواست کرتا اب بھی مجھے موقعہ ملا تو ضرور اس کی خدمت میں حاضری دوں گا"۔ (رضی اللہ عنہ)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ پوشیدہ ہوا تو قریش

کی ایک جماعت ہمارے گھر آئی جس میں ابوجہل بھی تھا۔ میں ان کے دستک دینے پر باہر نکلی تو اس نے پوچھا، "تیرا باپ کہاں ہے"؟ میں نے کہا "بخدا! میں نہیں جانتی کہ میرا باپ کہاں ہے"۔ ابوجہل بدزبان اور خبیث انسان تھا۔ اس نے مجھے اس زور کا طمانچہ مارا کہ میرے کان سے ڈنڈی نکل کر دور جا پڑی۔ پھر وہ واپس چلے گئے تین دن تک ہمیں کچھ خبر نہیں ملی کہ رسول اللہ ﷺ کہاں گئے ہیں؟ حتیٰ کہ مکہ کی نچلی طرف سے ایک آدمی آیا وہ یہ شعر پڑھتا تھا۔ لوگوں کو اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ لیکن وہ خود نظر نہیں آتا تھا: (ترجمہ)

(۱) "لوگوں کو پالنے والا اللہ دونوں ساتھیوں کو جزاء خیر دے جو اُمِ معبدؓ کے خیموں میں اُترے۔"

(۲) وہ دونوں جنگل میں اُترے، اور تھوڑی دیر کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے۔ محمد ﷺ کا رفیقِ سفر کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے۔"

(۳) "اے قصی کی اولاد! تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا عمدہ کردار اور کیسی عمدہ سرداری تم سے ہٹالی ہے، جس کا جواب نہیں۔"

(۴) "آج تک کسی اونٹنی نے اپنی پیٹھ پر محمد ﷺ سے زیادہ نیک، اور اپنے عہد کا محمد ﷺ سے زیادہ پکا آدمی نہیں اٹھایا۔"

(۵) "جو اس سے زیادہ نیا لباس، لوگوں کو پہنانے والا اور تیز رفتار کمیت گھوڑے اس سے زیادہ بخشنے والا ہو۔"

(۶) "بنو کعب کے لیے اپنی نوجوان اور شریف عورت کا مسلمانوں کے راستہ میں بیٹھنا مبارک ہو۔"

(۷) "اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتن کے متعلق پوچھو، اور اگر تم بکری سے پوچھو گے، تو وہ بھی شہادت دیگی"

(۸) "اس نے ایک بے دودھ کی بکری کو بلایا تو اس کے تھنوں سے خالص اور جھاگ پیدا کرنے والا دودھ بہنے لگا۔"

(۹) "وہ اس بکری کو اس کے پاس ایسی حالت میں چھوڑ گیا کہ وہ جاتے اور آتے وقت دودھ کا ایک برتن بھر دیتی تھی"

اسماءؓ کا بیان ہے کہ جب ہم نے یہ اشعار سنے تو معلوم کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں گئے ہیں؟ یہ واقعہ ابنِ اسحاقؒ طبرانی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے۔ جب حسانؓ نے یہ اشعار سُنے تو انہوں نے درج ذیل اشعار میں اس کا جواب دیا: (ترجمہ)

(۱) "وہ قوم خائب وخاسر ہے جس کا نبیؐ اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں، جن کے پاس وہ دن اور رات سفر کر کے پہنچا۔"

(۲) "وہ جس قوم کو چھوڑ گیا، اس کی عقل زائل ہو گئی اور جس کے پاس گیا اس کو نئی روشنی ملی۔"

(۳) "اس کے ذریعے گمراہی کے بعد رَبّ نے ان کو ہدایت دی اور سیدھی راہ دکھائی اور جو حق کی پیروی کرتا ہے اس کو راستہ مل جاتا ہے۔"

(۴) "اس کی سیدھا راہ پانے والی سواریاں اہلِ یثرب کے پاس آکر رکیں، جو بڑا سعادتمند اور بابرکت سوار لائیں۔"

(۵) "کیا کسی قوم کے گمراہ لوگ جنہوں نے اندھے پن سے حماقت کا ثبوت دیا اور دوسرے، ہادی کے ذریعے ہدایت پانے والے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟"

(۶) "وہ ہادی نبیؐ ہے، جو وہ چیز دیکھتا ہے جس کو اس پاس کے لوگ نہیں دیکھتے اور وہ مسجدوں اور عبادتگاہوں میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔"

(۷) "اور اگر وہ کوئی پوشیدہ بات کہتا ہے تو اس کی تصدیق دوپہر کو یا دوسرے دن ظاہر ہو جاتی ہے۔"

(۸) "ابوبکرؓ کو اس کی رفاقت کی سعادت مبارک ہو اور سعادتمند وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ سعادت عطا فرمائے۔"

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ بکری، جس کے تھنوں پر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا اور اس کا دودھ دوہا تھا، اُمِ معبدؓ کے پاس "رمادہ" کے زمانہ تک رہی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ہجرت کا اٹھارہواں سال ہے۔ اُمِ معبدؓ کہتی ہیں کہ جب خشک سالی کی وجہ سے زمین پر ایک سبز پتہ بھی نہیں ملتا تھا ہم برابر اس سے صبح و شام دودھ حاصل کرتے رہے۔ یہ روایت واقدی کے واسطہ سے ابن سعد نے نقل کی ہے۔ بعد میں اُمِ معبدؓ نے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی اور اپنے سینہ کو نورِ ایمان سے منور کیا۔

اسی سفر میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے واپس آتے ہوئے زبیرؓ بن عوام نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپؐ کو اور ابوبکرؓ کو پہننے کے لیے سفید کپڑے دیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منوّرہ میں آمد

ابن شہابؒ، عروہؒ سے بیان کرتے ہیں، مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے مکّہ سے مدینہ کی طرف نکلنے کی اطلاع مل چکی تھی، اس لیے ہر روز سویرے سویرے وہ آپؐ کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر نکلتے اور حرہ میدان میں بیٹھے آپؐ کا انتظار کرتے۔ دوپہر کی گرمی جب حد برداشت سے بڑھ جاتی تو شہر میں واپس آجاتے۔

اس طرح ایک دن انتظار کرتے کرتے مایوس ہو کر واپس آ گئے۔ ابھی گھر آ کر کچھ دیر آرام بھی نہیں کرنے پاتے تھے کہ ایک یہودی جو کسی کام کے لیے اپنے مکان کی چھت پر گیا تھا آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو سفید لباس میں ملبوس آتے دیکھ کر بلند آواز سے پکار اٹھا کہ "اے مسلمانو! تم جس خوش قسمت آدمی کی آمد کا انتظار کر رہے ہو وہ یہ آ رہا ہے" بس یہ سننا تھا کہ مسلمان جلدی جلدی ہتھیار پہن کر آپؐ کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور حرہ میدان میں آپؐ کا استقبال کیا۔ آپؐ ان کو لے کر دائیں جانب پھر گئے اور قبا بستی میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں فروکش ہوئے۔ یہ بروز پیر، بارہ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے تھے اور ابوبکرؓ آنے والوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے۔ انصار کے جن لوگوں نے ابوبکرؓ کو نہیں دیکھا تھا وہ ان کو رسول اللہ ﷺ سمجھ کر سلام کہتے تھے جب سایہ ہٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی چادر کا آپؐ پر سایہ کیا۔ اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔

رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خوشی میں مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر لگایا کہ بنو عمرو بن عوف کا گاؤں نعرہ تکبیر سے گونج اٹھا جہاں جہاں مسلمان تھے، یہ آواز سن کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحیۂ نبوت عرض کیا اور آپؐ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپؐ بڑے سکون سے تشریف فرما تھے۔ آپؐ پر وحی اتر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ، جبرائیلؑ، اہل اسلام اور فرشتوں کی مدد آپؐ کو حاصل تھی۔ آپؐ بنو عمرو بن عوف کی بستی قبا میں کلثوم بن ہدم کے گھر اترے اور بعض کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید کے مہمان ہوئے۔ آپؐ کی ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں ٹھہر گئے تھے اور لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ ﷺ کی تحویل میں تھیں، ان کے مالکوں کے حوالے کر کے وہ بھی مدینہ منورہ میں آ گئے اور چند دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبا میں قیام کیا۔ آپؐ وہاں چودہ دن ٹھہرے۔ مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آپؐ کی نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد ہے، جس کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی۔ پھر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے روانگی سے پہلے بنو نجار کو بلا بھیجا، وہ گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر ہوئے۔ انسؓ کہتے ہیں، قبا سے آپؐ کی روانگی کا منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے نبی کریم ﷺ آگے آگے چل رہے تھے، ابوبکرؓ پیچھے آ رہے تھے اور بنو نجار کے لوگ آپؐ کے ارد گرد تھے۔

راستہ میں جب بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو نمازِ جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپؐ نے نمازِ جمعہ وہاں اس جگہ پڑھی جہاں وادی کے وسط میں ایک مسجد بنی ہوئی ہے، جو اب تک مسجدِ جمعہ کے نام سے مشہور ہے۔ نمازِ جمعہ کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے، اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دی اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ اونٹنی دائیں بائیں دیکھتی ہوئی چلتی رہی جب انصار کے کسی محلہ سے گزرتی تو اہلِ محلہ اونٹنی کی مہار پکڑ لیتے اور آپؐ سے وہاں اُترنے کی درخواست کرتے کہ "یہاں پناہ کی جگہ ہے، ہتھیار اور سامانِ حرب موجود ہے اور آپؐ کی حفاظت کرنے کے لیے جانباز حاضر ہیں"۔ مگر آپؐ فرماتے "اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے، جائے گی"۔ چنانچہ اونٹنی چلتے چلتے اس جگہ پہنچی جہاں مسجدِ نبوی تعمیر ہے۔ وہاں پہنچ کر بیٹھ گئی، مگر آپؐ ابھی اُترے نہیں تھے کہ وہ کھڑی ہو گئی پھر تھوڑی دور اِدھر اُدھر چل کر پہلی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور آپؐ نیچے اُتر آئے۔ یہ آپؐ کے ماموں خاندان بنو نجار کا محلہ تھا، اور اونٹنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہاں پہنچی تھی۔ آپؐ اپنے ماموں خاندان میں اُتر کر ان کی عزت کرنا چاہتے تھے، ورنہ دوسرے قبائل بھی اپنے ہاں آپؐ سے اُترنے کی پیش کش کرتے تھے۔ آپؐ کے اونٹنی سے اُترنے کے بعد ابوایوبؓ جلدی سے آپؐ کا پالان اپنے گھر لے گئے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: "المرء مع رحله" یعنی "آدمی وہاں اُترتا ہے، جہاں اس کا پالان ہوتا ہے"۔

اسعدؓ بن زرارہ کو پتہ چلا تو وہ آئے، اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اس کے چارہ دانہ کا انتظام اُن کے گھر تھا۔ صحیح بخاری میں انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے رشتہ داروں میں کس کا گھر قریب ہے؟" ابوایوبؓ بولے "یا رسول اللہ ﷺ! میرا گھر قریب ہے، اور یہ میرا دروازہ ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اور آرام کرنے کے لیے جگہ بناؤ"۔ ابوایوبؓ نے کہا "بسم اللہ! آئیے، دونوں صاحب تشریف لائیے"۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو عبداللہ بن سلام یہودی امتحاناً آپؐ سے کچھ سوالات پوچھنے آئے۔ کہنے لگے "میں آپؐ سے تین باتیں پوچھتا ہوں، ان کو نبی کے سوا دوسرا کوئی آدمی نہیں جانتا، قیامت قائم ہونے سے پہلے کون سی نشانی ظاہر ہوگی؟ اہلِ جنت پہلے کون سا کھانا کھائیں گے؟ لڑکا باپ یا ماں کی شکل پر کیوں ہوتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ان کے متعلق جبرائیلؑ نے مجھے ابھی آ کر خبر دی ہے"۔ عبداللہ بن سلام بولے "یہ فرشتہ تو یہودیوں کا دشمن ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانی آگ ہے، جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی اور اہلِ جنت کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کا زائد

حصّہ ہے۔ جب مرد کی منی رحم میں پہلے جاتی ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی سے پہلے جاتی ہے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔" یہ جواب سن کر عبداللہؓ پکار اُٹھے: "میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں، اور آپؐ دینِ حق لے کر آئے ہیں۔" نیز کہا: "یہودی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور ان کا عالم ہوں اور ان کے عالم کا بیٹا ہوں آپؐ انہیں بلائیں اور میرے اسلام کا علم ہونے سے پہلے ان سے میرے متعلق پوچھیں اس لیے کہ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں، تو وہ مجھ پر وہ الزام لگائیں گے، جن سے میں بَری ہوں۔" چنانچہ اللہ کے نبیؐ نے یہود کو بلا بھیجا اور ان سے کہا: "اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈر جاؤ۔ اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسولؐ ہوں اور تمہارے پاس سچا دین لایا ہوں، اس لیے اسلام لے آؤ۔" کہنے لگے "ہم یہ نہیں جانتے۔" یہ بات انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے تین بار کہی۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا یہ بتاؤ کہ عبداللہ کیسا آدمی ہے؟" کہنے لگے "وہ ہمارا سردار ہے، اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے اور ہمارا عالم ہے، اور ہمارے عالم کا بیٹا ہے۔" آپؐ نے پوچھا "یہ بتاؤ اگر وہ اسلام لے آئے تو؟" بولے "خدا کی پناہ! وہ اسلام نہیں لائے گا" پھر آپؐ نے پوچھا: "اگر وہ اسلام لے آئے تو؟" بولے "خدا کی پناہ، وہ اسلام نہیں لائے گا۔" آپؐ نے پھر پوچھا: "بتاؤ اگر وہ اسلام لے آئے تو؟" انہوں نے پھر یہی جواب دیا: "خدا کی پناہ! وہ اسلام نہیں لائے گا۔" آپؐ نے فرمایا: "عبداللہ! نکل کر ان کے سامنے آؤ" چنانچہ عبداللہؓ نے باہر ان کے سامنے آکر کہا: "اے گروہِ یہود! خدا سے ڈرو اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور دینِ حق لے کر آئے ہیں۔" وہ کہنے لگے "تم جھوٹ کہتے ہو" نیز کہنے لگے: "یہ بڑا شریر ہے اور بڑے شریر کا بیٹا ہے" اور ان کی تنقیص کرنے لگے۔ عبداللہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! مجھے یہی ڈر تھا" پھر آپؐ نے ان کو باہر نکال دیا۔

سنہ ہجری کی ابتداء

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ان کی راہنمائی میں آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت سے سنہ ہجری کی ابتدا ہوئی ہے، اور آج تک اس کے مطابق تاریخ کا تعین ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے، سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی بعثت سے سنہ جاری نہیں کیا اور نہ آپؐ

کی وفات سے بلکہ آپؐ کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر سنہ جاری کیا ہے۔

مدینہ منوّرہ میں مہاجرینؓ کی آمد

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سب سے پہلے مصعبؓ بن عمیر اور ابنِ اُمِ مکتومؓ مدینہ منورہ آئے تھے یہ دونوں مدینہ میں اسلام لانے والے مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر عمارؓ، بلالؓ اور سعدؓ آئے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۰ آدمیوں کی جماعت میں آئے پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے لوگوں کو جتنی خوشی آپؐ کے آنے سے ہوئی کسی دوسری چیز سے ایسی خوشی دیکھنے میں نہیں آئی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے جس دن آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا تھا میں نے کوئی دن اس دن سے زیادہ حسین اور زیادہ روشن نہیں دیکھا، جس دن آپؐ تشریف لائے تھے اسی طرح میں نے کوئی دن اس دن سے زیادہ منحوس اور زیادہ تاریک نہیں دیکھا جس دن آپؐ نے انتقال فرمایا۔

جب تک مسجد اور حجروں کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی، آپؐ ابوایوبؓ ہی کے گھر مقیم رہے۔ پھر آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ اور ابورافعؓ کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ مکرمہ بھیجا وہ آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں فاطمہؓ اور اُمِ کلثومؓ آپؐ کی بیوی سودہؓ بنت زمعہ اور اسامہ بن زیدؓ اور ان کی والدہ اُمِ ایمنؓ کو مدینہ منورہ لے آئے۔ آپؐ کی تیسری صاحبزادی زینبؓ کو اُن کے خاوند ابوالعاص بن ربیع نے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ خانہ کو ان کے لڑکے عبدؓ اللہ لے کر آئے۔ حضرت عائشہؓ بھی ان کے ساتھ آئیں اور یہ حضرات حارثہؓ بن نعمان کے گھر میں آباد ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ عبداللہ میرے پیٹ میں تھا اور میرے حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی قبا میں پہنچ کر بچہ پیدا ہوا اور مدینہ میں لا کر میں نے اس کو آپؐ کی گود میں رکھا۔ آپؐ نے ایک کھجور منگوا کر چبائی اور اپنا لب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ یہ آپؐ کا لب ہی پہلی چیز تھی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوئی۔ پھر آپؐ نے ایک اور کھجور منگوا کر اس کی گھٹی دی اور اس کے حق میں برکت کی دعا کی مہاجرین کا مدینہ میں یہ سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے آیا ہے کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا سب سے پہلا بچہ عبداللہ بن زبیرؓ ہی پیدا ہوا تھا۔

فصل

مسجدِ نبوی کی تعمیر

زہری عروہ سے بیان کرتے ہیں جس جگہ آپؐ کی اونٹنی بیٹھی اور وہاں مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی پہلے بھی مسلمان یہاں نماز پڑھتے تھے۔ اور دراصل یہ جگہ انصار کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی جس سے کھجوریں خشک کرنے کا کام لیا جاتا تھا اور یہ دونوں اسعدؓ بن زرارہ کی گود میں زیرِ پرورش تھے۔ آپؐ نے فرمایا "ان شاء اللہ ہماری یہی منزل ہے" پھر آپؐ نے مسجد بنانے کے لیے ان لڑکوں سے یہ جگہ قیمتاً خریدی۔ پہلے ان بچوں نے کہا تھا: "یارسول اللہ ﷺ! ہم یہ زمین آپؐ کو ہبہ کرتے ہیں" لیکن آپؐ نے ہبتہً لینے کی بجائے قیمتاً خریدنا مناسب سمجھا اور یہاں مسجد کی تعمیر کی۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے بنو نجار کو بلا کر کہا "اپنے اس باغ کی قیمت طے کر کے مجھ سے لے لو" وہ بولے "لا بخدا! ہم اس کا ثواب اللہ تعالیٰ سے لیں گے" اس کی قیمت نہیں لیتے" اس وقت وہاں مشرکوں کی قبریں، گڑھے اور کچھ کھجوریں تھیں۔ آپؐ کے حکم سے مشرکوں کی قبریں اکھاڑ دی گئیں گڑھے بھر دیے گئے، کھجوریں کاٹ کر دیوارِ قبلہ کے آگے جمع کر دی گئیں اور دروازے کی دونوں سر دیں پتھر کی بنائی گئیں۔ جب صحابہؓ ان کے لیے پتھر لاتے تھے تو نبی ﷺ ان کے ساتھ تھے اور فرماتے تھے ؎

اللّٰھم انّہ لا خیرَ الّا خیرَ الآخرہ — فانصرِ الانصار والمہاجرہ

"الٰہی! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، انصار اور مہاجروں کی مدد فرما۔"

اور زہریؒ کی حدیث میں ہے جو وہ بواسطہ عروہؒ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر کے وقت رسول اللہ ﷺ بھی صحابہؓ کے ساتھ کچی اینٹیں ڈھوتے تھے اور یہ شعر آپؐ کی زبان پر تھے ؎

ہٰذا الحمال لا حمال خیبر — ہٰذا أبرُّ ربّنا واطہر

"جتنی یہ مزدوری نتیجہ خیز ہے اتنی خیبر کی مزدوری نتیجہ خیز نہیں اے ہمارے رب! اس میں زیادہ نیکی ہے اور یہ زیادہ پاکیزہ عمل ہے۔" اور کبھی یوں فرماتے ؎

اللّٰھم إنّ الاجر أجر الآخرہ — فارحم الانصار والمہاجرہ

"الٰہی! آخرت کا اجر ہی اجر ہے اس لیے انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

نیز آپؐ ایک مسلمان شاعر کے شعر بھی اس موقعہ پر پڑھتے تھے، مجھے اس کا نام نہیں بتایا گیا۔

دوسرا راوی کہتا ہے کہ کام کے وقت آپؐ نے اپنے کپڑے اتارے، تو دوسرے لوگوں نے بھی اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیئے ؎۔ وہ کہتے تھے ؎

لئن قعدنا والرسول یعمل　　لذاک منا العمل المضلل

"اگر اللہ کے رسولؐ کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں، تو یقیناً ہمارا یہ عمل گمراہی کا عمل ہے۔"

اور کچھ لوگ یوں کہتے ؎

لایستوی من یعمر المساجدا　　یدأب فیھا قائماً و قاعدا

ومن یری عن التراب حائدا

"مسجدیں تعمیر کرنے، ہمیشہ ان میں قیام اور قعود میں مصروف رہنے والے اور مٹی سے بچنے کے لیے دور بھاگنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔"

مسجد کا محراب بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور اس میں تین دروازے رکھے گئے، ایک دروازہ قبلہ کی مخالف سمت، ——— ایک دروازہ جو "باب الرحمۃ" کے نام سے مشہور ہے، اور ایک دروازہ جس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں آیا جایا کرتے تھے۔ مسجد کا طول دیوارِ قبلہ سے آخر تک (شمالاً جنوباً) سو ہاتھ اور دونوں جانب (شرقاً غرباً) بھی اتنا ہی تھا، یا اس سے کچھ کم تھا۔ بنیاد قریباً تین ہاتھ چوڑی تھی، ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، چھت کھجور کی چھڑیوں سے ڈالی تھی اور دروازے کی دونوں سردلیں پتھر سے بنائی تھیں کسی نے کہا کہ "چھت بہتر بن ہونی چاہیے" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح چھپر ہی مناسب ہے" آپؐ نے اپنے رہائشی حجرے کچی اینٹوں سے مسجد کے پہلو میں تعمیر کیے اور ان پر کھجور کی چھڑیوں کی چھت ڈالی۔

جب آپؐ مسجد اور حجروں کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت عائشہؓ کی رخصتی اس حجرے میں ہوئی، جو ان کے لیے مسجد کی مشرقی جانب بنایا گیا تھا، اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا، اور یہ وہی حجرہ ہے جس میں آپؐ آج کل آرام فرما ہیں ؎۔ حضرت سودہؓ کے لیے علیحدہ مکان بنایا گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب میری عمر چھ برس تھی، تو آپؐ نے مجھ سے شادی

کی۔ہم مدینہ میں آئے، تو ہم نے بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں سکونت اختیار کی۔ میں آنے کے بعد اس قدر تیز بخار میں مبتلا ہوئی کہ میرے سر کے بال جھڑ گئے۔ صحت یاب ہونے کے بعد میں ایک دن اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان نے مجھ کو آواز دی مجھے معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ میں آئی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے دروازے پر روکا کیونکہ دوڑنے بھاگنے کی وجہ سے میرا سانس پھولا ہوا تھا جب سانس درست ہوا تو انہوں نے کچھ پانی لے کر میرا منہ اور میرا سر دھویا پھر مجھ کو اندر مکان میں لے گئیں میں نے دیکھا وہاں انصار کی کچھ عورتیں بیٹھی ہیں اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگیں "علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر" یعنی "خیر اور برکت ہو اور قسمت نیک ہو" (اس قسم کے الفاظ دلہن کی رخصتی کے وقت کہے جاتے ہیں) میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مجھے نہلا دھلا کر اور کپڑے زیور پہنا کر تیار کیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور انہوں نے مجھے آپؐ کے سپرد کر دیا اس وقت میری عمر ۹ سال تھی

صحیح بخاری میں عروہؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ کی طرف ہجرت سے تین سال پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ پھر تقریباً اڑھائی سال بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اس وقت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی عمر ۹ سال ہوئی تو آپؐ کے گھر ان کی رخصتی ہوئی۔ ابو عمرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی شادی ماہ شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی اور وہ اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کی رشتہ دار عورتوں کو شوال میں خاوندوں کے گھر بھیجا جائے! آنحضرت ﷺ کو اپنی سب بیویوں میں ان سے زیادہ محبت تھی جب وہ کوئی فرمائش کرتیں، تو آپؐ ضرور ان کی فرمائش پوری کرتے آپؐ نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی یہ آپؐ کے ساتھ نو سال رہیں جب حضورؐ کا انتقال ہوا اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ آپؓ بڑی عالمہ فاضلہ اور فصیح اللسان تھیں، اور آپؓ سے حدیث بیان کرنے میں کثیر الروایت تھیں۔

مسجد کے آخری حصہ میں سایہ دار جگہ تھی جس میں بے گھر مہاجر رہتے تھے۔ اس کو "صفہ" کہتے تھے۔ شام کے وقت آپؐ ان کو کھانا کھلانے کے لیے صحابہؓ میں تقسیم فرما دیتے، اور ایک جماعت کو اپنے ساتھ اپنے گھر کھانا کھلاتے۔

فصل

انصارؓ اور مہاجرینؓ کے درمیان عہدِ مواخات

آپؐ نے انس بن مالکؓ کے گھر انصار اور مہاجرین کے درمیان عہدِ مواخات قائم کیا۔ وہ ۹۰ آدمی تھے۔ ان میں سے آدھے انصار اور آدھے مہاجر تھے۔ اس بھائی چارے کی بنیاد باہمی ہمدردی اور نیک سلوک پر تھی۔

اور مرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں کی بجائے یہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے یہ قانون جنگِ بدر تک جاری رہا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، "وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ"[1]۔ یعنی "رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے" تو عہدِ مواخات کی بناء پر قائم شدہ ورثہ رشتہ داری کی طرف پھیر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے دوسری مرتبہ صرف مہاجرین کے درمیان عہدِ مواخات جاری کیا اور اس میں علیؓ کو اپنا بھائی بنایا مگر صحیح پہلی بات ہے۔

آپؐ نے جعفر بن ابی طالب جب کہ وہ ابھی حبشہ میں تھے اور معاذ بن جبل، ابوبکر اور خارجہ بن زید، عمر بن خطاب اور بنو سالم کے عتبان بن مالک، عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ربیع، زبیر بن عوام اور سلمہ بن سلامہ بن وقش اور بعض کے قول کے مطابق کعب بن مالک سلمی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اس کے برعکس بعض کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ اور کعب بن مالک کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

عثمان بن عفان اور اوس بن ثابت، سعید بن زید اور ابی بن کعب، مصعب بن عمیر اور ابوایوب، ابوحذیفہ بن عتبہ اور عباد بن بشر اشہلی، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان عبسی، حلیف بنی عبد الاشہل، کے درمیان عہدِ مواخات قائم کیا۔ بعض کے نزدیک عمار بن یاسر اور ثابت بن قیس بن شماس کے درمیان عہد ہوا تھا۔ آپؐ نے ابوذر غفاری اور منذر بن عمرو، نقیب بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ حاطب بن ابی بلتعہ، حلیف بنی اسد بن عبد العزیٰ اور عویم بن ساعدہ، اخو بنو عمرو بن عوف۔ سلمان فارسی اور ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ، بلال اور ابورویحہ عبد اللہ بن عبد الرحمان خثعمی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

حمزہ بن عبد المطلب اور زید بن حارثہ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام بھائی بھائی تھے۔ اسی طرح ابوعبیدہ اور سعد بن معاذ بھائی بھائی تھے۔ رضی اللہ عنہم!

ابن اسحاق لکھتے ہیں: انہی مہینوں میں، جب کہ مسجد کی تعمیر شروع تھی، ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے حلق میں کوئی تکلیف پیدا ہوگئی تھی یا شہقہ (ایک قسم کی بیماری) سے اُن کی موت واقع ہوئی تھی۔ یحییٰؒ بن عبد اللہ بن عبد الرحمان بن اسعدؓ بن زرارہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ابو امامہ، یہود اور منافقینِ عرب کے لیے بُری میت ثابت ہوا ہے، وہ کہتے ہیں، اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اس کا صحابی نہ مرتا حالانکہ میں اپنے اور اپنے صحابیؓ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی امر کا اختیار نہیں رکھتا۔" عاصم بن عمر بن قتادہؒ کہتے ہیں، جب اسعدؓ بن زرارہ کا انتقال ہوگیا تو سب بنو نجار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اسعدؓ ان کے نقیب تھے) اور کہنے لگے

---

[1] الانفال: ۷۵

"یارسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک اس آدمی کا درجہ اور مقام آپؐ جانتے ہیں آپؐ اس کی جگہ کوئی اور آدمی قائم مقام بنا دیں جو ہمارا ویسا ہی انتظام کرے جیسا وہ کرتا تھا" آپؐ نے فرمایا "آپ حضرات میرے ماموں ہیں میں تمہارے حالات سے خوب واقف ہوں، اس لیے اب سے میں تمہارا النقیب ہوں" آپؐ نے اس سلسلہ میں ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بنو نجار، باقی انصارؓ پر اس بنا پر فخر کرتے تھے کہ ہمارے نقیب رسول اللہ ﷺ ہیں۔

فصل

نماز با جماعت کا اجرا اور اذان کی مشروعیت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں دلجمعی اور اطمینان میسر آیا، مہاجرین یہاں منتقل ہو گئے، نیز انصار کے اتحاد سے اسلام کو استحکام حاصل ہوا تو آپؐ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حدود کا نظام درست کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

پہلے نماز کو لیا جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے مگر نماز کے وقت اذان نہیں ہوتی تھی، اس لیے کچھ نمازی وقت پر آتے اور کچھ آگے پیچھے ہو جاتے اور جماعت سے محروم رہ جاتے۔ اس بے قاعدگی کو دور کرنے کے لیے پہلے آپؐ نے ارادہ کیا کہ جس طرح یہودی لوگوں کو عبادت کے لیے جمع کرنے کی غرض سے "بوق" بجاتے ہیں، اس طرح مسلمان بھی جماعت سے پہلے بوق بجایا کریں لیکن آپؐ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ آخر آپؐ نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کو بجا کر لوگوں کو جماعت کی اطلاع دی جائے لیکن ابھی اس کی تیاری ہو رہی تھی کہ عبداللہؓ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے "یارسول اللہ ﷺ آج رات مجھے خواب میں ایک آدمی نظر آیا ہے جس نے دو سبز کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا میں نے اس سے کہا "اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس بیچو گے" بولا "تم اس کو کیا کرو گے" میں نے کہا "ہم اس کو نماز کے وقت بجائیں گے" وہ کہنے لگا "میں تمہیں اس سے اچھی چیز بتاتا ہوں" میں نے کہا "بتاؤ وہ کیا ہے" تو اس نے کہا "تم نماز کے لیے اس طرح اذان کہا کرو:" اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، حیّ علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔

جب انہوں نے یہ بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہے، اٹھو یہ کلمے بلالؓ کو سکھاؤ، وہ ان کے ساتھ اذان کہے کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے"۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلالؓ کو اس طرح اذان کہتے ہوئے سنا تو وہ جلدی جلدی اپنے گھر سے نکلے اور آکر کہا: "اے اللہ کے نبیؐ! اس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جس طرح انہوں نے دیکھا ہے، میں نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا ہے" آپؐ نے فرمایا "فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" میں کہتا ہوں اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، مگر عبداللہؓ بن زید کے خواب کی وجہ سے اذان کا حکم ثابت کرنا قابلِ اعتراض ہے کیونکہ غیر نبی کے خواب پر کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت وحی بھی نازل ہو گئی ہو اور اس کی تائید عبدالرزاق اور "مراسیل ابی داؤد" میں مذکور عبید بن عمیر لیثیؒ (جو کبار تابعین میں سے ہیں) کے قول سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے خواب میں اذان دیکھی اور آنحضرت ﷺ کو خبر دینے کے لیے آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں وحی وارد ہو چکی ہے وہ بلالؓ کی اذان سن کر سٹپٹائے تو آپؐ نے فرمایا: آپ کی خبر سے پہلے اس بارہ میں وحی آ چکی ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو انہوں نے نماز کے وقت کے لیے کوئی علامت مقرر کرنی چاہی۔ کسی نے کہا "آگ جلائی جائے یا ناقوس بجایا جائے" اس پر یہود و نصاریٰ کی موافقت کا اعتراض ہوا تو بلالؓ کو حکم ملا کہ وہ اذان کے دو دو کلمے اور اقامت کا ایک ایک کلمہ کہیں۔ اور اسی صحیح بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مسلمان جب مدینہ میں آئے تو وہ وقت کا اندازہ کر کے نماز پڑھنے آتے تھے، اس وقت اذان نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس کے متعلق مشورہ کیا تو کسی نے کہا: "عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس بنا لو" کسی نے کہا "یہودیوں کے بوق کی طرح بوق استعمال کیا کرو" کسی نے کہا، "کیا تم کسی آدمی کو نہیں بھیجتے جو بازاروں میں نماز کی منادی کر آیا کرے"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "بلالؓ! اٹھو اور نماز کی منادی کرو۔"

نماز میں اضافہ

بعض اہلِ سیر لکھتے ہیں آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ایک مہینہ بعد حضر کی نماز میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا مگر فجر کی نماز طولِ قرأت کی وجہ سے دو رکعت ہی رہی اسی طرح مغرب بھی

دن کے وتر ہونے کی بنا پر بحال رہی اور سفر کی نماز پہلے کی طرح دو رکعت ہی برقرار رہی۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ پہلے نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی مگر جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو چار چار رکعت فرض ہوگئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر باقی رہی۔

فصل

وہ خاندان جو ہجرت کے وقت سب کچھ لے آئے اور مکہ میں کچھ نہیں چھوڑا

ابن اسحاق لکھتے ہیں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد سب مہاجر آپؐ کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے مکہ میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جو کفار کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا تھے یا جیل کی کال کوٹھڑیوں میں محبوس تھے۔ مندرجہ ذیل چند مہاجر خاندان کہ معظمہ سے اپنے بال بچے اور اپنا پورا مال و اسباب لانے میں کامیاب ہو گئے تھے انہوں نے اپنے پیچھے مکہ میں کچھ نہیں چھوڑا تھا:

- بنو جمح میں سے مظعون کا خاندان۔
- بنو جحش بن رئاب، بنو امیہ کے حلیف۔
- بنو بکیر، یہ بنو عدی بن کعب کے حلیف خاندان، بنو سعد بن لیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہجرت کے بعد مکہ میں ان کے مکانات مقفل پڑے تھے۔ بنو جحش کے مکانات پر ابو سفیان بن حرب نے ناجائز قبضہ کر کے بنو عامر بن لوئی کے ایک شخص عمرو بن علقمہ کے ہاتھ بیچ دیئے تھے جب اس کی اطلاع بنو جحش کو ملی تو عبداللہؓ بن جحش نے نبی ﷺ کے پاس اس کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا "عبداللہ! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہیں اس کے بدلے جنت میں گھر ملے"؟ وہ بولے "کیوں نہیں" آپؐ نے فرمایا "تجھے اس کے بدلہ میں جنت میں گھر ملے گا"

جب آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ابو احمد بن جحش نے آپؐ سے اپنے گھر کی واپسی کی درخواست کی مگر آپؐ نے اس کے جواب میں تاخیر سے کام لیا لوگوں نے ابو احمدؓ سے کہا! ابو احمد! رسول اللہ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ جو چیز تم سے اللہ تعالیٰ کے لیے چھن گئی ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرو، چنانچہ ابو احمد نے اس کے بعد اس سلسلہ میں آپؐ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا اور انہوں نے ابو سفیان کے بارہ میں یہ اشعار کہے ؎

ابلغ اباسفیان عنی آمر عواقبہ ندامہ

"ابوسفیان کو کہہ دو کہ اس کام کا انجام ندامت ہے۔"

دار ابن عمک بعتہا تقضی بہا عنک الغرامہ

"تم نے اپنے چچا کے بیٹے کا مکان بیچ کر اپنا قرضہ ادا کیا ہے۔"

وحلیفکم باللہ رب الناس مجتہد القسامہ

"لوگوں کا رب، بڑی کوشش سے فیصلہ کرنے والا تم سے نپٹ لے گا۔"

اذہب بہا اذہب بہا طوقتہا طوق الحمامہ

"اس کو لے لو، اس کو لے لو۔ اس کی لعنت تمہارے گلے میں اس طرح پڑی ہے جس طرح کبوتری کے گلے میں سیاہ بالوں کی لکیر۔"

آنحضرت ﷺ ربیع الاول سے اگلے سال صفر تک مدینہ منورہ میں رہے اس عرصہ میں مسجد اور اپنے گھروں کی تکمیل کی۔ ادھر تقریباً سارے انصار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ خطمہ، واقف، وائل اور امیہ کے سوا جو "اوس اللہ" کہلاتے تھے اور یہ قبیلہ اوس ہی کی ایک شاخ ہے باقی انصار کے تمام قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ اپنے شرک پر قائم رہے کیونکہ یہ ابوقیس صیفی بن اسلت شاعر کے زیر اثر تھے۔ اس کی بات سنتے اور مانتے تھے۔ یہ خود بھی مسلمان نہیں ہوا اور ان کو بھی اسلام سے روکے رکھا۔ یہاں تک کہ بدر، احد اور جنگ خندق کا زمانہ گزر گیا۔ ابن عبدالبر ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ یہ مکہ میں قریش کے ساتھ جا ملا تھا اور فتح مکہ کے دن اسلام لے آیا تھا لیکن زبیر بن بکار نے لکھا ہے کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں جب آنحضرت ﷺ کو اپنے اس نئے شہر میں اطمینان حاصل ہوا اور اس میں دین اسلام غالب آ گیا تو صرمہ بن ابی انس، بنو نجار کے شاعر نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ یہ راہب تھے، ٹاٹ کا لباس پہنتے، اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، انہوں نے بتوں سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ بعد میں اسلام لے آئے اور ان کا اسلام مبنی بر اخلاص تھا۔ یہ معمر آدمی تھے، اور حق گو تھے، جاہلیت میں بھی لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔

اسلام لانے کے بعد اس عزت کا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی صورت میں عطا فرمائی اور اس خصوصیت کا جو حضور کے ان میں رہائش پذیر ہونے سے ان کو حاصل ہوئی یوں ذکر کرتے ہیں (ترجمہ):

۱۔ "آپ نے قریش میں دس سے کچھ زیادہ سال وعظ و نصیحت میں گزارے کہ کاش! کوئی موافق دوست مل جائے۔"

۲۔ "حج کے موسم اور تجارتی میلوں میں اپنے آپ کو مختلف قبائل پر پیش کیا لیکن کسی نے جگہ نہ دی اور نہ کسی نے بلایا۔"

۳۔ "جب ہمارے ہاں مدینہ منورہ تشریف لائے تو اللہ نے آپؐ کے دین کو غلبہ عطا فرمایا اس لیے آپؐ طیبہ آکر بڑے راضی اور خوش ہوئے۔"

۴۔ یہاں آپؐ کو دوست بھی مل گئے اور وطن سے دُور آپؐ کو وہ اطمینان حاصل ہوا جو آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی واضح مدد ثابت ہوا۔"

۵۔ "آپؐ نے ہمیں وہ باتیں بتائیں، جو نوحؑ نے اپنی قوم سے کہی تھیں اور وہ راز افشا کیے جو موسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے درمیان خلوت میں ہوتے۔"

۶۔ "اب آپؐ کو لوگوں میں سے کسی نزدیک اور دُور کے دشمن کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔"

۷۔ "ہم نے لڑائی کے وقت آپؐ سے یہ سلوک کیا کہ آپؐ کی خاطر اپنے مال اور اپنی جانیں قربان کر دیں۔"

۸۔ "اور ہم نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز پرستش کے لائق نہیں اور ہم نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین ہادی ہے" اور ایک روایت میں ان کے یہ مزید اشعار ملے ہیں (ترجمہ):

۹۔ "اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی پالنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہماری راہنما ہے۔"

۱۰۔ "جو آپؐ کے دشمن ہیں وہ ہمارے بھی دشمن ہیں خواہ وہ ہمارے کتنے ہی صاف دل دوست ہوں۔"

۱۱۔ "جب دعا کرتا ہوں تو ہر عبادت خانہ میں کہتا ہوں: اے خدا! تو بابرکت ہے اور کثرت سے تیرا نام لیتا ہوں۔"

۱۲۔ "جب کسی خوفناک بیابان سے گزرتا ہوں تو کہتا ہوں: الٰہی! رحم فرما اور مجھ پر میرے دشمنوں کو غالب نہ کر۔"

۱۳۔ "بخدا! کوئی نوجوان نہیں جانتا کہ خطرات سے کس طرح بچے اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو نہ بچا لے۔"

۱۴۔ "اپنی جگہ پر کھڑی کھجور کو سیرابی کا کوئی فکر نہیں، جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سیراب کھڑا کیا ہے۔"

فصل

جہاد کی اجازت اور جہاد کی فرضیت

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں سکون میسر آیا، اللہ تعالیٰ نے

اپنی نصرت اور ایمانداروں کے ذریعے آپؐ کو قوت بخشی، ان کی پرانی رنجشیں اور دشمنیاں ختم کرکے ان کے دلوں میں محبت پیدا کی، اللہ تعالیٰ کے انصار اور اسلام کے لشکر نے آپؐ کو ہر اسود و احمر سے بچایا، آپؐ کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کیں، آپؐ کی صحبت کو اپنے باپوں، بیٹوں اور بیویوں کی صحبت سے مقدم رکھا اور آپؐ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا تو سب عرب اور یہودی آپؐ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ آپؐ سے دشمنی کرنے اور آپؐ سے لڑنے کے لیے ہر طرف سے اُمڈ پڑے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو صبر سے کام لینے اور عفو اور درگزر سے پیش آنے کا حکم دیا پھر جب ان کی جمعیت پیدا ہو گئی اور ان میں قوت اور توانائی آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دشمنوں سے لڑائی کرنے کی اجازت دے دی لیکن ابھی فرض نہیں کی۔ چنانچہ فرمایا:
"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا"[1] یعنی "ان لوگوں کو جن کو دشمن آرام سے نہیں بیٹھنے دیتے لڑنے کی اجازت ہے کیونکہ ان پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں۔"

ابن عباسؓ، مجاہد، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور قتادہ جیسے بہت سے سلفؒ نے کہا ہے کہ "یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارہ میں نازل ہوئی" اور سنن نسائی اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: "جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: انہوں نے اپنے نبیؐ کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[2] اب یہ ضرور ہلاک ہو کر رہیں گے۔" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا" امام احمدؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں "یہ لڑائی کے بارہ میں سب سے پہلی آیت ہے۔"

اور لڑائی کی اجازت کی علت یہ بیان کی ہے کہ "مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے وہ آپؐ کے پاس آتے تو کسی کے بدن پر چوٹ کے نشان ہوتے اور کسی کا سر زخمی ہوتا۔ آپؐ فرماتے "صبر سے کام لو، مجھے لڑائی کا حکم نہیں" جب آپؐ نے ہجرت کی تو آپؐ کو ستر سے زیادہ آیتوں میں لڑائی کی اجازت دی گئی۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں "یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کے لیے لڑائی اس لیے حلال کی ہے کہ ان پر بڑے ظلم ہوئے ہیں اور ان کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں تھا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ غالب آئے تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا فریضہ بجا لائیں گے۔ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

---
[1] الحج: ۳۹ [2] البقرۃ: ۱۵۶

الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[1]" یعنی کفار سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ و فساد کا نام و نشان نہ رہے اور دین سارا اللہ تعالیٰ کا ہو جائے یعنی کسی مسلمان کو دین کی وجہ سے ظلم کا تختۂ مشق نہ بنایا جائے اور سارا دین اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے یعنی وہ کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اجازت مکہ میں مل گئی تھی اور یہ سورت مکی ہے مگر یہ خیال متعدد وجوہ سے غلط ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مکہ میں لڑائی کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مکہ میں ان کو اتنی طاقت تھی کہ وہ لڑائی کر سکیں (۲) آیت کا سیاق و سباق اس بات کا متقاضی ہے کہ اجازت ہجرت اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے بعد ہوئی ہے کیونکہ آیت میں بالصراحت مذکور ہے "اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ[2]" یعنی ان کو اجازت دی گئی جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" (۳) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں ان کو "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا ہے اور ان الفاظ کے ساتھ جملہ خطاب مدینہ میں ہوا ہے اور "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ" سے خطاب مشترک ہے، مسلمان اور مشرک سب کو شامل ہے۔

پھر مسلمانوں پر ان کفار سے لڑنا فرض ہو گیا، جو ان سے لڑیں اور جو نہ لڑیں ان سے یہ بھی نہ لڑیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ[3]" اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان کفار سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں" پھر ان پر عام مشرکین سے لڑنا فرض ہو گیا۔ غرض پہلے لڑنا حرام تھا، پھر اس کی اجازت ہوئی، پھر ان کفار سے لڑنا فرض ہو گیا جو ان سے پہلے لڑیں پھر سب مشرکوں سے لڑنا فرض ہوا۔ یہ ایک قول کے مطابق فرضِ عین تھا یا مشہور قول کے مطابق فرضِ کفایہ تھا۔ مگر حق یہ ہے کہ نفس جہاد فرضِ عین ہے۔ دل سے اور زبان سے یا مال اور ہاتھ سے۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسم کے جہاد سے کوئی نہ کوئی جہاد ضرور کرے۔ جہاد بالنفس تو فرضِ کفایہ ہے رہا جہاد بالمال تو اس کے وجوب میں دو قول ہیں، صحیح قول میں "واجب" ہے کیونکہ قرآن حکیم میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس دونوں کا حکم یکساں ہے۔

فصل

لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

جس طرح آپ شروع دن میں سفر کرنا پسند کرتے تھے اسی طرح شروع دن میں لڑائی کرنا بھی پسند

---

[1] الانفال: ۳۹ [2] الحج: ۴۰ [3] البقرۃ: ۱۹۰

فرماتے تھے۔ اس لیے جب شروع دن میں نہ لڑتے تو لڑائی کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا، ہوائیں چلنے لگتیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد اُتر پڑتی لڑائی کے وقت آپؐ صحابہؓ سے یہ بیعت لیتے کہ وہ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔ اور بعض اوقات مرنے پر بیعت لیتے۔ اور جس طرح آپؐ اسلام پر بیعت لیتے تھے اسی طرح جہاد پر بھی بیعت لیتے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے آپؐ ہجرت پر بیعت لیتے تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے توحید، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری پر بیعت لی اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے لوگوں سے کچھ نہ مانگنے پر بیعت لی۔ چنانچہ ان میں سے اگر کسی کا کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو سواری سے نیچے اُترتا اور خود اپنے ہاتھ سے پکڑتا مگر کسی سے پکڑانے کا سوال نہ کرتا۔

آپؐ جہاد میں اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے کہ کیمپ کہاں لگایا جائے اور دشمن کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اور مسند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا آپؐ سفر میں سب سے پیچھے چلتے تھے تاکہ کمزور کو ساتھ لائیں اور جس کی سواری ہلاک ہو گئی ہے اس کو اپنے پیچھے سوار کر لیں آپؐ سفر میں اپنے ہمراہیوں سے نہایت ہمدردانہ سلوک کرتے تھے۔ جنگ کا ارادہ کرتے تو اکثر توریہ[1] سے کام لیتے اور فرماتے: "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" "لڑائی دھوکا ہے" دشمن کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوس بھیجتے تھے اور اپنے کیمپ کے ارد گرد محافظ اور پہرہ دار متعین فرماتے تھے جس وقت لڑائی کے لیے جاتے تو لڑائی سے پہلے دعا مانگتے، جس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب فرماتے اس موقعہ پر آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اپنی آوازوں کو پست رکھتے۔ شور و غل سے پرہیز کرتے۔ دشمن کے مقابلہ میں لشکر کو ترتیب دیتے اور ہر سمت ایسے آدمی مقرر کرتے جو ادھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے۔ آپؐ بوقتِ جنگ، جنگی لباس اور جنگی ہتھیار پہنتے بعض اوقات نیچے اوپر دو زرہیں پہنتے مختلف سپہ سالاروں کو دینے کے لیے متعدد جھنڈے استعمال فرماتے جب کسی قوم پر فتح پاتے تو اس مقام پر تین دن ٹھہرتے اور پھر واپس آتے آپؐ اکثر دشمن پر شب خون مارتے اور کبھی دن کے وقت بھی اچانک حملہ کر دیتے تھے آپؐ جمعرات کو سویرے سویرے نکلنا پسند کرتے تھے ہر آدمی کو اپنے اپنے قومی جھنڈے تلے لڑنے کا حکم فرماتے تھے۔

---

[1] توریہ: جس طرف جانا ہو، اس کی مخالف طرف کو مشہور کرنا! (مترجم)

لڑائی کے وقت اکثر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ، اِھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ نَصْرَکَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ، بِکَ اُقَاتِلُ "اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے بادلوں کو چلانے والے، فوجوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ان میں افراتفری ڈال دے۔ اے اللہ! مدد نازل فرما۔ اے اللہ! تو ہی میرا بازو اور میرا مددگار ہے اور تیری طاقت کے ساتھ دشمنوں سے لڑتا ہوں"۔ جب معاملہ خوفناک ہوتا، لڑائی تیز ہوتی اور دشمن آپؐ کی طرف بڑھنے لگتے، تو آپؐ چھپنے کی بجائے اعلان کرتے اور فرماتے: "اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" "میں ہی نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں اور میں ہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔ جب لڑائی شدت اختیار کر لیتی تو لوگ آپؐ کے ذریعہ اپنے آپ کو بچاتے اور بہ نسبت دوسروں کے آپؐ ہی دشمن کے قریب ہوتے۔ آپؐ شب خون کے وقت صحابہؓ کے لیے کوئی شعار مقرر کرتے تھے تاکہ وہ اندھیرے میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ آپؐ لڑائی میں فخر اور تکبر کو پسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے "بعض فخر ایسے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور بعض فخر ایسے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ جس فخر کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، وہ لڑائی میں دشمن کے مقابلہ میں فخر کرنا ہے، یا صدقہ خیرات کرتے وقت فخر کرنا ہے اور جس فخر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے، وہ ظلم اور نافرمانی کے وقت فخر کا مظاہرہ ہے"۔ ایک دفعہ آپؐ نے لڑائی میں منجنیق استعمال کیا تھا اور اہلِ طائف کے ساتھ لڑائی میں اس سے کام لیا تھا آپؐ بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، ہاں اگر کسی بچہ کے زیرِ ناف بال اُگے ہوتے، تو اس کو قتل کر دیتے اور اگر اس کے زیرِ ناف بال نہ اُگے ہوتے، تو اس کو قتل نہیں کرتے تھے۔ جب آپؐ کوئی لشکر محاذِ جنگ پر بھیجتے، تو ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت فرماتے اور کہتے: "اللہ کا نام لے کر جاؤ، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان سے لڑو۔ غدر نہ کرو، کسی بچہ کو قتل نہ کرو اور نہ مثلہ کرو"۔ آپؐ دشمن کے علاقہ میں جاتے وقت قرآن ساتھ لے جانے سے منع فرماتے تھے۔ امیرِ لشکر کو لڑائی سے پہلے دشمنوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے: "اگر اسلام لانے کے بعد ہجرت کریں، تو مہاجروں میں شمار ہوں گے اور اگر ہجرت نہ کریں، تو دیہاتی اہلِ اسلام میں داخل ہوں گے، غنیمت کے مال میں اُن کا کوئی حق نہیں ہوگا اگر اسلام سے انکار کریں تو جزیہ ادا کریں۔ جزیہ دینے پر آمادہ ہوں، تو جزیہ ان سے قبول کرے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور ان سے جہاد کرے"۔ آپؐ جب دشمن پر فتح یاب ہوتے تو منادی کرنے والے کو حکم دیتے کہ غنیمت کا ہر قسم کا مال جمع کرنے کی منادی کرے۔ پہلے سلب کے حقداروں میں

سلب تقسیم کرتے پھر باقی غنیمت کے پانچ حصے کرتے۔ پانچواں حصہ اللہ کے حکم کے مطابق ان لوگوں کو دیتے، جن کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس میں سے کچھ مال رفاہِ عامہ میں خرچ کرتے کچھ ان لوگوں کو دیتے جن کا غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں جیسے غلام، بچے اور عورتیں۔ پھر باقی چار حصے فوج میں برابر برابر تقسیم فرماتے۔ گھوڑے سوار کو تین حصے دیتے ایک اس کا اور دو اس کے گھوڑے کے ہوتے۔ اور پیدل کو ایک حصہ دیتے۔ آپؐ سے غنیمت تقسیم کرنے کا یہی صحیح طریقہ ثابت ہے۔ اگر مصلحت سمجھتے تو بعض لوگوں کو اصل غنیمت سے انعام دیتے۔ بعض کہتے ہیں کہ انعام خمس سے دیتے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ خمس کے پانچویں حصہ سے انعام دیتے تھے مگر یہ سب سے ضعیف قول ہے۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے سلمہؓ بن اکوع کو شہسوار اور پیدل کے دونوں حصے دیئے، اس طرح ان کو پانچ حصے عطا فرمائے۔ کیونکہ اس جنگ میں اُن کی کارکردگی سب سے اعلیٰ تھی۔ غنیمت میں آپؐ طاقتور اور کمزور کو برابر حصہ دیتے تھے، ہاں انعام میں فرق ہوتا تھا۔ جس کی کارکردگی نمایاں ہوتی، اس کو انعام بھی زیادہ ملتا تھا۔ جب آپؐ دشمن کے علاقے میں جہاد کے لیے جاتے اور حسب حال کسی جگہ چھوٹا لشکر بھیجتے تو غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد چوتھا حصہ اس چھوٹے لشکر کو بطورِ انعام دیتے، اور باقی تین حصے اس میں اور بڑے لشکر میں برابر برابر تقسیم فرماتے۔ اور اگر واپسی میں اس کی ضرورت پیش آتی تو چھوٹے لشکر کو خمس کے بعد تیسرا حصہ انعام دیتے۔ مگر اس کے باوجود آپؐ انعام کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ "طاقتور کو اپنی غنیمت میں کمزور کو بھی شریک کرنا چاہیے۔"

آپؐ کا ایک مخصوص حصہ تھا جس کا نام "صفی" تھا کہ آپؐ ساری غنیمت میں سے اپنی مرضی کی ایک چیز لے لیں۔ غلام، لونڈی یا گھوڑا وغیرہ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی زوجہ حضرت صفیہؓ اسی حصہ میں سے تھیں، جن کو آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا (رواہ ابوداؤد)۔ اسی طرح آپؐ کی تلوار "ذوالفقار" اسی حصہ میں سے تھی۔ بعض اوقات آپؐ مصلحت کی بنا پر ان آدمیوں کو بھی غنیمت میں سے حصہ دے دیتے تھے، جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ بعض اوقات بعض آدمی جہاد میں کسی شخص کو مزدوری پر اپنے ساتھ رکھتے تھے، اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں، ایک یہ کہ مزدور صرف سفر میں خدمت کے لیے ہوتا تھا، لڑائی میں آقا خود شریک ہوتا تھا۔ دوسری یہ کہ مزدور آقا کی طرف سے ایک خاص معاوضہ کے بدلہ جنگ کرتا تھا، اور آقا جنگ میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ ان معاوضوں کو جو مزدوروں کو ادا کیے جاتے تھے جعائل کہتے ہیں۔ انہی کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے کہ "غازی کو ایک ثواب ملتا ہے اور مزدوری دینے والے کو دو ثواب ملتے ہیں"۔ بعض اوقات صحابہؓ غنیمت میں باہم شریک ہو جاتے تھے، اس کی بھی دو صورتیں تھیں:

ایک یہ کہ شریک ہونے والے جتنی غنیمت حاصل کرتے وہ آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے اس کو "شرکۃ الابدان" کہتے تھے۔ اس کے متعلق عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں عمارؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص جنگ بدر کی غنیمت میں شریک ہوئے سعدؓ کو دو قیدی ہاتھ آئے اور میں اور عمارؓ خالی ہی رہے دوسری صورت یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی جہاد میں شریک نہ ہوتا تو کسی مجاہد کو اپنا گھوڑا یا اونٹ دیتا، غنیمت میں دونوں شریک ہوتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس کو آپس میں بانٹ لیتے اس صورت میں اگر ایک کے حصے میں تیر کی لکڑی آتی تو دوسرے کے حصے میں اس کا پھل اور پَر آتے کبھی آپؐ گھوڑے سوار بھیجتے، اور کبھی پیدل جو لوگ فتح ہو جانے کے بعد امداد کے لیے آتے، ان کو غنیمت سے حصہ نہیں دیتے تھے۔ مسلمان شہد، انگور اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں حسب ضرورت کھا پی لیتے تھے، ان کو غنیمت کے دوسرے مال کی طرح جمع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فوج کو غنیمت میں شہد اور کھانے کی دوسری چیزیں ملیں، تو ان سے خمس نہیں لیا گیا۔ رواہ ابوداؤد!

فصل

غنیمت کا جانور بغیر اجازت ذبح کرنا جائز نہیں اور غلول کا حکم

آپؐ دوران جنگ مثلہ[1] کرنے اور لوٹ ڈالنے سے منع فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا "جو شخص لوٹ ڈالے، وہ ہم سے نہیں"۔ اور آپؐ نے حکم دیا کہ غنیمت سے لوٹے ہوئے جانوروں کے گوشت سے پکنے والی ہانڈیاں اُلٹا دی جائیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں باب باندھا ہے کہ "غنیمت کے مال سے اونٹ اور بکری کا ذبح کرنا مکروہ ہے" اور اس میں رافعؓ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے، اور لوگ بھوک سے لاچار تھے غنیمت میں ہمیں اونٹ اور بکریاں حاصل ہوئیں رسول اللہ ﷺ پیچھے تھے، لوگوں نے جانور ذبح کر کے جلدی جلدی ہانڈیاں آگ پر رکھ دیں آپؐ نے دیکھا تو حکم دیا، اور سب ہانڈیاں اُلٹا دی گئیں۔ الحدیث! ابوداؤد نے انصار کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، لوگ سخت قسم کی بھوک میں مبتلا تھے۔ دشمن پر فتح حاصل ہوئی تو غنیمت

---

[1] قتل کرنے کے بعد میت کے ہاتھ، ناک، کان وغیرہ اعضاء کاٹنا ۱۲ [2] جو کچھ ہاتھ لگے، اسے لے جانا اور غنیمت کے مال میں جمع نہ کرنا ۱۲

میں بہت سی بکریاں ہاتھ آئیں، لوگوں نے ان کو لوٹ لیا۔ ہماری ہانڈیاں ان کے گوشت سے اُبل رہی تھیں۔ آپؐ ہاتھ میں کمان لیے ہوئے آئے اور سب ہانڈیاں اُلٹا دیں۔ پھر گوشت پر مٹی ڈالتے تھے اور فرمایا "لوٹ مُردار سے زیادہ حلال نہیں اور مردار لوٹ سے زیادہ حلال نہیں"۔ آپؐ غلول" کے بارہ میں بڑی سختی کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "یہ قیامت کے دن ایسا کرنے والوں پر شرمندگی، اور آگ میں داخل ہونے کا موجب ہوگی" جب آپؐ کے غلام مدعم کی تیر لگنے سے موت واقع ہوگئی تو بعض لوگوں نے کہا "اس کے لیے جنت مبارک ہے" آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں، اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کمبل اس نے خیبر کی غنیمتوں سے تقسیم سے پہلے چرا لیا تھا وُہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہا ہے" مسلمانوں نے یہ سنا تو ایک آدمی ایک یا دو تسمے لایا، آپؐ نے فرمایا "ایک یا دو تسمے آگ کے ہوں گے"۔ آپؐ کو جب غنیمت حاصل ہوتی تو بلالؓ کو حکم دیتے، وہ لوگوں میں منادی کرتے، لوگ اپنی اپنی چیزیں لاکر غنیمت کے مال میں جمع کرتے، جب ساری غنیمت جمع ہو جاتی تو آپؐ اس سے خمس نکال کر باقی فوج میں تقسیم کر دیتے۔ ایک دفعہ غنیمت تقسیم ہونے کے بعد ایک آدمی اونٹنی کی ایک بالوں کی مہار لایا، آپؐ نے پوچھا "تقسیم سے پہلے کیوں نہیں لاتے تھے؟" اس نے کوئی عذر بیان کیا، آپؐ نے فرمایا "قیامت کے دن اس کو خود ہی لانا، میں اس کو قبول نہیں کروں گا" آپؐ نے غلول کرنے والے کو سزا بھی دی تھی اور اس کا مال بھی جلایا تھا، اور آپؐ کے بعد کے دو راشد خلیفوں رضی اللہ عنہم نے بھی اسی پر عمل کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سزا ان احادیث کی وجہ سے منسوخ ہے، جن میں غنیمت کی تفصیل موجود ہے، مگر کسی حدیث میں سامان جلانے کا ذکر نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہی درست ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق تعزیر سے ہے، اور یہ مالی سزائیں حسبِ مصلحت، بادشاہوں اور ائمۂ اجتہاد کی صوابدید پر موقوف ہیں۔ آپؐ نے کبھی غلول کرنے والے کا سامان جلایا اور کبھی نہیں جلایا، اور ایسے ہی بعد کے خلفاء کا عمل تھا، قیدیوں کے بارہ میں آپؐ کا عمل مختلف تھا، مصلحت کے پیشِ نظر کسی پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیتے، کسی کو قتل کر دیتے، کسی کو فدیہ لے کر جاں بخشی فرماتے، کسی کے بدلہ میں مسلمانوں کا تبادلہ کرتے، غرض جس طرح وقت کا تقاضا ہوتا، اسی طرح عملدرآمد کرتے۔

فصل

یہودِ مدینہ کی بدعہدی

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: یہود کے علماء نے سرکشی اور حسد کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی بپا

کر دی اور اس وجہ سے آپؐ سے کینہ اور بغض رکھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب میں سے آپؐ کو اپنا رسُول کیوں منتخب کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد ان سے باقاعدہ صلح کا عہدنامہ تحریر کیا تھا۔ مدینہ میں یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ رہتے تھے۔ ان تینوں قبیلوں نے عہد شکنی کی اور آپؐ سے جنگ شروع کر دی اس کے نتیجہ میں بنو نضیر جلاوطن کر دیئے گئے، بنو قریظہ قتل ہوئے اور ان کے بچے اور عورتیں قید کر لیے گئے۔ بنو قینقاع پر آپؐ نے احسان کیا اور اپنے گھروں میں رہنے دیا۔ سورت حشر بنو نضیر اور سورت احزاب بنو قریظہ بارے اتری ہے اور جیسا پہلے بیان ہوا ان کے عالم، سید ابن سید حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے سبقت کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تعلق بنو قینقاع قبیلہ سے تھا باقی سب نے کفر اور عناد کی راہ اختیار کی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اوس اور خزرج کے ان لوگوں نے یہود کی امداد کی جو جاہلیت اور اپنے آبائی دین پر قائم تھے۔ اور اسلام کے غلبہ اور ساری قوم کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے قتل سے بچنے کے لیے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں بدستور شرک اور قیامت کے انکار پر جمے ہوئے تھے اور رسُول اللہ ﷺ کی تکذیب کی بنا پر ان کی تمام ترہمدردیاں یہود کے ساتھ وابستہ تھیں۔

زیادہ تر یہودی عالم ہی تعنت اور تنگ کرنے کی نیت سے آپؐ سے اُلجھے ہوئے اور پیچیدہ سوال کرتے تھے تاکہ حق اور باطل کو آپس میں گڈمڈ کر دیں۔ ان کے سوالات کے جواب میں قرآنِ مجید اترتا اور ان کی تلبیس اور باطل کو واضح کرتا اس کے برعکس مسلمان آپؐ سے حلال اور حرام کے متعلق ضروری مسائل پوچھتے تھے اور ان کے جواب سُن کر مطمئن ہو جاتے تھے۔

مندرجہ ذیل یہودی عالم آپؐ سے برسرِپیکار رہتے تھے:

(۱) حیّی بن اخطب (۲) اس کا بھائی، یاسر بن اخطب (۳) اور اس کا بھائی جُدیّ بن اخطب (۴) سلام بن مشکم (۵) کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق (۶) کانا ابورافع سلام بن ابی الحقیق اسی کو صحابہؓ نے خیبر میں قتل کیا تھا (۷) ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق (۸) کعب بن اشرف یہ دراصل طے کے قبیلے کے بنو نبہان سے تعلق رکھتا تھا اس کی ماں بنو نضیر کی تھی اس وجہ سے اس نے یہودی دین قبول کر لیا تھا اور اپنے ننھیال میں رہتا تھا۔ یہ سب بنو نضیر سے تعلق رکھتے ہیں (۹) عبداللہ بن صوریا اعور اس سے بڑھ کر حجاز میں تورات کا علم رکھنے والا کوئی نہیں تھا (۱۰) ابن صلوبا (۱۱) مخیریق یہ سب سے اچھا تھا، تورات کا بڑا عالم تھا اور بڑا مالدار تھا یہ رسُول اللہ ﷺ کو تورات میں بیان شدہ

صفات کی بنا پر سچا جانتا تھا لیکن اپنے دین کی محبت کی وجہ سے اس پر قائم رہا۔ احد کے دن جو اتفاقاً ہفتہ کا دن تھا، کہنے لگا "اے جماعتِ یہود! خدا کی قسم! تم یقیناً جانتے ہو کہ محمدؐ کی امداد تم پر فرض ہے" وہ بولے "آج تو ہفتہ ہے" اس نے کہا "کوئی ہفتہ نہیں" پھر اپنے بدن پر ہتھیار لگا کر آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ سے احد میں جا ملا۔ اور اپنی قوم کو وصیت کر گیا کہ "اگر میں آج قتل ہو جاؤں تو میرا سارا مال محمدؐ کے لیے ہے وہ جو چاہیں اس میں تصرف کریں" جب جنگ شروع ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہو گیا اور بالآخر اسی لڑائی میں لڑتا ہوا قتل ہوا اور جیسا کہ مجھے خبر ملی ہے آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "یہود میں سے مخیریق بہترین آدمی ہے" رسول اللہ ﷺ نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے سب مال پر قبضہ کر لیا اور مدینہ میں آپؐ کے سارے صدقات اسی مال سے ہوتے تھے۔

اُم المؤمنین صفیہؓ کی اپنے والد کے متعلق شہادت

اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کی اولاد میں باپ کے اور اپنے چچا ابویاسر کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھی۔ جب میں ان کو ان کے بچوں کے ساتھ ملتی تو وہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر مجھے اٹھا لیتے اور مجھ سے بہت پیار کرتے۔ کہتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے اور قبا میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں ٹھیرے تو میرا باپ حیی بن اخطب اور میرا چچا ابویاسر بن اخطب علی الصبح سویرے سویرے آپؐ سے ملنے گئے اور سورج غروب ہونے کے قریب واپس آئے، وہ بڑے تھکے ہوئے، سست اور درماندہ نظر آتے تھے چہروں پر اداسی اور غم کے بادل چھائے ہوئے تھے، دھیمے دھیمے چل رہے تھے میں معمول کے مطابق ہنستی کھیلتی ان کے پاس آئی مگر خدا کی قسم! اپنے غم واندوہ کی وجہ سے ان میں سے کسی نے میری طرف توجہ نہ کی اس وقت میں نے اپنے چچا ابو یاسر سے سنا، میرے باپ حیی سے پوچھتا تھا "کیا یہ وہی ہے؟" اس نے کہا "ہاں، خدا کی قسم! وہی ہے" میرے چچا نے کہا "اس کو پہچانتے ہو؟ اور یقین سے کہتے ہو؟" بولا "ہاں" میرے چچا نے کہا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" کہنے لگا "بخدا! جب تک زندہ ہوں اس کے ساتھ دشمنی رکھوں گا۔"

منافقین کے نام

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: ہمیں اوس اور خزرج کے منافقوں میں سے مندرجہ ذیل نام حاصل ہوئے ہیں:

(۱) زوی بن حارث (۲) حارث بن سوید بن صامت ابن حزم کہتے ہیں: اس کو رسول اللہ ﷺ نے قصاص میں قتل کیا تھا اس کے بھائی خلاد بن سوید کا فاضل صحابہؓ میں شمار ہوتا ہے اور ان دونوں کے بھائی جلاس بن سوید کا ایک دفعہ نفاق کی طرف میلان ظاہر ہوا تھا اس کے بعد مرنے تک اس سے سوائے بہتری، درستی اور اسلام کے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد اس کا وہ قول ہے جو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: "جو محمدؐ کہتا ہے اگر وہ حق ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت اتاری تھی: "يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ"[1] "اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے۔" ابن اسحاق کہتے ہیں: لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے توبہ کر لی تھی اور اس کی توبہ بہت اچھی ثابت ہوئی تھی (۳) نبتل بن حارث یہ وہی ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا: "جس نے شیطان دیکھنا ہو وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے۔" یہ سانولے رنگ کا قد آور آدمی تھا، بکھرے بال پراگندہ، آنکھیں سرخ اور چہرے پر کالے کالے داغ تھے (۴) نجاد بن عثمان بن عامر (۵) ابو حبیبہ بن ازعر مسجد ضرار تعمیر کرنے والوں میں سے ایک یہ بھی ہے (۶) عباد بن حنیف، اس کے بھائی سہل کا شمار بہترین مسلمانوں میں ہوتا ہے (۷) بجزج، یہ بھی مسجد ضرار بنانے والوں میں سے ہے (۸) عمرو بن خذام (۹) عبداللہ بن نبتل (۱۰) جاریہ بن عامر بن عطاف، ابن حزم کہتے ہیں: اس کے دونوں بیٹوں زید اور مجمع کا ذکر بھی منافقوں میں کیا جاتا ہے لیکن مجمع نیک، قرآن پڑھنے والا اور مسلمان تھا۔ صرف اس کے باپ نے ان کو نماز پڑھانے کے لیے اس کو مسجد ضرار میں آگے کر دیا تھا ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا امیر المومنین! خدا کی قسم! مجھے ان کی حالت کی کچھ خبر نہیں تھی" (۱۱) ودیعہ بن ثابت، یہ بھی بانیان مسجد ضرار میں سے ہے اور اسی نے یہ کہا تھا: "إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ"[2] "ہم تو محض خوش گپیوں اور کھیل میں مصروف تھے۔" (۱۲) خذام بن خالد، اس نے اپنے گھر سے مسجد ضرار کے لیے پلاٹ علیحدہ کر کے دیا تھا (۱۳) بشر بن زید (۱۴) رافع بن زید (۱۵) مربع بن قیظی (۱۶) اس کا بھائی اوس بن قیظی (۱۷) حاطب بن امیہ بن رافع، اس کا بیٹا بہترین مسلمان تھا اس کا نام زید بن حاطب تھا (۱۸) ان کا حلیف قزمان، یہ جنگ احد میں بڑی بہادری سے لڑا تھا جب اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "یہ جہنمی ہے۔" اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا، لیکن بعد میں زخموں کی تکلیف پر صبر نہ کر سکا اور خودکشی کر لی تھی۔

---

[1] التوبۃ: ۷۴، [2] التوبۃ: ۶۵

اوس، خزرج اور یہود کے مخصوص اور مشہور منافق

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، انصار کے مشہور قبیلے بنو عبد الاشہل میں کوئی مرد یا کوئی عورت منافق نہیں ہے صرف ضحاک بن ثابت پر نفاق کا اتہام تھا۔ خزرج کی شاخ بنو نجار میں رافع بن ودلیعہ، زید بن عمرو، عمرو بن قیس اور قیس بن عمرو مشہور منافق تھے، بنو سلمہ میں جد بن قیس مشہور منافق گزرا ہے اور اسی نے جنگِ تبوک میں آپؐ سے درخواست کی تھی: "یامحمدؐ! اِئْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ" یعنی "اے محمدؐ! مجھے پیچھے رہنے کی اجازت دیجئے اور روم کی حسین عورتوں کی وجہ سے) مجھے فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے"۔ بنو عوف بن خزرج سے عبداللہ بن ابی بن سلول رأس المنافقین تھا۔ منافق صلاح و مشورے کے لیے اس کے پاس جمع ہوتے تھے اور اس کی ہدایات کے مطابق فتنہ و فساد پیدا کرتے تھے اس کا لڑکا عبداللہ بڑا صالح اور نیکوکار مسلمان تھا۔

یہودیوں کی ایک جماعت بظاہر مسلمان اور بباطن کافر تھی۔ ان میں قابلِ ذکر یہ لوگ ہیں:

سعد بن حنیف، زید بن لصیت، نعمان بن اوفیٰ، عثمان بن اوفیٰ، رافع بن حریملہ تمہاری اطلاع کے مطابق یہی وہ شخص ہے کہ جب مرا تو آپؐ نے فرمایا تھا "آج ایک بڑا منافق مرگیا ہے"۔ رفاعہ بن زید بن تابوت، سلسلہ بن برہام اور کنانہ بن صوریا یہ منافق مسجد میں صرف اس لیے آتے تھے کہ مسلمانوں کی باتیں سنیں، پھر ان سے تخول کریں اور ان کے دین کا مذاق اُڑائیں۔ ان ہی علماء یہود اور اوس و خزرج کے منافقین کے بارہ میں سورت البقرۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوتی ہیں۔

مجھے عکرمہ مولیٰ ابنِ عباس سے یہ خبر ملی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود مدینہ اوس اور خزرج پر آنے والے نبیؐ کی بدولت فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "اس کے ساتھ مل کر ہم تم پر فتح پائیں گے اور تمہاری اگلی پچھلی شرارتوں کا انتقام لیں گے" لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عرب سے مبعوث فرمایا تو انہوں نے کفر کیا اور جو باتیں آپؐ کے متعلق کہا کرتے تھے ان سے انکار کر دیا۔ معاذ بن جبلؓ اور بنو سلمہ میں سے بشرؓ بن براء بن معرور نے ان سے کہا "اے گروہ یہود! خدا سے ڈرو اور حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤ، تم ہم پر محمدؐ کی ذات سے فتح مانگا کرتے تھے، جب ہم مشرک تھے، ان کی آمد کی خوشخبری سناتے تھے اور ان کے صفات بیان کیا کرتے تھے" تو بنو نضیر کا ایک عالم سلام بن مشکم کہنے لگا "یہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی نہیں لایا جس کو دیکھ کر ہم اس کو پہچانتے اور نہ یہ وہ ہے، جس کا تذکرہ ہم تمہارے پاس کرتے تھے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ" یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس وہ کتاب آئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور پہلے وہ کافروں پر فتح طلب کرتے تھے تو اس کو پہچان کر انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا"[1]۔ ابن صلوبا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا "اے محمد! تم کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے اور نہ تم پر کوئی واضح آیت اتری ہے جس کی وجہ سے ہم تمہاری اتباع پر مجبور ہوتے" تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت اتاری: "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ"[2] یعنی ہم نے تیری طرف بہت سی واضح آیتیں اتاری ہیں جن کا فاسقوں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا"۔

رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا "اے محمد! ہمارے پاس آسمان سے کوئی تحریر لاؤ جس کو ہم پڑھیں یا نہریں پھاڑ کر دکھاؤ تاکہ ہم تمہاری تصدیق اور تمہاری پیروی کریں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ۔ الآیۃ"[3] یعنی کیا تم اپنے رسول سے ایسے سوالات کرنا چاہتے ہو جیسے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کیے گئے تھے"۔

حیی بن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر بن اخطب سب یہودیوں سے بڑھ کر عربوں سے اس بنا پر حسد کرتے تھے کہ آنے والے رسول کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو کیوں خاص کیا ہے؛ اس لیے جہاں تک ان کا بس چلتا لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی ان تھک کوشش کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ"[4] یعنی بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان دار ہونے کے بعد کافر بنا دیں، اور یہ حق ظاہر ہونے کے بعد اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں"۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اہل کتاب یہود کو اسلام کی دعوت دی اور اسے قبول کرنے کی رغبت دلائی نیز اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے انتقام سے ڈرایا۔ یہ سن کر رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے کہا "اے محمد! ہم تو صرف اسی دین کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ کیوں کہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے زیادہ بہتر تھے"۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ

---

[1] البقرۃ: ۸۹ [2] البقرۃ: ۹۹ [3] البقرۃ: ۱۰۸ [4] البقرۃ: ۱۰۹

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔الآیۃ[1]
یعنی "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو' جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے' تو کہتے ہیں ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے' جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔"

اہلِ اسلام میں پھوٹ ڈالنے کے لیے یہود کی مذموم حرکت

ابن اسحاق کہتے ہیں: ایک دن شاس بن قیس' جو بڑا سرکش کافر' مسلمانوں پر سخت طعنہ زنی' اور ان سے سخت حسد کرنے والا تھا' اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے صحابہؓ کی ایک جماعت پر گزرا جو ایک مجلس میں بیٹھے مصروفِ گفتگو تھے' وہ ان کے جاہلیت کے افتراق اور انشقاق کے بعد اب اسلام کی بدولت ان کے اس اتفاق اور اتحاد کو دیکھ کر جل گیا اور اس پر ان کی یہ حالت بڑی گراں گزری' کہنے لگا اگر مدینہ کے یہ دونوں قبیلے (اوس اور خزرج) آپس میں متفق اور متحد ہو گئے' تو ہمارے لیے اس ملک میں رہنا دوبھر ہو جائے گا' اس لیے اس نے اپنے ایک رفیق یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھو۔ ان کو جنگِ بعاث اور اس سے پہلے کے واقعات یاد دلاؤ' اور وہ اشعار بھی پڑھ کر سناؤ' جو انہوں نے ایک دوسرے پر اپنا فخر ظاہر کرتے ہوئے کہے تھے' یوم بعاث ایک لڑائی ہے' جو اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی' اس جنگ میں اوس کو خزرج پر فتح حاصل ہوئی تھی' اس جنگ میں اوس کا سپہ سالار مشہور صحابی اسیدؓ بن حضیر کا والد حضیر بن سماک تھا۔ اور خزرج کا سپہ سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھا' یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جنگِ بعاث' اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہتری کے لیے ہوئی' کیونکہ آپؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے' تو ان کی جمعیت ٹوٹ چکی تھی اور ان کے سردار قتل ہو چکے تھے' جس کے باعث اہلِ مدینہ' اسلام میں جلدی اور بآسانی داخل ہو گئے۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: اس نوجوان نے وہی کیا' جو اسے کہا گیا تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ مجلس کی گفتگو کا رخ پچھلی رقابت کی طرف مڑ گیا' پہلے وہ مفاخرت اور پھر منافرت پر اتر آئے' چنانچہ دونوں قبیلوں کے دو آدمی' اوس بن قیظی اوس سے' اور جبار بن صخر خزرج سے' سینہ تان کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے پر اپنے اپنے مفاخر و فضائل بیان کرنے لگے' حتیٰ کہ ایک نے دوسرے کو چیلنج دے دیا کہ آؤ دو دو ہاتھ کر کے دیکھ لو۔ اس سے دونوں فریق مشتعل ہو گئے' اور کہنے لگے "ہم تیار ہیں' کل حرہ میدان میں پہنچ جاؤ" چنانچہ ہر طرف سے ہتھیار'

---
[1] البقرۃ: ۱۷۰

ہتھیار" کے نعرے بلند ہوئے اور حرہ میں لڑنے کے لیے زور شور سے تیاری شروع ہوگئی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ آئے اور فرمایا "اے مسلمانوں کی جماعت! خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کے نعرے لگاتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی توفیق دی، اس کی وجہ سے تمہیں دنیا میں عزت بخشی، جاہلیت کی رنجشیں اور دشمنیاں دور کیں، کفر اور شرک سے نکالا اور تمہارے دلوں میں محبت اور الفت پیدا کی"۔ اب وہ سمجھے کہ یہ تو شیطان کی شرارت اور دشمن کی مکاری ہے چنانچہ وہ اپنی اس حرکت پر رو دیئے اور فریقین، اوس اور خزرج کے آدمی ایک دوسرے سے گلے ملے۔ سمع اور طاعت کا عزم جدید کر کے آپ کے ساتھ واپس آئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اپنے مذموم ارادوں میں ناکام و نامراد کیا۔

شاس بن قیس اور اس کی بدحرکت کے بیان میں یہ آیت نازل ہوئی:

"قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا" الآیۃ[1] یعنی "اے اللہ کے رسول! آپ فرما دیجئے! اے اہلِ کتاب! اللہ تعالیٰ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر گواہ ہے" "فرما دیجئے" اے اہلِ کتاب! جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، اور اس کو ٹیڑھا کیوں بناتے ہو"۔ اوس بن قیظی اور جبار بن صخر، اور فریقین میں سے ان کے حامیوں کے متعلق فرمایا: "يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ فَرِيقًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ كَٰفِرِينَ" الی قولہ: "وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ"[2] الآیات بعدہا۔" "اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کی کسی جماعت کے پیچھے لگو گے، تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ سیدھا راستہ دیکھ لے گا"۔ اس کے بعد کی آیات بھی ان ہی کے بارہ میں ہیں۔

عبداللہ بن ابی منافق کا اپنی قوم میں مقام

ابن اسحاق کہتے ہیں، مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا، جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف

[1] آل عمران: ۹۸ - ۹۹ [2] آل عمران: ۱۰۰ - ۱۰۱

لائے اس وقت اہلِ مدینہ کی سرداری عبداللہ بن ابی کو حاصل تھی اس کے عزو شرف اور جاہ وجلال میں قوم کے دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں تھا۔ اسلام کی آمد تک' اس سے پہلے اور اس کے بعد' اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے بجز اس کے کسی شخص کی سیادت پر جمع نہیں ہوتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں اوس میں بھی ایک آدمی ایسا تھا' جس کو اپنی قوم میں عزو شرف اور جاہ وجلال حاصل تھا' قوم اس کی ہر بات پر' آمنا وصدقنا' کہتی تھی۔ اور وہ ابوعامر عبد بن عمرو بن صیفی بن نعمان تھا۔ یہ جنگِ اُحد میں شہید ہونے والے ممتاز صحابی حنظلہؓ غسیل الملائکہ کا باپ تھا۔ جاہلیت میں اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کا لباس پہن لیا تھا' اس لیے اس کو "راہب" کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کو راہب مت کہو' بلکہ "فاسق" کہو۔ یہ دونوں اپنے عزو شرف کی وجہ سے بدبختی اور شقاوت کا شکار ہوئے اور ان کی عزو جاہ نے ان کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچایا' دنیا میں دائمی لعنت اور آخرت میں ہمیشہ جہنم کا مستحق بنا دیا۔

عبداللہ کی قوم تو اس کے لیے موتیوں کا مرصع تاج تیار کر رہی تھی اور ایک متعین تاریخ میں تاجپوشی کی رسم ادا کر کے اس کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی' لیکن وہ ابھی اس کی تیاری میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے اپنا کام دکھا دیا —— رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر تمام اہلِ مدینہ اسلام کی طرف راغب ہو گئے' اور یوں عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ عبداللہ نے یہ دیکھا تو اس کے دل میں حسد اور کینہ پیدا ہوا' اور اس نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ملک چھین لیا ہے۔ تاہم جب ساری قوم ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی' تو بظاہر وہ بھی مسلمان ہو گیا' لیکن تاحیات حسد و کینہ اور نفاق پر قائم رہا اور ہر ممکن طریقے سے ہر موقعہ پر آپ سے دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ رہا ابوعامر' تو اس نے جب دیکھا کہ اس کی ساری قوم بالاتفاق اسلام میں داخل ہو گئی ہے' تو اس نے قوم سے جدائی اور کفر کی راہ اختیار کی اور دس سے زیادہ آدمی لے کر مکہ چلا گیا۔ مکہ جانے سے پہلے اس نے آنحضرت ﷺ سے آ کر پوچھا "تم یہ کیا دین لائے ہو؟" آپ نے فرمایا' "میں دینِ حنیف' ابراہیم علیہ السلام کا دین لایا ہوں" بولا "اس دین پر تو میں ہوں" آپ نے فرمایا' "تم اس دین پر نہیں ہو" بولا "کیوں نہیں! اے محمدؐ! تو نے دینِ ابراہیمؑ میں بدعات داخل کر دی ہیں' جو اس میں نہیں ہیں"۔ آپ نے فرمایا "میں نے ایسا نہیں کیا' بلکہ میں تو ابراہیمؑ کا صاف ستھرا اور بدعتوں سے پاک دین لایا ہوں"۔ اس نے کہا' "جھوٹے کو اللہ تعالیٰ اپنی قوم اور ملک سے دُور ذلت کی موت مارے گا" اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ العیاذ باللہ! —— تاہم بڑے تحمل سے آپ نے فرمایا "ہاں! یہ ٹھیک ہے جو جھوٹا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا ہی

کرے گا۔ درحقیقت وہی اللہ کا دشمن ایسا تھا اور اس کو یہی سزا ملی۔ پہلے مکّہ کی طرف بھاگا وہ فتح ہو گیا تو طائف چلا گیا۔ جب اہلِ طائف اسلام لے آئے، تو شام کی طرف بھاگ گیا اور وہیں ہلاک ہوا۔

رہا عبداللہ، تو پہلے اپنی قوم کے متعلق شبہ اور تردّد میں مبتلا رہا جب وہ اسلام لے آئی، تو یہ بھی طوعاً و کرہاً اسلام میں داخل ہو گیا۔

عبداللہ کی نفرت اور دشمنی

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے، سعد بن عبادہؓ بیمار تھے اور ایک دن آپؐ ان کی بیمار پرسی کے لیے گدھے پر سوار ہوئے، جس پر لکڑی کی زین تھی۔ اس پر فدک کی بنی ہوئی ایک چادر تہ کر کے ڈالی ہوئی تھی اور گدھے کی لگام کھجور کے ریشوں سے بنی ہوئی تھی۔ آپؐ نے مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آپؐ عبداللہ بن ابی کے محلہ سے گزرے، تو اس کو اپنے محل "مزاحم" کے سایہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا اس کے اردگرد اس کی قوم کے آدمی بیٹھے ہوتے تھے۔ آپؐ نے کچھ دیر وہاں ٹھیرے بغیر آگے جانا مناسب نہ سمجھا، اس لیے گدھے سے اتر پڑے۔ ان کو سلام کہا اور مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔ پھر قرآن پڑھا، اللہ کی طرف دعوت دی، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوشخبری سنائی اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔ عبداللہ اس عرصہ میں تکبّر سے سر اونچا کیے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔ جب آپؐ وعظ و نصیحت سے فارغ ہوئے، تو کہنے لگا "اے جناب! اگر تمہاری بات حق ہو، تو بہت خوب ہے مگر اپنے گھر بیٹھئے، جو تمہارے پاس آتے، اسے سنائیے جو نہ آئے، اس کے گھر اور مجلس میں آکر پریشان نہ کیجئے۔" یہ سُن کر عبداللہؓ بن رواحہ اور دوسرے مسلمان، جو اس مجلس میں موجود تھے، بولے "یارسول اللہ! آپؐ ہمارے گھروں اور مجلسوں میں ضرور تشریف لائیں بخدا! ہم اسلام کی باتیں سُننا پسند کرتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی اور ہدایت دی ہے۔" عبداللہ بن ابی نے اپنی مخالفت میں جب اپنی قوم کی یہ باتیں سنیں، تو انتہائی یاس اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا ؎

متیٰ مایکن مولاک خصمک لاتزل تذل و یصرعک الذین تصارع

"جب تیرا چچا زاد بھائی ہی تیرا دشمن بن جائے، تو تو ذلیل ہو جاتے گا اور تجھے وہ لوگ پچھاڑ دیں گے، جن کو تو پچھاڑا کرتا تھا۔"

وہل ینہض البازی بلغیر جناحہ وان جذ یوماً ریشہ فہو واقع

"کیا کوئی باز بغیر پَروں کے اُڑ سکتا ہے، اگر اس کے پَر کاٹ دیئے جائیں، تو وہ بالضرور گر پڑے گا۔"

ابنِ ہشام کہتے ہیں، یہ دوسرا شعر ابنِ اسحاق کے علاوہ کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

ابنِ اسحاق اپنی حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: پھر آپؐ وہاں سے اُٹھ کر سعدؓ بن عبادہ کے گھر آئے۔ انہوں نے آپؐ کے چہرے پر اللہ کے دشمن، عبداللہ بن ابی کی درشت باتوں کا اثر دیکھ کر کہا "خدا کی قسم! میں آپؐ کے چہرے پر کچھ ایسے آثار دیکھتا ہوں جیسے آپؐ کو کسی نے ناگوار باتیں کہی ہیں" آپؐ نے فرمایا "ہاں"! پھر آپؐ نے عبداللہ بن ابی کی باتیں ذکر کیں، سعدؓ نے کہا "یا رسُول اللہ! اس کا کچھ خیال نہ کیجیے، بلکہ نرمی سے کام لیجیے۔ بخدا! آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائے، تو ہم اس کی تاجپوشی کے لیے موتیوں سے مرصع تاج تیار کر رہے تھے آپؐ کی تشریف آوری سے حالات ہی بدل گئے، اور وہ بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپؐ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔"

میں کہتا ہوں، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسامہؓ سے اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے مگر وہ ابن اسحاق کی روایت سے مفصل ہے۔ اس میں ہے کہ آپؐ نے اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ اس میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ بدر اور عبداللہ بن ابی کے بظاہر مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ اس مجلس میں مسلمان، بُت پرست، مشرک اور یہود ملے جُلے لوگ تھے۔ اس میں ہے کہ جب گدھے کا غبار مجلس میں پہنچا، تو عبداللہ نے اپنی چادر سے اپنی ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا "ہم پر غبار نہ اڑاؤ"۔ اس میں ہے کہ مسلمان، مشرک اور یہود آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے، اور قریب تھے کہ آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے بڑی مشکل سے ان کو سمجھا بجھا کر چپ کرایا۔ اس میں ہے کہ سعدؓ بن عبادہ نے کہا "یا رسُول اللہ! اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں، اس خدا کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ وہ حق لے آیا، جو اس نے آپؐ پر اُتارا ہے جس کے سبب ساری دُنیا آپؐ کی طرف پلٹ گئی ورنہ اس کے علاقے کے لوگوں نے بالاتفاق یہ قرارداد منظور کر لی تھی کہ اس کو تاج پہنائیں اور اس کے سر پر سیادت کی پگڑی باندھ دیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کی وجہ سے جو آپؐ کو عطا فرمایا ہے، اس کا یہ خواب پریشان کر دیا تو اس کا دم گھٹ گیا، اس لیے اس نے اس قسم کی گھٹیا باتیں کی ہیں" سعدؓ کی یہ تقریر سُن کر آپؐ نے اس کو معاف کر دیا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، رسُول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ مشرکوں اور اہلِ کتاب کی اذیت ناک باتیں سُن کر معاف کر دیا کرتے تھے اور صبر سے کام لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ

قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا ۚ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (آلِ عمران : ۱۸۶)

یعنی تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو یہی سب سے بڑا پختہ کام ہے" نیز فرمایا: "وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا" ـــــ اِلٰى قَوْلِهٖ "فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ[1] ۔ یعنی "بہت سے اہلِ کتاب حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں کافر بنادیں۔ تم ان کو معاف کردو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی نیا حکم بھیج دے۔" آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم سے معافی اور درگزر سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی۔ جب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے جنگِ بدر لڑی اور اس میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک بُت پرست ساتھیوں نے کہا "یہ دین اب چل نکلا ہے اور اس کا راستہ روکنا محال ہے" یہ سوچ کر ایمان لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

فصل

مدینے کے وبائی امراض

ابنِ اسحاق حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بخار اور دوسری وبائی بیماریاں بہت پھیلی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ان بیماریوں سے محفوظ رہے مگر آپؐ کے صحابہؓ نے ان سے بڑی تکلیف اٹھائی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں آزاد کردہ غلام عامرؓ بن فہیرہ اور بلالؓ ایک مکان میں رہتے تھے اور تینوں بخار میں مبتلا ہوگئے۔ پردہ اترنے سے پہلے میں ان کی بیمار پرسی کے لیے آئی۔ ان کو اتنا تیز اور شدید بخار تھا کہ الامان الحفیظ! میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور پوچھا "اباجی! آپ کا کیا حال ہے؟" بولے ؎

کل امریٔ مصبح فی اہلہ والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

"ہر آدمی کو گھر پر صبح بخیر کہا جاتا ہے لیکن موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔" عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے کہا "میرے باپ کو تو شدتِ بخار کی وجہ سے کچھ ہوش نہیں کہ کیا کہتا ہے۔"

[1] البقرۃ : ۱۰۹

پھر میں عامرؓ بن فہیرہ کے پاس آئی اور ان سے پوچھا "عامر! کیا حال ہے" تو وہ بولے ؎

لقد وجدت الموت قبل ذوقہ ۔۔۔ ان الجبان حتفہ من فوقہ

"میں تو موت کا مزا چکھنے سے پہلے ہی مرا ہوا ہوں بلاشبہ بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے۔"

کل امرئ مجاہد بطوقہ ۔۔۔ کالثور یحمی جلدہ بروقہ

"ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق جہاد کرتا ہے جیسے بیل اپنے چمڑے کو اپنے سینگ سے بچاتا ہے۔"

عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے کہا "عامر کو کچھ ہوش نہیں کہ کیا کہے؟"

کہتی ہیں جب بلالؓ کا بخار اترتا تو گھر کے صحن میں لیٹ جاتے اور اپنی کمزور اونچی آواز سے کہتے ؎

الا لیت شعری ہل ابیتن لیلۃ ۔۔۔ بفخ وحولی اذخر وجلیل

"کاش! مجھے معلوم ہو جاتے کہ کیا کوئی ایسی رات آئے گی جو میں "فخ" جگہ میں گزاروں اور میرے اردگرد "اذخر" اور "جلیل" گھاس لہرا رہے ہوں۔"

وہل اردن یوما میاہ مجنۃ ۔۔۔ وہل یبدون لی شامۃ وطفیل

"اور کیا میں کبھی کسی دن مجنہ کے حوض پر پہنچوں گا اور کیا کبھی میرے سامنے مکہ کے "شامہ" اور "طفیل" پہاڑ ظاہر ہوں گے۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے ان سے جو کچھ سنا، رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا اور کہا "وہ شدتِ بخار سے ہذیان میں مبتلا ہیں اور ان کو کچھ ہوش نہیں ہے۔" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے یہ سن کر یوں دعا فرمائی: "الٰہی! مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے بھی زیادہ، مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر اور ہمارے لیے اس کے مُد اور صاع میں برکت عطا فرما اور یہاں کی بیماری "مہیعہ" میں منتقل کر دے۔" اور مہیعہ جحفہ کا دوسرا نام ہے۔

جنگ کی اجازت اور جنگی کارروائیوں کی ابتدا

ابن اسحاق لکھتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تیاری کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پہلے قریب کے مشرکین عرب سے لڑائی کا آغاز کیا۔ آپؐ مدینہ تشریف لانے کے بعد ربیع الاول کے باقی دن، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم مدینہ میں ٹھیرے اور بارھویں مہینے صفر میں جہاد کے لیے نکلے۔ اور اپنے بعد سعدؓ بن عبادہ کو مدینہ کا نائب مقرر کیا۔ آپؐ ودان تک پہنچے۔ اس کو غزوہ "ابواء" بھی کہتے ہیں۔ آپؐ کا قریش اور بنو کنانہ میں سے بنو ضمرہ سے ملنے

کا ارادہ تھا مگر جنگ کی نوبت نہ آئی اور آپؐ بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے صلح کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر آپؐ صفر کے باقیماندہ اور ربیع الاوّل کے ابتدائی دن گھر ہی رہے یہ پہلا غزوہ ہے، جس میں آپؐ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابو اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپؐ کا پہلا غزوہ "ابواء" ہے لیکن ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں یہ دونوں مقام قریب قریب ہیں کسی نے ایک کا نام لے لیا ہے، تو دوسرے نے دوسرے کا نام لیا ہے۔

سفر سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے عبیدہؓ بن حارث کو ۶۰ یا ۸۰ مہاجر سوار دے کر قریش کے مقابلہ کے لیے بھیجا اُن میں انصار کا کوئی آدمی شریک نہیں تھا۔ عبیدہؓ حجاز میں مرہ نامی گھاٹی کے نیچے پانی کے ایک جوہڑ تک گئے اور قریش کی ایک بھاری جمعیت سے ملے، مگر بیچ بچاؤ کی وجہ سے لڑائی تک نوبت نہیں پہنچی ہاں سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک تیر چلایا تھا، جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سب سے پہلا تیر ہے۔ اس دن مقدادؓ بن عمرو بہرانی حلیف بنی زہرہ اور عتبہؓ بن غزوان بن جابر مازنی مشرکوں کی قید سے بھاگ کر مسلمانوں سے آملے یہ پرانے مسلمان تھے، مگر اس دن سے پہلے مسلمانوں کے پاس آنے پر قادر نہیں ہو سکے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں یہ اسلام میں پہلا جھنڈا تھا، جو آپؐ نے عبیدہؓ بن حارث کے حوالے کیا تھا پھر اسی جگہ آپؐ نے حمزہؓ بن عبد المطلب کو ۳۰ مہاجر سوار دے کر بھیجا اُن میں انصار کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ حضرت حمزہؓ عیص کی جانب ساحل سمندر تک گئے اور ساحل پر ان کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی، جو اہل مکہ کے تین سو سواروں میں وہاں موجود تھا لیکن مجدی بن عمرو جہنی کی مساعی سے لڑائی نہیں ہوئی۔ مجدی کے فریقین کے ساتھ دوستانہ معاہدے تھے، لہٰذا دونوں فریق اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا جھنڈا آپؐ نے حضرت حمزہؓ کے لیے باندھا تھا اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حمزہؓ کا لشکر اور عبیدہؓ کا لشکر دونوں ایک زمانہ میں بھیجے گئے تھے جس وجہ سے لوگوں کو اشتباہ ہو گیا ہے۔ صاحب "الہدیٰ" نے حمزہؓ، عبیدہؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکروں کا غزوۂ ابواء سے پہلے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم!

غزوۂ بواط

پھر آپؐ مدینہ منورہ آنے کے بعد دوسرے سال کے شروع میں ربیع الآخر کے مہینے میں قریش کے

مقابلہ کے لیے نکلے مدینہ پر سائبؓ بن مظعون کو عامل مقرر کیا آپؐ رضوی پہاڑ کی جانب بواط تک گئے۔ اور ربیع الآخر کے آخری اور جمادی الاولیٰ کے ابتدائی دن وہاں رہے پھر واپس آ گئے اور لڑائی نہیں ہوئی۔

غزوۂ عشیرہ

پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ آنے کے سولہ مہینے بعد جمادی الاخریٰ میں ۱۵۰ اور بعض کہتے ہیں کہ ۲۰۰ مہاجرین لیکر نکلے آپؐ کا جھنڈا حمزہؓ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اور مدینہ پر ابو سلمہؓ بن عبدالاسد کو نائب مقرر کیا تھا۔ اس سفر میں کسی کو نکلنے پر مجبور نہیں کیا تھا ان کے پاس تیس اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ قریش کے شام کو جانے والے ایک قافلہ کو پکڑنا مقصود تھا آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ قافلہ قریش کا بہت سامال لے کر مکہ سے روانہ ہو گیا ہے آپؐ ینبع کی جانب مقام عشیرہ یا عشیرا یا "سین" کے ساتھ "عسیرہ" میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ آپؐ کے پہنچنے سے چند دن پہلے نکل گیا ہے۔ یہ وہی قافلہ ہے جس پر شام سے واپسی پر آپؐ نے حملہ کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر یا فوج پر غلبہ دینے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا اسی سفر میں آپؐ نے بنو مدلج اور ان کے حلیف بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آٹھ مہاجروں کے ایک سریہ پر سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر مقرر کر کے بھیجا یہ حجاز کے علاقہ میں مقام خرار تک پہنچے اور بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے۔

بدرِ اولیٰ

ابنِ اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ غزوۂ عشیرہ سے واپس آنے کے بعد ابھی مدینہ میں دس رات بھی نہیں ٹھیرے تھے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے اونٹوں پر حملہ کر دیا اور ان کو ہانک کر لے گیا رسول اللہ ﷺ مدینہ پر زیدؓ بن حارثہ کو نائب مقرر کر کے اس کی تلاش میں نکلے بدر کی جانب وادی سفوان تک پہنچے کرز بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا وہاں سے آپؐ مدینہ منورہ واپس آ گئے اور لڑائی وغیرہ نہیں ہوئی۔

سریۂ عبداللہؓ بن جحش

پھر آپؐ واپس آنے کے بعد تین مہینے جمادی الاخریٰ، رجب اور شعبان مدینہ منورہ میں رہے اور ہجرت

کے سولہویں مہینے رجب میں آپؐ نے عبداللہؓ بن جحش کو بارہ مہاجروں کے ایک سریّہ پر امیر مقرر کر کے قریش کے ایک قافلہ کی تلاش میں مقامِ نخلہ میں بھیجا۔ اس سریّہ میں چھ اونٹ تھے اور ہر اونٹ پر دو دو آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ یہ قافلہ کی تلاش میں بطنِ نخلہ تک پہنچے۔ اسی سریّہ میں عبداللہؓ بن جحش کو "امیر المؤمنین" کہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ملفوف مکتوب دے کر حکم دیا تھا کہ اس کو دو دن سفر کرنے کے بعد کھولنا اور اس میں درج شدہ ہدایات پر عمل کرنا۔ دو دن کے بعد جب انہوں نے یہ مکتوب کھولا تو اس میں درج تھا: "میرا یہ مکتوب پڑھ کر سفر جاری رکھو۔ مکہ اور طائف کے درمیان مقامِ نخلہ میں قریش کے قافلہ کی دیکھ بھال کرو اور اس کے پورے حالات معلوم کر کے ہمیں اطلاع دو۔" عبداللہؓ نے خط پڑھ کر "سمعاً و طاعةً" کہا اور اپنے رفقاء کو اس کی خبر دی نیز کہا کہ وہ ان کو مجبور نہیں کرتے۔ جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ چلے اور جو موت سے ڈرتا ہے وہ واپس چلا جائے لیکن سب اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی تلاش کے لیے پیچھے رہ گئے۔ عبداللہ اور ان کے باقی ساتھی آگے چلے گئے اور مقامِ نخلہ میں پہنچ کر قیام کیا۔ قریش کا قافلہ بھی منقہ، چمڑہ اور تجارت کے دوسرے سامان سے لدا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اس قافلہ میں عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں بیٹے عثمان اور نوفل اور بنو مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان قافلہ سالار تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے۔ اگر لڑتے ہیں تو مہینے کی حرمت ٹوٹتی ہے اور نہیں لڑتے تو وہ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آخر انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ کسی آدمی نے عمرو بن حضرمی پر تیر پھینکا اور اس کو قتل کر دیا۔ عثمان اور حکم کو قیدی بنا لیا اور نوفل بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور یہ دو قیدی اور تجارتی قافلہ لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ اور قیدی قبول کرنے سے انکار

ابن اسحاق نے کہا ہے: عبداللہ بن جحش کی اولاد میں سے کسی نے کہا ہے کہ عبداللہؓ بن جحش نے اپنے رفقاء سے کہا جو غنیمت ہم نے حاصل کی ہے اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا (حصہ) خمس ہے۔ اسلام میں یہ پہلا خمس، پہلا مقتول اور پہلا ہی قیدی تھا۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: "میں نے تمہیں حرمت والے مہینہ میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔" اس لیے آپؐ نے قافلہ اور دونوں قیدی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس سلسلہ میں توقف اختیار کیا۔ جب آپؐ نے یہ فرمایا تو اہلِ سریّہ بہت نادم ہوئے اور

سمجھے کہ وہ حرمت والے مہینے کی حرمت توڑ کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ ان کو دوسرے مسلمانوں نے بھی سخت ملامت کی، ادھر قریش کی سختی اور تشدد کی تو کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ پر طعن کرنے کا موقعہ ہاتھ آگیا کہ انہوں نے حرمت والے مہینہ کی حرمت کو توڑا ہے اور اس میں خونریزی اور سفاکی کو حلال جانا ہے۔ ادھر یہود نے بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف فالیں نکالنی شروع کیں، کہنے لگے "عمرو بن حضرمی قتلہ واقد بن عبداللہ" یعنی "عمرو" سے "لڑائی کا جوان ہونا"، "حضرمی" سے "لڑائی کا حاضر ہونا" اور "واقد" سے "لڑائی کی آگ کا جلانا" ثابت ہوتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو ان کے حق میں ہونے کی بجائے ان کے خلاف کر دیا ہے۔ جب اس سلسلہ میں لوگوں کی قیل و قال حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر قرآن مجید کی آیت نازل فرمائی: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ"[1] یعنی آپؐ سے "شہر حرام" میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، تو آپؐ کہہ دیجئے: اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ فساد بپا کرنا قتل سے سخت برا ہے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں جس امر کا تم نے مسلمانوں پر انکار کیا ہے، وہ اگرچہ بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، اس کے راستہ سے روکنا، مسجد حرام سے اس کے رہنے والے مسلمانوں کو نکالنا، شرک کرنا اور ملک میں فتنہ و فساد بپا کرنا جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بڑھ کر سنگین جرم ہے۔ اکثر سلف صالحین نے یہاں فتنہ کا معنیٰ شرک کیا ہے لیکن اسلام لانے پر مسلمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا اور ان کو مار پیٹ کر دین سے برگشتہ کرنا بھی اس کا معنیٰ اور تفسیر ہے۔

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان عدل و انصاف کی بات کی ہے۔ اس نے اپنے دوستوں کو حرمت والے مہینے میں لڑائی کے جرم سے بری نہیں کیا، بلکہ کہا ہے کہ انہوں نے بڑا گناہ کیا ہے لیکن جن گناہوں کا ارتکاب اس کے دشمن مشرک کرتے ہیں، وہ ان کے صرف حرمت والے مہینہ میں لڑنے سے کہیں زیادہ سنگین اور بدرجہا بڑا ہے اس لیے وہ مذمت اور سزا کے زیادہ مستحق ہیں۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں، جب قرآن حکیم میں یہ آیت اتری، تو مسلمانوں کا غم دور ہوا اور رسول اللہ ﷺ

---

[1] البقرة: ۲۱۷

نے تجارتی قافلہ اور دونوں قیدی وصول کر لیے۔ قریش نے دونوں قیدیوں کا فدیہ ادا کیا۔ حکم بن کیسان نے اسلام قبول کیا اور مخلص مسلمان ثابت ہوئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں ٹھہر گئے اور واقعہ بئر معونہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ لیکن عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ جب قرآن مجید کے اترنے کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا غم و اندیشہ دور ہو گیا تو انہوں نے جہاد کے ثواب میں طمع کی اور کہنے لگے "یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں اس غزوہ میں مجاہدین کا ثواب ملے گا؟" اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ"[1] "بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت اور جہاد کیا اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔" اس واقعہ کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض کہتے ہیں عبداللہ بن جحش نے یہ اشعار کہے ؎

(۱) "تم حرم میں قتل کو ایک عظیم جرم سمجھتے ہو حالانکہ اگر عقلمند آدمی عقل سے کام لے تو اس کے نزدیک تمہارا محمد ﷺ کے فرمان سے رک جانا، اس کے ساتھ کفر کرنا جب کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے ۔"

(۲) "۔اور اللہ تعالیٰ کی مسجد سے اس کے رہنے والوں کا نکال دینا تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کو سجدہ کرنے والا کوئی نہ رہے، اس سے بڑھ کر عظیم جرم ہے۔"

(۳) "اگرچہ تم اس کے قتل پر ہمیں عار دلاتے ہو اور حاسد اور باغی بھی اسلام کے خلاف خوب پراپگنڈہ کرتے ہیں

(۴) ۔ہم نے بھی مقامِ نخلہ میں جب واقد نے لڑائی کی آگ روشن کی، ابن حضرمی کے خون سے اپنے نیزوں کو خوب سیراب کیا۔"

(۵) "اور عثمان بن عبداللہ کو بحالتِ قید ہمارے درمیان چمڑے کے مضبوط طوق کھینچتے رہے۔"

فصل

قبلہ کا بیت المقدس سے مکہ کی طرف منتقل ہونا

جب آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ آئے ہوئے سترہ یا اٹھارہ یا سولہ مہینے پورے ہو گئے تو ماہ شعبان میں قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف بدل دیا گیا۔ کسی نے اس سے کم یا اس سے زیادہ عرصہ نہیں بتایا۔ ابن حزم کہتے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے کہ کعبہ کی طرف سب سے پہلے سعید بن معلی انصاری نے نماز پڑھی۔ انہوں نے

[1] البقرۃ : ۲۱۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ پر خطبہ دیتے ہوئے سنا تو کھڑے ہو کر دو رکعت پڑھ لی۔

آپؐ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آپؐ کا قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے، چنانچہ ایک دفعہ جبرائیلؑ سے کہا "مَیں چاہتا ہوں کہ یہودیوں کے قبلہ سے منہ پھیر لوں"۔ جبرائیلؑ نے جواب دیا "مَیں تو حکم کا بندہ ہوں، اپنے آپ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنے رَبّ سے دعا کیجیے!" اس کے بعد آپؐ کا معمول ہو گیا کہ آپؐ اس انتظار میں اکثر آسمان کی طرف اپنا منہ اٹھاتے تھے، ایک دن یہ آیت نازل ہوئی: "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ الآیۃ[1]" یعنی "ہم تیرے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا دیکھتے ہیں"۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی، اور آپؐ کو یہ بات پسند تھی کہ آپؐ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ آپؐ نے بیت اللہ کی طرف عصر کی نماز پڑھی، ایک آدمی جس نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، ایک مسجد پر گزرا، وہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، اس نے کہا: "مَیں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے" وہ یہ سن کر اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ میں بہت سے آدمی فوت ہو گئے تھے، صحابہؓ نے کہا: معلوم نہیں، ہم ان کے متعلق کیا کہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ الآیۃ[2]" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری نماز ضائع نہیں کرے گا"۔

صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا "آج رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترا ہے اور آپؐ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے تم بھی اسی کی طرف منہ کر لو"۔ پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے، یہ سُن کر انہوں نے اپنے منہ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ناسخ پر عمل کرنا معلوم ہونے کے بعد واجب ہے، خواہ اس کا نزول پہلے ہی ہو چکا ہو، کیونکہ ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

صاحب الہدیٰ کہتے ہیں: پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر اس کو کعبہ کی طرف پھیرنے میں عظیم حکمتیں، اور مسلمانوں، مشرکوں، اہلِ کتاب اور منافقوں کا امتحان ہے۔ مسلمانوں نے تو یہ حکم سُن کر سمعنا و اطعنا کہا، یعنی "ہم نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا اور فرمانبرداری کی"، اور کہا "ہم اس پر ایمان لائے ہیں، دونوں حکم ہی ہمارے رَبّ کی طرف سے ہیں"، اس لیے ان پر قبلہ کا بدلنا گراں نہیں گزرا۔ مشرکوں نے کہا "جس طرح یہ ہمارے قبلہ کی

---

[1] البقرۃ: ۱۴۴ [2] البقرۃ: ۱۴۳

طرف لوٹ آیا ہے، تھوڑے دنوں تک ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ آئے گا۔" یہودیوں نے کہا: "اس نے انبیاءؑ کے قبلہ کی مخالفت کی ہے۔" منافقوں نے کہا: "محمدؐ کو پتہ نہیں کہ کدھر منہ کرے؟ اگر پہلا قبلہ برحق تھا تو اس نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اگر دوسرا قبلہ برحق ہے، تو پہلے باطل پر تھا۔" غرض بے وقوفوں نے اس سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر باتیں کیں، اور یہ قبلہ ان کے حق میں اسی طرح ثابت ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾[1] "یعنی ہدایت یافتہ لوگوں کے علاوہ، تحویلِ قبلہ سب پر شاق ہے۔"

دراصل تحویلِ قبلہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا امتحان لیا ہے کہ رسولؐ کی تابعداری کون کرتا ہے؟ اور اس سے انکار کون کرتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بے وقوفوں کو جواب دیا: ﴿قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾[2] "اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ کہہ دیجیے کہ "مشرق اور مغرب اللہ کا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔" یعنی حکم اور تصرف سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جدھر ہمارا منہ کر دے گا، ہم اپنا منہ ادھر ہی کر لیں گے اگرچہ وہ ہمیں ہر روز کئی مرتبہ مختلف جہتوں کی طرف پھیر دے، کیونکہ ہم اس کے بندے اور اس کے خادم ہیں اور اس کے تصرّف کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار تکرار کر کے اس حکم کی تاکید کی ہے کہ اللہ کا رسولؐ جہاں ہو اور جہاں سے نکلے، ادھر ہی منہ کرے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اس نے ان کو اس قبلہ کی ہدایت کی ہے کہ یہ ان کا قبلہ ہے اور یہی اس کو ماننے والے ہیں۔ کیونکہ یہ سب سے افضل اُمت ہے اور یہ سب قبلوں سے افضل قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے افضل قبلہ، افضل اُمت کے لیے اختیار کیا ہے جس طرح ان کے لیے افضل رسولؐ اور افضل کتاب پسند فرمائی ہے، ان کو بہتر زمانہ میں پیدا کیا ہے اور ان کو سب شریعتوں سے افضل شریعت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان کو بہترین اخلاق عطا فرمائے ہیں، بہترین زمین میں آباد کیا ہے اور جنت میں ان کے لیے بہترین گھر بنائے ہیں جنت میں ان کے ٹھہرنے کی جگہ سب سے بہتر جگہ ہے یہ اونچے اور بلند ٹیلے پر ہوں گے، اور دوسرے لوگ ان سے نیچے ہوں گے۔ پس وہ ذات پاک ہے، جو اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

امام احمدؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "یہودی ہم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا جمعہ پر حسد کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ اس سے گمراہ ہوئے اور اسی طرح جتنا حسد قبلہ پر کرتے ہیں، اور کسی چیز پر نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی

---

[1] البقرۃ: ۱۴۳ [2] البقرۃ: ۱۴۲

طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور وہ گمراہ ہوئے اور امام کے پیچھے "آمین" کہنے پر بھی ہم سے بہت حسد کرتے ہیں"۔
اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہے لیکن ظالم اور باغی لوگ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا اور رسولوں کا معارضہ اسی قسم کی باطل دلیلوں سے کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے اس لیے کیا ہے تاکہ ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کرے اور ان کو سیدھی راہ دکھائے پھر اس نے ان کو اپنی یہ نعمت یاد کرائی ہے کہ ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ ان کو پاک کرے، کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو ان باتوں سے آگاہ کرے جن کو وہ نہیں جانتے پھر اس نے ان کو اپنے ذکر اور شکر کا حکم دیا ہے اور ان کو بتایا ہے کہ یہ چیزان کو نماز اور صبر کے ساتھ حاصل ہوگی۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن!

فصل

رمضان کی فرضیت

ابن سعد اور واقدی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ۱۸ ماہ بعد شعبان میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ہوئی اور اس کے ایک مہینہ بعد رمضان المبارک فرض ہوا اور عید سے دو دن پہلے صدقۃ الفطر فرض ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع منقہ صدقۃ الفطر ادا کیا جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مرد اور عورت، آزاد غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقۃ الفطر فرض کیا پھر لوگوں نے ایک صاع کے بدلے گیہوں کا نصف صاع دینا شروع کر دیا۔ دمیاطی کہتے ہیں یہ مال کی زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی اسی سال فرض ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے فرض ہوئی تھی واللہ اعلم۔ اور اس کی تائید امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو قیسؓ بن سعد سے لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے دیا تھا جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو پھر آپؐ نے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا اور نہ منع کیا لیکن ہم صدقۃ الفطر ادا کرتے ہیں صاحب الفروع نے کہا ہے اس کی سند جید ہے۔

بدر کی بڑی لڑائی

یہ تمام جنگوں سے افضل اور اعلیٰ جنگ ہے اور یہی یوم الفرقان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قلت اور دشمن کی کثرت کے باوجود اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت بخشی اور شرک اور اہلِ شرک کو ذلیل و خوار کیا حالانکہ اس جنگ میں کفار لوہے کی زرہوں میں ملبوس، کامل اسلحہ کے ساتھ تیار، قیمتی گھوڑوں پہ سوار اور حد سے بڑھے ہوئے تکبر میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو غالب، آپؐ کی وحی اور کتاب کو ظاہر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے چہروں کو روشن کیا اور شیطان اور اس کی قوم کو ذلیل اور رسوا کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر نظر ڈالی اور فرمایا: "جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

صحیح بخاری میں معاذ بن رفاعہ بدریؓ سے روایت ہے کہ جبرائیلؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "آپ لوگ اپنے میں اہلِ بدر کو کیسا خیال کرتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "افضل ترین مسلمان سمجھتے ہیں۔" فرمانے لگے: "ہم بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو اپنے میں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔" رافعؓ کے باپ جنگِ بدر کی بجائے لیلۃ العقبہ میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے بیٹے سے کہتے تھے: مجھے یہ پسند نہیں کہ میں لیلۃ العقبہ کی بجائے جنگِ بدر میں حاضر ہوتا۔

مسلمان انیسویں مہینے میں رمضان المبارک کی ۱۲ تاریخ اور ایک قول کے مطابق ۸ تاریخ کو مدینہ سے نکلے تھے۔ اس دفعہ آپؐ نے مدینہ میں ابولبابہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس دفعہ انصار بھی پہلی دفعہ آپؐ کے ساتھ تھے، اس سے پہلے وہ جنگ کے لیے کبھی نہیں گئے تھے نیز یہ جنگ مسلمانوں کو بلا قصد اور تاریخ مقرر کیے بغیر لڑنی پڑی تھی جیسا کہ قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے: ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ﴾[1] یعنی "اگر تم ایک دوسرے کے ساتھ تاریخ مقرر کر کے لڑتے تو اے مسلمانو! تم (اپنی قلت اور بے سروسامانی کی وجہ سے ضرور) وعدہ خلافی کرتے (اور وقتِ مقرر پر میدانِ جنگ میں نہ پہنچتے)"!

اس کا سبب یہ ہوا کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان شام سے ایک تجارتی قافلہ لا رہا ہے جس میں قریش نے بہت مال صرف کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو بتایا کہ اس قافلہ میں بے شمار مال ہے اور آدمی بہت تھوڑے ہیں اس لیے اس پر کامیاب چھاپہ مارنا آسان ہے تیار ہو جاؤ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہیں یہ غنیمت عطا

---

[1] الانفال: ۴۲

کرے یہ سُن کر کچھ لوگ تو فوراً تیار ہو گئے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ لڑائی نہیں ہو گی سُستی کا مظاہرہ کیا اس لیے جن لوگوں کی سواریاں گھر پر موجود تھیں ان کو تین سو اور دس سے کچھ زیادہ آدمیوں کو لے کر بہت جلدی روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک مقدادؓ کے پاس اور دوسرا زبیر بن عوامؓ کے پاس تھا۔ اس سفر میں آنحضرت ﷺ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو مرثد غنویؓ کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر یہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب ابوسفیان کو پتہ چلا کہ مسلمان اس کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے فی الفور ضمضم بن عمرو غفاری کو گرانقدر اُجرت دے کر قریش کی طرف بھیجا کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسے بچانے کے لیے جس قدر ممکن ہو جلدی آؤ چنانچہ وہ تقریباً ایک ہزار آزمودہ کار جانباز لے کر قافلہ کی امداد کے لیے نکلے۔ ان کے پاس ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے ان میں اس قدر جوش اور اشتعال تھا کہ سوائے ابولہب کے مکہ کا کوئی سردار پیچھے نہیں رہا۔ ابولہب نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا نیز انہوں نے مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل کو بھی اپنی امداد کے لیے جمع کیا قریش کے قبائل میں صرف عدی بن کعب کے قبیلہ نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے، قریش لوگوں پر اپنی بالا دستی ظاہر کرنے کے لیے بڑے غرور سے نکلے "بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ"[1] وہ کہتے تھے کیا محمدؐ اور اس کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ابنِ حضرمی کے قافلہ کی طرح تر نوالہ ہے جس کو آسانی کے ساتھ نگل لیں گے، جب چلنے لگے تو ان کو اپنی اور بنو بکر بن عبد مناۃ کی باہمی لڑائیوں کی وجہ سے خطرہ محسوس ہوا کہ ہمارے بعد وہ مکہ پر حملہ کر دیں گے اور ہمارے گھر بار لوٹ لیں گے۔ اس وقت شیطان، بنو بکر کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل بن کر آیا اور انہیں یقین دلایا کہ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں بنو کنانہ تمہارے بعد کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جو تمہیں ناپسند ہو۔ چنانچہ وہ بنو بکر کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوئے ادھر رسول اللہ ﷺ کو جو ساتھی موقعہ پر مل سکے ان کو ہمراہ لے کر مدینہ سے نکلے۔ پیچھے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے عمرو بن ام مکتومؓ کو مقرر کیا اور راستہ میں روحاء سے ابو لبابہؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے واپس بھیجا آپؐ نے اپنا سفید رنگ کا جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کو دیا اس کے علاوہ دو جھنڈے، آپؐ کے آگے تھے ایک علیؓ بن ابی طالب اور دوسرا انصار کے ایک آدمی کے پاس تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ دونوں جھنڈے سیاہ رنگ کے تھے۔ آپؐ نے ساقہ پر بنو نجار میں سے قیس بن ابی صعصعہ مازنی کو

---

[1] الانفال: ۴۷

امیر مقرر کیا اور انصار کا جھنڈا سعدؓ بن معاذ کو دیا۔ آپؐ مدینہ سے درج ذیل راستہ سے بدر کے مقام پر پہنچے تھے مدینہ سے نکل کر عقیق، پھر ذوالحلیفہ، پھر ذات الجیش، پھر تربان، پھر ملل، پھر غمیس الحمام، پھر صخرات الیمام، پھر سیالہ، پھر فج الروحا، اور شنوکہ سے ہوتے ہوئے جب مقام عرق الظبیہ پہنچے تو آپؐ کو جنگل میں رہنے والے کچھ آدمی ملے آپؐ نے ان سے قریش کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں ان کے متعلق کوئی علم نہیں آپؐ سجسج پر اترے جو روحا کا ایک کنواں ہے وہاں سے چل کر جب منصرف پہنچے تو آپؐ نے مکہ کی طرف جانے والا راستہ اپنی بائیں طرف چھوڑا اور دائیں طرف نازیہ سے ہوتے ہوئے بدر کی طرف چلے۔ راستہ میں نازیہ اور صفراء کی تنگ گھاٹی کے درمیان وادی رحقان کو عبور کر کے صفراء کی تنگ گھاٹی پر چڑھے جب اس سے اتر کر صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنی حلیف بنی ساعدہ اور عدی بن ابی زغباء جہنی حلیف بنی نجار کو ابوسفیان اور اس کی زیر سرکردگی تجارتی قافلہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا اور خود کوچ کر کے صفراء میں پہنچے تو آپؐ کو بتایا گیا کہ صفراء کے دونوں پہاڑوں میں سے ایک کا نام مسلح اور دوسرے کا نام مخرئ ہے آپؐ نے وہاں رہنے والے لوگوں کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہاں غفار کے دو قبیلے آباد ہیں ایک کا نام بنو نار اور دوسرے کا نام بنو حراق ہے۔ غالباً آپؐ ان دونوں ناموں کو مکروہ جان کر وہاں سے نہیں گزرے بلکہ دائیں جانب مڑ کر وادی ذفران سے ہوتے ہوئے کچھ فاصلہ پر جا کر اتر پڑے وہاں آپؐ کو اطلاع ملی کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے اور قریش اس کی حفاظت کے لیے آ رہے ہیں! ——— چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو قریش کی آمد کی خبر دی اور ان سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور مناسب حال بہت اچھی تقریر کی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بہت اعلیٰ تقریر کی۔ اس کے بعد مقدادؓ بن اسود نے کھڑے ہو کر کہا "اے اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جس کام کا حکم دیا ہے اس کو مکمل کیجیے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم! جس طرح بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا اس طرح ہم نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ[1] یعنی "اے موسیٰ! اپنے ساتھ اپنے رب کو لے جاؤ اور دونوں کفار سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپؐ اپنے رب کو ساتھ لے کر لڑیئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ مل کر لڑیں گے" اس خدا کی قسم! جس نے آپؐ کو دین حق دے کر بھیجا ہے اگر آپؐ برک غماد کی طرف چلیں گے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ دشمن سے لڑتے بھڑتے وہاں تک جائیں گے" یہ سن کر آپؐ نے مقدادؓ کی تحسین کی اور ان کے حق میں دعا خیر فرمائی اور کہا لوگو! مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے؟ آپؐ دراصل انصار کی زبان سے کچھ سننا چاہتے

---

[1] المائدۃ: ۲۴

تھے۔ ابنِ مردویہ اور ابنِ ابی حاتمؒ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہمیں کہا تھا: "مجھے اطلاع ملی ہے کہ ابو سفیان کا قافلہ آ رہا ہے کیا اس کی طرف نکلنا چاہتے ہو؟ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ غنیمت ہی دے دے" ہم نے کہا "ہاں! ہم ضرور نکلنا چاہتے ہیں" چنانچہ ہم آپؐ کے ساتھ نکلے۔ ایک دو دن سفر کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا "قریش سے لڑنے کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہیں تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے کی خبر مل گئی ہے اور وہ اس کو بچانے کے لیے آ رہے ہیں" ہم نے کہا "خدا کی قسم! ہمیں دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں، ہم تو قافلہ لوٹنے کے لیے نکلے تھے" آپؐ نے دوبارہ فرمایا "قریش سے لڑنے کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ہم نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ اس پر مقدادؓ نے کھڑے ہو کر وہ تقریر کی جو پہلے گزر چکی ہے۔ آپؐ نے پھر تیسری مرتبہ مشورہ کے لیے کہا، تو مہاجرین نے اس کے جواب میں بڑی پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی لیکن اب انصار سمجھے کہ آپؐ ان سے کچھ سننا چاہتے ہیں کیونکہ آپؐ کو اندیشہ تھا کہ انصار ان دشمنوں کے خلاف آپؐ کی مدد کرنے کے پابند ہیں، جو مدینہ پر حملہ آور ہوں اور ان پر یہ لازم نہیں کہ آپؐ دشمن سے لڑنے کے لیے ان کو ان کے شہر سے باہر بھی لے جائیں۔ اس لیے جب آپؐ نے بار بار کہا "لوگو! مشورہ دو" تو سعدؓ بن معاذ بولے "یا رسول اللہ! بخدا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس سلسلہ میں ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں" آپؐ نے فرمایا "ہاں میں تمہاری، انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں" سعدؓ نے کہا "ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی تصدیق کی ہے اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ آپؐ جو دین لائے ہیں، وہ حق ہے اور اس سلسلہ میں ہم آپؐ کی بات کی اطاعت کرنے کی بیعت کر چکے ہیں اس لیے اے اللہ کے رسولؐ! جو آپؐ کا ارادہ ہے وہ بے دھڑک ہو کر کریں ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے، تو ہم آپؐ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے، ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا۔ اگر آپؐ ہمیں کل دشمن سے لڑنے کا حکم دیں گے، تو ہمیں یہ بات ہرگز شاق نہیں گزرے گی، ہم لڑائی میں صبر کرنے اور دشمن سے صدق دل سے مقابلہ کرنیوالے ہیں، ان شاء اللہ ہمارے کردار سے اللہ تعالیٰ آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا آپؐ اللہ کا نام لے کر چلیے" آپؐ سعدؓ کی یہ تقریر سن کر بہت خوش ہوئے اور آپؐ کے دل سے اندیشہ دُور ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا "دشمن کے مقابلہ میں نکلو اور خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر قافلہ بچ کر نکل گیا ہے تو اس فوج پر ہمیں غلبہ نصیب ہوگا۔ خدا کی قسم! مجھے اس قوم کے قتل ہو کر گرنے کی جگہیں نظر آ رہی ہیں۔"

"عیون الاثر" میں لکھا ہے "مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر سعدؓ بن عبادہ نے کی تھی لیکن مشہور سعدؓ

بن معاذ کی تقریر ہے۔ سعدؓ بن عبادہ کے بدر میں حاضر ہونے کے متعلق اختلاف ہے ابنِ عقبہ اور ابنِ اسحاق نے ان کو بدر میں شریک ہونے والے صحابہؓ میں شمار نہیں کیا اور واقدی، مدائنی اور ابنِ کلبی نے ان کو ان میں شمار کیا ہے۔

آپؐ کی شیخِ عرب سے گفتگو

پھر آپؐ وہاں سے روانہ ہو کر بدر کے قریب جاکر اُترے، پھر وہاں سے آپؐ اور آپؐ کے ایک صحابیؓ (ابنِ ہشام نے کہا ہے، وہ ابوبکر صدیقؓ تھے) سوار ہوئے اور چلتے چلتے عرب کے ایک شیخ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے اس سے قریش اور محمدؐ اور اُن کے اصحاب کے متعلق پوچھا کہ "وہ ان کے بارہ میں کیا جانتا ہے؟" وہ بولا "آپ کون ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "پہلے ہمارے سوال کا جواب دو پھر ہم تمہیں بتائیں گے کہ ہم کون ہیں" کہنے لگا "یہ بات ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں" تب کہنے لگا "میں نے سُنا ہے کہ محمدؐ اور اس کے ساتھی فلاں فلاں دن نکلے ہیں اگر خبر دینے والے نے سچ کہا ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر پہنچ گئے ہیں (اسی جگہ کا نام بتایا جہاں آپؐ اُترے تھے) اور مجھے خبر ملی ہے کہ قریش فلاں فلاں دن نکلے ہیں اگر خبر دینے والے نے سچ کہا ہے تو قریش آج فلاں جگہ پر پہنچ گئے ہیں" (اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش اُترے ہوئے تھے) پھر اس نے پوچھا "اب تم بتاؤ تم کہاں سے آئے ہو؟" آپؐ نے فرمایا "ہم کنوئیں سے آئے ہیں" یہ کہا اور واپس چلے آئے۔ راوی کا بیان ہے، وہ شیخ حیران ہو کر کہتا تھا "کنوئیں سے آئے ہیں؟ کیا عراق کے کنوئیں سے آئے ہیں؟"

پھر جہاں آپؐ اُترے ہوئے تھے، وہاں اپنے ساتھیوں میں واپس آ گئے۔ شام کے وقت آپؐ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ بن عوام، سعدؓ بن ابی وقاص اور چند دوسرے آدمیوں کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بدر کے کنوئیں کی طرف بھیجا۔ ان کو قریش کے پانی لانے والے دو غلام "اسلم" بنو حجاج کا غلام اور "عریض بن یسار" بنو العاص بن سعید کا غلام ملے یہ ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے اور ان سے پوچھنے لگے "تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟" انہوں نے کہا "ہم قریش کے پانی لانے والے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا ہے۔" اس وقت آنحضرت ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہؓ نے ان کے جواب کو غلط سمجھا اور خیال کیا "یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں" اس لیے وہ ان کو مارنے لگے۔ انہوں نے کہا "ہاں ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں" یہ سُن کر صحابہؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر کے سلام پھیرا اور فرمایا "جب یہ سچ بولتے ہیں تو تم ان کو کیوں مارتے ہو؟ اور جھوٹ کہتے ہیں، تو ان کو چھوڑ دیتے ہو، یہ سچ مچ قریش کے

آدمی ہیں" پھر آپؐ نے ان سے قریش کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا "وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں، جو وادی کے نزدیک والے کنارے پر نظر آرہا ہے" آپؐ نے پوچھا "وہ تعداد میں کتنے ہیں؟" بولے "بہت ہیں" آپؐ نے پوچھا: "ان کی تعداد کیا ہے؟" کہنے لگے "یہ ہمیں معلوم نہیں" آپؐ نے پوچھا "وہ روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا، "ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کرتے ہیں" آپؐ نے فرمایا "وہ نو سو اور ہزار کے درمیان ہیں" پھر آپؐ نے پوچھا "سرداران مکہ میں سے کون کون آئے ہیں؟" بولے "عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود" آپؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "مکہ نے تمہارے آگے اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیئے ہیں"

بچ نکلنے کے بعد ابوسفیان کا پیغام

ابوسفیان نچلی جانب ساحل سمندر سے ہوتا ہوا مکہ پہنچ گیا جب اس نے دیکھا کہ وہ صحیح سلامت قافلہ کو لے کر گھر پہنچ گیا ہے تو اس نے قریش کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ واپس آجاؤ تم قافلہ کو بچانے کے لیے نکلے تھے، وہ بچ کر گھر پہنچ گیا ہے۔ قریش کو یہ پیغام جحفہ مقام میں پہنچا انہوں نے یہ پیغام سن کر واپس آنے کا ارادہ کیا مگر ابوجہل نے کہا "خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے۔ ہم بدر میں کئی روز قیام کریں گے، آس پاس کے عربوں کو کھانا کھلائیں گے، تاکہ عرب پر ہماری دھاک بیٹھ جائے اور وہ آئندہ ہم سے ڈرتے رہیں"۔ اخنس بن شریق نے ان کو واپسی کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔ یہ دیکھ کر وہ بنوزہرہ کو ساتھ لے کر واپس آگیا، اس لیے بنوزہرہ کا کوئی آدمی جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا۔ بعد میں بنوزہرہ اخنس کے مشورہ پر بہت خوش ہوتے تھے، وہ ان کا حلیف تھا اور ہمیشہ ان میں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بنوہاشم نے بھی واپس آنا چاہا تھا لیکن ابوجہل نے ان کو واپس نہ آنے دیا اور کہا "جب تک ہم واپس نہیں جائیں گے، یہ بھی واپس نہیں جاسکتے۔"

بدر میں آپؐ کا پڑاؤ

آپؐ وہاں سے چل کر قریش سے پہلے بدر میں پہنچ گئے، اور بدر کے کنوؤں میں سے نزدیک ترین کنوئیں پر اتر پڑے۔ قریش کو پہلے پہنچنے سے زبردست بارش نے روک دیا، جو ان کے ارد گرد اللہ تعالیٰ نے

برسائی۔ مسلمانوں کو اس بارش سے یہ فائدہ پہنچا کہ اس میدان کی ریت جم گئی اور ان کے لیے اس میں چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ بدر میں مدینہ کی طرف نزدیک والے کنوئیں پر اُترے۔ آپ کے پاس حباب رضی اللہ عنہ بن منذر بن عمرو بن جموح آ کر کہنے لگے "یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُترے ہیں کہ ہمیں اس سے آگے پیچھے نہیں ہونا چاہیے یا کسی جنگی تدبیر کے پیشِ نظر ایسا کیا ہے؟" فرمایا "اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں جنگی تدبیر کے لحاظ سے ایسا کیا ہے" انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! پھر یہ جگہ اُترنے کے لیے مناسب نہیں ہمیں قریش کے نزدیک والے کنوئیں پر اُترنا چاہیے اور اس کے پیچھے جتنے کنوئیں ہیں سب مٹی سے بھر دینے چاہئیں پھر ہم تالاب کھود کر پانی سے بھر لیں، اس کرنے سے ہمارے پاس پینے کے لیے وافر پانی ہو گا اور ان کے پاس پینے کے لیے پانی نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو بہت پسند فرمایا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

آپ ﷺ کے لیے سایہ دار چھپر کی تعمیر

سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے کہا "یا رسول اللہ! ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کے لیے ایک سایہ دار چھپر کا انتظام کر دیں، جہاں آپ آرام کریں اور قریب ہی سواری کے جانور تیار کھڑے ہوں، پھر ہم دشمن سے جنگ کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمائے اور ہم فتح یاب ہوں، تو یہی ہمارا مقصد ہے اور یہی ہم چاہتے ہیں اور اگر خدانخواستہ دوسری بات ہوئی، تو آپ سواری پر بیٹھ کر ہماری قوم میں پہنچ جائیں۔ ہمارے پیچھے بہت سے لوگ رہ گئے ہیں، ہماری محبت آپ کے ساتھ ان سے زیادہ نہیں ہے۔ اے اللہ کے نبی! اگر انہیں خیال ہوتا کہ دشمن کے ساتھ ہماری لڑائی ہو گی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کو ہر قسم کی پریشانی سے بچائے گا، وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ دوش بدوش دشمنوں سے جہاد کریں گے۔" یہ سن کر آپ نے سعد کی تحسین فرمائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

آپ کے لیے ایک سایہ دار چھپر کا انتظام کیا گیا جس میں آپ آرام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ وہاں سے نکل کر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ میدانِ جنگ کا چکر لگایا اور ان کو کفار کے سرداروں کی لاشیں گرنے کی ایک ایک جگہ دکھائی۔ آپ نشاندہی کرتے تھے اور فرماتے تھے: "ان شاء اللہ یہاں فلاں گرے گا، ان شاء اللہ یہاں فلاں گرے گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے، آپ نے

جس کافر کی کسی جگہ گرنے کی نشاندہی فرمائی تھی، وہ اسی جگہ گرا ایک اِنچ اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

فتح کے لیے آپؐ کی دُعا

ابنِ اسحاقؒ کہتے ہیں صبح ہوئی تو قریش نے میدانِ جنگ کی طرف چڑھائی کی جب آپؐ نے ان کو ٹیلے سے اُتر کر میدانِ جنگ میں آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "الٰہی! یہ قریش اپنے تکبّر اور فخر کا مظاہرہ کرتے ہوئے آرہے ہیں، تجھ سے جھگڑتے ہیں اور تیرے رسُولؐ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یا اللہ! اپنی مدد بھیج جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اور کل ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیئے۔"

آپؐ کے حوض سے قریش کا پانی پینا

جب کفارِ مکہ میدان میں اُترے، تو ان میں سے چند آدمی پانی پینے کے لیے آنحضرت ﷺ کے حوض پر آئے۔ ان میں حکیمؓ بن حزام بھی تھے صحابہؓ نے روکنے کی کوشش کی تو آپؐ نے فرمایا "اُن کو پانی پینے دو، پانی سے نہ روکو" سوائے حکیم بن حزام کے جن لوگوں نے پانی پیا تھا وہ سب بدر میں قتل ہوئے۔ حکیم قتل سے بچ گئے۔ بعد میں وہ اسلام لائے اور اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جب انہیں کبھی اہم قسم کھانی پڑتی تو کہتے: "اُس خدا کی قسم! جس نے مجھے جنگِ بدر میں قتل ہونے سے بچایا۔"

کفّار کا آنحضرتؐ کے لشکر کا اندازہ کرنا

قریش جب میدان میں اطمینان سے اُتر پڑے، تو انہوں نے عمیر بن وہب جمحی سے کہا "جاؤ اندازہ کر کے آؤ محمدؐ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں"۔ اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کے گرد چکر لگایا اور کہا: "تین سو ہیں یا کچھ زیادہ یا کچھ کم ہوں گے لیکن ذرا ٹھیرو مجھے دیکھ لینے دو کہیں ان کے آدمی چھپے ہوئے نہ ہوں یا ان کے لیے کوئی امدادی فوج نہ آتی ہو" چنانچہ وہ میدان میں دُور تک نکل گیا کچھ نظر نہ آیا تو آکر کہنے لگا، "میں دیکھ آیا ہوں، امدادی فوج یا چھپے آدمی نہیں ہیں مگر اے جماعتِ قریش! مَیں نے مصیبتیں دیکھی ہیں، جن پر موت سوار ہے۔ یثرب کے آبپاشی کے اونٹ موت اُٹھا کر لائے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اپنی حفاظت کے لیے تلوار دں

کے بغیر اور کوئی ہتھیار نہیں ہیں۔ لیکن بخدا میرا اندازہ ہے کہ جتنے آدمی ان کے قتل ہوں گے، تمہارے بھی اتنے آدمی ضرور قتل ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنے جتنے تمہارے آدمی قتل کر گئے، تو پھر زندگی میں کیا لطف باقی رہے گا؟ اب آگے تم سوچ سمجھ لو۔ جب حکیم بن حزام نے اس کی یہ باتیں سنیں، تو انہوں نے لوگوں میں چکر لگایا، پہلے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آئے، اور اس کو مشورہ دیا کہ واپس چلنا چاہیے، لڑائی نہیں ہونی چاہیے۔ عتبہ نے ان سے اتفاق کیا ــــ لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور ان کو واپس چلنے کے لیے کہا، لیکن ابوجہل نے مخالفت کی اور لوگوں نے بھی اس کی موافقت کی۔

وہ رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے گزاری اور وہ سترہ رمضان المبارک ۲ھ کی رات تھی، صبح کے وقت قریش اپنی فوجیں میدان میں لے آئے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔

کفّار کے لشکر میں شیطان کی موجودگی

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: قریش کے کچھ نوجوان، جو ابھی اسلام کے بارے میں متذبذب تھے، اور اسی تذبذب کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، قریش کے ساتھ آئے تھے، وہ مسلمانوں کی قلت اور دشمن کی کثرت دیکھ کر کہنے لگے: "ان کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔"

ابنِ اسحاق نے کہا ہے: مجھے اطلاع ملی ہے کہ شیطان ان کے ساتھ تھا، جو ان سے کسی وقت علیحدہ نہیں ہوتا تھا! ــــ مجھے پتہ چلا ہے کہ کفار اس کو ہر منزل میں سراقہ بن مالک کی شکل میں دیکھتے تھے، اور اس میں انہیں کوئی شک نہیں تھا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اس وقت یہ دشمنِ خدا کفار کو لڑائی کی بھٹی میں جھونک کر واپس چلا گیا اور اہلِ اسلام کی مدد کے لیے آنے والے فرشتوں کو دیکھ کر کہنے لگا:

"إِنِّیْ أَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ"[1] مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی۔"

اسی کے متعلق حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے ؎

(۱) سرنا و ساروا الیٰ بدر لحتفہم ۔۔۔ لو یعلمون یقین العلم ما ساروا

"ہم چلے اور وہ بھی مرنے کے لیے بدر میں آئے، اگر انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہوتا تو کبھی نہ آتے۔"

(۲) دلّاھم بغرور ثم اسلمہم ۔۔۔ إنّ الخبیث لمن والاہ غرّار

---

[1] الانفال: ۴۸

"اس نے ان کو دھوکے سے موت کے کنوئیں میں لٹکا دیا اور ان کی مدد چھوڑ کر خود بھاگ گیا یہ خبیث اپنے دوستوں کو دھوکا ہی دیتا ہے۔"

۳) "وقال انی لکم جار فاوردھم شرالموارد فیہ الخزی والعار

"ان سے کہتا رہا میں تمہارا حامی ہوں اور ان کو ایسے گھاٹ میں دھکیلا جس میں ذلت اور شرمندگی ہے۔"

جنگ شروع ہونے سے پہلے عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید صف سے نکل کر میدان میں آئے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دینے لگے۔ ان کے مقابلہ کے لیے عوفؓ اور معوذؓ (حارث کے بیٹے، ان کی ماں کا نام عفراء ہے) اور عبداللہؓ بن رواحہ انصار کے تین نوجوان نکلے۔ انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" بولے "ہم انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔" انہوں نے کہا "ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے" اور آواز دی "محمدؐ! ہمارے مقابلہ میں ہماری برادری سے ہمارے برابر کے شریک بھیجو!" اس پر آپؐ نے فرمایا "اے عبیدہؓ بن حارث، اٹھو! اے حمزہؓ اٹھو! اور اے علیؓ تم بھی اٹھو!" جب یہ میدان میں ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" عبیدہؓ نے کہا "میں عبیدہ ہوں"۔ حمزہؓ نے کہا "میں حمزہ ہوں" اور علیؓ نے کہا "میں علی ہوں" وہ بولے: "ہاں! تم ہمارے معزز شریک ہو"، عبیدہؓ جو ان سب میں بوڑھے تھے، عتبہ کے مقابلہ میں، حمزہؓ شیبہ کے، اور علیؓ ولید کے مقابلہ میں آئے حمزہؓ اور علیؓ نے تو اپنے ساتھیوں کو لمحہ بھر میں قتل کر دیا لیکن عبیدہؓ اور عتبہ دونوں کے ایک دوسرے پر وار چلے اور دونوں زخمی ہو کر گر پڑے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے عتبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر اپنے کیمپ میں لے آئے۔ عبیدہؓ نے واپسی پر صفراء کے مقام پر انتقال کیا۔

حضرت علیؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ یہ آیت "هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ"[1] (یعنی یہ دو جماعتیں اپنے رب کے بارہ میں آپس میں لڑی ہیں) ہمارے متعلق اتری ہے۔ اسی صحیح بخاری میں ابوذرؓ سے روایت ہے، وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیتیں ان چھ آدمیوں کے بارہ میں اتری ہیں، جو بدر کے دن آپس میں لڑے تھے۔ اور اسی میں ہے، حضرت علیؓ نے کہا ہے "میں پہلا شخص ہوں گا، جو قیامت کے دن جھگڑا کرنے کے لیے اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے گا۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر سب لوگوں نے حملہ کر دیا اور ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں، ان پر حملہ نہ کریں اور اپنے تیروں کو بچا کر رکھیں۔ جب وہ ان کے تیروں کی زد میں آ جائیں، پھر ان پر تیر پھینکیں۔

[1] الحج: ۱۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں میدانِ جنگ میں آنحضرت ﷺ نے مجاہدین کی صف بندی کی پھر چھپر میں تشریف لے آئے آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ آپؐ اللہ تعالیٰ سے انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ مدد کا وعدہ پورا کرنے کی دُعا کرتے تھے منجملہ اور دعاؤں کے یہ بھی فرماتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةُ الْیَوْمَ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ" "الٰہی! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا" ابوبکر صدیقؓ کہتے تھے "اے اللہ کے رسولؐ! بس کریں اللہ تعالیٰ سے ایفاءِ عہد کا مطالبہ کافی ہوگیا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپؐ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرے گا"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے دن ابوبکرؓ کے ساتھ چھپر میں تھے، آپؐ کو اونگھ آگئی پھر تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا "ابوبکرؓ! خوش ہو جاؤ! یہ جبرائیلؑ ہماری امداد کے لیے آگئے ہیں۔ ان کے سامنے کے دو دانتوں پر غبار جما ہوا ہے" پھر آپؐ یہ آیت پڑھتے ہوئے چھپر سے باہر آئے: "سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" "یہ بھیڑ جلد ہی شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی" اور ایک روایت میں ہے "ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا "یارسولؐ اللہ! اتنا کافی ہے آپؐ نے اپنے رب سے دُعا کرنے میں بڑا الحاح کیا ہے" چنانچہ آپؐ زرہ پہنے ہوئے باہر نکلے" اور یہ آیت آپؐ کی زبان پر جاری تھی: "سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" (القمر: ۴۵)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی ہے۔ یہ جبرائیلؑ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے آرہے ہیں۔ ان کے دانتوں پر غبار جما ہوا ہے" اور صحیح مسلم میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مجھے حضرت عمرؓ نے بتایا جب رسول اللہ ﷺ نے بدر میں مشرکوں کی کثرت کو دیکھا اور اپنے صحابہ کو دیکھا جو تعداد میں تین سو انیس تھے تو قبلہ رُخ ہوکر اپنے ہاتھ اٹھائے اور اپنے رب سے دعا کرنے لگے "الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر" اور اس روایت میں ہے آپؐ دیر تک دعا میں مصروف رہے حتیٰ کہ آپؐ کے کندھوں سے چادر گر گئی۔ ابوبکرؓ نے آپؐ کے کندھوں پر چادر ڈالی اور پیچھے سے آپؐ کو اپنی بغل میں لیا اور کہا "اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ کی اللہ تعالیٰ سے بہت دعا ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ سے کیا ہوا وعدہ جلد ہی پورا کر دے گا" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ" [1] "وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے مدد طلب کرتے تھے اور اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیجوں گا" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں ایک وقت ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اس نے اپنے اوپر کوڑا لگنے کی آواز سنی اور ساتھ ہی اس کے کان میں ایک شہسوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "حیزوم! آگے بڑھ" اور دیکھا کہ آگے دوڑنے والا مشرک زمین پر چت گر پڑا ہے اور اس کی ناک اور چہرہ اس طرح پھٹ گیا ہے، جیسے اس پر کوڑے کی چوٹ لگی ہے اور اس کے بدن کا سارا حصہ نیلا ہو گیا ہے۔ اس آدمی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا "تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد سے آنے والا فرشتہ تھا" اس دن مسلمانوں نے کافروں کے ستر آدمی قتل کیے، اور ستر ہی گرفتار کیے۔ اور ابن سعد عکرمہؓ سے روایت کرتے ہیں "اس روز کسی کا سر اڑتا ہوا نظر آتا تھا مگر مارنے والا نظر نہ آتا۔ اور اسی طرح کسی کا ہاتھ اڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا مگر مارنے والا دکھائی نہیں دیتا تھا" ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام مہجعؓ کو تیر لگا اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا یہ پہلا شخص ہے جو مسلمانوں سے قتل ہوا پھر حارثہؓ بن سراقہ کو حوض سے پانی پیتے ہوئے سینے میں تیر لگا یہ انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور پہلے انصاری تھے جنہوں نے اس جنگ میں شہادت کا اعزاز حاصل کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر ترغیب دلائی اور فرمایا "اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جو شخص آج کفار سے صبر کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کے لیے لڑا اور بغیر پیٹھ پھیرے پیش قدمی کرتا ہوا شہید ہوا وہ بالضرور سیدھا جنت میں داخل ہو گا" عمیر بن حمام سلمیؓ جو اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے سن کر بولے "واہ! واہ! میرے اور جنت میں داخل ہونے میں صرف اتنی دیر ہے کہ میں کفار کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں" یہ کہہ کر اس نے کھجوریں پھینک دیں، تلوار ہاتھ میں لی اور مشرکوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا رضی اللہ عنہ!

ابوجہل کی بددعا

ابن سعد اور ابن اسحاق لکھتے ہیں جب جنگ شروع ہوئی اور لوگ ایک دوسرے کے قریب آئے، تو ابوجہل نے یوں کہا "اے اللہ! ہم میں سے جو زیادہ قطع رحمی کرنے والا اور ان افعال کا زیادہ ارتکاب کرنے

---

[1] الانفال: ۹

والا ہے، جو تیرے ہاں نیکی میں شامل نہیں ہیں، اس کو آج موت کے گھاٹ اتار دیجیو۔" اس طرح گویا ابوجہل نے اپنے خلاف مسلمانوں کی فتح کی دعا مانگی۔ نسائی نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کنکروں کی ایک مٹھی لی، اور قریش کی طرف منہ کر کے "شاھت الوجوہ" (یہ چہرے بدشکل ہو جائیں) کہہ کر ان کی طرف پھینک دی، اور اپنے صحابہؓ سے کہا "حملہ کرو" نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کو شکست ہوئی قریش کے کچھ سردار قتل ہوتے اور کچھ قیدی بنا لیے گئے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہیں ہو گی۔" اس وقت جبرائیلؑ نے کہا کہ "مٹی کی ایک مٹھی لیجیے۔" آپؐ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے چہروں پر پھینک دی۔ مشرکوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں رہا جس کی آنکھ، نتھنے اور منہ میں وہ مٹی نہ پڑی ہو چنانچہ وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل کا قتل

امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بدر کی جنگ میں صف میں کھڑا تھا، میں نے دائیں اور بائیں انصار کے دو نوعمر لڑکوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کیا لیکن میں نے ایک لڑکے سے سنا جو اپنے ساتھی سے چوری چوری پوچھ رہا تھا "چچا جان! ذرا مجھے ابوجہل دکھا تا" میں نے کہا "میرے بھتیجے! تم اس کو دیکھ کر کیا کرو گے؟" بولا "مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ حضورؐ کو گالی دیتا ہے۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو جب تک ہم دونوں میں سے پہلے مرنے والا موت کے گھاٹ نہ اتر جائے گا، میں اس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوں گا۔" میں اس کی یہ جرأت مندانہ بات سن کر تعجب کرنے لگا کہ دوسرے نے میرا بازو دبایا اور اس نے بھی یہی بات کہی۔ چند لمحے بعد میں نے ابوجہل کو صفوں کے درمیان چکر لگاتے دیکھا۔ میں نے ان سے کہا "وہ یہ ہے جس کے متعلق تم پوچھ رہے ہو۔" عبدالرحمانؓ کہتے ہیں "میرا یہ کہنا تھا کہ وہ تلواریں لے کر ایک دوسرے سے آگے بھاگے اور آنِ واحد میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر دونوں نے آکر آنحضرت ﷺ کو خبر دی۔ آپؐ نے پوچھا "تم دونوں میں سے اس کو کس نے قتل کیا ہے؟" دونوں میں سے ہر ایک نے کہا "اس کو میں نے قتل کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ لی ہیں؟" دونوں نے کہا "نہیں!" آپؐ نے

ان کی تلواریں دیکھ کر فرمایا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے، مگر آپؐ نے اس کا سلب معاذؓ بن عمرو بن جموح کو دیا۔ اور یہ دونوں لڑکے معاذ بن عمرؓ بن جموح اور معاذؓ بن عفراء تھے۔ ایک روایت میں ہے "میں نے آرزو کی کاش! میں ان کی بجائے دو مضبوط اور جنگ آزمودہ آدمیوں کے درمیان ہوتا۔" ایک روایت میں ہے: "میں نے ان لڑکوں کا جوش دیکھ کر پھر اس بات میں مسرت محسوس نہیں کی کہ میں دو مضبوط آدمیوں کے درمیان ہوتا۔" صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کون دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟" یہ سن کر عبداللہ بن مسعودؓ گئے اور دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو قتل کر دیا ہے اور وہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا "ابوجہل! تو یہ قتل ہوا پڑا ہے؟" احمد بن یونس نے کہا ہے "کیا تو ابوجہل ہے؟" انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا، وہ بولا "کیا اس سے کوئی بڑی بات ہوئی ہے کہ تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے؟ یا ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا ہے؟" اور ابن علیہ کی روایت میں ہے "اے ابوجہل! تو مرا پڑا ہے؟" انسؓ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابومجلز کی روایت میں ہے "ابوجہل نے کہا، کاش! میرا قتل کسانوں کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ سے ہوتا۔"

ابن اسحاق سیرت میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا "میں نے اس کو آخری سانس لیتے ہوئے پایا۔ میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا۔ اس نے ایک دفعہ مکہ میں مجھے پکڑ کر طمانچہ مارا تھا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ پھر میں نے اس سے کہا "اے اللہ کے دشمن! اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کیا ہے یا نہیں؟" بولا "اس نے مجھے کیسے ذلیل کیا ہے؟ کیا اس سے کچھ زیادہ ہوا ہے کہ تم نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے؟ یہ بتاؤ فتح کس کو ہوئی ہے؟" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو۔"

بنو مخزوم کے کچھ آدمی کہا کرتے تھے: عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کہ ابوجہل نے مجھ سے کہا "اے بکریاں چرانے والے ذلیل گڈریے! تو ایک سخت جگہ پر چڑھا ہے۔" عبداللہؓ کہتے ہیں: پھر میں نے اس کا سر کاٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا "یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔" آپؐ نے فرمایا "کیا اس خدا کی قسم، جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں؟" رسول اللہ ﷺ کی قسم عموماً ان الفاظ کے ساتھ ہوتی تھی۔ میں نے کہا "ہاں! اس خدا کی قسم! جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔" پھر میں نے اس کا سر آپؐ کے آگے پھینک دیا اور یہ دیکھ کر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ابن اسحاق کے علاوہ کسی دوسرے مورخ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو قتل کیا اور

انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو آپؐ نے پوچھا کیا اُس خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے" یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ دہرائے۔ پھر آپؐ نے کہا" اللہ اکبر! اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اکیلے نے دشمن کی فوجوں کو شکست دی۔ چلو مجھے چل کر دکھاؤ" پس ہم چلے اور میں نے آپؐ کو اُس کی لاش دکھائی۔ آپؐ نے فرمایا" یہ اس اُمّت کا فرعون ہے"

امیہ بن خلف کا انجام

عبدالرحمان بن عوفؓ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے علی کو گرفتار کیا جب بلالؓ نے اس کو دیکھا، اور یہ ان کو مکہ میں عذاب دیا کرتا تھا، تو کہا" یہ کفر کا امام امیہ بن خلف ہے اگر آج یہ بچ کر نکل گیا تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔ پھر بلالؓ انصار کی ایک مجلس میں آئے۔ کہنے لگے" اے انصار کی جماعت! یہ امیہ بن خلف ہے! اگر امیہ بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا" چنانچہ اُن کے ساتھ انصار کی ایک جماعت نکلی عبدالرحمانؓ نے ان دونوں کو دور کر ان سے بچانے کی کوشش کی مگر وہ پہنچ گئے عبدالرحمانؓ نے ان کو مشغول کرنے کے لیے اس کے بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا، مگر وہ اس کو قتل کرنے کے بعد ان سے پھر جا ملے عبدالرحمانؓ نے امیہ کو کہا" بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور عبدالرحمانؓ نے اس کو ڈھانک لیا لیکن انہوں نے ان کے نیچے سے اس کو تلواریں مار مار کر قتل کر دیا اور کسی تلوار سے عبدالرحمانؓ بن عوف کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ قتل سے پہلے امیہ نے پوچھا" تم میں سے جس آدمی کے سینہ پر شتر مرغ کے پروں کا نشان تھا وہ کون تھا؟" عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا" وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے"۔ اس نے کہا، "اس نے ہماری تباہی میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں" عبدالرحمانؓ بن عوف نے جنگ میں بہت سی زرہیں جمع کی تھیں۔ یہ دیکھ کر امیہ نے کہا" ان زرہوں کو جمع کرنے کی بجائے میری حفاظت تمہارے لیے زیادہ نفع بخش ہے" چنانچہ عبدالرحمانؓ نے زرہیں پھینک دیں اور امیہ بن خلف اور اس کے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا امیہ اس وقت کہتا تھا" آج جیسا تباہ کن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا کیا تمہیں نرمی برتنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" جب انصار نے اس کو قتل کر دیا تو عبدالرحمانؓ نے کہا:" اللہ تعالیٰ بلالؓ پر رحم کرے انہوں نے میری زرہیں بھی ضائع کر دیں اور میرے قیدی بھی مار دیئے"

امیہ کے قتل کی آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی پیشگوئی فرمائی تھی اور اُس کی خبر اس کو سعد بن معاذ نے اس وقت دی تھی جب سعدؓ عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ آئے۔ وہ امیہ کے مہمان تھے اور اگر

امیہ کا کبھی مدینہ میں گزر ہوتا تو وہ عبدؓ الرحمان کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ ابو جہل نے جب سعدؓ بن معاذ کو طواف کرتے دیکھا تو کہا "یہ کعبہ کا طواف کرنے والا کون ہے" سعدؓ نے کہا "میں سعد ہوں" ابو جہل نے کہا تم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دینے کے بعد امن سے طواف کر رہے ہو" انہوں نے کہا "ہاں" پھر وہ دونوں آپس میں جھگڑ پڑے اور آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے۔ امیہ سعدؓ سے کہنے لگا "ابو الحکم کے سامنے اونچی آواز سے مت بولو! یہ اس علاقہ کے سردار ہیں" سعدؓ نے کہا "خدا کی قسم! اگر تو مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکے گا تو میں تیرا شام میں تجارت کا راستہ بند کر دوں گا" امیہ بار بار کہتا تھا "اے سعد! ابو الحکم کے سامنے آواز بلند نہ کرو" اور ان کو ایسا کرنے سے روکتا تھا اس پر سعدؓ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا "امیہ! پیچھے ہٹ جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے "وہ تجھے قتل کر دیں گے" وہ بولا "مجھے؟" بخدا! محمدؐ جھوٹ نہیں بولتا" اور ایک روایت میں ہے "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے "وہ تجھے قتل کر دیں گے" اس نے کہا "مکہ میں؟" سعدؓ نے کہا "یہ مجھے معلوم نہیں" یہ سن کر امیہ بہت خوفزدہ ہوا اور اپنی بیوی سے آ کر کہنے لگا: "جانتی ہو، میرے یثربی بھائی نے کیا کہا ہے؟" بولی "کیا کہا ہے؟" اس نے کہا "کہتا ہے اس نے محمدؐ سے سنا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دے گا" وہ بولی: "واللہ! محمدؐ جھوٹ نہیں کہتا" جب مدد لینے والا آیا اور اہلِ مکہ بدر کی طرف نکلے تو اس کی بیوی بولی "تمہیں اپنے یثربی بھائی کی بات یاد نہیں رہی؟" راوی کا بیان ہے اس کا ارادہ جانے کا نہیں تھا مگر ابو جہل نے کہا "تم اس علاقہ کے سردار ہو تمہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی نہیں جا میں گے ایک دو دن تک چلو پھر واپس آ جانا" چنانچہ وہ ان کے ساتھ چلنے پر مجبور ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قتل کیا۔

(رواہ البخاری فی صحیحہ)

اس دن عکاشہؓ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک لکڑی دی انہوں نے اس کو ہاتھ میں لے کر ہلایا تو وہ ایک لمبی تلوار بن گئی جس کے ساتھ وہ ہمیشہ لڑائی کرتے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ ان کو جھوٹے نبی طلیحہ نے جامِ شہادت پلایا۔

زبیرؓ کا ایک تاریخی نیزہ

صحیح بخاری میں ہے جنگِ بدر میں زبیرؓ عبیدہ بن سعید بن عاص کے مقابلہ میں آئے عبیدہ کا سارا بدن ہتھیاروں میں ڈھکا ہوا تھا صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں زبیرؓ نے اس پر حملہ کیا اور تاک کر اس کی آنکھ میں نیزہ

مارا اور وہ مر گیا۔ نیزہ اس کی زرہ میں پھنس گیا انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا، انگڑائی لی اور بڑی مشکل سے نیزہ کو اس کی آنکھ سے نکالا اُس سے نیزہ کی دونوں دھاریں مُڑ گئی تھیں۔ بعد میں رسُول اللہ ﷺ نے ان سے وہ نیزہ مانگا تو انہوں نے آپؐ کو دے دیا آپؐ کی وفات کے بعد انہوں نے لے لیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے مانگا تو انہوں نے ان کو دے دیا جب ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے مانگا تو انہوں نے ان کو دے دیا جب وہ فوت ہوئے تو انہوں نے نیزہ واپس لے لیا پھر حضرت عثمانؓ نے مانگا تو ان کو دے دیا۔ جب حضرت عثمانؓ نے وفات پائی تو وہ نیزہ آلِ علیؓ کے پاس پہنچ گیا پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے طلب کیا اور ان کے پاس رہا حتیٰ کہ وہ فتنہ حجاج میں شہید ہو گئے۔

دورانِ جنگ آنحضرتؐ کی حفاظت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب مسلمان دشمنوں کو قتل اور گرفتار کر رہے تھے، اس وقت آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لیے سعدؓ بن معاذ اور انصار کے کچھ دوسرے آدمی مسلح ہو کر اس خیمہ کے دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے جس میں آپؐ تشریف فرما تھے آپؐ نے سعدؓ کے چہرے میں ناراضگی کے آثار دیکھ کر ان سے پوچھا "اے سعدؓ! جو لوگ کر رہے ہیں تمہیں یہ ناپسند ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں خدا کی قسم! یہ مجھے ناپسند ہے یہ پہلی جنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں پر فتح عطا فرمائی ہے اس میں دشمنوں کو قید کرنے کی نسبت ان کا خون بہانا مجھے زیادہ پسند ہے۔"

ان مدعی اسلام لوگوں کے نام جو کفار کے ساتھ قتل ہوئے: ابن اسحاق کہتے ہیں جو نوجوان جنگِ بدر میں قتل ہوئے اور ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری :

"اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ" الاٰیۃ! (النساء: ۹۷)

یعنی "اپنے پر ظلم کرنے والے جن لوگوں کو جنگ بدر میں فرشتوں نے قتل کیا ان سے انہوں نے پوچھا "تم کس مذہب میں تھے؟" انہوں نے کہا "ہم سرزمین مکہ میں کمزور اور ناتواں مسلمان تھے!"۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، یہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔

۲۔ ابوقیس الفاکہ بن مغیرہ، اس کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔

۳۔ ابو قیس بن ولید بن مغیرہ۔

۴۔ علی بن امیہ بن خلف‘ یہ بنو جمح میں سے تھا۔

۵۔ عاص بن منبہ‘ یہ بنو سہم سے تھا۔

یہ لوگ مسلمان ہوئے‘ جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف فرما تھے۔ پھر آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی‘ تو ان کو ان کے آباؤ اجداد اور برادری نے روک لیا‘ اور ان پر اتنا دباؤ ڈالا کہ یہ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ پھر جب کفار‘ جنگ بدر میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آئے‘ تو یہ بھی ان کے ساتھ آئے اور سب کے سب قتل ہو گئے۔

غنیمت کا حقدار کون ہے؟

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لشکر میں جس کے پاس غنیمت کا مال ہے‘ وہ سب جمع کیا جائے۔ جب سارا مال جمع ہو گیا‘ تو اس کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جمع کرنے والے کہنے لگے‘ ’’یہ مال ہم نے جمع کیا ہے‘ اس لیے یہ ہمارا حق ہے‘‘۔ دشمن سے لڑنے والے کہنے لگے ’’بخدا! اگر ہم دشمن سے لڑ کر ان کو شکست نہ دیتے‘ تو تم یہ مال حاصل نہ کر سکتے۔ ہم نے ان کو لڑائی میں مشغول کیا‘ اس لیے تمہیں اس کے لوٹنے کا موقعہ ملا‘‘۔ رسول اللہ ﷺ پر پہرہ دینے والوں نے کہا ’’بخدا! تم اس کے زیادہ حقدار نہیں ہو! دشمن کی پشت ہماری طرف تھی‘ اگر ہم چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس کو قتل کر سکتے تھے۔ ہمارا بھی خیال ہوا تھا کہ اب سامان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں رہا‘ اس لیے ہمیں اس کو لوٹنا چاہیے مگر یہ خیال کر کے کہ مبادا دشمن موقعہ پا کر آپؐ پر حملہ کر دے اور آپؐ کو العیاذ باللہ کوئی گزند پہنچائے‘ ہم آپؐ کا بدستور پہرہ دیتے رہے‘ اس لیے تم اس مال کے ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو‘‘۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں‘ ابوامامہ سے مروی ہے کہ میں نے عبادہؓ بن صامت سے سورت انفال کے متعلق سوال کیا‘ تو انہوں نے کہا: ’’ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے بارہ میں یہ سورت اتری ہے جب ہم نے غنیمت کے سلسلہ میں آپس میں اختلاف کیا‘ اور کسی حد تک بداخلاقی کا مظاہرہ کیا‘ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم سے چھین لیا اور رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دی‘ اور آپؐ نے اس کو ہمارے درمیان برابر برابر تقسیم فرما دیا‘‘۔

کفّار کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈالنا

جب لڑائی ختم ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کی لاشوں کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"تم اپنے نبیؐ کی بُری برادری ہو تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے بے یار ومددگار چھوڑا جب دوسرے لوگوں نے میری مدد کی اور تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا جبکہ دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے گھر جگہ دی۔ پھر آپؐ نے حکم دیا، کفار کی سب لاشیں گھسیٹ کر بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی جائیں صحیح بخاری میں ہے: ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک نہایت ہی گندے کنوئیں میں ڈلوا دیں آپؐ کی عادت تھی، آپؐ جب کسی قوم پر فتح حاصل کرتے تو اس جگہ تین دن قیام فرماتے پھر وہاں سے مراجعت فرماتے۔ جب میدانِ بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر زین کسنے کا حکم دیا۔ زین کسی گئی تو آپؐ اس پر سوار ہو کر ایک طرف چل پڑے۔ صحابہؓ بھی آپؐ کے پیچھے چلے، ان کا بیان ہے کہ ہم سمجھتے تھے، آپؐ کسی کام کے لیے جا رہے ہیں۔ آپؐ اس کنوئیں پر آکر رُکے جس میں مشرکین کی لاشیں ڈلوائی تھیں آپؐ ان کو اُن کے اور ان کے باپوں کے نام لے کر پکارتے کہ "اے فلاں بن فلاں! کیا اب تمہیں یہ بات خوش لگتی ہے کہ تم اللہ کے رسولؐ کی پیروی کرتے؟ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا؟" حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! آپؐ ان بے جان لاشوں سے کیا بات کرتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "جو میں کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔"

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تاکہ ڈانٹ، انتقام، حسرت اور ندامت کیلئے آپؐ کی بات ان کو سنا دے اور اسی میں ہے: ابن عباسؓ فرماتے ہیں "خدا کی قسم! اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ[1] سے کفار قریش مراد ہیں اور نعمت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں" وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ[2] سے مراد آگ ہے جس میں بدر کے دن گرے۔

مدینہ منوّرہ میں فتح کی بشارت

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ فتح کے بعد آپؐ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ شریف سے مشرق کی جانب واقع ہونے والے اور زید بن حارثہؓ کو مغرب کی جانب واقع ہونے والے دیہات میں فتح کی خوشخبری سنانے

[1-2] ابراہیم: ۲۸

کے لیے بھیجا۔ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں ہمیں فتح کی بشارت اس وقت ملی جب ہم آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے۔ رقیہؓ حضرت عثمانؓ کی بیوی تھیں۔ مجھے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لیے چھوڑا تھا۔ میرے والدِ محترم نے جب مدینہ میں فتح کی خوشخبری سنائی تو میں ان کے پاس اس وقت آیا جب وہ عیدگاہ میں کھڑے تھے۔ لوگ ان کے گرد جمع تھے اور وہ کہہ رہے تھے "عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوالبختری عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور نبیہ و منبہ حجاج کے دونوں بیٹے یہ سب قتل ہو گئے ہیں"۔ میں نے پوچھا "ابا جان! کیا یہ سچ ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں بیٹا! خدا کی قسم! یہ سچ ہے"۔ پھر آپؐ وہاں سے واپس آئے اور آپؐ کے ساتھ کفار کے قیدی بھی تھے۔ ان میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ بدر کی غنیمت بھی ساتھ تھی، اور اس کی حفاظت کے لیے آپؐ نے عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف نجاری کو مقرر کیا تھا۔ صفراء مقام میں پہنچ کر آپؐ نے غنیمت تقسیم کی اور نضر بن حارث بن کلدہ کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ پھر جب عرق الظبیہ نامی جگہ میں پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن بھی اڑا دی۔ جب آپؐ نے عقبہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تو بولا "اے محمدؐ! میرے بچوں کا کفیل کون ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا "ان کی کفیل آگ ہوگی"۔ اس کو عاصم بن ثابت انصاریؓ نے، اور بعض کہتے ہیں، علیؓ بن ابی طالب نے قتل کیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں کامیاب و کامران داخل ہوئے۔ اب آپؐ سے مدینہ اور اس کے اردگرد رہنے والے سب دشمن ڈرنے لگے۔ مدینہ کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور ان ہی دنوں میں مشہور منافق عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بھی مسلمان ہوئے۔

قیدیوں سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

ابن اسحاق لکھتے ہیں: مجھے عبدالدار کے بھائی ابن وہب نے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ قیدیوں کو مدینہ منورہ لائے تو آپؐ نے ان کو صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور ان کو قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے بتایا کہ مصعبؓ بن عمیر کا حقیقی بھائی ابوعزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھا۔ اس نے کہا "میرا بھائی مصعبؓ اور انصار کا ایک آدمی مجھے گرفتار کرنے لگے تو میرے بھائی مصعبؓ نے اپنے رفیق کو کہا "اس کو اچھی طرح قابو کرو، اس کی ماں کافی مال دار ہے، وہ اس کے فدیہ کے لیے تمہیں کافی مال دے گی"۔ ابوعزیز کہتا ہے: جب مجھے بدر سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لایا گیا تو مجھے انصار کے ایک کنبہ میں قیدی رکھا

گیا۔ وہ صبح و شام کھانا کھانے لگتے تو خصوصاً روٹی میرے آگے رکھتے اور خود کھجور کھانے پر اکتفا کرتے۔ اور یہ ہمارے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا اثر تھا جب کھاتے کھاتے کسی کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا لگتا تو اسے میرے آگے کر دیتا میں شرم کی وجہ سے واپس کر دیتا تو وہ اس کو پھر میری طرف لوٹا دیتا اور اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا۔ ابو عزیز کہتا ہے جب میرے بھائی مصعبؓ نے ابوالیسر کو جو مجھے گرفتار کر رہا تھا کہا کہ "اس کو اچھی طرح قابو کرنا تمہیں اس کے فدیہ میں بہت مال ملے گا" تو میں نے کہا "بھائی جان! میرے متعلق آپ یہ کیا وصیت کر رہے ہیں" تو وہ بولا "تم میرے بھائی نہیں ہو میرا بھائی تو یہ ہے"۔ ابو عزیز کی والدہ کو فدیہ کا پتہ لگا تو اس نے پوچھا کہ "قریش کے کسی آدمی نے سب سے زیادہ فدیہ کتنا ادا کیا ہے"؟ کسی نے بتایا کہ "سب سے زیادہ فدیہ چار ہزار درہم ادا ہوا ہے" تو اس نے اپنے بیٹے ابو عزیز کو چار ہزار درہم دے کر آزاد کرایا۔

انصار کی درخواست

بعض علماء کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ قیدیوں کو مضبوط باندھنے اور ان کی مشکیں کسنے پر حاکم مقرر ہوئے، تو انہوں نے حضرت عباسؓ کی خوب کس کر مشکیں باندھیں جس کی وجہ سے وہ کراہ رہے تھے، اور ان کو نیند نہیں آرہی تھی آنحضرت ﷺ نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو بڑے پریشان ہوئے۔ ادھر انصار کو پتہ چلا تو انہوں نے آکر عباسؓ کی مشکیں کھول دیں اور ان کو آزاد کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی سمجھ کر ان کی مشکیں کھولی تھیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آپؐ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ "اجازت ہو تو ہم اپنے بھانجے عباسؓ کا فدیہ معاف کرتے ہیں" مگر آپؐ نے یہ درخواست رد کر دی، اور فرمایا کہ "اس کے فدیہ سے ایک درہم بھی کم نہیں کر سکتے"۔

ابن اسحاق حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے عباسؓ سے فرمایا "اے عباس! اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث، اور اپنے حلیف عتبہ بن عمر کا فدیہ ادا کیجئے" عباسؓ نے جواب دیا کہ "میں تو مسلمان ہوں کفار جبراً مجھے اپنے ساتھ کھینچ لائے ہیں" آپؐ نے فرمایا "جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اگر سچ کہتے ہیں تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ لہٰذا آپ ہمارے خلاف دشمن کے ساتھی اور اس کے حامی تھے" پھر انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ دینے کے لیے کچھ نہیں ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "تو وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور ام الفضل نے مل کر دفن کیا تھا، اور آپ نے اسے کہا تھا کہ "اگر میں قتل

ہو جاؤں تو یہ مال فضل، عبداللہ اور قثم کو دے دینا"۔ انہوں نے کہا "بخدا! اے اللہ کے رسولؐ، مجھے یقین آ گیا ہے کہ آپؐ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ اس مال کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو علم نہیں تھا!"——— پھر کہا: "میرے پاس بیس پونڈ تھے، اور غنیمت میں وہ مجھ سے چھین لیے گئے، ان کو میرے فدیہ میں جمع کر لیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ مال تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، یہ فدیہ سے وضع نہیں ہو سکتا"۔ چنانچہ انہوں نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ- الآية" (الانفال: ۷۰)

"اے نبیؐ! جو تمہارے ہاتھوں قیدی گرفتار ہیں، ان سے کہہ دیجئے، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر معلوم کرے گا، تو جتنا مال تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر مال تمہیں دے گا"۔

فدیہ کے بارہ میں مشورہ

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے، بدر کے دن آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا "ان قیدیوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے"؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! یہ آپؐ کی قوم اور آپؐ کے رشتہ دار ہیں، ان کو معاف کیجیے، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور یہ مسلمان ہو جائیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! یہ بڑے موذی ہیں، انہوں نے آپؐ کو جھٹلایا، اور پھر گھر سے نکال دیا، آپؐ ان کی گردن اڑانے کا حکم دیں"۔ عبداللہ بن رواحہؓ بولے "یا رسول اللہ! اتفاقاً آپؐ ایک ایسے میدان میں ہیں، جس میں لکڑی بکثرت موجود ہے۔ آپؐ اس کو جمع کر کے جلائیں، پھر ان کو اس میں جھونک دیں"۔ پھر آپؐ اٹھ کر اندر چلے گئے، کچھ لوگ کہنے لگے، آپؐ ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کریں گے۔ کسی نے کہا، آپؐ حضرت عمرؓ کا مشورہ قبول کریں گے، کسی نے کہا، بلکہ آپؐ عبداللہ بن رواحہؓ کی بات کو عملی جامہ پہنائیں گے، پھر آپؐ باہر تشریف لائے، تو فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل دودھ سے زیادہ نرم کر دیتا ہے، اور بعض کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا تا ہے۔ اے ابوبکرؓ! آپ کی مثال تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"[1] یعنی الٰہی! اگر تو ان کو عذاب دے، تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر معاف کرے تو تو غالب حکمت والا ہے"۔

---

[1] المائدة: ۱۱۸

"اور اے عمرؓ! آپ کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے انہوں نے کہا تھا: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰٓ اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ[1] "یا اللہ! ان کے مال تباہ اور ان کے دل سخت کر تاکہ یہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھیں ایمان نہ لا سکیں"۔

"اور اے عبداللہ بن رواحہؓ! آپ کی مثال نوح علیہ السلام کی مثال کی طرح ہے انہوں نے فرمایا تھا: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا[2] "الٰہی! زمین پر ان میں سے ایک متنفس بھی نہ چھوڑ" بات یہ ہے کہ تم غریب اور محتاج ہو اس لیے ان میں سے کوئی فدیہ دیئے یا قتل ہوئے بغیر نہ چھوٹنے پائے" عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں، اس وقت میں نے کہا "یا رسول اللہ! اس حکم سے سہیل بن بیضاء کو مستثنیٰ کر دیں، وہ اسلام کا ذکر کرتا تھا" مگر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ مجھے سخت خطرہ پیدا ہوا کہ مجھ پر آسمان سے پتھر نہ برس پڑیں یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا "ہاں! سہیل بن بیضاء اس حکم سے مستثنیٰ ہے" اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ[3]" یعنی نبیؐ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ خونریزی کیے بغیر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دے"۔ (رواہ احمد والترمذی وابن حاتم) گویا قرآن حکیم میں حضرت عمرؓ کے قول کی تائید اتری۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کی بات کو پسند فرمایا اور میری بات کی طرف توجہ نہیں کی میں دوسرے دن آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا "یا رسول اللہ! مجھے بتائیں! آپؐ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟ اگر ہو سکا تو میں بھی رو دوں گا اور نہ ہو سکا تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے جیسی شکل بنا لوں گا" آپؐ نے فرمایا "میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے اس عذاب سے رو رہا ہوں جو مجھ پر اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک پیش کیا گیا" پھر آپؐ نے ایک قریب کھڑے ہونے والے درخت کی طرف اشارہ کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى -اِلٰى قَوْلِهٖ: عَذَابٌ عَظِيْمٌ[4]" (رواہ ابن ابی حاتم)

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور سعدؓ بن معاذ کے سوا سب حاضرین غنیمت پسند کرتے تھے حضرت عمرؓ نے آپؐ کو قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور سعدؓ نے کہا تھا "مجھے ان کا قتل کرنا زندہ چھوڑنے سے زیادہ محبوب ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر عذاب نازل ہوتا تو عمرؓ اور سعدؓ کے بغیر کوئی نجات نہ پاتا" حضرت علیؓ فرماتے ہیں جبرائیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا "اپنے اصحاب کو اختیار دیں اگر چاہیں تو قیدیوں کو

---

[1] یونس: ۸۸ [2] نوح: ۲۶ [3] الانفال: ۶۷ [4] الانفال: ۶۷ تا ۶۸

قتل کر دیں، اور اگر چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں مگر آئندہ سال ان سے اتنے آدمی قتل ہو جائیں گے" صحابہؓ نے کہا "ہم فدیہ پسند کرتے ہیں، خواہ ہم میں سے اتنے آدمی قتل ہو جائیں" (رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان فی صحیحہ)

عبیدہ سے ایک مرسل روایت میں آیا ہے، یہ حکم سن کر آپؐ نے صحابہؓ کو آواز دی، وہ آ گئے، تو آپؐ نے فرمایا "جبرائیلؑ تمہیں دو باتوں میں اختیار دیتے ہیں۔ یا تو ان قیدیوں کو قتل کر دو، یا فدیہ لے کر چھوڑ دو مگر آئندہ سال تم میں سے اتنے آدمی قتل کیے جائیں گے" انہوں نے کہا "ہم فدیہ لے کر اپنی مالی حالت مضبوط بنانا چاہتے ہیں، اور اگلے سال ہم میں سے ستر آدمی جنت میں چلے جائیں"

فدیہ کسی سے چار ہزار، کسی سے تین ہزار اور کسی سے ایک ہزار درہم وصول کیا گیا۔ عامر شعبی کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر میں ستر آدمی گرفتار کیے آپؐ نے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ان سے فدیہ لیا، مکہ کے لوگ عموماً لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور اہلِ مدینہ اس سے ناواقف تھے اس لیے جو قیدی فدیہ نہیں دے سکتا تھا، مدینہ کے دس بچے اس کے حوالے کیے گئے کہ ان کو لکھنا پڑھنا سکھا دے جب وہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائیں، تو بس یہی اس کا فدیہ تھا۔ قیدیوں میں سے آپؐ نے مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابو عزہ جمحی پر احسان کیا اور ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا۔ ابو عزہ جمحی بڑا غریب تھا اور اس کی کئی لڑکیاں تھیں یہ کہنے لگا "یا رسولؐ اللہ! آپؐ جانتے ہیں، میں عیالدار ہوں اور بڑا محتاج ہوں، میرے پاس مال نہیں ہے۔ مجھ پر احسان فرمایئے" آپؐ نے اس پر احسان فرمایا لیکن اس سے شرط کی کہ آئندہ وہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا لیکن اس نے وہ شرط پوری نہ کی اور دوبارہ گرفتار ہو گیا۔ پھر کہنے لگا "یا رسولؐ اللہ! میری غلطی مجھے معاف فرمائیں" آپؐ نے جواب دیا "بخدا! اب تیرا رخسار دیوارِ کعبہ کو کبھی نہ چھوئے گا کہ تو کہے، میں نے محمدؐ کو دو دفعہ دھوکا دیا ہے۔ زبیرؓ! اس کی گردن اڑا دو" چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک وار سے اس کی گردن اڑا دی۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے داماد ابوالعاص بن ربیع کو فدیہ لیے بغیر احسان کر کے چھوڑ دیا، زینبؓ نے ان کا فدیہ بھیجا تھا مگر آپؐ نے فدیہ واپس کر دیا اور ان سے وعدہ لیا کہ واپس جا کر زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ ابوالعاص جب واپس مکہ معظمہ گئے، آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ اور انصار کے ایک آدمی کو ان کے پیچھے بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ یا جج مقام میں ٹھیریں، زینبؓ وہاں آئیں تو ان کو ساتھ لے کر آپؐ کے پاس پہنچا دیں۔ ابوالعاص نے گھر پہنچ کر زینبؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

مکرز بن حفص، سہیل بن عمرو کا فدیہ لے کر آیا۔ اس کو مالک بن دخشم نے قید کیا تھا۔ سہیل کا نچلا ہونٹ پھٹا ہوا

تھا۔ ابنِ اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سہیل کا نچلا ہونٹ پہلے ہی پھٹا ہوا ہے، آپؐ اس کے سامنے کے نچلے دو دانت نکال دیں، اس طرح اس کی زبان لٹک جائے گی اور وہ کسی جگہ آپؐ کے خلاف تقریر نہیں کر سکے گا"، مگر آپؐ نے فرمایا "میں مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ کرے گا، اگرچہ میں نبی ہوں" اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "ممکن ہے وہ کوئی ایسا کام کرے، جو آپ کے نزدیک قابلِ مذمت نہ ہو"۔ ابوسفیان کا لڑکا عمرو قید ہو گیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ "دوسرے لوگوں کی طرح تم بھی اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ بھیجو"۔ بولا "مسلمان میرا خون اور میرا مال دو چیزیں لیں؟ پہلے انہوں نے میرے بیٹے حنظلہ کو قتل کر دیا ہے اور اب عمرو کا فدیہ دوں؟ اس کو ان کے پاس رہنے دو۔ جب تک چاہیں، اس کو اپنے قبضہ میں رکھیں"، لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ بنو عمرو بن عوف میں سے سعد بن نعمان عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے ۔۔ قریش کے ساتھ معاہدہ ہو چکا تھا کہ جو مسلمان عمرہ یا حج کرنے مکہ مکرمہ آئے، وہ اس سے بدسلوکی نہیں کریں گے، اور خیرسگالی کے جذبہ کے تحت اس سے اچھا برتاؤ کریں گے۔ مگر ابوسفیان نے ان کو اپنے بیٹے عمرو کے بدلہ گرفتار کر لیا۔ بنو عمرو بن عوف کو پتہ چلا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ ماجرا بیان کیا اور آپؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ابوسفیان کے بیٹے کو ان کے حوالے کریں، تاکہ وہ اس کے بدلہ میں اپنا قیدی چھڑائیں۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول کی اور عمرو بن ابوسفیان کو ان کے حوالے کیا۔ انہوں نے اسے ابوسفیان کے پاس بھیج کر اپنے قیدی سعد بن نعمان کو چھڑا لیا۔

فصل

مکہ میں قریش کی شکست کا ذکر

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: سب سے پہلے مکہ میں قریش کی شکست کی خبر حیسمان بن عبداللہ خزاعی لایا۔ مکہ کے لوگ اس سے پوچھنے لگے "کچھ جنگِ بدر کا حال سناؤ"۔ اس نے کہا: "عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ اور ابوالبختری بن ہشام قتل ہو گئے ہیں"۔ اس طرح اس نے جب قریش کے سرداروں کا نام گننا شروع کیا، تو حطیم میں بیٹھا ہوا صفوان بولا، "یہ پاگل ہے اگر اس کی عقل درست ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو"۔ لوگوں نے پوچھا "صفوان بن امیہ کا کیا حال ہوا؟" اس نے کہا "وہ یہ حطیم میں بیٹھا ہوا مجھے پاگل بتا رہا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے بدر میں اس کے باپ اور اس کے بھائی

کو قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

ابو رافع کی روایت میں آیا ہے: جب اہلِ بدر کی ہلاکت کی خبر مکۂ مکرمہ پہنچی، تو ابولہب پر اس قدر ذلّت طاری ہوئی کہ وہ خبر سُن کر لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں پر کھڑا ہو کر جلد ہی بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگوں نے کہا "یہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آرہا ہے۔" ابولہب نے کہا "میرے پاس آؤ، میری بقا کی قسم! تم سچی خبر لاتے ہو۔" ابو رافع کہتے ہیں: وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور لوگ چاروں طرف کھڑے بے تابی سے خبر سننے کا انتظار کر رہے تھے۔ ابولہب نے کہا "بھتیجے! جلدی بتاؤ! لوگوں پر کیا بیتی؟" اس نے کہا "بخدا! ہمارا مقابلہ ایسی قوم سے ہوا جس کے مقابلہ میں ہم پیٹھ پھیرنے پر مجبور ہوئے وہ جس کو چاہتے تھے قتل کرتے تھے اور جس کو چاہتے تھے گرفتار کر لیتے تھے۔ بخدا! اس شکست میں لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہمیں زمین و آسمان کے درمیان ایسے گورے رنگ کے آدمی نظر آئے جو سفید گھوڑوں پر سوار تھے ان کے مقابلہ میں کسی کو ٹھہرنے کی طاقت نہیں تھی!۔۔میں نے جو عباسؓ کا غلام تھا اور اسلام کی طرف مائل تھا اور ایک گونہ اس خبر سے خوشی محسوس کر رہا تھا، کہا "اللہ کی قسم! یہ فرشتے تھے" یہ سُنتے ہی ابولہب آگ بگولا ہو گیا اور میرے منہ پر بڑے زور کا طمانچہ مارا۔ یہ دیکھ کر اُمّ الفضل (حضرت عباسؓ کی بیوی) کو طیش آگیا اور اس نے خیمہ کا ایک بانس اُٹھا کر ابولہب کے سر پر مارا اور کہا "اس کا آقا یہاں موجود نہیں، اس لیے تو نے اس کو کمزور سمجھ کر مارا ہے" اس خبر کا ابولہب پر یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد وہ بمشکل سات دن زندہ رہا۔ عربوں کے خیال کے مطابق ایک منحوس پھوڑے "عدسہ" میں مبتلا ہوا جس کی وجہ سے اس کے بیٹے بھی اس سے دور ہو گئے۔ وہ مرنے کے بعد تین دن بلا گور و کفن پڑا رہا۔ کوئی اس کی میّت کے قریب نہیں جاتا تھا اور نہ کوئی اس کو دفن کرنے کے لیے تیار تھا۔ پھر ملامت کے خوف سے اس کے رشتہ داروں نے گڑھا کھودا، لکڑیوں کے ذریعہ اس کی لاش کو اس میں دھکیلا اور دُور سے پتھر پھینک کر دفن کیا۔

قاسم بن ثابت نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں لکھا ہے: جس دن قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی، کسی ہاتفِ جنّی نے بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے جس کو لوگوں نے سُنا لیکن پڑھنے والے کو نہیں دیکھا ؂

(۱) أزاد الحنيفيون بدرا وقيعة — سينقض منها ركن كسرى وقيصرا

"اہلِ اسلام نے بدر میں مخالفوں کو ایسی شکست دی کہ اس سے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بنیادیں ہل جائیں گی۔"

(۲) أبادت رجالا من قريش وأبرزت — خرائد يضربن الترائب حسرا

"انہوں نے قریش کے ایسے سردار ہلاک کر دیئے ہیں جن کے ماتم میں کنواریاں اور حیادار عورتیں ننگے سر

سینہ کوبی کر رہی ہیں:"

(۴) فیاویح من امسی عدو محمدا لقد جار عن قصد الہدیٰ وتحیرا

"ہائے محمدؐ کے دشمن کی ہلاکت کتنی بھیانک ہے جو حیرت زدہ ہو کر ہدایت کے سیدھے راستے سے ہٹ گیا" کسی نے پوچھا "حنیفی کون ہیں؟" جواب ملا "محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ابراہیم حنیفؑ کے دین پر ہیں" اس پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مکہ میں شکست کی خبر پہنچ گئی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب جنگِ بدر کا جھگڑا ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں پوری سورت انفال اتاری۔

جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد

جنگِ بدر میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد تین سو اور دس سے کچھ زیادہ تھی ان میں ۸۶ مہاجر ۶۱ قبیلہ اوس اور ایک سو ستر قبیلہ خزرج کے آدمی تھے۔ علماء کہتے ہیں خزرج سے اوس کے مجاہدین کی تعداد کم ہونے کی وجہ یہ ہے (حالانکہ یہ ان سے زیادہ صاحب قوت، زیادہ صاحب شوکت اور لڑائی میں زیادہ صبر کرنے والے تھے) کہ وہ زیادہ تر مدینہ سے باہر دیہات میں رہتے تھے ادھر رسول اللہ ﷺ نے کوچ کا فوری اعلان کیا اور فرمایا "جس کی سواری گھر میں موجود ہے وہ فوراً ہمارے ساتھ چلا آئے" بعض لوگوں کی سواریاں دیہات میں تھیں انہوں نے اجازت مانگی کہ ہم اپنی سواریاں دیہات سے لے آتے ہیں مگر آپؐ نے فرمایا "اتنا وقت نہیں ہے جن کی سواریاں ہیں بس وہی کوچ کریں۔"

اس وقت آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کی بیوی بیمار تھیں اس لیے آپؐ نے ان کی تیمار داری کے لیے حضرت عثمانؓ کو پیچھے چھوڑا اور ان سے اجر اور غنیمت کا وعدہ فرمایا اس لحاظ سے وہ بدری ہیں۔ طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعیدؓ بن زید بغرضِ تجارت شام گئے ہوئے تھے اس وجہ سے جنگِ بدر سے غائب رہے ان کو بھی آپؐ نے غنیمت کا حصہ دیا اور اجر کا بھی وعدہ فرمایا۔

جنگِ بدر میں شریک ہونے والے اہلِ اسلام کے اسمارِ گرامی حروفِ تہجی کے لحاظ سے محمد رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابو عبیدہ، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم!

الف: ابی بن کعب نجاری، ابیؓ بن ثابت، اوس بن ثابت نجاری (حسان کے بھائی)، اوس بن خولی خزرجی،

اوس بن صامت، اسعد بن یزید بن فاکہ زُرَقی، انس بن معاذ نجاری، انسہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام، انس بن قتادہ بن ربیعہ اوسی، ارقم بن ابی ارقم، اربد بن جبیر، اسیرہ ابو سلیط بن عمرو نجاری، ایاس بن بکیر لیثی حلیف بنی عدی، اور ایاس بن اوس بن عتیک اوسی۔

ب: بشیر بن براء بن معرور سلمی، بشیر بن سعد بن ثعلبہ ابو النعمان، بشیر بن عبد المنذر ابو لبابہ یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، بلال بن رباح مؤذن، بجیر بن ابی بجیر عبسی حلیف بنی عوف، بحاث بن ثعلبہ بن خزمہ بلوی حلیف بنی خزرج، بعض ان کا نام نحاب نون کے ساتھ بتاتے ہیں، اور لبس بن عمرو ذبیانی حلیف خزرج۔

ت: تمیم بن یعار خزرجی، تمیم مولیٰ بنی غنم اور تمیم مولیٰ خراش بن صمہ۔

ث: ثابت بن جزع، ثعلبہ انصاری، ثابت بن عمرو بن زید نجاری، ثابت بن خالد بن عمرو نجاری، ثابت بن اقرم بلوی حلیف انصار، ثابت بن خنساء نجاری جو واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ بدر میں حاضر ہوئے، ثابت بن عبید انصاری، ثابت بن ہزال انصاری، ثعلبہ بن غنمہ انصاری، ثعلبہ بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک نجاری، ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری ابن عبد البر کہتے ہیں، قتادہ اور سعید بن جبیر کے قول کے مطابق اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔

میں کہتا ہوں، ابو محمد بن حزم نے ان کو ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جو جنگ میں حاضر ہوئے تھے اور اس نے کہا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا مگر یہ باطل ہے بلاشبہ ان کا بدر میں حاضر ہونا اس کو باطل کرتا ہے۔"

ج: جابر بن عبد اللہ بن رَباب، جابر بن خالد بن مسعود نجاری، جابر بن عتیک اوسی بعض ان کو جبر کہتے ہیں، جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو پانی لا کر پلاتے تھے لیکن ابن عبد البر لکھتے ہیں، بعض لوگ، ان کو بدر میں شریک ہونے والوں میں شمار کرتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خود ان سے مروی ہے کہ بدر و اُحد میں حاضر نہیں ہوا کیونکہ میرے باپ نے منع کر دیا تھا، جبار بن امیہ سلمی، جبیر بن ایاس بن خالد بن مخلد زرقی اور جبر بن صیقا یہ سب انصار میں سے ہیں۔

ح: حمزہ بن عبد المطلب، حارث بن انس بن رافع، حارث بن اوس بن معاذ سعد بن معاذ کے بھتیجے، حارث بن نعمان بن امیہ بن امرأ القیس اوسی، حارث بن خزمہ ابو خزیمہ بعض کہتے ہیں، ابن خزیمہ بن عدی انصاری خزرجی، حارث بن عتیک بن نعمان نجاری، حارث بن زید بن عبد ربہ بن ثعلبہ خزرجی، حارث یہ ابو الاعور بن ظالم بن عبس بن حرام نجاری

ہیں ، حارث بن حاطب انصاری ۔ ان کو آپؐ نے روحا سے کسی کام کے لیے واپس کر دیا تھا ، ان کو حصہ دیا تھا اور اجر کا وعدہ بھی فرمایا تھا ، حارث بن صمہؓ ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے روحا سے واپس کر دیا تھا ، ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی ، ان کو بھی آپؐ نے حصہ دیا تھا اور اجر کا وعدہ فرمایا تھا ، حارث بن عرفجہ واقدی ، موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ عمارہ نے ان کو اصحابِ بدر میں ذکر کیا ہے ، حارث بن قیس بن خالد بن مخلد زرقی ، حارثہ بن نعمان بن نفیع بن زید نجاری ، حارثہ بن سراقہ بن حارث نجاری یہ شہید ہو گئے تھے ، حارثہ بن حمیر اشجعی حلیف بنی سلمہ ، حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم زرقی واقدی نے ان کو ان میں ذکر کیا ہے ، حارثہ بن نعمان بن رافع ، حریث بن زید بن ثعلبہ خزرجی ، حبیب بن سعد بعض نے حبیب بن اسود بن سعد اور بعض نے حبیب بن اسلم مولیٰ الانصار کہا ہے ، حصین بن حارث بن مطلب عبیدہ کے بھائی ، حاطب بن عمرو بن عتیک اوسی ۔ ابنِ اسحاق نے ان کو بدریوں میں سے ذکر نہیں کیا ، حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود العامری القرشی ۔ ابنِ عقبہ ، ابنِ اسحاق اور واقدی نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے ، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی حلیفِ قریش ، بعض کہتے ہیں : ان کا تعلق مذحج قبیلہ سے ہے ، حرام بن ملحان بن خالد بن زید بن حرام نجاری اور حباب بن منذر بن جموح بن زید بن حرام سلمی ۔

خ : خالد بن زید بن کلیب ابو ایوب نجاری ، خالد بن بکیر لیثی ، خالد بن قیس بن مالک بن عجلان زرقی ، خلاد بن رافع بن مالک بن عجلان زرقی ، خلاد بن سوید بن ثعلبہ خزرجی ، خلاد بن عمرو بن جموح بن زید بن حرام السلمی ، خلیدہ بن قیس بن نعمان سلمی ، خزیمہ بن ثابت بن فاکہ بن ثعلبہ خطمی اوسی ، خزیمہ بن اوس بن یزید بن اصرم ۔ ابنِ عقبہ نے ان کو ان میں ذکر کیا ہے ، خباب بن ارت تمیمی ، خراش بن صمہ بن عمرو بن جموح بن حرام سلمی خزرجی ، خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان ، خبیب بن عدی اوسی ، خبیب بن اساف خزرجی ، خارجہ بن زید خزرجی ، خارجہ بن حمیر اشجعی حلیف الانصار ، خریم بن فاتک اسدی امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہؒ نے ان کے جنگ میں حاضر ہونے کو صحیح کہا ہے ، خولی بن ابی خولی عجلی بعض کہتے ہیں یہ جعفی تھے حلیف بنی عدی بن کعب ، خنیس بن حذافہ سہمی ، خوات بن جبیر بن نعمان بن امیہ اوسی ۔ کہتے ہیں کہ راستہ میں ، ان کی ٹانگ پر پتھر لگا تھا جس کی وجہ سے یہ واپس آ گئے اور نبی ﷺ نے ان کو حصہ دیا تھا اور اجر کا وعدہ بھی کیا تھا اور خلیفہ بن عدی زرقی انصاری — ان کو ابنِ عقبہ اور ابنِ اسحاق نے بدریوں میں شمار کیا ہے ۔

د : دفہ بن ایاس بن عمرو انصاری ۔

ذ : ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ زرقی اور ذو الشمالین ان کا نام عمیر بن عبد عمرو بن غبشان خزاعی حلیف بنی زہرہ ۔

ہے ـــــ جنگِ بدر میں جامِ شہادت نوشش فرمایا تھا۔

ر :- رافع بن مالک بن عجلان زرقی ابن عقبہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے بعض کہتے ہیں یہ رافع بن معلی بن لوذان بن حارثہ الخزرجی ہیں۔ اور یہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے، رافع بن عنجرہ یہ ان کی والدہ کا نام ہے ان کے والد کا نام عبدالحارث اوسی ہے، رافع بن سہل بن رافع انصاری بعض نے ان کو ان میں ذکر کیا ہے، رافع بن زید اور بعض نے رافع بن یزید اوسی کہا ہے، رفاعہ بن عمرو خزرجی، رفاعہ بن رافع بن مالک بن عجلان زرقی، رفاعہ بن عبدالمنذر ابولبابہ اوسی، رفاعہ بن حارث بن رفاعہ بن سواد یہ بنو عفراء کے آدمی ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کو بدریوں میں ذکر کیا ہے لیکن واقدی اور دوسرے مؤرخین نے ان کے بدر میں حاضر ہونے کا انکار کیا ہے، ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ اسدی، ربیع بن ایاس بن غنم خزرجی، ربعی بن رافع بن زید بلوی، اور رحیلہ "جیم" کے ساتھ، رخیلہ "حا" کے ساتھ، رخیلہ "خ" ـــــ یعنی تینوں حرفوں کے ساتھ آیا ہے۔

ز : زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی مولیٰ رسول اللہ ﷺ، زید بن سہل بن اسود ابوطلحہ نجاری، زید بن اسلم بن ثعلبہ بلوی حلیف بنی عمرو، زید بن خطاب ـ عمر بن خطاب کے بھائی، زید بن مزین خزرجی، زید بن عاصم بن کعب نجاری، زید بن ودیعہ بن عمرو خزرجی، زبیر بن عوام، زیاد بن لبید زرقی، زیاد بن عمرو بعض کہتے ہیں زید بن بشر ضمرہ حلیف انصار اور مولیٰ بنی ساعدہ کے بھائی، زیاد بن کعب بن عمرو جہنی اور زاہر بن حرام اشجعی۔

س : سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان لوگوں کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں کہ یہ جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو غنیمت کا حصہ دیا تھا اور اجر کا بھی وعدہ فرمایا تھا، سعد بن ابی وقاص زہری، سعد بن معاذ ـ سیدالاوس، سعد بن خیثمۃ الانصاری یہ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے، سعد بن ربیع خزرجی، سعد بن مالک بن خالد خزرجی، یہ سہل بن سعد ساعدی کے والد ہیں واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ جنگ کے لیے نکلے تھے لیکن راستہ میں فوت ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے غنیمت کا حصہ نکالا تھا اور اجر کا وعدہ بھی فرمایا تھا، سعد بن عبادہ بعض نے ان کو بدریوں میں ذکر کیا ہے مگر ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے ذکر نہیں کیا، سعد بن عبید بن نعمان اوسی، سعد بن زید بن فاکہ، سعد بن خولی حلیف عامر بن لوی، سعد بن خولی مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ جو مذحج قبیلہ سے ہیں اور بعض نے کہا فارسی ہیں، سعد بن خولہ عامری یہ بعض کے نزدیک قریشی ہیں اور بعض کے نزدیک ان کے حلیف ہیں، سعد بن عثمان بن خلدہ زرقی ان کی کنیت ابوعبادہ ہے، سعد بن زید اوسی ابن اسحاق نے ان کو ان میں شمار کیا ہے، سہل بن قیس بن ابی کعب سلمی، سہل بن عتیک بن نعمان نجاری، سہل بن

حنیف بن واہب اوسی، سہل بن عدی، سلیم بن عمرو بن حدیدۃ اور بعض نے ابنِ عامر سلمی کہا ہے، سلیم بن حارث بن ثعلبہ نجاری، سلیم بن ملحان نجاری، سلیم بن فہد نجاری، سلیم — ابوکبشہ مولی النبی ﷺ، سلمہ بن اسلم بن حریش اوسی، سلمہ بن حاطب بن عمرو بن عتیک انصاری، سلمہ بن سلامہ بن وقش اوسی، سالم بن معقل مولیٰ ابی حذیفہ، سماک بن خرشہ ابودجانہ خزرجی، سماک بن سعد بشیر بن سعد خزرجی کے بھائی، سنان بن ابی سنان اسدی، سنان بن صیفی بن صخر سلمی، سہیل بن رافع نجاری ابن عقبہ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کی جگہ دراصل ان کی اور ان کے بھائی کی تھی جس کو "مربد" کہتے تھے، سہیل بن عمرو بن ابی عمرو، سہل بن بیضا قرشی فہری، سلیط بن عمرو سہیل بن عمرو عامری کے بھائی — ابنِ عقبہ نے ان کو ان میں ذکر کیا ہے، سلیط بن قیس بن عمرو نجاری، سراقہ بن کعب نجاری، سراقہ بن عمرو بن عطیہ نجاری، سبیع بن قیس خزرجی، سواد بن زید اور بعض کے نزدیک ابنِ زریق سلمی، سواد بن غزیہ بلوی یا نجاری، سویبط بن سعد بن حرملہ عبدی قرشی، سائب بن مظعون عثمان بن مظعون کے بھائی، سائب بن عثمان بن مظعون اور سفیان بن بشر بن زید۔

ش: شریک بن عبد عمرو بن قیظی اوسی، شماس بن عثمان مخزومی اور شجاع بن ابی وہب اسدی۔

ص: صہیب بن سنان رومی، صفوان بن بیضا مخزومی یہ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے اور صالح مولی رسول اللہ ﷺ۔ ان کو شقران کہا جاتا تھا بعض نے ان کو بدریوں میں ذکر کیا ہے۔

ض: ضحاک بن حارثہ سلمی، ضحاک بن عبد بن عمرو بن مسعود نجاری اور ضمرہ بن عمرو بسبس کے بھائی۔

ط: طلحہ بن عبید اللہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حصہ دیا اور اجر کا وعدہ فرمایا تھا، طفیل بن مالک بن خنساء سلمی اور طفیل بن نعمان بن مالک بن خنساء!۔ حرفِ "ظا" میں کوئی نام نہیں آیا ہے۔

ع: عبد اللہ ابوبکر صدیق، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ ابوسلمہ بن عبد الاسد مخزومی، عبد اللہ بن رواحہ خزرجی، عبد اللہ بن جحش اسدی، عبد اللہ بن ثعلبہ بن خزمہ بلوی حلیف خزرج، عبد اللہ بن جد بن قیس سلمی، عبد اللہ بن جبیر بن نعمان اوسی، عبد اللہ بن ربیع بن قیس خزرجی، عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ خزرجی، عبد اللہ بن طارق بلوی، عبد اللہ بن کعب بن عمرو نجاری، عبد اللہ بن مظعون جمحی، عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی خزرجی، عبد اللہ بن عبد مناف سلمی، عبد اللہ بن عمرو بن حرام سلمی والد حضرت جابر، عبد اللہ بن عنبس یا عبیس خزرجی، عبد اللہ بن عبس ان کا نسب بیان نہیں ہوا بعض کہتے ہیں، وہ خزرج کے حلیف ہیں، عبد اللہ بن قیس بن خلدہ نجاری، عبد اللہ بن قیس بن صخر سلمی، عبد اللہ بن سعید بن عاص بن امیہ، عبد اللہ بن سراقہ بن معتمر قرشی عدوی ابنِ اسحاق نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے، عبد اللہ بن سہیل بن عمرو عامری، عبد اللہ بن سلمہ بلوی، عبد اللہ بن سہل اشہلی، عبد اللہ بن مخرمہ عامری قرشی، عبد اللہ بن حمیر اشجعی، عبد اللہ بن عرفطہ، عبد اللہ بن عبید، عبد اللہ بن

نعمان بن بلدمہ سلمی، عبداللہ بن عمیر خزرجی، عبداللہ بن عامر بلوی، عبدالرحمان بن عوف، عبدالرحمان بن کعب ابولیلیٰ انصاری، عبدالرحمان بن جبیر بن عمرو اوسی، عبدالرحمان بن عبداللہ بن ثعلبہ بلوی، عبدالرحمان بن سہل انصاری ابن عبدالبر نے کہا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ بدر میں شریک ہوئے، عبید بن اوس بن مالک اوسی بعض ان کا نام مقرن بتاتے ہیں، عبید بن ابی عبید اوسی، عبید بن زید بن عامر بن عجلان، عبد بن قیس بن عامر زرقی، عبیدہ بن حارث بن مطلب یہ شہید ہو گئے تھے، عبد یالیل بن ثابت لیثی حلیف بنی عدی بن کعب، عبد ربہ بن حق اوسی خزرجی ساعدی، عبادہ بن صامت خزرجی، عباد بن بشر اوسی، عباد بن عبید بن تیہان اوسی، عباد بن قیس زرقی، عباد بن قیس بن عبسہ بن امیہ خزرجی، عباد بن عبادہ بن خشخاش بلوی، عمر بن خطاب، عمار بن یاسر، عمیر بن حمام بن جموح سلمی یہ شہید ہو گئے تھے، عمیر بن ابی وقاص سعد کے بھائی یہ شہید ہو گئے تھے، عمیر اکثر عمرو کہتے ہیں ابن عوف مولی سہیل بن عمرو، عمیر بن عامر بن مالک بن خنسار نجاری ان کی کنیت ابو داؤد ہے، عمیر بن معبد بن ازہر انصاری بعض نے ان کو حاضرین بدر میں شمار کیا ہے، عمیر بن حرام بن عمرو بن جموح سلمی، عمیر بن حارث بن ثعلبہ بن حارث سلمی، عمرو بن معاذ سعد کے بھائی، عمرو بن ابی سرح قرشی فہری، عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ نجاری، عمرو بن طلق بن زید سلمی، عمرو بن قیس بن زید نجاری بعض نے ان کو ذکر کیا ہے، عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی نجاری، عمرو بن حارث فہری ان کو ابن عقبہ نے ذکر کیا ہے، عمرو بن ایاس بن زید بن جشم حلیف انصار، عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امرء القیس ان کو ابن عقبہ نے بدر میں حاضر ہونے والوں میں شمار کیا ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر قرشی عدوی، عمرو بن حارث بن نصیر بن ابی شداد فہری بعض نے ان کو ذکر کیا ہے، عامر بن عبداللہ بن جراح ابو عبیدہ، عامر بن ابی وقاص سعد کے بھائی، عامر بن بکیر لیثی، عامر بن ربیعہ عنزی حلیف بنی عدی، عامر بن عبد عمرو ابو حبنہ اوسی، عامر بن سلمہ بلوی، عامر یا عمرو بن حارث فہری، عامر بن ثابت بن ابی افلح عاصم کے بھائی، عامر بن امیہ بن زید بن خشخاش نجاری، عامر بن مخلد بن حارث، عویمر بن اشقر بن عوف، عمارہ بن حزم نجاری عمرو بن حزم کے بھائی، عمارہ بن ابی حسن نجاری، عثمان بن عفان ان کو اجر اور غنیمت ملی، عثمان بن مظعون، علی بن ابی طالب، عقبہ بن وہب یا ابو وہب اسدی، عقبہ بن وہب بن کلدہ غطفانی حلیف خزرج، عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام سلمی، عقبہ بن عثمان بن خلدہ بن مخلد زرقی، عتبہ بن غزوان مازنی حلیف بنی نوفل، عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنسا سلمی، عتبہ بن ربیعہ بہرانی حلیف انصار ان کو بعض نے حاضرین بدر میں ذکر کیا ہے، عیاض بن زہیر فہری، عوف بن اثاثہ مطلبی جو مسطح کے نام سے مشہور ہیں، عوف بن حارث بن رفاعہ یہ ابن عفراء ہیں اور بدر میں شہید ہوئے، عاصم بن ثابت بن ابی الافلح اوسی، عاصم یا عامر بن عکیر حلیف انصار ان کو ابن عقبہ نے ان میں ذکر

کیا ہے، عاصم بن قیس بن ثابت بن نعمان اوسی، عاصم بن عدی بلوی بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نامنظور کر دیا تھا اور ان کے ساتھ حصّہ اور اجر کا وعدہ فرمایا تھا، عصمہ بن حصین بن وبرہ بن خالد بن عجلان خزرجی، عصمہ اشجعی ان کے حلیف ابن عقبہ نے ان کو حاضرینِ بدر میں ذکر کیا ہے، عصیمہ اسدی حلیف بنی نجار، عصیمہ اشجعی ان کے حلیف، عدی بن زغباء جہنی، عطیہ بن نویرہ بن عامر زرقی، عائذ بن ماعص بن قیس زرقی، عبس بن عامر بن عدی سلمی، عکاشہ بن محصن اسدی، عوذ بن عفراء، عتبان بن مالک خزرجی اکثر علماء نے ان کو بدریوں میں ذکر کیا ہے، عتیک یا عبید بن تیہان اوسی، عنترہ مولیٰ سلیم بن عمرو بعض کہتے ہیں یہ بنو سلیم بن منصور کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، عاقل بن بکیر لیثی اور یہ شہید ہو گئے، علیفہ بن عدی بن عمرو زرقی ابن ہشام نے اسی طرح یہ نام "عین" کے ساتھ ضبط کیا ہے ابن اسحاق نے "خلیفہ" خاء کے ساتھ لکھا ہے اور عویم بن ساعدہ اوسی۔

غ: غنام بن اوس زرقی۔

ف: فروہ بن عمرو بن ودقہ زرقی اور فاکہ بن بشر بن فاکہ بن زید بن خلدہ زرقی۔

ق: قیس بن مخلد بن ثعلبہ نجاری، قیس بن محصن بن خالد بن مخلد زرقی، قیس بن ابی صعصعہ نجاری، قیس بن سکن بن قیس نجاری، قیس بن عمرو بن قیس بعض نے ان کو ذکر کیا ہے، قتادہ بن نعمان بن زید اوسی، قطبہ بن عامر بن حدیدہ سلمی اور قدامہ بن مظعون جمحی۔

ک: کعب بن عمرو بن عباد ابوالیسر سلمی، کعب بن زید نجاری، کعب بن حمار یا جماز یہ سعد جہنی کے بھائی ہیں، کثیر بن عمرو یہ بنو سلیم سے ہیں، اور بنو اسد کے حلیف — یہ بات ابن اسحاق نے ذکر کی ہے اور زیادی کی روایت میں ہے کہ یہ جنگ میں حاضر ہوئے اور کناز بن حصین ابو مرثد غنوی۔

ل: لقیط بن عصر بلوی اور لبدہ بن قیس بن نعمان سلمی ابن کلبی نے ان کو ان میں ذکر کیا ہے۔

م: محمد بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ، محمد بن مسلمہ اوسی، معاذ بن جبل خزرجی، معاذ بن حارث یہ ابن عفراء کے نام سے مشہور ہیں۔ معاذ بن عمرو بن جموح سلمی، معاذ بن ماعص زرقی ان کا ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے، محمود بن مسلمہ محمد بن مسلمہ کے بھائی ان کو ابن الکلبی نے بدریوں میں ذکر کیا ہے، مالک بن تیہان ابوالہیثم بلوی حلیف بنی عبدالاشہل، بعض کہتے ہیں کہ یہ بنو عبدالاشہل کے فرد ہیں، مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبدالدار قرشی، مالک بن قدامہ بن عرفجہ اوسی، مالک بن رافع بن مالک بن عجلان، مالک بن عمرو سلمی یہ بنو عبد شمس کے حلیف ہیں، مالک بن ابی خولی حلیف انصار، مالک بن ربیعہ ابواسید ساعدی، مالک بن امیہ بن عمرو سلمی حلیف بنی اسد، مالک بن دخشم اوسی، مالک بن نمیلہ یہ ان کی والدہ کا نام

ہے۔ ان کے والد کا نام ثابت مزنی حلیفِ اوس ہے، مالک بن مسعود ساعدی، معقل بن منذر سلمی، مرثد بن ابی مرثد
غنوی، معمر بن حارث بن معمر جمحی، محرز بن نضلہ اسدی، محرز بن عامر نجاری، معوذ بن حارث۔ اور یہ ابنِ عفراء ہیں، معوذ
بن عمرو بن جموح سلمی، معن بن عدی۔ عاصم بلوی کے بھائی، مسعود بن عبد سعد اوسی، مسعود بن ربیع یا ابنِ ربیعہ۔ یہ بنو
ہون بن خزیمہ کے فرد ہیں، مسعود بن سعد بن قیس بن خلدہ زرقی، مسعود بن خلدہ زرقی، مسعود بن اوس بن زید نجاری،
مسعود ابو محمدؓ، معبد بن قیس بن صخر بن حرام سلمی، معبد بن عباد بن قشیر ابو خمیصہ خزرجی، معبد بن وہب عبدی، منذر بن عمروؓ
بن خنیس ساعدی، منذر بن محمد بن عقبہ اوسی، منذر بن قدامہ اوسی، منذر بن عرفجہ اوسی، معتب بن حمراء خزاعی، یا بلوی،
معتب بن بشیر یا ابنِ قشیر بن ملیل اوسی، مغیث بن عبید بلوی، مصعب بن عمیرؓ مقداد بن عمرو کندی، مرارہ بن ربیع
یا ابن الربیع اوسی — ابنِ عبد البر نے استیعاب میں ایسا ہی ذکر کیا ہے کہ مرارہ بدر میں حاضر ہوئے لیکن ابو الحجر اثرم
وغیرہ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے۔ اور زبیری کا قول صحیحین میں کعب بن مالک کی حدیث
میں ہے کہ یہ جنگِ بدر میں حاضر ہوئے تھے یہ غلط ہے اور یہ زبیری کی غلطی ہے (غزوہ تبوک کے بیان میں جلد
ہی اس پر تنبیہ ذکر ہوگی ان شاء اللہ۔ یہ اصل کے حاشیہ سے منقول ہے) مبشر بن عبد المنذر اوسی یہ شہید ہو گئے تھے،
مجدر بن زیاد بلوی، ملیل بن وبرہ بن خالد بن عجلان خزرجی، مہجع بن صالح عکی مولیٰ عمرؓ۔ یہ شہید ہو گئے تھے۔ اور مدلاج بن عمرو۔
ن: نوفل بن ثعلبہ بن عبد خزرجی، نعمان بن عبد عمرو بن مسعود نجاری، نعمان بن عصر بن ربیع بلوی، نعیمان بن عمرو بن رفاعہ
نجاری، نعمان بن مالک بن ثعلبہ خزرجی، نعمان بن یسار، نعمان بن ثابت، نعمان بن ابی جذمہ اور نصر بن حارث بن عبد اوسی،
و: وہب بن سرح بن سعد بن ربیعہ بن ہلال فہری، وہب بن محصن اسدی، واقد بن عبد اللہ تمیمی حلیف بنی عدی،
ورقہ بن ایاس بن عمرو بن غنم خزرجی اور ودیعہ بن عمرو جہنی حلیف بنی نجار۔
ہ: ہانی بن نیار ابو بردہ بلوی، ہلال بن معلی بن لوذان خزرجی، ہلال بن ابی خولی عمرو بن زہیر جعفی حلیف خطاب
بن نفیل۔ ابنِ عقبہ اور ابنِ کلبی نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے اور ہبیل بن وبرہ انصاری۔ ابنِ منذر نے عروہ سے نقل
کیا ہے کہ یہ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ی: یزید بن حارث بن قیس خزرجی (شہید ہوئے) یزید بن منذر بن سرح
بن خناس سلمی، یزید بن رقیش بن رئاب بن یعمر اسدی، یزید بن عامر بن حدیدہ ابو منذر سلمی موسیٰ وغیرہ نے ان کو
بدریوں میں ذکر کیا ہے، یزید بن ثابت بن ضحاک زید کے بھائی بعض مؤرخین نے ان کو بدریوں میں ذکر کیا ہے۔

جو لوگ کنیت سے مشہور ہیں اور ان کا نام معلوم نہیں وہ درج ذیل ہیں:

ابو کبشہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو الحمراء مولیٰ حارث بن رفاعہ، ابو حزیمہ بن اوس،

ابو سبرہ اور ابو ملیل بن ازعر رضی اللہ تعالیٰ !

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب نے جنگِ بدر کے بارہ میں درج ذیل اشعار کہے ہیں لیکن بعض نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اشعار حضرت حمزہؓ نے نہیں کہے ؎

أَلَمْ تَرَ أَمْرًا كَانَ مِنْ عَجَبِ الدَّهْرِ　　وَلِلْحَيْنِ أَسْبَابٌ مُبَيِّنَةُ الْأَمْرِ

"کیا تو نے زمانہ کا ایک عجیب معاملہ نہیں دیکھا، موت کے کچھ اسباب بہت نمایاں ہوتے ہیں۔"

وَمَا ذَاكَ إِلَّا أَنَّ قَوْمًا أَفَادَهُمْ　　فَحَانُوا تَوَاصَوْا بِالْعُقُوقِ وَبِالْكُفْرِ

"وہ معاملہ یہ ہے کہ ایک قوم جس نے نافرمانی اور کفر کی ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی تھی، دشمن کو فنا کرنے کے لیے آئی مگر خود فنا ہو گئی۔"

عَشِيَّةَ رَاحُوا نَحْوَ بَدْرٍ بِجَمْعِهِمْ　　فَكَانُوا رُهُونًا لِلرَّكِيَّةِ مِنْ بَدْرِ

"یہ واقعہ اس شام کا ہے، جب وہ سب کے سب میدانِ بدر میں آئے، اور ان کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں گروی ہو کر رہ گئیں۔"

وَكُنَّا طَلَبْنَا الْعِيرَ لَمْ نَبْغِ غَيْرَهَا　　فَسَارُوا إِلَيْنَا فَالْتَقَيْنَا عَلَى قَدْرِ

"ہم تو محض تجارتی قافلہ لوٹنے کے لیے آئے تھے، دوسری کوئی غرض نہیں تھی مگر وہ آئے، اور جیسا مقدر تھا ہم سے لڑنے لگے۔"

فَلَمَّا الْتَقَيْنَا لَمْ تَكُنْ مَثْنَوِيَّةٌ　　لَنَا غَيْرَ طَعْنٍ بِالْمُثَقَّفَةِ السُّمْرِ

"جب جنگ شروع ہوئی تو گندم گوں سیدھے نیزوں کے ساتھ نیزہ بازی کے سوا ہمارا کوئی کام نہ تھا۔"

وَضَرْبٍ بِبِيضٍ يَخْتَلِي الرَّأْسَ حَدُّهَا　　مُشَهَّرَةِ الْأَلْوَانِ بَيِّنَةِ الْأَثْرِ

"اور ایسی قاطع تلواروں کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگے جن سے دشمنوں کے سر اُڑنے لگے اور وہ چمکدار تلواریں اپنا نمایاں اثر چھوڑ رہی تھیں۔"

وَنَحْنُ تَرَكْنَا عُتْبَةَ الْغَيِّ ثَاوِيًا　　وَشَيْبَةَ فِي قَتْلَى تُجَرْجَمُ فِي الْجَفْرِ

"ہم نے سرکش عتبہ اور اس کے بھائی شیبہ کو ان مقتولوں میں داخل کر دیا جو بدر کے کنوئیں میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئے۔"

وَعَمْرٌو ثَوَى فِيمَنْ ثَوَى مِنْ حُمَاتِهِمْ　　فَشُقَّتْ جُيُوبُ النَّائِحَاتِ عَلَى عَمْرِو

"اور ان کا حامی ابوجہل عمرو بن ہشام بھی ان ہی میں رہ گیا اور بین کرتے ہوئے عورتوں نے اس پر اپنے گریبان پھاڑ دیئے۔"

جیوب نساء من لؤیّ بن غالب ۔۔۔ کرام تفرّ عن الذوائب من فهر

"لوی بن غالب کی عالی نسب عورتوں نے، جو فہر کے اونچے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں، اپنے گریبان پھاڑ دیئے۔"

اولٰئك قوم قتلوا فی ضلالهم ۔۔۔ وخلّوا لواء غیر محتضر النصر

"یہ لوگ اپنی گمراہی میں ہی قتل ہو گئے اور اپنے پیچھے مدد سے محروم جھنڈا چھوڑ گئے۔"

لواء ضلال قاد ابلیس اهله ۔۔۔ فخاس بهم انّ الخبیث الیٰ غدر

"وہ گمراہی کا جھنڈا تھا جس کے پیچھے ابلیس نے ان کو جمع کیا اور خبیث نے ان کو غداری پر آمادہ کیا۔"

وقال لهم إذ عاین الامر واضحًا ۔۔۔ برئتُ إلیهم ما بیَ الیوم من صبر

"جب اس نے میدانِ جنگ میں ملائکہ کی قطاریں دیکھیں تو کہنے لگا میں ان سے بیزار ہوں اور ان کی حمایت میں لڑنے سے معذور ہوں۔"

فانّی اریٰ ما لا ترون وانّی ۔۔۔ أخاف عقاب الله والله ذو قسر

"اور کہنے لگا اے اہلِ مکہ! مجھے وہ کچھ نظر آ رہا ہے جس کے دیکھنے سے تم محروم ہو اور مجھے زبردست خدا کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔"

فقدمهم للحین حتی تورطوا ۔۔۔ وکان بما لم یخبر القوم ذا خبر

"وہ انہیں ہلاکت میں ڈالنے کے لیے لے آیا اور میدانِ جنگ میں ان کو پھنسا کر بھاگ گیا اور جس انجام سے باخبر تھا لوگوں کو نہیں بتایا۔"

فکانوا غداة البئر الفًا وجمعنا ۔۔۔ ثلاث مئین کالمسدمة الزُّهر

"جس دن کفار کی لاشیں کنوئیں میں پھینکی گئیں وہ گنتی میں ایک ہزار تھے اور ہمارے کلیوں جیسے روشن رُو نوجوان صرف تین سو تھے۔"

وفینا جنود الله حین یمدّنا ۔۔۔ بهم فی مقام ثم مستوضح الذکر

"اور ہماری مدد کے لیے اللہ کے لشکر ہم میں موجود تھے جنہوں نے میدانِ جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔"

فشدّ بهم جبریل تحت لوائنا ۔۔۔ لدی مأزق فیه منایاهم تجری

"ہمارے جھنڈے کے نیچے ان کو لے کر جبرائیلؑ نے ایسا حملہ کیا کہ جنگ کے تنگ میدان میں ہر طرف دشمن کے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔"

حارث بن ہشام بن مغیرہ نے جواباً یہ اشعار کہے ؎

الا یالقوم للصبابۃ والھجر — وللحزن منّی والحرارۃ فی الصدر

"خبردار! اے قوم!! دوستوں کی جدائی اور غم پر تعجب کرو جس کی سوزش سے میرا سینہ جل رہا ہے۔"

وللدّمع من عینیّ جودا کانّہ — فرید ھوی من سلك ناظمۃ یجری

"نیز میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں پر تعجب کرو جو ٹوٹی ہوئی لڑی کے موتیوں کی طرح گر رہے ہیں۔"

علی البطل الحلو الشّمائل اذ ثوی — رھین مقام للرکیۃ من بدر

"یہ نالہ و شیون اس شیریں اخلاق پہلوان پر ہے جو مقامِ بدر میں ہمیشہ کے لیے ایک کنوئیں میں گروی ہو کر رہ گیا ہے۔"

فلا تبعدن یا عمرو من ذی قرابۃ — ومن ذی ندام کان ذا الخُلُق غَمْر

"اے میرے عزیز اور پیارے مصاحب! خدا کرے تُو رحمت سے دُور نہ ہو تُو بڑے اخلاقِ عالیہ کا حامل تھا۔"

فان یك قوم صادفوا منك دولۃ — فلا بدّ للایّام من دول الدّھر

"اگر دشمنوں کو تجھے ہلاک کرنے کا موقع مل گیا ہے تو غم نہیں یقیناً زمانے کے ایسے موقعے آتے ہی رہتے ہیں۔"

فقد کنت فی صرف الزمان الّذی مضی — تریھم ھوانًا عنك ذا سُبُل وعر

"تو بھی تو ماضی میں زمانے کے ایسے ہی مواقع پر ان کو ذلت ناک شکست دیا کرتا تھا جس سے بچ نکلنے کے راستے بڑے دشوار گزار ہوتے تھے۔"

فالّا اُمت یا عمرو اُترك ثائرًا — ولا اُبقِ بقیا فی اِخاء ولا صِھر

"اے عمرو! اگر میں موت سے بچ نکلا تو تیرا انتقام لے کر دم لوں گا اور بھائی چارے اور سسرال کے تعلقات کی وجہ سے کسی پر رحم نہیں کروں گا۔"

واَقطع ظھراً من رجال بمعشر — کرام علیھم مثل ما قطعوا ظھری

"اور جیسے انہوں نے میری کمر توڑی ہے میں بھی عزت والے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی کمر توڑ دوں گا۔"

اغرّھم ما جمعوا من و شیظۃ[1] — ونحن الصمیم فی القبائل من فھر

---

[1] الوشیظۃ: الاتباع۔

"کیا مختلف قبائل سے اپنے اتباع جمع کر کے وہ مغرور ہو گئے ہیں؟ حالانکہ ہم خالص قریشی قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔"

فیال لؤیّ ذبوا عن حریمکم وآلھۃ لا تترکوھا لذی الفخر

"اے آلِ لوئی! اپنی عورتوں اور اپنے خداؤں کی عزت کو بچاؤ اور ان کو کسی شیخی باز کے رحم و کرم پر نہ چھوڑو۔"

توارثہا آباؤکم وورثتم أواسیہا والبیت ذا السقف والستر

"یہ چیزیں تمہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہیں اور اسی طرح تم مضبوط چھت اور حسین پردوں والے گھر کے بھی وارث ہو۔"

فما لحلیم قد أراد ھلاککم فلا تعذروہ آل غالب من عذر

"اس بردبار آدمی کو کیا ہو گیا ہے جس نے تمہاری ہلاکت کا ارادہ کیا ہے؟ اے آلِ غالب! اس کو کبھی معاف نہ کرنا اور نہ اس کا کوئی عذر قبول کرنا۔"

وجدّوا لمن عادیتم وتوازروا وکونوا جمیعًا فی التأسی وفی الصبر

"اپنے دشمنوں کے لیے پوری تیاری کرو، باہمی تعاون سے کام لو اور صبر و مواسات میں جسمِ واحد کی طرح متحد ہو جاؤ۔"

لعلکم أن تثأروا بأخیکم ولا شیءَ إن لم تثأروا بذوی عمرو

"شاید اس طرح تم اپنے بھائی کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤ اور اگر تم نے انتقام نہ لیا تو تم عمرو کے دوست اور غمخوار نہیں ہو۔"

بمطرداتٍ فی الأکف کأنہا ومیض تُطیر الھام بیّنۃ الأثر

"ہاتھوں میں ایسے براں اور چمکدار نیزے لے کر حملہ کرو جو واضح طور پر کھوپڑیوں کو بدنوں سے اڑا دیں۔"

کأنّ مدبّ الذرّ فوق متونہا إذا جردت یومًا لأعدائہا الخزر

"جب ان کو بدترین دشمنوں کے سامنے کیا جاتا تو یوں معلوم ہوتی ہیں جیسے ان کی دھاریں کھیوں اور چیونٹیوں کو اڑانے والے پنکھے ہیں۔"

ابن ہشام کہتے ہیں: ابنِ اسحاق کی روایت میں اس قصیدے میں واقع ہونے والے دو کلمے "الفخر" اور "فما لحلیم" ہم نے اپنی طرف سے بدل دیئے ہیں کیونکہ اس کے کلموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پائی جاتی تھی۔" ضرار بن خطاب فہری نے کہا ؎

عجبت لفخر الأوس والحين دائر　　علیهم غدا والدهر فيه بصائر

"مجھے اوس کے فخر پر تعجب ہوتا ہے جب کہ مستقبل قریب میں ان پر بھی موت کا چکر چلنے والا ہے اور زمانہ میں عبرت کے بڑے بڑے سامان پنہاں ہیں۔"

وفخر بني النجار إن كان معشر　　أصيبوا ببدر كلهم ثمّ صابر

"اس طرح بنو نجار کے فخر پر بھی تعجب ہوتا ہے۔ اگر ہماری ایک جماعت بدر میں قتل ہو گئی ہے اور انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تو اس میں ان کے لیے فخر کی کون سی بات ہے؟"

فان تك قتلى غودرت من رجالنا　　فانّا رجالا بعدهم سنغادر

"اگر ہمارے کچھ مرد قتل ہو کر میدانِ جنگ میں رہ گئے ہیں، تو ان کے بعد ہم بھی ان کے آدمی میدانِ جنگ میں چھوڑیں گے۔"

وتردي بنا الجرد العناجيج وسطكم　　بني الأوس حتّى يشفي النفس ثائر

"اے اوس کے بیٹو! ہمارے تیز رَو کم مُو گھوڑے ہمیں لے کر تمہارے گھروں میں دَوڑیں گے تاکہ انتقام لینے والا انتقام لے کر شفا پائے۔"

ووسط بني النجّار سوف نكرّها　　لها بالقنا والدارعين زوافر

"اور ہم جلد ان کو بنو خزرج کے درمیان بھی دوڑائیں گے جو نیزوں اور زرہ پوش نوجوانوں کے شور میں حملہ آور ہوں گے۔"

فنترك صرعى تعصب الطير حولهم　　وليس لهم إلّا الأماني ناصر

"اور میدان میں ان کے اتنے مقتول چھوڑیں گے جن کے گرد پرندوں کی جماعتیں جمع ہو جائیں گی اور فقط آرزوؤں کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔"

وتبكيهم من أهل يثرب نسوة　　لهنّ بها ليل عن النّوم ساهر

"اور ان پر اہلِ یثرب کی عورتیں اس قدر روئیں گی کہ رات بھر ماتم کرنے کی وجہ سے جاگتی ہیں۔"

وذلك انّا لا تزال سيوفنا　　بهن دم ممّن يحاربن مائر

"یہ اس لیے کہ جس قوم سے ہم لڑتے ہیں، ہماری تلواریں ان کے خون سے رنگین ہوتی ہیں۔"

فان تظفروا في يوم بدر فانّما　　بأحمد أمسى جدكم وهو ظاهر

"اگر بدر کی جنگ میں تمہیں کچھ کامیابی نصیب ہوئی ہے تو وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی وجہ سے ہوئی ہے اور تمہاری قسمت جاگ پڑی ہے۔"

وبالنفر الأخيار هم أولياؤه   يحامون في اللأواء والموت حاضر

"اور اس کے بہترین دوستوں کی وجہ سے ایسا ہوا ہے جو موت کی موجودگی میں گھمسان کی جنگ کے وقت اپنے ساتھیوں کو بچاتے ہیں۔"

يعدُّ أبوبكر وحمزة فيهمُ   ويدعى عليّ وسط من أنت ذاكر

"ان میں ابوبکرؓ، حمزہؓ اور علیؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"

أولئك لا من نتجت في ديارها   بنو الأوس والنجار حين تفاخر

"ان کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی ہے نہ ان کے سبب سے جن کو اوس اور خزرج نے اپنے گھروں میں جنم دیا ہے۔"

ولكن أبوهم من لؤيّ بن غالب   إذا عدت الأنساب كعب و عامر

"جب انساب کا ذکر آتا ہے تو ان کے باپ کعب اور عامر لؤی بن غالب کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

هم الطاعنون الخيل في كل معركٍ   غداة الهياج الأطيبون الأكابر

"یہی لوگ لڑائی کے ہر میدان میں شہسواروں سے نیزہ بازی کرتے ہیں یہ بڑے پاکباز اور اونچے طبقہ کے لوگ ہیں۔"

اس کے جواب میں بنوسلمہ کے مشہور شاعر کعبؓ بن مالک نے یہ اشعار کہے ؎

عجبت لأمر الله والله قادر   على ما أراد ليس لله قاهر

"تجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر تعجب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ اس پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں ہے۔"

قضى يوم بدر أن نلاقي معشراً   بغوا وسبيل البغي بالناس جائر

"اس نے بدر کے دن یہ فیصلہ کیا کہ ہم باغی جماعت سے لڑیں اور لوگوں کے حق میں بغاوت کا راستہ انتہائی ٹیڑھا ہے۔"

وقد حشدوا واستنفروا من يليهم   من الناس حتى جمعهم متكاثر

"وہ آس پاس کے لوگوں کو اکٹھا کر کے ہمارے مقابلہ میں بھاری جمعیت لے کر آئے تھے۔"

وسارت الینا لا تحاول غیرنا بأجمعها کعب جمیعًا وعامر

"بنوکعب اور بنوعامر کے سب قبائل نے مل کر ہم پر ہلہ بول دیا اور ان کا ہمارے سوا کسی سے لڑنے کا ارادہ نہیں تھا۔"

وفینا رسول اللہ والأوس حولہ لہ معقل منھم عزیز وناصر

"ہم میں اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور ان کے اطراف بنو اوس ہیں۔ وہ آپؐ کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور غلبہ رکھنے والے اور مدد کرنے والے ہیں۔"

وجمع بنی النجار تحت لوائہ یمشون فی الماذیّ والنقع ثائر

"بنو نجار کی جماعت آپؐ کے پرچم کے نیچے ہے۔ وہ سفید اور نرم زرہوں میں ناز سے چلے جا رہے ہیں، اور گرد وغبار ہے کہ اُڑا جا رہا ہے۔"

فلما لقیناھم وکل مجاھد لأصحابہ مستبسل النفس صابر

"پھر جب ہم ان کے مقابل ہوئے، تو ہر مجاہد اپنے ساتھیوں کے لیے، خود اپنے نفس سے دلیری کا طالب اور ثابت قدم تھا۔"

شھدنا بأن اللہ لا رب غیرہ وأن رسول اللہ بالحق ظاھر

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں، اور اللہ کے رسولؐ حق کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے والے ہیں۔"

وقد عُرّیت بیض خفاف کأنھا مقابیس یزھیھا لعینک شاھر

"چنانچہ چمکتی ہوئی، ہلکی (تلواریں) برہنہ کر لی گئیں۔ گویا کہ وہ شعلے ہیں، اور تلوار کھینچنے والا تیری آنکھ کے سامنے انھیں حرکت دے رہا ہے۔"

بھن أبدنا جمعھم فتبددوا وکان یلاقی الحین من ھو فاجر

"اِنھی تلواروں کے ذریعے ہم نے ان کی جماعت کو برباد کر ڈالا، تو وہ پریشان ہو گئے، چنانچہ جو بھی نافرمان تھا، موت سے ملاقات کر رہا تھا۔"

فکبّ أبوجھل صریعا لوجھہ وعتبۃ قد غادرنہ وھو عاثر

"بالآخر ابوجہل نے منہ کے بل پٹخنی کھائی۔ اور عتبہ کو انھوں نے ایسی حالت میں

چھوڑا کہ وُہ ٹھوکر کھا چکا تھا۔"

وشیبۃ والتیمی غادرن فی الوغیٰ　　　وما منہما إلّا بذی العرش کافر

"اور شیبہؔ نیز تیمی کو انھوں نے چیخ و پکار میں چھوڑ دیا۔ اور یہ دونوں صاحبِ عرش کے انکاری تھے۔"

فأمسوا وقود النار فی مستقرّھا　　　وکلّ کفور فی جھنّم صائر

"غرض آگ کے مستقر میں وہ ایندھن بن گئے ـــ اور ہر منکر جہنم ہی میں منتقل ہونے والا ہے۔"

تلظّٰی علیھم وھی قد شبّ حمیھا　　　بزبر الحدید والحجارۃ ساجر

"اس حالت میں کہ اس کی گرمی شباب پر ہے، وُہ ان پر شعلہ زن ہے ـــ جو لوہے اور پتھروں کی تختیوں سے بھری ہوئی ہے۔"

وکان رسوؒل اللہ قد قال أقبلوا　　　فولّوا وقالوا إنّما أنت ساحر

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے یہ فرمایا تھا کہ (میری بات) قبول کرو۔ لیکن انہوں نے منہ پھیر لیا، اور کہا کہ تُو جادوگر ہے۔"

لأمر أراد اللہ أن یھلکوا بہ　　　ولیس لأمر حمّہ اللہ زاجر

"یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا، وہ اسی میں ہلاک ہوں ـــ اور جس بات کا فیصلہ اللہ ربّ العزّت فرما لیتے ہیں، اسے روکنے والا کوئی بھی نہیں۔"

عبداللہ بن زبعریٰ نے مقتولینِ بدر کے مرثیہ میں کہا (بعض نے یہ اشعار اعشٰی بن زرارہ تمیمی سے منسوب کیے ہیں):

ماذا علی بدر وماذا حولہ　　　من فتیۃ بیض الوجوہ کرام

"بدرؔ اور اس کے ماحول پر کیا (آفت آگئی) ہے، کہ گورے گورے چہرے والے شریف نوجوانوں نے ـــــــ"

ترکوا نُبَیْھًا بینھم ومنبّھًا　　　وابنی ربیعۃ خیر خصم فئام

"نُبَیہ، مُنَبّہ اور ربیعہ کے دونوں بیٹوں کو، جو لوگوں کی (ان) جماعتوں کے بڑے مخالف تھے، ان کے درمیان چھوڑ دیا؟"

والحارث الفیّاض یبرق وجھہ — کالبدر جلّیٰ لیلۃ الإظلام

" اور فیاض حارث کو چھوڑ دیا، جس کے بدر کی طرح چمکنے والے چہرے نے اندھیری رات کو روشن کر دیا ہے!"

والعاصی بن منبّہ ذا مرّۃ — رمحا تمیما غیر ذی أوصام

" اور منبّہ کے بیٹے عاص کو (بھی چھوڑ دیا) جو قوی تھا — (یوں لمبا گویا) پورا نیزہ تھا اور عیبوں سے پاک تھا"

تنمی بہ أعراقہ وجدودہ — و ماثر الأخوال والأعمام

" اس (عاص) کے ذریعے اس (منبّہ) کے اصلی صفات، اس کی استعداد اور ماموں، چچاؤں کے صفاتِ حمیدہ پرورش پاتے تھے"

و إذا بکی باک فأعول شجوہ — فعل الرئیس الماجد ابن ھشام

" اور جب کوئی رونے والا رو دیا، اور اپنے غم کا اظہار بآوازِ بلند کیا، تو سمجھ لو کہ عزت و شان والے سردار ابنِ ہشام پر ہی آواز بلند کر رہا ہے"

حیّا الإلہ أبا الولید ورھطہ — ربُّ الأنام وخصّھم بسلام

" ابو الولید اور اس کی جماعت کو خُدا زندہ رکھے — اور ربّ الانام انھیں سلامتی سے مخصوص فرمائے!"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبعرٰی کے جواب میں کہا ؎

ابک بکت عیناک ثم تبادرت — بدم تعلّ غروبھا سجّام

" تُو بدر کے مقتولوں پر رو! خدا کرے تیری آنکھیں سدا روتی رہیں۔ اور آنسو ختم ہونے کے بعد، بہنے والے خون سے پلکوں کو جلدی اور بار بار تر کریں!"

ماذا بکیت بہ الّذین تتابعوا — ھلّا ذکرت مکارم الأقوام

" تُو پے در پے ہلاک ہونے والوں پر کیا روتا ہے — شریف لوگوں کا تذکرہ کیوں نہیں کرتا؟"

وذکرت منّا ماجدا ذا ھمّۃ — سمح الخلائق صادق الإقدام

"اور ہم میں سے ایک بزرگ، باہمت، نرم اخلاق اور راست اقدام والے کا ذکر کیوں نہیں کرتا؟"

اعنی النبی اخا المکارم والندیٰ　　و أبرّ من یولی علی الاقسام

"اس سے میری مراد وُہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو سخاوت و شرافت کو لازم پکڑنے والے، اور قسم کھانے والوں میں سے اپنی قسم کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں!"

فلمثله و لمثل مایدعو له　　کان الممدح ثم غیر کهام

"یقیناً آپؐ اور آپؐ کا رب ـــ جس کی طرف آپؐ دعوت دیتے ہیں۔ مدح وثنا کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر وُہ بے مروّت بھی نہیں!"

یہ اشعار بھی حضرت حسانؓ نے کہے ہیں ؎

تبلت فؤادك فی المنام خریدة　　تشفی الضجیع ببارد بسام

"ایک نازک اندام دوشیزہ نے نیند میں تیرے دل کو بیمار کر دیا، جو ساتھ لیٹنے والے کو سرد اور آبدار دانتوں کا پانی پلاتی ہے!"

کالمسك تخلطه بماء سحابة　　او عاتق کدم الذبیح مدام

"وہ کستوری کی طرح خوشبودار ہے، جس میں بارانِ رحمت کی آمیزش ہے ـــ یا عمدہ شراب کہ جس کا رنگ خون کی طرح سُرخ ہے!"

نُفُجُ الحقیبة بوصُها متنضِّد　　بلهاء غیر وشیکة الاقسام

"وہ بھاری بھاری سرینوں والی ہے، جو تہ درتہ گوشت سے ابھرے ہوئے ہیں۔ بھولی بھالی ہے، اور جلدی جلدی قسم کھانے کی عادی نہیں!"

بنیت علی قطن اجمّ کانّه　　فضلا إذا قعدت مداك رُخام

"وہ گداز رانوں والی ہے۔ جب ایک کپڑا پہن کر بیٹھتی ہے، تو خوشبو رگڑنے والی سِل کی طرح صاف اور ملائم معلوم ہوتی ہے۔"

وتکاد تکسل ان تجیٔ فراشها　　فی جسم خرعبة وحسن قوام

"وُہ اتنی خوبصورت اور نازک اندام ہے کہ اپنے بستر پر آنے سے تھک جاتی ہے!"

أمّا النّهار فلا أفتّر ذكرها ۔۔۔ واللّيل توزعني بها أحلامي

"دن کے وقت بھی مَیں اس کی یاد میں سُستی نہیں کرتا، اور رات کے وقت خواب مجھے اس کے لیے پریشان رکھتے ہیں!"

أقسمت أنساها وأترك ذكرها ۔۔۔ حتى تغيّب في الضريح عظامي

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میں اسے بھلا دوں گا اور اس کا ذکر ترک کر دوں گا، یہاں تک کہ مرنے کے بعد میری ہڈیاں قبر میں دفن ہو جائیں!"

بل من لما ذلة تلوم سفاهة ۔۔۔ ولقد عصيت على الهوى لوّامي

"لیکن اس ملامت گیر عورت کو کون سمجھائے، جو اپنی بیوقوفی سے مجھے ملامت کرتی ہے۔ حالانکہ میں محبت کے معاملہ میں کسی بھی ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتا!"

بكرت عليّ بسحرة بعد الكرى ۔۔۔ وتقارب من حادث الأيام

"جو نیند کے بعد اور یوم وصال کے قریب، صبح سویرے سویرے میرے پاس آجاتی ہے!"

زعمت بأنّ المرء يكرب عمره ۔۔۔ عدمٌ لمعتكر من الإصرام

"وُہ کہتی ہے کہ عیش و عشرت میں بے شمار اونٹ ضائع کرنے کے بعد آدمی کی عمر ہلاکت کے قریب ہو جاتی ہے!"

إن كنتِ كاذبة الذي حدّثتني ۔۔۔ فنجوتُ منجي الحارث بن هشام

"اے عورت! اگر تُو ان باتوں میں جھوٹی ہے، جو مجھ سے بیان کرتی ہے، تو خدا کرے میں بھی حارث بن ہشام کی طرح بھاگ کر اپنی جان بچالوں!"

ترك الأحبّة أن يقاتل دونهم ۔۔۔ ونجا برأس طمرّةٍ ولجام

"جو اپنے دوستوں کی حفاظت کے لیے لڑنے کی بجائے تیز رو گھوڑی کو لگام دے کر بھاگ گیا"

تذرُ العناجيج الجياد بقفرة ۔۔۔ مرّ الدموك بمحصد ورجام

"وُہ ریگستان میں تیز رَو گھوڑوں کو یوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے، جیسے وہ مضبوط رسی اور بھاری ڈول والی پانی کھینچنے کی چرخی ہے!"

ملأت به الفرجين فارمدّت به　　وثوى أحبته بشرّ مقام

"اس نے اسے لے کر بھاگتے وقت اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کا درمیانی فاصلہ بھر دیا، حالانکہ اس کے دوست وعزیز ایک بُری جگہ میں مَرے پڑے تھے!"

وبنو أبيه ورهطه في معرك　　نصر الإله به ذوي الإسلام

"اس کے بھائی اور خاندان کے دوسرے لوگ اس میدان میں مَرے پڑے تھے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کی مدد فرمائی!"

طحنتهم والله ينفذ أمره　　حرب يشب سعيرها بضرام

"اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہے۔ چنانچہ ان کو لڑائی کی ایسی آگ میں پیس ڈالا تھا جس کے شعلے بڑی بڑی لکڑیاں جلنے سے بلند ہوتے ہیں!"

لولا الإله وجريها لتركنه　　جزر السباع ودسنه بحوام

"اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس گھوڑی کی تیز رفتاری کام نہ آتی، تو وُہ درندوں کی خوراک بن جاتا اور اس کا بدن گھوڑے کے پاؤں میں پس جاتا!"

من بين مأسور يشد وثاقه　　صقر إذا لاقى الأسنة حام

"لڑائی کے وقت واجب الحفاظت چیزوں کی حفاظت کرنے والے قریش کے بازوں جیسے قوی پہلوان بدر میں قید ہو گئے اور ان کی مشکیں کس کر باندھی گئیں۔"

ومجدل لا يستجيب لدعوة　　حتى تزول شوامخ الأعلام

"اور کچھ قتل ہو کر زمین پر گر پڑے، جو کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب نہیں دیتے حتیٰ کہ اُونچے اونچے پہاڑ اپنی جگہ سے ہِل جائیں۔"

بالعار والذل المبين إذا رأى　　بيض السيوف تسوق كل همام

"جب انہوں نے چمکدار تلواروں کو عار اور کھلی ذلت کے ساتھ ہر سردار کو ہانکتے دیکھا!"

بِيَدَي اغرّ اذا انتمى لم يُخزِه   نسبُ القِصار سميدع مقدام

"وہ تلواریں ہراس روشن رو، پیش قدمی کرنے والے سردار کے ہاتھ میں تھیں، جس کے بزرگوں نے حصولِ مکارم میں کوتاہی نہیں کی!"

يعض إذا لاقت حديداً اصمت   كالبرق تحت ظلال كل غمام

"وہ تلواریں جب زرہوں اور خودوں سے ٹکراتی ہیں، تو یوں چمک پیدا کرتی ہیں، جیسے بادلوں میں بجلی کوندتی ہے!"

ابنِ ہشام کہتے ہیں، حارث بن ہشام نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے جواب میں کہا ؎

الله يعلم ما تركت قتالهم   حتٰى حبوا مُهرِى باشقر مزبد

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جب تک انہوں نے میرے گھوڑے کو جھاگ پیدا کرنے والے خون سے رنگ نہیں دیا، میں نے ان سے لڑنے سے منہ نہیں موڑا"

و وجدت ريح الموت من تلقائهم   في مأزق والخيل لم تتبدد

"اور مجھے ان کی طرف سے جنگ کی تنگ جگہ میں موت کی بُو آنے لگی، جبکہ گھوڑے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے"

وعرفت أنّي إن أقاتل واحداً   أقتل ولا ينكى عدوّى مشهدى

"اور میں نے معلوم کر لیا، اگر میں اکیلا لڑوں گا، تو قتل ہو جاؤں گا اور میرا میدان میں موجود رہنا دشمن کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا"

نصددت عنهم و الأحبّة فيهم   طمعًا لهم بعقاب يوم مفسد

"چنانچہ میں سوچ کر اپنے عزیزوں کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ پھر ان کو کسی دن خوفناک سزا سے دوچار کروں گا"

اصمعی کہتے ہیں: معذرت خواہی میں یہ سب سے اچھے اشعار کہے گئے ہیں۔ مگر خلف الاحمر کہتا ہے کہ اس مقصد میں بہترین ہبیرہ بن ابی وہب کے درج ذیل اشعار ہیں ؎

لعمرك ما ولّيت ظهرى محمّداً   وأصحابه جبنًا ولا خيفة القتل

"تیری عمر کی قسم، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی طرف سے بزدلی کی وجہ اور

قتل کے خوف سے پیٹھ نہیں پھیری۔"

ولٰکنّنی قلّبت أمری فلم أجد لسیفی مساغا إن ضربت ولا نبلی

"لیکن میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا، اگر میں تلوار چلاؤں گا، تو میری شمشیرزنی اور تیراندازی کچھ فائدہ نہ دے گی۔"

وقفت فلما خفت ضیعۃ موقفی رجعت بعود کالھزبر إلی الشبل

"میں دشمن کے مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ لیکن جب بے فائدہ ہلاک ہونے کا خطرہ پیدا ہوا، تو میں دوبارہ حملہ کی نیت سے اس طرح واپس مڑا، جس طرح شیر اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے واپس لوٹتا ہے۔"

حارث جنگِ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے، لیکن فتح مکہ کے دن حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور ان کا اسلام شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ چنانچہ مؤلفۃ القلوب فاضل صحابہؓ میں ان کا شمار ہوتا ہے ——رضی اللہ عنہ!

آں حضرت ﷺ آخر رمضان اور شوّال میں جنگِ بدر سے فارغ ہوئے اور شوّال کی پہلی تاریخ کو عید الفطر ادا کی!

غزوۂ بنی سُلیم

آں حضرت ﷺ شوّال کے شروع میں —— ایک قول میں بدر کے سات دن بعد، اور ایک قول میں نصف محرّم ۳ھ میں بنو سُلیم کے مقابلہ میں نکلے اور "قرقرۃ الکدر" نامی تالاب پر جا پہنچے —— "قرقرۃ" دراصل ہموار زمین، اور "کدر" خاکستری رنگ کے ایک پرندہ کو کہتے ہیں۔ آپؐ وہاں تین یا دس دن ٹھہرے، لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اس غزوہ پر آپؐ مدینہ منوّرہ سے پندرہ دن غائب رہے۔ اور مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاریؓ، اور ایک قول کے مطابق ابن امّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرّر کیا تھا۔ اس جنگ میں آپؐ کے جھنڈا بردار علیؓ بن ابی طالب تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان کے پانچ سو سے زائد اونٹوں اور "یسار" نامی ایک غلام پر قبضہ کیا، جس کو بعد میں آزاد کر دیا اور بغیر لڑائی کے واپس تشریف لے آئے۔ آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ یہاں بنو سلیم اور بنو غطفان کی ایک بھاری جمعیت آپؐ

سے جنگ کرنے کے لیے تیار رہے۔ لیکن آپؐ وہاں گئے، تو وُہ منتشر ہو گئے۔ اور اس جگہ کسی کو موجود نہیں پایا!

غزوۂ سویق

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، پھر ابوسفیان غزوۂ سویق میں نکلا۔ اُس نے نذر مانی تھی کہ جب تک آپؐ سے انتقام نہیں لے گا، غسلِ جنابت نہیں کرے گا۔ اس لیے اپنی نذر پوری کرنے کے لیے قریش کے دو سو سوار لے کر نکلا، اور مدینہ منوّرہ سے تقریباً بارہ میل دور واقع پہاڑ نیب کے نزدیک "صدر قناۃ" جگہ میں اترا۔ پھر رات کے اندھیرے میں بنونضیر کے محلہ میں آیا۔ حیی بن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا، مگر وُہ ڈر گیا اور دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ وہاں سے سلام بن مشکم کے پاس آیا، یہ بھی اس وقت بنونضیر کا ایک مشہور سردار اور ان کا خزانچی تھا۔ اس نے اس کو اندر بلایا، اس کی مہمانی کی اور اس کو کھلایا پلایا۔ نیز مسلمانوں کی صورتِ حال سے مطلع کیا۔ پھر پچھلی رات اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش کے چند سواروں کو مدینہ منوّرہ بھیجا، جنھوں نے مدینہ کی ایک جانب کھجوروں کا ایک باغ جلا دیا۔ انصار کے ایک آدمی اور ان کے ایک حلیف کو، جو وہاں کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، قتل کر دیا اور واپس چلے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، تو آپؐ اُن کے تعاقب میں قرقرۃ الکدر تک پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بھاگ گئے ہیں اور بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جاتے ہوئے بہت سے ستو اور دوسرا سامان پھینک گئے ہیں۔ یہ سامان مسلمانوں کے کام آیا، اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق (ستو) مشہور ہوا۔ آپؐ لڑائی کیے بغیر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے، تو صحابہؓ نے پوچھا: "یا رسولؐ اللہ! جنگ تو ہوئی نہیں، کیا ہمیں جنگ کا ثواب ملے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں ضرور ملے گا!" اسی سال ماہِ ذی الحج میں آپؐ نے نمازِ عید پڑھی اور مسلمانوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔ اسی سال حضرت عثمانؓ بن مظعون کا انتقال ہوا، اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت فاطمہؓ کے ساتھ نکاح ہوا اور ساڑھے سات مہینے بعد رخصتی عمل میں آئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پندرہ سال پانچ مہینے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً ۲۱ سال اور ۵ ماہ تھی۔ حضرت علیؓ نے جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں، دوسری شادی نہیں کی!

غزوۂ غطفان

یہ غزوہ "ذی اَمَرٌ" ہے۔اس کا تلفظ ہمزہ اور میم کی فتح کے ساتھ ہے۔امام حاکمؒ نے اس کا نام غزوۂ انمار بتایا ہے۔یہ غزوہ نجد کی جانب ہجرت کے ۲۵ ماہ بعد ربیع الاوّل کی ۱۲ تاریخ کو پیش آیا۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی ملی جلی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ رکھتی ہے' اور اس کو ایک مشہور بہادر سردار دعثور بن حارث محاربی نے جمع کیا ہے۔اس کا نام خطیب نے غورث، اور دوسروں نے عورک لکھا ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار سو پچاس سوار لے کر ان کے تعاقب میں نکلے اور مدینہ منورہ پر حضرت عثمانؓ بن عفان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔دشمن کو جب آپؐ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں منتشر ہو گئے۔مسلمانوں کو ان کا ایک آدمی ہاتھ آیا، جس کا نام جبار تھا۔اور یہ قبیلہ بنو ثعلبہ سے تعلق رکھتا تھا۔اس کو آں حضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، تو وہ اسلام لے آیا۔اور آپؐ نے اس کو حضرت بلالؓ کے حوالے کر دیا۔اس وقت بارش ہوئی تھی، آپؐ نے اپنے دونوں کپڑے خشک کرنے کے لیے ایک درخت پر پھیلائے اور خود اس کے نیچے سو گئے۔دشمن کے کچھ آدمی دیکھ رہے تھے۔انہوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ اب آپؐ اکیلے ہیں، جا کر (معاذ اللہ) آپؐ کا کام تمام کر دے۔چنانچہ وہ ننگی تلوار لے کر آیا، اور آپؐ کے سر پر کھڑا ہو کر کہنے لگا: "آج میری تلوار سے تجھے کون بچائے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بچائے گا۔" جبرائیلؑ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا۔اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی، جو آپؐ نے پکڑ لی اور فرمایا: "اب تجھے میرے وار سے کون بچائے گا؟" بولا: "کوئی نہیں!۔اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔" پھر وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔ الآیۃ (المائدۃ: ۱۱) اے اہلِ ایمان! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تم پر ہاتھ اٹھانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو تم سے روک دیا!"

بعض کہتے ہیں یہ واقعہ جنگ "ذات الرقاع" میں پیش آیا تھا۔پھر آپؐ بغیر جنگ کیے واپس تشریف لے آئے، اس جنگ میں آپؐ گیارہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے!

غزوۂ نجران

اس کا نام غزوہ بنوسلیم ہے اور مشہور قصبہ فَرَع کی جانب واقع ہوا اس لفظ میں "فا" اور "را" دونوں حرف مفتوح ہیں آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ وہاں بنوسلیم کی ایک جماعت مدینہ پر حملہ کرنے کی نیّت سے اکھٹی ہو رہی ہے آپؐ ان کی سرکوبی کے لیے تین سو صحابیؓ لے کر نکلے مگر وہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے اپنے "پانیوں" میں منتشر ہو گئے اور آپؐ بغیر جنگ کیے واپس آ گئے۔ ابنِ ہشام کے مطابق آپؐ نے مدینہ میں ابنِ اُمِ مکتومؓ کو نائب مقرر کیا تھا اس سفر میں آپؐ دس دن باہر رہے۔ ابنِ اسحاق کے قول کے مطابق یہ سفر آپؐ نے قریش پر حملہ کے ارادہ سے کیا تھا۔

سریّہ زیدؓ بن حارثہؓ

آپؐ نے زیدؓ بن حارثہؓ کو ایک لشکر دے کر قَردہ کے مقام کی طرف بھیجا یہ لفظ قاف کی زبر اور "را" کی جزم کے ساتھ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ "فا" اور "را" مکسور کے ساتھ ہے یہ نجد کے پانیوں میں سے ایک پانی کا نام ہے۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں جب جنگِ بدر کے بعد شام جانے کے لیے قریش کو یہ راستہ پُرخطر معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے بدلے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ یہ قافلہ ابوسفیان لے کر جا رہا تھا، ان کے پاس بڑا سرمایہ تھا اور چاندی سونے سے لدا ہوا تھا۔ قردہ نامی پانی پر زیدؓ کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آدمی تو جان بچا کر بھاگ گئے مگر قافلہ پر زیدؓ نے قبضہ کر لیا اور مدینہ کی طرف مراجعت کی۔

ابنِ سعد کہتے ہیں کہ آپؐ نے زیدؓ کو ہجرت سے ۱۸ مہینے بعد قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک سو سوار دے کر بھیجا۔ اس قافلہ میں دوسرے آدمیوں کے علاوہ صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھے اور بہت مال اور چاندی کے برتن لے کر جا رہے تھے۔ یہ پورا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا جسے لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس سے آپؐ نے خمس نکالا جس کی قیمت ۲۰ ہزار درہم تھی۔

غزوۂ بنو قینقاع

بنو قینقاع یہودِ مدینہ کا ایک قبیلہ ہے یہ لوگ جنگجو اور بڑے بہادر تھے۔ ابنِ سعد کے قول

کے مطابق یہ غزوہ ہجرت سے ۲۰ ماہ بعد ۱۵ شوال کو پیش آیا۔ انہوں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے ان کو بنو قینقاع کی مشہور منڈی میں جمع کیا اور کہا "اے یہود کی جماعت! اسلام قبول کر لو، اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب اُترے جو بدر کے مقام میں قریش پر نازل ہوا" انہوں نے کہا: "محمدؐ! ہمیں اپنی قوم کی طرح نہ سمجھنا" جو لڑنا نہیں جانتے تھے اور تمہیں ان کو شکست دینے کا موقعہ مل گیا۔ اس دھوکے میں نہ رہنا، ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جنگ کے کیسے دھنی ہیں"۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ سورۃ آلِ عمران کی یہ آیتیں ان کے متعلق اتری ہیں:

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۔ الآیۃ! (آل عمران: ۱۲-۱۳)

"اے نبی ﷺ اُن کافروں کو کہہ دیجئے کہ مستقبل قریب میں تم شکست کھاؤ گے اور جہنّم میں اکٹھے کیے جاؤ گے جو بہت بُرا بچھونا ہے۔ تمہیں ان دو جماعتوں سے عبرت پکڑنی چاہیئے جو بدر کے مقام میں ایک دوسرے سے لڑیں۔ ایک جماعت اللہ کے راستہ میں لڑتی تھی اور دوسری کافر تھی، جو مخالف فریق کو اپنے سے دوگنا دیکھتی تھی"۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک عرب عورت یہودی سنار کے پاس آئی، اس نے اس کو منہ سے پردہ ہٹانے کو کہا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے کسی طرح اس کا کپڑا اس کی کمر پر باندھ دیا۔ جب وہ اُٹھ کر جانے لگی تو پیچھے سے برہنہ ہو گئی، وہ اپنی بے حرمتی سے چلانے لگی اور یہودی یہ تماشا دیکھ کر ہنسنے لگا۔ ایک مسلمان نے غیرت میں آ کر اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان فتنہ و فساد شروع ہو گیا۔ رسُول اللہ ﷺ نے مدینہ پر ابو لبابہؓ بن عبد المنذر کو نائب مقرر کیا اور خود ایک عظیم لشکر کے ساتھ ان کا سخت ترین محاصرہ کر لیا، جو پندرہ دن ذوالقعدہ کا چاند چڑھنے تک جاری رہا۔ آپؐ کا سفید رنگ کا جھنڈا حمزہؓ بن عبد المطلب کے ہاتھ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور وہ رسُول اللہ ﷺ کے حکم پر اُتر پڑے کہ آپؐ ان کے مال لے لیں اور عورتیں اور بچے چھوڑ دیں۔ آپؐ نے منذر بن قدامہ کو ان کی

مشکیں باندھنے کا حکم دیا مگر عبداللہ بن ابی آڑے آیا۔ اور اس نے یہود کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: "ان کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے ساتھ اس پر بھی لعنت کرے"۔ آپؐ نے قتل سے ان کو معافی دے دی اور حکم دیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کی جلاوطنی کا پورا کام حضرت عبادہؓ بن صامت کی زیرِ نگرانی انجام پایا اور وہ شام کے ملک میں "اذرعات" میں جا کر آباد ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد ان کی جائداد اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہو گیا۔ آپؐ نے اپنا مخصوص حصہ خمس لے کر باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والے صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ یہ بدر کے بعد پہلی غنیمت ہے جو اہلِ اسلام میں تقسیم ہوئی۔ یہ تفصیل ابنِ سعد نے بیان کی ہے۔ صاحب "عیون الاثر" لکھتے ہیں کہ اس روایت میں اسی طرح ذکر ہے کہ آپؐ نے اپنا مخصوص حصہ "خمس" لے لیا حالانکہ مشہور یہ ہے کہ آپؐ کا مخصوص حصہ "صفی"[1] خمس کے علاوہ ہے۔ چنانچہ شعبی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مخصوص حصہ جس کو "صَفی" کہا جاتا ہے خمس سے پہلے نکالا جاتا تھا۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو غنائم خیبر سے آپؐ نے اپنے "صفی" حصہ میں لیا تھا۔ معلوم نہیں اس روایت میں لفظ "خمس" سے پہلے حرف "واؤ" گر گیا ہے۔ دراصل "صفیہ والخمس" تھا اور معنی یہ ہے کہ آپؐ نے اپنا "صفی" حصہ اور خمس لے لیا یا لیا "صفی" کے حکم سے پہلے ہوتا تھا۔ انتہیٰ واللہ اعلم!

یہود بنو قینقاع عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اور حضرت عبادہ بن صامت مشہور صحابیؓ کے حلیف تھے۔ عبادہؓ نے تو ان کی دوستی سے بیزاری ظاہر کر دی اور کہا یا رسول اللہ! میں کفار کی حلف اور ان کی دوستی سے بیزار ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے دوستی کا عہد باندھتا ہوں"۔ ان کے اور عبداللہ بن ابی کے بارہ میں یہ آیات اتری ہیں: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" الی قولہ "فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ" (المائدۃ: ۵۱ تا ۵۶)

بنو قینقاع کے تین سو آدمی زرہ پوش اور چار سو بلا زرہ تھے۔ یہ سنار اور تجارت پیشہ لوگ تھے۔ زمینوں اور باغوں کے مالک نہیں تھے۔

---

[1] "صفی" کا معنیٰ یہ ہے کہ آپؐ غنیمت کے مال سے اپنی پسند کی ایک چیز غلام یا لونڈی یا گھوڑا وغیرہ لے لیں (مترجم)

سریہ کعب بن اشرف

ابنِ سعد کے بیان کے مطابق یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے ۲۵ ماہ بعد ۱۴ ار ربیع الاوّل کو پیش آیا۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کعب بن اشرف کا واقعہ یہ ہے کہ جب بدر میں کافروں کو شکست ہوئی، ان کے ستّر آدمی میدانِ جنگ میں مارے گئے اور ستّر آدمی گرفتار ہو گئے اور زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ کے مغربی دیہات میں اور عبداللہ بن رواحہؓ نے مدینہ کے مشرقی دیہات میں فتح کی خوشخبری سنائی تو کعب بن اشرف کہنے لگا جو اصل میں بنو طے کی ایک ذیلی شاخ بنو نبہان کا آدمی تھا اس کی والدہ بنو نضیر سے تھی، اس لیے اس نے یہودی مذہب اختیار کیا۔ "کیا یہ سچی بات ہے ؟ کیا محمدؐ نے ان لوگوں کو، جن کے نام یہ لے رہے ہیں، سچ مچ قتل کر دیا ہے؟ یہ تو عرب کے سردار اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ بخدا! اگر محمدؐ نے ان کو قتل کر دیا ہے تو پھر جینے سے مرنا بہتر ہے"۔

جب اس اللہ کے دشمن کو اس خبر کی صداقت کا یقین ہو گیا تو مکّہ میں آیا اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی کے گھر اترا، مقتولینِ بدر پر رویا، ان کے مرثیے میں اشعار پڑھے اور مسلمانوں کے خلاف اہلِ مکہ کو خوب مشتعل کیا۔ پھر واپس آکر مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنا اپنا شعار بنا لیا اور یوں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اذیت کا سبب بنا۔

ابنِ عائذ عروہ سے روایت کرتے ہیں : پھر اللہ کے دشمن نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجوگوئی اور ان کے دشمنوں کی مدح سرائی میں پورا زور لگایا اور کفّار کو اہلِ اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچا اور قریش سے مسلمانوں سے لڑائی کے لیے مدد طلب کی۔ اس وقت ابوسفیان اور دوسرے مشرکوں نے اس سے پوچھا "تمہارے نزدیک ہمارا دین زیادہ اچھا ہے' یا محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا ؟ ان دونوں دینوں میں سے کون سا دین اقرب الی الحق ہے؟" کہنے لگا "تم راہِ صواب پر ہو اور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو"۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کعب بن اشرف نے ہماری دشمنی کا کھل کر مظاہرہ کیا ہے اور ہماری ہجو میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش کو ہمارے خلاف ابھارا ہے پھر مدینہ منورہ واپس آکر اپنے

خبثِ باطن کے اظہار کے علاوہ قریش کی آمد کا انتظار کر رہا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر لڑائی کی آگ مشتعل کر دے" پھر آپؐ نے اس کے بارہ میں اُترنے والی یہ آیت پڑھی: "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ - الآیۃ" (النساء: ۵۱)

امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کعب بن اشرف کو کون سنبھالے گا اُس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کو بڑی تکلیف دی ہے" محمدؓ بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اے اللہ کے رسُولؐ! کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں!" انہوں نے کہا: "پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے" آپؐ نے فرمایا، "اچھا کہہ لینا" محمدؓ ایک دن کعب کے پاس آئے اور کہنے لگے "اس آدمی نے تو ہمیں تنگ کر دیا ہے، ہم سے صدقہ مانگا ہے اور ہمارے پاس دینے کو کچھ نہیں" کعب بولا "ابھی تو ابتدا ہے بخدا! اس سے تم اور بھی تنگ ہو گے" محمدؓ نے کہا "ہم نے ایک دفعہ اس کی اتباع کا عہد کر لیا ہے ابھی اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے، دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے؛ فی الحال ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک یا دو وسق[1] کھجوریں قرض دیں" بولا "بہت اچھا لے لو! مگر اس کے عوض کوئی چیز گروی رکھو" محمدؓ نے پوچھا "کیا چیز گروی رکھیں گے؟" کہنے لگا "اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ جاؤ" محمدؓ اور اس کے ساتھیوں نے کہا: "آپ عرب کے حسین تر آدمی ہیں، ہم آپ کے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھیں؟" بولا "پھر اپنے لڑکے ہی گروی رکھ دو" انہوں نے کہا "یہ مشکل ہے، لوگ طعنہ دیں گے کہ یہ ایک یا دو وسق کے عوض گروی پڑا رہا ہے یہ تو ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے ہاں، ہم آپ کے پاس اپنا "لامہ" گروی رکھ سکتے ہیں" سفیان کہتے ہیں "لامہ" سے مراد ہتھیار ہیں اس نے کہا "چلو یہی سہی" محمدؓ نے کسی دن آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ محمدؓ وعدہ پر رات کے وقت کعب کے رضاعی بھائی ابونائلہؓ کو ساتھ لائے اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اس نے ان کو اندر قلعہ میں بلایا اور خود بالاخانے سے نیچے اُترنے لگا۔ اس کی بیوی بولی "اس وقت کہاں چلے ہو؟" کہنے لگا "محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابونائلہ آتے ہیں انہوں نے مجھے بلایا ہے" عمرو بن دینار کے سوا دوسرے راوی نے کہا ہے اس نے کہا "مجھے اس آواز سے خون ٹپکنے

---

[1] وسق، ماپنے کا ایک پیمانہ ہے (مترجم)

کی بُو آ رہی ہے۔" وہ بولا "نہیں! کوئی بات نہیں، یہ میرا دوست محمدؓ بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہؓ ہے شریف آدمی کو نیزے کے زخم کی طرف بھی بلایا جائے تو وہ ضرور حاضر ہوتا ہے۔" راوی کا بیان ہے کہ محمدؓ دو آدمیوں کے ساتھ اندر آئے تھے۔ سفیان سے کسی نے پوچھا کیا عمرو نے ان کے نام بتائے ہیں؟ انہوں نے کہا "ہاں! بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو نے کہا تھا وہ اپنے ساتھ دو آدمی لائے تھے۔" عمرو کے سوا دوسرے راوی نے بتایا ہے کہ ان کے ساتھ ابو عبسؓ بن جبیر، حارثؓ بن اوس اور عبادؓ بن بشر آئے تھے۔ عمرو نے کہا ہے، جب آئے تو محمدؓ بن مسلمہ نے اپنے رفقاء سے کہا "میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا۔ جب دیکھو کہ میں نے اس کے بال مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیے ہیں، تو اس کا کام تمام کر دینا۔" کعب اپنے بدن پر چادر لپیٹے ہوئے بالاخانہ سے اُترا اُس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی۔ محمدؓ نے کہا "میں نے آج جیسی بہتر خوشبو کبھی نہیں سونگھی" عمرو کے سوا دوسرے راوی نے کہا ہے! کعب بولا "ہاں! میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ عطر استعمال کرنے والی عورت ہے اور حسین بھی بہت ہے۔" محمدؓ بولے: "اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سر سے خوشبو سونگھ لوں"؟ کہنے لگا "ہاں! سونگھ لو"۔ چنانچہ انہوں نے اس کا سر پکڑ کر خود بھی خوشبو سونگھی اور اپنے ساتھیوں کو سونگھائی پھر کہا "اجازت ہو تو ایک دفعہ پھر سونگھ لوں"؟ اس نے کہا "ہاں! اجازت ہے"۔ جب محمدؓ نے اس کے بال اچھی طرح قابو کر لیے تو کہا "اُس کا کام تمام کر دو" یہ سُنتے ہی انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور آنحضرت ﷺ کو آکر اس کی اطلاع دی۔ انتہیٰ!

ابن سعد کی روایت میں ہے، جب وہ اسے قتل کر کے بقیع کے مقام میں پہنچے تو بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہا۔ آنحضرت ﷺ اس رات جاگتے رہے، اور نماز پڑھنے میں مصروف رہے۔ جب آپؐ نے نعرۂ تکبیر سُنا تو آپؐ نے "اللہ اکبر" کہا اور جان لیا کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "یہ چہرے کامیاب رہے" وہ بولے "یا رسول اللہ آپؐ کا چہرہ بھی کامیاب رہے" اور اس کا سر آپؐ کے سامنے ڈال دیا۔ آپؐ اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ اس حادثہ میں حارثؓ بن اوس کو تلوار کی دھار لگی جس سے وہ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا۔ آپؐ نے اُن کے زخم پر اپنا لعاب لگایا جس سے خون رُک گیا اور تکلیف جاتی رہی۔

ابن اسحاق نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: اس واقعہ کے بعد یہودی ہم

سے ڈرنے لگے۔ خدا کی قسم! مدینہ کا ہر یہودی خوفزدہ ہوا اور اپنے قتل سے ڈرنے لگا ادھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا کہ جس یہودی کو پاؤ اس کو قتل کر دو یہ سن کر محیصہؓ بن مسعود نے ایک مشہور یہودی تاجر "ابن سبینہ" کو جو ان کے ہاں اکثر آتا اور ان سے خرید و فروخت کرتا تھا قتل کر دیا۔ اس وقت محیصہؓ کا بڑا بھائی حویصہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا وہ محیصہؓ کو ملامت کرنے لگا کہ "اے اللہ کے دشمن! تم نے اس کو قتل کر دیا ہے بخدا! تیرے پیٹ کی اکثر چربی اس کا مال کھانے سے پیدا ہوئی ہے"، محیصہؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم! اس کو قتل کرنے کا حکم مجھے اس شخصیت نے دیا ہے کہ اگر وہ مجھے تیرے قتل کا حکم دیتے تو میں تیری گردن بھی اڑا دیتا"۔ یہ دھمکی حویصہؓ کے اسلام کا سبب بنی۔ اس نے کہا "خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ اگر محمدؐ تجھے میرے قتل کا حکم دیتے تو تو مجھے بھی قتل کر دیتا؟" انہوں نے کہا "ہاں! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں"، حویصہؓ نے کہا: "یہ دین جس نے تجھ میں یہ جذبہ پیدا کر دیا ہے عجیب دین ہے"، پھر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

غزوۂ اُحد

احد ایک مشہور پہاڑ ہے جو مدینہ سے تین میل سے کم فاصلہ پر واقع ہے اس کو "احد" اس لیے کہتے ہیں کہ یہ وہاں کے دوسرے پہاڑوں سے الگ تھلگ ہے اس کو "ذوعینین" بھی کہتے ہیں قاموس میں اس لفظ کو عین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ——— تثنیہ ضبط کیا ہے۔ اصل میں یہ احد سے ملحق ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے اسی پہاڑ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔ اس کے پاس یہی مشہور جنگ، بالاتفاق، بروز ہفتہ ۱۱ شوال المکرم لڑی گئی۔ بعض نے سات تاریخ اور بعض نے نصف شوال کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں "یہ جنگ بدر سے ایک سال بعد ہوئی اور ہجرت سے ۳۱ مہینہ بعد لڑی گئی تھی"۔

ابن اسحاقؒ نے اپنے شیوخ سے، موسیٰ بن عقبہؒ نے زہریؒ سے، اور ابو الاسودؒ نے عروہؒ اور ابن سعدؒ سے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ جب قریش کے ستر سردار بدر میں مارے گئے اور ابوسفیان اپنا قافلہ لے کر صحیح سلامت مکہ معظمہ پہنچ گیا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے لوگوں نے جن کے باپ، بھائی یا بیٹے جنگ بدر میں مارے گئے تھے کہا "اے قریش کی جماعت! محمدؐ نے

تم پر زیادتی کی ہے اور تمہارے بہترین سرداروں کو قتل کر دیا ہے اس لیے ابوسفیان کے قافلہ کا سارا تجارتی مال ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم محمدؐ کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری کریں شاید ہم اس سے اپنے مقتولوں کا انتقام لینے میں کامیاب ہوں" چنانچہ سب قریش نے ان کی یہ بات مان لی اور سارا تجارتی سامان ان کے حوالے کر دیا جو ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔ ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں یہ آیت اتاری: "اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ"[1] یعنی "بلاشبہ کفار اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں یہ جو مال خرچ کریں گے، ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا آخر کار یہی مغلوب ہوں گے۔"

جب قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے جمع ہوئے تو آپؐ کے چچا عباسؓ نے آپؐ کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ اہل مکہ اپنے مقتولوں کا انتقام لینے کے لیے آرہے ہیں، اپنا فکر کریں۔ چنانچہ ابوسفیان نے اہل مکہ، ان کے حلفاء اور دیگر مختلف قبائل سے تقریباً تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی اور رات دن ایک کرتے ہوئے احد کی طرف کھلے میدان میں آکر اترا۔ یہ لوگ عورتیں بھی اپنے ہمراہ لائے تھے تاکہ جان توڑ کر لڑیں اور میدان چھوڑ کر بھاگنے میں شرم محسوس کریں۔ یہ شوال ۳ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ان کے احد کے میدان میں ڈیرہ ڈالنے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا: "میں نے خواب میں گائے ذبح ہوتے دیکھی ہے اور اپنی تلوار کی دھار ٹوٹتے بھی دیکھی ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر مدینہ منورہ سے کی ہے۔ گائے ذبح ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ آدمی شہید ہوں گے اور میری تلوار کی دھار ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا کوئی عزیز اس جنگ میں شہید ہوگا اگر میری رائے سے اتفاق کرو تو ہمارے لیے مدینہ کے اندر رہنا ہی بہتر ہے۔ کفار کو جہاں پڑے ہیں پڑے رہنے دو اگر وہ ٹھہرے رہے تو بری جگہ میں ٹھہریں گے۔ اور اگر وہ مدینہ میں داخل ہوتے تو ہم ان سے گلی کوچوں میں لڑیں گے اور مکانوں سے ان پر پتھر برسائیں گے۔" عبداللہ بن ابی نے آپؐ کی اس

[1] الانفال: ۳۶

رائے سے اتفاق کیا اور بہتر بھی یہی تھا، مگر صحابہؓ کی وہ جماعت، جو جنگِ بدر سے پیچھے رہ گئی تھی، کہنے لگی: "یا رسول اللہ ﷺ ہم تو اس دن کی آرزو کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے، تو ہمیں دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر ہم مدینہ میں رہے، تو وہ ہمیں بزدلی کا طعنہ دیں گے۔"

یہ جمعہ کا دن تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ خطبہ میں ان کو جوش دلایا اور انتہائی جدوجہد کی ضرورت پر زور دیا اور بتایا "اگر صبر سے کام لو گے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی۔ نیز دشمن کے مقابلے کے لیے پوری تیاری کا حکم دیا۔ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ پھر آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ اس وقت لوگ مدینہ منورہ اور ارد گرد کے دیہات سے جمع ہو گئے تھے۔ آپؐ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ اپنے گھر گئے۔ انہوں نے آپؐ کے سر پر پگڑی باندھی اور آپؐ کو ہتھیار پہنائے۔ لوگ باہر صف باندھے آپؐ کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر نے ان سے کہا: "تم نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی مرضی کے خلاف باہر جانے پر مجبور کیا ہے، جو شاید مناسب نہ ہو۔ اس لیے اس معاملہ کو آپؐ کی رائے پر چھوڑ دو۔" آپؐ زرہ پہن کر اور گلے میں تلوار لٹکا کر باہر آئے، تو سب لوگوں نے اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور بیک آواز بولے: "ہم آپؐ کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے۔ جس طرح آپؐ کی رضا ہے، اسی طرح کریں، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "نبی جب ہتھیار پہن لیتا ہے، تو جب تک اللہ تعالیٰ اُس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے، اس کے لیے ہتھیار اُتارنے کی اجازت نہیں ہے۔"

احمدؒ اور نسائیؒ کے نزدیک ابنِ عباسؓ کی حدیث میں جس کو امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے، وہی تفصیل ہے جو ابنِ اسحاقؒ کی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ نے تین جھنڈے تیار کیے تھے۔ ایک جھنڈا اسیدؓ بن حضیر کے ہاتھوں میں تھا۔ مہاجرین کا جھنڈا علیؓ بن ابی طالب اور ایک قول کے مطابق مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا اور خزرج کا جھنڈا حبابؓ بن منذر یا سعدؓ بن عبادہ کے حوالے کیا۔ مسلمانوں میں سو آدمی زرہ پوش تھے۔ سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ دونوں زرہ پہنے آپؐ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ مدینہ پر آپؐ نے ابنِ ام مکتومؓ کو نائب مقرر کیا اور اس رات پہرہ کا فریضہ محمدؓ بن مسلمہ نے سرانجام دیا تھا۔ آپؐ میدانِ جنگ کی طرف سحری کے وقت روانہ ہوئے اور صغرسنی کی وجہ سے ایک جماعت کو واپس کر دیا۔ ان میں اسامہ بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زیدؓ بن ثابت،

ابو سعید خدریؓ، براءؓ بن عازب، زیدؓ بن ارقم، عرابہؓ بن اوس اور عمروؓ بن حزم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بشمول ابنِ اسحاق اہلِ سیر کی ایک جماعت نے یہی لکھا ہے کہ آپؐ نے براءؓ بن عازب کو دوسرے بچوں کی طرح واپس کر دیا تھا مگر ان کی بخاری میں آنے والی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دن جنگ میں حاضر تھے۔

جن بچوں کو آپؐ نے جنگ کے قابل سمجھا وہ آپؐ کے ساتھ لشکر میں شریک تھے، جیسے سمرہؓ بن جندب اور رافعؓ بن خدیج۔ ان دونوں کی عمر پندرہ پندرہ سال تھی۔ مسلمان ایک ہزار، اور بعض کہتے ہیں نو سو تھے۔ اور مشرک تین ہزار تھے، جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے پاس دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ آنحضرت ﷺ احد کی طرف چلے تو عبداللہ بن ابیّ منافق تقریباً لشکر کا تیسرا حصّہ، جو اس کی قوم سے اس کا پیرو تھا، ساتھ لے کر واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ آپؐ نے میری بات نہیں مانی اور دوسروں کے کہنے پر عمل کیا ہے، اس لیے میں بھی آپؐ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام حضرت جابرؓ کے والد ان کو واپس لانے کے لیے ان کے پیچھے گئے، ان کو جہاد پر ترغیب دی اور کہا: "تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا"[1] "آؤ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دشمن سے لڑو یا اپنے شہر اور مال و جان سے اس کو دفع کرو" انہوں نے جواب دیا "اگر ہم جانتے کہ تم لڑو گے تو ہم واپس نہ آتے"۔ عبداللہؓ بن عمرو نے مایوس ہو کر ان کو برا بھلا کہا اور واپس آ گئے۔ اس وقت انصار نے آپؐ سے درخواست کی کہ اجازت ہو تو ہم اپنے حلیف یہودیوں کو امداد کے لیے بلالیں؛ مگر آپؐ نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور یہودیوں کی امداد سے انکار کر دیا۔ آپؐ حرہ بنو حارثہ سے ہوتے ہوئے احد کی طرف چلے اور فرمایا "کوئی ایسا آدمی ہے، جو ہمیں کفار کے پاس نزدیک ترین راستہ سے لے چلے؟" اس کے لیے انصار کا ایک آدمی آگے آیا اور اسلامی لشکر کو ایک منافق کے باغ سے گزارنے لگا وہ منافق نابینا تھا جب اس کو پتہ چلا کہ مسلمان اس کے باغ سے گزرنے لگے ہیں، تو اٹھ کر مسلمانوں کے چہروں پر مٹی ڈالنے لگا اور اس نے رسول اللہؐ سے مخاطب ہو کر کہا "اگر تو اللہ کا رسول ہے، تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا"۔ صحابہؓ نے اس کی یہ گستاخی دیکھی تو کچھ لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپؐ نے منع کر دیا اور فرمایا "اس کو قتل نہ کرو، یہ آنکھوں کی طرح دِل کا بھی اندھا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ چلتے رہے، یہاں تک کہ میدان کے ایک کونہ

[1] آلِ عمران: ۱۶۷

میں ایک گھاٹی میں اترے، اور اپنی پشت احد پہاڑ کی طرف کی، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ جب تک میں حکم نہ دُوں، لڑائی شروع نہ کریں۔ ہفتہ کے دن لڑائی کے لیے آپؐ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ صرف سات سَو آدمی تھے، جن میں پچاس شہسوار تھے۔ آپؐ نے پچاس تیر انداز عبداللہؓ بن جبیر کی قیادت میں درے میں کھڑے کیے، اور ان کو تاکید کی کہ اگر ہمیں شکست ہو جائے، اور تم دیکھو کہ ہمارے جسموں کے ٹکڑے پرندے اُڑا کر لے جا رہے ہیں، تو جب تک میں نہ کہوں، تم اپنی یہ جگہ نہ چھوڑنا، اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے کفار کو شکست دے دی ہے اور ان کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے، پھر بھی میرے حکم کے بغیر اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ بخاری میں براءؓ کی حدیث میں اسی طرح مذکور ہے۔ احمد، طبرانی اور حاکم نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ان کو ایک جگہ کھڑا کر کے تاکید فرمائی کہ ہمارے پیچھے سے ہماری حفاظت کرنا، اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو اس جگہ سے نہ ہٹنا، اور اگر دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور غنیمت جمع کرنے لگے ہیں، تو ہمارے ساتھ اس میں شریک نہ ہونا۔

آنحضرت ﷺ نے لشکر کے میمنہ پر زبیرؓ بن عوام اور اس کے میسرہ پر منذرؓ بن عمرو کو امیر مقرر کیا، اور اس دن آپؐ نے نیچے اوپر دو زرہیں پہنیں۔ کفار نے اپنے لشکر کی صف بندی کی، میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا۔

اس موقعہ پر رسُول اللہ ﷺ نے ایک تلوار ہاتھ میں لی اور فرمایا، "اس کا حق ادا کرنے کے لیے یہ تلوار کون لے گا؟" بہت سے آدمی آگے بڑھے مگر آپؐ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی، پھر ابودجانہؓ سماک بن خرشہ نے کھڑے ہو کر کہا: "یارسُول اللہ ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "اس کو دشمنوں کی گردنوں پر اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہو جائے۔" کہنے لگے: "یارسُول اللہ ﷺ! میں اس کا یہ حق ادا کرنے کے لیے اس کو لیتا ہوں۔" آپؐ نے یہ اُن کو دے دی، کیونکہ یہ بڑے بہادر تھے اور لڑائی کے وقت خوب بہادری کا مظاہرہ کرتے۔ جب آپؐ نے اُن کو میدانِ جنگ میں متکبرانہ چال چلتے دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا، "اس چال کو اللہ تعالےٰ اور اس کا رسُولؐ ناپسند کرتا ہے، مگر میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں یہ پسندیدہ عمل ہے۔"

پھر لوگ لڑنے لگے اور لڑائی کی آگ خوب بھڑک اٹھی۔ ابودجانہؓ نے مردانگی کے جوہر دکھائے۔

اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دُور تک نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول ؐ کے شیر حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب نے بھی سخت لڑائی کی، اور ارطاۃ بن عبد شرجبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار کو قتل کر دیا۔ حنظلہ الغسیل، ابوسفیان کے مقابلہ میں آ گئے قریب تھا کہ اس کو قتل کر ڈالتے، مگر شداد بن اسود لیثی نے یہ دیکھا، تو عقب سے حملہ کر کے حنظلہؓ کو شہید کر دیا۔ ان کے متعلق رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "حنظلہؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں"۔ لوگوں نے اُن کی بیوی جمیلہؓ، عبداللہ بن ابیّ کی بہن، سے پوچھا تو انہوں نے کہا "یہ جُنبی تھے جنگ کا اعلان ہوتے ہی جنگ میں کود پڑے، اور غسلِ جنابت کا موقع نہیں ملا۔ آپؐ نے فرمایا "یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اس کو غسل دیا ہے"۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے: جب پتہ چلے کہ کوئی شہید جنبی ہے، تو اس کو فرشتوں کی اقتداء کرتے ہوئے غسلِ جنابت دینا چاہیے، اور اس حالت کے سوا شہید کو غسل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس دن مشرکین کی طرف سے سب سے پہلے ابوعامر فاسق میدان میں نکلا، یہ عہدِ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب مدینہ میں اسلام پھیلا تو اس کا دم گھٹ گیا اور رسُول اللہ ﷺ سے کھلی دشمنی کرنے لگا۔ جب کوئی چارہ نہ چلا تو مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے، قریش کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس جنگ میں وہ قریش کے ساتھ آیا اور ان سے وعدہ کیا تھا کہ جب میری قوم مجھے دیکھے گی، تو محمدؐ کا ساتھ چھوڑ کر ان سے آ ملے گی۔ اس لیے سب سے پہلے میدان میں آیا اور اپنا تعارف کرانے کے بعد اپنی قوم کو اہلِ مکہ کی امداد کے لیے پکارا، مگر اس کی قوم نے اس کو دیکھ کر کہا: "اے فاسق! تیرا ستیاناس ہو، ہمیں کُفر کی دعوت دیتا ہے؟ تیرا یہ مقصد کبھی پُورا نہیں ہو گا"۔ یہ سُن کر وہ بولا، "میرے بعد میری قوم بگڑ گئی ہے"۔ پھر وہ جان توڑ کر مسلمانوں کے خلاف لڑا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار[1] "اَمِتْ، اَمِتْ" تھا یعنی "مار دو، مار دو"۔

اس جنگ میں ابودجانہؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول ؐ کے شیر حضرت حمزہؓ، علیؓ بن ابی طالب، نضرؓ بن انس اور سعدؓ بن ربیع نے بڑے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ پہلے پہلے اس دن مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا۔ انہوں نے کفار کو تہ تیغ کیا، اور اللہ کے دشمن بھاگ کر عورتوں کی صفوں

---

[1] وہ کلمہ جو رات کے اندھیرے، یا سخت گرد و غبار میں اپنے ساتھیوں کو پہچاننے کے لیے کہا جاتا ہے (مترجم)

میں جا ملے۔

صحیح بخاری میں براءؓ بن عازب کی حدیث میں آیا ہے کہ جب زور کا رن پڑا تو دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے ان کی عورتوں کو بھاگتے دیکھا ہے انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تھے اور ان کی پازیبیں نظر آرہی تھیں۔ براءؓ کہتے ہیں: یہ دیکھ کر عبداللہؓ بن جبیر کے ساتھی کہنے لگے: "اے قوم! غنیمت، غنیمت، تمہارے ساتھیوں نے فتح حاصل کرلی ہے تم کس انتظار میں کھڑے ہو؟" عبداللہؓ بن جبیر نے کہا: کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کی بات یاد نہیں رہی؟" مگر انہوں نے کہا: "خدا کی قسم! ہم ضرور لوگوں کے ساتھ مل کر غنیمت جمع کریں گے" چنانچہ وہ درہ چھوڑ کر چلے آئے۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کفار کے حملے کے بعد شکست کھا کر جدھر آیا بھاگ کھڑے ہوئے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی آیا ہے کہ احد کی جنگ میں مشرکوں کو کھلی شکست ہو گئی مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے کہ ابلیس نے بلند آواز سے چلا کر کہا "اے اللہ کے بندو! پچھلوں کو سنبھالو" مسلمان یہ سمجھ کر کہ پیچھے کفار کی کوئی جماعت ان پر حملہ کر رہی ہے پیچھے مڑے اور اس طرح مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ حذیفہؓ نے دیکھا کہ ان کے والد قابو آگئے، وہ پکارے: "اے اللہ کے بندو! یہ میرا باپ ہے"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "واللہ! انہوں نے اس وقت اپنے ہاتھ روکے، جب وہ انہیں قتل کر چکے تھے"۔ حذیفہؓ نے کہا "اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے" عروہؒ کہتے ہیں "بخدا جب تک حذیفہؓ زندہ رہے، اپنے باپ کے قاتلوں کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے" بخاری کے علاوہ دوسرے محدثین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حذیفہؓ کو ان کے باپ کی دیت دینے کا ارادہ کیا تو حذیفہؓ نے دیت لینے سے انکار کر دیا کہ "میں اپنے باپ کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں" اس سے آنحضرت ﷺ کی نظر میں حذیفہؓ کی عزت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ امام احمدؒ اور حاکمؒ، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب شیطان کی آواز سن کر کفار کا تعاقب کرنے والے پیچھے پلٹے، تو مسلمانوں کی دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں، اور خود مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان قتل ہو گئے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں: جب خالد اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ درہ خالی ہو گیا ہے اور اس کی حفاظت کرنے والے چند آدمیوں کے سوا باقی سب جا چکے ہیں، تو انہوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا، ان کے بعد عکرمہ بن ابی جہل بھی اپنی فوج لے آیا۔

اور درہ میں کھڑے چند تیر اندازوں اور ان کے امیر کو قتل کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا

ابن اسحاق زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں: جب کفار کو شکست ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں پنڈلیوں سے کپڑے اٹھا کر بھاگ رہی ہیں ان کے پکڑنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر تیر انداز درہ چھوڑ کر میدان میں آ گئے اور ہماری پیٹھ دشمن شاہسواروں کے لیے خالی کر دی چنانچہ اس کے فوراً بعد ہم پر پیچھے سے حملہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں ہماری فتح شکست میں بدل گئی ادھر کسی نے چلا کر کہا "خوش ہو جاؤ محمدؐ قتل ہو گئے!" یہ سن کر ہم میں بھگدڑ مچ گئی اور دشمن نے مل مل کر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا حالانکہ اس سے پہلے ہم نے کفار کے کئی جھنڈا بردار قتل کر دیئے تھے۔ اور ان کا جھنڈا زمین پر گرا پڑا تھا کوئی اس کو اٹھانے کے لیے آگے نہیں آتا تھا۔ آخر عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اس کو اٹھایا اور قریش دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس سے پہلے وہ جھنڈا بنو ابی طلحہ کے ایک حبشی غلام صواب کے ہاتھ میں تھا سب سے آخر میں اس نے یہ جھنڈا ہاتھ میں لیا اور لڑنے لگا جب اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو اس نے گردن اور ٹھوڑی کے ذریعہ اس کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا۔ اور یہ کہتا ہوا قتل ہو گیا "خدایا! میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے" کفار کے دوبارہ حملہ سے مسلمان شکست کھا گئے اور دشمن کو ان کو قتل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے بڑی مصیبت اور سختی کا دن تھا بہت سے مسلمان جام شہادت نوش کر گئے، اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ پر بھاری پتھر پھینکا جس کے صدمہ سے آپؐ گر پڑے۔ آپؐ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے، چہرہ زخمی ہو گیا اور نچلے ہونٹ سے خون بہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گرے تھے جن کو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے میدان جنگ میں کھودا تھا۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے اپنی گود میں لے کر آپؐ کو باہر نکالا۔ عبد اللہ بن قمیہ نے بھی آپؐ کو بڑی اذیت پہنچائی تھی اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی کر دیا تھا۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی کیا اور چار دانت توڑے تھے یہ کہتا تھا: "میرا یہ وار سنبھال اور میں قمیہ کا بیٹا ہوں" آپؐ نے

اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے اس کا یہ فخریہ قول سن کر فرمایا: "اقماك الله" "اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کرے" اس بددعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے سینگ مار مار کر اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیا۔

ابن عائذ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں اطلاع ملی ہے، جب رسول اللہ ﷺ احد کے دن زخمی ہوئے، تو کپڑے سے اپنا خون پونچھتے تھے اور فرماتے تھے کہ "اگر اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑا تو ان پر آسمان سے عذاب اتر پڑے گا۔" پھر فرمایا: "الٰہی! میری قوم کو بخش دے، ان کو علم نہیں ہے۔" نافع بن جبیرؒ کہتے ہیں، میں نے مہاجرین میں سے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا ہے، "میں احد کے میدان میں حاضر تھا، میں دیکھتا تھا کہ آنحضرت ﷺ پر چاروں طرف سے تیر پڑ رہے تھے۔ آپؐ درمیان میں کھڑے تھے، مگر آپؐ کو لگنے کی بجائے تیر ادھر ادھر جا گرتے تھے، اور میں نے عبداللہ بن شہاب زہری کو دیکھا ہے، وہ اس دن کہہ رہا تھا: مجھے بتاؤ محمدؐ کہاں ہے، اگر وہ بچ کر نکل گیا تو میں نہیں بچوں گا، اس وقت آپؐ اس کے قریب کھڑے تھے۔ یہ آپؐ کے پاس سے گذر گیا مگر آپؐ کو دیکھ نہیں سکا۔ بعد میں صفوان نے اس کو ملامت کی تو بولا: خدا کی قسم! میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی قدرت حفاظت کر رہی تھی، ہم چار آدمی قسم کھا کر اور ایک دوسرے سے عہد کر کے نکلے تھے کہ اس کو ضرور قتل کر دیں گے، مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

ابن اسحاق، حمید طویل کے واسطہ سے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دانت ٹوٹ گئے، اور زخمی چہرے سے خون بہنے لگا تو آپؐ اس کو پونچھتے تھے اور فرماتے تھے: "وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جس نے نبیؐ کے چہرے کو خون سے رنگین کیا ہے، جب کہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے۔" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ الآية"[1]۔ امام مسلمؒ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ امام احمدؒ، ترمذیؒ اور نسائیؒ نے متعدد سندوں سے حمید طویل سے یہ روایت بیان کی ہے۔ صحیحین میں سعدؓ سے روایت ہے، "میں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں کو سخت لڑائی کرتے دیکھا ہے۔ میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد ان کو کبھی نہیں دیکھا۔" ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ "وہ جبرائیلؑ اور میکائیلؑ تھے۔" اور ان دونوں کی ایک روایت میں ہے،

---

[1] آل عمران: ۱۲۸

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو آدمی دیکھے ہیں الحدیث" صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے احد کے دن فرمایا تھا کہ "جبرائیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آرہے ہیں اور انہوں نے لڑائی کے ہتھیار پہنے ہوئے ہیں" اور صحیح بخاری میں براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور یہ اس وقت تھا کہ جب آپؐ صحابہؓ کو ان کے باقیماندہ لوگوں میں بلا رہے تھے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ احد کے دن آپؐ کے ساتھ دو مہاجر اور سات انصار کے آدمی باقی رہ گئے تھے۔ جب قریش نے آپؐ کو ڈھانپ لیا تو آپؐ نے فرمایا "جو شخص ان کو دفع کرے گا اس کے لیے جنت ہے" یہ سن کر ایک انصاری آگے بڑھے اور ان سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس طرح ایک ایک کر کے انصاری کفار کے مقابلہ میں آتے رہے اور ان سے لڑتے لڑتے سب جام شہادت نوش کر گئے آپؐ نے فرمایا "مَا اَنْصَفْنَا اَصْحَابَنَا" یعنی "ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا" اور یہ لفظ "فا" کی فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے: "مَا اَنْصَفَنَا اَصْحَابُنَا" یعنی "ہمارے ساتھیوں نے ہم سے انصاف نہیں کیا" مطلب یہ کہ انہوں نے ہم کو شہادت حاصل کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ انتہی! پھر طلحہؓ ان کے مقابلہ میں آئے اور اس زور سے شمشیر زنی کی کہ ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور ابو دجانہؓ نے تو اپنی پشت کو آپؐ کے لیے ڈھال بنا دیا، ان کو تیر آ آ کر لگتے تھے مگر وہ حرکت تک نہیں کرتے تھے اس وقت آپؐ نے سعدؓ بن ابی وقاص سے کہا "کفار پر تیر چلاؤ میرا ماں باپ تم پر قربان ہو" یہ روایت صحیحین میں مذکور ہے اور سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ترکش میرے آگے الٹ دیا اور فرمایا "ان کو تیر مارو میرا ماں باپ تم پر قربان ہو" اور بخاری و مسلم میں ابو عثمان سے مروی ہے کہ "ایک وقت اس جنگ میں آنحضرت ﷺ کے پاس طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعدؓ کے سوا کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا" بخاری میں قیسؒ سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیروں تلواروں سے بچانے کی وجہ سے طلحہؓ کا ہاتھ بیکار ہوتے دیکھا ہے" صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے کہا: جنگ احد میں سب لوگ نبی ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے سب سے پہلے میں نبی ﷺ کی طرف پلٹا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی آپؐ کی حفاظت کے لیے آپؐ کے آگے لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا خدا کرے یہ طلحہؓ ہوں میرا ماں باپ ان پر قربان ہو، مڑ کر دیکھا تو میرے پیچھے ابو عبیدہؓ بن جراح ایک پرندہ کی طرح

آڑے آ رہے ہیں ہمارے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے تک طلحہؓ زمین پر گر چکے تھے نبی ﷺ نے فرمایا "اپنے بھائی کو پکڑو اس نے آج اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے" میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک اور پیشانی تیروں سے زخمی ہو چکے ہیں اور لوہے کی خود کی دو کڑیاں آپ کی پیشانی میں پیوست ہیں میں ان کو نکالنے لگا تو ابو عبیدہؓ نے کہا "ابو بکرؓ! خدا کے لیے یہ کڑیاں مجھے نکالنے دیجئے" چنانچہ انہوں نے ایک کڑی اپنے دانتوں میں لے کر آہستہ آہستہ ہلا کر نکالی تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو مگر اُن کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ دوسری کڑی کو میں نکالنے لگا تو ابو عبیدہؓ نے پھر مجھے خدا کا واسطہ دیا کہ "یہ کڑی بھی مجھے نکالنے دیجئے" انہوں نے وہ کڑی بھی آہستہ آہستہ اپنے دانت سے ہلا کر نکالی اور انکا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے بھائی کو پکڑو، اس نے جنّت واجب کر لی ہے" پھر ہم طلحہؓ کی طرف آئے، اُن کو اُٹھایا تو دیکھا کہ اُن کے جسم پر دس سے زیادہ تلوار کے زخم لگے ہیں۔ بعض کہتے ہیں خود کی دونوں کڑیاں آپ کے چہرہ میں چبھی ہوئی تھیں اور اس قدر گہری پھنسی ہوئی تھیں کہ ان کے نکالنے سے ابو عبیدہؓ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ ابو داؤد طیالسی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب جنگ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے "یہ جنگ اکیلے طلحہؓ نے جیتی ہے" پھر وہی واقعہ بیان کرتے جو ذکر ہوا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ کے چہرے سے دونوں کڑیاں ابو عبیدہؓ نے نکالی تھیں جس سے ابو عبیدہؓ کے دونوں دانت ٹوٹ گئے تھے اور اُن کے لیے عیب کی بجائے حسن و جمال کا سبب بن گئے تھے کیونکہ اُن کے یہ ٹوٹے ہوئے دانت سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت نظر آتے تھے۔ آپ کے رخسار سے بہتا ہوا خون ابو سعید خدریؓ کے والد مالکؓ بن سنان نے چوسا آپ نے فرمایا "اس کو تھوک دو" انہوں نے کہا بخدا! میں اس کو ہرگز نہیں تھوکوں گا" پھر وہ پیچھے مڑ کر کفار سے لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص کوئی جنتی آدمی دیکھنا چاہے وہ اس کو دیکھ لے" اسی طرح مصعبؓ بن عمیر نے بھی آپ کی حفاظت میں لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا اُن کو ابن قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کے دھوکے میں قتل کیا تھا اس لیے اس نے چلّا کر کہا "بلاشک محمدؐ قتل ہو گئے ہیں" اس کے بعد آپ نے جھنڈا علیؓ بن ابی طالب کو دیا آپؓ نے لڑائی میں خوب جوہر دکھائے اور کفار کی پیشقدمی روک دی شیطان نے چیخ کر اعلان کیا کہ "محمدؐ قتل ہو گئے"!۔ اس کا بہت سے مسلمانوں پر بہت بُرا اثر پڑا اور وہ مایوسی کا شکار

ہو کر لڑنے سے ہاتھ اٹھا بیٹھے۔ نضرؓ بن انس ان کے پاس آئے اور کہنے لگے "اے میری قوم! کس انتظار میں بیٹھے ہو؟" انہوں نے کہا "رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔" بولے "پھر آپؐ کے بعد زندہ رہ کر تم کیا کرو گے؟ اٹھو! اور جس راستہ میں آپؐ نے جان دی ہے تم بھی اپنی جانیں دے دو" پھر وہ دشمنوں کی طرف دوڑے۔ راستہ میں سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے "سعد! واللہ! مجھے احد کی اس طرف جنت کی خوشبو آ رہی ہے" پھر کہا "الٰہی! جو کچھ ان مسلمانوں نے کیا ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں اور جو کچھ کفار نے کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں" پھر بے دریغ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ زخموں کی وجہ سے ان کا حلیہ بگڑ گیا تھا اور بجز ان کی بہن کے ان کو کوئی پہچان نہیں سکا۔ ان کے جسم پر تیر و تلوار کے ستر زخم لگے تھے۔ یہ واقعہ امام بخاریؒ نے انسؓ کی روایت میں بیان کیا ہے۔ اس روز عبدالرحمانؓ بن عوف کو تقریباً بیس زخم لگے تھے جن میں سے بعض ان کے پاؤں پر لگے جس کی وجہ سے وہ تازندگی لنگڑے ہو گئے۔ اس دوران ایک مہاجر آدمی انصار کے ایک خون میں لت پت آدمی کے پاس آیا اور کہنے لگا "برادر! تم نے سنا ہے کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں؟" وہ بولا "اگر شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے خدا کا دین پہنچا دیا ہے۔ اس کی خاطر کفار سے جنگ کرو" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ[1] الآیۃ" "یعنی محمد ﷺ بھی ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا قتل کیے گئے تو تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے؟"

پھر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں آئے۔ سب سے پہلے کعبؓ بن مالک شاعر نے آپؐ کو پہچانا اور بلند آواز سے کہا "مسلمانو! تمہیں بشارت ہو! رسول اللہ ﷺ یہ تشریف لا رہے ہیں" آپؐ نے اُن کی طرف اشارہ کیا کہ "خاموش رہو" جب مسلمانوں نے آپؐ کو پہچانا تو سب آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ایک گھاٹی میں چلے گئے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور حارثؓ بن صمہ انصاری وغیرہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے

ابی بن خلف کا قتل

ابن اسحاق لکھتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی میں پناہ لی تو اللہ کا دشمن ابی بن خلف گھوڑے پر سوار ہو کر ادھر آنکلا اور کہنے لگا "آج میں محمدؐ کو قتل کر کے آؤں گا" جب آپؐ کے نزدیک

---

[1] آل عمران: ۱۴۴

آیا تو آنحضرت ﷺ نے حارث بن صمہ کا نیزہ لے کر ہلایا ——

———— پھر آپ نے آگے بڑھ کر اس کو اس طرح نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس سے اس کا خون تو نہیں نکلا مگر اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی تھی قریش میں واپس جا کر کہنے لگا، "بخدا! محمدؐ نے مجھے قتل کر دیا ہے اس نے مکہ میں مجھ سے کہا تھا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ واللہ! وہ اگر مجھ پر تھوک بھی پھینک دیتا تو مجھے ضرور قتل کر ڈالتا" چنانچہ وہ واپسی میں مقامِ سرف میں جہنم رسید ہوا۔ یہ واقعہ بیہقی اور ابونعیم نے ذکر کیا ہے مگر ابونعیم نے اس کی پسلی ٹوٹنے کا ذکر نہیں کیا۔ ابوالاسود عروہ سے روایت کرتے ہیں: اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے جانے لگے تو بیل کی طرح اونچی اونچی آواز سے چلا رہا تھا اس کے ساتھیوں نے کہا "گھبراتا کیوں ہے، یہ تو معمولی خراش ہے"۔ تو اس نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا حوالہ دیا کہ "میں ابی کو قتل کروں گا"۔ پھر کہنے لگا "جو مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، وہ اگر اہلِ ذوالمجاز کو پہنچتی تو سب ہلاک ہو جاتے" چنانچہ وہ اسی چوٹ سے واصلِ جہنم ہوا اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی اپنی "مغازی" میں بواسطہ زہری، سعید بن مسیب، اسی طرح ذکر کیا ہے۔

آپؐ کے زخم کا علاج

ابن اسحاق کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لائے تو علیؓ اپنی ڈھال میں "مہراس" سے، جو ایک کھودا ہوا پتھر تھا، جس میں کافی پانی سما جاتا تھا اور بعض کہتے ہیں احد میں ایک کوئیں کا نام ہے، آپؐ کے پینے کے لیے پانی بھر کر لائے، مگر اس سے بو آ رہی تھی جس کی وجہ سے آپؐ نے پیا نہیں ہاں اس سے آپؐ کا زخم دھویا گیا اور آپؐ کے سر پر ڈالا گیا آپؐ فرماتے تھے "اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوگا جس نے اس کے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا ہے"۔ عبدالرزاق مقسم سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت عتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ کے دانت توڑے اور چہرہ مبارک لہولہان کیا اس وقت آپؐ نے اس کے حق میں کہا تھا "الٰہی! اس پر ایک سال کا عرصہ نہ گذرنے پائے حتی کہ یہ کفر کی حالت میں مرے" چنانچہ ابھی سال نہیں گذرا تھا کہ یہ بحالتِ کفر مر کر جہنم رسید ہوا۔ صحیحین میں سہلؓ سے مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے زخم کے بارہ میں پوچھا گیا تو کہنے لگے "واللہ! میں جانتا ہوں کہ آپؐ کا زخم کس نے دھویا اور آپؐ پر کس نے پانی ڈالا آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ

نے آپؐ کا زخم دھویا اور علیؓ نے پانی ڈالا تھا۔ جب فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون زیادہ نکلنے لگا ہے، تو آپؓ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تو خون رُک گیا۔"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ گھاٹی میں تشریف فرما تھے، اور آپؐ کے ہمراہ صحابہؓ کی وہ جماعت بھی تھی جس کا پہلے ذکر ہوا ہے، اس وقت قریش کی ایک جماعت قریبی پہاڑ پر چڑھ آئی تو آپؐ نے فرمایا "الٰہی! ان کو ہم پر چڑھنے کی توفیق نہ دیجیو" چنانچہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے حملہ کر کے ان کو پہاڑ سے اتار دیا۔ پھر آپؐ نے پہاڑ کے ایک پتھر پر چڑھنا چاہا، مگر بھاری بدن ہونے اور تہ بہ تہ دو زرہیں پہننے کی وجہ سے چڑھ نہ سکے۔ طلحہؓ آپؐ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپؐ ان پر پاؤں رکھ کر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے کہ "طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کر کے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔"

ابنِ ہشام کہتے ہیں: عمر مولیٰ عفرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے احد کے دن زخموں کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی، اور صحابہؓ نے بھی آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اس دن مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی ایک جماعت بھاگ کر اعوص کے قریب حلوب مقام تک جا پہنچی۔ ان میں عثمانؓ بن عفان اور عثمانؓ بن عقبہ انصاری بھی تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور قرآنِ حکیم میں اس کا اعلان کیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔ الآیۃ" (آلِ عمران: ۱۵۵)

مسلمانوں کو شکست کے بعد مشرکوں اور ان کی عورتوں نے اہلِ اسلام کی لاشوں کا مثلہ کیا، ان کے ناک، کان اور شرمگاہیں کاٹ دیں اور ان کے پیٹ چاک کر دیئے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی اور اس کو تھوک دیا۔

جب ابوسفیان واپس جانے لگا تو پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے کہنے لگا "بہت اچھا کام ہوا ہے، لڑائی ڈول کی طرح برابر رہی ہے اور آج کی جنگ، بدر کی جنگ کا جواب ہے۔ ہبل! تیرا شان بلند ہو۔"

صحیح بخاری میں براءؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس جنگ میں ہمارے ستر آدمی شہید ہو گئے، ابوسفیان مسلمانوں کو ایک جگہ کھڑے دیکھ کر بولا "کیا ان لوگوں میں محمدؐ ہے؟" آپؐ نے فرمایا "اس کو جواب نہ دو۔" اس نے پھر کہا: "کیا ان لوگوں میں ابنِ ابی قحافہؓ ہے؟" آپؐ نے فرمایا "اس کو جواب نہ دو۔" پھر اس نے کہا "ان

لوگوں میں عمرؓ ہے" آپؐ نے فرمایا "اس کو جواب نہ دو" ادھر سے خاموشی دیکھ کر اس نے کہا "یہ تینوں قتل ہو گئے ہیں"۔ یہ سن کر عمرؓ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بولے "اللہ کے دشمن! جھوٹ کہتے ہو، ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے"۔ ایک روایت میں ہے "جن کا تو نے نام لیا ہے، یہ سب زندہ ہیں اور تیرے رنج و غم میں اضافہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو باقی رکھا ہے"۔ ابوسفیان نے کہا: "آج کی جنگ، بدر کی جنگ کا جواب ہے اور ہمارے تمہارے درمیان لڑائی ڈول کی طرح برابر ہے، تم اپنی لاشوں کا مثلہ کیا ہوا پاؤ گے۔ اس کا میں نے حکم نہیں دیا اور مجھے یہ ناگوار بھی نہیں گذرا" پھر: "اُعْلُ ھُبَلُ، اُعْلُ ھُبَلُ" کا ترانہ گانے لگا۔ آپؐ نے فرمایا "اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟" صحابہؓ نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! ہم کیا جواب دیں؟" آپؐ نے فرمایا "تم کہو "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ"۔ یعنی "اللہ تعالیٰ ہی بلند تر اور بزرگ تر ہے"۔ پھر اس نے کہا: "ہماری عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟" انہوں نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! ہم اس کو کیا جواب دیں؟" آپؐ نے فرمایا "تم کہو "اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ!" "اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے، اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں"۔ یہ روایت صرف امام بخاریؒ ہی نے بیان کی ہے، دوسرے امام اس کو بیان نہیں کرتے۔

امام احمدؒ نے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے: ابوسفیان نے کہا "آج کی جنگ، بدر کی جنگ کا جواب ہے اور لڑائی ہمارے اور تمہارے درمیان ڈول کی طرح برابر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "نہیں، برابر نہیں ہے، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں" اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ ابوسفیان کو خود آپؐ نے جواب دیا تھا کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان لڑائی برابر نہیں ہے، ہمارے مقتول زندہ ہیں اور اپنا رزق کھا رہے ہیں۔ اور تمہارے مقتول جہنم میں جل رہے ہیں"۔ اور اسی روایت میں ہے "جب صحابہؓ نے شہداء کی لاشوں کو دیکھا تو حمزہؓ کا پیٹ چاک شدہ پایا۔ ہند بنت عتبہ نے ان کا جگر نکال کر چبایا تھا، لیکن وہ اسے کھا نہیں سکی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کیا اس نے اس کا کچھ کھایا ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں، کچھ نہیں کھایا"۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حمزہؓ کی کوئی چیز آگ میں داخل نہیں کرنی تھی"۔

امام احمد، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جتنی شاندار

مدد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی جنگِ احد میں کی ہے، دوسری کسی جنگ میں نہیں کی ہم نے اس کا انکار کیا تو وہ بولے "میرے درمیان اور اس سے انکار کرنے والے کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ جنگِ احد کے بارہ میں فرماتا ہے:" وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ؎ عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "حس" کا معنی قتل ہے۔! حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ؎ الآیۃ! یہ تیر اندازوں کے متعلق فرمایا۔ شروع دن میں رسول اللہ ﷺ کو برتری حاصل تھی چنانچہ مشرکوں کے سات یا نو جھنڈا بردار یکے بعد دیگرے ہلاک ہوئے الحدیث! اور اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے درخواست کی "یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کو جواب دوں"؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں! جواب دو"۔ چنانچہ جب ابو سفیان نے "اُعْلُ هُبَلُ" کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا: "اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ"۔ ابو سفیان نے کہا، "آج کی جنگ، بدر کی جنگ کا جواب ہے اور لڑائی ڈول کی طرح برابر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "نہیں، برابر نہیں ہے، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں ہیں"۔ ابو سفیان نے کہا "یہ محض تمہارا خیال ہے اگر یہ صحیح ہے، تو ہم تو پھر گھاٹے اور نقصان میں رہے" انتہٰی!

صاحب الہدیٰ نے لکھا ہے "جب ابو سفیان نے اپنے بتوں کا نام فخر و مباہات سے اچھالا اور شرک کا برملا اظہار کیا تو توحید کی عظمت کے پیشِ نظر آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس کو جواب دیں، اور اپنے خدا اور معبودِ برحق کی قوت کا اعلان کریں کہ وہ سب پر غالب ہے اور اس پر غالب آنے والا کوئی نہیں اور جب اس نے پوچھا کہ "تم میں محمدؐ ہے ؟ تم میں ابن ابی قحافہؓ ہے ؟ تم میں عمرؓ ہے"؟ تو آپؐ نے اس کو جواب دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ احادیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے جواب دینے سے منع کر دیا کیونکہ کفار اس وقت بڑے مشتعل تھے، اور مسلمانوں خصوصاً اصحابِ ثلاثہؓ کی تلاش میں دیوانے ہو رہے تھے لیکن جونہی اس نے اپنے ساتھیوں کو بشارت دی کہ یہ تینوں قتل ہو چکے ہیں، تو حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور پکار اٹھے "اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہہ رہا ہے"۔ حضرت عمرؓ کے اس اعلان میں اہلِ اسلام کی شجاعت اور بسالت کا اظہار ہے اور یہ کہ شکست سے ان کے عزم اور ارادہ میں کوئی کمزوری اور بزدلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کفر اور کافروں کی سرکوبی کا انتظام کر دیا ہے اس لیے ان کو تکبر اور غرور کی بجائے ان سے ڈرنا چاہیے۔

؎ ؎ آلِ عمران: ۱۵۲۔

ابوسفیان اور اس کی قوم کے اس خیال کی کہ یہ تینوں قتل ہو چکے ہیں، تردید کرنا مبنی بر مصلحت تھا اور ان تینوں کے بقید حیات ہونے کی اطلاع دینے میں ان کے غم و اندوہ اور مایوسی کا وہ سامان تھا جو ایک ایک کی زندگی کی خبر دینے میں نہیں تھا۔ ان تینوں حضرات کی موت پر شماتت اور بشارت ان کا آخری حربہ تھا جس پر آپؐ نے تو صبر سے کام لیا مگر حضرت عمرؓ کے اعلان نے ان کا یہ حربہ بھی ناکام بنا دیا۔ غرض اس کو پہلے جواب نہ دینا اور پھر جواب دینا نہایت مناسب اور مستحسن اقدام تھا جواب نہ دینے میں بے اعتنائی اور اس کی تذلیل منظور تھی اور اس جواب میں کہ بفضل خدا یہ تینوں حضرات بقید حیات موجود ہیں اس کی تحقیر اور اہانت مقصود تھی۔

ابوسفیان نے اصحابؓ ثلاثہ کے علاوہ کسی کے متعلق نہیں پوچھا کیونکہ وہ اور اس کی قوم جانتی تھی کہ اسلام کی بقاء اور اس کی ترقی زیادہ تر ان ہی کی مساعی کی مرہونِ منّت ہے۔

غازیوں پر نیند مسلّط کرنا

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں مجاہدین پر نیند نازل فرمائی۔ لڑائی اور خوف کے وقت نیند آنا امن کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نماز، مجالس ذکر و علم میں نیند آنا شیطان کی طرف سے ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ابوطلحہؓ کہتے تھے "دوسرے لوگوں کی طرح احد کی جنگ میں مجھے بھی نیند آئی یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے کئی دفعہ تلوار گری میں اس کو پکڑتا تھا اور وہ نیند کی وجہ سے پھر گر جاتی تھی" اور اسی میں انسؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، صرف ابوطلحہؓ آپؐ کے آگے کفار سے لڑ رہے اور اپنی ڈھال کے ذریعے آپؐ دشمن کے تیر و تلوار روک رہے تھے ابوطلحہؓ بڑے تیر انداز تھے اور کمان کو خوب کھینچ کر دشمن پر تیر برساتے۔ اسی وجہ سے اس دن ان کے ہاتھ سے دو یا تین کمانیں ٹوٹ گئیں! کوئی آدمی تیروں سے بھرا ہوا ترکش لیے کر گذرتا تو آپؐ فرماتے "اس کو ابوطلحہؓ کے سامنے ڈال دو" اور جب وہ تیر پھینکتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونچا سر کر کے دیکھتے کہ یہ تیر کس کو لگا ہے؟ ابوطلحہؓ کہتے: "یا رسول اللہ ﷺ، میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو سر اونچا نہ کریں۔ آپؐ کو دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپؐ کے سینہ کے لیے ڈھال ہے۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں: "میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور اپنی والدہ ام سلیمؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا ہوا ہے جس کے باعث میں ان کی پازیبیں دیکھتا تھا وہ جاتیں اور اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے اٹھا کر لاتیں، سپاہیوں کو پلا کر پھر جاتیں اور مشکیزے بھر کر ان کو پانی پلاتیں وہ دوران جنگ یہی کام کرتی رہیں، اور اس روز ابو طلحہؓ کے ہاتھ سے دو یا تین دفعہ تلوار گری۔ انتہیٰ!"

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب ابو سفیان اور اس کے ساتھی واپس جانے لگے تو اس نے اعلان کیا کہ تم سے آئندہ سال بدر کے مقام پر لڑائی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہو: "بہت اچھا! ہمارے اور تمہارے درمیان لڑائی کی وہ جگہ مقرر ہو چکی۔"

کفار کی واپسی

اہل مکہ کی واپسی کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ انہوں نے کدھر جانے کا ارادہ کیا ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کی بجائے اونٹوں پر سوار ہوئے، تو ان کا مکہ جانے کا ارادہ ہے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں، اور اونٹوں کو پہلو میں خالی لیے جا رہے ہیں، تو ان کا مدینہ جانے کا ارادہ ہے۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر انہوں نے مدینہ جانے کا ارادہ کیا، تو میں ضرور وہاں جا کر ان کا مقابلہ کروں گا۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں: "میں یہ دیکھنے کے لیے ان کے پیچھے گیا کہ ان کا کدھر جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے دیکھا کہ وہ گھوڑوں سے اتر کر اونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں اور مکہ کی طرف لوٹ گئے ہیں۔" ان کے چلے جانے کے بعد مسلمان، شہداء کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی اپنی میتوں کو مدینہ شریف منتقل کرنے لگے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ "یہ جہاں فوت ہوئے ہیں، وہیں دفن کرو۔ ان کو نہ غسل دو اور نہ کپڑے اتارو بلکہ خون میں لت پت کپڑوں سمیت دفن کر دو۔"

اس دن قتادہ بن نعمان ظفری کی آنکھ پر چوٹ لگی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کی آنکھ ان کے رخسار پر لٹک رہی تھی۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو اپنی جگہ میں رکھا اور یہ ان کی دونوں آنکھوں میں سے زیادہ صحت مند اور زیادہ خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔

شہداء احد کا ذکر

جو لوگ جنگ احد میں شہید ہوئے، سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان

میں شامل ہیں۔ ان کو نوفل کے غلام وحشی نے قتل کیا تھا جس کو اس کارنامے کے انجام دینے پر آزاد کر دیا گیا اس کا نیزہ حضرت حمزہؓ کو پیڈو میں لگا تھا اور ان کے جسم سے آر پار ہو گیا تھا جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ بعد میں وحشی مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اسی نیزہ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔

امام بخاریؒ نے جعفر بن امیہ ضمری کے واسطہ سے خود وحشی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حمزہؓ نے جنگِ بدر میں طعیمہ بن عدیؓ بن نوفل کو قتل کیا تھا۔ مجھے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا "اگر تم میرے چچا کے بدلے حمزہؓ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو" چنانچہ جب "عینین" کے سال 'جو احد پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا پہاڑ ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک درہ ہے' لوگ جنگ کے لیے نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا جب جنگ کے لیے دونوں طرف سے صفیں تیار ہو گئیں تو مشرکوں کی طرف سے سباع میدان میں آکر چیلنج دینے لگا "ھل من مبارز" "کوئی میرے مقابلہ میں آئے گا؟" ادھر سے اس کے مقابلہ میں حمزہؓ بن عبد المطلب نکلے اور کہنے لگے "اے سباع! شرمگاہوں کو کاٹنے والی ام انمار کے بیٹے! تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کے لیے آیا ہے" پھر اس پر اس شدّت سے حملہ کیا کہ قصّہ پارینہ بن گیا۔ میں ایک پتھر کے پیچھے چھپ گیا جب حمزہؓ ادھر سے گذرے تو میں نے ان کے پیڈو میں اس طرح نیزہ مارا کہ وہ ان کے دونوں سرینوں کے درمیان جسم سے پار ہو گیا اور حمزہؓ وہیں ٹھنڈے ہو گئے۔ جب لوگ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آگیا اور مکہ میں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا تو میں "طائف" میں منتقل ہو گیا۔ جب انہوں نے اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے ایلچی بھیجے تو کسی نے کہا کہ آپؐ ایلچیوں کو کچھ نہیں کہتے' اس لیے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا "تو وحشی ہے؟" میں نے کہا "ہاں! میں ہی وحشی ہوں" آپؐ نے فرمایا "تو نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟" میں نے کہا "آپؐ کو جو خبر ملی' درست ہے" اس پر آپؐ نے فرمایا "پھر تو مجھ سے دُور دُور ہی رہا کر" چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اور مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تو میں نے کہا "میں اس کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے ضرور نکلوں گا ممکن ہے میں اسے قتل کر کے حمزہؓ کا بدلہ اتاروں!" چنانچہ اس کے مقابلہ میں جانے والی فوج کے ساتھ میں بھی نکلا۔

جب لڑائی ہوئی تو میں نے خاکستری اونٹ جیسے ایک بکھرے ہوئے بالوں والے آدمی کو ٹوٹی ہوئی دیوار میں کھڑے دیکھا میں نے تاک کر اس کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان اس کے جسم سے پار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر انصار کا ایک آدمی جھپٹا اور اس کے سر پر تلوار ماری۔ عبداللہ بن فضل کہتے ہیں، مجھے سلیمان بن یسار نے بتایا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، مکان کی چھت پر کھڑی ہونے والی ایک لونڈی نے کہا ہائے امیر المومنین کو ایک کالے غلام نے قتل کر دیا ہے۔"

ابن اسحاق نے اپنی "سیرت" میں صحیح سند کے ساتھ اس سے مفصل روایت ذکر کی ہے۔ وحشی نے کہا جب اہل طائف نے اسلام کے سلسلہ میں اپنا وفد مدینہ منورہ بھیجا تو مجھے وہاں رہنا مشکل نظر آیا میں سوچتا تھا میں شام یا یمن میں چلا جاؤں، یا کسی دوسرے ملک کا رخ کروں بخدا میں ابھی اسی ادھیڑ بن میں سخت پریشان تھا کہ کسی نے کہا کہ آپؐ اس کو قتل نہیں کرتے، جو ان کا دین قبول کرے اور شہادت حق دے۔ چنانچہ اس کے کہنے پر میں بھی وفد میں شامل ہو گیا۔ جب مدینہ منورہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ کو اس وقت پتہ چلا جب میں آپؐ کے سر پر کھڑا شہادت حق دے رہا تھا۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر پوچھا "تو وحشی ہے؟" میں نے کہا "ہاں! یا رسول اللہ ﷺ" آپؐ نے فرمایا "یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا؟" اس نے کہا، پھر میں نے آپؐ کو وہی واقعہ سنایا جو تم کو سنایا ہے۔ جب میں واقعہ سنا چکا تو آپؐ نے فرمایا: "تجھ پر افسوس! اپنا چہرہ مجھ سے چھپالے، میں تجھے دیکھنا پسند نہیں کرتا" چنانچہ اس نے کہا جب تک آپؐ زندہ رہے، میں آپؐ سے دور دور ہی رہتا تھا تاکہ آپؐ کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔

ابن ہشام لکھتے ہیں: مجھے خبر ملی ہے کہ وحشی شراب نوشی کے جرم میں بار بار ماخوذ ہوا اور اس پر بار بار حد شرعی جاری ہوئی آخر وظیفہ خواروں کے رجسٹر سے اس کا نام کاٹ دیا گیا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "میں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے قاتل کو بلا سزا نہیں چھوڑے گا۔" دار قطنی نے شرط شیخین پر پوری اترنے والی سند کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے: "مجھے تعجب ہوتا تھا کہ حمزہؓ کا قاتل کس طرح نجات پائے گا؟ یہاں تک کہ وہ شراب میں ڈوب کر مرا۔" ابن شاذان نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جس قدر آپؐ حمزہؓ پر روئے کسی دوسرے

پر اتنا نہیں روئے۔ آپؐ نے انہیں قبلہ کی جانب رکھا اور جنازہ پڑھانے لگے، تو اس پر سسکیاں لے لے کر روتے۔ الحدیث یعنی اس قدر روئے کہ غشی تک نوبت جا پہنچی۔ بغوی نے اپنی معجم میں لکھا ہے کہ آپؐ عموماً جنازے پر چار تکبیریں کہتے تھے مگر حمزہؓ پر ستر تکبیریں کہیں اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ شہدا احد کو غسل نہیں دیا گیا بلکہ اسی طرح خون میں لت پت دفن کیے گئے اور ان پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ اخرجہ احمد و ابو داؤد، حضرت حمزہؓ کا معاملہ خاص ہے اور ان کے علاوہ جس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر آتا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے، جو جنگ میں زخمی تو ہوا تھا لیکن فوت بعد میں ہوا۔

—— حمزہؓ اور ان کے بھانجے عبداللہؓ بن جحش ایک قبر میں دفن کیے گئے تھے۔

—— شہدا احد میں مصعبؓ بن عمیر بھی ہیں، ان کو عبداللہ بن قمیۂ لیثی نے قتل کیا تھا۔ ان کے علاوہ:۔

—— شماس بن عثمان مخزومی ، عمرو بن معاذ اوسی سعد بن معاذ کے بھائی ، حارث بن انیس ، عمارہ بن زیاد بن سکن ، سلمہ بن ثابت بن وقش ، عمرو بن ثابت بن وقش ، صیفی بن قیظی ، حباب بن قیظی ، عباد بن سہل ، حارث بن اوس بن معاذ سعد بن معاذ کے بھتیجے ، یمان حذیفہ (حلیف انصار) کے والد ، ایاس بن اوس ، عبیدہ بن عمرو ، عبید بن تیہان ، حبیب بن زید بن تیم ، یزید بن حاطب ، ابوسفیان بن حارث ، حنظلۃ الغسیل ، قیس بن یزید ، مالک بن امیہ ، انیس بن قتادہ ، ابوحبہ بن عمرو سعد بن خیثمہ کے ماں کی طرف سے بھائی ، عبداللہ بن جبیر تیراندازوں کے امیر ، —— ابوخیثمہ سعد کے والد ، ان کے حلیف عبداللہ بن سلمہ ، سبیع بن حاطب ، عمیر بن عدی!

خزرج سے مندرجہ ذیل اشخاص نے جامِ شہادت نوش فرمایا:

—— عمرو بن قیس ، ان کے صاحبزادے قیس ، ثابت بن عمرو ، عامر بن مخلد ، ابوہبیرہ بن حارث ، عمرو بن مطرف ، حضرت حسان کے بھائی اوس بن ثابت ، انس بن نضر ، قیس بن مخلد ، کیسان ان کے آزاد کردہ غلام ، حارثہ بن زید ، سعد بن ربیع ، اوس بن ارقم —— مالک بن سنان ابوسعید خدری کے والد ، سعید بن سوید ، عتبہ بن ربیع ، ثقف بن فروہ —— عبداللہ بن عمرو بن وہب ، ان کے حلیف ضمرہ ، نوفل بن عبداللہ ، عباس بن عبادہ بن نضلہ ، نعمان بن مالک ، مجذر بن زیاد ، عبادہ بن خشخاش ، عبداللہ بن عمرو بن حرام جابر کے والد ، عمرو بن جموح یہ دونوں ایک قبر میں دفن کیے گئے اور ایک دوسرے کے بڑے

گہرے دوست تھے ___ خلاد بن عمرو بن جموح ، ابو ایمن عمرو بن جموح کے غلام ، سلیم بن عمرو ___ ان کے غلام عنزہ ، سہل بن قیس بن ابی بن کعب ، ذکوان بن عبد قیس ، عبید بن معلی بن لوذان یہ کل ۶۵ آدمی ہیں۔ شہداء احد میں اوس کے دو آدمی : مالک بن نمیلہ ان کے حلیف ، حارث بن عدی خطمی اور خزرج کے دو آدمی : مالک بن ایاس ___ اور عمرو بن ایاس بھی شمار ہوتے ہیں یہ کل ستر آدمی ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین! اور اس جنگ میں کفار کے ۲۲ آدمی قتل ہوئے تھے۔

غزوہ حمراء الاسد

اہل مغازی کہتے ہیں: جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جنگ احد بروز ہفتہ ۱۵ شوال ۳ھ میں ہوئی۔ دوسرے دن بروز اتوار آپؐ نے دشمن کے پیچھے جانے کا اعلان کیا اور تاکید کر دی کہ آپؐ کے ساتھ صرف وہی لوگ جائیں جو میدان جنگ میں حاضر تھے۔ ان کے علاوہ جابرؓ نے ساتھ جانے کی اجازت مانگی اور آپؐ نے انہیں اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے زخموں سے چور ہونے کے باوجود آپؐ کی آواز پر لبیک کہی چنانچہ آپؐ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے اور دشمن کو ڈرانے کے لیے حمراء الاسد تک پہنچے، یہ مقام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں معبد بن ابی معبد خزاعی آپؐ سے ملا، خزاعہ قبیلہ کے لوگ مسلمان اور کافر آپؐ کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ معبد اس وقت مشرک تھا، کہنے لگا: "اے محمدؐ! بخدا! آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو صدمہ پہنچا ہے ہمیں اس سے بڑا رنج ہوا ہے ہم دل سے چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس مصیبت سے محفوظ رکھتا" پھر وہ واپس چلا گیا اور روحاء کے مقام پر ابوسفیان اور اس کے رفقاء سے ملا جو مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ہم نے محمدؐ کے اصحاب کی کمر توڑ دی ہے پھر ان کی مکمل بیخ کنی کرنے سے پہلے واپس جا رہے ہیں؟ جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو اس سے پوچھا "معبد کیا خبر لائے ہو؟" بولا "محمدؐ ایک بہت بڑا لشکر لیکر تمہارے پیچھے آرہے ہیں، میں نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہیں دیکھا۔ اب اس کے لشکر میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان میں اتنا جوش ہے کہ وہ اپنی غیر حاضری پر پچھتا رہے ہیں" یہ سن کر ابوسفیان بولا "معبد! بڑا افسوس ہے، یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے کہا "اگر کچھ شک ہے، تو خود جا کر اپنی آنکھوں سے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ آؤ تمہاری تسلی ہو جائے گی"

یہ خبر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں پر بجلی بن کر گری، ان کے دماغوں سے مدینہ واپس جاکر مسلمانوں کی مکمل بیخ کنی کا خیال ہوا ہو گیا اور صرف دھمکی دے کر واپس جانے میں اپنی خیر سمجھی۔ ان کو راستہ میں عبدالقیس کا ایک قافلہ مدینہ کی طرف جاتا ملا۔ ابوسفیان نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا "غلہ لینے مدینہ جارہے ہیں"۔ اس نے کہا: کیا محمدؐ کو میرا ایک پیغام پہنچاؤ گے؟ اس کے بدلہ میں عکاظ میں آؤ گے، تو میں تمہیں اتنا منقیٰ دوں گا جتنا تمہارے یہ اونٹ اٹھا سکیں گے"۔ انہوں نے کہا "ہاں"! وہ بولا "اس سے ملو تو کہنا کہ قریش تمہاری اور تمہارے باقیماندہ ساتھیوں کی کامل بیخ کنی کے لیے آرہے ہیں"۔ چنانچہ یہ قافلہ آپؐ سے مقام "حمراء الاسد" میں ملا اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا یہ پیغام پہنچایا۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"[1] "ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے"۔ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو انہوں نے یہی کہا تھا ـــــ یہی آپؐ نے فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے: "اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"[2] یعنی "لوگ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آرہے ہیں، ان سے ڈر جاؤ لیکن یہ بات سن کر اہل ایمان کا جوش زیادہ ہوا اور انہوں نے کہا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے"۔

اور اسی بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عروہ نے "اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"[3] پوری آیت پڑھی، تو کہا "میرے بھانجے! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، ان میں تمہارے والد زبیرؓ اور تمہارے نانا ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ جب مسلمانوں کو احد میں شکست ہوئی اور کفار واپس چلے گئے، تو آپؐ کو اندیشہ ہوا کہ وہ واپس آکر مدینہ پر حملہ نہ کردیں۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا: "ان کے تعاقب میں کون جائے گا؟" یہ سن کر ستّر آدمی آپؐ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ ان میں ابوبکرؓ اور زبیرؓ بھی تھے"۔

کہتے ہیں، آپؐ حمراء الاسد میں تین دن، سوموار، منگلوار اور بدھ وار فروکش رہے اور جمعہ کے دن مدینہ کی طرف واپس لوٹے۔ کل پانچ دن مدینہ سے باہر رہے۔ اس عرصہ میں معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص، عبدالملک بن مروان کا نانا آپؐ کے ہاتھ لگا اور آپؐ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

حافظ مغلطائی لکھتے ہیں کہ اسی ماہ شوال میں شراب حرام ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں ۴ھ میں حرام ہوئی

---

[1] [2] آل عمران: ۱۷۳، [3] ایضاً: ۱۷۲

غزوۂ رجیع اور عضل اور قارہ کا واقعہ

"رجیع" را کی فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ قبیلۂ ہذیل کے ایک کنوئیں کا نام ہے، جو مکہ اور عسفان کے درمیان آباد تھے یہ جنگ چونکہ اس کنوئیں کے نزدیک ہوئی تھی، اس لیے اس کا نام غزوۂ رجیع پڑ گیا۔ "عضل" ضاد کی فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ قبیلہ بنو ہون بن خزیمہ بن مدرکہ کی ایک شاخ ہے۔ "قارۃ" قاف اور را مخففہ کے ساتھ ہے یہ بھی بنو ہون کی ایک شاخ ہے۔ ابن درید لکھتے ہیں، قارہ ایک سیاہ ٹیلہ ہے یہ لوگ اس کے نواح میں آباد ہونے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہو گئے۔ صفر ۴ھ کی ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عضل اور قارہ کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی: "ہمارے لوگ اسلام کی طرف مائل ہیں، آپؐ ہمارے ساتھ اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیجیں، جو ان کو اسلام کی طرف دعوت دیں اور جو مسلمان ہو جائیں، ان کو دین سکھائیں" چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ میں سے چھ آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت بھیج دی جن کے نام یہ ہیں:

(۱) مرثد بن ابی مرثد غنویؓ (۲) خالد بن بکیر لیثیؓ (۳) عاصم بن ثابت اوسیؓ (۴) خبیبؓ بن عدی، (۵) زید بن دثنہ بیاضیؓ (۶) عبداللہ بن طارق حلیف بنی ظفر۔ اس جماعت کے امیر، مرثد غنویؓ تھے۔ جب یہ لوگ رجیع کنوئیں کے پاس پہنچے، تو انہوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور ان کے خلاف ہذیل کو مدد کے لیے بلایا۔

صحیح بخاری میں ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ عاصم بن ثابت انصاریؓ کی سرکردگی میں بھیجا، یہ عاصم بن عمرؓ بن خطاب کے نانا ہیں جب یہ لوگ مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان پہنچے، تو ہذیل کے ایک ذیلی قبیلے بنو لحیان کے تقریباً ایک سو تیر انداز ان کو پکڑنے کے لیے نکلے، ان کے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں صحابہؓ آرام کرنے کے لیے اُترے تھے اور کھجوریں کھائی تھیں۔ کفار کھجور کی گٹھلیاں دیکھ کر کہنے لگے، یہ مدینہ کی کھجوریں ہیں، اور ان کے تعاقب میں تیز تیز چلنے لگے کچھ فاصلہ پر ان کو جا لیا۔ عاصمؓ اور اُن کے ساتھیوں نے ان کو آتے دیکھا، تو پناہ لینے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے، دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور کہنے لگے "اگر نیچے اُتر آؤ، تو ہم تم سے حلفیہ عہد کرتے ہیں کہ ہم کسی آدمی کو قتل نہیں کرینگے"

یہ سُن کر عاصمؓ نے کہا "میں تو کسی کافر کے عہد میں نہیں اُتروں گا" پھر اللہ سے دعا کی "الٰہی! ہماری خبر اپنے رسُولؐ کو پہنچا دے" اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی اور دشمن نے چاروں طرف سے تیر چلا کر عاصمؓ سمیت سات آدمیوں کو شہید کر دیا۔ خبیبؓ، زیدؓ اور ایک اور صاحب باقی رہ گئے' انہوں نے پھر ان سے حلفیہ عہد و پیمان کیا کہ اگر نیچے اُتر آؤ گے' تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے' چنانچہ وہ تینوں ان کا عہد تسلیم کرتے ہوئے نیچے اُتر آئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ نیچے آنے کے بعد کفار نے ان کی کمانوں کی تانتیں کھولیں اور ان کے ساتھ ان کی مشکیں کس دیں۔ تیسرے صاحب کہنے لگے "یہ پہلا غدر ہے' میں تو ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا" دشمن نے اُن کو بہتیرا گھسیٹا اور کھینچا' مگر انہوں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ تنگ آکر انہوں نے اُن کو وہیں شہید کر دیا اور خبیبؓ اور زیدؓ کو لے جا کر مکّہ میں فروخت کر دیا۔ خبیبؓ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا' کیونکہ انہوں نے جنگِ بدر میں حارث کو قتل کیا تھا' وہ ان کے پاس چند دن قید رہے' جب انہوں نے ان کے قتل کی تاریخ مقرر کر دی' تو انہوں نے اپنی حجامت دُرست کرنے کے لیے حارث کی کسی بیٹی سے اُسترا مانگا' جو اس نے لا کر دے دیا۔ وہ لڑکی کہتی ہے' میں اپنے کام کاج میں مشغول ہوئی' تو میرا چھوٹا سا بچّہ اُن کے پاس چلا گیا' انہوں نے اس کو اپنی ران پر بٹھا لیا۔ میں بچّہ کو ان کی ران پر اور اُسترے کو ان کے ہاتھ میں دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ خبیبؓ میری گھبراہٹ دیکھ کر بولے "بی بی، تم ڈرتی ہو کہ میں اس کو قتل کر دونگا؟ ان شاء اللہ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔"

وہ عورت کہتی تھی' خدا کی قسم! میں نے خبیبؓ سے بہتر کبھی کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ انگور کا گچھا ہاتھ میں لے کر کھا رہے ہیں' حالانکہ اس وقت مکّہ معظمہ میں انگور کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ پھر وہ بیڑیوں میں جکڑے تھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ پردۂ غیب سے رزق دیا تھا۔ جب تاریخِ مقررہ پر کفار ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو انہوں نے کہا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف منہ کر کے بولے "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے گھبرا کر ایسا کر رہا ہوں' تو میں دیر تک نماز پڑھتا۔ خبیبؓ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی سُنّت جاری کی' انہوں نے قتل سے پہلے یہ دعا کی "الٰہی! ان کو گن لے' ان کو ایک ایک کر کے قتل کر' اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ" پھر کہا ؎

ولست اُبالی حین اُقتل مسلماً ——— علیٰ اَیّ شق کان فی اللہ مصرعی

"اگر بحالتِ اسلام قتل کیا جاؤں، تو مجھے پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کس کروٹ گر پڑوں۔"

وذٰلک فی ذات الالٰہ فان یّشاءَ ——— یبارکْ علیٰ اَوصال شلو ممزّع

"میں اللہ کی راہ میں جان دے رہا ہوں، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ میرے کٹے ہوئے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے۔"

اس کے بعد عقبہ بن حارث اٹھا اور ان کو شہید کر دیا۔

عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جب قریش کو پتہ چلا کہ عاصم قتل ہو گئے ہیں، تو انہوں نے کچھ آدمی بھیجے کہ عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لائیں جس سے معلوم کر سکیں کہ وہ واقعی قتل ہو گئے ہیں۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں ان کا کوئی بڑا سردار قتل کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل کی طرح بھڑیں بھیج دیں، جنہوں نے ان کے قاصدوں سے اُن کی حفاظت کی اور وہ ان کے جسم سے کوئی حصہ نہ کاٹ سکے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کا ایک دستہ دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل کے دِن جو دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ قبول کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قتل کی خبر دی۔

ابوالاسود بواسطہ عروہ روایت کرتے ہیں کہ مشرک جب خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے لگے، تو ان سے پوچھا "کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ آج تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتا؟" انہوں نے جواب دیا "خدا کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری بجائے آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔"

عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ "وہ کسی مشرک کو ہاتھ نہیں لگائیں گے، اور یا اللہ! مجھے بھی کوئی مشرک ہاتھ نہ لگائے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ مومن کے مرنے کے بعد بھی اس کی اسی طرح حفاظت کرتا ہے، جس طرح زندگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔

سریہ منذر بن عمرو، بئرِ معونہ کی طرف روانگی

بئرِ معونہ مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جنگِ احد کے چار مہینے بعد ماہِ صفر میں یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ ابنِ اسحاق وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ

ابو مالک المعروف "ملاعب الاسنہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس پر اسلام پیش کیا۔ اس نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ اس سے نفرت کا اظہار کیا، بلکہ کہا: "اے محمدؐ! اگر آپؐ اپنے کچھ صحابہؓ نجد بھیجیں، جو اہلِ نجد کو آپؐ کے دین کی دعوت دیں، تو ظنِ غالب ہے کہ وہ آپؐ کے دین کو قبول کر لیں گے۔" آپؐ نے فرمایا: "مجھے ان پر اہلِ نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔" اس پر ابو براء نے کہا: "میں ان کو پناہ دیتا ہوں، اہلِ نجد کچھ نہیں کہیں گے، آپؐ ان کو ضرور بھیجیں۔" اس کے یقین دلانے پر آپؐ نے منذر بن عمرو کو ۷۰ قاری دے کر ان کے ہمراہ روانہ کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس قاری تھے، بعض نے تیس بتائے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ وہ دن میں لکڑی کاٹ کر لاتے تھے اور رات نماز پڑھنے میں گزارتے تھے۔ اور بواسطہ ثابت، ان سے ایک روایت میں ہے، وہ اس سے اہلِ صفہ کے لیے کھانا خریدتے تھے اور رات کو پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ جب وہ چلتے چلتے بئرِ معونہ پہنچے تو انہوں نے حرامؓ بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس نے بجائے اس کے کہ وہ چھٹی پڑھتا اُلٹا حرامؓ کو شہید کر دیا۔

صحیح بخاری میں انسؓ کی روایت میں ہے کہ نیزہ حرامؓ کے جسم سے پار ہوا تو انہوں نے کہا:

"اللہ اکبر! ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

پھر اس نے ان کے خلاف بنو عامر کو مدد کے لیے پکارا، تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے، ہم ابو براء کے عہد کو نہیں توڑتے۔ اس نے انہیں پناہ دینے کا عہد کیا ہوا ہے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے بنو سلیم، رعل، ذکوان اور عصیہ کو پکارا۔ انہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی، سب نے مل کر جہاں مسلمان اُترے ہوئے تھے، ان کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے یہ دیکھا تو تلواریں ہاتھ میں لے کر ان کے مقابلے کے لیے نکل آئے، مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف کعبؓ بن زید بچے، وہ بھی زخموں سے نڈھال تھے، بالآخر انہوں نے جنگِ خندق میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ عمرو بن امیہ ضمریؓ قید ہوئے۔ جب انہوں نے بتایا کہ وہ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے ہیں، تو عامر نے ان کو اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا، جس نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ جب بئرِ معونہ میں سب قراء شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ ضمریؓ قیدی بن گئے تو عامر نے

ایک لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ "یہ کون ہے؟" انہوں نے کہا "یہ عامرؓ بن فہیرہ ہیں"۔ اس پر وہ بولا "قتل ہونے کے بعد میں نے اس کو دیکھا کہ اس کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا گیا حتیٰ کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا پھر میرے دیکھتے دیکھتے یہاں لاکر رکھا گیا ہے"۔ اس حادثہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی، تو آپؐ نے صحابہؓ کو ان کی موت سے آگاہ کیا اور فرمایا:

"تمہارے سب دوست جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں، اور انہوں نے اپنے ربّ سے سوال کیا ہے کہ "الٰہی! ہماری خبر ہمارے بھائیوں تک پہنچا دے نیز ان کو بتا دے کہ ہم تجھ سے راضی ہو گئے اور تُو ہم سے راضی ہو گیا ہے"۔ صحیحین میں انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قراّ کے قاتل قبائل رعل۔ ذکوان۔ بنو لحیان اور عصیہ پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، ۳۰ صبحوں تک بد دعا کی۔ انسؓ کہتے ہیں، ان شہدا کے متعلق قرآن حکیم میں یہ آیت نازل ہوئی تھی جس کو ہم مدّت تک پڑھتے رہے پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی: "بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَرَضِيْنَا عَنْهُ"

یعنی "ہماری طرف سے قوم کو اطلاع پہنچا دو کہ ہم اپنے ربّ سے جا ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں"۔ ابنِ سعدؒ انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "جتنا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ بئرِ معونہ پر غم کرتے دیکھا ہے کسی پر آپؐ کو اتنا غم کرتے نہیں دیکھا۔ واقدی لکھتے ہیں کہ اصحابِ رجیع اور اصحابِ بئرِ معونہ کی شہادت کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات ملی تھی اور اس کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ذکر ہے کہ آپؐ نے رعل، ذکوان، بنو لحیان اور عصیہ وغیرہ پر بد دعا کی۔

غزوہ بنو نضیر

ابنِ اسحاق اور دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ جنگ ۴ھ میں ہوئی تھی لیکن بخاریؒ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر سے چھ مہینے بعد جنگ بنو نضیر ہوئی ہے۔ ابنِ اسحاق وغیرہ نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ جب عامر بن طفیل نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو آزاد کر دیا تو مدینہ منورہ کی طرف واپس آتے ہوئے راستہ میں اُن کی ملاقات بنو عامر کے دو آدمیوں سے ہوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان لے کر جا رہے تھے! عمروؓ کو اس کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے ان سے پوچھا:

"تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "ہم بنو عامر سے تعلق رکھتے ہیں" عمرو نے ان کو کچھ نہ کہا جب وہ سو گئے تو سوتے میں ان کو قتل کر دیا اور سمجھا کہ اس طرح انہوں نے اپنے ساتھیوں کا کچھ انتقام لے لیا ہے۔ مدینہ میں آ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا "تو نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جن کی میں دیت ضرور دوں گا"۔ پھر آپؐ ان دونوں کی دیت میں مدد لینے کے لیے بنو نضیر کے پاس گئے۔ جب آپؐ نے ان سے مدد کے لیے کہا تو وہ بولے "ابوالقاسم! جس طرح آپؐ چاہتے ہیں ہم اس سلسلہ میں آپؐ کی مدد کریں گے"۔ پھر وہ علیحدگی میں جا کر ایک دوسرے سے کہنے لگے "ایسا موقعہ پھر تمہیں کبھی ہاتھ نہیں آئے گا (اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے) کون ہے جو اس مکان سے پتھر گرا کر اس کو قتل کر دے اور ہمیشہ کے لیے ہمیں اس سے نجات دے؟" عمرو بن جحاش نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور کہا "یہ کام میں کیے دیتا ہوں"۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سلام بن مشکم نے کہا "ایسا نہ کرو، تمہارے اس ارادے کی اس کو اطلاع مل جائے گی اور اس سے ہمارے اور اس کے درمیان عہد شکنی بھی ہو گی"۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آپؐ کے پاس آسمان سے خبر آئی کہ یہود نے آپؐ کو ہلاک کرنے کا یہ منصوبہ بنایا ہے۔ آپؐ یہ ظاہر کر کے اٹھ کھڑے ہوئے کہ پیشاب کرنے کے لیے باہر چلے ہیں۔ اس لیے صحابہؓ کو وہیں مجلس میں بیٹھے ہوئے چھوڑا اور خود تیز تیز چل کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد صحابہؓ بھی اٹھ کر چلے آئے۔ جب آپؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے ان کو یہودیوں کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ" الآیۃ[1] یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے ہاتھ پھیلا کر تمہیں قتل کرنا چاہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو بند کر دیا اور وہ تمہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وقت آپؐ نے لڑائی کی تیاری کرنے اور ان کی طرف چلنے کا حکم دیا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ آپؐ نے مدینہ پر ابن ام مکتومؓ کو نائب مقرر کیا اور خود فوج لے کر یہود کی طرف چلے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہود آپؐ کو آتا دیکھ کر اپنے قلعوں میں بند ہو گئے۔ اس پر آپؐ نے ان کے باغات کٹوا دیئے اور ان کو آگ لگا دی۔ یہودیوں نے آواز دی اور کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ تو فساد سے

---

[1] المآئدۃ: ۱۱

منع کرتے ہیں اور جو ایسا کرتے ہیں ان پر عیب لگاتے ہیں پھر کھجوریں کاٹ کر ان کو آگ کیوں لگائی ہے؟ سہیلی لکھتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان کی اس بات سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں کچھ تردد پیدا ہوا اس کو دور کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ[1] یعنی "جو کھجوریں تم نے کاٹی ہیں یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے۔"

ابن اسحاق نے کہا ہے بنو عوف بن خزرج کی ایک جماعت نے جن میں عبداللہ بن ابی بھی شامل ہے یہود کو کہلا بھیجا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہو اور صبر سے کام لو ہم تمہارے ساتھ ہیں، تمہاری مدد نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا وقت آنے پر انہوں نے ان کی کسی طرح مدد نہ کی۔ یہودیوں نے مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشکش کی کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے اور ان کا خون نہ بہایا جائے۔

صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات کٹوا کر ان کو آگ لگا دی، اور وہ باغات "بویرہ" جگہ میں تھے۔ اس کے متعلق حسانؓ بن ثابت نے کہا ہے ؎

وھان علٰی سراۃ بنی لؤیّ حریق بالبویرۃ مستطیر

"بنو لؤی (یعنی قریش) کے سرداروں کے نزدیک بویرہ کے باغات میں چاروں طرف پھیلی ہوئی آگ ایک معمولی واقعہ ثابت ہوئی۔"

اس کے جواب میں ابوسفیان بن حارث نے کہا ؎

أدام اللّٰہ ذٰلک من صنیع وحرق فی نواحیھا السعیر

"خدا کرے یہ کام جاری رہے اور اس کے اطراف و جوانب میں آگ بھڑکتی رہے۔"

ستعلم أیّنا منھا ببنزہ وتعلم أیّ أرضینا تضیر

"تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون اس سے دور ہے اور ہم دونوں فریق میں سے کس کی زمین کو نقصان پہنچتا ہے۔"

---

[1] الحشر: ۵

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا۔ الآیۃ" (الحشر: ۵)

ابنِ سعد کی روایت میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی جانیں بچا کر لے جاؤ اور ہتھیاروں کے سوا اتنا مال واسباب لے جاؤ جسے تمہارے اونٹ اٹھا سکیں انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور سامان نکالنے کے لیے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں ویران کیا آپؐ نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور وہ اپنے بیوی بچّوں اور دیگر سامان کو چھ سو اونٹوں پر لاد کر لے گئے۔

حافظ ابو محمدؒ بن حزم اور ابو عبد الرحمان رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ یہودی اپنے بال بچّوں کو اونٹوں پر بٹھا کر مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ شام میں جا آباد ہوئے' اور حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق جیسے لوگ خیبر میں سکونت پذیر ہو گئے اور اہلِ خیبر نے ان کے اقتدار کو قبول کر لیا ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زمینیں' باغات اور مکانات خاص طور پر مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ انصار میں سے صرف ابو دجانہؓ اور سہیلؓ بن حنیف کو حصّہ دیا کیوں کہ یہ دونوں بہت غریب تھے۔ بنو نضیر کے واقعہ میں سورت حشر اتری ہے۔ بنو نضیر میں سے صرف دو آدمی' یامین بن عمرو اور ابو سعید بن وہب' اسلام لائے تھے ان کے مال بدستور ان کے قبضہ میں رہے۔ باقی بنو نضیر کے مالوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا اور ان میں سے کسی کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑانے پڑے (یعنی جنگ نہیں کرنی پڑی) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ خود بخود سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر آپؐ نے انصار سے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے اور انصار کے جو مال اور مکانات مہاجرین کے قبضہ میں تھے' وہ ان کو واپس کر دیئے گئے۔ بنو نضیر کے مال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے آپؐ جہاں چاہتے تقسیم کرتے تھے کسی کا اس میں کوئی حصّہ نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کی حدیث میں صحیحین میں' آیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ بنو نضیر کے مالوں کی تقسیم کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے پاس جھگڑا لائے' تو انہوں نے فرمایا کہ بنو نضیر سے حاصل شدہ مال "فئے" اللہ تعالیٰ کے رسُولؐ کے لیے خاص تھا اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: "وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ

وَلَا رِکَابٍ" الآیۃ[1] لہٰذا یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنے گھر کا ایک سال کا خرچ لے لیتے تھے۔ جو مال باقی بچتا اُس کو جہاد کی تیاری کے لیے گھوڑوں اور دیگر سامانِ حرب میں خرچ کرتے تھے۔

غزوۂ ذات الرقاع

اس میں اختلاف ہے کہ یہ کب واقع ہوا ہے ابنِ اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بنو نضیر کے بعد ماہ ربیع ۴ھ میں ہوا ہے۔ ابنِ سعدؒ اور ابنِ حبانؒ نے کہا ہے کہ یہ محرم ۵ھ میں ہوا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے اس پر انہوں نے کئی دلائل پیش کیے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کو خیبر سے پہلے ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے عام مؤرخین کے قول کو کہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے ہوا ہے تسلیم کرتے ہوئے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے یا ان سے اس کے متعلق مختلف روایات کی بنا پر ہے یا انہوں نے اس احتمال کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ایسا کیا ہے کہ ذات الرقاع دو مختلف غزووں کا نام ہے، جیسا کہ بیہقی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اصحابِ مغازی، اس جزم کے باوجود کہ غزوہ "ذات الرقاع" خیبر سے پہلے واقع ہوا ہے اس کے زمانہ میں مختلف ہیں لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ غزوہ، بنو قریظہ کی جنگ کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے اس لیے کہ غزوۂ خندق میں نمازِ خوف مشروع نہیں تھی مگر غزوۂ ذات الرقاع میں نمازِ خوف کا ثبوت ملتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوۂ خندق کے بعد واقع ہوا ہے۔

"ذات الرقاع" کے ساتھ اس کے موسوم ہونے کی وجہ وہ ہے جو امام بخاریؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے بیان کی ہے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے، اور ہم چھ آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ زیادہ تر پیدل چلنے کی وجہ سے ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ چنانچہ میرے دونوں پاؤں بھی زخمی ہو گئے اور میرے ناخن گر گئے۔ ہم اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے۔ اس سبب سے اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" (چیتھڑوں والی جنگ) رکھا گیا۔ ابو موسیٰؓ نے یہ حدیث بیان تو کر دی، پھر

---

[1] الحشر: ۶

کہنے لگے، مجھے اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے، گویا انہوں نے اپنا یہ نیک عمل ظاہر کرنا ناپسند کیا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ غطفان کے قبائل بنو محارب اور بنو ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی طرف نکلے، کیونکہ آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کی ہے چنانچہ آپؐ چار سو صحابہؓ کا لشکر لے کر نکلے۔ مدینہ پر ابوذرؓ اور ایک قول کے مطابق عثمانؓ کو نائب مقرر کیا اور خود نجد کی طرف چل کر غطفان کے علاقہ میں "نخل" مقام میں جا اُترے۔ ابن سعد نے کہا ہے، وہاں عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا، آپؐ نے ان کو قبضہ میں لے لیا مگر ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپؐ کی ایک جماعت کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ لوگ ایک دوسرے کے نزدیک آئے۔ فریقین ایک دوسرے کو خوفزدہ کرتے رہے، لیکن لڑائی نہیں ہوئی۔ اس جگہ آپؐ نے صحابہؓ کو نمازِ خوف پڑھائی۔ ابن سعد کہتے ہیں، آپؐ نے یہ پہلی دفعہ نمازِ خوف پڑھائی تھی۔

صحیح بخاری میں، جابرؓ سے مروی ہے، غزوۂ ذات الرقاع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ سفر تھے۔ ہماری عادت تھی، جب راستہ میں کوئی سایہ دار درخت آتا تو ہم آپؐ کے لیے چھوڑ دیتے تھے چنانچہ ایک جگہ آپؐ ایک درخت کے نیچے اُترے، اور صحابہ کرامؓ درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ آپؐ نے اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی اور سو گئے۔ جابرؓ کہتے ہیں، ہمیں ابھی سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ایک مشرک نے آپؐ کی تلوار درخت سے اتاری اور میان سے نکال کر کہنے لگا: "بتاؤ اب مجھ سے ڈرتے ہو یا نہیں"؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں"۔ بولا، پھر اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بچائے گا"۔ جابرؓ کہتے ہیں، آپؐ نے ہمیں آواز دی۔ ہم آئے، تو دیکھا کہ آپؐ کے پاس ایک جنگلی آدمی بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے سویا دیکھ کر اس نے میری تلوار میان سے نکالی، میری آنکھ کھلی تو دیکھا اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور کہہ رہا ہے، "بتا! اب میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا"؟ میں نے کہا "اللہ تعالیٰ بچائے گا"۔ وہ یہ بیٹھا ہے، پھر آپؐ نے اس کو معاف کر دیا اور سزا نہیں دی۔

ایک روایت میں ہے، وہاں آپؐ نے نمازِ خوف پڑھی۔ تکبیر ہوئی تو آپؐ نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ وہ چلے گئے، دوسرے لوگ آئے، تو آپؐ نے ان کو بھی دو رکعت نماز پڑھائی۔

اس طرح آپؐ کے لیے چار رکعت، اور لوگوں کے لیے دو دو رکعت نماز ہوئی۔ ابوعوانہ کی ایک رِوایت میں ہے کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ آپؐ نے پکڑ لی اور فرمایا: "بتا! اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟" بولا "آپؐ تلوار پکڑنے والے بہتر آدمی بنیں۔" آپؐ نے فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری نبوت کی شہادت دیتا ہے؟" اس نے کہا "میں آپؐ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپؐ سے نہیں لڑوں گا، اور نہ آپؐ سے جنگ کرنے والوں کا ساتھ دُوں گا۔" یہ سن کر آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا "میں تمہارے پاس، ایک سب لوگوں سے بہتر انسان کے پاس سے آیا ہوں۔"

اس قصّہ میں آپؐ کی فرطِ شجاعت، قوّتِ یقین، تکلیف پر صبر، اور جاہلوں سے حِلم کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی ورنہ اس اعرابی کو آپؐ سے مراجعت کرنے کی کیا ضرورت تھی، جب کہ وہ آپؐ کو قتل کر کے اپنی قوم میں بڑا بلند مقام حاصل کر سکتا تھا؟

اس جنگ سے واپسی میں جابرؓ کا اونٹ چلنے سے عاجز آگیا تھا۔ آپؐ نے اس کو چوکا مارا تو اس میں اتنی قوّت پیدا ہوئی کہ سب اونٹوں سے آگے آگے چلنے لگا۔ آپؐ نے جابرؓ سے کہا: "کیا تم اس کو میرے ہاتھ بیچ دو گے؟" چنانچہ آپؐ نے ان سے وہ اونٹ خرید لیا اور فرمایا "مدینہ تک اس پر سواری کرلو۔" جب گھر پہنچے تو آپؐ نے اُن کو کچھ زیادہ ہی قیمت دی، اور وہ اونٹ بھی انہیں ہبہ کر دیا۔

دُوسرا غزوۂ بدر

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ "ذات الرقاع" سے واپس آئے، تو مدینہ منوّرہ میں جمادی الاولیٰ سے رجب تک ٹھیرے، پھر شعبان میں ابوسفیان سے کیے ہوئے وعدہ کے مطابق بدر کی طرف نکلے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ ابوسفیان نے احد کے دن کہا تھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان آئندہ سال بدر کے مقام پر لڑائی ہو گی۔ آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا تھا، "اس کو کہو: ہمیں منظور ہے۔ وعدہ کے مطابق ہم بدر میں پہنچ جائیں گے۔" چنانچہ آپؐ ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کا ایک عظیم لشکر لے کر نکلے۔ اس جنگ میں آپؐ کے پاس صرف دس گھوڑے تھے۔ آپؐ نے مدینہ پر عبداللہؓ بن رواحہ کو اپنا نائب مقرر کیا، اور خود مقامِ بدر میں پہنچ کر ابوسفیان کا انتظار کرنے

لگے۔ ابوسفیان مکہ سے نکلا اور مرالظہران کے نزدیک مجنہ جگہ میں اترا مگر یہ کہہ کر واپس چلا گیا، لوگو! لڑائی کے لیے خوشحالی کا سال مناسب ہوتا ہے۔ یہ سال خشک سالی اور بدحالی کا سال ہے اس لیے میں واپس جاتا ہوں تم بھی واپس چلو۔ چنانچہ کفار وہاں سے واپس آ گئے۔ مکہ والوں نے ان کو "جیش السویق" کا نام دیا وہ کہتے تھے، تم وہاں صرف ستو پینے کے لیے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں آٹھ دن رہے اور وہاں سامانِ تجارت فروخت کیا جس سے آپ ﷺ کو دو گنا فائدہ ہوا اور ایک درہم کے بدلے دو درہم ملے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: " اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ[1] الآیۃ" مگر صحیح یہ ہے کہ آیت غزوہ حمراء الاسد میں اتری تھی جیسا کہ عماد بن کثیر نے اس کی تصریح کی ہے رحمہ اللہ!

غزوہ دومۃ الجندل

"دومۃ الجندل" ایک شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے اور مدینہ منورہ سے پندرہ یا سولہ دن کی مسافت پر واقع ہے۔

اس جنگ کا سبب یہ ہے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہاں ایک ظالم جماعت ہے جس کا کام راہ گیروں کو ستانا اور ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنانا ہے۔ آپ ان کی سرکوبی کے لیے ربیع الاول کی ۲۵ تاریخ کو ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر نکلے، رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے تھے۔ اس سفر میں آپ نے مدینہ منورہ پر سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا جب آپ وہاں پہنچے، تو سوائے بھیڑ بکریوں کے کچھ نہ پایا۔ آپ نے ان کے جانوروں اور چرواہوں پر حملہ کر دیا جو پکڑے گئے، وہ پکڑے گئے باقی جدھر منہ آیا، بھاگ گئے جب اہلِ دومہ کو اس کی خبر ہوئی، تو وہ بھی اپنی جانیں لے کر منتشر ہو گئے۔ آپ نے شہر کے باہر میدان میں ڈیرہ ڈال دیا اور چند دن وہاں قیام کیا آپ نے اطراف وجوانب میں چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے، جو سب صحیح سلامت واپس آ گئے اور ان میں سے کسی آدمی کا نقصان نہیں ہوا پھر آپ بھی کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد بخیر وعافیت واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

غزوہ مُرَیسیع

اس لفظ کا تلفظ یوں ہے "میم مضموم" "را مفتوح" "دو نون" "یا ساکن" ان کے درمیان "سین مکسور" اور آخر میں "عین مہملہ"

[1] آل عمران: ۱۷۲

یہ بنو خزاعہ کے ایک کنوئیں کا نام ہے اس کے اور مشہور قصبہ "فرع" کے درمیان دو دن کی مسافت ہے۔ یہ جنگ غزوہ بنی مُصطَلِق (میم مضموم، صاد ساکن، طاء مہملہ مفتوح، لام مکسور اور آخر میں قاف) کے نام سے مشہور ہے، جو بنو خزاعہ کا ایک قبیلہ ہے یہ جنگ ۲ شعبان ۵ھ میں ہوئی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ اس قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور عرب کے دوسرے قبائل سمیت آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا ہے، جو کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتا ہے چنانچہ آپؐ دشمن کو اپنی سرحد سے دُور روکنے کے لیے نکلے۔ اس دفعہ اسلامی فوج میں منافقین اس قدر شریک ہوئے کہ دوسری کسی جنگ میں اتنی تعداد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت آپؐ نے مدینہ منورہ پر زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس سفر میں حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپؐ کے ہمراہ تھیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو مصطلق پر ایسے وقت حملہ کیا، جب وہ بے خبر تھے اور اپنے اونٹوں کو پانی پلانے میں مصروف تھے۔ کہتے ہیں تیمم کا حکم اسی جنگ میں نازل ہوا۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے پھر آپؐ نے نزول تیمم کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ ابن عبد البرؒ نے "تمہید" میں لکھا ہے کہ نزولِ تیمم کا حکم غزوہ بنو مصطلق میں بیان کیا جاتا ہے، پھر "استذکار" میں اس کو جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے ان سے پہلے ابن سعدؒ اور ابن حبانؒ نے یہی لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں زہری سے مروی ہے کہ اِفک کا واقعہ غزوہ مریسیع میں پیش آیا تھا۔ ابو محمد ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ غزوہ مریسیع، شوال ۶ھ میں واقع ہوا تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے، آنحضرت ﷺ نے ان پر غفلت کے وقت حملہ کیا، جب وہ اپنے اونٹوں کو "مریسیع" نامی کنوئیں سے پانی پلا رہے تھے۔ یہ کنواں قدید کے قریب ساحلِ سمندر پر واقع ہے۔ اس جنگ میں جو لوگ قتل ہوئے، وہ قتل ہوئے اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے۔ قیدیوں میں اُم المؤمنین جویریہؓ بنت حارث بھی تھیں، جو کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ یہ پہلے ثابت بن قیس انصاریؓ کے حصّہ میں آئی تھیں، انہوں نے ان کو مکاتب کر دیا ان کی طرف سے زرِ کتابت آنحضرت ﷺ نے ادا کیا پھر آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ آپؓ شیریں اخلاق کی مالک تھیں! ــــــ جو دیکھتا وہ آپؓ سے محبت کرتا تھا ان کے آنحضرت ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد مسلمانوں نے بنو مصطلق کے ایک سو خاندان یہ کہہ کر

آزاد کر دیئے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے سسرال ہیں' ان کو غلام بنانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔"

اسی جنگ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے کہا تھا: "لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ"[1] یعنی "مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بہت عزت والا آدمی ذلیل ترین انسان کو اس سے نکال دے گا۔"

اس نے یہ بات اس فساد کے بعد کہی تھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزدور جہجاہ بن مسعود غفاری اور بنو عوف بن خزرج کے حلیف سنان بن وبر جہنی کے درمیان واقع ہوا تھا۔ غفاری نے "یا للمہاجرین" کہہ کر مہاجروں کو اپنی مدد کے لیے بلایا' اور جہنی نے "یا للانصار" کہہ کر انصار کو اپنی مدد کے لیے دعوت دی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ شر انگیز نعرے سنے' تو آپ نے فرمایا: "کیا میری موجودگی میں جاہلیت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں؟" زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی کی مذکورہ بالا بات آنحضرت ﷺ کو پہنچائی اور اس سلسلہ میں سورۃ المنافقون نازل ہوئی تھی۔ پوری تفصیل سامنے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منافق باپ سے بیزاری کا اعلان کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ ہی صاحب عزت ہیں اور وہ ذلیل ترین انسان ہے واللہ! اگر آپ چاہیں تو ہم اس کو مدینہ سے نکال دیں گے۔" چنانچہ وہ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے باپ کے راستہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے تم شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

انہوں نے آپ سے یہ بھی عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ کام میرے سوا کسی اور آدمی کے سپرد کیا' تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو زمین پر چلتا پھرتا نہیں دیکھ سکوں گا' اور کافر کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کر کے دوزخ کا مستحق ہو جاؤں گا۔ انصار کو پتہ ہے کہ میں اپنے باپ کا ان سب سے زیادہ وفادار ہوں۔ اے اللہ کے رسول! اگر آپ واقعی اسے قتل کرنا چاہتے ہیں' تو آپ یہ کام میرے سپرد کریں' اللہ کی قسم! میں اس کا سر لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ گزارش سن کر ان کے حق میں دعائے خیر کی' اور ان کو اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے منع فرمایا۔

---

[1] المنافقون: ۸

فصل

اِفک کا واقعہ

غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر تہمت بازوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک انتہائی شرمناک تہمت لگائی۔

امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ صحیحین میں ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس واقعہ کے بارہ میں حدیث بیان کی، جب تہمت بازوں نے ان پر تہمت لگائی۔ ان چاروں میں سے ہر ایک نے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سے کچھ حصہ بیان کیا۔ ان میں بعض اس حدیث کو اپنے دوسرے ساتھیوں سے زیادہ یاد رکھنے اور بہتر طریق سے بیان کرنے والے تھے۔ میں نے ہر ایک سے حدیث کا وہ حصہ یاد کیا، جو اس نے بیان کیا۔ ان سب کی حدیث سے ایک دوسرے کی تصدیق ہوتی ہے، اگرچہ ان میں سے بعض اس کو زیادہ یاد رکھنے والے تھے۔ ان سب نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب آپؐ سفر پر جاتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کا قرعہ نکلتا اُس کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک جنگ میں قرعہ ڈالا تو قرعہ میرے نام پر نکلا، یہ پردہ والی آیات اُترنے سے بعد کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اس سفر میں مَیں آپؐ کے ساتھ گئی۔ مَیں کجاوے میں بیٹھی بٹھائی اونٹ پر سوار کی جاتی تھی اور اسی طرح مجھے اتار لیا جاتا تھا۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جب آپؐ واپس آئے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک رات آپؐ نے آدھی رات کوچ کرنے کا اعلان کیا۔ جب منادی ہوتی تو مَیں قضاء حاجت کے لیے باہر نکلی ہوئی تھی اور لشکر گاہ سے کافی دُور چلی گئی۔ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر اپنے کجاوے کے پاس پہنچی تو سینہ پر ہاتھ مارنے سے معلوم ہوا کہ میرا ظفار کے خرمہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ میں اس کی تلاش میں واپس چلی گئی اور دیر تک واپس نہ آسکی۔ مجھے اونٹ پر سوار کرنے اور اتارنے کے لیے جو جماعت مقرر تھی، وہ آئی۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں کجاوہ میں ہوں، کجاوہ اونٹ پر کس دیا۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، خوراک کی کمی کی وجہ سے ان کے جسم گداز اور بھاری نہیں ہوتے تھے۔ مَیں تو پھر اس وقت نوعمر بچی تھی، اس لیے انہوں نے کجاوے کے ہلکے ہونے کا احساس نہیں کیا اور اونٹ کو اٹھا کر رخصت ہو گئے۔ لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھے ہار ملا۔ مَیں لشکر گاہ میں واپس

آئی تو وہاں ہُو کا عالم تھا کسی بلانے اور جواب دینے والے کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی میں اپنی اسی جگہ پر آئی، جہاں میں نے رات گزاری تھی اور سمجھتی تھی کہ جب مجھے گم پائیں گے تو مجھے لینے کے لیے ضرور آئیں گے چنانچہ میں وہاں بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آگئی اور میں گہری نیند سو گئی۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل سلمی ذکوانی پیچھے تھے۔ صبح ہونے کے بعد لشکر گاہ میں چکر لگاتے میری جگہ آ گئے، تو دُور سے معلوم کیا کہ یہاں کوئی سو رہا ہے نزدیک آکر دیکھا تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ پردہ اترنے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا انہوں نے اُونچی آواز سے کہا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[1]" میں اُن کی آواز سُن کر جاگ پڑی اور میں نے چادر سے اپنا منہ چھپا لیا واللہ ہم نے آپس میں کوئی بات نہیں کی اور نہ "اِنَّا لِلّٰهِ" کے سوا میں نے ان کی زبان سے کوئی کلمہ سُنا انہوں نے میرے نزدیک اپنی اونٹنی بٹھادی، اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھا اور میں اُٹھ کر اس پر سوار ہو گئی۔ وہ اونٹنی کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگے ہم دوپہر کے وقت لشکر میں پہنچے جہاں وہ کھانا وغیرہ کھانے اور آرام کرنے کے لیے اترے ہوئے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، یہ دیکھ کر ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے، اور اس میں بڑا کردار عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ادا کیا۔ عروہ کہتے ہیں: تہمت لگانے والے اس کے پاس جمع ہوتے تھے، اس کے پاس منصوبے بنتے تھے اور اس کے پھیلانے اور شائع کرنے کے سلسلہ میں وہی ہدایات جاری کرتا تھا عروہ نے یہ بھی کہا ہے: مجھے تہمت لگانے والوں میں سے حسّان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے نام معلوم ہوتے ہیں کچھ اور لوگ بھی تھے جن کا مجھے علم نہیں ہو سکا لیکن جس طرح اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے، تہمت لگانے والی ایک جماعت تھی۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے پاس حسّان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی جائیں، یا انہیں بُرا بھلا کہا جائے۔ کہتی تھیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مدّاح تھے اور انہوں نے یہ شعر کہا ہے ؎

فانّ ابی ووالدہ وعرضی ۔۔۔ لعرض محمّدٍ منکم وقاء

"میرا باپ، میرا دادا اور میری عزت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لیے تمہاری (کفار و مشرکین کی) ہجو کے مقابلہ میں ڈھال ہے۔"

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: مدینہ منورہ میں آنے کے بعد میں بیمار ہو گئی اور مہینہ بھر بیمار رہی لوگ تہمت لگانے والوں کی تہمت کو پھیلاتے اور مشہور کرتے رہے، اور مجھے اس کا مطلق علم نہیں ہاں مجھے اس بیماری میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لُطف اور مہربانی نظر نہیں آتی تھی جس کا مظاہرہ آپ

[1] البقرۃ: ۱۵۶

میری ہر بیماری کے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ گھر آتے اور صرف یہ کہہ کر واپس چلے جاتے "یہ کیسی ہے ؟" اس سے مجھے کچھ شک پڑتا تھا، تاہم در پردہ جو شرارت ہو چکی تھی اس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جب میں مسلسل بیماری کی وجہ سے کافی کمزور ہوگئی تو ایک دن ام مسطح کے ساتھ باہر گئی جہاں لوگ قضاء حاجت کے لیے جاتے تھے۔ ہم گھروں میں بیت الخلاء بننے سے پہلے ہم رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے باہر کھلے میدان میں ہی جاتے تھے۔

ام مسطح ابورہم بن مطلب بن عبدمناف کی بیٹی تھیں۔ ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا۔ جب ہم قضاء حاجت کے بعد واپس آئیں، تو ایک جگہ ان کا پاؤں ان کی چادر میں الجھا اور وہ گرنے لگیں۔ اچانک کہا "اللہ کرے مسطح ہلاک ہو جائے۔" میں نے ان سے کہا "یہ آپ نے بُری بات کہی ہے۔ جنگ بدر میں شریک ہونے والے آدمی کو گالی دیتی ہیں ؟" انہوں نے کہا "بی بی! آپ نے وہ بات نہیں سنی جو اس نے کہی ہے ؟" میں نے ان سے پوچھا "اس نے کیا کہا ہے ؟" تو انہوں نے تہمت بازوں نے مجھ پر جو تہمت لگائی تھی اس کی پوری تفصیل بیان کی۔ اس سے مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میری بیماری میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر آئی تو آپ آئے اور پوچھا "اس کا کیا حال ہے ؟" میں نے کہا "اگر اجازت ہو تو میں اپنے ماں باپ سے مل آؤں ؟" عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، اس سے میری غرض ان سے اس خبر کی تصدیق کرنا تھی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا "امی! لوگ میرے بارہ میں کیا باتیں کرتے ہیں ؟" وہ بولیں "بیٹی! اس کو اہمیت نہ دو جب کسی آدمی کی خوبصورت بیوی ہوتی ہے جس سے وہ محبت کرتا ہو تو اس کی سوکنیں خاوند کو متنفر کرنے کے لیے بہت باتیں بناتی ہیں۔" عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا "سبحان اللہ! بھلا ایسی باتوں کا لوگوں میں چرچا ہوتا ہے ؟ یہ تو سارے شہر میں پھیل چکی ہے۔" اس سے مجھے اطمینان نہ ہوا اور میں رات بھر روتی رہی۔ نہ میرے آنسو تھمے اور نہ مجھے نیند آئی۔ دن کو پھر روتی رہی۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں جب اتنا عرصہ وحی نہ آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب اور اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلے میں مشورے کے لیے بلایا۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے علم کے مطابق کہا کہ "آپ کی بیوی اس خباثت سے پاک ہیں" اور اس محبت کی وجہ سے جو ان کے دل میں خاندانِ نبوّت کے متعلق موجزن تھی، کہا "یا رسول اللہ! آپ کی بیوی ہیں، ہمیں تو ان کی خوبیوں کا ہی علم ہے اس کے سوا کچھ نہیں جانتے" لیکن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی، ان کے سوا بھی بہت سی عورتیں ہیں، آپ ہر وقت گھر میں رہنے والی لونڈی سے پوچھ دیکھیں، وہ آپ کو سچ سچ بتا

دے گی" چنانچہ آپؐ نے بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے پوچھا "بریرہ! تو نے اس کے کردار میں کوئی مشکوک بات دیکھی ہے"؟ بریرہؓ نے کہا "اس ربّ کی قسم! جس نے آپؐ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے' میں نے ان میں اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں دیکھا کہ یہ نوعمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں، خود سو جاتی ہیں، اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔" اور صحیح بخاری میں ابو اسامہؓ کی روایت میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے بریرہؓ کو ڈانٹا اور کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ سچ کہو" بلکہ ان کو برا بھلا بھی کہا اس پر وہ بولیں "تعجب ہے! میں تو ان کے عیب و صواب کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار کھرے کھوٹے سونے کو جانتا ہے۔" اس آدمی کو جس کے متعلق تہمت لگائی گئی تھی، اس بات کا پتہ چلا تو اس نے کہا "سبحان اللہ! اللہ کی قسم! میں نے تو آج تک کسی عورت کا ستر نہیں کھولا" عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "بعد میں اس نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا" ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بریرہؓ کو اٹھ کر زور سے پیٹا اور کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچ سچ بتا" بواسطہ علقمہ، ابنِ حاطب کی روایت میں ہے کہ حبشی لونڈی نے کہا "واللہ! عائشہؓ سونے سے زیادہ کھری ہیں۔ اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اگر انہوں نے وہ فعل کیا ہے' تو اللہ تعالےٰ آپؐ کو اس کی خبر دے دیگا" علقمہ کہتے ہیں: "لوگ ان کی سمجھداری سے تعجب کرنے لگے"۔ عطا خراسانی نے زہری سے یہ لفظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ امِ ایوب انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "لوگ یہ کیا باتیں کرتے ہیں"؟ پھر انہوں نے تہمت بازوں کی بات کا تذکرہ کیا! ابو ایوبؓ نے کہا "ہمیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے سبحان اللہ! یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔" ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے "ابو ایوبؓ کی بیوی نے ابو ایوبؓ سے کہا کیا آپ نے وہ بات نہیں سنی، جو لوگ عائشہؓ کے بارہ میں کہتے ہیں"؟ کہا "سنی ہے" اور واللہ! یہ جھوٹ ہے۔ اے امِ ایوبؓ! بھلا یہ بتاؤ! تم یہ فعل کر دو گی"؟ اس نے کہا "نہیں، اللہ کی قسم! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گی"۔ ابو ایوبؓ نے کہا "پھر عائشہؓ تجھ سے بہتر ہیں"۔ عائشہؓ کہتی ہیں جب قرآن اترا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: "لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا[1]" یعنی "جب تم نے یہ تہمت سنی، تو ایماندار مردوں اور عورتوں نے اپنے دل میں نیک گمان کیوں نہیں کیا" یعنی ان کو اس طرح کہنا چاہیے تھا جس طرح ابو ایوبؓ نے کہا تھا۔"

طبرانی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ "جب مجھے اس تہمت کا علم ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں"! ابنِ اسحاق، عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں: "مجھے معلوم نہیں کہ کسی خاندان کو اتنا صدمہ اور اتنا غم پہنچا ہو جتنا صدمہ اور غم ان دنوں حضرت ابوبکرؓ

---

[1] النور: ۱۲

کو پہنچا تھا۔" حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے : ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اللہ کی قسم ! یہ بات تو ہمیں کبھی ، جاہلیت میں بھی کسی نے نہیں کہی' چہ جائیکہ اس وقت کہی جائے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی عزت بخشی ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور عبداللہ بن ابی کے بارہ میں عذر خواہی کی اور منبر پر کہا: "اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے اس آدمی کے بارہ میں کون معذور جانے گا جس کی طرف سے مجھے اپنی بیوی کے بارہ میں تکلیف پہنچی ہے؟ واللہ! میں اپنی بیوی کے متعلق صلاح اور نیکو کاری کے سوا کچھ نہیں جانتا اور جس آدمی کا وہ نام لیتے ہیں' اس کے متعلق بھی میں بجز صلاح اور نیکو کاری کے کچھ نہیں جانتا اور وہ جب بھی میرے گھر آیا ہے' میرے ساتھ آیا ہے۔ یہ سن کر بنو عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ! میں آپ کو معذور جانتا ہوں' اگر اس کا ہمارے قبیلہ اوس سے تعلق ہوتا' تو میں ابھی اس کی گردن اڑا دیتا۔ اور اگر وہ ہمارے برادر قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا ہے' تو آپ جو ہمیں حکم دیں' ہم وہ کرنے کے لیے تیار ہیں"۔ یہ سن کر خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ حسان رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کے خاندان سے تھی اور ان کے چچا کی لڑکی تھی۔ یہ صالح آدمی تھے، لیکن اس وقت طرفداری کی وجہ سے بھڑک اٹھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا "تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ کی قسم! تو اس کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ تجھ میں اس کو قتل کرنے کی طاقت ہے۔ اگر وہ تیرے قبیلہ سے ہوتا' تو تو کبھی اسے قتل کرنا پسند نہ کرتا"۔ اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے' اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا "اللہ کی بقا کی قسم! تو جھوٹ بولتا ہے' ہم اسے ضرور قتل کریں گے' تو منافق ہے اور منافق کی طرف سے جھگڑتا ہے"۔ یہ دیکھ کر دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے' اور قریب تھا کہ ان کی آپس میں ٹھن جاتی ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے اور برابر فریقین کو ٹھنڈا کرتے رہے' حتیٰ کہ وہ بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے۔ اور بخاری کے نزدیک ابو اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "قریب تھا کہ اوس اور خزرج کے درمیان مسجد میں لڑائی ہو جاتی' مگر مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ اس دن رات کے وقت میں اپنے کسی کام کے لیے ام مسطح کے ساتھ باہر گئی۔ پھر انہوں نے اس طرح ذکر کیا' جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں "اس روز میں سارا دن روتی رہی' نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی۔ صبح کے وقت میرے ماں باپ بھی میرے پاس آ گئے۔ مجھے دو رات اور ایک دن روتے ہوئے گزر گئے تھے۔ اس عرصے میں نہ مجھے نیند آئی اور نہ ہی میرے آنسو رکے' یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ

اس طرح روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ میں رو رہی تھی اور میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے تھے کہ انصار کی ایک عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ مَیں نے اسے اجازت دے دی، وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی۔ گھر میں اسی طرح یہ سب حضرات موجود تھے کہ رسُول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے "السلام علیکم" کہا اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی، اس سے پہلے آپؐ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے آپؐ نے تشہد پڑھا اور فرمایا: "اما بعد، عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی بات پہنچی ہے، اگر تُو بَری ہے تو اللہ تعالیٰ تیری برأت کا اعلان کر دے گا اور اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ اور توبہ کر، بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔"

جب آپؐ نے اپنی بات ختم کی، تو میرے آنسو رک گئے حتیٰ کہ مَیں اپنی آنکھوں میں ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی میں نے اپنے باپ سے کہا "میری طرف سے آپ رسُول اللہ ﷺ کو جواب دیں" میرے باپ نے کہا "واللہ! میں نہیں جانتا کہ رسُول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں" پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ میری طرف سے رسُول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انہوں نے بھی کہا "واللہ! میں نہیں جانتی کہ میں رسُول اللہ ﷺ کو کیا جواب دُوں"، مَیں ابھی نوعمر لڑکی تھی، اور قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھا تھا، میں نے کہا "واللہ! مجھے معلوم ہے کہ آپ نے جو بات سنی ہے، آپ لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑ چکی ہے اور آپ اس کو سچ سمجھتے ہیں اگر مَیں کہوں کہ میں اس سے بَری ہوں، تو آپ اس کو سچ مانیں گے نہیں، اور اگر میں اعتراف کر لوں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں، تو آپ اس کو سچ مانیں گے۔ واللہ! میں اپنے اور آپ کے مناسب حال یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال سمجھتی ہوں، انہوں نے کہا تھا: "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ"[1] (سو صبر ہی کروں گا، جس میں شکایت کا نام نہ ہو گا، اور جو باتیں تم بناتے ہو، ان میں اللہ ہی مدد کرے) میں بھی یہی کہتی ہوں۔"

پھر میں دیوار کی طرف منہ کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں "مجھے اس وقت یقین تھا کہ چونکہ میں بَری ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت ظاہر کر دے گا۔ لیکن واللہ! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارہ میں قرآن اتارے گا، جو قیامت تک پڑھا جاتے گا۔ میں اپنے آپ کو اس سے بہت حقیر جانتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی کلام کرے، جس کی ہمیشہ تلاوت ہو گی۔ ہاں مجھے یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسُول اللہ

---

[1] سورۂ یوسف : ۱۸

صلی اللہ علیہ وسلم کو میری براءت سے خبر دے دے گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں "واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اس مجلس میں تشریف فرما تھے، اور گھر میں موجود لوگوں میں سے بھی کوئی باہر نہیں گیا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو گئی۔ اور وحی کے وقت جس طرح آپ کو پسینہ آیا کرتا تھا آپ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے گرنے لگے۔ یہ وحی کی شدت تھی جس کی وجہ سے آپ سردی کے دنوں میں بھی پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "نزولِ وحی کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تھا اور ڈرتا تھا کہ آسمان سے کوئی ایسی بات نہ اتر آئے جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہو۔ اور پھر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پُراطمینان چہرے پر نظر ڈالتا تو سمجھتا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔" ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے "مجھے مطلق گھبراہٹ نہیں تھی، کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بے قصور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں کرے گا لیکن میرے ماں باپ کی یہ حالت تھی کہ جب تک وحی ختم نہیں ہوئی اور آپ نے میری بے گناہی کا اعلان نہیں کیا، میں سمجھتی تھی کہ اس ڈر سے ان کی جان نکل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہیں تہمت بازوں کی تصدیق نہ اتر آئے۔"

وحی ختم ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے، اور آپ نے سب سے پہلی بات یہ فرمائی "عائشہ! اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ، اس نے تمہیں بَری کر دیا ہے۔" بخاری کی روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔" اس کی ایک روایت میں ہے "خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل فرمائی ہے۔" اب تو مجھے بہت غصہ آیا۔ میرے ماں باپ نے کہا "اٹھو اور آپ سے ملو۔" میں نے کہا "اللہ کی قسم! میں ہرگز نہیں اٹھوں گی! اور نہ آپ کا شکریہ ادا کروں گی، اور نہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کا بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت نازل فرمائی ہے۔ آپ نے اس تہمت کو سنا مگر اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس کا کوئی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری براءت میں "إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ"[1] اور اس سے بعد کی دس آیتیں نازل فرمائیں۔"

"جب میری براءت نازل ہوئی تو میرے باپ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسطح کو اس کی غربت اور رشتہ داری کی وجہ سے خرچ دیا کرتے تھے، کہا "واللہ! عائشہؓ پر تہمت لگانے کی وجہ سے میں آئندہ مسطح کو کوئی خرچ نہیں دوں گا۔"

---

[1] سورۃ النور: ۱۱

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ الآیۃ[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے واللہ! میں اب اس پر خرچ کبھی بند نہیں کروں گا" عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں "اس سلسلہ میں آپؐ نے زینب رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھا تھا اور کہا تھا "زینب رضؓ! بتاؤ تم نے کیا سنا یا کیا دیکھا ہے" انہوں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! جو کچھ میں نے اپنے کان سے نہیں سنا اور آنکھ سے نہیں دیکھا میں اس سے اپنے کان اور آنکھ کو بچاتی ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم! بجز نیکوکاری کے مجھے کچھ معلوم نہیں" عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں مگر تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ ہاں ان کی بہن حمنہ ان کی حمایت میں ہلاک ہو گئی اور تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئی۔"

ابن اسحاق لکھتے ہیں "پھر آپؐ باہر نکلے، لوگوں سے خطاب کیا اور وہ آیات پڑھیں جو اس بارہ میں اُتری تھیں پھر آپؐ نے مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش پر حدِ شرعی جاری کرنے کا حکم دیا کیوں کہ انہوں نے اس تہمت میں صاف صاف اور غیر مبہم طور پر حصّہ لیا تھا۔

طبرانی مجاہد سے روایت کرتے ہیں "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا "جب میری برأت اتری تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرطِ مسرت سے میرا سر چوم لیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا "پہلے مجھ سے یہ تہمت کیوں دور نہیں کی تھی؟" بولے "مجھے کون سا آسمان سایہ دیتا اور مجھے کونسی زمین اٹھاتی؟ اگر میں وہ بات کہتا جس کا مجھے علم نہیں تھا" اور اصحاب السنن نے عمر رضؓ سے روایت ذکر کی ہے کہ عائشہ رضؓ نے کہا "جن لوگوں نے مجھ پر تہمت لگانے میں حصّہ لیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حدِ قذف جاری کی لیکن ان میں عبداللہ بن ابی کا ذکر نہیں۔"

ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا "میں نے حسان کے اشعار سے بڑھ کر اچھے شعر کبھی نہیں سنے میں جب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کے جواب میں اُن کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھتی ہوں تو میں اُن کے لیے جنت کی امید کرتی ہوں ؎

هجوت محمدًا فأجبتُ عنه وعند الله في ذاك الجزاء

"تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی اور میں نے اس کا جواب دیا اور اس کے بدلہ کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔"

---

[1] سورۃ النور : ۲۲

أتشتمه ولست له بكفء　　　فشرّكما لخيركما الفداء

"کیا تو آپؐ کو گالی دیتا ہے' حالانکہ تو ان کے برابر نہیں' اللہ کرے تم دونوں میں سے بدتر تم دونوں میں بہتر پہ قربان ہو جائے۔"

فانّ أبي ووالده وعرضي　　　لعرض محمّد منكم وقاء

"بلاشبہ میرا باپ' میرا دادا اور میری عزت' تمہاری ہجو کے مقابلہ میں' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لیے ڈھال ہے"

لساني صارم لا عيب فيه　　　وبحري لا تكدّره الدلاء

"میری زبان قاطع تلوار ہے' اس میں کوئی عیب نہیں ہے' اور میرے اشعار بحرِ مواج ہیں' جس کو پانی نکالنے والوں کے ڈول گدلا نہیں کر سکتے۔"

کسی نے کہا "امّ المؤمنین! یہ؟[1] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "کیا حسان کو عذابِ عظیم نہیں پہنچا؟ کیا یہ نابینا نہیں ہوئے؟ کیا صفوانؓ بن معطل کی تلوار کی ضرب سے ان کا ہاتھ شل نہیں ہوا؟ جب انہوں نے ان کی یہ تہمت طرازی سن کر ان پر حملہ کر دیا تھا اور قریب قریب ان کو قتل ہی کر ڈالا تھا"

ابن اسحاق لکھتے ہیں' حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے معذرت کی' اور ان کی مدح میں یہ اشعار کہے ؎

حصانٌ رزانٌ ما تزنّ بريبة　　　وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

"یہ (عائشہؓ) پاک دامن ہیں' عقل مند ہیں' کسی مشکوک بات کی ان پر تہمت نہیں لگ سکتی۔ وہ بھوکی صبح کرتی ہیں' اور بے گناہ عورت کا گوشت نہیں کھاتیں۔"

عقيلة حي من لؤي بن غالب　　　كرام المساعي مجدهم غير زائل

"یہ لوی بن غالب کے ایسے قبیلہ کی باکمال عورت ہیں' جس کی مساعی جمیلہ ہیں' اور بزرگی لازوال ہے۔"

مهذبة قد طيب الله خيمها　　　وطهّرها من كلّ سوء وباطل

"یہ بے عیب ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کی سب عادات نیک بنائی ہیں' اور خود انہیں ہر برائی اور

---

[1] یہاں "اصل" میں سفید جگہ ہے' لیکن دوسری روایات میں یوں ہے "امّ المؤمنین! آپؓ ان کی مذمت سے منع کرتی ہیں؟" (مترجم)

تہمت سے پاک کیا ہے۔"

فان کنتُ قد قلت الذی قد زعمتموا فلا رفعت سوطی إلی أناملی

"اگر میں نے وہ بات کہی ہے جس کو تم میری طرف منسوب کرتے ہو تو اللہ کرے میری انگلیاں میری لاٹھی نہ اٹھائیں۔"

وکیف وودی ما حییت ونصرتی لآل رسول اللہ زین المحافل

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ زندگی بھر میری محبت اور میری نصرت رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے لیے وقف ہے جو محفلوں کو زینت بخشنے والے ہیں۔"

لہُ رتب عال علی الناس کلهم تقاصر عنہ سورة المتطاول

"وہ سب لوگوں سے عالی مرتبت ہیں اور ہر شیخی باز کا دبدبہ ان کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔"

فانّ الذی قد قیل لیس بلائط ولٰکنہ قول امرئی بی ماحل

"جو بات کہی گئی ہے وہ مجھ سے چمٹنے والی نہیں ہے بلکہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے۔"

فصل

حدیث "اِفک" میں آنیوالے مشکل الفاظ کی تشریح اور اسکے فوائد

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اِفک" ہمزہ مکسور اور فاء ساکن کے ساتھ ہے، اور یہی مشہور ہے قاضی عیاض نے ان دونوں کی فتح نقل کی ہے اور کہا ہے اس میں یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں جس طرح "نجِس" اور "نجَس" دو لغتیں ہیں۔ اس کا معنیٰ "جھوٹ" ہے۔ قولہ "آذن" ہمزہ کی مد اور ذال کی تخفیف کے ساتھ (بابِ افعال سے) اور ہمزہ کی فتحہ اور ذال کی تشدید سے (بابِ تفعیل) دونوں طرح مروی ہے یعنی "اطلاع دی۔ اعلان کیا" قولہا: "عقد من جزع ظفار" عقد بمعنی قلادہ (ہار) مشہور ہے۔ "جزْع" جیم کی فتحہ اور زا کی جزم کے ساتھ "یمنی خرمہرے"۔ "ظَفارِ" ظاء معجمہ کی فتح اور راء کے کسرہ کے ساتھ۔ یمن میں ایک بستی کا نام ہے قولہا: "وکانت النساء لم یہبلن" علماء لغت نے اس لفظ کو کئی وجہ پر ضبط کیا ہے مشہور "یا" کے ضمہ، "ہا" کے فتحہ اور "با" مشدد سے ہے یعنی "وہ گوشت و چربی کے ساتھ بھاری نہیں کی گئی تھیں" دوسری لغت "یا" اور "با" کی فتحہ کے ساتھ اور ان دونوں کے درمیان "ہا" ساکن ہے۔ اہلِ لغت کہتے ہیں یہ لفظ دو طرح پڑھا جاتا ہے "ھبلہ اللحم"

"وَاَهبله" جب گوشت اس کو بھاری کرے اور اس کا گوشت اور چربی زیادہ ہو جائے" اور بخاری کی روایت میں "لم یثقلن" ہے اور اس کا معنیٰ بھی یہی ہے۔ "والعلقة من الطعام" کم مقدار۔ تھوڑا "قولها تیممت منزلی" اپنی جگہ میں آئی۔ "قولہ من وراء الجیش" حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ابن عمرؓ کی حدیث میں صفوان بن معطلؓ کے پیچھے رہنے کا سبب مذکور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تھی کہ آپؐ ان کو پیچھے آنے والے لوگوں میں کر دیں چنانچہ جب لشکر کوچ کر جاتا تو یہ وہاں کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو جاتے، دن چڑھے لشکر گاہ میں چکر لگاتے اور گری پڑی چیز اٹھا کر ان سے جا ملتے پھر حافظ رحمہ اللہ نے ابوہریرہؓ سے بھی ایسی ہی روایت ذکر کی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے پیچھے رہنے کا سبب نیند کا غلبہ ہو، جو ان کی عادت تھی "قولها فاستیقظت باسترجاعه" یعنی میں ان کے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھنے سے بیدار ہو گئی "قولها فخمرت وجھی" میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا "قولها موغرین فی نحر الظهیرة" "الموغر" غین معجمہ کی فتحہ کے ساتھ "دَغرہ" واؤ کی فتحہ اور غین کی سکون کے ساتھ سخت گرمی کے وقت اترنے والا۔ اور "دغرہ" سخت گرمی کو کہتے ہیں جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے۔ "نحر الظهیرة": "دوپہر کو سونے کا وقت" اور ہر چیز کے اوّل حصہ کو "نحر" کہتے ہیں۔ "کِبرہ" بڑا حصہ۔ مشہور قرأت میں یہ لفظ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ "قولها یریبنی" یہ لفظ یائے کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے کہا جاتا ہے "رابہ" و "ارابہ" یعنی "اس کو وہم اور شک میں مبتلا کر دیا۔" "اللُّطْف" لام کے ضمہ اور طاء کے سکون کے ساتھ۔ بعض ان دونوں حرفوں کی فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں، یہ دو لغتیں ہیں۔ "نیک برتاؤ اور نرمی" "قولها ثم یقول کیف تیکم" "یہ مؤنث کے لیے اشارہ ہے" اور مذکر کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ "نقهت" قاف کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، جوہری نے دونوں لغتیں بیان کی ہیں لیکن فتحہ زیادہ مشہور ہے "ناقہ" اس بیمار کو کہتے ہیں جو ابھی بیماری سے صحت یاب ہوا ہو اور پوری طرح تندرست نہ ہوا ہو۔ "قولها تعس" عین کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں "ٹھوکر کھائی ہلاک ہو گیا۔ اس کو شر نے لازم پکڑا۔ دور ہو گیا۔ خاص طور پر منہ کے بل گرا۔" "المِرط" میم کے کسرہ کے ساتھ "اون کی چادر"، اون کے بغیر دوسری چادر کو بھی کہہ لیتے ہیں۔ "قولها ای هنتاه" "ای" حرف ندا، بعید کے لیے ہوتا ہے کبھی قریب کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں جس کو بعید کے قائمقام سمجھتے ہیں۔ اور "ہنتاہ" ہاء کی فتحہ، نون کی سکون کے ساتھ، اس کے بعد تاء، اور آخر میں ہاء ساکن ہے۔ کبھی ضمہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اس کا معنیٰ ہے "اے یہ عورت، اے عورت، اے بھولی" یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عائشہؓ کو لوگوں کی شرارتوں اور ان

کی مکاریوں سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے غفلت کی طرف منسوب کیا ہے۔ " الوضیئۃ" مہموز اور ممدود ہے۔ "خوبصورت اور حسین عورت" "وضائۃ" کا معنیٰ "حسن" ہے۔ "لا یرقا" لفظِ ہمزہ کے ساتھ ہے "بند نہیں ہوتے تھے"۔ "لا اکتحل بنوم" "مجھے نیند نہیں آتی تھی"۔

قولہا "واما علی بن ابی طالب، فقال لم یضیق اللہ علیك الخ" یعنی انہوں نے طلاق دینے کی طرف اشارہ کیا تھا، صراحۃً طلاق کا مشورہ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے حق میں اسی میں خیر خواہی اور مصلحت سمجھتے تھے۔ اور اسامہؓ اور دوسرے لوگوں نے آپؐ کو اپنے پاس ہی رکھنے کا مشورہ دیا اور یہ کہ آپ ﷺ دشمنوں کی بات کی طرف مطلق دھیان نہ دیں۔ علیؓ نے دیکھا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ مشکوک ہے اس لیے انہوں نے شک و شبہ کو چھوڑ کر یقین کی راہ پر گامزن ہونے کا مشورہ دیا تاکہ لوگوں کے کلام سے آپؐ جس اندوہ اور غم میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں نیز اس طرح آپؐ پریشانی سے بچ کر سکونِ قلب حاصل کر پائیں گے۔

لیکن اسامہؓ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کو آپؓ سے اور آپؓ کے باپ سے بڑی محبت ہے، نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت اور حصانت و دیانت اس سے بہت بڑی ہے کہ اس خباثت کا غبار بھی ان کو چھو سکے، اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کا مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر عظیم ہے کہ یہ بات وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ آپؐ کی اہلیہ آپؐ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی اور آپؐ کے جگری دوست صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دخترِ نیک اختر کو اس رذالت سے ملوّث کرے گا جس کے ساتھ تہمت بازوں نے ان کو ملوّث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایک ناپاک عورت اپنے جیسے ناپاک مرد کے لیے ہی زیبا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ" "یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں" اس لیے ان کو اس کے بہتان اور افترا ہونے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہوا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں توقف کیوں فرمایا؟ اس کے متعلق بحث و تحمیص کیوں کی؟ نیز اپنے راز داروں سے اس بارہ میں مشورہ کیوں فرمایا؟ جبکہ آپؐ کو اللہ

کی معرفت سب سے زیادہ حاصل تھی، اس کے نزدیک اپنے مرتبہ کا بھی علم تھا اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کس اعزاز کے مستحق ہیں؟ نیز جس طرح فضلاء صحابہؓ نے یہ سنتے ہی کہا تھا: "سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ"[۱] آپ ﷺ نے اس کا اعلان کیوں نہ فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور رہتی دنیا تک رسُول اللہ ﷺ اور پوری اُمتِ مسلمہ کا امتحان تھا تاکہ اس کی وجہ سے بہتوں کے درجات بلند کرے اور بہتوں کو درکاتِ اسفل میں دھکیل دے۔ ہدایت یافتہ حضرات کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی کرے اور ظالموں کو نقصان اور خسران میں ترقی دے اس ابتلاء کی تکمیل کے لیے ایک مہینہ تک اپنے رسُول ﷺ پر وحی بند رکھی تاکہ اس کی حکمت پوری ہو۔ صادق الایمان لوگوں کے ایمان میں زیادتی ہو۔ عدل و صداقت پر اللہ تعالیٰ اس کے رسُولؐ اہلِ بیتِ رسولؐ اور دیگر نیک بندوں کے متعلق حسن ظن میں ثابت قدمی نصیب ہو منافقوں کے جھوٹ اور نفاق میں اضافہ ہو اور ان کے رازِ سربستہ کھل کر رسُولؐ اللہ اور اہلِ اسلام کے سامنے آجائیں نیز صدیقہؓ اور ان کے والدین کی عبودیت درجہ کمال تک پہنچے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت تمام ہو ۔ مخلوق سے ان کی امید بالکلیہ منقطع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر طرف سے مدد حاصل ہونے کی مایوسی نظر آئے

قولہا: "اَغْمِصہ" ہمزہ کی فتحہ، میم کے کسرہ اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے "اس پر عیب لگاؤں"۔ "الداجن" وہ بکری جس کو گھر پر چارہ ڈالا جاتا ہے، اور چراگاہ میں چرنے کے لیے نہیں جاتی۔ قولہا: "فاستعذر من عبد اللہ بن ابی" یعنی ایسے آدمی کو طلب کیا جو آپؐ کو انصاف دلائے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس کو اس کے بُرے فعل پر سزا دوں، تو مجھے کون معذور سمجھے گا؟ بعض کہتے ہیں، "من یعذرنی" کا معنیٰ "من ینصرنی" ہے "میری مدد کون کرے گا؟" اور مدد کرنے والے کو "عذیر" کہتے ہیں۔ اس کی تائید سعدؓ کے اس قول سے ہوتی ہے: "انا اعذرک منہ" یعنی "اس معاملے میں مَیں آپؐ کی مدد کروں گا"۔ بخاری و مسلم میں ہے: "اشیروا علی فی اناس ابنوا اھلی" لفظ "اَبَنُوا" بار مفتوحہ خفیفہ اور نون مضموم کے ساتھ ہے۔ اور قاضی عیاض نے اصیلی کی روایت میں بار موحدہ کی تشدید کے ساتھ بابِ تفعیل سے نقل کیا ہے۔ یہ اس میں ایک لغت ہے اس کا معنیٰ ہے "میری بیوی پر عیب اور تہمت لگائی ہے" اور یہی قابلِ اعتماد ہے کیونکہ ہمزہ اور بار کی فتحہ کے ساتھ "اَبَن" کا معنیٰ "تہمت" ہے اور اس معنیٰ میں وہ حدیث ہے جو شمائل میں آپؐ کی مجلس کے بارہ میں وارد ہوئی ہے: "لا تؤبن فیہ الحرم" یعنی اس کی مجلس میں حرمتوں پر عیب اور تہمت نہیں لگائی جاتی"۔ قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ یہ لفظ عبدس

---

[۱] النور: ۱۶

کی روایت میں بار سے پہلے نون مشدد کے ساتھ آیا ہے یعنی "اُبَنّ" کی بجائے "اتب" ثاب تفعیل سے ہے مگر یہ تصحیف ہے کیونکہ اس کا معنیٰ "سخت ملامت" ہے اور اس مقام پر اس کا کوئی مطلب نہیں۔ "الْبُرَحَاءُ" باء موحدہ کے ضمہ، را کے فتحہ اور حاء مہملہ کی "مد" کے ساتھ ہے اس کا معنیٰ "سختی" ہے۔ قولہا: "حتیٰ لیتحدر منہ مثل الجمان" "لیتحدر" کا معنیٰ ہے "گرتے تھے" "جمان" جیم کے ضمہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ موتی! بعض کہتے ہیں وہ دانے جو چاندی سے موتیوں کی طرح بنائے جاتے ہیں۔ "سُرِّيَ عن رسولِ اللہ" یعنی کھل گئی اور دُور ہو گئی" قولہ "کنف": کاف مفتوح اور نون کے ساتھ ہے۔ وہ کپڑا جو عورت کے بدن کو چھپائے ہوتا ہے۔ یہ کنایہ ہے کہ اس نے کسی عورت سے جماع اور اختلاط نہیں کیا۔ قولہا: "ہی التی کانت تسامینی" یعنی یہی اپنے حسن و جمال اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں اپنے مرتبہ و مقام کی وجہ سے مجھ سے فخر اور مقابلہ کرتی تھیں" یہ لفظ باب مفاعلہ سے "سمو" سے مشتق ہے اور اس کا معنیٰ "بلندی" ہے۔ قولہا: "احمی سمعی" یعنی میں اپنے کان کی حفاظت کرتی ہوں اور جو کچھ میں نے نہیں سنا ہے میں نہیں کہتی کہ میں نے سنا ہے" قولہ: "واما المنافق عبداللہ بن ابی فھو الذی کان یستوشیہ" یعنی پوچھ پوچھ کر اور کرید کر اس کو نکالتا تھا پھر اس کو پھیلاتا اور اس کی تشہیر کرتا تھا اور فتنہ کی اس آگ کو بجھنے نہیں دیتا تھا" واللہ اعلم!

اس حدیث سے فوائد کا استنباط

اس حدیث سے مستنبط ہونے والے فوائد کی فہرست بہت طویل ہے جو درج ذیل ہے:

- مختلف رواۃ کا ایک حدیث کو بیان کرنا جائز ہے جبکہ ہر ایک نے اس کا ایک مبہم حصہ نقل کیا ہو۔
- عورتوں کے درمیان، اور عتق وغیرہ مسائل میں، قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں اس پر انبیاء میں سے یونس، زکریا اور محمد علیہم السلام نبیوں نے عمل کیا ہے۔ ابن منذر کہتے ہیں اس کا استعمال اجماع کی طرح ہے اور جو لوگ اس کو رد کرتے ہیں ان کی بات درست نہیں۔
- سفر کے وقت عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالنا واجب ہے کہ اپنے ساتھ کس کو لے جائے؟
- گھر میں رہنے والی عورتوں کے لیے ایام سفر کی قضا واجب نہیں طویل سفر کی صورت میں اس پر اجماع ہے اور صحیح مذہب کے مطابق تھوڑے سفر کا حکم بھی لمبے سفر جیسا ہے۔
- خاوند کا اپنی بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانا جائز ہے۔

- عورتوں کا جہاد میں جانا اور کجاووں پر سوار ہونا جائز ہے۔
- اس سلسلہ میں سفر میں، مردوں کے لیے ان کی خدمت کرنا جائز ہے۔
- لشکر کا سفر پر روانہ ہونا امیر کی اجازت پر موقوف ہے۔
- عورت قضاء حاجت کے لیے خاوند کی اجازت کے بغیر جا سکتی ہے اور یہ امر مستثنیات میں سے ہے۔
- حضر کی طرح سفر میں عورتوں کے لیے ہار پہننا جائز ہے۔
- کوئی آدمی عورت کو اونٹ پر سوار کرائے تو غیر محرم ہونے کی صورت میں بلا ضرورت اس سے بات نہ کرے کیونکہ صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کجاوے میں اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے مگر ان سے بات نہیں کرتے تھے۔
- عورتوں اور دوسرے لوگوں کے لیے کھانے پینے میں درمیانی روش اختیار کرنا اور پرخوری سے پرہیز کرنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کی یہی حالت تھی اور جو عمل آپ کے زمانہ میں ہوتا تھا وہی کامل اور افضل ہے۔
- کچھ دیر کے لیے، ضرورت کے مطابق، بعض لشکر کا بڑے لشکر سے پیچھے رہ جانا جائز ہے جبکہ جمع ہونا ضروری نہ ہو۔
- پریشان، اور ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے والے انسان کی مدد کرنا، اور ضائع ہونے والی چیز کو بچانا، اور عزت والے لوگوں کا احترام کرنا واجب ہے جس طرح صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔
- دینی یا دنیاوی مصائب میں "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہنا مستحب ہے خواہ وہ مصیبت اس کو یا اس کے کسی عزیز کو پیش آئے۔
- آدمی خواہ نیک ہو یا بد، عورت کے لیے اس سے اپنا منہ چھپانا واجب ہے۔
- جب فائدہ ہو تو قسم کھلانے کے بغیر قسم کھا لینا جائز ہے۔
- آدمی پر کوئی الزام لگے تو اس کو اس سے چھپانا مستحب ہے جبکہ اس کے ذکر میں کوئی خاص فائدہ نہ ہو، جیسا کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بات مہینہ تک چھپائے رکھی۔
- دستور کے مطابق بیویوں سے میل جول اور نرم برتاؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق کا ثبوت۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں، خاوند کا اپنی بیوی سے نرم برتاؤ اور اچھا میل ملاپ۔
- جب خاوند کو غیر مناسب بات کی اطلاع ملے تو اپنی بیوی سے نرم برتاؤ میں کمی کر دے تاکہ وہ محسوس

کرے، اور اس کا سبب معلوم کرنے کے بعد اس کی اصلاح کرے۔

- بیمار پرسی کے وقت بیمار سے خیر و عافیت اور حال احوال پوچھنا مستحب ہے۔
- عورت کو گھر سے باہر جاتے وقت کسی دوسری عورت کو ساتھ لے جانا مستحب ہے، تاکہ وہ اس کے ساتھ انس پکڑے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔
- اپنے عزیز اور قریبی رشتہ دار سے نفرت کرنا، جب کہ کسی صاحبِ فضل کو اذیت پہنچائے، یا کوئی دوسرا بُرا کام کرے جیسے امِ مسطح رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کے لیے بد دعا کی۔
- اہلِ بدر کی فضیلت اور ان کی طرف سے غیر مناسب بات کی تردید جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسطح رضی اللہ عنہ کو بد دعا دینے سے ان کی ماں کو منع کیا۔
- عورت اپنے والدین کے گھر خاوند سے اجازت لے کر جائے۔
- تعجب کے وقت "سُبحان اللہ" کہنا، جیسا کہ اس حدیث میں بار بار اس کا ذکر ہوا ہے۔
- آدمی کو اہم ضرورت پیش آئے، تو اس سلسلہ میں اپنے رازداروں، گھر والوں اور دوستوں سے مشورہ کرنے کا استحباب۔
- اپنے متعلقین میں سے کسی کے متعلق غیر مناسب بات سُنے، تو اس بارہ میں تحقیق کرنا جائز ہے۔ لیکن غیر متعلقین کی صُورت میں ایسا کرنا منع ہے، کیونکہ یہ جاسوسی اور فضول حرکت ہے۔
- غیر معمولی واقعہ پیش آنے کی صورت میں امام کا لوگوں سے خطاب۔
- امام کا لوگوں کے سامنے اس شخص کی شکایت کرنا، جو اس کی، اس کے اہلِ خانہ، یا کسی دوسرے کی اذیّت کا مرتکب ہوا ہے۔ اور اس کو سزا دینے پر عذر بیان کرنا۔
- صفوانؓ بن معطل کی فضیلت، ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دینے کی وجہ سے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اُونٹ پر سوار کرانے کے سلسلہ میں شریفانہ افعال، نیز سارے واقعہ میں حسنِ ادب کا مظاہرہ کرنے کی بنا پر۔
- سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔
- فتنہ و فساد، جھگڑے و تنازعات کو دُور کرنے اور غصّہ کو ٹھنڈا کرنے میں جلدی کرنا۔
- توبہ کا قبول ہونا، اور اس کی ترغیب دینا۔

- چھوٹوں کی بجائے بڑوں کو بات کرنے کا موقعہ دینا کیونکہ وہ حالات سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔
- قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرنا بلا خوف جائز بلکہ مستحب ہے۔
- مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنے میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرنا۔
- جس پر واضح نعمت ہو یا اس سے کوئی کھلی ہوئی مصیبت دور ہو اس کو فوراً خوشخبری سنانا مستحب ہے۔
- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت سے برأت قرآن حکیم کی نص کے ساتھ ثابت ہے جو انسان، العیاذ باللہ، اس میں شک کرے، وہ کافر ہے اور جمیع مسلمانوں کے اجماع کی بنا پر مرتد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم میں سے کسی نبیؑ کی بیوی نے زنا نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عظمت واکرام کی وجہ سے ہے۔
- نئی نعمت پر نئے سرے سے اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ[1] الآیۃ" میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا ثبوت۔
- قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کا استحباب خواہ وہ بدسلوکی کا مظاہرہ کریں۔
- خطا کار کو معاف کرنے اور اس سے درگذر کرنے کا استحباب۔
- نیکی کی راہوں میں صدقہ وخیرات اور مال خرچ کرنے کا استحباب۔
- یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کے حصول کا سبب ہے۔
- جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے پھر اس کو معلوم ہو کہ بہتر اس کے علاوہ دوسری چیز ہے، تو اس کے لیے بہتر چیز پر عمل کرنا مستحب ہے، اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔
- خالہ زاد بہن کا بیٹا ان قریبی رشتہ داروں سے ہے، جن سے صلہ رحمی کرنا مستحب ہے۔
- ام المؤمنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت اور ان کی پرہیزگاری کا ثبوت۔
- گواہی دینے میں تحقیق سے کام لینا۔
- محبوب کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر اس کے دوستوں، خادموں، تابعداروں کا لحاظ کرنا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسان رضی اللہ عنہ کی تکریم کی۔
- خطبات میں حمد وصلوٰۃ کے بعد "اما بعد" کہنا مستحب ہے۔

---

[1] النور: ۲۲

- اپنے امیر کی بے عزتی دیکھ کر مسلمانوں کا غیظ و غضب میں مبتلا ہونا اور اس کی تلافی کی کوشش کرنا۔
- باطل پرست کی حمایت کرنے والے کو سب و شتم کا نشانہ بنانا جائز ہے جیسا کہ منافق کی حمایت کرنے پر اسیدؓ بن حضیر نے سعدؓ بن عبادہ کو برا بھلا کہا اور فرمایا: انک منافق تجادل عن المنافقین: "تو منافق ہے اور منافقین کی طرف سے جھگڑتا ہے" یعنی تو منافقوں جیسے کام کرتا ہے واللہ اعلم!
- عورتوں کا ایک دوسری کی صفائی پیش کرنا جائز ہے اسی وجہ سے آپؐ نے لونڈی اور ام المومنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تھا۔
- کسی باطل چیز کا اعتراف کرنا حلال نہیں ہے۔
- صبرِ جمیل کا انجام دونوں جہان میں عزت اور خوشی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کبھی ایماندار بندے کو بدترین قسم کی مکروہ چیز میں مبتلا کر دیتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہوتی ہے شر نہیں ہوتی جیسا کہ اس نے فرمایا: لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (النور)
- انسان کبھی ایسی چیز پر خوش ہوتا ہے جو اس کے لیے ہلاکت اور دنیا و آخرت کی رسوائی کا باعث ہوتی ہے
- سب لوگوں سے زیادہ آفت رسیدہ نبی ہوتے ہیں پھر صالحین، ثم الامثل فالامثل۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق وحی نہیں آتی تھی ورنہ اس حادثہ میں ایک مہینہ کی تاخیر واقع نہ ہوتی۔
- غیب کی بات وہی جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بتاتے۔
- جو شخص صراحۃً زنا کی تہمت لگائے اس پر حدِ قذف واجب ہے۔
- حد لگانے سے فتنہ و فساد اور تفریق بین المسلمین کا اندیشہ ہو تو حد نہ لگائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی تھی۔ انتہٰی ملخصًا من شرح النووی للمسلم وغیرہ۔

فصل

ہار گرنے کا واقعہ کتنی دفعہ پیش آیا؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہار ضائع ہونے کا واقعہ کئی دفعہ پیش آیا۔ محمد بن حبیب اخباری ان میں سے ایک ہیں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ بنو مصطلق میں دو دفعہ گرا پھر اہلِ مغازی

کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں جنگوں میں سے پہلے کون سی جنگ ہوئی؟ اس بات کی دلیل کہ نزولِ آیتِ تیمم کا واقعہ قصۂ اِفک سے بعد کا ہے' حضرت عائشہ [رضی اللہ عنہا] کی وہ حدیث ہے' جس کو امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ میرے ہار گرنے اور اہلِ اِفک کے تہمت لگانے کے بعد میں ایک دوسری جنگ میں آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ساتھ گئی' تو ایک دفعہ میرا ہار پھر گر گیا۔ اس کے تلاش کرنے کے لیے آپؐ نے لوگوں کو روکا، اس وقت ابوبکر [رضی اللہ عنہ] نے کہا" بیٹی! تو ہر سفر میں لوگوں کے لیے مصیبت بن جاتی ہے" اور اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت نازل فرمائی' لیکن اس حدیث کی سند کے بعض راویوں میں مقال ہے۔

بخاری میں ہے' موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں' غزوہ مریسیع سنہ ۴ھ میں ہوا ہے' مگر ابنِ اسحاق نے بالجزم کہا ہے' اور ابنِ حزم نے بھی اس کی اتباع کی ہے' کہ یہ غزوہ شعبان سنہ ۶ھ میں پیش آیا اور اس میں حضرت عائشہ [رضی اللہ عنہا] کا یہ قول کہ سعدؓ بن معاذ کھڑے ہوئے' وہم ہے۔ باہمی تکرار سعدؓ بن عبادہ اور اسیدؓ بن حضیر کے درمیان ہوئی تھی' اور وہم سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا' پھر انہوں نے کہا' یہی بات صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق' کہ یہ غزوہ سنہ ۴ھ میں پیش آیا' سب اشکالات دور ہو جاتے ہیں' واللہ اعلم!

غزوۂ خندق اور یہ جنگِ احزاب کے نام سے بھی مشہور ہے!

اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں' یہ غزوہ ماہِ شوال سنہ ۴ھ میں ہوا' اور ابنِ اسحاق اور دوسرے اہلِ مغازی سنہ ۵ھ میں بتاتے ہیں۔ امام بخاریؒ کا میلان موسیٰ بن عقبہ کے قول کی طرف ہے' اور اس کو ابنِ عمرؓ کی حدیث کی بنا پر قوی کہا ہے۔ ابنِ حزم لکھتے ہیں' صحیح اور ثابت شدہ یہی بات ہے کہ یہ سنہ ۴ھ میں ہوا ہے۔

اس کی دلیل ابنِ عمرؓ کی یہ حدیث ہے کہ مجھے جنگِ احد میں رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی' تو آپؐ نے مجھے رد کر دیا۔ پھر جنگِ خندق میں پندرہ سال کی عمر میں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا' تو آپؐ نے مجھے اجازت دے دی' اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ ان دونوں جنگوں کے درمیان ایک سال کا فرق ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے آلِ زبیر کے آزاد کردہ غلام یزید بن رومان نے' عروہ بن زبیر اور اس شخص کے واسطے سے' جو میرے نزدیک متہم نہیں ہے، عبداللہ بن کعب بن مالک' محمد بن کعب قرظی، زہری، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ علماء نے غزوۂ خندق کے متعلق درج ذیل حدیث بیان کی ہے۔ ان کے الفاظ میں کچھ کمی و بیشی ہے' مگر ماحصل یہ ہے کہ اس جنگ کی تیاری کے لیے یہودیوں کی

ایک جماعت سلام بن مشکم بن ابی الحقیق نضری، حیی بن اخطب اور ہوذہ بن قیس پر مشتمل، اور اسی طرح بنو وائل کی ایک جماعت قریش کے پاس مکہ مکرمہ گئی ۔ اُن کو آنحضرت ﷺ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی اور انہیں یقین دلایا کہ جب تک ہم آپ کی بیخ کنی نہیں کرلیں گے، ہم تمہارے ساتھ رہیں گے قریش نے ان سے پوچھا: "اے یہود کی جماعت! تم پہلی کتاب پر ایمان لانے والے ہو اور ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان باہمی نزاع سے بھی باخبر ہو، پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا دین بہتر ہے"، کہنے لگے: "تمہارا دین بہتر ہے اور اس کی بجائے تم حق پر ہو"ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا" (النساء: ۵۱)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے وہ جادو گری اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں اور کفار کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں"۔ جب انہوں نے یہ کہا تو قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑنے کے لیے بصد شوق ان کی دعوت کو قبول کر لیا چنانچہ ان کے درمیان عہد و پیمان اور تاریخ کی تعیین پر متفق ہو گئے پھر وہ قیس عیلان کے قبیلے بنو غطفان کے پاس آئے، اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی ۔ بتایا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور قریش کو بھی ان کے اس منصوبہ سے اتفاق ہے چنانچہ قریش، ابوسفیان بن حرب کی کمان میں غطفان، اپنے لیڈر عیینہ بن حصن کی کمان میں ۔ بنو مرہ، حارث بن عوف کی سرکردگی میں ۔ اور بنو اشجع اور ان کے متعلقین، مسعر بن دخیلہ کی قیادت میں نکلے۔ آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو ثواب کی ترغیب دینے کے لیے خود بھی خندق کھودنے لگے۔ آپ اور مسلمان سب اس کی تکمیل کے لیے دن رات کام کرنے لگے۔ ہاں منافقوں نے آپ کے اس منصوبہ سے پہلوتہی اختیار کی ۔ کمزوری کا بہانہ بنا کر کام چھوڑ دیتے اور آنحضرت ﷺ کی اطلاع کے بغیر، بلا اجازت اپنے گھروں کو کھسک جاتے۔ مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا، اگر انہیں واقعی کوئی ضرورت پیش آجاتی تو وہ آپ سے اجازت طلب کرتے، اگر آپ مناسب سمجھتے تو اجازت دے دیتے، پھر وہ اپنے کام اور ضرورت سے فارغ ہو کر حصولِ اجر اور طلبِ خیر کے لیے اگر اپنے مفوضہ کام میں لگ جاتے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ۔ الآیۃ" (سورۃ النور، آیت: ۶۲)

یعنی "مومن دراصل وہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور جب آپؐ کے ساتھ کسی مشترک کام میں شامل ہوتے ہیں تو اپنی ضرورت کے لیے آپؐ سے اجازت حاصل کیے بغیر نہیں جاتے!" پھر منافقوں کے بارہ میں، جو کام چھوڑ کر بلا اجازت کھسک جایا کرتے تھے، فرمایا:

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا" (سورۃ النور، آیت ۶۳) یعنی "آپس میں رسول اللہ کے بلانے کو اس طرح نہ بناؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو! ۔ بلاشبہ، اللہ تعالیٰ تم میں سے چوری کھسکنے والوں کو جانتا ہے۔" انتہیٰ!

خندق کھودنے کا منصوبہ کس طرح بنا؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔ آپؓ نے کہا "یا رسول اللہ! فارس میں جب ہم پر حملہ ہوتا تو ہم اپنے ارد گرد خندق کھود کر اپنا تحفظ کرتے تھے" اس سے پہلے عرب اس جنگی تدبیر سے ناواقف تھے۔

اس جنگ میں شریک ہونے والے کافروں اور مسلمانوں کی تعداد!

ابن اسحاق کے بیان کے مطابق دشمن اس جنگ میں دس ہزار کی تعداد میں شریک ہوئے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں صرف تین ہزار تھے، مگر ابن حزم لکھتے ہیں کہ مسلمان صرف نو سو تھے، اور بلاشبہ یہی صحیح ہے مسلمانوں نے میدان جنگ میں سلع پہاڑ کو اپنے پیچھے کیا اور خندق ان کے اور مشرکوں کے درمیان تھی۔

آپؐ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور عورتوں اور بچوں کو ایک جگہ محلات میں بند کرنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری میں سہل بن سعدؓ سے مروی ہے، "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور اپنے کندھوں اور اپنی کمروں پر اٹھا کر مٹی خندق سے باہر لاتے تھے، آپؐ فرماتے تھے ؎

اللّٰھم لا عیش إلا عیش الآخرہ ۔۔۔ فاغفر للمھاجرین والأنصار

"الٰہی! زندگی، درحقیقت آخرت کی زندگی ہے، اس لیے اس میں کامیابی کے لیے مہاجرین اور انصار

کو بخش دے۔" اَکتاد" اوپر کے دو نقطوں والی تا ر کے ساتھ کَتِد (کاف کے زبر اور تار کے زیر کے ساتھ) کی جمع ہے یہ کندھے سے لے کر کمر تک کے حصّہ کو کہتے ہیں۔ اور بخاری شریف کے بعض نسخوں میں ایک نقطے والی بار کے ساتھ (اکباد نا) آیا ہے یہ بھی درست ہے اس سے مراد جگر کے قریب پہلو ہے اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر نکلے تو مہاجرین رضی اور انصار رضی کو ایک سردی کی صبح میں خندق کھودنے میں مصروف پایا ان کے پاس کام کرنے کے لیے غلام موجود نہیں تھے۔ آپؐ ان کی تھکاوٹ اور بھوک کو دیکھ کر فرمانے لگے ؎

اللھم لا عیش إلا عیش الآخرہ فاغفر للأنصار والمھاجرین

"الٰہی! زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔"

صحابۂ کرام رضی آپؐ کے جواب میں کہتے ؎

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجھاد ما بقینا أبدا

"ہم جب تک زندہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔"

بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے دن مٹّی ڈھوتے دیکھا ہے غبار نے آپؐ کے پیٹ کی جلد کو چھپا رکھا تھا حالانکہ آپؐ کے بال زیادہ تھے۔ میں نے سنا ہے آپؐ مٹی ڈھوتے وقت عبداللہ رضی بن رواحہ کے یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

اللّٰھم لولا أنت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلّینا

"الٰہی! اگر تُو نہ ہوتا (تو ہم نہ ہوتے) نہ ہم ہدایت پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔"

فأنزلن سکینۃ علینا وثبّت الأقدام ان لاقینا

"الٰہی! اپنی طرف سے ہم پر تسلّی اتار اور اگر ہم کفّار سے لڑیں تو ہمارے قدم ان کے مقابلہ میں جما دے۔"

إنّ الأولی قد رغبوا علینا وإن أرادوا فتنۃ أبینا

"بلاشبہ یہ کفار ہماری ہلاکت میں رغبت کرتے ہیں اور اگر یہ ہمیں فتنہ (شرک) میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔"

آپؐ آخری لفظ "أبینا" کو بلند آواز سے کہتے تھے اور ایک روایت میں یوں آیا ہے ؎

إن الأولی قد بغوا علینا إن أرادوا فتنۃ أبینا

"ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ اگر ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔"

ابوعثمان نہدیؒ کہتے ہیں کہ جب آپؐ خندق کھودتے تھے تو آپؐ یوں فرماتے تھے ؎

بسم الإلٰه وبه بدينا ولو عبدنا غيره شقينا حبذا ربا وحب ذا دينا

"ہم اللہ کا نام لے کر ہر کام کرتے ہیں اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ اگر ہم غیر کی عبادت کریں تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ ہمارا ربّ بہت اچھا ہے اور ہمارا دین بھی بہت اچھا ہے۔"

خندق کھودنے کے درمیان معجزات کا ظہور

خندق کھودنے کے زمانہ میں متعدد علامات نبوّت ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ خندق کھودتے وقت ایک سخت چٹان نکل آئی۔ صحابہؓ نے آکر آپؐ کے پاس شکایت کی کہ ایک سخت چٹان نمودار ہو گئی ہے جو کسی طرح نہیں ٹوٹتی۔ یہ سُن کر آپؐ اُٹھے، اس وقت بھوک کی وجہ سے آپؐ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن گذر گئے تھے اور ہم سب نے کھانے کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ آپؐ نے ہاتھ میں کُدال لیا اور چٹان پر اس زور کی ضرب لگائی کہ وہ ریت کا ایک بہنے والا ٹیلہ بن گئی۔ راوی نے "کثیب اہیل" یا "اہیم" شک کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اسماعیلی نے لام کے ساتھ بلاشک ذکر کیا ہے۔ یعنی "چٹان، بہنے والی ریت بن گئی جو کھڑی نہیں رہ سکتی" اور "اہیم" کا معنیٰ بھی "اہیل" والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "شرب الهيم" کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ (اَهْيَمْ کی جمع) "ہیم" سے وہ ریت مراد ہے جو پانی سے تر نہ ہو اور پانی پڑنے کے باوجود خشک ہی رہے۔"

احمد اور نسائی کی روایت میں، حضرت براءؓ سے اس حدیث میں حسن سند کے ساتھ ایک زائد اچھی بات ذکر ہوئی ہے کہ خندق کے کسی حصّہ میں ایک ایسی سخت چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال کام نہیں کرتے تھے ہم نے رسُول اللہ ﷺ کے پاس جاکر شکایت کی آپؐ تشریف لائے اور کدال ہاتھ میں لے کر "بسم اللہ" کہا اور اس پر ایک ضرب لگائی۔ اور فرمایا "اللہ اکبر! مجھے شام کے خزانوں کی چابیاں مل گئی ہیں۔ اور واللہ! میں اس وقت اس کے سُرخ محل دیکھ رہا ہوں۔" پھر دوسری ضرب لگائی اور چٹان کا دوسرا حصّہ توڑ کر فرمایا "اللہ اکبر! مجھے فارس کے خزانوں کی چابیاں مل گئی ہیں۔ اور اللہ کی قسم! میں اب مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔" پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا "اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں مل گئی ہیں۔ واللہ! اور میں اس جگہ کھڑا یمن کے دارالخلافہ صنعاء شہر کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔"

اور ان میں سے ایک وہ معجزہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کی دعا سے تھوڑا سا کھانا بہت ہو گیا اور خندق کھودنے والے سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔

خندق کی تکمیل میں کتنا وقت صرف ہوا؟

موسیٰ بن عقبہؓ کہتے ہیں خندق کی تیاری میں تقریباً بیس دن لگے۔ واقدی کے نزدیک یہ چوبیس دن میں تیار ہوئی۔ ابن قیمؒ "ہدیٰ" میں لکھتے ہیں کہ اس کے پورا ہونے میں ایک مہینہ لگا تھا۔

حیی بن اخطب کی کوشش

ابن اسحاق اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ کا دشمن حیی بن اخطب بنو قریظہ کے صاحبِ حل وعقد سردار کعب بن اسد کے پاس آیا جس نے اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپؐ کے خلاف کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے جب کعب کو پتہ چلا تو اس نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اس کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ حیی نے اجازت مانگی، تو اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اس نے آواز دی "کعب! تم پر افسوس ہے، دروازہ کھولو۔" اس نے جواب دیا "حیی! تجھ پر افسوس! تو ایک منحوس آدمی ہے۔ میں نے محمدؐ سے معاہدہ کیا ہوا ہے جس کو میں توڑ نہیں سکتا۔ میں نے ہمیشہ آپ کو سچا اور وعدہ کا پابند پایا ہے۔" اس نے کہا "تجھ پر افسوس ہو! دروازہ کھول میں تجھ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" کعب نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔" حیی نے کہا "واللہ! تو نے میرے سامنے اس لیے دروازہ بند کیا، تجھے مجھ کو کھانا کھلانا پڑے گا۔" یہ سن کر کعب کو طیش آ گیا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی حیی بولا "کعب! تجھ پر افسوس ہو، میں تیرے پاس زمانہ بھر کی عزت اور بھرا ہوا سمندر لایا ہوں میں تیرے پاس قریش کو ان کے لیڈروں اور سرداروں سمیت کھینچ لایا ہوں، اور انہیں دومۃ الجندل کے قریب سیلاب جمع ہونے کی جگہ لا اتارا ہے، میں بنو غطفان کو ان کے لیڈروں اور سرداروں کے ساتھ لے آیا ہوں اور انہیں احد کے دامن میں مقام "ذنب نقمی" میں اتارا ہے ان سب نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب تک محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کی بیخ کنی نہیں کر لیں گے، اس جگہ سے نہیں ہلیں گے۔" کعب نے کہا "خدا کی قسم! تو میرے پاس زمانہ بھر کی ذلت اور ایسا خالی خولی ابر لایا ہے جس کا پانی ختم ہو چکا ہو، وہ گرجتا چمکتا ضرور ہے مگر اس میں پانی کا

ایک قطرہ باقی نہیں رہا اے حیئ! تیرے لیے ہلاکت ہو مجھے میری حالت پر رہنے دے میں نے ہمیشہ محمد ﷺ سے صداقت اور وفاداری کا تجربہ کیا ہے" لیکن حیئ مسلسل اس کو بہلاتا اور سبز باغ دکھلاتا رہا حتیٰ کہ وہ اس شرط پر عہد شکنی پر اُتر آیا کہ حیئ اس سے حلفیہ عہد کرے کہ اگر قریش اور بنو غطفان محمدؐ کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر ناکام واپس چلے گئے' تو میں اس کے ساتھ اس کے قلعہ میں پناہ لُوں گا اور پھر جو انجام اس کا ہو گا' وہی میرا ہو گا' چنانچہ کعب نے اپنا تحفّظ حاصل کرنے کے بعد اپنے اور رسُول اللہ ﷺ کے مابین طے شدہ معاہدہ توڑ دیا اور آپؐ کے خلاف جنگی کارروائیوں میں اپنے ہم مذہبوں میں شامل ہو گیا۔

آپؐ کو اس کی اطلاع ملی' تو آپؐ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو اس خبر کی تصدیق کرنے کے لیے بھیجا، تاکہ معلوم کریں کہ واقعی بنو قریظہ نے عہد شکنی کی ہے' اور دشمن کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں؟ اور ان کو تاکید کی کہ اگر انہوں نے سچ مچ عہد شکنی کی ہے اور اس خبر میں صداقت ہے' تو واپسی پر مجھے اشارہ و کنایہ میں اطلاع دیں اور صاف اور واضح الفاظ میں خبر نہ دیں' تاکہ عام لوگوں میں بددلی نہ پھیلے' چنانچہ وہ صحابیؓ گئے اور بنو قریظہ کو اس سے بھی بدتر حالت میں دیکھا حتیٰ کہ ان کو خبر ملی تھی کہ انہوں نے رسُول اللہ ﷺ کی شان میں نہایت گستاخانہ باتیں کیں' اور کہنے لگے "رسُول اللہ کون ہے؟ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی عہد و میثاق نہیں ہے" اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے' جو کچھ تیز مزاج آدمی تھے' ان کو بُرا بھلا کہا! اور جواب میں انہوں نے بھی سعدؓ کو گالیاں دیں۔ یہ حالت دیکھ کر سعد بن عبادہؓ نے اُن کو روکا اور کہا "گالی گلوچ کو چھوڑو' صبر سے کام لو اب معاملہ گالی گلوچ سے بہت آگے بڑھ گیا ہے"

پھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپؐ کو سلام کہا، اور کعب کے بارے عہد شکنی کی اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ خبر سن کر فرمایا "اللہ اکبر! اے اہلِ اسلام خوش ہو جاؤ" اس وقت حالات بہت بگڑ گئے تھے اور خوف بڑھ گیا تھا کیونکہ دشمنوں نے نیچے اور اُوپر ہر جانب سے گھیراؤ کر لیا تھا' مسلمانوں کے دِلوں میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے اور ادھر نفاق نے بھی سر نکالا اور بعض منافقوں نے کہا "محمدؐ تو ہم کو کسریٰ اور قیصر کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے وعدے سناتا تھا' اور ادھر حالت یہ ہے کہ ہم بے فکر ہو کر قضاء حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے" ان حالات میں آنحضرت ﷺ بال بچوں کی حفاظت کیلئے بار بار محافظ دستے مدینہ بھیجتے تھے' تاکہ ان کو بنو قریظہ کی شرارت سے بچایا جائے۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: "وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ـ الآيات"[1] "اس وقت کو یاد کرو، جب منافق اور بیمار دل لوگ کہتے تھے کہ ہم سے اللہ اور رسولؐ نے جھوٹا وعدہ کیا ہے" اور اس سے اگلی آیات "کچھ آدمی دوسروں سے کہتے تھے: "يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا"[2] یعنی اے مدینہ والو! یہ ٹھیرنے کی جگہ نہیں ہٹو، واپس چلو" بعض کہتے تھے "یا رسول اللہ! ہمارے گھر مدینہ سے باہر غیر محفوظ ہیں، ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم واپس چلے جائیں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا"[3] "ان کے گھر ننگے اور غیر محفوظ نہیں ہیں، بلکہ یہ بھاگنا چاہتے ہیں۔"

بنو غطفان سے معاہدہ کی کوشش

جب چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیرا ڈال لیا اور حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان کے دونوں لیڈروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ منورہ کے پھلوں میں سے ایک تہائی پھل لے لیں، اور قریش اور یہود کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ وہ دونوں لیڈر اس پر راضی ہو گئے۔ اس کے متعلق ایک تحریر بھی لکھی گئی، صرف اس کو آخری شکل دینی باقی رہ گئی تھی اور گواہوں کے دستخط ابھی ثبت نہیں ہوئے تھے۔ معاملہ ابھی زیر غور تھا کہ آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ مدینہ کے دو سرداروں سے اس کا تذکرہ فرمایا اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیا۔ وہ دونوں بولے "یا رسولؐ اللہ! کیا یہ چیز آپؐ کو پسند ہے، اور آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس سلسلہ میں آپؐ سے اتفاق کریں، یا یہ اللہ کا حکم ہے جس پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں، یا ہمارے فائدہ کے پیش نظر ایسا کرتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "واللہ! میں تمہارے فائدے کے لیے کرتا ہوں، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کی سب قومیں متحد ہو کر تم پر حملہ آور ہو رہی ہیں، اور بیک وقت سب سے لڑنا مشکل ہے"۔ سعدؓ بن معاذ کہنے لگے: اے اللہ کے رسولؐ! پہلے جب ہم اور یہ مشرک تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے اور نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت یہ بجز مہمان نوازی یا خرید و فروخت کے مدینہ کی ایک کھجور کھانے کی بھی امید نہیں رکھتے تھے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] الاحزاب: ۱۲ [2] الاحزاب: ۱۳ [3] الاحزاب: ۱۳

نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اور اس کی وجہ سے ہمیں ہدایت بخشی ہے ہم ان کو بطورِ رشوت اپنے مال کس طرح دے سکتے ہیں؟ ہمیں اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ ہمارے اور ان کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمادے"۔ آپؐ نے فرمایا: "بہت اچھا اگر آپ حضرات کی یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے، ایسا ہی کریں"۔ یہ سُن کر سعدؓ نے وہ کاغذ پکڑا اور اس میں جو کچھ لکھا تھا اس کو کاٹ دیا اور کہا "ان کو کھلی چھٹی ہے جو چاہیں کریں"۔

لڑائی کی کیفیت

آنحضرت ﷺ اور مسلمان میدانِ جنگ میں خیمہ زن تھے۔ دشمنوں نے ان کو گھیر رکھا تھا مگر لڑائی تک ابھی نوبت نہیں پہنچی تھی۔ ہاں قریش کے چند شہسوار عمرو بن عبدِ ود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار بن خطاب حملہ کرنے کی نیت سے آئے لیکن جب انہوں نے اپنے آگے خندق حائل دیکھی، تو حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ تو ایک ایسی تدبیر ہے جس سے عرب واقف نہیں ہیں، اور نہ کبھی انہوں نے اس کو اپنی لڑائیوں میں استعمال کیا ہے پھر انہوں نے اپنے گھوڑے دوڑائے، ایک تنگ جگہ سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان سیم و تھور میں اپنے گھوڑے دوڑانے لگے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند مسلمان اپنے ساتھ لے کر ان کے مقابلے کے لیے نکلے، اور جس گھاٹی سے وہ آنے میں کامیاب ہوئے، وہ ان پر بند کر دی۔ یہ دیکھ کر قریش کے شہسوار اُن کی طرف لپکے۔ عمرو بن عبدِ ود بدر کی جنگ میں بُری طرح زخمی ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ جنگِ اُحد میں شامل نہ ہو سکا۔ جنگِ خندق میں بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے نکلا اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے بدن پر خاص نشان لگا رکھے تھے جب مسلمانوں کے سامنے آئے، تو یہ للکار کر کہنے لگا: "میرے مقابلہ کے لیے میدان میں کون آتا ہے؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا "میں آتا ہوں"۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے، تو حضرت علیؓ نے کہا "اے عمرو! تو نے اللہ تعالےٰ سے یہ عہد نہیں کیا کہ جب قریش کا کوئی آدمی تیرے سامنے دو باتیں پیش کرے گا، تو تُو ان میں سے ایک ضرور قبول کرے گا؟" کہنے لگا "ہاں! میں نے یہ عہد کیا ہے"۔ علیؓ نے کہا "پھر میں تجھے اللہ تعالےٰ، اس کے رسولؐ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔ بولا "مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں"۔ علیؓ نے کہا "پھر مقابلہ کیلئے میدان میں آؤ"۔ وہ بولا "بھتیجے! میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا"۔ علیؓ کہنے لگے "اللہ کی قسم! میں تجھے قتل کرنا

چاہتا ہوں" یہ سُن کر عمرو گرم ہو گیا، گھوڑے سے کُود پڑا، تلوار مار کر اس کی کونچیں کاٹ دیں اور اس کے منہ پر طمانچہ مار کر اس کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پھر اس کے اور علیؓ کے درمیان تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا یہ دیکھ کر باقی شہسوار شکست کھا کر بھاگے اور خندق عبور کر کے اپنے لشکر سے جا ملے۔

اہلِ اسلام کی فتح اور اُنکی کامیابی

اس کے بعد، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے دشمن کی ناکامی اور شکست کا سبب یہ بنایا کہ نعیم بن مسعود اشجعی درپردہ مسلمان ہو گئے انہوں نے مختلف قبائل میں ایسی چال چلی جس سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور متحدہ حملہ کا خطرہ ٹل گیا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر اس زور کی آندھی چلائی کہ اس نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں اُلٹ دیں اور خیموں کی رسیاں ٹوٹ ٹوٹ کر خیمے ان پر گرنے لگے جس سے ان میں سخت بددلی پھیل گئی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے کفار کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کیا اور ان کے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کی فوجوں کے بارہ میں یوں بددعا کی "اے اللہ! اے کتاب اتارنے والے! جلدی حساب لینے والے! ان فوجوں کو شکست دے، ان کو ناکامی سے دوچار کر اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔ امام احمدؒ ابوسعیدؓ سے روایت کرتے ہیں "ہم نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! مارے ڈر کے ہمارے دل منہ تک آ گئے ہیں کوئی ایسا ذکر ہے جس کے پڑھنے سے سکون حاصل ہو، اور ہم گھبراہٹ اور ڈر سے نجات پائیں" آپؐ نے فرمایا: "ہاں یُوں کہو: "الٰہی! ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال اور ہماری گھبراہٹیں دُور فرما" ابوسعیدؓ کہتے ہیں "زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں آندھی اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے اور وہ دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوتے"

صحیح بخاری میں حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے خندق کے دن فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول کر دیا اور ہم سورج ڈوبنے تک اس کو پڑھ نہیں سکے" صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ "ایک دن مشرکوں نے رسُول اللہ ﷺ کو عصر کی نماز سے روکے رکھا، حتیٰ کہ سورج سُرخ ہو گیا یا زرد ہو گیا الحدیث" ابن دقیق العید

کہتے ہیں کہ رکاوٹ اس وقت تک جاری رہی اور نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھی گئی۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق کے دن آئے اور کفارِ قریش کو گالیاں دینے لگے اور کہا "یا رسُولؐ اللہ! آج میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا مگر سورج ڈوبنے کے نزدیک نماز پڑھنے کا موقع ملا"۔ آپؐ نے فرمایا "واللہ! میں نے تو ابھی تک پڑھی ہی نہیں"۔ پھر آپؐ وادی بطحان میں اترے آپؐ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ سورج ڈوبنے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ اس مشہور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سے عصر کی نماز کے علاوہ کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تھی مگر موطا میں ہے کہ ظہر اور عصر کی دو نمازیں فوت ہوئی تھیں نیز مسند احمد اور شافعی میں ہے کہ کفار نے آپؐ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سے روکے رکھا اور آپؐ نے یہ چاروں نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ امام نوویؒ نے ان مختلف روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ خندق کی جنگ کئی دن جاری رہی تھی اس لیے یہ مختلف صورتیں مختلف دنوں میں پیش آئی تھیں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عصر کی نماز کو مؤخر کرنا نمازِ خوف اترنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

پھر رسُول اللہ ﷺ نے حذیفہؓ بن یمان کو کفار کی خبر لانے کے لیے بھیجا انہوں نے جا کر دیکھا تو وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ وہ میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں یوں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو غیظ و غضب سے بھرپور اپنے مقصد میں ناکام واپس کیا اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لیا اس نے اپنا وعدہ پُورا کیا، اپنے لشکر کو غلبہ دیا، اپنے رسُولؐ کی مدد فرمائی اور اکیلے نے دشمن فوجوں کو شکست دی۔

بخاری میں سلیمانؓ بن صرد سے مروی ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کی فوجوں کو واپس کیا، میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اب ہم ان سے لڑنے کے لیے ان کے شہروں میں جائیں گے، اور وہ ہم سے لڑنے کے لیے ہمارے شہر میں نہیں آئیں گے"۔

غزوہ بنو قریظہ

جب آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ بدھ کے دن جنگِ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے ہتھیار اتار دیئے۔ آپؐ غسل سے فارغ ہوئے، تو جبرائیلؑ آئے، وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے، کہا "آپؐ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں؟ واللہ! ہم نے اپنے ہتھیار نہیں اتارے۔ اٹھیئے چلیئے" آپؐ

نے پوچھا کہاں ؟" انہوں نے بنو قریظہ کی بستی کی طرف اشارہ کیا چنانچہ آپؐ ان کی طرف نکلے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے احزاب کے بعد فرمایا "ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھے" بعض لوگ ابھی راستہ میں تھے کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا ان میں سے بعض کہنے لگے کہ ہم عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں گے۔ بعض نے کہا ہم یہیں نماز پڑھیں گے۔ آپؐ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ ہم نماز کو قضا کر دیں اور لازماً نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھیں آپؐ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو آپؐ نے کسی فریق پر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بروز بدھ ۲۳ ذی قعدہ تین ہزار کا لشکر لے کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے ان کے پاس تیس گھوڑے تھے اور بنو قریظہ کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں پر ڈیرہ ڈال دیا باقیماندہ لوگ بھی آپؐ سے آملے دشمن کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے رعب ڈال دیا رسول اللہ ﷺ نے ان کا بیس سے کچھ زیادہ دن محاصرہ کیا۔ بنو قریظہ کے سردار کعب بن سعد نے اپنی قوم کے سامنے تین چیزیں پیش کیں کہ ان میں سے جو چاہیں پسند کر لیں:

۱۔ اسلام قبول کر لیں۔

۲۔ پہلے عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں پھر مسلمانوں سے لڑتے لڑتے خود بھی جان دے دیں۔

۳۔ ہفتہ کی رات نبی ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں پر شبخون ماریں۔ کیونکہ اس رات مسلمان ہماری طرف سے غافل اور پُر امن ہوں گے۔

لیکن انہوں نے ان تین باتوں میں سے کوئی بات نہ مانی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپؐ ایک دفعہ ان کی طرف بنو عمرو بن عوف کے سردار ابو لبابہؓ بن عبد منذر کو بھیج دیں کیونکہ یہ قبل از اسلام قبیلہ اوس کے حلیف تھے آپؐ نے ان کی یہ فرمائش پوری کی اور ابو لبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ ان کو آتا دیکھ کر مردوں نے ان کا استقبال کیا اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے جس سے ان کے دل میں رقت پیدا ہوئی وہ کہنے لگے "ابو لبابہ! یہ بتاؤ ہم اپنے بارہ میں محمدؐ کا فیصلہ منظور کر لیں؟" انہوں نے کہا "ہاں" لیکن ساتھ ہی ابو لبابہؓ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی "گلے کٹ جائیں گے اور ذبح کیے جاؤ گے۔"

ابو لبابہؓ کہتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! میں ابھی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ میں نے جان لیا کہ میں نے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کی خیانت کی ہے۔" پھر ابولبابہؓ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ آئے بلکہ سیدھا مدینہ منورہ جا کر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا "جب تک اللہ تعالیٰ میرا یہ گناہ معاف نہیں فرمائے گا میں اسی جگہ بندھا رہوں گا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ میں بنوقریظہ کے علاقہ میں نہیں جاؤں گا" یا یوں کہا "اس شہر میں مجھے کبھی نہیں دیکھا جائے گا، جس میں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کی خیانت کی ہے"۔ جب دیر ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کو ابولبابہؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: "اگر میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے بخشش کی دعا مانگتا۔ اب اس نے جب اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا ہے، تو جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا میں بھی اس کو نہیں کھولوں گا۔" آخر ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے کھولا۔

تنگ آکر بنوقریظہ، رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر اتر پڑے۔ اس وقت اوس کے لوگ آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: "آپ نے بنوقینقاع کے متعلق ہمارے بھائیوں بنوخزرج کا فیصلہ مان لیا تھا، کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے۔ اور یہ ہمارے دوست ہیں" آپ نے فرمایا: "اے گروہِ اوس! کیا تم اس پر راضی ہو کہ ان کے متعلق تمہارا کوئی آدمی فیصلہ کرے؟" وہ بولے "ہاں! ہم راضی ہیں" آپ نے فرمایا "پھر میں سعد بن معاذؓ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ ان کے متعلق فیصلہ کرے"۔ مسجدِ نبوی میں رفیدہ نامی ایک صالحہ عورت ایک خیمہ میں رہتی تھی جو بغرضِ ثواب زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔ آپ نے سعدؓ کو اس کے خیمہ میں اترنے کا حکم دیا تاکہ آپ نزدیک سے ان کی بیمار پرسی کر سکیں۔ آپ نے سعدؓ کی طرف کچھ آدمی بھیجے تاکہ وہ ان کو لے آئیں اور وہ بنوقریظہ کے متعلق اپنا فیصلہ سنائیں۔ چنانچہ ان کو ایک گدھے پر سوار کر کے لایا گیا۔ ان کے لیے چمڑے کا ایک نرم گدا بچھایا گیا۔ ان کی قوم نے ان کو گھیر لیا اور سب کہنے لگے: "ابوعمرو! اپنے حلیفوں اور دوستوں کے بارہ میں اچھا فیصلہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اچھا برتاؤ کرنے کا تجھے اختیار دیا ہے۔" سعدؓ نے کہا "اللہ تعالیٰ نے سعد کے لیے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس کے بارہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ ہو۔" بعض لوگوں نے ہوا کا رخ دیکھ کر بنوعبدالاشہل کے محلہ میں جا کر بنوقریظہ کے مردوں کی موت کی خبر مشہور کر دی۔ جب سعدؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: "اے اہلِ اسلام! اٹھو اور اپنے سردار کو آرام سے اتارو" چنانچہ لوگ اٹھے اور کہا "اے سعدؓ! رسول اللہ ﷺ نے

آپکو اپنے حلیفوں کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے"۔ سعدؓ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا "کیا تم حلفیہ عہد کرتے ہو کہ ان کے بارہ میں میں جو بھی فیصلہ کروں گا اس کو تم تسلیم کر و گے" انہوں نے کہا "ہاں" پھر انہوں نے کہا "اُس طرف جو حضرات تشریف فرما ہیں، ان کو بھی میرا فیصلہ منظور ہوگا؟" انہوں نے اس طرف اشارہ کیا جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں! ہمیں بھی آپکا فیصلہ منظور ہے"۔ سعدؓ نے کہا "ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مرد قتل کر دیئے جائیں، بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے اور مال اور جائدادیں اہلِ اسلام میں تقسیم ہو جائیں"۔ آنحضرت ﷺ نے اس فیصلہ کی تصدیق فرمائی اور فرمایا "تم نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالٰے نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر کیا تھا"۔

بنو قریظہ کا قتل

پھر آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ان کو مدینہ منورہ کے بازار میں لایا گیا جہاں ان کیلئے خندقیں کھودی گئیں۔ چنانچہ ان خندقوں میں ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اس دن امّ المؤمنین حضرت صفیہؓ کے والد حیی بن اخطب بھی ان کے ساتھ قتل ہوئے۔ سب مقتولوں کی تعداد چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی۔ ان میں عورت صرف ایک تھی، اس نے خلادؓ بن سوید بن صامت کے سر پر چکی کا ایک پاٹ پھینک کر قتل کر دیا تھا۔ اس دن رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ جس بچے کے زیرِ ناف بال اُگ گئے ہیں، اس کو قتل کر دیا جائے اور جس کے زیرِ ناف بال نہیں اُگے، اس کو چھوڑ دیا جائے، قتل نہ کیا جائے۔ آپؐ نے زبیر بن باطا کی ساری اولاد مشہور صحابی ثابتؓ بن قیس بن شماس کو ہبہ کر دی تھی، انہوں نے ان کو قتل سے بچا لیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمان بن زبیر ہے جو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد شرفِ صحبت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپؐ نے رفاعہ بن سموال قرظی کو بنو نجار کی ایک عورت ام المنذر سلمٰیؓ بنت قیس کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ عورت قدیم الاسلام تھی۔ اور دونوں قبیلوں کی طرف اس نے نماز پڑھی تھی۔ رفاعہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ عطیہ قرظیؓ کے زیرِ ناف بال نہیں اُگے تھے، اس لیے انہیں قتل نہیں کیا گیا! ۔ ان کو بھی شرفِ صحبت حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے مال تقسیم کرتے وقت شہسوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا! اور قیدیوں میں سے ریحانہ بنت عمرو آپؐ کے حصہ میں آئیں اور تا زندگی آپؐ کے پاس رہیں۔

سعدؓ بن معاذ کا انتقال

جب بنو قریظہ کا معاملہ اختتام کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا قبول ہوئی اور اس زخم کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا جو اُن کو جنگِ خندق میں لگا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سعدؓ بن معاذ کو جنگِ خندق میں ایک تیر لگا جو ان کو قریش کے ایک آدمی حبان بن عرقہ نے اکحل رگ میں مارا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگوایا تھا تاکہ قریب سے ان کی بیمار پرسی کر سکیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خندق سے فارغ ہونے کے بعد ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اپنے سر سے غبار جھاڑا، اور کہنے لگے: "آپؐ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں، واللہ! ہم نے اپنے ہتھیار نہیں اتارے ہیں چلیے ابھی جنگ باقی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: کہاں؟ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا چنانچہ آپؐ ان کی طرف آئے وہ آپؐ کے فیصلہ پر اترے، جسے آپؐ نے سعد بن معاذؓ کی طرف منتقل کر دیا۔ حضرت سعدؓ نے کہا "ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگ کے قابل سب آدمی قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔"

ابنِ ہشام کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے حضرت عائشہؓ سے حدیث بیان کی کہ سعدؓ بن معاذ نے اس بیماری میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی "الٰہی! تو جانتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جن سے لڑنا مجھے زیادہ پسند ہو اس قوم سے جنہوں نے تیرے رسولؐ کی تکذیب کی اور اس کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ان کے اور ہمارے درمیان لڑائی ختم کر دی ہے۔ اگر قریش سے لڑائی ابھی باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ تاکہ میں تیری رضامندی حاصل کرنے کے لیے ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے ان کے ساتھ لڑائی ختم کر دی ہے تو میرے اس زخم کو جاری کر دے تاکہ میری موت اس سے واقع ہو جائے اور میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو جاؤں چنانچہ سینہ کی اوپر والی جانب گڑھے سے ان کا زخم پھوٹ پڑا اور خون بہہ نکلا۔ مسجد میں بنو غفار کا خیمہ تھا۔ جب انہوں نے خون آتا دیکھا تو کہنے لگے: اے اہلِ خیمہ! تمہارے خیمہ سے ہماری طرف کیا آ رہا ہے؟ جب ادھر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سعدؓ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے جس سے ان کا انتقال ہو گیا رضی اللہ عنہ۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سعدؓ بن معاذ کی موت پر

اللہ تعالیٰ کے عرش کو حرکت ہوئی۔" ترمذی نے انسؓ کی صحیح حدیث ذکر کی ہے کہ سعدؓ بن معاذ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقوں نے کہا "اس کا جنازہ کتنا ہلکا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس کے جنازہ کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔"

ابن سعد اور ابونعیم محمد بن منکدر کے واسطے سے محمد بن شرحبیل بن حسنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دفن کرتے وقت سعدؓ کی قبر سے ایک آدمی نے مٹھی بھر مٹی اٹھالی، پھر اس نے اس کو بعد میں دیکھا تو وہ مٹی کستوری میں تبدیل ہو چکی تھی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو دیر تک "سبحان اللہ! سبحان اللہ!" کہتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے چہرے پر تعجب کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا "الحمد للہ! - اگر کوئی شخص قبر کے بھینچنے سے نجات پا سکتا، تو سعدؓ ضرور اس سے نجات پاتے! ان کو قبر میں بھینچا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انکی قبر کو کھول دیا ہے۔"

ابن اسحاق، حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب سعدؓ کو دفن کیا گیا، تو آپؐ نے "سبحان اللہ" کہا۔ لوگوں نے بھی آپؐ کے بعد "سبحان اللہ" کہا۔ پھر آپؐ تکبیر کہنے لگے، تو لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تکبیر کہی۔ صحابہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ! آپؐ نے سبحان اللہ کیوں کہا تھا۔" آپؐ نے فرمایا "اس اللہ کے نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو کھول دیا ہے۔" ابن ہشام کہتے ہیں اس حدیث کی وہی وجہ ہے جو حضرت عائشہؓ نے بیان فرمائی ہے کہ "ایک دفعہ قبر میت کو ضرور دباتی ہے، اگر کوئی اس سے نجات پا سکتا تو سعدؓ بن معاذ اس سے ضرور نجات پاتے۔" سعدؓ کے مرثیے میں انصار کے کسی آدمی نے کہا ہے ؎

وما اهتز عرش الله من فقد هالك   سمعنا به الا لموت أبي عمرو

"ہم نے نہیں سنا کہ کسی کی موت پر اللہ کے عرش نے حرکت کی ہے، ہاں ابو عمروؓ کی موت پر ایسا ہوا ہے۔"

جنگِ خندق میں شہید ہونے والے صحابہؓ

جنگِ خندق اور جنگِ بنو قریظہ میں بنو عبد الاشہل کے تین آدمی شہید ہوئے۔ سعدؓ بن معاذ، انسؓ بن اوس اور عبداللہؓ بن سہل۔ ان کے علاوہ طفیلؓ بن نعمان، ثعلبہؓ بن غنمہ، کعبؓ بن زید اور خلادؓ بن سوید بھی شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ موخر الذکر کو ایک عورت نے چکی کا پاٹ سر پر پھینک کر قتل کیا تھا اور محاصرہ کے

دوران عکاشہؓ کے بھائی، ابو سنان بن محصن کا بھی انتقال ہوا۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ خندق اور بنو قریظہ کا واقعہ قرآن حکیم کی سورۃ الاحزاب میں بیان کیا ہے۔ پہلے اس مصیبت کا ذکر کیا جو مسلمانوں پر نازل ہوئی نیز منافقوں کی طعن آمیز اور مبنی بر نفاق باتوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اپنی نعمت کا بیان فرمایا کہ کس طرح اس نے اہلِ اسلام سے اس مصیبت کو دفع کیا اور سارے عرب کے متحدہ حملہ سے کس طرح ان کو بچایا۔ یہ واقعہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" سے شروع کیا اور "وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ" الآیتین[1] پر ختم کیا۔

سلام بن ابی الحقیق کے قتل کا واقعہ

یہ ابو رافع کے نام سے مشہور ہے جب قبیلہ اوس کے ہاتھوں کعب بن اشرف یہودی کے قتل سے فتح حاصل ہوئی تو قبیلہ خزرج نے بھی ایسے ہی کسی دشمنِ اسلام کو قتل کرنے سے ثوابِ دارین اور نیک نامی حاصل کرنا چاہی انہوں نے دیکھا کہ مشہور یہودی سلام بن ابی الحقیق رسول اللہ اور مسلمانوں کی دشمنی اور بدخواہی میں کعب بن اشرف سے کسی طرح کم نہیں، اس لیے انہوں نے اس کی نت نئی شرارتوں سے نجات پانے کے لیے آنحضرت ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ چنانچہ قبیلہ خزرج کے پانچ آدمی جو سارے کے سارے بنو سلمہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس مہم پر نکلے ان جانبازوں کے اسمارِ گرامی یہ ہیں: عبداللہؓ بن عتیک، عبداللہؓ بن انیس، ابو قتادہؓ بن ربعی، مسعودؓ بن سنان اور ان کے حلیف خزاعی بن اسود اسلمیؓ۔ آپؐ نے عبداللہؓ بن عتیک کو ان پر امیر بنایا اور ان کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ یہ لوگ مدینہ سے روانہ ہو کر رات کے وقت خیبر پہنچے، سلام اپنے رفقاء کے ساتھ ایک قلعہ نما محل میں رہتا تھا۔ اس واردات کے وقت وہ ایک بالاخانہ میں آرام کر رہا تھا۔ انہوں نے پہلے لوگوں کے دروازے باہر سے بند کر دیئے تاکہ وہ کسی طرح اس کی امداد کو نہ پہنچ سکیں پھر بالاخانہ پر چڑھے اور اس سے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی۔ اس کی بیوی بولی "تم کون ہو اور کیسے آئے ہو" انہوں نے کہا "ہم عربی ہیں اور کچھ غلہ خریدنا چاہتے ہیں" اس نے

---

[1] الاحزاب: ۹-۲۶

کہا "وہ اس کمرے میں ہے" اس سے مل تو چنانچہ وہ کمرے میں داخل ہوئے اور اندر سے اس کی کنڈی چڑھا دی۔ اس کی عورت یہ جان کر کہ یہ لوگ نیک ارادے سے نہیں آئے، چیخنے اور چلانے لگی پہلے تو انہوں نے اس کو قتل کرنا چاہا، مگر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اس کو کچھ نہیں کہا اور اپنی تلواریں سونت کر سلام پر پل پڑے وہ اس وقت ایک سفید بستر پر لیٹا ہوا تھا جو رات کے اندھیرے میں روئی کی طرح چمک رہا تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبائی اور اس کے جسم سے پار کر دی اللہ کا دشمن بولا "بس کافی ہے"۔ اس کے قتل سے فارغ ہونے کے بعد وہ نیچے اترے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عتیک کی نظر کمزور تھی، وہ اترتے وقت نیچے گر گئے جس سے ان کے پاؤں کو سخت چوٹ لگی اور وہ چلنے کے قابل نہ رہے۔ ان کے ساتھیوں نے اُن کو اٹھا لیا اور قلعہ سے باہر آ کر کسی کھڈ میں چھپ گئے۔ اہل قلعہ مشعلیں جلا کر ان کی تلاش کے لیے نکلے لیکن مایوس ہونے کے بعد واپس قلعہ میں چلے گئے۔ اب مسلمان آپس میں کہنے لگے کہ کس طرح پتہ چلے کہ اللہ کا دشمن قتل ہو گیا ہے؟ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی واپس گیا اور ان لوگوں میں گھس گیا جو وہاں جمع تھے۔ پھر واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: میں ان میں داخل ہو گیا اور وہاں کھڑا تھا میں نے سنا، اس کی بیوی کہہ رہی تھی "واللہ! میں نے عبداللہ بن عتیک کی آواز سنی ہے" میں نے کہا "اس دور افتادہ علاقہ میں عبداللہ بن عتیک کہاں آ گیا" پھر اس نے ابو رافع کے چہرے پر نظر ڈالی اور کہا: رب یہود کی قسم! اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر چکی ہے" وہ کہتا ہے "یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی" پھر اس نے واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اس کی موت کی اطلاع دی۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو واپس آ کر خبر دی اور ہر ایک نے کہا، میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "اپنی اپنی تلواریں لاؤ" وہ تلواریں لائے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا "عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس نے اس کو قتل کیا ہے کیونکہ اس کی تلوار میں کھانے کا نشان ہے۔"

غزوہ بنو لحیان

آنحضرت ﷺ بنو قریظہ کی فتح کے بعد ذوالحجہ کے باقی دن، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر مدینہ منورہ ہی میں رہے اور فتح قریظہ کے بعد چھٹے مہینے جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں ابن حزم نے کہا ہے کہ مورخین نے سنہ ۶ھ ہی ذکر کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سنہ ۵ھ تھا آپ دومۃ الجندل سے واپسی کے بعد عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت، خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور مقام رجیع میں شہید ہونے والے دوسرے صحابہ کا انتقام لینے

کے لیے بنو لحیان کی طرف چلے اور ظاہر یہ کیا کہ آپؐ شام کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مدینہ منورہ پر ابن ام مکتومؓ کو نائب مقرر کیا اور خود بڑی تیزی کے ساتھ بنو لحیان کی طرف چلے۔ بطن غران میں پہنچے' جو امج اور عسفان کے درمیان ایک میدان ہے اور یہیں بنو لحیان کی بستیاں ہیں' جہاں بئر معونہ کے مقام پر صحابہؓ کو شہید کیا گیا' تو آپؐ نے ان کے حق میں دعاء رحمت کی' اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ بنو لحیان کو پتہ چلا تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں روپوش ہو گئے' ان میں سے کوئی آدمی آپؐ کے ہاتھ نہ آیا اور غفلت کی حالت میں ان پر چھاپہ مارنے کا مقصد فوت ہو گیا۔ آپؐ کے رفقاء نے کہا' اگر ہم عسفان تک چلیں' تو اہل مکہ پر خوف اور رعب طاری ہو گا' اور وہ سمجھیں گے کہ ہم ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ آپؐ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور دو سو صحابہؓ کی معیت میں عسفان میں جا ڈیرہ ڈالا۔ وہاں سے آپؐ نے دو آدمی پیدل اور دو شہسوار دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجے' جو کراع غمیم تک پہنچ کر واپس آ گئے۔ پھر آپؐ نے بھی مدینہ شریف کی طرف مراجعت فرمائی اور کسی جگہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں' جب آپؐ واپس چلے' تو آپؐ نے فرمایا: "آئبون' تائبون' ان شاء اللہ لربنا حامدون"۔ "ہم لوٹ رہے ہیں' توبہ کرتے ہیں اور ان شاء اللہ اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں"۔

سریہ محمدؓ بن مسلمہ

مواہب میں لکھا ہے کہ بنو بکر بن کلاب کا ایک قبیلہ ضریہ کی جانب' جو مدینہ سے سات دن کی مسافت پر واقع ہے' مقام بکرات میں آباد تھا' آنحضرت ﷺ نے ۱۰ محرم کو محمدؓ بن مسلمہ کو ۳۰ سوار دے کر ان کی طرف بھیجا' جب انہوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ جان بچا کر بھاگ گئے۔ محمدؓ بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا' اور محرم کی ۲۹ تاریخ کو مدینہ منورہ واپس آ گئے اور ثمامہ بن اثال کو بھی قید کر کے لے آئے' آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا' جو بنو حنیفہ کے ایک آدمی مسمیٰ ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: "ثمامہ! کیا خیال ہے"؟ وہ بولا "اے محمدؐ! میرا اچھا ہی خیال ہے۔ اگر مجھے قتل کر دو گے' تو ایک مستحق شخص کو قتل کرو گے۔ اگر احسان کر کے چھوڑ دو گے' تو ایک قدر دان اور شکر گزار کو چھوڑ دو گے۔

اور اگر مال چاہتے ہو تو جو مانگو مل جائے گا۔“ آپؐ اسے اسی طرح بندھا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آئے اور پوچھا: ”ثمامہ کیا خیال ہے؟“ اس نے کہا ”وہی خیال ہے جو میں نے کل عرض کیا تھا۔ اگر احسان کرو گے تو ایک قدردان اور شکر گزار پر احسان کرو گے۔“ آپؐ پھر اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے تیسرے دن آکر پھر اس سے پوچھا ”ثمامہ! کیا خیال ہے؟“ اس نے کہا ”میرا وہی خیال ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں“ آپؐ نے فرمایا ”ثمامہ کو چھوڑ دو۔“ رہا ہونے کے بعد وہ ایک قریبی باغ میں گیا اور وہاں غسل کیا پھر مسجد میں آکر اعلان کیا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔“ ”اے محمدؐ! اللہ کی قسم! زمین کے چہرے پر میرے نزدیک آپؐ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چہرہ مبغوض نہیں تھا اب یہ آپؐ کا چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپؐ کے دین سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دین مبغوض نہیں تھا اب آپؐ کا دین مجھے سب ادیان سے زیادہ محبوب ہے۔ نیز میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے نزدیک آپؐ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر مبغوض نہیں تھا لیکن اب یہ شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ میں عمرہ کرنے کے لیے مکہ جا رہا تھا کہ آپؐ کے شاہسوار مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں اب اس کے متعلق آپکا کیا مشورہ ہے؟“ اس کے جواب میں آپؐ نے اس کو بشارت دی اور اس کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

ثمامہ مکہ معظمہ پہنچا تو کسی نے اس سے کہا ”تو بے دین ہو گیا ہے؟“ بولا ”نہیں میں تو محمد رسول اللہ پر ایمان لایا ہوں اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔“ مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے ”ہدی“ میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ اہلِ مکہ کے لیے غلہ حاصل کرنے کا علاقہ یمامہ کا علاقہ تھا چنانچہ اس نے وطن آنے کے بعد سرحد بند کر دی اور مکہ کی طرف غلہ کی باربرداری روک دی۔ یہاں تک کہ قریش غلہ کی سپلائی رکنے کی وجہ سے بہت تنگ آ گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رشتہ داری کا واسطہ دے کر لکھا کہ ”آپؐ ثمامہ کی طرف ان کے لیے غلہ بھیجنے کا فرمان جاری کریں“ چنانچہ آپؐ نے ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ ”وہ اہلِ مکہ کے لیے غلہ کی ترسیل جاری کر دے۔“

غزوۃ الغابہ

یہ غزوہ، غزوۂ ذی قَرَد کے نام سے مشہور ہے۔ "قَرَد" قاف اور را کی فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر پانی کے ایک تالاب کا نام ہے۔ یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے ماہ ربیع الاول ۶ھ میں ہوا تھا۔ صحیحین میں ہے کہ یہ غزوہ جنگِ خیبر سے تین دن پہلے ہوا۔ قرطبی کہتے ہیں "اہلِ سیر اس پر متفق ہیں کہ غزوہ ذی قرد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا مگر حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے "جو صحیح میں آیا ہے وہ اہلِ سیر کے قول سے زیادہ صحیح ہے۔"

اس کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دُودھ دینے والی بیس اونٹنیاں جن کے حال ہی میں بچے پیدا ہوئے تھے، غابہ (جنگل) میں چرنے کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ ان پر عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس شہسواروں کے ہمراہ بدھ کی رات حملہ کیا، چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں: اونٹنیوں کے ساتھ بنو غفار کا ایک آدمی اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ ڈاکوؤں نے آدمی کو قتل کر ڈالا اور عورت کو قیدی بنا کر لے گئے۔ مدینہ منورہ میں منادی ہوئی "یَا خَیْلَ اللہِ ارْکَبِیْ" "اے اللہ تعالیٰ کی شہسوار فوج سوار ہو جا!" کہتے ہیں، ان الفاظ کے ساتھ یہ پہلی منادی ہے۔ سب سے پہلے سلمہؓ بن عمرو بن اکوع سلمی نے، جو غابہ کی طرف جا رہے تھے، ڈاکوؤں کو دیکھا۔ جب "ثنیۃ الوداع" پر چڑھے تو انہوں نے کفار کے گھوڑ سواروں کو دیکھا۔ اُونچی آواز سے چیخ کر مسلمانوں کو خبر دی اور خود ان کے پیچھے دوڑے۔ اس روز انہوں نے بڑی شجاعت اور بہادری کا کردار ادا کیا، اُن کو تیر مار مار کر سب اونٹنیاں ان سے چھڑا لیں۔ جب مدینہ منورہ میں یہ چیخ پہنچی، تو سب سے پہلا شہسوار مقدادؓ بن عمرو، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے بعد عباد بن بشر اشہلی، اسید بن حضیر، بنو حارثہ کے شہسوار، عکاشہ بن محصن، محرز بن نضلہ اخرم اسدی، ابوقتادہ حارث بن ربعی اور ابوعیاش عبید بن زید بن صامت ازرقی رضی اللہ عنہم آئے۔ جب چوروں کا تعاقب کرنے والے یہ سب سوار جمع ہوئے، تو آپؐ نے سعید بن زید اشہلیؓ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعیاشؓ سے گھوڑا لے کر معاذؓ بن ماعص یا عائذؓ بن ماعص کو دے دیا، کیونکہ شاہسواری میں یہ ان سے زیادہ ماہر تھے۔ ان شہسواروں میں سے سب سے پہلے اخرم اسدیؓ چوروں کو ملے اور ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ابوقتادہؓ نے مل کر اخرمؓ کے قاتل کو جہنم رسید کیا۔ پھر مشرک شکست کھا کر بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ ذی قرد

پر پہنچے اور چوروں سے چھڑائی ہوئی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی ذبح کی۔ آپؐ وہاں ایک دن رات قیام کرنے کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ غفاری کی بیوی بھی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار ہو کر آگئی۔ مدینہ میں بخیر و عافیت پہنچ گئی تو اس نے اونٹنی ذبح کرنا چاہی کیونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ صحیح سلامت گھر پہنچ گئی تو اس اونٹنی کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بتایا کہ معصیت کے کام میں نذر ماننی صحیح نہیں اور نہ اس چیز میں نذر درست ہے جس کا انسان مالک نہیں اس لیے آپؐ نے اس سے اپنی اونٹنی لے لی۔

سریّہ زیدؓ بن حارثہ

جب آپؐ کو پتہ چلا کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے واپس آرہا ہے تو آپؐ نے ماہ جمادی الاوّل ۶ھ، اس کو لوٹنے کے لیے زیدؓ بن حارثہ کو ستر سوار دے کر "عیص" مقام پر بھیجا جو مدینہ منورہ سے چار دن کی مسافت پر واقع ہے۔ زیدؓ نے اس قافلہ اور اس کے سارے سامان پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی ان کے ہاتھ آئی، نیز بہت سے آدمی بھی گرفتار ہوئے۔ ان میں ابوالعاص بن ربیع آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے۔ زیدؓ ان سب کو مدینہ منورہ لے آئے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابوالعاص بن ربیع آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کے خاوند تجارت کر کے شام سے واپس آرہے تھے۔ یہ آدمی امانت دار تھے اس لیے بہت سے قریشیوں کا مال ان کی تحویل میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں نے چھاپہ مار کر ان کے قافلہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ بھاگ کر قید ہونے سے بچ گئے۔ زیدؓ لوٹ کا مال لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے وہ سارا مال ان میں تقسیم کر دیا۔ ابوالعاص مدینہ میں آپؐ کی صاحبزادی زینبؓ کے پاس آگئے اور اپنا اور لوگوں کا مال واپس لینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سریّہ میں شریک سب کو بلایا اور فرمایا "اس آدمی کے ساتھ ہمارے تعلقات کو تم جانتے ہو کہ یہ ہمارا خاص عزیز ہے، تم نے اس کا اور دوسرے لوگوں کا مال اپنے قبضہ میں کر لیا ہے یہ غنیمت کا مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اگر تم مناسب سمجھو تو اس کو واپس کر دو اور اگر تم نہ دینا چاہو تو تمہارا حق ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا "یا رسول اللہ! ہم ان کو ان کا مال واپس دیتے ہیں" واللہ! جو کچھ انہوں نے ان سے چھینا تھا سب واپس کر دیا کوئی آدمی

کوئی چیز لا رہا ہے، کوئی ڈولچی لا رہا ہے اور کوئی رسی لا رہا ہے غرض تھوڑی بہت جو چیز انہوں نے لی تھی سب ان کو واپس کر دی۔ چنانچہ وہ سارا مال لے کر مکہ معظمہ آئے، جن لوگوں کا مال ان کے پاس تھا، سب کو واپس کر دیا۔ فارغ ہونے کے بعد کہنے لگے "اے گروہ قریش! تم میں سے کسی کا مال میری طرف باقی رہ گیا ہے جو میں نے ادا نہیں کیا؟" سب نے کہا "نہیں! اللہ تعالے تمہیں جزائے خیر سے نوازے ہم نے تمہیں شریف اور وفادار پایا ہے" انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! تمہارے پاس آنے سے پہلے میرے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں یہ چیز مانع تھی کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تم سمجھو گے کہ تمہارے مال ہضم کرنے کے لیے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب گواہ رہو میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالے کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں" ایک دوسری روایت کے مطابق موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ "ابو العاصؓ کو صلح حدیبیہ کے بعد ابو بصیرؓ نے قید کیا تھا انہوں نے ان کو اور قریش کے دوسرے لوگوں کو مال واسباب سمیت گرفتار کیا تھا مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے داماد ابو العاصؓ کے احترام کی وجہ سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا تھا ابو العاصؓ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے تھے، اس لیے انہوں نے ان کو آزاد کر دیا یہ سیدھا مدینہ منورہ آئے اور اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے اپنے ساتھیوں اور ان کے مال واسباب کے متعلق گفتگو کی جن کو ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ نے قیدی بنا لیا تھا۔ زینبؓ نے اپنے والد آنحضرت ﷺ سے اس سلسلہ میں سفارش کی۔ کہتے ہیں اس وقت رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر حاضرین سے خطاب فرمایا کہ "تم جانتے ہو، یہ شخص ابو العاص بن ربیع ہمارا داماد ہے اس کو ہم نے اپنا بڑا اچھا داماد اور وفادار پایا ہے یہ اپنے قریشی ساتھیوں کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا کہ ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان کا سارا مال واسباب چھین لیا ہے انہوں نے کسی آدمی کو قتل نہیں کیا۔ میری بیٹی زینبؓ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ان کو پناہ دوں، کیا تم سب کو ابو العاصؓ اور اس کے ساتھیوں کی پناہ منظور ہے؟" ان سب نے کہا "ہاں منظور ہے"۔

جب ابو جندلؓ اور اُن کے ساتھیوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے ان سب قیدیوں کو رہا کر دیا اور جو سامان ان سے چھینا تھا ان کو واپس دے دیا حتیٰ کہ ایک رسی تک اپنے پاس نہیں رکھی۔ آپؐ نے ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کی طرف خط لکھا کہ وہ مدینہ منورہ آ جائیں اور اپنے پاس رہنے والے مسلمانوں کو کہیں کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور آئندہ قریش اور ان کے آنے جانے والے قافلوں سے

تعرض نہ کریں۔ رسُول اللہ ﷺ کا یہ مکتوب گرامی ابوبصیرؓ کو اس وقت ملا جب وہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہے تھے جب وہ فوت ہوئے تو مکتوب ان کے سینہ پر تھا۔ ابوجندلؓ نے اُن کو دفن کیا اور خود آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ منورہ آگئے۔ اس کے بعد قریش کے قافلوں کو امن نصیب ہوا اور آگے انہوں نے باقی واقعہ ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے "ہدیٰ" میں لکھا ہے کہ ابوالعاصؓ کے متعلق موسیٰ بن عقبہؓ کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ابوالعاصؓ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے اور زینبؓ اس سے پہلے ابوالعاصؓ کو شرک کی حالت میں چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر آئی تھیں۔ رسُول اللہ ﷺ نے ان کو پہلے نکاح کے ساتھ ابوالعاصؓ کے پاس بھیج دیا تھا ایک قول کے مطابق دو سال اور دوسرے قول کے مطابق چھ سال بعد زینبؓ ابوالعاصؓ کے گھر گئیں۔ اور کہتے ہیں یہ واپسی عدت گزرنے سے پہلے ہوئی تھی لیکن عمرو بن شعیب کی حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے ۶ھ میں نیا نکاح کر کے ان کو ابوالعاصؓ کے ہاں بھیجا تھا۔

سریہ کرز بن جابر فہری

واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کے قول کے مطابق شوال ۶ھ میں عرینہ کے لوگوں سے جنگ پیش آئی جنہوں نے رسُول اللہ ﷺ کے غلام کو قتل کر دیا اور اُونٹ ہانک کر لے گئے تھے۔ بخاری شریف میں ذکر ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے بعد ماہ ذلقعد میں پیش آیا تھا عُرینہ بجلیہ کا ایک ذیلی قبیلہ ہے!

بخاری شریف میں آیا ہے کہ یہ لوگ عکل اور عرینہ دونوں قبیلوں میں سے تھے صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "یا رسُولؐ اللہ! ہم لوگ جنگل میں جانور پالنے اور دُودھ پینے کے عادی ہیں، کھیتی باڑی کرنے اور ساگ پات کھانے والے نہیں ہیں اس لیے مدینہ کی آب و ہوا ہمیں راس نہیں آئی اور ہم بیمار پڑ گئے ہیں۔ آپؐ نے ان کو اونٹوں میں جانے اور ان کے دُودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا چنانچہ وہ وہاں گئے اور تندرست ہونے کے بعد مرتد ہو گئے، آپؐ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اُونٹ ہانک کر لے گئے" مسلم کے لفظ یہ ہیں کہ "انہوں نے چرواہے کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں" اور بخاری میں ہے کہ "وہ اونٹوں میں جانے سے پہلے اصحابِ صفہؓ کے ساتھ رہتے تھے" اور بخاری میں یہ بھی ہے کہ "آپؐ نے سلائیاں گرم کرنے کا حکم دیا اور وہ ان کی آنکھوں میں پھیریں"

اور کچھ الفاظ اس طرح ہیں کہ "آپ نے ان کے تعاقب میں فوج بھیجی اور جب وہ ان کو پکڑ کر لائے تو انہوں نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں۔ اور ان کے ہاتھ کاٹ کر ان کو حرہ میدان کی ایک طرف پھینک دیا جہاں انہوں نے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں۔" انسؓ نے کہا ہے کہ "آپ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں اس لیے پھیریں کہ انہوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔" (رواہ مسلم)

ابوزبیر، جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الٰہی! ان پر راستہ مخفی کر دے اور ان کو ان پر سے بھی تنگ بنا دے۔" لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر راستہ مخفی کر دیا اور وہ راستے میں ہی پکڑے گئے اور پورا واقعہ بیان کیا! اور بخاری میں ہے "ابوقلابہ نے کہا "ان لوگوں نے قتل اور چوری کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ لڑی" اور ترمذی میں ابن سیرین سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے حدود اترنے سے پہلے ان کو یہ سزا دی تھی"

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اونٹوں کا پیشاب پینا جائز ہے اور دوسرے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور جب لڑائی کرنے والا مال بھی چھین لے اور قتل بھی کر ڈالے، تو دونوں چیزوں کا ارتکاب کرنیوالے ایسے شخص کے مخالف جانب سے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹ دیئے جائیں اور قصوروار جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دی جائے، اسی لیے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں کہ انہوں نے چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ واقعہ محکم ہے منسوخ نہیں گو یہ نزولِ حدود سے پہلے کا ہے کیونکہ حدود نے اس کو باقی رکھا ہے، باطل نہیں کیا۔

ساحلِ سمندر کا غزوہ یا غزوہ سیف البحر

امام بخاریؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ساحلِ سمندر کی طرف ایک لشکر بھیجا جو تین سو مجاہدین پر مشتمل تھا، ان پر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو امیر مقرر کیا۔ اس مہم کا مقصد قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنا تھا۔ جابرؓ کہتے ہیں: جب ہم نے کچھ فاصلہ طے کیا تو ہمارا راشن ختم ہو گیا۔ ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ سب لوگ اپنا اپنا بچا ہوا زادِ راہ لے آئیں۔ سب نے اپنا اپنا بچا ہوا زادِ راہ جمع کیا اور یہ کھجوریں تھیں۔

لہ "اصل میں خالی جگہ ہے"

جس سے صرف دو مشکیزے بھرے جا سکے۔ حضرت ابو عبیدہؓ ہم کو اس سے ہر روز تھوڑی تھوڑی کھجوریں دیتے تھے جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو روزانہ فی کس ایک ایک کھجور تک نوبت پہنچی۔ میں نے کہا ایک کھجور سے آپ کا کیا بنتا ہو گا؟ انہوں نے کہا: جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو ہمیں محسوس ہوا کہ یہ بھی غنیمت تھیں۔" ایک روایت میں ہے کہ: ہم ساحلِ سمندر پر ۱۵ دن رہے اور ہمیں سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ ہم نے درختوں کے پتے کھائے اس لیے اس لشکر کا نام "جیش الخبط" (درخت کے پتے جھاڑ کر کھانے والا لشکر) پڑ گیا۔ پھر اللہ تعالٰے نے ہماری مدد فرمائی اور سمندر نے ایک بہت بڑا جانور جس کو "عنبر" کہتے ہیں ہمارے لیے کنارہ پر پھینک دیا ہم نے اس کو نصف مہینہ تک کھایا اور اس کی چربی سے تیل کا کام لیا اس سے ہمارے جسم خوب فربہ اور موٹے ہو گئے۔ واپس آتے وقت ابو عبیدہؓ نے اس کی ایک پسلی کھڑی کی اور لشکر میں سب سے لمبے آدمی کو اونٹنی پر بٹھا کر اس کے نیچے سے گزارا جو اس کو چھوئے بغیر اس کے نیچے سے گزر گیا۔

جابرؓ فرماتے ہیں" بھوک سے تنگ آ کر ایک دن ایک آدمی نے تین اُونٹ ذبح کیے پھر تین اُونٹ ذبح کیے اس کے بعد پھر تین اونٹ ذبح کیے پھر ابو عبیدہؓ نے اس کو اُونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا ایک روایت میں ہے کہ یہ آدمی قیس بن سعد تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ آ کر آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا "یہ اللہ تعالٰے نے تمہارے لیے سمندر سے رزق نکالا ہے اسے کھاؤ اور اگر تمہارے پاس کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ" اس پر بعض آدمی اس کا ایک ٹکڑا لائے جس کو آپؐ نے تناول فرمایا۔ جیسا کہ ابنِ سعد اور صاحبِ "ہدیٰ" نے کہا ہے اس غزوہ کا صحیح وقت صلح حدیبیہ سے قبل ۶ھ ہے۔

غزوہ حدیبیہ

"حدیبیہ" یا کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے در اصل یہ ایک کنواں ہے جس کے نام پر سارا علاقہ حدیبیہ کہلاتا ہے۔ نافع کہتے ہیں" یہ غزوہ ذوالقعدہ ۶ھ میں ہوا" اور یہی صحیح ہے زہری، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔

کہتے ہیں" رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی طرف آنے سے پہلے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے ہیں۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کی چابیاں لے لی ہیں، سب نے بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر بعض نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا ہے آپؐ نے صحابہؓ

کو یہ خواب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ وہ اس سال ہی مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ میں عمرہ کرنے کا اعلان کیا اور سفر کی زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں آپؐ نے گرد و نواح میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ آپؐ کا لڑائی کا ارادہ تو نہیں تھا مگر کفارِ قریش کی طرف سے اندیشہ ضرور تھا کہ وہ آپؐ سے لڑیں گے یا آپؐ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے بہت سے دیہاتی شامل ہوئے اور اکثر پیچھے رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کپڑے دھلوائے اور اپنی قصواء اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ مدینہ منورہ پر عبداللہ بن ام مکتومؓ کو نائب مقرر کیا اور آپؐ بروز پیر ذوالقعدہ ۶ھ کے شروع میں چودہ سو صحابہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی تعداد پندرہ سو تھی۔ اس سفر میں آپؐ کی بیوی ام سلمہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں آپؐ اپنے ہمراہ مسافر کے ہتھیار یعنی میان میں بند تلوار کے علاوہ کسی قسم کے ہتھیار نہیں لائے تھے۔

صحیح بخاری میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت ہے کہ آپؐ حدیبیہ کے سال، دس سو سے کچھ زیادہ صحابہؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے نکلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانیوں کے گلے میں قلادے ڈالے، اونٹوں کو اشعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا، آپؐ نے دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بنو خزاعہ میں سے ایک جاسوس بھیجا جب آپؐ ''غدیر اشطاط'' میں پہنچے تو آپؐ کے جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ قریش نے اپنی فوجیں جمع کر لی ہیں، اور اپنی امداد کے لیے مختلف قبائل سے بھی امدادی جتھے اکٹھے کر لیے ہیں وہ آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لوگو! مجھے مشورہ دو اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں، تو میں چکر کاٹ کر ان لوگوں کے بال بچوں پر حملہ کرتا ہوں، جو ہمیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں اگر وہ آ گئے، تو ہمارا کام مکمل ہونے تک ان کے جاسوس ان کو اطلاع نہیں دے سکیں گے۔ اور اگر نہ آئے تو ہم ان کے گھر بار لوٹ کر واپس ہو جائیں گے'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ! آپؐ گھر سے بیت اللہ کی نیت سے نکلے ہیں، کسی سے لڑنے اور قتل کرنے کے لیے نہیں آئے اس لیے جس کام کے لیے آئے ہیں، وہی کریں۔ اگر کوئی ہمیں روکے گا تو ہم اس سے لڑیں گے'' آپؐ نے فرمایا ''درست ہے پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلو'' جب آپؐ نے کچھ فاصلہ طے کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''خالد بن ولید قریش کے لیے جاسوسی کی نیت سے شہسواروں کی ایک جماعت لے کر کراع غمیم میں آیا ہوا ہے تم راستہ بدل کر دائیں طرف چلو'' واللہ! خالد کو آپؐ اور آپ کے ساتھیوں کا پتہ نہیں چلا پھر جب

اس نے غبار اڑتا دیکھا تو بھاگ کر قریش کو اطلاع دینے کے لیے واپس چلا گیا۔ آپؐ بدستور چلتے رہے جب اس گھاٹی پر پہنچے جس سے اتر کر مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو ناگہانی طور پر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے "حل حل" کہہ کر اس کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا اونٹنی تھک کر چور ہو گئی ہے اس لیے اٹھنے سے عاجز ہے۔ آپؐ نے فرمایا "نہ اونٹنی تھکی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے، لیکن ہاتھی کو روکنے والے نے اس کو روک دیا ہے" پھر آپؐ نے فرمایا "میں اس کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا احترام ملحوظ رکھیں تو جو بات وہ مجھ سے منوائیں گے میں مان لوں گا" اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ کود کر کھڑی ہو گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ آپؐ نے راستہ سے ہٹ کر حدیبیہ کے آخری حصہ میں ایک تھوڑے پانی والے کنوئیں پر ڈیرہ ڈال دیا جس سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی نکالتے تھے اس لیے انہوں نے جلدی ہی پانی نکال کر اس کو خشک کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پیاس کی شکایت کی آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ان کو حکم دیا کہ اس کنوئیں میں گاڑ دیں تو اللہ! پھر وہ کنواں واپس جانے تک ان کے لیے وافر پانی مہیا کرتا رہا، اور کسی وقت پانی کی کمی کی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

بدیل بن ورقاء خزاعی کی آمد

رسول اللہ ﷺ اسی طرح حدیبیہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا یہ لوگ اہل تہامہ میں سے آنحضرت ﷺ کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ بدیل نے کہا: "میں کعب بن لوی اور عامر بن لوی (قریش کے قبائل) کو حدیبیہ کے زیادہ پانی والے کنوؤں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے چھوڑ کر آ رہا ہوں، دودھ حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بچہ دار اونٹنیاں ہیں وہ آپؐ سے جنگ کریں گے اور بیت اللہ میں جانے سے آپؐ کو روکیں گے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے، بلکہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا ہے اور کافی نقصان پہنچایا ہے، اگر وہ چاہیں تو میں کچھ عرصہ کے لیے ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں، وہ مجھے دوسرے لوگوں سے نپٹنے دیں، اگر میں غالب آ گیا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں لوگ داخل ہوں، اور اگر اس میں داخل نہ ہوں، تو کچھ مدت تک جنگ سے

راحت پالیں گے۔ اگر وہ کوئی بات نہ مانیں، اور جنگ پر ہی اصرار کریں تو اس رَب کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں بھی ان سے اس وقت تک لڑوں گا، جب تک میری گردن بدن سے جُدا نہیں ہوتی، یا اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔"

آپؐ کی یہ تقریر سُن کر بدیل نے کہا: "میں آپؐ کی یہ باتیں ان کو پہنچا دوں گا۔" پھر وہ وہاں سے چل کر قریش کے پاس آیا اور کہا: "ہم اس آدمی کے پاس سے آ رہے ہیں، اور ہم نے اس سے کچھ باتیں سُنی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ہم تمہیں وہ باتیں سناتے ہیں۔" ان میں سے جوشیلے اور بیوقوف لوگ کہنے لگے "نہ ہمیں اس کی حاجت ہے، اور نہ ہم سُننا چاہتے ہیں" مگر سمجھدار لوگ کہنے لگے "بتاؤ وہ کیا کہتا ہے؟" وہ بولا "میں نے اس کو ایسا ایسا کہتے سُنا ہے" اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا وہ سب کچھ اس نے ان سے کہہ سُنایا۔ یہ سُن کر عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا "اے قوم! کیا تم باپ نہیں ہو؟" وہ بولے "کیوں نہیں" پھر بولا "کیا میں بیٹا نہیں ہوں؟" انہوں نے کہا "کیوں نہیں"[1] اس نے کہا "میرے اخلاص میں تمہیں کوئی شک ہے؟" بولے "نہیں"! اس نے کہا: "کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میں نے اہلِ عکاظ کو تمہاری مدد کے لیے دعوت دی، اور جب انہوں نے لیت و لعل سے کام لیا، تو میں خود اپنے بیٹوں اور اپنے پیچھے لگنے والوں کو لے کر حاضر ہو گیا ہوں؟" بولے: "کیوں نہیں، ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے کہا: "پھر اس نے تمہارے سامنے سمجھ کی بات پیش کی ہے، اس کو قبول کر لو مگر پہلے مجھے اس کے پاس جانے دو۔" چنانچہ وہ آیا اور آنحضرت ﷺ سے بات کرنے لگا، آپؐ نے اس سے بھی وہی باتیں کہیں، جو بدیل سے کہی تھیں۔ یہ سُن کر عروہ کہنے لگا: "محمدؐ! اگر آپؐ اپنی قوم کی بیخ کنی کریں گے، تو کیا آپ نے پہلے کسی کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنے ہی خاندان اور اپنے ہی کنبہ کو ہلاک کیا ہو؟ اور اگر خدانخواستہ دوسری بات ہوئی (جو نظر آ رہی ہے) کیونکہ ایک طرف میں بات کے پکے اور ذمّہ دار سردار دیکھ رہا ہوں۔ اور دوسری طرف آپ کے ساتھ قبیلے قبیلے کے مخلوط اور بیگار کے لوگ ہیں، جو مشکل پڑنے پر آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔"[2] اس کی یہ بات سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا۔ وہ بولے: "اپنی دیوی لات کی شرمگاہ چوس! —— کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر

---

[1] قریش عروہ کے ننھال ہیں، کیونکہ یہ سبیعہ بنت عبد الشمس کا بیٹا ہے، اس لیے ان کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہا۔ (۲ اگلے صفحے پر)

بھاگ جائیں گے"۔ عروہ نے پوچھا "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا "یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں"۔ عروہ بولا: "اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمہارے احسان کا جو تم نے مجھ پر کیا ہے بدلہ اتار چکا ہوتا تو تمہیں اس کا جواب دیتا"۔ راوی کہتے ہیں "وہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنے لگا۔ مگر جب آپؐ سے بات کرتا، اپنے ہاتھ سے آپؐ کی داڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہؓ خود پہنے اور ہاتھ میں تلوار لیے آپؐ کے سر پر کھڑے تھے۔ جب عروہ آپؐ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو مغیرہؓ تلوار کی نوک اس کے ہاتھ پر مار کر کہتے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے اپنا ہاتھ پیچھے رکھ"۔ عروہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ مغیرہؓ بن شعبہ ہیں"۔ بولا: "اے غدار! کیا میں ابھی تک تیری غداری کے سلسلہ میں کوشش نہیں کر رہا؟ اور تیرے گناہ کی سزا نہیں بھگت رہا؟" واقعہ یہ ہے کہ مغیرہؓ بن شعبہ اسلام لانے سے پہلے ایک قوم کے ساتھ تجارت کرنے گئے، پھر موقعہ پاکر ان کو قتل کر دیا۔ ان کا مال واسباب لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تیرا اسلام تو قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے مجھے کوئی سروکار نہیں"۔

پھر عروہ نے آنکھیں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو دیکھنا شروع کیا اور جو کچھ دیکھا اس کو اسی کے الفاظ میں سنیے! کہتا ہے "اللہ کی قسم! میں نے دیکھا ہے، محمدؐ جب تھوکتے تو ان کا تھوک کسی صحابیؓ کے ہاتھ میں گرتا، جسے وہ اپنے منہ اور جلد پر مل لیتا۔ جب وہ حکم دیتے تو اس کی تعمیل کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے۔ جب آپؐ وضو کرتے، تو باقیماندہ پانی حاصل کرنے کے لیے جیسے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جب آپؐ کلام کرتے، تو سب اپنی آوازیں بند کر لیتے اور آپؐ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر آپؐ کی طرف تیز آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے"۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آیا اور کہنے لگا: "اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بحیثیتِ وفد بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں۔ میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں، لیکن واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں، جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، محمدؐ جب تھوکتے ہیں، تو ان کا تھوک ان میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں گرتا ہے، جسے وہ اپنے چہرے اور اپنے بدن پر مل لیتا ہے"۔

ے۲ عروہ نے یہ اس لیے کہا کہ اس نے دیکھا کہ رسول اللہؐ کے اصحابؓ مختلف قبائل اور مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں، اور دوسرے لشکر میں قریش کے سردار اور قول و قرار کے پکے لوگ ہیں۔

جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں، تو وہ اس کی تعمیل میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں، تو باقی پانی پر لڑ مرتے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں، تو سب خاموشی سے سنتے ہیں۔ کوئی اونچی آواز نہیں نکالتا، اور ان کی تعظیم کے پیش نظر ان کی طرف گھور کر نہیں دیکھتے۔ انہوں نے تمہارے سامنے ایک سمجھ اور عقل کی بات رکھی ہے، اس کو قبول کر لو۔"

اس کے بعد بنو کنانہ کا ایک آدمی بولا: "مجھے بھی اس سے مل لینے دو۔" انہوں نے کہا: "جاؤ تم بھی مل لو۔" جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اس کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: "یہ فلاں آدمی ہے اور اس قوم سے تعلق رکھتا ہے، جو قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتی ہے اس لیے قربانی کے جانوروں کو اٹھا دو چنانچہ اٹھا دیئے گئے، اور لوگوں نے اس کا لبیک لبیک پکارتے ہوئے استقبال کیا وہ یہ سب کچھ دیکھ کر بولا "سبحان اللہ! ان لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکنا چاہیے" پھر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو کہنے لگا: "میں نے اپنی آنکھوں سے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ہے۔ ان کی گردنوں میں قلادے ڈالے ہوتے ہیں اور ان کی کوہانوں میں اشعار کیا ہوا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کو بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔" پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا جس کا نام مکرز بن حفص تھا وہ بولا: "مجھے بھی اس کے پاس ہو آنے دو۔" وہ بولے "جاؤ تم بھی اس کے پاس ہو آؤ۔" جب آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے اس کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: "یہ مکرز ہے، اور یہ غنڈہ قسم کا آدمی ہے" یہ بھی نبی ﷺ سے باتیں کرنے لگا۔ جب یہ باتوں میں مصروف تھا تو سہیل بن عمرو بھی آ گیا۔ معمر، عکرمہ سے بواسطہ ایوب روایت کرتے ہیں، جب سہیل آیا تو آپؐ نے فرمایا: "اب تمہارے معاملہ میں کسی قدر آسانی ہو جائے گی" اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ قریش نے سہیل کو بلا کر کہا: "جاؤ اس آدمی سے صلح کر آؤ" جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو آتے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: "قریش نے اس کو بھیجا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، انہوں نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے" جب یہ آپؐ کے پاس پہنچا تو اس کے اور آپؐ کے درمیان صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔ ابن اسحاق نے اپنی روایت میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرؓ بن خطاب کو بلایا، تاکہ ان کو اہل مکہ کے پاس بھیجیں کہ وہ آپؐ کی طرف سے سرداران قریش کو بتا دیں، آپؐ کے آنے کا مقصد کیا ہے، مگر انہوں نے عذر پیش کیا کہ مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں میری قوم بنو کعب بن عدی میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں، جو مجھے پناہ دے۔ نیز قریش کے بارہ میں آپؐ میری دشمنی اور ان کے حق میں میری سخت پالیسی کو بھی جانتے ہیں مگر میں آپؐ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں، جو مجھ سے زیادہ عزت کی نگاہ سے

دیکھا جاتا ہے، وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرداروں کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو بتادیں کہ آپ لڑائی اور قتال و جدال کے لیے نہیں آئے محض بیت اللہ کی زیارت اور اس کی تقدیس و تعظیم کے لیے آئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، آپ کے قاصد کی حیثیت سے آئے اور مکہ میں داخل ہونے کے بعد یا پہلے، ابان بن سعید بن عاص ان سے ملا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے اپنی سواری پر سوار کر لیا اور ان کو پناہ دی۔ انہوں نے سرداران قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا جب آپ کا پیغام پہنچا کر فارغ ہوئے، تو قریش نے ان سے کہا "اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں، تو کر لیں مگر انہوں نے کہا، جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے، میں بھی اس کا طواف نہیں کروں گا" قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے گمان کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں: مجھے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے ہیں، تو آپ نے فرمایا "اب ہم ان لوگوں سے لڑائی کیے بغیر نہیں جائیں گے، اور آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو بیعتِ رضوان کرنے کے لیے بلایا۔ لوگ کہتے تھے کہ آپ موت پر بیعت لیتے تھے، لیکن جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کہتے تھے کہ ہم نے آپ سے میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے پر بیعت کی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے، ایک جماعت نے آپ سے موت پر بیعت کی، یعنی جب تک موت نہیں آئے گی، ہم آپ کے سامنے لڑتے رہیں گے، اور دوسروں نے اس بات پر بیعت کی کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔

وکیع بن جراح نے بواسطہ اسماعیل بن ابی خالد، شعبی سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کی، اور جد بن قیس کے علاوہ کوئی مسلمان ایسا نہیں رہا جس نے بیعت نہ کی ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے کہا ہے، میں نے اس کو اپنے اونٹ کی بغل سے چھپا ہوا دیکھا ہے، تاکہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے اور بیعت نہ کرنی پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا "یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ہے"۔ (گویا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی) رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، ان کے لیے ان کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جن لوگوں نے درخت کے نیچے

بیعت کی ہے" ان میں سے کوئی شخص آگ میں داخل نہیں ہو گا" انتہی! جب عثمانؓ نے آنے میں دیر کی تو مسلمانوں نے کہا "عثمانؓ بڑے خوش نصیب ہیں، وہ مکہ میں گئے ہیں اور تنہا بیت اللہ کا طواف کریں گے"۔ آپؐ نے فرمایا "ایسا نہیں ہو گا۔ وہ اکیلے طواف نہیں کریں گے"۔ بیعت ختم ہو چکنے کے بعد جب حضرت عثمانؓ آئے، تو مسلمانوں نے ان سے کہا "اے ابو عبداللہ! آپ نے تو بیت اللہ کا طواف کر کے اپنا شوق پورا کر لیا ہے"۔ وہ بولے "آپ لوگوں نے میرے متعلق یہ بڑی بدگمانی کی ہے۔ اس رب کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کے حدیبیہ میں ہوتے ہوتے اگر میں مکہ میں ایک سال بھی رہتا تو جب تک آپؐ طواف نہ کرتے، میں بیت اللہ کا کبھی طواف نہ کرتا"۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا "رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا علم ہم سے بہت زیادہ ہے، اور آپؐ کا گمان ہمارے گمان سے بدرجہا اچھا ہے"۔

درخت کے نیچے بیعت لیتے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو سہارا دے رکھا تھا، اور معقلؓ بن یسار نے درخت کی ٹہنیوں کو آپؐ سے اونچا کیا ہوا تھا۔ سلمہؓ بن اکوع نے پہلے لوگوں، درمیان والوں اور آخر والوں میں تین دفعہ آپؐ سے بیعت کی تھی۔

ابن اسحاق، زہری سے روایت کرتے ہیں کہ جب سہیل بن عمرو آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے گفتگو کی، تو ان دونوں کے درمیان گفتگو نے بہت طول پکڑا۔ آخر کار جب معاہدہ طے پا گیا اور صرف لکھنا باقی رہ گیا، تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا "لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ تو سہیل نے کہا "میں اس کو نہیں جانتا۔ باسمک اللّٰھم لکھیے"۔ تو حضرت علیؓ نے یہی لکھ دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا "لکھو، یہ وہ صلحنامہ ہے جس کو محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے کیا ہے"۔ تو سہیل نے کہا: "اگر میں شہادت دیتا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، تو میں آپؐ سے کبھی نہ لڑتا۔ محمدؐ بن عبداللہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے"۔ بخاری کی روایت میں ہے: سہیل نے کہا "اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں، تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے لڑتے"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسولؐ ہوں، گو تم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اچھا محمدؐ بن عبداللہ ہی لکھ دو"۔ اور صحیحین کی ایک روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے کہا "اس کو مٹا دو"۔ انہوں نے کہا: "میں تو اس کو نہیں مٹاؤں گا"۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے دکھاؤ کہاں لکھا ہے"۔ علیؓ نے دکھایا، تو آپؐ نے خود اس کو مٹا دیا اور "محمدؐ بن عبداللہ" لکھ دیا۔

صحیح بخاری میں ہے، زہری کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان کی ہر بات اس لیے تسلیم کر لی کہ آپؐ نے

عہد کیا تھا کہ "اگر وہ اللہ کی حرمتوں کا احترام کریں گے، تو پھر وہ جو بات منوائیں گے، میں مان لوں گا۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ چھوڑ دو تاکہ ہم اس کا طواف کرلیں" سہیل نے کہا: "واللہ! ہم نہیں چاہتے کہ عرب میں ہماری بدنامی ہو، اور ان کو یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ مسلمان ہماری مرضی کے خلاف جبراً مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ ہاں آئندہ سال آپ لوگ آکر بیت اللہ کا طواف کرسکتے ہیں" اور ایسا ہی لکھا گیا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ دونوں میں مندرجہ ذیل باتوں پر اتفاق ہوگیا:

- دس سال تک لڑائی بند رہے، لوگ باامن زندگی بسر کریں اور فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے پر دست درازی نہ کرے۔
- قریش کا جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس جائے گا وہ اسے واپس کرینگے۔ اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو آدمی قریش کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

نیز:

- قبائل عرب میں سے جو قبیلہ محمدؐ یا قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، اسے اختیار ہے کہ فریقین میں سے جس کے عہد میں چاہے، داخل ہو جائے۔ اس شق کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم محمدؐ کے عہد میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنو بکر نے کہا، ہم قریش کے عہد میں داخل ہوتے ہیں۔
- اس سال آپؐ واپس چلے جائیں، آپکو مکّہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ آئندہ سال ہم آپؐ کے راستہ سے ہٹ جائیں گے، آپؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوسکتے ہیں، اور تین دن اس میں ٹھہر سکتے ہیں۔ آپؐ کے ساتھ ایک مسافر کا ہتھیار ہو، یعنی صرف میان میں تلوار، اس کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لاسکتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ معاہدہ کی دوسری شق پر مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے کہا: "سُبحان اللہ! جو آدمی مسلمان ہوکر اہلِ اسلام میں آگیا ہے، اسے مشرکوں کے حوالے کس طرح کیا جاسکتا ہے؟" ابھی وہ اسی شق پر بحث کر رہے تھے کہ قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندلؓ مکہ سے نکل کر بیڑیوں میں بمشکل چل کر مسلمانوں میں آگرے۔ سہیل ان کو دیکھ کر کہنے لگا "محمدؐ! میں آپ سے پھر معاہدہ کروں گا، پہلے اس کو واپس کیجئے۔" آپؐ نے فرمایا "ابھی تو ہمارے درمیان معاہدہ پورا نہیں ہوا، اس پر تعمیل تو اس کی تکمیل کے بعد ہوگی۔

سہیل نے کہا "اگر یہ بات ہے، تو میں آپؐ سے کسی شرط پر معاہدہ نہیں کرتا۔ آپؐ نے فرمایا "اس کو میری خاطر اجازت دے دے۔" اس نے کہا "میں ہر گز اجازت نہیں دوں گا۔" آپؐ نے فرمایا "ایسا نہ کرو اس کو اجازت دے دو۔" وہ بولا "میں یہ نہیں کروں گا۔" اس کے پاس بیٹھے ہوئے مکرز نے کہا: "چلو ہم آپؐ کی خاطر اس کو اجازت دے دیتے ہیں۔" مگر سہیل کی ہٹ دھرمی قائم رہی اور ابوجندلؓ کو واپس کر دیا گیا)

ابو جندلؓ نے کہا: "اے اہلِ اسلام! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا مجھے پھر مشرکوں کے حوالے کیا جائے گا؟ دیکھتے نہیں مجھے کس قدر خوفناک اذیتیں پہنچائی گئی ہیں" اور انہیں اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا گیا تھا! ۔ بخاری کے علاوہ دوسروں کی روایت ہے: سہیل نے اُٹھ کر کیکر کے درخت سے ایک ٹہنی توڑی اور اس زور سے ابوجندلؓ کے منہ پر ماری کہ مسلمانوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے! ۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے: وہ چیخ پڑے اور بلند آواز سے کہنے لگے: "کیا مجھے مشرکوں کی طرف واپس کیا جائے گا جو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے مجھے شدید عذاب میں مبتلا کریں گے؟" اس سے مسلمانوں کے غم میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابوجندلؓ! صبر سے کام لے اور ثواب کی نیت کر، اللہ تعالیٰ تیرے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے کوئی نجات کا راستہ نکالے گا اور تمہاری مشکلات حل فرمائے گا۔ ہم نے ان لوگوں سے، اور انہوں نے ہم سے، اللہ تعالیٰ کے نام پر معاہدہ کر لیا ہے اور ہم ان سے غدر نہیں کرنا چاہتے۔" حضرت عمرؓ کود کر اُٹھے اور ابوجندلؓ کے پہلو میں چلتے ہوئے کہتے تھے "ابوجندل! صبر سے کام لے، یہ مشرک ہیں اور ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے" اور تلوار کا قبضہ اس کی طرف بڑھاتے تھے۔ بعد میں حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "اس سے میری غرض یہ تھی کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ کی گردن اڑا دے، مگر اس نے اپنے باپ کے قتل کرنے میں بخل سے کام لیا" اور ایک روایت میں ہے: جب سہیل نے کہا: جو شخص ہم سے آپکے پاس آئے خواہ وہ آپکے دین پر ہو، آپکو واپس کرنا ہوگا" تو حضرت عمرؓ نے کہا "یارسول اللہ! آپؐ کو یہ شرط پسند ہے؟" آپؐ مسکرا پڑے، اور فرمایا "ان سے جو شخص ہمارے پاس آئے اور ہم اسے واپس کر دیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نکالے گا اور اس کو مصیبت سے نجات دے گا اور جو شخص ہمارا دین چھوڑ کر ان سے جا ملے گا، اس کا ہمارے، اور ہمارا اس کے ساتھ، کوئی تعلق نہیں۔ وہی اس کے زیادہ حقدار ہیں۔" ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے اس معاہدہ پر مندرجہ ذیل مسلمانوں

اور مشرکوں کی گواہی تحریر کرائی:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب۔

عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف۔

عبداللہ بن سہیل بن عمرو۔

سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص۔

محمود بن مسلمہ۔

مکرز بن حفص، اور یہ اس وقت مشرک تھا۔

علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، اور یہی عہد نامہ تحریر کنندہ تھے۔

حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈیرہ حل میں تھا لیکن نماز حرم میں پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں؟" آپ نے فرمایا "کیوں نہیں"! میں نے کہا "ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟" فرمایا "کیوں نہیں"! میں نے عرض کی "پھر ہم اپنے دین کے بارہ میں یہ ذلت آمیز شرط کیوں مانتے ہیں؟" آپ نے جواب میں فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا، اور وہ ضرور میری مدد فرمائے گا۔" میں نے کہا: "آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟" آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں! لیکن میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ اسی سال ہو گا؟" میں نے کہا: "نہیں" آپ نے فرمایا "صبر سے کام لو، تم اس میں آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں وہاں سے اٹھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا "ابوبکر! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں؟" انہوں نے کہا "کیوں نہیں"! میں نے کہا: "کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟" انہوں نے کہا: "کیوں نہیں"! میں نے کہا "پھر ہم اپنے دین کے بارہ میں ذلت آمیز شرط کیوں مانتے ہیں؟" بولے: "اے شخص! وہ اللہ کے نبی ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ ان کی ضرور مدد کرے گا، آپ کی رکاب مضبوطی سے تھامے رکھو، واللہ! آپ حق پر ہیں۔" میں نے کہا: "آپ ہمیں بتاتے نہیں تھے کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟" ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "کیوں نہیں! لیکن آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم

اس سال بیت اللہ میں آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟" میں نے کہا "یہ تو نہیں بتایا تھا" زہری نے کہا ہے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے "میں نے بہتیری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔"

احرام کھولنے اور قربانیاں ذبح کرنے کا حکم دینا

جب آپؐ عہدنامہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو صحابہؓ کو حکم دیا "اٹھو، قربانیاں ذبح کرو، پھر سر منڈا دو" مگر راوی کہتے ہیں "واللہ! ان میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے یہ حکم تین دفعہ دیا۔ جب کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو آپؐ خیمہ میں ام سلمہؓ کے پاس گئے اور لوگوں کے اس طرزِ عمل کی شکایت کی اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا "اے اللہ کے نبیؐ! کیا آپؐ ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں؟ آپؐ باہر تشریف لے جائیں، کسی سے کلام نہ کریں، اپنی قربانیاں ذبح کر دیں اور پھر حجام کو بلا کر اپنا سر منڈا دیں" چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ باہر آئے، کسی سے کلام نہیں کیا، قربانیاں ذبح کر دیں اور حجام کو بلایا جس نے آپؐ کا سر مونڈ دیا۔ جب صحابہؓ نے دیکھا تو وہ بھی اٹھے۔ انہوں نے قربانیاں ذبح کیں اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ اتنا ہجوم ہوا کہ خطرہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

مومن عورتوں کی حاضری

پھر کچھ ایماندار عورتیں آئیں اور کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت اتاری:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ——— الیٰ قولہ ——— وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ"[1]

"اے اہلِ ایمان! جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں، تو ان کا امتحان لو اگر معلوم کر و کہ وہ واقعی ایماندار ہیں، تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ کرو (یہاں تک کہ)

---

[1] المتحنۃ : ۱۰

——— اور تم کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو“۱

اس حکم کے اترنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو کافر بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی ایک سے معاویہ نے اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے شادی کر لی تھی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی اور راستہ میں اللہ تعالےٰ نے آپؐ پر سورۃ الفتح نازل فرمائی جیسا کہ امام مسلمؒ نے قتادہؒ کے واسطہ سے حضرت انسؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے: جب مدینہ کے راستہ میں جبکہ صحابہؓ اس معاہدہ اور حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کرنے کی وجہ سے بڑے غمگین تھے آپؐ پر یہ آیتیں اتریں ”اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ الیٰ قولہٖ۔ فَوْزًا عَظِيْمًا“۱ تو آپؐ نے فرمایا ”مجھ پر ایک ایسی آیت اتاری گئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے“ صحیح بخاری میں قتادہؒ کے واسطہ سے انسؓ سے مروی ہے کہ ”اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا“ سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔ صحابہؓ نے کہا ”یا رسول اللہ! آپؐ کے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے سابقہ اور لاحقہ گناہوں کی مغفرت مبارک ہو، ہمارے لیے کیا انعام ہے؟“ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری ”لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ“۲۔ اور اسی صحیح بخاری میں ہے زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کسی سفر میں جا رہے تھے، عمرؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے انہوں نے آپؐ سے کوئی سوال کیا مگر آپؐ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپؐ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ سے کہا ”اے عمر! تجھے تیری ماں گم پائے تین مرتبہ سوال کر کے تو نے اللہ کے رسولؐ کو تنگ کیا ہے، اور آپؐ نے کسی دفعہ بھی تمہیں جواب نہیں دیا“ عمرؓ کہتے ہیں: میں نے اپنے اونٹ کو تیز دوڑایا اور سب مسلمانوں سے آگے ہو گیا اور میں ڈرتا تھا کہ میرے بارہ میں قرآن اتر آئے گا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ میں نے سنا کہ کوئی شخص میرا نام لے کر اونچی آواز سے پکار رہا ہے، میں ڈرا کہ میرے بارے میں قرآن اترا ہو گا چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ”السلام علیکم“ کہا تو آپؐ نے فرمایا: ”آج رات مجھ پر وہ سورۃ اتری ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے“ پھر آپؐ نے پڑھا: ”اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا“ ——! مجمع بن حارثؓ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں

---

۱ الفتح: ۱-۵ ۲ ایضاً: ۵

آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جب واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ نے کراع غمیم میں لوگوں کو جمع کیا ہوا ہے اور ان کو یہ آیت سنا رہے ہیں: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا[1] الآیۃ مجمع میں سے کسی آدمی نے کہا "یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟" آپ نے جواب دیا "ہاں! اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ فتح ہے۔" اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔

حدیبیہ میں چند احکام اور معجزات کا ظہور

اسی غزوہ میں ایک رات بارش ہوئی جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں سے پوچھا "جانتے ہو آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟" انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔" آپ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آج میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لائے ہیں اور کچھ بندوں نے میرے ساتھ کفر کیا ہے۔ جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ستارے کے ساتھ کفر کیا ہے اور جس نے کہا فلاں ستارے نے بارش برسائی ہے اس نے مجھ سے کفر کیا ہے اور ستارے پر ایمان لایا ہے۔" اسی غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے کعبؓ بن عجرہ کے حق میں تکلیف کی بنا پر سر منڈانے کے متعلق روزے رکھنے یا صدقہ دینے یا قربانی ذبح کرنے کا حکم اتارا اور اسی غزوہ میں سات سات آدمیوں نے مل کر ایک ایک اونٹ قربانی کیا۔ اسی غزوہ میں آپ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور سر کترانے والوں کے لیے ایک دفعہ مغفرت کی دعا کی۔ نیز اسی جنگ میں حدیبیہ کے مقام پر ایک دن پیاس نے لوگوں کو ستایا وہ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے اس وقت آپ پانی کی ایک ڈولچی سے وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے پوچھا "تمہیں کیا ہوا؟" بولے "ہمیں بہت پیاس لگی ہے اور پانی صرف یہی ہے جس سے آپ وضو کر رہے ہیں۔" یہ سن کر آپ نے اپنا ہاتھ ڈولچی میں رکھا اور آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی چھوٹنے لگا۔ سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور وضو کیا۔ اس وقت ان کی تعداد پندرہ سو تھی یہ واقعہ امام بخاریؒ نے جابرؓ سے بیان کیا ہے اور یہ کنوئیں کے اس واقعہ کے علاوہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔

---

[1] الفتح: ۱

معاہدے کے مطابق ابو بصیرؓ کی واپسی

مسور اور مروان کی حدیث میں — اس قول کے بعد کہ حضرت عمرؓ کی ایک مطلقہ سے معاویہ نے اور دوسری مطلقہ سے صفوان بن امیہ نے شادی کرلی' یہ واقعہ بیان ہوا ہے:

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے کچھ دن بعد قریشِ مکہ میں سے ابوبصیرؓ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد آپؐ کے پاس آ گئے قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کو واپس لانے کے لیے دو آدمی مدینہ منورہ بھیجے' انہوں نے آکر آپؐ سے کہا "اس عہد کی بنا پر جو آپؐ نے ہمارے ساتھ کیا ہے' اس کو واپس کریں۔" آپؐ نے بلا حیل و حجت ان کو ان کے حوالے کر دیا وہ انہیں لے کر نکلے' ذوالحلیفہ پہنچ کر وہ آرام کرنے اور کھانا کھانے کے لیے کچھ دیر کے لیے اتر پڑے' وہ کھجوریں کھا رہے تھے کہ ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک آدمی سے کہا "اے فلاں! تمہاری یہ تلوار بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے" اس نے تلوار کو میان سے نکالتے ہوئے کہا "ہاں اللہ کی قسم! یہ بہت اچھی تلوار ہے میں نے اس کو بارہا آزمایا ہے' واقعی بے مثال ہے۔" ابوبصیرؓ نے کہا "ذرا مجھے بھی دکھاؤ" اس نے تلوار ان کے ہاتھ میں تھما دی' انہوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس کا دوسرا ساتھی بھاگا اور دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا "اس کو کوئی خوفناک واقعہ پیش آیا ہے۔" آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے ہی اس نے کہا "واللہ! میرا ساتھی قتل ہو گیا ہے اور میں بھی ضرور قتل ہو جاؤں گا" اتنے میں ابوبصیرؓ بھی آ گئے اور کہنے لگے "اللہ کے نبیؐ! واللہ! اللہ تعالےٰ نے آپؐ کا عہد پورا کر دیا ہے۔ آپؐ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے۔" آپؐ نے فرمایا "اس کی ماں کے لیے ہلاکت ہو' یہ جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر اس کی امداد کی جائے۔" جب ابوبصیرؓ نے یہ سنا تو سمجھ لیا کہ آپؐ ان کو پھر واپس کر دیں گے' وہ وہاں سے نکلے' اور ساحلِ سمندر پر ایک کٹیا بنا کر رہنے لگے۔ ابوجندلؓ کو پتہ چلا تو وہ بھی موقعہ پا کر ان سے جا ملے' اس کے بعد قریش کا جو آدمی مسلمان ہو کر نکلتا' وہ ابوبصیرؓ کے پاس چلا جاتا۔ حتیٰ کہ وہاں ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ واللہ' وہ جب سنتے کہ قریش کا کوئی قافلہ تجارت کے لیے شام کو جا رہا ہے' تو اس پر حملہ کر دیتے۔ قافلہ میں شامل آدمیوں کو قتل کر دیتے اور مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے۔ بالآخر قریش نے تنگ آکر

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ابوبصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلالیں اور آئندہ جو آدمی آپ کے پاس آئے گا اس کے لیے ہماری طرف سے امن ہے ہم اس کی واپسی کے مطالبہ سے باز آئے رسول اللہ ﷺ نے کفار کی یہ درخواست منظور کرکے ان کو خط بھیج کر انہیں اپنے پاس بلالیا اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم" الیٰ قولہ:
"حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ [1] الآیۃ"!

یعنی "اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا آگے "حمیۃ الجاہلیۃ" تک"!

چنانچہ ان کی جاہلانہ طرفداری یہ تھی کہ انہوں نے تسلیم نہ کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی نہ مانا اور آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ انتہیٰ!

ابن اسحاق اپنی روایت میں لکھتے ہیں کہ —— : اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا [2]" پس "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور ایمانداروں پر تسلی اتاری اور ان پر تقویٰ کی بات لازم کی اور یہی اس کے زیادہ حقدار اور اس پر زیادہ کاربند ہونے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے"۔ اس آیت میں "کلمۃ التقویٰ" سے توحید مراد ہے اس بات کی گواہی دینا کہ "اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشک محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ - الیٰ قولہ فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا [3]" "فتح" سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

زہری کہتے ہیں کہ اسلام میں صلح حدیبیہ سے پہلے اس سے بڑھ کر کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ جہاں دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں لڑائی ہوتی ہے جب صلح ہو جاتے، لڑائی رک جاتے اور لوگ

---

[1] الفتح: ۲۴-۲۶ [2] الفتح: ۲۶ [3] الفتح: ۲۷

امن وسلامتی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملیں، تو ان کو باہم کلام کرنے کا موقعہ ملتا ہے اس لیے جس آدمی میں عقل وشعور کا مادہ موجود ہو پھر وہ اسلام کے متعلق تحقیق کرے، تو اسلام اس کے دل میں داخل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے جتنے مسلمان ہوتے تھے، ان دو سالوں میں اتنے یا اس سے زیادہ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

علماء کہتے ہیں، اس سال سورج کو گرہن لگا۔ اس سال اوسؓ بن صامت نے اپنی بیوی خولہؓ سے ظہار کیا اس سال آپؐ نے رمضان المبارک میں بارش کی دعا کی اور کھل کر بارش ہوئی اور شراب بھی اسی سال حرام ہوئی جیسا کہ بہت سے علمائ نے اس کو بالیقین ذکر کیا ہے لیکن ابنِ اسحاق نے شراب کی حرمت کو بنو نضیر کے واقعہ میں ذکر کیا ہے، اور وہ جنگِ احد کے بعد پیش آیا تھا اور راجح یہ ہے کہ وہ چار ہجری میں ہوا تھا۔

غزوہ خیبر

یہ ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں بہت سے قلعے اور زراعتی فارم ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے بجانب شمال آٹھ برید کے فاصلے پر واقع ہے۔ مسافر تین دن اور رات چل کر وہاں پہنچتا ہے۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، نبی ﷺ اس کی طرف آخر محرم ۷ھ میں نکلے تھے بعض نے ۶ھ کے آخر میں لکھا ہے، یہ امام مالکؒ سے منقول ہے اور اس کو ابن حزمؒ نے یقینی کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں، راجح وہ بات ہے جو ابنِ اسحاق نے لکھی ہے اور ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ جس نے ۶ھ کہا ہے، اس نے سال کے ابتداء کی بنا ہجرت کے حقیقی مہینے پر رکھی ہے۔ اور وہ ربیع الاول کا مہینہ ہے۔ انتہٰی!

اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے حدیبیہ میں اس کا وعدہ کیا تھا چنانچہ فرمایا: ”وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ“ [1] ”اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے تم ان کو حاصل کرو گے لیکن ان میں سے پہلی یہ ہے“ یعنی صلح حدیبیہ اور مغانم کثیرہ سے مراد فتح خیبر ہے اس لیے آپؐ اپنے رب کا وعدہ پورا کرانے کے لیے اس کی حمایت اور اس کی نصرت پر اعتماد کرتے ہوئے مدینہ سے خیبر کی طرف نکلے آپؐ کے ہمراہ ۱۴سو جانباز اور دو سو گھوڑے تھے

[1] الفتح: ۲۰

اور آپؐ کی بیوی ام سلمہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں آپؐ نے اعلان فرمایا "میرے ساتھ وہی چلے جس کی نیت جہاد کرنا ہے اور جو دنیا کے سامان کا خواہشمند ہے' وہ نہ نکلے" اس موقعہ پر آپؐ نے مدینہ منورہ پر سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔

صحیح بخاری میں سلمہؓ بن اکوع کی حدیث میں آیا ہے "ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے ہم رات میں سفر کر رہے تھے کہ لوگوں میں سے کسی نے عامرؓ سے کہا تم ہمیں اپنا کوئی گیت نہیں سناتے" عامرؓ شاعر تھے' وہ سواری سے نیچے اتر آئے اور حدی خوانی کرنے لگے چنانچہ یہ نظم پڑھنا شروع کی ؎

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

"الٰہی! اگر تو موجود نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے"

فاغفر فداء لك ما ابقینا وثبّت الاقدام ان لاقینا

"میں تجھ پر قربان جو ہم دنیا میں رہ کر گناہ کریں' وہ معاف فرما اور اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ"

والقین سکینۃ علینا اِنّا اذا صیح بنا اتینا

"اور ہم پر تسلی اور اطمینان اتار جب ہمیں دشمن کے مقابلہ کے لیے بلایا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں"

وبالصیاح عولوا علینا

"اور چلا چلا کر ہم پر دشمن اپنی فوجیں چڑھا لائے ہیں"

امام احمدؒ کی روایت میں یہ اشعار زیادہ ہیں ؎

اِنّ الّذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

"بلاشبہ جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے' جب وہ فتنہ بپا کرتے ہیں تو ہم اس میں داخل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں"

ونحن عن فضلك ما استغنینا

"اور ہم تیرے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہیں"

آنحضرت ﷺ نے پوچھا: "یہ اونٹوں کو ہانکنے والا کون ہے؟" لوگوں نے کہا "عامرؓ بن اکوع

ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔" کسی آدمی نے کہا: "یا رسول اللہ! ان کے لیے شہادت واجب ہوگئی۔" آپؐ نے ہمیں ان سے کچھ اور مدت تک کیوں فائدہ نہیں اٹھانے دیا؟" امام احمدؒ کی روایت میں ہے: "عامرؓ نے گیت گانا اور اونٹوں کو چلانا شروع کر دیا اور ان کی یہ عادت تھی جب سفر میں اونٹوں کو تیز چلانا چاہتے تو کوئی آدمی سواری سے اتر کر گیت گاتا اور اسی حالت میں حدی خوانی کرتا۔ نیز ان کا یہ تجربہ تھا کہ جب جنگ کے موقعہ پر کسی کا نام لے کر آپؐ رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے تو وہ شہید ہو جاتا۔ انتہٰی!

عبداللہ بن اُبَیّ کی شرارت

کہتے ہیں: عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کو کہلا بھیجا کہ "محمدؐ تم سے لڑنے کے لیے تمہارے شہر کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، اپنا بچاؤ کر لو لیکن زیادہ ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری تعداد اور تمہارا سامانِ جنگ بہت زیادہ ہے۔ محمدؐ کی جماعت تو مٹھی بھر ہے، زرہوں سے خالی ہیں اور ان کے پاس ہتھیار بھی مختصر ہیں۔" جب اہلِ خیبر کو پتہ چلا تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس کو مدد لینے کے لیے بنو غطفان کے پاس بھیجا کیونکہ یہ خیبر کے یہودیوں کے حلیف تھے اور کامیابی کی صورت میں ان کو خیبر کے آدھے پھل دینے کا لالچ دیا۔۔۔ اسلامی قوت سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ان کی یہ پیشکش مسترد کر دی۔ لیکن ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ پیشکش قبول کر لی جب مسلمان مقامِ رجیع میں اترے اور ان کے اور غطفان کے درمیان ایک دن رات کی مسافت تھی تو غطفان پوری تیاری کے ساتھ یہودیوں کی امداد کے لیے خیبر کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ پیچھے سے شور و غل سنا وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں اور ان کے مالوں پر لوٹ ڈال دی ہے اس لیے وہ راستہ سے ہی واپس ہو گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں راہنماؤں کو، ان میں سے ایک نام حسیل تھا، بلایا تاکہ آپؐ کو وہ بہتر راستہ بتائیں جس پر چل کر آپؐ بنو غطفان اور خیبر کے درمیان حائل ہو جائیں۔ ایک نے کہا: "یا رسول اللہ! میں آپؐ کو لے چلتا ہوں۔" آپؐ ان کے ہمراہ چلے جب چوراستہ آیا جہاں سے مختلف سمت میں راستے جاتے تھے تو انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ! ان سب راستوں سے ہم اپنے مقصد کی طرف جا سکتے

ہیں"۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے سب کے نام بتاؤ۔ وہ بولے:"ایک کا نام 'حزن' ہے"۔ آپؐ نے اس راستہ سے جانا منظور نہ کیا۔ انہوں نے کہا:"دوسرے کا نام 'شاش' ہے"۔ آپؐ نے اس کو بھی پسند نہ کیا۔ انہوں نے کہا:"تیسرے کا نام 'حاطب' ہے"۔ آپؐ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ حسیل نے کہا:"اب صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا:"اس کا کیا نام ہے؟" بولے:"اس کا نام 'مرحب' ہے"۔ آپؐ نے اس راستہ سے جانا پسند فرمایا۔

خیبر میں داخلہ

جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے نزدیک صبح کی نماز پڑھی، تو آپؐ اور آپؐ کے سب ساتھی سوار ہو کر خیبر کی طرف چل پڑے۔ قریب پہنچے، تو دیکھا کہ یہودی اپنے کھیتوں میں کام کاج کرنے کے لیے کسیاں اور ٹوکریاں لے کر شہر سے باہر آ رہے ہیں۔ ان کو اپنے شہر پر حملہ کا کچھ علم نہیں تھا۔ وہ اپنی زمینوں میں کام کرنے کے لیے نکلے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان پر اس رات اس قدر نیند مسلط ہوئی کہ ان میں سے کوئی بھی وقت پر بیدار نہ ہوا حتیٰ کہ ان کے مرغ بھی اس رات نہ بولے۔ لشکر کو شہر کی طرف آتے دیکھ کر کہنے لگے "محمدؐ ہیں، اللہ کی قسم! محمدؐ اپنا لشکر لے آئے ہیں"، پھر اپنے شہر کی طرف بھاگ گئے۔ جیسا کہ صحیحین میں انسؓ سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا:"اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ اللہ اکبر!! خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جس قوم کے میدان میں اترتے ہیں، ان کی صبح بری ہوتی ہے۔ انتہیٰ!"

جب آنحضرت ﷺ خیبر کے قریب پہنچے اور اس کے در و دیوار نظر آنے لگے، تو آپؐ نے فرمایا:"ٹھہر جاؤ"، سب لشکر ٹھہر گیا۔ پھر آپؐ نے یوں دعا کی:"اے اللہ! سات آسمانوں اور ان چیزوں کے رب جن پر انہوں نے سایہ کیا ہے۔ سات زمینوں اور ان چیزوں کے رب جن کو انہوں نے اٹھایا۔ اور شیطانوں اور ان چیزوں کے رب جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے۔ ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی، اس میں رہنے والے انسانوں کی بھلائی اور اس میں موجود دوسری چیزوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ اور اس بستی کے شر، اس میں رہنے والے انسانوں کے شر اور اس میں موجود دوسری چیزوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں"۔ پھر فرمایا:"اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آگے بڑھو"۔

آپؐ نے اہل خیبر سے، اور اہل خیبر نے آپؐ سے شدید جنگ کی۔ مسلمانوں کے پندرہ آدمی شہید

ہوئے اور اللہ تعالٰے نے آپؐ کو خیبر کے ایک ایک قلعہ پر فتح عطا فرمائی۔ آپؐ نے آلِ ابی الحقیق کے خزانے پر قبضہ کیا جو گدھے کے چمڑے میں محفوظ تھا اور انہوں نے اس کو ویران جگہ میں دفن کر رکھا تھا۔ نیز جب آپؐ کو یقین ہو گیا کہ یہودی لڑیں گے، تو آپؐ نے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے ان کو نصیحت کی، جہاد پر ترغیب دی، ثواب میں رغبت دلائی اور صبر کرنے والوں کو فتح اور غنیمت کی خوشخبری سنائی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حبابؓ بن منذر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ بتایئے جس جگہ آپؐ نے کیمپ لگایا ہے، آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر اترنے کا حکم دیا ہے، یا جنگی تدبیر کے لیے آپؐ نے اس کو پسند فرمایا ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: "جنگی تدبیر کے لیے اس کو مناسب سمجھا ہے" انہوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ جگہ قلعہ نطاۃ کے بالکل قریب ہے۔ زیادہ تر ان کی تربیت یافتہ اور جنگ آزمودہ فوج اسی قلعہ میں ہے، وہ ہمارے تمام حالات سے واقف ہیں، اور ہم ان کے حالات سے واقف نہیں۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ سکتے ہیں اور ہمارے تیر ان تک نہیں پہنچ سکتے، اور ہم پر ان کے شبخون مارنے کا بھی ہر وقت خطرہ ہے، اس کے علاوہ یہ کھجوروں سے گھری ہوئی نشیبی جگہ ہے اور بیماری کا گھر ہے، اگر آپؐ حکم دیں تو ہم ان مفاسد سے خالی جگہ کیمپ لگائیں" آپؐ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا: "تمہارا مشورہ درست ہے" اور اس طرح کا واقعہ جنگِ بدر میں بھی گزر چکا ہے۔

حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا کرنا

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ آشوبِ چشم کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور آپؐ کے ساتھ نہیں آئے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے پیچھے رہنا مناسب نہ سمجھا اور آپؐ سے خیبر میں آملے۔ آنحضرت ﷺ نے اس رات، جس کی صبح کو خیبر فتح ہوتا ہے، فرمایا: "میں کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ تعالٰے اور اس کا رسولؐ محبت کرتا ہے" اور بخاری میں سہل کی روایت میں آیا ہے:

"اور وہ اللہ تعالٰے اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالٰے اس کے ہاتھ پر خیبر کی فتح عطا فرمائے گا" رات بھر لوگ انتظار کرتے رہے کہ جھنڈا کل کس خوش نصیب کو ملتا ہے؟ اس لیے صبح سویرے سویرے سب لوگ رسولؐ اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص امید کرتا تھا کہ جھنڈا مجھے ملے گا، مگر آپؐ نے فرمایا: "علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں"؟ لوگوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! ان کی آنکھیں

دکھتی ہیں اور وہ خیمہ میں ہیں" آپ نے فرمایا "کوئی شخص جائے اور ان کو لے آئے" وہ آئے تو آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لب مبارک ڈالا۔ وہ اسی وقت تندرست ہو گئے جیسے ان کی آنکھیں دکھتی ہی نہیں تھیں۔ آپ نے ان کو جھنڈا عطا کیا اور میدانِ جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ علیؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک لڑائی جاری رکھوں جب تک وہ ایمان لاکر ہماری طرح نہ ہو جائیں؟" آپ نے فرمایا "تم اپنی حالت پر چلتے رہو جب میدان میں پہنچو تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ تعالےٰ کے جو حق ان پر واجب ہیں وہ ان کو بتاؤ۔ اللہ کی قسم! اگر ایک آدمی بھی ایمان لے آیا تو وہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے"

لڑائی کے لیے مبارزت

صحیح مسلم میں سلمہؓ بن اکوع کی حدیث میں آیا ہے "جب ہم خیبر میں پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب تلوار گھماتا اور گیت گاتا ہوا میدانِ جنگ میں آیا وہ کہتا تھا ؎

قد علمت خیبر أنی مرحب ۔ شاکی السلاح بطل مجرب ۔ إذا الحروب أقبلت تلهب

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں پوری طرح مسلح، بہادر اور جنگ آزمودہ ہوں جب لڑائی کی آگ بھڑکنے لگتی ہے" اس کے مقابلہ میں عامرؓ میدان میں آئے ، اور کہا ؎

قد علمت خیبر أنی عامر شاکی السلاح بطل مغامر

"خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں پوری طرح مسلح اور دشمن کی گردن مروڑنے والا بہادر ہوں"

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار چلائی۔ مرحب کی تلوار تو عامرؓ نے اپنی ڈھال پر روک لی۔ پھر عامرؓ نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا مگر ان کی تلوار مرحب کی بجائے ان کی اپنی ٹانگ پر جا لگی جس سے ان کی اکحل رگ کٹ گئی اور انہوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ رضی اللہ عنہ۔ سلمہؓ کہتے ہیں: میں نکلا تو صحابہؓ کی ایک جماعت کو سنا، کہہ رہے تھے: "عامرؓ کے عمل ضائع ہو گئے۔ اس نے خودکشی کا ارتکاب کیا" میں روتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا "یا رسول اللہ! عامرؓ کے عمل ضائع ہو گئے ہیں؟" آپ نے فرمایا "یہ کس نے کہا ہے؟" میں نے کہا "آپ کے صحابہؓ میں سے کچھ لوگ کہہ رہے ہیں" آپ نے فرمایا "جس نے یہ کہا ہے غلط کہا ہے بلکہ وہ تو دوگنا ثواب کا مستحق ہے" اور ایک متفق علیہ روایت

میں ہے "اور آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کیا کہ وہ عمل صالح میں کوشش کرنے والا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے کم ہی کوئی اس جیسا عربی اس پر چلا ہے۔"

اور صحیح مسلم میں ہے سلمہؓ نے کہا پھر مرحب میدان میں آیا اور کہنے لگا ؂

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

إذا الحروب أقبلت تلهب

"خیبر نے معلوم کر لیا ہے کہ میں مرحب ہوں، پوری طرح مسلح اور جنگ آزمودہ بہادر ہوں، جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے!"

اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ آئے اور کہا ؂

أنا الذی سمتنی امی حیدرة   کلیث غابات کریه المنظره

اوفیهم بالصاع کیل السندره

"میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے شیر رکھا ہے اور دیکھنے میں جنگل کے شیر کی طرح خوفناک نظر آتا ہوں۔ میں انہیں ادلے کا بدلہ بھرپور دوں گا (یعنی خوب قتل کروں گا!")

حضرت علیؓ نے مرحب کے سر پر اس زور کی تلوار چلائی کہ اس کا سر قلم کر دیا اور ان کے ہاتھ پر خیبر فتح ہو گیا۔ انتہیٰ!

ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب علیؓ ان کے قلعہ کے نزدیک پہنچے تو ایک یہودی نے قلعہ کی دیوار سے سر نکال کر دیکھا اور پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "میں علی بن ابی طالب ہوں"۔ یہودی بولا "اس کتاب کی قسم! جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی ہے تم غالب آ گئے!" پھر مرحب کا بھائی یاسر میدان میں نکلا اس کے مقابلہ میں زبیرؓ آئے تو آنحضرت ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! میرا بیٹا قتل ہو جائے گا" آپؐ نے فرمایا "ایسا نہیں ہو گا بلکہ ان شاء اللہ، تمہارا بیٹا اس کو قتل کرے گا"۔ چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے آنحضرت ﷺ نے یہود کا وطیح اور سلالم قلعوں میں محاصرہ کیا۔ جب ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں جلاوطن کر دیں، اور قتل نہ کریں۔ آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی آپؐ نے شق، نطاۃ، کتیبہ اور باقی سب قلعے

اور تمام اموال بزورِ تلوار فتح کیے، صرف یہی دو قلعے صلح کے ساتھ فتح ہوئے۔ جب اہلِ فدک نے سنا کہ خیبر کے یہود نے اس طرح صلح کی ہے، تو انہوں نے بھی یہی درخواست پیش کر دی کہ آپؐ انہیں جلا وطن کر دیں، قتل نہ کریں؛ اور وہ اپنی جائیدادیں اور اموال آپؐ کے حوالے کر دیں گے۔ باقی خیبر مسلمانوں میں تقسیم ہوا، اور فدک رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا کیونکہ اس کی فتح میں مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے، یعنی ان کو لڑائی نہیں کرنی پڑی تھی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہلِ خیبر سے اس قدر لڑائی کی کہ ان کو قلعہ میں بند کر دیا اور ان کی زمین، کھیتی باڑی اور کھجوروں کے باغات پر قبضہ کر لیا۔ پھر انہوں نے اس شرط پر صلح کی کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے؛ اور اتنا سامان لے جانے دیا جائے، جتنا ان کے اونٹ اٹھا سکیں؛ اور وہ سونا اور چاندی آپؐ کے حوالے کر دیں گے۔ آپؐ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ کوئی چیز نہیں چھپائیں گے۔ اگر وہ اس شرط کی پابندی نہ کریں گے، تو ان کے ساتھ صلح ہو گی اور نہ کوئی عہد ہو گا؛ لیکن انہوں نے چمڑے کا وہ بکس، جس کو حیی بن اخطب مال اور زیورات سے بھر کر مدینہ سے جلا وطن ہوتے وقت اپنے ساتھ لایا تھا، غائب کر دیا۔ آپؐ نے حیی بن اخطب کے چچا سے پوچھا: "حیی کا وہ مال کہاں ہے، جس کو بنو نضیر کی جلا وطنی کے دن ہمراہ لایا تھا؟" اس نے کہا: "وہ جنگ کے اخراجات اور دوسرے مصارف میں خرچ ہو گیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "مال بہت تھا، وہ اتنے تھوڑے عرصہ میں خرچ نہیں ہو سکتا۔" پھر آپؐ نے اس کو زبیرؓ کے حوالے کیا۔ جب انہوں نے اس پر کچھ سختی کی، تو کہنے لگا: "میں نے حیی کو اس ویرانے میں پھرتے دیکھا تھا، شاید وہیں دفن کیا ہو۔" حالانکہ پہلے یہ خود وہاں گیا تھا۔ تلاش کرنے پر ویرانے سے مدفون مال مل گیا۔ آپؐ نے اس عہد شکنی پر ابو الحقیق کے دو بیٹوں کو، جن میں سے ایک صفیہؓ بنت حیی بن اخطب کا خاوند تھا، قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا اور ان کے مال تقسیم کر دیے۔

آپؐ نے ان کو جلا وطن کرنا چاہا، تو انہوں نے کہا: "اے محمدؐ! ہمیں یہاں رہنے دیں، ہم کھیتی باڑی کریں گے اور باغات کی حفاظت کریں گے، ہم یہ کام آپؐ سے بہتر کر سکتے ہیں۔ اس وقت آپؐ کے پاس بھی اس کام کو سنبھالنے والے آدمی نہیں تھے اور جو تھے، وہ جنگوں میں مصروف تھے؛ اس لیے آپؐ نے اس شرط پر خیبر ان کے حوالے کر دیا کہ ان کو کھیتی اور پھلوں سے نصف حصّہ ملے گا اور ان کو

جب تک اللہ کے رسولؐ چاہیں گے، وہاں رہنے کی اجازت دیں گے۔

صاحب "ہدی" کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے عہد شکنی کی وجہ سے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا۔ آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ حضرت صفیہؓ کو آپؐ کے ڈیرہ پر چھوڑ آئیں۔ وہ ان کو مقتولوں کے درمیان سے لے کر گذرے۔ آپؐ نے اُن کی اس حرکت کو بڑا ناپسند فرمایا، اور کہا "بلال! تیرے دل سے رحم نکل گیا تھا"۔ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو اسلام کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کر لی اور اسلام لے آئیں۔ آپؐ نے اُن کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور آزاد کر کے اُن سے شادی کر لی۔ اُن کی آزادی کو مہر بنایا، راستہ میں اُن کے ساتھ بنا کی اور دعوتِ ولیمہ کا انتظام فرمایا۔ آپؐ نے اُن کے چہرہ پر چوٹ کا نیلا نشان دیکھا، تو اس کا سبب پوچھا انہوں نے کہا "میں نے آپؐ کے خیبر میں آنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹ کر میری گود میں آگرا ہے۔ واللہ! مجھے آپؐ کے متعلق وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے خاوند کے پاس اس کا ذکر کیا، تو اس نے میرے منہ پر اس زور کا طمانچہ مارا کہ اس پر یہ داغ پیدا ہو گیا اور کہنے لگا کہ "تو اس بادشاہ کے خواب دیکھ رہی ہے، جو مدینہ میں ظاہر ہوا ہے"۔

صحابہ کرامؓ کو اس میں شک ہوا کہ آپؐ نے اُن کو اپنی بیوی بنایا ہے، یا لونڈی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھا ہے؟ پھر وہ کہنے لگے، اگر آپؐ نے اس پر پردہ کیا، تو پھر آپؐ کی بیوی ہے۔ اور اگر پردہ نہ کیا، تو وہ آپؐ کی لونڈی ہے۔ جب آپؐ مدینہ منورہ جانے کے لیے اونٹ پر سوار ہوئے، تو جو چادر آپؐ نے اپنے بدن پر اوڑھی ہوئی تھی، اس کا کچھ حصہ اُن کی کمر اور منہ پر ڈال دیا اور باقی چادر اپنے پیچھے زین سے باندھ دی۔ صحابہؓ سفر میں آپؐ سے دُور رہتے تھے، کیونکہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ آپؐ کی بیوی ہیں۔ صحیح بخاری میں انسؓ سے روایت آئی ہے: پہلے صفیہؓ، دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئی تھیں، پھر لوگوں نے اُن کے حسن و جمال کا آپؐ کے پاس تذکرہ کیا، تو آپؐ نے ان کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور اُن کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ ایک روایت ہے کہ آپؐ نے دحیہؓ سے کہا "اس کے علاوہ قیدیوں سے کوئی اور لونڈی لے لو"۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سات لونڈیاں دے کر اُن کو دحیہؓ سے خریدا تھا۔

فصل

خیبر کی تقسیم

سنن اربعہ اور مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو آپؐ نے اس کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ میں سو حصہ تھا۔ آدھا خیبر آپؐ نے غانمین میں تقسیم کر دیا اور باقی آدھا بیت المال میں رکھ دیا جو انتظامی امور، وفود اور آسمانی حوادث میں طالبِ امداد لوگوں کے کام آتا تھا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ۱۸ حصے اپنی ضروریات اور پیش آنے والے مصائب کے لیے بیت المال میں رکھ دیئے۔ یہ حصے وطیحہ، کتیبہ اور اس سے ملحقہ علاقہ میں تھے اور باقی نصف یعنی ۱۸ حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ آپؐ کا حصہ ملحقہ علاقہ میں تھا۔

"ہدیٰ" میں مذکور ہے: بیہقی نے لکھا ہے کہ آپؐ نے اس لیے خیبر اس طرح تقسیم کیا کہ آدھا خیبر بزورِ تلوار اور آدھا صلح کے ساتھ حاصل ہوا تھا جو حصہ بزورِ تلوار فتح کیا اس کو غانمین اور اہلِ خمس میں تقسیم کر دیا اور جو حصہ صلح کے ساتھ فتح کیا اس کو انتظامی معاملات اور دیگر حوادث کے لیے بیت المال میں رکھ دیا اور یہ امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ہے کہ جس طرح منقول مال غانمین میں تقسیم کیا جاتا ہے، بزورِ تلوار فتح کی ہوئی زمین بھی اسی طرح غانمین میں تقسیم کرنی واجب ہے اور چونکہ سارا خیبر بزورِ تلوار فتح نہیں ہوا بلکہ آدھا صلح کے ساتھ حاصل ہوا تھا اس لیے آپؐ نے آدھا خیبر غانمین میں تقسیم کر دیا۔ لیکن جس نے سیر اور مغازی میں اس طرح غور کیا جیسا غور کرنے کا حق ہے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ سارا خیبر ہی بزورِ تلوار فتح ہوا ہے اگر کچھ حصہ صلح کے ساتھ فتح ہوتا تو آپؐ وہ یہودیوں کو نہ دیتے۔

جب آپؐ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا تہیہ کیا تو انہوں نے کہا کہ کھیتی باڑی کا ہمیں زیادہ علم ہے اس لیے ہمیں یہیں رہنے دیں، پیداوار کا نصف حصہ ہم آپ کو ادا کر دیا کریں گے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سارا خیبر بزورِ تلوار فتح ہوا ہے کیونکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مبارزت، لڑائی اور قتل و قتال اظہر من الشمس ہے۔ ہاں قلعوں میں محصور ہونے کے بعد وہ صلح پر مجبور ہوئے تھے اور درست بات یہی ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ خیبر بزورِ تلوار حاصل ہوا اور امام کو اختیار ہے کہ بزورِ تلوار حاصل کی ہوئی زمین غانمین میں تقسیم کر دے، یا وقف کر دے یا کچھ تقسیم کر دے اور کچھ وقف رہنے دے۔

آنحضرت ﷺ نے ان تینوں طریقوں پر عمل کیا۔ قریظہ اور بنو نضیر کی زمینیں تقسیم کر دیں، مکہ کی زمین کو تقسیم نہیں کیا اور نصف خیبر تقسیم کر دیا اور نصف کو تقسیم نہیں کیا۔ اور جو حصہ تقسیم ہوا وہ اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیبیہ کے لیے خوراک کا عطیہ دیا جو جنگِ خیبر میں شریک ہوئے اور جو غیر حاضر رہے سب کو حصہ ملا اور ان کی تعداد ۱۴ سو تھی اور دو سو گھوڑے تھے۔ خیبر سے اہلِ حدیبیہ میں سے صرف جابرؓ بن عبداللہ ہی غائب رہے مگر ان کو اسی طرح حصہ دیا جس طرح حاضر ہونے والوں کو دیا تھا اور شہسوار کو تین حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا اور یہی صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں انتہیٰ!

میں کہتا ہوں صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت آئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تو ارادہ کیا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیں، کیونکہ جس وقت کوئی علاقہ فتح کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کا ہو جاتا تھا اس لیے آپؐ نے یہودیوں کو وہاں سے نکال دینا چاہا لیکن یہودیوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ہمیں یہاں رہنے دیں۔ ہم زمین کی کاشت اور کھیتی باڑی کا کام کریں گے آدھی پیداوار ہم لے لیں گے، اور آدھی پیداوار آپؐ کی ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا ہم تمہیں اس شرط پر رہنے دیتے ہیں، مگر تمہارا یہاں رہنا ہماری مرضی پر موقوف ہوگا۔ جب ہم چاہیں گے تمہیں نکال دیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زندگی اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں وہ وہاں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں ان کو تیماء اور اریحا کی طرف جلاوطن کیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ خیبر سے معاملہ کیا کہ کھیتی اور پھلوں میں سے ان کو نصف ملے گا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہوگا آپؐ اس سے ۱۰۰ سومن غلہ اپنی بیویوں کو دیتے جس میں سے ۲۰ ۳ من کھجوریں اور ۸۰ من جو ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں خیبر تقسیم کیا، تو انہوں نے آپؐ کی بیویوں کو اختیار دیا جو چاہے اپنے حصہ کا غلہ لے لے اور جو چاہے اتنی زمین اور پانی لے لے جس سے اتنا غلہ پیدا ہو سکے۔ بعض نے اپنے حصہ کا غلہ لینا پسند کیا اور بعض نے زمین اور پانی پسند کیا۔ حضرت عائشہؓ نے غلہ لینا ہی پسند کیا تھا[1]

عبدالعزیز بن صہیب کی حدیث میں، جو وہ انسؓ سے روایت کرتے ہیں، صراحۃً آیا ہے کہ خیبر بزورِ تلوار فتح ہوا تھا ___ ابن عبد البرؒ نے بھی اسی کو یقینی کہا ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ

---

[1] لیکن یہ ان روایات کے خلاف ہے جن میں آتا ہے کہ عائشہؓ اور حفصہؓ نے زمین لی تھی (مترجم)

خیبر صلح کے ساتھ فتح ہوا تھا، اور لکھا ہے کہ ان لوگوں کو ان دو قلعوں (وطیح اور سالم) کی وجہ سے شبہ ہوا ہے، جو انہوں نے اس شرط پر آپ کے حوالے کیے تھے کہ ان کو قتل نہ کیا جائے یہ اگرچہ ایک قسم کی صلح ہے، مگر یہ بھی محاصرہ اور لڑائی کے سبب ہی ہوئی تھی" انتہیٰ!

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ خیبر کے شق، نطاۃ اور کتیبہ نامی قلعے تقسیم ہوئے تھے! شق اور نطاۃ غانمین کو ملے تھے اور کتیبہ خمس میں آنحضرت ﷺ، آپ کے قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے حصے میں آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ اور ان لوگوں کا وظیفہ بھی اسی کتیبہ سے لیتے تھے، جنہوں نے آپ کے اور اہل فدک کے درمیان صلح کرائی تھی اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ میں اور عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ! ہمیں بنو ہاشم کی فضیلت پر اعتراض نہیں مگر آپ نے خیبر کا خمس بنو مطلب کو دیا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہم اور وہ ایک مرتبہ میں ہیں" آپ نے جواب دیا کہ "بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک چیز ہیں" آپ نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو خمس میں سے کچھ نہیں دیا تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبد شمس، ہاشم اور بنو مطلب حقیقی بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت مرہ تھا، اور نوفل، باپ کی طرف سے ان کا بھائی تھا، انتہیٰ!

فصل

ان احکام میں جو اس غزوہ میں جاری ہوئے!

جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے آنحضرت ﷺ نے گھریلو گدھے کا گوشت اسی جنگ میں حرام کیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: جب خیبر فتح ہوا اس رات لوگوں نے دور دور تک اپنے اپنے خیموں میں آگ جلائی، آپ نے پوچھا "یہ آگ کیسی ہے اور آپ لوگ اس میں کیا پکا رہے ہیں" ان لوگوں نے کہا "گوشت پکا رہے ہیں" آپ نے فرمایا "کیسا گوشت ہے" انہوں نے کہا "گھریلو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں" آپ نے حکم دیا "گوشت الٹ دو اور ہانڈیاں توڑ ڈالو" ایک شخص نے کہا "یا رسول اللہ! ہم گوشت الٹ کر ہانڈیاں دھو نہ ڈالیں؟" آپ نے فرمایا "یا اس طرح کرلو" ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے لہسن اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ

آپؐ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑا کھانے کی رخصت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے آکر کہا "گدھے کھائے جا رہے ہیں" آپؐ خاموش رہے۔ اس نے دوسری دفعہ آکر کہا "گدھے کھائے جا رہے ہیں" آپؐ اب بھی خاموش رہے۔ اس نے تیسری دفعہ آکر کہا "گدھے فنا کر دیئے گئے" تو آپؐ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ "اللہ تعالٰے اور اس کے رسولؐ تم کو گھریلو گدھے کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیونکہ یہ پلید ہیں۔"

اسی جنگ میں آپؐ نے ہر کچلی والے درندہ جانور کے کھانے، تقسیم ہونے سے پہلے غنیمت کا مال بیچنے اور استبرا رحم سے قبل لونڈی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے منع فرمایا۔ ابن اسحاق، رویفعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ "جو آدمی اللہ، اللہ کے رسولؐ اور دن آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ استبرا رحم سے پہلے کسی لونڈی سے جماع کرے۔ جو آدمی اللہ، اللہ کے رسولؐ اور دن آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ تقسیم ہونے سے پہلے غنیمت کا مال بیچے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسولؐ اور دن آخرت پر ایمان لایا ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ غنیمت کے کسی جانور پر سواری کرے اور اس کو لاغر کرنے کے بعد غنیمت میں لوٹا دے اور جو آدمی اللہ تعالےٰ، اللہ تعالےٰ کے رسولؐ اور دن آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے حلال نہیں کہ وہ مسلمانوں کی غنیمت سے کوئی کپڑا پہنے اور اس کو پرانا کرنے کے بعد اس میں جمع کر دے۔"

اور اسی جنگ میں سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آنحضرت ﷺ کو زہر دیا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو آپؐ کو بکری کے گوشت میں زہر دیا گیا۔ الحدیث، اور اسی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا "کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں ملایا ہے" آپؐ نے فرمایا "کیوں ملایا ہے؟" بولے "ہم نے اس ارادہ سے ملایا ہے کہ اگر آپؐ جھوٹے ہیں، تو ہم آپؐ سے نجات پائیں گے اور اگر آپؐ نبی ہیں، تو آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا" اور ابوداؤد میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت آئی ہے کہ ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور رسول اللہ ﷺ کو تحفہ میں پیش کی۔ آپؐ نے وہ بکری لے لی اور آپؐ نے اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے اس سے کچھ گوشت کھایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء سے فرمایا "اس کھانے سے ہاتھ اٹھالو" اور اس یہودی

عورت کو بلا کر پوچھا"کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے"؟ وہ بولی "آپ کو کس نے بتایا ہے"؟ آپ نے فرمایا"گوشت کے اس ٹکڑے نے جو میرے ہاتھ میں ہے"۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں بازو کا گوشت تھا۔ اس نے اقرار کر لیا کہ "ہاں میں نے اس میں زہر ملایا ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ نبی ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ نبی نہیں ہیں، تو ہم آپ سے نجات پائیں گے"۔ آپ نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو قتل نہیں کیا۔ اور آپ کے وہ صحابیؓ فوت ہو گئے جنہوں نے آپ کے ساتھ اُس بکری کا گوشت کھایا تھا۔ اور آپ نے اس زہر کی وجہ سے جو آپ نے کھایا تھا، اپنے کندھے پر سنگیاں کھچوائیں۔ سلیمان تیمی کی تصنیف 'مغازی' میں آیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور کہا "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ نبی ہیں میں آپ کو اور یہاں حاضر ہونے والے سب لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں"۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بشرؓ بن براء اس زہر کھانے سے فوت ہو گئے تو آپ نے اس کو قتل کر دیا۔ بیہقی کہتے ہیں، ممکن ہے، پہلے آپ نے اس کو چھوڑ دیا ہو، پھر جب بشرؓ اس زہر کھانے سے فوت ہو گئے تو اس کو قتل کر دیا۔ سہیلی نے بھی یہی جواب دیا ہے اور یہ زیادہ کیا ہے کہ "چونکہ آپ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے اس لیے اس کو چھوڑ دیا اور جب بشرؓ کا انتقال ہو گیا تو اس کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا"۔

اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس بکری سے کچھ کھایا تھا یا نہیں؟ اکثر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بکری سے کچھ گوشت کھا لیا تھا۔ آپ اس کے بعد تین سال زندہ رہے، یہاں تک کہ آپ نے اس بیماری میں کہا جس میں آپ کا انتقال ہوا کہ "میں ہمیشہ اس بکری سے، جو میں نے خیبر میں کھائی تھی، تکلیف اٹھاتا رہا ہوں مگر اب تو اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ گئی ہے"۔ اسی واسطے زہری کہتے ہیں کہ "آپ شہید فوت ہوئے ہیں"۔

جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کا حبشہ سے مدینہ آنا

اسی جنگ میں آپ کے ہاں آپ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے رفقاء مدینہ منورہ آئے۔ ان کے ساتھ اشعر قبیلہ کے لوگ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور اُن کے ساتھی تھے حضرت

جعفرؓ کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع یمن میں ہی مل گئی تھی ہم ہجرت کر کے مدینہ کی طرف آنے لگے مہاجرین میں میرے دو بڑے بھائی بھی تھے میں ان دونوں سے چھوٹا تھا ایک کا نام ابورہم اور دوسرے کا ابوبردہ تھا ہمارے ساتھ ہماری قوم کے پچاس سے کچھ زیادہ مسلمان تھے ہم سب ایک کشتی میں سوار ہوئے، لیکن وہ ہمیں مدینہ منورہ لانے کی بجائے حبشہ میں لے گئی۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفرؓ سے ہوئی وہ کہنے لگے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھیجا ہے اور یہاں رہنے کا حکم دیا ہے تم بھی یہاں ٹھہر جاؤ، وقت آنے پر ہم سب مل کر چلیں گے چنانچہ ہم وہیں ٹھہر گئے اور ان کے ساتھ مل کر آئے۔ ہم آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپؐ نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ آپؐ نے خیبر کی غنیمتوں میں سے ہمیں بھی حصہ دیا، مگر ہماری کشتی میں آنے والوں میں جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بغیر آپؐ نے کسی ایسے آدمی کو حصہ نہیں دیا، جو فتح خیبر میں براہِ راست شریک نہیں ہوا کچھ لوگ کہتے تھے، ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، اس لیے ہم تو اس کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اسماءؓ بنت عمیسؓ آنحضرت ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں۔ اتفاقاً اس وقت حضرت عمرؓ بھی آ گئے انہوں نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" حضرت حفصہؓ نے جواب دیا "یہ حبشہ سے آنے والی اسماءؓ بنت عمیس ہیں۔ حضرت عمرؓ بولے: "سمندر کے راستے آنے والی؟" اسماءؓ نے کہا "ہاں!" حضرت عمرؓ نے کہا "ہم نے ان سے پہلے ہجرت کی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور دوستی کے ہم زیادہ حقدار ہیں" وہ بولیں "بخدا ہرگز نہیں! آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ آپ میں سے بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو علم سکھاتے تھے ہم سفر میں، دور دراز اور ناپسندیدہ ملک میں رہتے تھے۔ یہ سب مصیبتیں ہم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہی جھیلی ہیں خدا کی قسم! میں جب تک رسول اللہ ﷺ سے آپؓ کی اس بات کی تحقیق نہ کر لوں گی نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی۔ بخدا! میں نہ غلط بیانی کروں گی اور نہ بڑھا چڑھا کر بات کروں گی" جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! عمرؓ نے ایسا ایسا کہا ہے" آپؐ نے فرمایا "تم نے ان کو کیا جواب دیا ہے؟" انہوں نے کہا: "میں نے ان سے یہ یہ کہا ہے" آپؐ نے فرمایا "وہ میری صحبت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں۔ ان کے اور ان کے رفقاء کے لیے ایک ہجرت ہے، اور تم جہاز میں آنے والوں کے لیے دو ہجرتیں ہیں" اسماءؓ کہتی ہیں ابو موسیٰؓ

اور کشتی میں دوسرے سوار لوگ مختلف گروہوں میں میرے پاس آتے تھے اور مجھ سے یہ حدیث سننے کی خواہش کرتے تھے خدا کی قسم! وہ دنیا کی کسی چیز سے اتنا خوش نہ ہوتے تھے جتنا وہ اس حدیث کو سن کر خوش ہوتے تھے۔ ابو موسیٰ تو مجھ سے یہ حدیث دوبارہ سہ بارہ سنتے تھے۔

اشعریوں کا ذوقِ عبادت اور ان کا شوقِ جہاد

ابو بردہ ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں رات کو قرآن پڑھتے وقت اشعر قبیلہ کے لوگوں کی آواز پہچانتا ہوں، اور ان کے قرآن پڑھنے سے معلوم کر لیتا ہوں کہ وہ کہاں کہاں کھڑے ہیں اگرچہ میں نے دن کو نہیں دیکھا کہ کہاں کہاں فروکش ہیں؟ اور ان میں سے بعض اتنے دلیر ہیں کہ جب دشمنوں میں بزدلی اور فرار کے آثار دیکھتے ہیں، تو ان سے کہتے ہیں ٹھہرو!! میرے بھائیوں نے پیغام بھیجا ہے، ذرا ان کا انتظار کرو" یہ بخاری کی حدیث ہے۔

ابنِ ہشام اپنی سیرت میں شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ جب جعفرؓ حبشہ سے مدینہ منورہ آ ئے تو آپؐ نے ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا "خدا کی قسم! میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ مجھے جعفرؓ کی آمد کی زیادہ خوشی ہے، یا خیبر کی فتح کی؟"

جب خیبر کے مال تقسیم ہوئے، تو مسلمانوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا، اور ان کو وہ فائدہ اور خوشحالی ملی، جو پہلے حاصل نہیں تھی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "ہمیں فتح خیبر کے بعد ہی پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوا ہے" اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "جب خیبر فتح ہوا، تو ہم نے کہا، اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے" اس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں، بنو فزارہ اہلِ خیبر کی امداد کے لیے آئے تھے۔ آپؐ نے ان کو پیغام بھیجا کہ ان کی امداد نہ کرو اور واپس اپنے گھر چلے جاؤ، ہم تمہیں اس کے بدلہ میں خیبر کا اتنا اتنا علاقہ دے دیں گے۔ لیکن انہوں نے آپؐ کی یہ پیش کش ٹھکرا دی پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اہلِ خیبر پر فتح عطا فرمائی تو بنو فزارہ کے جو لوگ وہاں تھے، وہ آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے "آپؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کریں"۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا تمہیں ذوالرقبہ[1] دیا" وہ بولے "پھر ہم آپؐ سے لڑیں گے"۔ آپؐ نے فرمایا،

---

[1] "ذوالرقبہ" خیبر کے نزدیک ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان للیاقوت)

"ضرور لڑو اور فلاں جگہ آجاؤ" لیکن وہ آپؐ کا یہ جواب سن کر بھاگ کھڑے ہوتے۔

واقدی نے کہا ہے: ابو سلم نے "جو مسلمان ہو گئے تھے اور مخلص مسلمان تھے" بتایا: جب ہم اپنے گھروں کی طرف واپس چلے عیینہ بن حصن ہمیں راستہ سے واپس لے آیا جب ہم خیبر کے قریب پچھلی رات آرام کے لیے اترے، تو ہم پر خوف طاری تھا لیکن عیینہ نے کہا: "میں نے آج رات خواب دیکھا ہے جس میں مجھے خیبر کا ایک پہاڑ "ذوالرقبہ" دیا گیا ہے۔ خدا کی قسم! اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں نے محمدؐ کی گردن دبوچ لی ہے" جب ہم خیبر میں پہنچے تو عیینہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا ہے۔ وہ آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا "محمدؐ! جو کچھ آپ نے میرے حلیفوں سے چھینا ہے وہ واپس کر دیں۔ میں آپؐ سے نہیں لڑوں گا اور واپس چلا جاتا ہوں" آپؐ نے فرمایا: "جھوٹ بولتا ہے، تو تو جنگ کا بگل بجتا سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگ گیا تھا" بولا: "محمدؐ! مجھے کچھ نہ کچھ دیں" آپؐ نے فرمایا: "اچھا تجھے ذوالرقبہ دیا" بولا "ذوالرقبہ کیا ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: "وہی پہاڑ جو تُو نے خواب میں دیکھا تھا اور کہا تھا وہ مجھے مل گیا ہے" یہ جواب سن کر عیینہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلا گیا۔ گھر پہنچا تو حارث بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا: "کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تیرا اور تیری بات کا کوئی وزن نہیں ہے۔ خدا کی قسم! محمدؐ مشرق اور مغرب کے درمیان ساری دنیا پر غالب آجائیں گے ہمیں یہودی یہ بات بتایا کرتے تھے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ابورافع سلام بن ابی الحقیق سے سنا ہے، وہ کہتا تھا: "نبوت کی وجہ سے ہم محمدؐ پر محض اس لیے حسد کرتے ہیں کہ وہ موسیٰ اور ہارونؑ کی اولاد سے نکل گئے ہیں[1] مرسل ہے لیکن یہودی میری بات نہیں سنتے، وہ ہمیں دو دفعہ ذبح کریں گے، ایک دفعہ مدینہ میں اور دوسری دفعہ یہاں خیبر میں" حارث کہتا ہے: "میں نے سلام سے پوچھا کیا وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے؟" بولا "ہاں! اس تورات کی قسم! جو موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی ہے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ کے بارہ میں میری یہ رائے یہودیوں کو معلوم ہو۔ انتہیٰ"!

ابوہریرہؓ کی ہجرت

حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ابوہریرہؓ مدینہ منورہ آ گئے، اور صبح کی نماز سباعؓ بن عرفطہ کے

---

[1] یہاں "اصل" میں خالی جگہ ہے

پیچھے پڑھی جب ان کو پہلی رکعت میں "کہیعص" اور دوسری رکعت میں "ویل للمطففین" پڑھتے سنا تو نماز ہی میں کہنے لگے "ابوفلاں ہلاک ہوجائے" اس نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں جب لیتا ہے تو پورے پیمانے سے لیتا ہے اور جب دیتا ہے تو ناقص پیمانے سے دیتا ہے۔" نماز سے فارغ ہو کر سباعؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے اُن کو سفر خرچ دیا اور خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کہہ کر ان کو اور ان کے ساتھیوں کو غنیمت کے مال سے حصّہ دلایا۔

صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے: خیبر فتح ہوا تو اس میں ہمیں سونا اور چاندی ہاتھ نہیں آیا بلکہ گائے، اونٹ، سازوسامان اور باغات حاصل ہوئے پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف چلے آپؐ کے ساتھ آپؐ کا غلام بھی تھا جس کا نام مدعم تھا جو بنوصبب کے ایک آدمی نے آپؐ کو تحفہ میں دیا تھا وہ ایک منزل میں رسول اللہ ﷺ کا پالان اتار رہا تھا کہ ایک تیر لگنے سے اس کی موت واقع ہوگئی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ تیر کس نے مارا ہے؟ لوگ کہنے لگے "اس کے لیے شہادت کی موت مبارک ہے" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہرگز نہیں! اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو چادر اس نے تقسیم سے پہلے غنیمت کے مال سے چرائی تھی، وہ شعلہ بن کر اس کے جسم پر بھڑک رہی ہے" یہ سن کر ایک آدمی جوتے کا ایک، یا دو تسمے لایا اور کہنے لگا "یہ میں نے غنیمت کے مال سے لیے تھے" آپؐ نے فرمایا "یہ ایک یا دو تسمے آگ کے ہیں" انتہیٰ!

"ھدیٰ" میں لکھا ہے "وہاں رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ میں صحابہ کرامؓ کی صف بندی کی آپؐ نے اپنا جھنڈا سعدؓ بن عبادہ کو دیا اور ایک ایک جھنڈا حباب بن منذر، سہلؓ بن حنیف اور عبادؓ بن بشر کو دیا۔ پھر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو بتایا کہ اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے، تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے۔ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا لیکن دعوت قبول کرنے کی بجائے انہوں نے جنگ پسند کی اور ان میں سے ایک آدمی میدانِ جنگ میں آکر چیلنج کرنے لگا اس کے مقابلہ میں حضرت زبیرؓ آئے اور اس کو "داخل فی النار" کیا پھر ایک اور آدمی نکلا اس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا اسی طرح ایک ایک کرکے ان کے گیارہ آدمی قتل ہو گئے ہر آدمی کے قتل کے بعد آپؐ ان کو دعوت دیتے۔ اس طرح نماز سے فارغ ہو کر بھی آپؐ ان کو اسلام قبول کرنے، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی اور شام کے وقت تک لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن علی الصبح پھر

جنگ شروع ہوئی مگر سورج بقدر ایک نیزے کے بلند ہوا تو ان کو شکست ہو گئی اور آپؐ نے اس شہر کو بزورِ تلوار فتح کر لیا اور بہت سا ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کو حسبِ دستور ان میں تقسیم کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ وادی القرٰی میں چار دن رہے۔ غیر منقول زمین اور باغات کے علاوہ سارا مال و متاع صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور زمین اور باغات یہودیوں کو بٹائی پر دے دیئے[1] جب تیماء کے یہودیوں کو پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر، فدک اور وادی القرٰی کے یہودیوں سے بٹائی پر صلح کر لی ہے تو انہوں نے بھی اسی طرح آپؐ سے بٹائی پر صلح کر لی اور اپنے گھروں میں پہلے کی طرح آباد رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اہلِ خیبر اور اہلِ فدک کو جلا وطن کر دیا اور وادی القرٰی اور تیماء کے یہودیوں کو بدستور اپنے گھروں میں آباد رہنے دیا۔ دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو اس لیے نکالا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا تھا: "جزیرہ عرب میں مساوی قوت کے ساتھ دو دین جمع نہیں ہو سکتے" اور تحقیق کرنے پر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی تھی۔

فصل (حجاجؓ بن علاط سلمی کا واقعہ)

موسیٰ بن عقبہ اور دوسرے مؤرخین کہتے ہیں جب قریش نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کی ہے تو انہوں نے آپس میں بڑی بڑی شرطیں باندھیں بعض کا خیال تھا کہ محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی غالب آئیں گے اور بعض کہتے تھے کہ یہود اور ان کے دونوں حلیف کامیاب ہوں گے۔ حجاجؓ بن علاط سلمی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور فتح خیبر کے وقت یہ خیبر میں موجود تھے۔ ان کے نکاح میں بنو عبدالدار کی ایک عورت ام شیبہ بھی۔ یہ بڑے مال دار اور بنو سلیم کے علاقہ میں معاذر نامی خطہ کے مالک تھے جب خیبر فتح ہوا تو یہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور کہا "یا رسول اللہ! میری بیوی کے پاس میرا بہت سا سونا ہے اگر اس کو اور اس کے والدین کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو میرا یہ سارا مال ضائع ہو جائے گا۔ آپؐ مجھے اجازت دیں کہ میں فتح خیبر کی اطلاع پہنچنے سے پہلے پہلے وہاں جاؤں اور اپنی جان کی حفاظت اور مال کے حصول کے لیے کچھ افواہیں پھیلاؤں" آپؐ نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ انہوں نے مکہ میں جا کر اپنی بیوی سے کہا "میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں کسی سے اس کا ذکر

---

[1] اصل کتاب میں یہاں جگہ خالی ہے، اس لیے اگلے جملہ کا معنی واضح نہیں ہو سکا۔

نہ کرنا اہلِ خیبر کامیاب ہو گئے ہیں، انہوں نے محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں سے بے بہا مال و اسباب لُوٹا ہے۔ محمدؐ گرفتار ہو گئے ہیں اور اُن کے ساتھی اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اس لیے جلد از جلد مال جمع کر دو میں اہلِ خیبر سے غنیمت کا وہ مال خریدنا چاہتا ہوں۔ یہود نے قسم اٹھا کر اعلان کیا ہے کہ وہ محمدؐ کو مکہ بھیج دیں گے اور مدینہ میں اپنے مقتولوں کے بدلہ میں اُن کو قتل کر دیں گے۔" رفتہ رفتہ یہ بات مکہ میں مشہور ہو گئی۔ کفار نے بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ جب آپؐ کے چچا عباسؓ نے خوشی کے یہ نعرے سُنے، تو ان کی تو گویا کمر ہی ٹوٹ گئی۔ وہ باہر نکل کر اس کی تصدیق کرنا چاہتے تھے مگر اپنی جگہ سے ہل نہ سکے اور کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے۔ اُن کا ایک بیٹا قُثَم شکل و شباہت میں آنحضرت ﷺ سے ملتا جلتا تھا، وہ اس کا نام لے کر اُونچی آواز سے یہ شعر پڑھنے لگے، تاکہ دشمنانِ خدا کو اس صدمہ پر خوشی منانے کا موقع نہ ملے ؎

قُثَم شبیہ ذی الأنف الأشم ذی النعم برغم من رغم

"قثم شکل و صورت میں اپنے اُونچی ناک والے، خلقِ خدا کے محسن بھائی سے ملتا جلتا ہے، جسے دیکھ کر دشمنوں کے دل سی پارہ ہو جاتے ہیں۔"

یہ خبر سُن کر بہت سے لوگ ان کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ کچھ خوشی اور سرور کا مظاہرہ کرتے تھے، کچھ بظاہر غمناک اور دل میں خوش تھے۔ بعض اتنے نڈھال، گویا ان پر موت طاری ہے۔ مسلمانوں نے جب عباسؓ کا یہ دلیرانہ گیت سنا، تو ان کو قدرے سکون حاصل ہوا اور کفار سمجھے کہ اُن کو کوئی ایسی خبر ملی ہے، جو انہیں نہیں ملی۔ آخر حضرت عباسؓ نے ایک غلام کو حجاجؓ کے پاس بھیجا اور اس سے کہا کہ حجاج سے علیحدگی میں پوچھ کر آؤ کہ "اصل معاملہ کیا ہے؟ جو تم خبر سناتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے خلاف ہے، ایسا کیوں ہے؟" جب غلام نے ان سے پوچھا، تو کہنے لگے: "ابوالفضل کو جا کر میری طرف سے سلام کہو اور ان سے کہو کہ مجھے علیحدگی میں ملیں خبر ان کو خوش کرنے والی ہے۔" غلام نے واپس آ کر دروازہ پر کہا: "ابوالفضل! خوش ہو جائیے۔" یہ سُن کر عباسؓ اس طرح اچھل کر کھڑے ہوئے، جیسے ان کو کوئی صدمہ پہنچا ہی نہیں۔ انہوں نے غلام کی پیشانی پر بوسہ دیا اور حجاج کی بات سُن کر اس کو آزاد کر دیا اور کہا: "اب مجھے بتاؤ پوری بات کیا ہے؟" غلام نے کہا: حجاج نے آپ کو پیغام دیا ہے کہ ان سے کسی مکان میں خلوت میں بات کریں۔ وہ ظہر کے وقت آپ کے پاس آئیں گے۔ جب وہ آئے، حضرت عباسؓ سے تنہائی میں بات

کی تو اُن سے عہد لیا کہ میری بات ظاہر نہ کریں انہوں نے عہد کیا کہ میں آپ کی بات کسی کے سامنے ظاہر نہیں کروں گا۔

حجاج رضی اللہ عنہ نے کہا "میں خیبر فتح ہونے کے بعد آیا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مالِ غنیمت حاصل کر لیے ہیں اور ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہے آپ نے صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اُن کے ساتھ شادی بھی کر چکے ہیں میں اپنے مال کی خاطر آیا ہوں اور اس کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خلافِ واقعہ باتیں کرنے کی اجازت مانگی تھی جس کی آپ نے مجھے اجازت دے دی تھی۔ تین دن تک میری بات چھپائیے اس کے بعد جو دل میں آئے کہیے اتنے میں میں محفوظ جگہ پہنچ جاؤں گا۔"

ادھر حجاج رضی اللہ عنہ کی بیوی نے سارا مال جمع کر کے حجاج رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا جسے لے کر وہ واپس ہوئے تین دن گزرنے کے بعد عباس رضی اللہ عنہ حجاج رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس آئے اور اس سے پوچھا "تمہارا خاوند کہاں ہے؟" بولی: "وہ تو چلا گیا ہے ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر رسوائی سے بچائے جو خبر آپ کو ملی ہے اسے سن کر ہمیں بڑا صدمہ ہوا ہے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "ہاں! میں بھی یہی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے ہر رسوائی سے بچائے لیکن واقعہ وہی ہوا ہے جو میں چاہتا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ مجاہدین میں تقسیم ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور ان سے نکاح بھی کر لیا ہے اگر تمہیں اپنے خاوند کے پاس رہنا منظور ہے تو اس کے پیچھے چلی جاؤ" وہ بولی: "بخدا! میں آپ کو سچا سمجھتی ہوں" عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "بخدا! میں سچ کہتا ہوں واقعہ وہی پیش آیا ہے جو میں نے تجھے بتایا ہے" کہنے لگی "یہ واقعہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟" بولے "اُسی نے جس نے تجھے پہلی بات بتائی تھی" پھر وہاں سے نکل کر وہ قریش کی مجلس میں آئے، قریش نے ان کو خوش خوش دیکھ کر کہا "خدا کی قسم! یہ خوشی کا اظہار محض تکلف ہے ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کی رسوائی سے بچائے اور ہر قسم کی خیر و برکت سے نوازے" عباس رضی اللہ عنہ بولے "ہاں اللہ تعالیٰ سچ مچ مجھے خیر و برکت سے نوازے گا خدا کا شکر ہے حجاج نے مجھے یہ خبر سنائی ہے اور کسی مقصد کے لیے اس نے مجھے تین دن تک اس خبر کو چھپانے کے لیے کہا تھا" اب تو یہ ہوا کہ مسلمانوں پر غم کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے وہ کفار پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر جوق در جوق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور براہِ راست ان سے یہ خبر سنی اور یہ خبر سن کر ان کے چہرے چمک اٹھے۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیبر سے واپسی

پھر رسول اللہ ﷺ کامران و کامیاب ہو کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے جب سد صہباء میں پہنچے تو حضرت صفیہؓ بنت حیی سے شادی کی اور اُن کی رخصتی کی وجہ سے تین دن وہاں قیام کیا چھوٹے سے چمڑے کے ایک دستر خوان میں حلوہ تیار کیا اور انسؓ بن مالک سے کہا "اس پاس کے چند آدمی بلالاؤ" وہ کہتے ہیں "میں صفیہؓ کے ساتھ آپؐ کی شادی پر لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کھانے کے لیے بلالایا جس میں گوشت روٹی کا انتظام نہیں تھا آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ چمڑے کے دستر خوان بچھادیں! ان میں کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ دیا بس یہی حلوہ تھا اور یہی آپؐ کا ولیمہ تھا۔

جب آپؐ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، تو آپؐ نے صفیہؓ کے بیٹھنے کے لیے اپنے پیچھے اپنی اونٹنی پر جگہ بنائی پھر اپنا گھٹنا جھکایا صفیہؓ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹنی پر سوار ہوئیں، اور آپؐ نے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ کھینچ دیا۔ انسؓ کا بیان ہے "ہم سب وہاں سے رخصت ہوئے جب مدینہ کے نزدیک پہنچے اور اس کے در و دیوار نظر آنے لگے، تو آپؐ نے اُحد کو دیکھ کر فرمایا: "یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" پھر مدینہ منورہ پر نظر ڈالی اور فرمایا "الٰہی! میں اس کے دونوں کناروں کے درمیان واقع ہونے والے علاقوں کو حرم مقرر کرتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم مقرر کیا تھا۔ الٰہی! اہلِ مدینہ کے مُد اور صاع میں برکت نازل فرما" ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آپؐ مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا "آئبُونَ، تَائبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ" "ہم واپس آرہے ہیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کی حمد بیان کرتے ہیں"۔ شہر میں داخل ہونے تک یہی کلمات وردِ زبان رہے۔

واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک رات آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ چلتے رہے، صبح کے وقت آپؐ بھی اور سب صحابہؓ بھی سو گئے جیسا کہ صحیح مسلم اور موطا امام مالک میں سعید بن مسیب اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ خیبر سے واپس آتے ہوئے آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے ایک

رات سفر جاری رکھا جب نیند کا وقت آیا تو آپؐ پچھلی رات آرام کے لیے اتر پڑے۔ اور بلالؓ سے کہا کہ نماز کے وقت کا دھیان رکھیں اور اذان کہہ کر سب کو جگا دیں لیکن آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور بلالؓ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا جب دھوپ نکلی تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ جاگے آپؐ گھبرائے، اور بلالؓ کو آواز دی تو وہ کہنے لگے "یا رسول اللہ! میرا ماں باپ آپؐ پر قربان میری روح بھی اس نے قبض کی، جس نے آپؐ کی روح قبض کی تھی" آپؐ نے فرمایا: "اب کچھ آگے آگے چلو، آگے چل کر نماز پڑھتے ہیں"۔ پھر آپؐ نے وضو کیا اور بلالؓ کو حکم دیا۔ انہوں نے اقامت کہی، اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو صبح کی نماز پڑھائی۔ فارغ ہونے کے بعد فرمایا: "جو شخص نماز کو بھول جائے، وہ یاد آنے پر اس کو پڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔"[1] یعنی یاد آنے پر نماز پڑھو"۔ یونس کہتے ہیں کہ ابن شہاب اس لفظ کو "لِلذِّكْرٰى" (مصدر کے ساتھ) پڑھا کرتے تھے۔ مسلم کی روایت میں ہے "آپؐ نے فرمایا "اس جگہ شیطان نے ہمیں نماز سے غافل کیا ہے" اور اسی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپؐ نے پہلے فجر کی دو سنتیں پڑھیں، پھر اقامت کہی، اس کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوا جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے، تو اس کا وقت وہی ہے جس میں بیدار ہو، یا جس وقت اس کو یاد آئے۔ یہ بھی ثابت ہوا، فجر کے فرضوں کے ساتھ فجر کی سنتوں کی بھی قضاء دی جائے ——— کیونکہ آپؐ نے فرضوں کے ساتھ فجر کی سنتوں کی بھی قضاء دی۔ اور جب آپؐ سے صرف فجر کی سنتیں رہ گئی تھیں، تو آپؐ نے ان کی بھی قضاء دی تھی۔ نیز اگر نماز فوت ہو جاتی تو آپؐ فرضوں کے ساتھ مؤکدہ سنتوں کی بھی قضاء دیتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ فوت شدہ نماز کی قضاء دیتے وقت اذان اور تکبیر بھی کہی جائے۔ کیونکہ اس واقعہ کی بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا تھا انہوں نے نماز کے لیے اذان کہی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا، انہوں نے اذان اور اقامت کہی۔ رواہ ابوداؤد۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ فوت شدہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور نماز کی فی الفور قضاء دی جائے۔ آپؐ نے آرام کرنے کی جگہ سے نماز کو ذرا مؤخر اس لیے کیا تھا کہ وہاں شیطان حاضر ہوا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ جہاں شیطان کی آمد و رفت ہو وہاں نماز بطریق اولیٰ نہیں پڑھنا چاہیے، جیسے حمام، ٹٹیاں اور قضاء حاجت کی مخصوص جگہیں!

---

[1] طٰہٰ: ۱۴

مہاجرینؓ کا انصارؓ کو ان کے باغات اور پھلدار درخت واپس کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خیبر سے واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے پھلوں کے عطیے واپس کر دیئے' اس لیے کہ جب مہاجر مکہ سے مدینہ منورہ میں آئے تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا' انصار زمین اور باغات کے مالک تھے' انہوں نے مہاجرین کو اپنی جائدادیں یوں تقسیم کر دیں کہ وہ ان کو ہر سال نصف پھل دیا کریں گے' اور وہ کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹایا کریں گے۔ انسؓ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کو کچھ پھلدار کھجوریں دی تھیں۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ: میرے گھر والوں نے مجھے حکم دیا کہ آپؐ سے ان درختوں کی واپسی کا مطالبہ کروں' جو انہوں نے آپؐ کو دیئے تھے' آپؐ نے وہ درخت امِ ایمنؓ کو دے رکھے تھے' چنانچہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپؐ نے وہ درخت مجھے واپس کر دیئے۔ امِ ایمنؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے آکر میری گردن میں کپڑا ڈالا اور کہنے لگیں: "بخدا! آپؐ نے وہ درخت مجھے دے دیئے ہیں' تمہیں وہ کبھی نہیں دے سکتے' آپؐ نے فرمایا: "اے امِ ایمن! اس کے بدلے اتنے اتنے درخت لے لو' اور اس کے درخت چھوڑ دو۔ وہ بولیں' ہرگز نہیں! اس خدا کی قسم! جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں' میں نہیں چھوڑوں گی" آپؐ نے فرمایا' اچھا اتنے لے لو' اتنے لے لو" یہاں تک کہ آپؐ نے ان کو دس گنا زیادہ درخت دیئے' اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں ان درختوں کے بدلے اپنے مخصوص باغ سے درخت دیئے۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں قیام

آنحضرت ﷺ نے خیبر سے واپسی کے بعد شوال تک مدینہ میں قیام کیا' اور اس عرصہ میں آپؐ نے مختلف جگہوں میں مختلف سرایا بھیجے۔

حضرت ابوبکرؓ کو ایک سریّہ دے کر نجد اور بنو فزارہ کی طرف بھیجا' سلمہؓ بن اکوع بھی ان کے ساتھ تھے! ان کے حصّہ میں ایک بڑی خوبصورت لونڈی آئی تھی' جسے آپؐ نے بطورِ ہبہ اُن سے حاصل کیا اور اس کے بدلہ میں مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا' جو مکہ میں گرفتار تھے' جیسے کہ صحیح مسلم میں اس کی تفصیل ذکر ہوئی ہے۔

حضرت عمرؓ کو شعبان ۷ھ میں تیس آدمی دے کر بھیجا اُن کے ہمراہ بنو ہلال کا ایک راہنما تھا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے ہوازن کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت عمرؓ ان کے گھروں تک گئے مگر وہاں کسی کو موجود نہ پاکر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

بشیر بن سعد انصاریؓ کو تیس آدمیوں کا ایک لشکر دے کر فدک میں بنو مُرّہ کی طرف بھیجا جہاں لڑائی ہوئی اور بنو مرہ کے کچھ آدمی قتل ہوئے۔ امیرِ سریّہ سعدؓ بھی زخموں کی وجہ سے کافی عرصہ بیمار رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا وہیں انتقال ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی خبر مدینہ منورہ میں ابن زید حارثیؓ لائے اور بعد میں بشیر بن سعدؓ بھی آ گئے۔

جہینہ کے حرقات کا سریّہ! —— آپؐ نے اِس لشکر کا امیر غالبؓ بن عبداللہ کلبی کو مقرر کیا۔ جب نزدیک پہنچے تو انہوں نے دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ جاسوس بھیجے انہوں نے واپس آکر حالات بتائے تو انہوں نے رات کے وقت، جب وہ سو گئے تھے، ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا پہلے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء کے بعد کہا "میں تم کو اللہ وحدہٗ لاشریک سے ڈرتے رہنے کی وصیّت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری فرمانبرداری کرو نافرمانی نہ کرو اور نہ میرے کسی حکم کی مخالفت کرو کیونکہ جس کی مخالفت کی جاتی ہے اس کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوتی" پھر انہوں نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ "اے فلاں! تو نے فلاں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اور اے فلاں! تو نے فلاں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ کوئی شخص اپنے ساتھی سے جدا نہ ہو ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آئے اور میں اس سے پوچھوں "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" تو وہ کہے "مجھے معلوم نہیں" جب میں "اللہ اکبر" کہوں تو سب مل کر نعرۂ تکبیر بلند کرو اور میانوں سے تلواریں نکال کر دشمن پر ٹوٹ پڑو" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ نعرۂ تکبیر لگا کر ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ تلواریں لے کر ان کو گھیر لیا اور بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ حرقہ کی طرف بھیجا ہم نے صبح سویرے ان پر حملہ کیا اور ان کو شکستِ فاش دی میں اور انصار کا ایک آدمی ان کے ایک آدمی کے پیچھے دوڑے جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے کہا "لا الٰہ الا اللہ" انصاری

تو یہ بات سن کر رک گیا لیکن میں نے اس کو نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے پوچھا "اسامہ! تو نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا ہے؟" میں نے کہا "یا رسول اللہ! وہ تو جان بچانے کے لیے ایسا کہتا تھا" مگر آپ برابر یہی بات فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے آرزو کی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔

(سریۃ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ) یمن اور جبار (بفتح جیم) کی طرف بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ بعض کہتے ہیں یہ غطفان کا علاقہ ہے اور بعض کہتے ہیں یہ فزارہ اور عذرہ کا مسکن ہے اس لشکر میں تین سو آدمی تھے جو ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے گئے تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پر لوٹ ڈالنے کے لیے مختلف قبائل سے لوگ جمع کیے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن کو چھپ رہتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے جب دشمن کو بشیر رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ دم دبا کر بھاگ گیا مسلمانوں کے ہاتھ بہت سے اونٹ آئے اور دو آدمی گرفتار ہوئے جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

(سریۃ نجد) آنحضرت ﷺ نے نجد کی طرف ایک سریہ بھیجا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس سریہ میں شریک تھے وہ کہتے ہیں غنیمت میں ہمیں بارہ بارہ اونٹ ملے اور ایک ایک اونٹ انعام میں دیا گیا اس طرح ہم تیرہ تیرہ اونٹ لے کر واپس آئے۔

(سریۃ عبداللہ بن رواحہ) آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو تیس آدمی دے کر بشیر بن رزام یہودی کی طرف بھیجا ان میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس بھی تھے آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ شخص آپ پر حملہ کرنے کے لیے بنو غطفان میں سے فوج جمع کر رہا ہے چنانچہ یہ لوگ خیبر میں اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے وہ تمہیں خیبر پر عامل مقرر کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہمارے ساتھ چلو اور آنحضرت ﷺ سے یہ اعزاز حاصل کرو انہوں نے اس قسم کی طمع آمیز باتیں کیں، تو وہ اپنے تیس معتمد آدمی لے کر ان کے ساتھ چل پڑا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں سے ہر آدمی نے ایک ایک یہودی کو اپنے پیچھے سوار کر لیا جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل دور قرقرہ سار مقام میں پہنچے تو بشیر کو اس طرح ان کے ساتھ آنے پر ندامت ہوئی اس نے عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ارادہ کو بھانپ کر اپنے اونٹ کو بھگایا اور اس سے

دور ہوگئے پھر نیچے اتر کر قافلہ کو ہانکتے ہوئے موقعہ پا کر تلوار کے ایک وار سے بشیر کا پاؤں کاٹ دیا۔ بشیر اپنے اونٹ سے کودا اور درخت شوحط کی ایک کھونٹی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی عبداللہ کے سر پر ایک گہرا زخم لگایا یہ دیکھ کر سب مسلمانوں نے اپنے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے یہودی کو قتل کر دیا ان میں سے صرف ایک یہودی دوڑ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوا باقی سب وہیں تہ تیغ ہو گئے۔ اہل اسلام میں کسی آدمی کا نقصان نہیں ہوا۔ جب یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے عبداللہ بن انیس کے زخم پر اپنا لب مبارک لگایا جس سے نہ تو اس میں پیپ پڑی اور نہ ہی مرتے دم تک کسی قسم کا درد محسوس ہوا۔

(سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ) صحیحین میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت: (النساء: ۵۹) "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"۔ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے متعلق نازل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک آدمی کو ایک سریہ پر امیر مقرر کیا اور اس کے رفقاء کو اس کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ کسی موقعہ پر انہوں نے اس کو ناراض کر دیا اس نے ان کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا انہوں نے لکڑیاں جمع کر دیں پھر اس نے ان کو آگ جلانے کا حکم دیا انہوں نے آگ جلا دی جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اس نے کہا "کیا آنحضرت ﷺ نے تمہیں میری بات سننے اور اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا؟" سب بولے "کیوں نہیں! آپ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے" اس نے کہا "پھر سب آگ میں کود جاؤ۔" وہ یہ سن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کہنے لگے "آگ سے بچنے کے لیے تو ہم آپ پر ایمان لائے ہیں پھر آگ میں کود جائیں؟" اتنے میں اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور آگ بھی بجھ گئی جب واپس آئے تو انہوں نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا آپ نے فرمایا "اگر یہ آگ میں کود جاتے تو اس سے کبھی باہر نہ آتے فرمانبرداری صرف نیکی کے کام ہے"۔ ہدی میں لکھا ہے یہ امیر عبداللہ بن حذافہ تھے۔

عمرۃ القضاء

امام حاکم لکھتے ہیں: متواتر احادیث میں آیا ہے کہ جب ذوالقعدہ ۷ھ کا چاند طلوع ہوا تو آنحضرت

ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس عمرہ کی قضا دینے کا حکم دیا جس سے حدیبیہ میں ان کو مشرکوں نے روک دیا تھا اور آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کوئی آدمی پیچھے نہ رہے اس لیے اس عمرہ میں وہی آدمی حاضر نہیں ہوسکے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے، یا وفات پا گئے تھے۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ دو ہزار مسلمان تھے آپؐ نے اپنی غیر حاضری میں ابورہم غفاریؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے ساتھ قربانی کے ساٹھ اونٹ لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا، اور لبیک پکاری مسلمان بھی آپؐ کے ساتھ لبیک پکارنے لگے آپ نے ناجیہ بن جندب اسلمیؓ کو اپنی قربانیوں کا نگران مقرر کیا۔

جب آپؐ مرالظہران پہنچے تو اپنے ہتھیار لبطن یاجج میں جو مکہ کے نزدیک ایک مقام ہے اور جہاں سے حرم کے پہاڑ نظر آتے ہیں جمع کر دیئے اور ان کی حفاظت کے لیے اوس بن خولی انصاریؓ کو دو سو آدمیوں میں پیچھے چھوڑا اور باقی سب لوگ مسافر کی طرح میان میں بند ایک تلوار لیے کر مکہ میں داخل ہوئے اس وقت مکہ کے سب سردار پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے تاکہ وہ اس دشمنی کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے تھی آپؐ کو دیکھ نہ سکیں آپؐ نے قربانی کے اونٹ پہلے بھیج دیئے تھے اور ان کو ذی طوی میں روکنے کا حکم دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اپنی قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے، مسلمان گلے میں تلواریں لٹکاتے ہوئے آپؐ کو گھیرے ہوئے تھے اور لبیک پکار رہے تھے جب آپؐ طواف کرنے لگے، تو کفار کے سامنے اپنی قوت اور چستی کا مظاہرہ کرنے کے لیے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے کندھوں سے چادریں ہٹا دیں اور دوڑ دوڑ کر طواف کریں یہ اس لیے کہ آپؐ کفار پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار فرماتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: آپؐ کے مکہ میں آنے سے پہلے مشرک ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تمہارے شہر میں وہ لوگ آئیں گے جن کو یثرب کے بخار نے ضعیف اور ناتواں کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کو تین پھیرے دوڑ کر طواف کرنے کا حکم دیا تاہم ان کو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ چلنے کی اجازت دی اور ساتوں پھیروں میں دوڑنے کا اس لیے حکم نہیں دیا کہ وہ در اصل کمزور تھے اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکتے تھے انتہی! اسلام میں یہ پہلا طواف ہے جو کندھے ننگے کر کے، دوڑ کر کیا گیا۔ مشرک قطاروں میں کھڑے آپؐ کو اور صحابہ کرامؓ کو طواف کرتے

دیکھ رہے تھے۔ آپؐ مکہ میں اس گھاٹی سے داخل ہوئے تھے جو حجون کے نزدیک واقع ہے۔ عبداللہؓ بن رواحہ آپؐ کی ناقہ کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے۔

شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ عمرۃ القضاء میں مکہ میں داخل ہوئے، تو عبداللہؓ بن رواحہ مندرجہ ذیل شعر پڑھتے ہوئے آپؐ کے آگے آگے چل رہے تھے ؎

خلّوا بنی الکفار عن سبیلہٖ　　الیوم نضربکم علٰی تنزیلہٖ

"اے کفار کے بیٹو! اللہ کے رسولؐ کا راستہ چھوڑ دو، ورنہ ہم اللہ کے حکم کے مطابق تم پر اس طرح تلوار چلائیں گے . . . "

ضرباً یزیل الھام عن مقیلہٖ　　ویذھل الخلیل عن خلیلہٖ

"جو تمہاری کھوپڑیاں تمہاری گردن سے جدا کر دے گی، اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔"

عبدالرزاق نے اس کو دو سندوں سے ذکر کیا ہے، اور یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں ؎

قد انزل الرحمان فی تنزیلہٖ　　بأنّ خیر القتل فی سبیلہٖ

"بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں اتارا ہے کہ بہترین قتل فی سبیل اللہ ہے۔"

نحن قتلناکم علٰی تأویلہٖ　　کما قتلناکم علٰی تنزیلہٖ

"ہم تمہیں اس کے فرمان کے مطابق قتل کریں گے، جس طرح ہم نے اس کی طرف سے اجازت اترنے پر تم کو قتل کیا۔"

طبرانی اور بیہقی نے اس کو "دلائل" میں ذکر کیا ہے، اور یہ زیادہ کیا ہے ؎

یا ربّ انّی مومن بقیلہٖ

"الٰہی! میں اس کے فرمان پر ایمان لایا ہوں!"

ابن عقبہ نے "قد انزل الرحمان فی تنزیلہٖ" کے بعد لکھا ہے ؎

فی صحف تتلٰی علٰی رسولہٖ　　بأنّ خیر القتل فی سبیلہٖ

"رحمان نے اپنی کتاب میں، جو رسولؐ پر پڑھی جاتی ہے، یہ بات اتاری ہے کہ اس کے راستہ میں قتل ہونا بہترین قتل ہے۔"

اور ابنِ اسحاق نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں ؎

یارَبِّ اِنّی مومن بقیلہٖ انّی رأیت الحقّ فی قبولہٖ ۔ انتہیٰ!

"الٰہی! میں اس کے فرمان پر ایمان لایا ہوں، اور اس کے قبول کرنے کو حق سمجھتا ہوں"

کہتے ہیں، آپؐ برابر لبیک کہتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے چادر کو کندھے سے ہٹا کر کھونٹی کے ساتھ حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ مسلمان بھی اپنے کندھے ننگے کر کے آپؐ کے ساتھ طواف کرتے تھے۔ اور شمائلِ ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن رواحہ سے کہا "اے ابنِ رواحہ! تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے شعر کہتا ہے[1] یہ اشعار ان کو تیر سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں" پھر آپؐ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی اونٹ پر سوار ہو کر کی جب ساتواں چکر لگا کر طواف ختم کیا اور آپؐ کی سواری مروہ پر آ کر رُکی، تو فرمایا: "یہ قربانی ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکہ کی سب گلیوں میں قربانی کے جانور ذبح ہو سکتے ہیں" آپؐ نے مروہ کے پاس قربانی ذبح کی اور اسی جگہ سر منڈایا اور دوسرے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے کچھ لوگوں کو بطنِ یاجج میں ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے بھیجا، تاکہ دوسرے لوگ آ کر اپنا عمرہ پورا کر لیں۔ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ مکہ میں تین دن رہے۔ صحیح بخاری میں براءؓ بن عازب سے روایت ہے جب تین دن گزر گئے، تو قریش حضرت علیؓ کے پاس آ کر کہنے لگے: "اپنے نبیؐ سے کہو، وقت ختم ہو گیا ہے، اب چلا جائے" چنانچہ آپؐ نے مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ آپؐ کے پیچھے حضرت حمزہؓ کی لڑکی "چچا جان! چچا جان!" کہتی ہوئی دوڑی۔ حضرت علیؓ ہاتھ سے پکڑ کر اسے فاطمہؓ کے پاس لائے اور کہا: "اپنے چچا کی لڑکی کو سنبھالو!" حضرت فاطمہؓ نے اس کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور مدینہ منورہ لے آئے۔ بعد میں اس کی پرورش کے لیے حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں جھگڑا ہوا۔ علیؓ کہنے لگے "یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، میں اس کا زیادہ حقدار ہوں"۔ جعفرؓ نے کہا: "میرے چچا کی بیٹی ہے، اور میری بیوی اس کی خالہ ہے"۔ زیدؓ نے کہا "میرے بھائی کی بیٹی ہے"۔ آنحضرت

---

[1] اصل کتاب میں جگہ خالی ہے۔ دوسری روایات میں آتا ہے، آپؐ نے فرمایا "عمرؓ! اس کو منع نہ کر۔ یہ اشعار ان کو تیر سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں"۔ (مترجم)

ﷺ نے اس کا خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا "خالہ ماں کے حکم میں ہے" اور علیؓ سے فرمایا "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں"، جعفرؓ سے فرمایا "تم اپنے جسم اور اپنے اخلاق میں مجھ سے ملتے جلتے ہو" اور زیدؓ سے کہا "تم ہمارے بھائی اور ہمارے آزاد کردہ ہو"۔ اسی لڑکی کے جوان ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے آپؐ سے عرض کی تھی: "آپؐ حمزہؓ کی لڑکی سے شادی کر لیں" تو آپؐ نے فرمایا تھا "یہ میری رضاعی بھتیجی ہے" انتہیٰ!

حضرت میمونہؓ کے ساتھ شادی کا ذکر

اسی عمرۃ القضاء میں آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے شادی کی، اور ابو رافعؓ کو پیچھے چھوڑا کہ وہ شام کے وقت میمونہؓ کو آپؐ کے پاس پہنچا دیں۔ آپؐ نے مقام سرف میں قیام کیا۔ اسی جگہ میمونہؓ اور ان کے ساتھی بصد مشکل مشرکوں کے بیوقوفوں اور ان کے بچوں کے ہاتھوں ایذا اٹھا کر پہنچے اور اسی جگہ آپؐ نے میمونہؓ سے شب باشی کی پھر آپؐ نے یہاں سے پچھلی رات کوچ کیا۔ اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ تقدیر الٰہی ملاحظہ ہو کہ میمونہؓ کی قبر بھی سرف میں اسی جگہ بنی جہاں پر رسول پہلے آپؐ نے ان کے ساتھ شب باشی کی تھی۔ میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید کی خالہ ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے احرام کی حالت میں میمونہؓ سے شادی کی تھی، اور شب باشی حلال ہونے کے بعد فرمائی تھی لیکن یہ عبداللہ بن عباسؓ کا وہم ہے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں: اگرچہ میمونہؓ ابن عباسؓ کی خالہ ہیں، مگر انہوں نے غلطی کی ہے آپؐ نے عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ان سے شادی کی تھی! ———— جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے میمونہؓ خود فرماتی ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے عمرہ سے حلال ہونے کے بعد مجھ سے شادی کی تھی"۔ ابن المنذر کہتے ہیں: "یہ آپؐ کی آخری بیوی ہیں، جن کے ساتھ آپؐ نے شادی کی، اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ان کا ہی سب سے آخر میں انتقال ہوا" واللہ اعلم!

جنگ موتہ

کہتے ہیں: عمرۃ القضاء سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ ذوالحج، محرم، صفر،

ربیع الاوّل اور ربیع الآخر پانچ مہینے مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اسی سال ماہِ صفر میں خالدؓ بن ولید، عمرؓ بن عاص اور عثمانؓ بن طلحہ حجبی آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا "مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں"۔ اسی طرح 'استیعاب' میں مذکور ہے۔

پھر آپؐ نے ماہ جمادی الاخریٰ ۸ھ میں شام کی طرف ایک لشکر بھیجا، جس پر یکے بعد دیگرے تین امیر مقرر کر دیئے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "بعث الامراء" رکھا گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپؐ نے حارثؓ بن عمیر ازدی کو ایک مکتوب دے کر بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا، مگر جب وہ دمشق سے ادھر بلقاء کے ایک مقام مُوتہ (بضم المیم) میں پہنچے، تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد قتل نہیں ہوا۔ ان کا انتقام لینے کے لیے آپؐ نے تین ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کیا، اور اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ اور فرمایا، اگر زیدؓ شہید ہو جائیں، تو لشکر کے امیر جعفرؓ بن ابی طالب، اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر امیر عبداللہؓ بن رواحہ ہوں گے۔

کہتے ہیں آپؐ نے سفید رنگ کا جھنڈا باندھا، اور زیدؓ بن حارثہ کے حوالہ کیا اور ان کو ہدایت کی کہ:

"وہ اس جگہ جائیں، جہاں آپؐ کے ایلچی حارثؓ بن عمیر ازدی کو قتل کیا گیا تھا!۔ وہاں بسنے والے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں، تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا مانگیں، اور ان سے لڑائی کریں"۔ آپؐ ثنیۃ الوداع تک اس لشکر کو وداع کرنے کے لیے گئے۔ وداع ہوتے وقت عبداللہؓ بن رواحہ رونے لگے۔ کسی نے کہا "رونے کی وجہ"؟ انہوں نے کہا "خدا کی قسم! میں دنیا کی محبت اور تمہاری دوستی کی وجہ سے نہیں روتا، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپؐ نے کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھی تھی جس میں آگ کا ذکر ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا"[1] یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جو اس میں داخل نہ ہو۔ تمہارے ربّ کا یہ طے شدہ فیصلہ ہے"!۔ میرا رونا اس لیے ہے کہ میں نہیں جانتا، اس میں داخل ہونے کے بعد کس طرح نکلوں گا"۔

جب یہ لشکر اپنے سفر پر روانہ ہوا، تو الوداع کہنے والے مسلمانوں نے بآوازِ بلند پکارا "اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہو، تمہیں ہر مصیبت سے بچائے اور صحیح سلامت، بامراد واپس لائے"۔ یہ سُن کر عبداللہؓ

---

[1] مریم : ۷۱

بن رواحہ نے کہا ؎

لٰکنّنی أسأل الرحمان مغفرۃ وضربۃ ذات فرع تقذف الزبدا

”مگر میں تو اللہ تعالیٰ سے مغفرتِ ذنوب کے ساتھ تیز دھار تلوار کے زخم کا سوال کرتا ہوں جس سے جھاگ پیدا کرنے والا خون بہے۔“

أو طعنۃ بیدی حران مجھزۃ بحربۃ تنفذ الأحشاء والکبدا

”یا خون کے پیاسے جوان کے ہاتھوں ایسے نیزہ کا زخم مانگتا ہوں جو انتڑیوں اور جگر کو چیر دے اور جسم و جان کا رشتہ کاٹ دے۔“

حتیٰ یقولوا إذا مرّوا علیٰ جدثی یا أرشد اللہ من غاز وقد رشدا

”تاکہ جب اہلِ دل میری قبر پر گذریں تو کہیں: الٰہی! اس غازی کو سیدھا جنت میں پہنچاؤ، ہاں! وہ تو جنت میں پہنچ چکا ہے۔“

مسلمانوں اور عیسائیوں کی فوجی طاقت کا موازنہ

جب مسلمان شام کے علاقہ معان میں پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ شاہِ روم ہرقل ایک لاکھ فوج کے ساتھ بلقار کے نزدیک مآب جگہ میں اترا ہوا ہے اور قبائلِ لخم، جذام اور بلی کی مزید ایک لاکھ فوج بھی اس کی فوج میں شامل ہو گئی ہے یہ سن کر مسلمان معان میں ہی ٹھہر گئے اور آئندہ اقدام کے متعلق سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے؟ پہلے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ صورتِ حال سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کرنا چاہیئے اور بتانا چاہیے کہ شاہِ روم خود دو لاکھ مسلح فوج کے ساتھ ہمارے آگے اترا ہوا ہے آپؐ یا تو ہماری امداد کے لیے مزید فوج بھیجیں گے، یا جس طرح ہدایت فرمائیں گے اس کے مطابق عملدرآمد کیا جائے گا لیکن عبداللہ بن رواحہ نے ان کو جوش دلایا اور کہا: ”اے میری قوم! جس چیز سے ڈر رہے ہو اسی کے لیے اپنے گھروں سے نکلے ہو تم اپنے گھروں سے شہادت کی طلب میں آئے ہو ہم دشمن سے تعداد اور قوت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے ہم تو محض ”اعلائے کلمۃ اللہ“ کی خاطر لڑتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے اس لیے خدا کا نام لے کر چلو دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی پیش آئے وہی ہمارے لیے بہتر ہے کامیابی سے ہمکنار ہوں گے یا شہادت سے

سرفراز ہیں کر مسلمان دشمن کی طرف چل پڑے۔ جب بلقاء کی سرحد پر پہنچے تو شاہِ روم کی فوجیں مشارف نامی بستی میں ان کے سامنے آگئیں۔ مسلمان مُوتہ کی طرف ہٹ آئے اور لڑائی کے لیے اپنی فوج کی صف بندی کی اور جنگ شروع ہوگئی۔ پہلے جھنڈا زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ میں تھا وہ لڑتے لڑتے دشمن کے نیزوں میں گھر گئے اور دادِ مردانگی دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ پھر جھنڈا حضرت جعفرؓ نے سنبھالا جب دشمن کی بھیڑ میں پہنچے تو گھوڑے سے کود پڑے اور اس کی کونچیں کاٹ کر لڑنے لگے۔ اور یہ پہلا موقعہ ہے کہ اسلام میں لڑائی کرتے وقت گھوڑے کی کونچیں کاٹی گئیں لڑتے لڑتے ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈا اپنی بغل میں دبالیا اور اس کو سرنگوں نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ انہوں نے بھی ۳۲ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ پھر اپنی باری پر جھنڈا عبداللہؓ بن رواحہ نے پکڑا انہوں نے پہلے کچھ تردد محسوس کیا تو اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہا ؎

أقسمت یا نفس لتنزلنہ　　　لتنزلن أو لتکرھنہ

"اے جان! خدا کی قسم! تجھے میدانِ جنگ میں اترنا پڑے گا اب یا اس میں اتر یا پیچھے ہٹ جا!"

إن أجلب الناس وشدوا الرنہ　　　مالی أراک تکرھین الجنۃ

"جب دشمن نے حملہ کر دیا ہے اور جنگ کے نعرے لگ رہے ہیں، تو کیا وجہ ہے تو جنت سے گریز کر رہی ہے؟"

قد طال ما قد کنت مطمئنہ　　　ھل أنت إلا نطفۃ فی شنہ

"تو تو ایک عرصہ سے اپنے دین پر مطمئن ہے (پھر گریز کی وجہ؟) تیری حقیقت کیا ہے پرانے مشکیزہ میں صرف پانی کی ایک بوند!" اور یہ بھی کہا ؎

یا نفس إن لا تقتلی تموتی　　　ھذا احمام الموت قد صلیت

"اے جان! اگر قتل نہیں ہوگی تو آخر مر جائے گی۔ اب تو موت کے حوض میں داخل ہوگئی ہے!"

وما تمنیت فقد أعطیت　　　إن تفعلی فعلھما ھدیت

"اب تیری آرزو برآئی ہے اگر تو اپنے دونوں دوستوں کا کردار ادا کرے گی تو راہِ حق پالے گی۔"

یہ زیدؓ اور جعفرؓ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر یہ تیسرے امیر بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ثابتؓ بن اقرم عجلانی نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور کہا "اے مسلمانو! بالاتفاق کسی کو اپنا امیر بنا لو!"۔ بولے: "آپ ہی ہمارے امیر ہیں" وہ کہنے لگے "میں اس کا اہل نہیں"۔ چنانچہ سب لوگوں نے بالاتفاق حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ انہوں نے جھنڈا لے کر دشمن کو پیچھے دھکیلا اور خود بھی پیچھے ہٹ آئے پھر دشمن کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور یہ اپنی فوج کو بچا کر واپس لے آئے۔

ابنِ سعد نے لکھا ہے اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رومیوں کو شکست ہوئی۔ "ہدی" میں مذکور ہے، صحیح وہ بات ہے جو ابنِ اسحاق نے لکھی ہے کہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے کیمپ میں واپس آ گئیں اور کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی ہمّت نہیں ہوئی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عبداللہؓ بن رواحہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو مسلمان شکست کھا کر بھاگ گئے۔ خالدؓ باقیماندہ لوگوں میں کھڑے ہو کر ان کو بلاتے اور بھاگنے سے منع فرماتے تھے، مگر وہ کسی کی نہیں سنتے تھے یہ دیکھ کر قطبہؓ بن عامر نے اونچی آواز سے پکارا: "لوگو! کفار سے لڑتے ہوئے جان دینا بھاگنے سے بہتر ہے" جب ان کے کانوں میں قطبہؓ کی آواز پہنچی تو سب واپس آ گئے۔

صحیح بخاری میں حضرت خالدؓ سے مروی ہے کہ موتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور اختتامِ جنگ تک صرف ایک یمنی چوڑی تلوار میرے ہاتھ میں موجود رہی۔

اسی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میدانِ جنگ سے خبر آنے سے پہلے ہی آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت سے لوگوں کو مطلع کر دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "پہلے زیدؓ نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گیا۔ پھر جعفرؓ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گیا اس کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گیا بعد ازاں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا لیا اور کفار پر فتح حاصل کی" اور صحیح بخاری میں یہ بھی ہے، عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اس جنگ میں حاضر ہوا تھا۔ ہم نے جعفرؓ کی لاش کو مقتولوں کی لاشوں سے تلاش کیا تو ہم نے ان کے جسم پر نیزے اور تیر کے ۹۰ سے زیادہ زخم پائے۔ ایک روایت میں ہے میں نے اُن کے جسم پر تلوار اور نیزے کے پچاس زخم شمار کیے۔ ان میں سے ایک زخم بھی ان کی پشت پر نہیں لگا تھا۔ طبرانی نے سندِ حسن کے ساتھ عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ذکر کی ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا "تمہیں مبارک ہو تیرا باپ آسمانوں پر فرشتوں

کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے"۔ حاکم اور ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "میں نے جعفرؓ بن ابی طالب کو فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہوئے دیکھا ہے"۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ "جعفرؓ جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کے ساتھ اڑ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے عوض اس کو دو پَر دے دیئے ہیں"۔ اس کی سند جید ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ بن جعفرؓ کو سلام کہتے تو فرماتے: "اے ذوالجناحین کے بیٹے! السلام علیکم!"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، جب رسول اللہ ﷺ کو زید بن حارثہؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور جعفرؓ کی شہادت کی خبر ملی، تو آپؐ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپؐ کے چہرہ پر رنج و ملال کے آثار ظاہر تھے۔ میں دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھی، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ "جعفرؓ کی عورتیں رو رہی ہیں"۔ آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ ان کو منع کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد آ کر کہنے لگا "یارسولؐ اللہ! میں نے ان کو منع کیا ہے، لیکن وہ باز نہیں آئیں اور انہوں نے میرا کہا نہیں مانا"۔ آپؐ نے فرمایا "جاؤ، ان کو منع کرو"۔ وہ گیا اور تیسری مرتبہ پھر آ کر کہا "میں نے ان کو منع کیا ہے، لیکن وہ باز نہیں آتیں"۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جاؤ ان کے منہ میں مٹی ڈالو"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے اس سے کہا: "تمہاری ناک خاک آلود ہو، نہ تم آپؐ کا حکم بجالاتے ہو، اور نہ آپؐ کو صدمہ پہنچانے سے باز آتے ہو"۔ ابن اسحاق کی روایت میں حضرت عائشہؓ نے کہا "اکثر تکلف کرنے والے نقصان اٹھاتے ہیں"۔

موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں: اہل موتہ کی خبر یعلیٰؓ بن امیہ لے کر آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا "اگر چاہو تو تم سارے واقعہ کی تفصیل بتاؤ اور اگر چاہو تو مجھ سے پوری خبر سن لو"۔ وہ بولے: "یارسولؐ اللہ! آپؐ ہی بتائیے"۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پوری خبر بتائی تو انہوں نے کہا "یارسولؐ اللہ! بخدا! آپؐ نے تو پورا واقعہ بیان کر دیا ہے، اور ایک حرف بھی نہ چھوڑا"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میرے آگے سے زمین کا پردہ ہٹا دیا تھا، اور میں نے پوری جنگی کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھی"۔

اہل اسلام میں سے اس جنگ میں فوج کے تینوں امیر زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ، مسعود بن اوس، وہب بن سعد بن ابی سرح، عبادہ بن قیس، حارثہ بن نعمان، سراقہ بن عمرو بن عطیہ، عمرو بن زید کے دونوں بیٹے ابوکلیب اور جابر، اور سعد بن حارث کے دونوں بیٹے عمرو اور عاصم وغیرہ، درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انتہیٰ!

جب یہ لوگ واپسی میں مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے اہلِ مدینہ نے ان کا استقبال کیا اور بچے بھی دوڑ کر استقبال کے لیے آئے آپؐ گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے ساتھ آ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "ان بچوں کو اپنے ساتھ بٹھا لو اور عبداللہ بن جعفرؓ کو مجھے پکڑا دو" چنانچہ آپؐ نے اُن کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ جب یہ لشکر مدینہ میں داخل ہونے لگا تو لوگوں نے ان پر مٹی ڈالی، اور کہا "اے بھاگنے والو! اللہ کے راستہ میں جنگ کرنے کی بجائے بھاگ آئے ہو" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہیں! یہ بھاگنے والے نہیں، بلکہ ان شاء اللہ دوبارہ حملہ کرنے والے ہیں"۔ اس کو ابنِ اسحاق نے سیرت میں بیان کیا ہے۔

غزوۂ ذاتُ السّلاسل

اس جنگ کا نام "ذات السلاسل" اس لیے ہے کہ مشرکوں نے اس خوف سے کہ ان کے آدمی جنگ سے بھاگ نہ جائیں، ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک کنواں تھا جس کا نام "سلسل" تھا، یہ جنگ اس کے قریب ہوئی تھی اس وجہ سے اس کا نام "جنگِ ذات السلاسل" پڑ گیا یہ مقام وادی القریٰ سے آگے ہے، اور مدینہ سے دس یوم کے فاصلہ پر ہے۔ صاحب "ہدی" نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ جنگ جمادی الاخریٰ ۸ھ میں ہوئی تھی لیکن ابنِ ابی خالد نے اپنی کتاب "صحیح التاریخ" میں اس کی تاریخ ۷ھ لکھی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قضاعہ قبیلے کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپؐ نے عمروؓ بن عاص کو بلایا، ان کو ایک سفید رنگ کا اور ایک سیاہ رنگ کا جھنڈا دیا، اور تین سو سر کردہ مہاجرین اور انصار کا لشکر دے کر ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا، ان کے پاس تیس گھوڑے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جاتے ہوئے بلیّ، عذرہ اور بلقین کے قبائل سے بھی مدد لیں۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے تھے، جب محاذِ جنگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج بہت زیادہ ہے، اس لیے مزید مدد لینے کے لیے انہوں نے رافعؓ بن مکیث جہنی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمیوں کا لشکر دے کر ان کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ اور ابو عبیدہؓ کو حکم دیا کہ محاذِ جنگ پر دونوں

مل کر کام کریں اور آپس میں اختلاف نہ کریں چنانچہ ایک دن نماز کے وقت ابو عبیدہؓ جماعت کرانے لگے، تو عمروؓ نے کہا "آپ میری مدد کے لیے آئے ہیں، امیر میں ہوں اور نماز پڑھانا میرا حق ہے۔" یہ سن کر ابو عبیدہؓ نے مصلا چھوڑ دیا اور عمروؓ ہی سارے سفر میں نمازیں پڑھاتے رہے۔ عمروؓ نے اپنا سفر جاری رکھا اور قضاعہ کا سارا علاقہ روند ڈالا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور مختلف اطراف میں منتشر ہو گئے۔ عمروؓ بن عاص نے فتح کی بشارت اور اپنی واپسی کی اطلاع دینے کے لیے عوف بن مالک اشجعیؓ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔

امام احمدؒ نے عامر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ ذات السلاسل میں ابو عبیدہؓ کو مہاجرین پر اور عمروؓ بن عاص کو دیہاتیوں پر امیر مقرر کیا اور ان کو ہدایت کی کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں اور بنو بکر پر لوٹ ڈالیں لیکن عمروؓ نے بنو بکر کی بجائے بنو قضاعہ پر حملہ کیا اس لیے کہ بنو بکر اُن کے ماموں لگتے تھے اور وہ ان پر لوٹ ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ نے ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا ہے۔ عمروؓ نے کسی مصلحت کے پیشِ نظر آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ وہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے پائیں گے۔ آپ کو ان کی مخالفت کرنی چاہیے اور اُن کو آپ کے حکم کی تعمیل پر مجبور کرنا چاہیے۔" ابو عبیدہؓ نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دوسرے کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ میں آپ کے حکم کی اطاعت کروں گا خواہ عمروؓ نافرمانی کریں۔"

اسی جنگ میں امیرِ لشکر عمروؓ بن عاص کو احتلام ہو گیا۔ اس رات بہت سردی پڑی تھی۔ غسل میں ان کو جان کا خطرہ تھا اس لیے انہوں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو نمازِ فجر پڑھائی۔ واپسی پر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا "عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں ان کو نماز پڑھائی ہے؟" انہوں نے غسل نہ کرنے کی وجہ بیان کی اور کہا "میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا[1]" آپؐ یہ سن کر ہنس پڑے اور اُن کو کچھ نہیں کہا۔

---

[1] النساء: ۲۹

ابو قتادہؓ بن ربعی کا سریّہ

جب آنحضرت ﷺ نے اہلِ مکہ سے جنگ کا ارادہ کیا تو آپؐ نے آٹھ آدمیوں کا ایک سریّہ دے کر ابو قتادہؓ کو قبیلہ اضم کی طرف بھیجا، جو مدینہ سے تین برید کے فاصلہ پر ذی خشب اور ذی مروہ کے درمیان آباد تھا۔ یہ شروع رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ مشہور ہو جائے کہ آپؐ اس علاقہ پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں اور لوگ یہ خبریں سن کر دہشت زدہ ہو جائیں۔۔ آپؐ کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہ لیں۔ اس سفر میں ان کی ملاقات عامر بن اضبط سے ہوئی، اس نے اہلِ اسلام کے طریقہ پر ان کو "السلام علیکم" کہا، مگر محلم بن جثامہ نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری ؎ "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[1] الیٰ اٰخر الاٰیۃ" یعنی "جو تمہیں السلام علیکم کہے، اس کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے" رواہ احمد!

"ہدی میں لکھا ہے کہ محلم بن جثامہ نے اس کو کسی پرانی رنجش کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ ابن جریر نے اس سے زیادہ اس طرح بیان کیا ہے کہ پھر کسی موقعہ پر محلم دو چادروں میں ملبوس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپؐ سے استغفار کی درخواست کی مگر آپؐ نے فرمایا "تیرے لیے اللہ کی طرف سے کوئی مغفرت نہیں" یہ سن کر وہ روتا ہوا اٹھ کر چلا گیا، اور اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتا تھا۔ ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ دفن کرنے کے بعد زمین نے اس کو باہر پھینک دیا۔ لوگوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "زمین اس سے بھی بدتر انسان کو قبول کر لیتی ہے، لیکن اللہ تعالےٰ تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہے۔" ابنِ اسحاق نے اس سریّہ کو ابنِ ابی حدرد کی طرف منسوب کیا ہے۔

سریّہ ابی حدردؓ

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ رفاعہ بن قیس، یا قیس بن رفاعہ جشمی، بہت بڑی جمعیت لے کر مدینہ کے قریب غابہ میں خیمہ زن ہے اور بنو قیس کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑائی پر آمادہ کر رہا ہے۔ یہ آدمی بڑا بارسوخ تھا۔ آپؐ نے ابو حدردؓ کو دو اور آدمی دے کر ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے غابہ کی طرف بھیجا۔ جب یہ اس کے لشکر کے قریب پہنچے، تو لشکر کے ایک گوشہ میں چھپ گئے۔

[1] النسآء: ۹۴

اتفاقاً ان کا ایک چرواہا رات تک نہ آیا رفاعہ اس کی تلاش کے لیے لشکر سے باہر آیا۔ جب وہ ابوحدرد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو ابوحدرد رضی اللہ عنہ نے نشانہ باندھ کر اس پر تیر چلایا جو اس کے دل میں پیوست ہوگیا۔ وہ گر پڑا تو ابوحدرد رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا۔ پھر نعرۂ تکبیر لگا کر لشکر کی ایک طرف حملہ کر دیا۔ لوگ سراسیمہ ہو کر بھاگ گئے اور عورتیں، بچے اور دیگر ہلکا پھلکا سامان جو اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے، لے گئے۔ ابوحدرد رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھی بہت سے اونٹ اور بہت سی بکریاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساتھ ہی ابوحدرد رضی اللہ عنہ نے رفاعہ کا سر بھی آپ کے آگے پھینک دیا۔ آپ اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے۔ ابوحدرد رضی اللہ عنہ کو تیرہ اونٹ انعام میں دیئے۔ ابن اسحاق نے جو کچھ بیان کیا ہے، یہ اس کا خلاصہ ہے۔

غزوہ فتح مکہ

زاد المعاد میں لکھا ہے: فتح مکہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، اپنی فوج اور اپنے حرم امین کو عزت بخشی اور اس کے ذریعہ اپنے شہر اور اپنے اس گھر کو جس کو اہل دنیا کے لیے موجب ہدایت بنایا تھا، مشرکوں اور کافروں سے آزاد کرایا اور یہ وہ فتح عظیم ہے جس سے آسمان پر رہنے والے فرشتے خوش ہوئے۔ جس کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور زمین کا چہرہ خوشی سے منور ہوگیا جیسا کہ پہلے بیان ہوا، قریش کے اس عہد کو توڑنے کی وجہ سے جو آپ کے اور ان کے درمیان حدیبیہ میں طے پایا تھا، آپ نے ان پر فوج کشی کی اور یہ رمضان المبارک ۸ھ کا واقعہ ہے! ۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ جنگ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ساڑھے آٹھ سال بعد پیش آئی۔

امام مغازی ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: اس کا سبب یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں بنو بکر بن عبد مناۃ اور بنو خزاعہ کے درمیان فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا۔ اسلام کے ظہور کے بعد یہ آگ کچھ ٹھنڈی پڑ گئی اور لوگوں کی توجہ نئے دین کے قبول یا رد کی طرف منعطف ہوگئی۔ صلح حدیبیہ میں بنو بکر قریش کے عہد میں داخل ہوگئے اور بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کا اچھا موقعہ سمجھا اور لڑائی کی بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ

بھڑکا دیا۔ چنانچہ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے اپنی قوم کی ایک جمعیت کے ساتھ مکہ کی نچلی جانب "وتیر" نامی کنوئیں پر جہاں بنو خزاعہ آباد تھے شبخون مارا اور بنو خزاعہ کے کچھ آدمی قتل اور بہت سے زخمی کر دیئے۔ اس جنگ میں قریش نے ہتھیاروں کے ساتھ بنو بکر کی مدد کی اور ان کے کچھ آدمی چوری چھپے ان کے ساتھ لڑائی میں بھی شریک ہوئے۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی اس وقت بنو بکر کے بعض آدمیوں نے اپنے سردار نوفل بن معاویہ سے کہا "اب تو ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں، اس لیے خدا سے ڈرنا چاہیے اور بنو خزاعہ کے قتل سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیے" مگر نوفل نے اس کا بڑا متکبرانہ جواب دیا اور بولا: "آج کسی خدا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اے بنو بکر! اب موقعہ ہے، اپنا انتقام لے لو بخدا! تم حرم میں چوری کرتے ہو لیکن انتقام لینے سے ڈرتے ہو" چنانچہ اس نے قتل و غارت کا یہ سلسلہ بدستور جاری رکھا، حتیٰ کہ وہ بھاگ کر بدیل بن ورقاء خزاعی اور اپنے ایک حلیف کے گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

جنگ کے خاتمہ پر عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کی ایک جماعت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، قریش کی بدعہدی اور اپنی تباہی کا پورا واقعہ بیان کیا اور اس سلسلہ میں آپؐ سے مدد کا خواستگار ہوا۔ یہ سن کر آپؐ لعجلت تمام کھڑے ہوئے اور اس کو اپنی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ معجم صغیر طبرانی میں حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات وضو کرنے کی جگہ میں آنحضرت ﷺ کو تین بار "لبیک، لبیک" (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) اور تین دفعہ "نُصِرتَ، نُصِرتَ" (تیری مدد ضرور ہو گی، تیری مدد ضرور ہو گی) کہتے سنا۔ جب باہر تشریف لائے، تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے آپؐ کو اپنی وضو کی جگہ میں تین دفعہ "لبیک لبیک" اور تین دفعہ "نُصِرتَ، نُصِرتَ" فرماتے سنا ہے، یوں لگتا تھا، جیسے آپؐ کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ کیا وہاں آپؐ کے پاس کوئی آدمی تھا" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! بنو کعب کا ایک راجز (شاعر) مجھے مدد کے لیے بلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بدعہدی کی ہے اور لڑائی میں ہمارے خلاف اپنے حلفاء بنو بکر کی امداد کی ہے" اس کے بعد آپؐ باہر تشریف لے گئے اور عائشہؓ سے کہا کہ وہ سفر کا سامان تیار کریں۔ اور کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دیں۔ میمونہؓ کہتی ہیں: اسی اثناء میں حضرت ابو بکرؓ عائشہؓ کے گھر داخل ہوئے اور یہ تیاری دیکھ کر پوچھنے لگے "بیٹی! یہ تیاری کیسی ہے؟" وہ بولیں "بخدا! مجھے معلوم نہیں"۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے "واللہ! یہ رومیوں سے لڑائی کا وقت بھی تو نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" انہوں نے کہا "بخدا! مجھے اس کا کچھ علم نہیں" حضرت

میمونہؓ کہتی ہیں تین دن کے بعد جب آپؐ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو ایک راجز نے کھڑے ہو کر کہا:

یارب إنی ناشد محمداً حلف أبینا وأبیه الأتلدا

"الٰہی! میں محمدؐ کو اپنے اور آپؐ کے باپ کا قدیم عہد یاد کراتا ہوں۔"

إن قریشاً أخلفوك الموعدا ونقضوا میثاقك المؤکدا

"بلاشبہ قریش نے آپؐ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے اور آپؐ کے پختہ عہد کو توڑ دیا ہے۔"

وزعموا أن لست أدعو أحداً فانصر هداك اللہ نصراً أیدا

"اور اس زعم میں مبتلا ہیں کہ میں اپنی مدد کے لیے کسی کو نہیں بلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو توفیق دے آپؐ ہماری جاندار مدد فرمائیں۔"

وادع عباد اللہ یأتوا مدداً فیھم رسول اللہ قد تجردا

إن سیم خسفا وجھه تربدا

"اور اللہ کے بندوں کو دعوت دیں کہ وہ ہماری مدد کو آئیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں، جو مشرکین کے حق میں تلوارِ بے نیام ہیں۔ اگر ان سے کوئی ناجائز معاملہ کرتا ہے، تو مارے غصہ کے ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔"

ابنِ اسحاق نے یہ اشعار زیادہ کیے ہیں ؎

فی فیلق کالبحر یجری مزبداً ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

"ان کے پاس ایسا لشکر ہے، جو تیز دریا کی طرح ٹھاٹھیں مارتا اور جھاگ اُبھارتا ہوا چلتا ہے قریش نے سونے کی حالت میں ہم پر شبخون مارا ہے۔"

وقتلونا رکعاً وسجدا وھم أذل وأقل عدداً

"اور ہمیں رکوع اور سجود کی حالت میں قتل کیا ہے، حالانکہ وہ تعداد میں کم اور عزو شرف میں بے حیثیت ہیں۔"

آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: "اے عمرو بن سالم! ہم تیری مدد کو پہنچیں گے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے تین دفعہ فرمایا: "ہم تیری مدد کو پہنچیں گے، ہم تیری مدد کو پہنچیں گے۔" پھر آپؐ نے

دیکھا کہ آسمان پر ایک بادل آپؐ کی طرف بڑھ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا "یہ بادل بنوکعب پر مدد کے لیے بارش برسائے گا" اور بنوکعب سے مراد عمرو بن سالم کی قوم ہے۔ بعد میں قریش اپنے کیے پر نادم ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نے اس کارروائی سے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پانے والا پختہ عہد توڑ دیا ہے۔ اس لیے آپؐ نے پہلے فرما دیا تھا "یوں سمجھو کہ ابوسفیان تجدید عہد اور صلح کی مدت بڑھانے کے لیے آیا ہی چاہتا ہے"۔ چنانچہ وہ سیدھا مدینہ منورہ آیا اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر داخل ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو ام حبیبہؓ نے وہ بستر اس کے نیچے سے کھینچ لیا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا "بیٹی! کیا تو نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا یا اس بستر کو مجھ سے بلند مرتبہ سمجھتی ہو؟" انہوں نے فرمایا "یہ رسول اللہ ﷺ کا پاک بستر ہے اور تم ناپاک اور مشرک ہو، اس پر بیٹھنے کے اہل نہیں"۔ ابوسفیان بولا "بیٹی! میرے گھر سے نکلنے کے بعد تیری عادتیں بگڑ گئی ہیں"۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض مدعا کی مگر آپؐ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس سلسلہ میں بات کریں۔ انہوں نے کہا "میں یہ نہیں کر سکتا"۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا "میں تمہارے حق میں سفارش کروں؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس انسانوں کی بجائے چیونٹیوں کا لشکر ہو تو میں تم سے ضرور لڑوں گا"۔ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ بھی وہاں موجود تھیں اور ان کے سامنے حسنؓ کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا "اے ابوالحسن! تم مجھ سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو، میں ایک مقصد لے کر آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ میں جیسا آیا ہوں ویسا ہی خالی ہاتھ واپس چلا جاؤں، تم میرے لیے آنحضرت ﷺ سے سفارش کرو"۔ انہوں نے کہا "اے ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، آپؐ نے ایک کام کا تہیہ کر لیا ہے، ہم اس بارہ میں آپؐ سے کوئی بات نہیں کر سکتے"۔ پھر اس نے حضرت فاطمہؓ سے کہا "اے بنت محمدؐ! اپنے اس بچہ حسنؓ کو نہیں کہتیں کہ وہ لوگوں میں امن و امان اور پناہ دینے کا اعلان کر دے، اس سے وہ رہتی دنیا تک عرب کا سردار کہلائے گا"۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا "میرا لڑکا ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا، پھر آنحضرت ﷺ کی رضا کے خلاف کوئی بھی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا"۔ ابوسفیان بولا: "ابوالحسن! میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں، خدارا مجھ سے کچھ ہمدردی اور خیر خواہی کا برتاؤ کرو"۔ انہوں نے کہا "بخدا! مجھے تمہارے حق میں کوئی مفید چیز سمجھ

میں نہیں آتی لیکن ہاں! تم بنو کنانہ کے سردار ہو، خود ہی لوگوں میں پناہ اور امن وامان کا اعلان کر دو اور واپس چلے جاؤ۔ اس نے پوچھا "اس کا کچھ فائدہ ہوگا؟" حضرت علیؓ نے کہا "واللہ! کچھ فائدہ نہیں ہوگا، مگر اس کے بغیر کوئی اور طریقہ بھی تو نہیں ہے۔" چنانچہ ابوسفیان مسجد میں آیا اور کہنے لگا "لوگو! سنو! میں لوگوں میں امن وامان اور پناہ کا اعلان کرتا ہوں۔" پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور واپس چلا گیا۔ مکہ پہنچا تو قریش نے کہا "کیا خبر لاتے ہو؟" وہ بولا "میں نے محمدؐ سے بات کی لیکن انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابوبکرؓ سے گفتگو کی مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوا، پھر عمرؓ کے پاس گیا تو وہ دشمن ثابت ہوا۔ (اور ایک لفظ میں ہے، سب سے بڑا سخت دشمن ثابت ہوا) اس کے بعد علیؓ کے پاس آیا، اس کو میں نے بہ نسبت دوسروں کے ہمدرد پایا، اس نے مجھے مشورہ دیا تھا، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کر کے واپس آگیا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا، اس کا کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں۔" بولے "اس نے کیا مشورہ دیا تھا؟" اس نے کہا "اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں خود ہی لوگوں میں پناہ اور امن وامان کا اعلان کر دوں، چنانچہ میں نے اعلان کر دیا۔" قریش نے پوچھا "کیا محمدؐ نے اس کو منظور کیا؟" بولا "نہیں" وہ کہنے لگے "تم پر افسوس ہو، علیؓ نے صرف تجھ سے مذاق کیا ہے۔"

مکہ میں فوج کشی اور اس سلسلہ میں رازداری کا اہتمام

آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور ان کو بتا دیا کہ مکہ پر فوج کشی کا ارادہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قریش کے جاسوسوں سے محفوظ رکھے اور ان کے شہر پر اچانک حملہ ہونے تک انہیں خبر نہ ہونے دے۔ چنانچہ لوگوں نے یہ حکم ملتے ہی زور وشور سے تیاری شروع کر دی مگر حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک مکتوب کے ذریعہ اہل مکہ کو آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ تم پر حملہ ہونے والا ہے، اپنی فکر کر لو اور ایک روایت میں ہے، انہوں نے لکھا کہ "رسول اللہ ﷺ ایک طوفانی لشکر لے کر تمہاری طرف چل پڑے ہیں جو سیلاب کی طرح بڑھ رہا ہے، خدا کی قسم! اگر آپؐ اکیلے بھی ہوں تو تم پر ضرور فتحیاب ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپؐ سے کیے ہوئے اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی۔

صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے، مقدادؓ اور زبیرؓ

کو حکم دیا کہ "فوراً جاؤ روضہ خاخ مقام میں تمہیں ایک عورت مکہ کی طرف جاتی ہوئی ملے گی اس کے پاس ایک مکتوب ہے اسے لے آؤ" ایک روایت میں ہے "وہاں تمہیں ایک مشرک عورت ملے گی، وہ حاطب بن ابی بلتعہ کا مکتوب لے جا رہی ہے اسے لے آؤ" حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا ایک عورت کو اونٹ پر سوار مکہ کی طرف جاتے دیکھا۔ ہم نے اسے کہا "تمہارے پاس جو مکتوب ہے وہ ہمارے حوالے کر دو" وہ بولی "میرے پاس کوئی مکتوب نہیں ہے" ہم نے اسے اونٹ سے اتارا، اس کے سامان کی تلاشی لی مگر مکتوب نہ ملا۔ ہم نے کہا "رسول اللہ ﷺ نے غلط نہیں فرمایا۔ مکتوب ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم کپڑے اتار کر تمہاری تلاشی لیں گے" جب اس نے ہماری طرف سے یہ آمادگی دیکھی تو اپنے تہبند میں لپٹا ہوا مکتوب نکال کر ہمیں دے دیا چنانچہ ہم اس عورت کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے چھٹی پڑھوائی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ "یہ چھٹی حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکوں کے کچھ سرداروں کی طرف ہے" اس میں انہوں نے آپؐ کے کچھ راز ظاہر کیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطبؓ سے پوچھا "تم نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟" انہوں نے کہا "خدا کی قسم! اس کی یہ وجہ نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لایا۔ صرف میں ان پر ایک احسان کرنا چاہتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے میرے اہل و عیال کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ باقی آپؐ کے پاس جتنے مہاجر یہاں آئے ہیں، ان سب کے پیچھے مکہ میں رشتہ دار اور بھائی بند ہیں، جو ان کے مال اور اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں" آپؐ نے ان کا یہ عذر سن کر فرمایا "یہ سچ کہتا ہے، ماسوا خیر کے اس کو کچھ نہ کہو" مگر حضرت عمرؓ بولے "مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں اس نے نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی بلکہ سب مسلمانوں کی خیانت کی ہے۔ مجھے اس کی گردن اڑانے کی اجازت دیجئے" آپؐ نے فرمایا "آپ کو معلوم ہے، یہ جنگ بدر میں حاضر ہوا ہے اور جنگ بدر میں حاضر ہونے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اب جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے" اور ایک روایت میں ہے "تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے، یا میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے" یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور "اللہ و رسولہ اعلم" کہہ کر خاموش ہو گئے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ سورت اتاری جس کی ابتدائی آیات مندرجہ ذیل ہیں:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ إِلَى قَوْلِهِ سَوَاءَ السَّبِيلِ" (الممتحنۃ: ۱)

"ایماندارو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان سے دوستانہ مراسم پیدا کرنا چاہتے ہو"

اللہ تعالیٰ کے قول "سواء السبیل" تک! انتہیٰ۔

آنحضرت ﷺ نے آس پاس کے قبائل اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور سلیم کو بھی بلا لیا، ان میں سے بعض لوگ مدینہ منورہ میں آ گئے اور کچھ دوسرے لوگ راستہ میں آپؐ سے آ ملے۔ اس طرح آپؐ کے ساتھ کل فوج دس ہزار تھی۔ آپؐ نے مدینہ پر ابن ام مکتومؓ اور ایک قول کے مطابق ابورہم غفاریؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں روزہ رکھتے تھے جب قدید اور عسفان کے درمیان "کدید" نامی کنوئیں پر پہنچے تو آپؐ نے روزہ چھوڑ دیا، اور باقی سب مسلمانوں نے بھی روزہ افطار کر دیا اور اس کے بعد روزہ نہیں رکھا۔ زہری کہتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کی آخری بات پر عمل ہو گا" اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے بواسطہ زہری مذکور ہے کہ "صحابہؓ دوسری بات کو پہلی بات کے لیے ناسخ سمجھتے تھے" اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے: "پھر آپؐ نے رمضان ختم ہونے تک روزہ نہیں رکھا" اور ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ "آپؐ نے سفر میں روزہ رکھا بھی ہے، اور افطار بھی کیا، اس لیے جو روزہ رکھنا چاہے، وہ روزہ رکھ لے اور جو افطار کرنا چاہے، وہ افطار کر لے" انتہیٰ!

ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب آپؐ مکہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے تھے تو آپؐ کو راستہ میں آپؐ کے چچا عباسؓ جحفہ میں ملے، جو مسلمان ہو کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ رہے تھے اسی طرح آپؐ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ، جو آپؐ کی بیوی ام سلمہؓ کے بھائی ہیں، راستہ میں مقام "ابواء" میں آپؐ سے ملے حضرت ام سلمہؓ نے ان کے اسلام قبول کرنے کے متعلق آپؐ سے گفتگو کی، اور کہا "یا رسولؐ اللہ! ایک آپؐ کا چچا زاد بھائی، اور دوسرا آپؐ کا پھوپھی زاد بھائی بھی ہے، اور آپؐ کا سالا بھی! — ان کی خطا معاف فرمائیں" تو آپؐ نے فرمایا: "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، میرے چچا کے لڑکے نے میری ہجو کی ہے، اور

میرے پھوپھی کے لڑکے اور میرے سالے نے بھی مکہ میں مجھ سے بہت ناشائستہ باتیں کہی تھیں، یہ جواب سُن کر ابوسفیان نے جس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا کہا "خدا کی قسم! اگر آپؐ مجھ کو معاف نہیں کریں گے تو میں اپنے اس بیٹے کو لے کر جنگل میں چلا جاؤں گا اور وہاں بھوکے اور پیاسے مر جائیں گے" جب آپؐ کو یہ خبر ملی تو آپؐ کے دل میں رقت طاری ہوئی اور آپؐ نے ان دونوں کو معاف کر دیا۔ ابوعمر بیان کرتے ہیں کہ جب آپؐ نے ان کو معاف کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت علیؓ نے ابوسفیانؓ سے کہا "تم سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور وہی بات کہو جو برادران یوسفؑ نے یوسفؑ سے کہی تھی": تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ [1] "بخدا ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہم خطاکار تھے، امید ہے کہ آپؐ تمہاری خطا معاف فرما دیں گے" چنانچہ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا تو آپؐ نے فرمایا: "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ [2] "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری خطا معاف فرمائے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے"

ابوسفیانؓ نے آپؐ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

لعمرك إني يوم أحمل رأية　　لتغلب خيل اللات خيل محمد

"تیری بقا کی قسم! میں نے جس دن اس لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ محمدؐ کے لشکر پر لات کا لشکر غالب آجائے . . ."

لكالمدلج الحيران اظلم ليله　　فهذا أواني حين أهدى واهتدى

"اس وقت میں رات کے مسافر کی طرح تھا جو اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے۔ اب مجھے سیدھا راستہ نظر آگیا ہے، اور میں اس پر چلنے لگا ہوں"

هداني هاد غير نفسي فدلني　　الى الله من طردته كل مطرد

"مجھے کسی راہنما نے راستہ پر ڈال دیا ہے اور اللہ کی راہ پر چلنے کی مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس کو میں نے وطن سے نکال باہر کیا تھا"

ابن اسحاق نے لکھا ہے، کہتے ہیں کہ یہ شعر سُن کر آپؐ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا "تو نے مجھے وطن سے نکال باہر کیا تھا" ابوعمر کہتے ہیں، اس کے بعد اُن کا اسلام پُرخلوص تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ آپؐ کی

---

[1] یوسف: ۹۱ [2] یوسف: ۹۲

مجلس میں ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے اور حیا کی وجہ سے کبھی نظر اٹھا کر آپؐ کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے آپؐ نے ان کے لیے جنت کی شہادت دی ہے اور فرمایا "مجھے امید ہے کہ یہ حمزہؓ کا نعم البدل بنے گا۔" جب یہ فوت ہونے لگے تو اپنے اہلِ خانہ کو وصیت کی "مجھ پر مت رونا، واللہ! اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی غلط بات نہ کہی۔"

آنحضرت ﷺ چلتے چلتے جب مر الظہران میں پہنچے تو آپؐ نے عشاء کے وقت سب صحابہ کو آگ جلانے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں دس ہزار سے زیادہ جگہ آگ روشن کی!۔ قریش اپنی عہد شکنی کی بناپر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ کا خطرہ محسوس کرتے تھے اور ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے، مگر ان کو ابھی تک آپؐ کی فوج کشی کا علم نہیں تھا۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں: مجھے قریش کی تباہی سے سخت پریشانی تھی، میں سوچتا تھا اگر قریش نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے امن حاصل نہ کیا اور آپؐ بزورِ شمشیر مکہ میں داخل ہوئے، تو ان کی ہلاکت میں کوئی کسر باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے میں آپؐ کی خچر پر سوار ہو کر باہر نکلا اور پیلو کے درختوں تک دُور چلا گیا کہ اگر مکہ کی طرف جاتا ہوا کوئی لکڑہارا، دودھ فروش یا کوئی ضرورت مند مل جائے، تو میں اس کے ہاتھ پیغام بھیج دوں کہ لشکرِ اسلام مکہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ سردارانِ مکہ حملہ سے پہلے آ کر آنحضرت ﷺ سے امن حاصل کرلیں، ورنہ ہلاکت کے لیے تیار رہیں بخدا! میں ابھی مکہ کی طرف جا ہی رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنائی دی، جو آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا: "میں نے آج سے پہلے دُور دُور تک پھیلی ہوئی اتنی آگ کبھی نہیں دیکھی، اور نہ اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا ہے۔" بدیل نے کہا: "یہ بنو خزاعہ کی آبادی ہے، جو اس فتنہ کا باعث ہیں۔" ابوسفیان نے جواب دیا: "یہ آگ اور یہ لشکر بنو خزاعہ کا نہیں، وہ اس سے بہت کم اور بہت ذلیل ہیں۔" میں نے اس کی آواز پہچان کر آواز دی "ابوحنظلہ ہے؟" اس نے میری آواز پہچان کر کہا: "ابوالفضل ہے؟" میں نے کہا "ہاں! میں ابوالفضل ہوں۔" اس نے پوچھا "میرا ماں باپ آپ پر قربان ہو، کیا معاملہ ہے، آپ یہاں کیسے پھر رہے ہیں؟" میں نے کہا: "یہ رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ فروکش ہیں، ہائے قریش کی ہلاکت قریب ہے۔" ابوسفیان نے کہا: "میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو، اب نجات کی کیا صورت ہے؟" میں نے کہا "خدا کی قسم! اگر تم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ لگ گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے، میرے پیچھے خچر پر بیٹھو، میں آپؐ سے تمہارے لیے امن حاصل کرتا

ہوں" وہ میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔ جب ہم لشکر گاہ میں پہنچے' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگ کی روشنی میں ہمیں دیکھ کر کہتے "یہ رسول اللہ ﷺ کی خچر ہے' اور اس پر آپ کے چچا سوار ہیں" "یہ کون ہے؟" پھر ابوسفیان کو میرے پیچھے بیٹھا دیکھ کر کہنے لگے "اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا" پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگے۔ میں نے بھی خچر کو ایڑ لگا دی اور ان سے تھوڑی دیر پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا' اور خود خچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کے سر کو جا پکڑا' اور کہا "خدا کی قسم! آج رات مجھ سے پہلے کوئی آپ سے سرگوشی نہیں کر سکتا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کے بارہ میں بہت کوشش کی' میں نے کہا "عمر! ٹھہریئے' ذرا صبر سے کام لیجئے' بخدا! یہ بنو عبد مناف سے تعلق رکھتا ہے' اس لیے آپ اس کے قتل میں سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کے خاندان بنو عدی بن کعب سے ہوتا' تو آپ کبھی ایسا نہ کرتے" اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "عباس! صبر سے کام لیں' خدا کی قسم! اگر میرا باپ خطاب اسلام لے آتا' تو اس کے اسلام سے مجھے آپ کا مسلمان ہونا زیادہ محبوب ہے' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا اسلام رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے" ہماری یہ نوک جھونک ابھی جاری ہی تھی کہ آپ نے فرمایا' "چچا! اس وقت اس کو اپنے ڈیرے پر لے جائیے' صبح میرے پاس لائیں" میں اس کو اپنے ڈیرہ پر لے آیا۔ دوسرے دن صبح سویرے اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا' اس کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا' "ابوسفیان! تجھ پر افسوس ہو' ابھی وقت نہیں آیا کہ تم یقین کرو کہ اللہ تعالے کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں" بولا "میرا ماں باپ آپ پر قربان ہو' آپ کتنے بردبار' کتنے معزز اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں' بخدا! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا' تو مجھے کسی وقت فائدہ کس طرح نہ پہنچاتا" پھر آپ نے فرمایا "ابوسفیان! تم پر افسوس ہو' ابھی وقت نہیں آیا کہ تمہیں یقین آئے کہ میں اللہ تعالے کا رسول ہوں" اس نے کہا "میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو' آپ کتنے بردبار' کتنے معزز اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں' اس کے متعلق میرے دل میں ابھی کچھ شک ہے" یہ سن کر میں (عباس رضی اللہ عنہ) نے کہا "تم پر افسوس ہو' قبل اس کے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے' اسلام لے آؤ۔ اور اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالے کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں' اور محمد ﷺ اللہ تعالے کے رسول ہیں" چنانچہ وہ فی الفور مسلمان ہو گئے' اور شہادت حق کا اقرار کر لیا۔

عباسؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ابوسفیانؓ فخر کو پسند کرتے ہیں، ان کو کچھ مراعات دیں، جن سے یہ اپنی اس عادت کی تسکین کر سکیں" آپؐ نے فرمایا "بہت اچھا جو ابوسفیانؓ کے گھر داخل ہو گا اس کے لیے امن ہے جو اپنا دروازہ بند کر لے گا، اس کے لیے امن ہے اور جو مسجدِ حرام میں آ جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے" جب آپؐ نے مکہ کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تو عباسؓ کو حکم دیا کہ لشکرِ اسلام کا کروفر دکھانے کے لیے ابوسفیانؓ کو تنگ گھاٹی میں کھڑا کریں جہاں سے اسلامی لشکر کے سارے دستے گزریں گے حضرت عباسؓ نے اس حکم کی تعمیل کی جب سب قبائل اپنے اپنے جھنڈے لیے گزرنے لگے، تو ابوسفیانؓ ہر قبیلہ کو دیکھ کر پوچھتے "عباس! یہ کون ہیں" پہلے دستہ کو دیکھ کر جب انہوں نے پوچھا "یہ کون ہیں" تو میں نے کہا "یہ بنو سلیم ہیں" بولے "بنو سلیم کے ساتھ میری کوئی لڑائی نہیں" پھر ایک قبیلہ گزرا تو انہوں نے پوچھا "عباس! یہ کون ہیں" میں نے کہا "یہ بنو مزینہ ہیں" کہنے لگے "بنو مزینہ سے تو میری کوئی لڑائی نہیں" اس طرح سب قبیلے گزر گئے، ہر قبیلہ کے متعلق وہ مجھ سے پوچھتے "یہ کون ہیں" جب میں بتاتا، تو کہتے: "ان کی مجھ سے کیا دشمنی ہے" یہاں تک کہ سب کے آخر میں رسول اللہ ﷺ، انصارؓ اور مہاجرینؓ کے لشکر میں گزرنے لگے یہ سب لوہے میں ڈھکے ہوتے تھے، صرف ان کی آنکھیں ہی نظر آتی تھیں۔ ابوسفیانؓ نے کہا "عباس! سبحان اللہ! یہ اتنا بڑا لشکر کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے" میں نے کہا "یہ رسول اللہ ﷺ، مہاجرینؓ اور انصارؓ کے لشکر میں تشریف لا رہے ہیں" بولے: "ان کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی" پھر کہنے لگے: "اے ابوالفضل! تیرے بھتیجے کی بہت بڑی بادشاہی قائم ہو گئی ہے" میں نے کہا "اے ابوسفیان! یہ سب آپؐ کی نبوت کا کرشمہ ہے" بولے: "ہاں ٹھیک ہے" میں نے کہا "اب اپنی قوم کی نجات کی فکر کیجیے"!

انصار کا جھنڈا سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، جب انہوں نے ابوسفیانؓ کو دیکھا تو کہا "آج بڑی لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں جنگ حلال ہو گی اور آج اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا" اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے، ابوسفیانؓ نے کہا "اے عباس! امن وامان کا دن اچھا ہوتا ہے" یعنی: کسی طرح اپنی قوم کی حفاظت کر کے احسان کرو، اور بخاری کی روایت میں ہے نبی ﷺ کا جھنڈا زبیرؓ کے ہاتھ میں تھا جب آپؐ ابوسفیانؓ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے "آپؐ کو معلوم ہے سعدؓ بن عبادہ نے کیا کہا ہے" آپؐ نے پوچھا "کیا کہا ہے" بولے: انہوں نے یہ یہ کہا ہے" آپؐ نے فرمایا "سعد نے غلط کہا

ہے اس کے برعکس آج کعبہ کی تعظیم ہوگی اور اس کو نیا غلاف پہنایا جائے گا' پھر آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کا جھنڈا حجون میں گاڑا جائے۔ ابنِ اسحاق نے روایت کیا ہے کہ عثمانؓ اور عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! خطرہ ہے کہ سعدؓ قریش میں تباہی مچا جائیں گے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" بلکہ آج خانۂ کعبہ کی تعظیم کی جائے گی' آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت سے نوازے گا۔" پھر آپؐ نے آدمی بھیج کر سعدؓ سے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ اس سے سعدؓ کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی' کیونکہ جھنڈا ان کے بیٹے کو مل گیا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے ان سے جھنڈا لے کر زبیرؓ کو دے دیا تھا جب لشکرِ اسلام مکہ کے قریب پہنچا' تو ابو سفیانؓ نے آگے جا کر قریش میں بلند آواز سے اعلان کیا: "اے گروہِ قریش! جو شخص ابو سفیانؓ کی حویلی میں داخل ہو جائے گا' اس کے لیے امن ہے اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہوگا' اس کے لیے بھی امن ہے۔" لوگ کہنے لگے "تیری حویلی کتنے آدمیوں کو بچا سکتی ہے" انہوں نے کہا" جو شخص دروازہ بند کر کے اپنے گھر بیٹھ رہے گا' اس کے لیے امن ہے۔" یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے' کچھ اپنے گھروں میں چلے گئے اور کچھ مسجدِ حرام میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ کی اوپر والی جانب سے داخل ہو گئے' اور وہیں آپؐ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا' اور بخاری میں عروہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالدؓ کو شہر میں اوپر والی گھاٹی کدار سے داخل ہونے کا حکم دیا' اور خود آپؐ نچلی گھاٹی کدار سے داخل ہوئے تھے۔ اس روز خالدؓ کے شاہسواروں سے دو آدمی حنیشؓ بن اشقر اور کرزؓ بن جابر فہری شہید ہوئے' مگر حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں' یہ بخاری میں ابنِ عمرؓ وغیرہ سے آنے والی صحیح احادیث کے خلاف ہے' کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے دن اسامہؓ کو اپنی اونٹنی پر ردلیف بنا کر اوپر کی جانب سے شہر میں داخل ہوئے تھے' اور لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے اس سے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور ان کے شاہسواروں پر زبیرؓ کو امیر مقرر کیا' اور ان کو حکم دیا کہ اوپر والی گھاٹی کدار سے مکہ میں داخل ہوں' حجون میں پہنچ کر آپؐ کا جھنڈا وہاں نصب کر دیں' اور آپؐ کے آنے تک وہیں رہیں! ۔ خالدؓ کو قضاعہ اور سلیم وغیرہ قبائل پر امیر مقرر کیا' اور ان کو حکم دیا کہ وہ نچلی طرف سے داخل ہوں' اور باہر کے محلہ میں اپنا جھنڈا گاڑ دیں! اور سعدؓ بن عبادہ کو انصار میں امیر مقرر کیا' اور یہ لوگ آپؐ کا مقدمۃ الجیش تھے' آپؐ نے ان کو حکم دیا تھا کہ جب تک کفار کی طرف سے پہل نہ ہو کسی سے جنگ نہ کریں۔ خالدؓ چل کر مکہ کی نچلی جانب سے داخل ہوئے' وہاں بنو بکر' بنو حارث

بن عبدِ مناۃ اور ہذیل اور دیگر قبائل کے لوگ، جن کو قریش نے اپنی امداد کے لیے بلایا، جمع تھے۔ یہاں ان کا خالدؓ کے دستہ سے تصادم ہو گیا لیکن جلد ہی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ بنو بکر کے تقریباً بیس آدمی کام آئے۔ ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ مسجدِ حرام کے دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے حزورہ تک ان کا قتل جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ گھروں میں داخل ہو گئے اور اندر سے دروازے بند کر لیے۔ ان میں سے ایک جماعت پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئی۔ اس وقت ابو سفیانؓ نے بلند آواز سے کہا: "جو اپنا دروازہ بند کرے گا اور لڑائی سے ہاتھ روک لے گا اس کے لیے امن ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر چمکتی تلواریں دیکھیں، تو پوچھا: "یہ تلواریں کیوں چمک رہی ہیں، کیا میں نے لڑائی سے منع نہیں کر دیا؟" صحابہؓ نے جواب دیا: "ہمارا خیال ہے کہ کفار نے خالدؓ کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ہے، اور ابتدا کفار ہی کی طرف سے ہوئی ہے، اس لیے خالدؓ کے لیے بھی لڑائی کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہا۔"

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لشکر کے ایک حصّہ پر خالدؓ بن ولید کو، دوسرے پر زبیرؓ کو اور ان لوگوں پر، جن کے پاس دفاع کے ہتھیار نہیں تھے، ابو عبیدہؓ بن جراح کو امیر مقرر کیا اور مجھے حکم دیا کہ انصار کو بلاؤں۔ میں نے انصار کو آواز دی، وہ آئے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: "مختلف قبائل سے جمع کیے ہوئے قریش کے پٹھوؤں اور ان کے اتباع کو دیکھتے ہو؟" پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر اشارہ کیا کہ ان کی بیخ کنی کر دو، اور فارغ ہو کر صفا کے پاس آ کر مجھے ملو۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: چنانچہ ہم گئے اور جس کو قتل کرنا چاہتے تھے قتل کر دیتے۔ حتےٰ کہ ابو سفیانؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہ! قریش کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو آج کے بعد قریش کا کوئی فرد باقی نہیں رہے گا۔" یہ سن کر آپؐ نے اعلان کیا: "جو ابو سفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔" انصارؓ نے یہ اعلان سنا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: "ان کو اپنے شہر میں رہنے اور اپنی قوم کو بچانے کا خیال آ گیا ہے۔" ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ادھر آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور جب وحی نازل ہوتی تھی تو ہمیں پتہ چل جاتا تھا، پھر اس کے ختم ہونے تک کوئی آپؐ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ وحی ختم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: "اے گروہِ انصار!" وہ بولے: "یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے کہا ہے، اس آدمی کو اپنے شہر میں رہنے کا خیال آ گیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں! یہ بات ہوئی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں اللہ کا بندہ

اور اس کا رسول ہوں میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے اب میری زندگی، تمہاری زندگی اور میری موت، تمہاری موت ہے۔" آپؐ سے یہ سن کر انصارؓ رونے لگے اور انہوں نے کہا: "بخدا! ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ ہم کسی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔" آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ تمہاری تصدیق کرتے ہیں، اور تمہیں معذور جانتے ہیں" الحدیث لکھتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے تو سرخ چادر کا ایک کنارا گردن میں لپیٹے ہوئے وہاں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپؐ نے سر پر خود پہن رکھا تھا اور خوش الحانی سے سورتِ فتح تلاوت فرما رہے تھے، کہ فتح کے آثار دیکھتے ہی سجدۂ شکر کے لیے اپنا سر جھکا دیا اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی کہ اس نے آپؐ کے لیے اپنا شہر حلال کر دیا جسے آپؐ کے سوا کسی کے لیے حلال نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی عثنون (داڑھی مبارک) پالان کے درمیانی حصہ سے جا لگی "عُثنون" کالفظ عین، ثا، اور دو نون کے ساتھ ہے جن کے درمیان واؤ ہے۔ داڑھی یا دونوں رخساروں کے علاوہ لٹکے ہوئے بال۔ قاموس) آنحضرت ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے سالارانِ لشکر کو ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک کفار پہل نہ کریں کسی سے نہ لڑیں۔ ہاں چند مخصوص آدمیوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں، خواہ وہ بیت اللہ کے پردوں میں چھپے ہوں، ان کو قتل کر دیں۔ وہ مخصوص آدمی یہ ہیں:

(۱) حویرث بن نفیل (۲) ہلال بن خطل (۳) ہبار بن اسود (۴) مقیس بن صبابہ (۵) عبداللہ بن ابی سرح (۶) عکرمہ بن ابی جہل (۷) عبداللہ ابن خطل کی دو لونڈیاں، جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں (۸) بنو مطلب کی لونڈی سارہ۔

ابن خطل کو ابو برزہ اسلمیؓ نے قتل کیا، جب وہ خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا بعض کہتے ہیں کہ زبیرؓ نے قتل کیا تھا۔ حویرث، دونوں لونڈیوں میں سے ایک لونڈی، اور مقیس قتل کر دیئے گئے۔ مقیس اسلام کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور کفار سے جا ملا تھا۔ ہبار بن اسود وہ ہے جس نے اونٹ کو مارا تھا۔ جس پر ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سوار تھیں، وہ ایک پتھر پر گر پڑیں جس سے ان کا حمل ضائع ہو گیا وہ بھاگ گیا تھا، بعد میں اسلام لے آیا اور مخلص مسلمان ثابت ہوا۔ بنو مطلب کی لونڈی سارہ اور ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کو آپؐ نے معاف کر دیا۔

اور وہ دونوں حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن لینے کے لیے لائے! کچھ دیر آپ نے توقف فرمایا تاکہ کوئی مسلمان اُٹھ کر اسے قتل کر دے جب اس کو کسی نے قتل نہ کیا تو آپ نے اس کو امن دے دیا۔ یہ پہلے اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا پھر مرتد ہوگیا اور مکہ واپس چلا آیا تھا۔ عکرمہ فتح مکہ کے دن بھاگ گیا تھا پھر اس کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لیے امن حاصل کیا چنانچہ یہ واپس آکر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا اور مخلص مسلمان ثابت ہوا۔

پھر آپ مہاجرین اور انصار کے جھرمٹ میں مسجد حرام میں داخل ہوئے حجر اسود کو بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اندر اور باہر تین سو ساٹھ بت نصب تھے آپ اپنی کمان سے ان کی آنکھ میں چوکا مارتے اور فرماتے:

"جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" (الاسراء: ۸۱)

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور بلاشبہ باطل مٹنے والا ہی تھا"

"جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ" (سبا: ۴۹)

یعنی حق آگیا اور اس کے مقابلہ میں باطل کی کچھ پیش نہ گئی تو وہ منہ کے بل اوندھے گر پڑتے!

یہ طواف آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر کیا۔ اس دن آپ نے حج یا عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا، اس طواف پر ہی اکتفا کی "ہدی" میں اسی طرح مذکور ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ طواف سے فارغ ہونے کے بعد صفا پر چڑھے پھر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف رہے اور دعائیں کرتے رہے۔ انتہیٰ!

اس کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ سے چابی لی، بیت اللہ کا دروازہ کھولا اس میں بت رکھے تھے ان میں ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں قسمت آزمائی کے تیر تھمائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان کو برباد کرے بخدا! انہوں نے ان تیروں کے ساتھ کبھی قسمت آزمائی نہیں کی تھی"۔ آپ نے وہاں لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری کی تصویر بھی دیکھی جس کو آپ نے اپنے ہاتھ سے توڑا اور بیت اللہ کے اندر موجود سب تصویروں کو مٹانے اور تمام بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ پھر آپ، بلال رضی اللہ عنہ، اسامہ رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ چار آدمی بیت اللہ میں داخل ہوئے، تو دروازہ بند کر دیا گیا آپ

دروازے کے سامنے کی جانب دیوار کی طرف چلے جب تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تو آپؐ نے وہاں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا اس میں جگہ جگہ بت رکھے ہیں آپؐ نے ان سب کو نکال لینے کا حکم دیا ان میں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے بت بھی تھے جن کے ہاتھوں میں قسمت آزمائی کے تیر تھے آپؐ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو برباد کرے بخدا! ان کو معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی ان کے ساتھ قسمت آزمائی نہیں کی تھی" آپؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اس کے چاروں کونوں میں تکبیریں کہیں، اور نماز نہیں پڑھی۔ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے اسامہ بن زیدؓ نے بتایا نبی ﷺ جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے سارے کونوں میں تکبیریں کہیں، اور نماز نہیں پڑھی پھر باہر نکل کر خانہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھی انتہی!

لیکن صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے: بلالؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے دو ستون بائیں طرف ایک ستون دائیں طرف اور تین ستون اپنے پیچھے کیے، اور نماز پڑھی اس وقت بیت اللہ کی چھت چھ ستونوں پر تھی انتہیٰ! نماز سے فارغ ہو کر بیت اللہ میں گھومے اور اس کے سارے کونوں میں تکبیریں کہیں۔ اللہ کی وحدانیت کا اعلان کیا! پھر دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ قریش نے صفیں باندھیں اور مسجد میں منتظر تھے کہ دیکھیں، آج ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ آپؐ نے خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر اعلان کیا؟ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے، اپنے بندہ کی امداد فرمائی ہے اور اکیلے نے سب دشمن فوجوں کو شکست دی ہے آج زمانہ جاہلیت کی فضیلت کے طریقے، مال اور خون کے قدیم دعوے سب ختم کیے جاتے ہیں ہاں بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز بدستور قائم رہے گا خبردار! قتل خطا، شبہ عمد کی دیت، جو لاٹھیوں اور کوڑوں کے ذریعہ ہو سو اونٹ وصول کی جاتے گی جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے جماعت قریش! آج سے جاہلیت کا غرور اور "تعظم بالآباء" بھی ختم کیا جاتا ہے۔ آدمؑ کی اولاد ہونے میں سب لوگ برابر ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں!

پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی،

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ." (الحجرات:١٣)

"اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو بڑے اور چھوٹے قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک دوسرے سے اپنی رشتہ داری کو پہچان سکو۔ دیکھو! اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے . . .!"

پھر فرمایا: "اے جماعتِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟" سب بیک زبان بولے: "ہم بہتر سلوک کی امید کرتے ہیں، آپ معزز بھائی اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "اگر یہ بات ہے، تو آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ." (یوسف: ۹۲)

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ــــــ"

"جاؤ تم آزاد ہو!"

پھر آپ مسجدِ حرام میں بیٹھے، بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ میں تھی، حضرت علیؓ نے درخواست کی: "یا رسول اللہ! چابی ہمیں دے کر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے دونوں اعزاز سے ہمیں سرفراز فرمایئے۔" ایک روایت میں ہے کہ یہ درخواست حضرت عباسؓ نے آپ کے سامنے پیش کی تھی، مگر آپ نے فرمایا: "عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟" اس کو بلایا گیا، تو آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے، چابی عثمان کی طرف بڑھائی اور کہا: "عثمان! اپنی یہ چابی لے لو۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ چابی حضرت عباسؓ کو دینا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا." (النساء:۵۸)

یعنی "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امانت اس کے مالک کو واپس کرو۔"

علامہ ابنِ سعد نے "طبقات" میں عثمان بن طلحہ کا بیان نقل کیا ہے کہ "ہم خانہ کعبہ کا دروازہ ہفتہ

میں سوموار اور جمعرات' دو دن کھولا کرتے تھے ایک دن آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہونے لگے تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور آپؐ کو کچھ نازیبا کہا۔ آپؐ نے میری اس حرکت کو برداشت کیا اور فرمایا "عثمان! ایک دن آئے گا تو دیکھے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی میں جسے چاہوں گا دوں گا" میں نے کہا "یہ تب ہوگا جب قریش ہلاک ہو جائیں گے" آپؐ نے فرمایا "نہیں! بلکہ اس دن قریش زندہ ہوں گے' اور عزت پائیں گے" آپؐ خانہ کعبہ میں داخل تو ہو گئے مگر آپؐ کی یہ بات میرے دل میں جم گئی اور میں نے یقین کر لیا کہ جو آپؐ نے فرمایا ہے' ایسا ہو کر رہے گا جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ نے فرمایا "عثمان! چابی لاؤ" میں نے چابی لا کر دے دی آپؐ نے وہ چابی اپنے ہاتھ میں لی پھر یہ کہتے ہوئے واپس کر دی "یہ چابی لو' یہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی' اگر کوئی تم سے چھینے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے' اس کی آمدنی دستور کے مطابق اپنے استعمال میں لاؤ" پھر جب میں جانے لگا تو آپؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا "جو کچھ میں نے کہا تھا' وہی ہوا یا نہیں؟" عثمان کہتا ہے' مجھے آپؐ کی وہ بات یاد آ گئی' جو آپؐ نے ہجرت سے قبل مجھے مکہ میں فرمائی تھی۔ میں نے کہا "میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں" انتہیٰ!

پھر آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہیں' ابو سفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام اور مکہ کے دوسرے سردار اس وقت مسجد حرام میں بیٹھے تھے۔ بلالؓ کی اذان سن کر عتاب بولا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے باپ اسید کو اس کے سننے سے بچا لیا ہے' ورنہ اسے یہ سن کر بہت غم ہوتا۔" حارث بولا "اگر میں اس کو حق پر سمجھتا' تو میں ضرور اس کی اتباع کرتا" ابوسفیان نے کہا "بخدا! میں تو کچھ بھی نہیں کہتا' اگر میں کچھ کہوں گا تو میری بات یہ کنکریاں بھی ظاہر کر دیں گی" آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا "جو کچھ تم نے کہا ہے' وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے" پھر آپؐ نے ان کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہوں نے کہا تھا' یہ سن کر عتاب اور حارث بولے "ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں' بخدا! ہماری ان باتوں کا کسی کو علم نہیں تھا کہ ہم کہیں کہ اس نے آپؐ کو بتائی ہیں۔"

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ اسامہؓ نے غزوۂ فتح میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ! ہم کہاں اتریں گے؟" آپؐ نے فرمایا "عقیل نے ہمارا کوئی مکان چھوڑا ہے؟" ایک روایت میں ہے "کیا عقیل نے ہمارے مکان یا حویلیاں چھوڑی ہیں' جہاں ہم اتریں؟" ابو طالب کے چار بیٹوں میں سے دو عقیل اور

طالب نے ان کا ورثہ لیا تھا، یہ دونوں کافر تھے اور جعفرؓ اور علیؓ محروم رہے تھے اس لیے کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ اسی واسطے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "کافر مومن کا اور مومن کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی تو ہم ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ (محصب) میں اتریں گے" جہاں بنو کنانہ اور قریش نے معاہدہ کر کے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو نکال دیا تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا معاہدہ یہ تھا کہ جب تک یہ آپؐ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے، ان کے ساتھ کسی قسم کی خرید و فروخت نہیں ہوگی اور نہ کسی طرح ان سے رشتے ناطے قائم کیے جائیں گے۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمِ ہانیؓ کے گھر تشریف آوری

فتح کے بعد آپؐ اپنی چچازاد بہن امِ ہانی کے گھر تشریف لائے، غسل کیا اور پھر اُن کے گھر چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی، جیسا کہ صحیحین میں امِ ہانیؓ کی حدیث سے ثابت ہے اور ایک روایت میں ہے "میں نے آپؐ کو اس سے زیادہ ہلکی نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا، ہاں رکوع اور سجود پورے کرتے تھے" بعض لوگوں نے اس کو نمازِ ضحیٰ سمجھا ہے، حالانکہ یہ نمازِ فتح کا شکرانہ تھی۔ اسی واسطے امرا اسلام جب کسی شہر پر فتح حاصل کرتے تو آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں یہ نمازِ شکر ادا کرتے تھے اور اسی واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نماز فتحِ مکہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے پڑھی تھی، نمازِ ضحیٰ نہیں تھی چنانچہ امِ ہانی فرماتی ہیں کہ "میں نے آپؐ کو فتحِ مکہ سے پہلے یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور نہ کبھی فتح کے بعد پڑھتے دیکھا ہے۔"

اسی موقعہ پر امِ ہانیؓ نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دی تھی، مگر ان کے بھائی حضرت علیؓ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، امِ ہانی نے ان کو اپنے گھر میں بند کیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو آپؐ نے فرمایا "اے امِ ہانی! جس کو آپ نے پناہ دی ہے، ہم نے بھی اس کو پناہ دی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

فتحِ مکہ سے دوسرے دن آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ صحیح بخاری میں ابو شریح عدوی سے روایت ہے، جب عمرو بن سعید گورنر مدینہ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ کی طرف فوجیں بھیجنے لگا تو انہوں

نے اس سے کہا "اے امیر! اگر اجازت ہو تو میں تجھ کو وہ بات سناؤں جو آپؐ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمائی تھی میں نے اسے اپنے دونوں کانوں سے سنا ہے، میرے دل نے اس کو یاد رکھا ہے، اور میری دونوں آنکھوں نے آپؐ کو دیکھا ہے، جب آپؐ نے یہ بات فرمائی تھی آپؐ نے اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اس مکہ کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا ہے، لوگوں نے حرام نہیں کیا جس شخص کا اللہ تعالٰی اور دن آخرت پر ایمان ہے، اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ مکہ میں خونریزی کرے اور نہ اس کے لیے یہ حلال ہے کہ اس کے درخت کاٹے، اگر کوئی شخص رسول ﷺ کی لڑائی کو دلیل بنا کر اس میں لڑائی کرنا جائز سمجھے تو اس کو کہو کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسولؐ کو اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی اور اللہ تعالٰی نے مجھے بھی دن کے کچھ حصہ میں اجازت دی تھی اور آج اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کل تھی جو یہاں موجود ہیں، وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں" الحدیث!

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا "آج مکہ سے ہجرت ختم ہو گئی ہے، ہاں جہاد اور اس کی نیت باقی ہے جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے، تو اس کے لیے فوراً حاضر ہو" آپؐ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ "اللہ تعالٰی نے اس شہر کو حرام کیا ہے جس دن سے آسمان اور زمین پیدا کیے پس یہ اللہ تعالٰی کے حرام کرنے کی وجہ سے قیامت تک حرام ہے۔ مجھ سے پہلے اس میں لڑائی کسی کے لیے حلال نہیں ہوئی میرے لیے بھی دن کا کچھ حصہ حلال تھا، اب پھر یہ اللہ تعالٰی کے حرام کرنے سے قیامت تک حرام ہے اس میں کانٹے دار جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، اس میں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جس نے اعلان کرنا ہو، وہ اٹھا سکتا ہے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے" اس پر حضرت عباسؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! اذخر کاٹنے کی اجازت دے دیں، یہ گھروں میں استعمال ہوتا ہے۔ لوہاروں اور سناروں کے استعمال کی چیز ہے" آپؐ نے فرمایا "اذخر کی اجازت ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے: فتح مکہ کے دن بنوخزاعہ نے اپنے ایک مقتول کا بنولیث سے مطالبہ کیا، اور اپنے آدمی کے بدلے ان کا ایک آدمی قتل کرنا چاہا، آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا تو آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا، اور فرمایا "اللہ تعالٰی نے مکہ میں لڑائی کرنے سے اصحاب الفیل کو روک دیا تھا، اور اپنے رسولؐ اور اہل ایمان کو اس پر مسلط کیا ہے خبردار! یہ مجھ سے پہلے نہ کسی کے لیے حلال ہوا ہے، اور نہ آئندہ کسی کے لیے حلال ہوگا۔ مجھے بھی صرف دن کے کچھ حصہ میں لڑائی کی اجازت

ہوئی تھی خبردار! اب اس وقت وہ پھر حرام ہے' اس کے کانٹے نہ جھاڑے جائیں' اس کے درخت نہ کاٹے جائیں' اور اس میں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے' ہاں اگر کسی نے اعلان کرنا ہو تو اس کے لیے اٹھانا جائز ہے' آئندہ اگر کسی کا کوئی آدمی قتل کیا جائے' تو اس کو اختیار ہے کہ وہ ان دو چیزوں سے جسے چاہے پسند کرے' یا تو دیت لے لے' یا مقتول کے بدلے قصاص میں قاتل کو قتل کرا دے۔" ابوہریرہؓ کہتے ہیں' آپؐ کا خطبہ ختم ہونے کے بعد یمن کا ایک آدمی آیا' جس کو ابوشاہ کہا جاتا تھا' اس نے کہا "یارسولؐ اللہ! مجھے یہ تقریر لکھوا دیجئے" آپؐ نے حکم دیا کہ "ابوشاہ کو یہ تقریر لکھ دو" الحدیث!

"ہدیٰ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت فضالہ بن عمیر بن ملوح نے رسول اللہ ﷺ پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا' جب نزدیک آیا تو آپؐ نے فرمایا "فضالہ ہے؟" اس نے کہا "ہاں!" آپؐ نے پوچھا "کیا ارادہ کر کے آئے ہو؟" بولا "کچھ نہیں' دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا" آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کر" پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا' اس کے دل میں سکون پیدا ہو گیا اور دشمنی جاتی رہی۔ بعد میں فضالہ کہا کرتا تھا "خدا کی قسم! جب آپؐ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو آپؐ سب مخلوق سے میرے نزدیک زیادہ محبوب تھے۔" فضالہؓ کہتے ہیں' جب میں گھر گیا تو ایک عورت نے جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا' شعروں میں مجھے اپنی طرف راغب کرنا چاہا' میں نے بھی شعروں میں ہی جواب دیا ؎

قالت هلمّ الی الحديث فقلت لا　　　يأبى الالٰه عليك والاسلام

"اس نے کہا آؤ چند منٹ باتیں کریں۔ میں نے کہا نہیں' اللہ تعالیٰ اور اسلام نے تم سے باتیں کرنے سے منع کر دیا ہے۔"

لو قد رأيتِ محمدًا وقبيلهٗ　　　بالفتح يوم تكسر الاصنام

"فتح مکہ کے دن جب بت ریزہ ریزہ کیے جا رہے تھے' تو محمد ﷺ اور ان کی جماعت کو دیکھ لیتی . . ."

لرأيتِ دين الله اضحى بيننا　　　والشرك يغشى وجهه الاظلام

". . تو تُو جان لیتی کہ اللہ کا دین غالب ہو گیا ہے' اور شرک کے چہرے کو اندھیروں نے ڈھانپ لیا ہے۔"

فتح مکہ کے دن صفوان بن امیہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا تھا۔ عمیرؓ بن وہب جمحی نے

اس کے لیے آنحضرت ﷺ سے امن کی درخواست کی تھی' جو آپؐ نے قبول کر لی اور ان کو بطور علامت اپنی وہ پگڑی عطا کی' جو مکہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ نے اپنے سر پر باندھی ہوئی تھی۔ عمیرؓ اس کے پاس گئے' تو وہ اس وقت بحری جہاز پر سوار ہو کر کسی دوسرے ملک جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہوں نے اس کو روکا اور کہا "صفوان! میرا ماں باپ تجھ پر قربان ہو' خدا سے ڈرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو میں رسول اللہ ﷺ سے تمہارے لیے امن لے آیا ہوں' اور انہوں نے علامت کے لیے اپنا عمامہ عطا فرمایا ہے" مگر صفوان کو یقین نہیں آتا تھا' اس لیے اس نے کہا "مجھ سے دور رہو۔ میں تجھ سے بات کرنے کو تیار نہیں ہوں۔" انہوں نے کہا "صفوان! میرا ماں باپ تم پر قربان ہو' تیرے چچا کا لڑکا سب سے افضل' سب سے بہتر اور سب سے زیادہ نیک برتاؤ کرنے والا ہے' اس کی عزت تمہاری عزت' اس کا شرف تمہارا شرف' اور اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی ہے۔" صفوان نے کہا "آپؐ کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے" عمیرؓ نے کہا "وہ بڑے بردبار اور بڑے معزز ہیں' ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں" چنانچہ ان کے تسلی دلانے سے صفوان واپس آگیا' اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد کہا "اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپؐ نے مجھے امن دے دیا ہے" آپؐ نے فرمایا "اس نے سچ کہا ہے" پھر اس نے کہا "مجھے آپؐ سوچنے کے لیے دو مہینے کی مہلت دیں" آپؐ نے فرمایا "تمہیں چار مہینے تک مہلت ہے۔"

فصل

بیعت کے لیے لوگوں کا اجتماع

پھر لوگ بیعت کے لیے جمع ہوئے' چنانچہ آپؐ بیعت لینے کے لیے صفا پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ آپؐ سے نیچے بیٹھے تھے۔ پہلے وہ لوگوں سے عہد لیتے تھے' پھر وہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق بات سننے اور فرمانبرداری کرنے کی آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ تفسیر مدارک میں مذکور ہے کہ جب آپؐ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے' تو عورتوں سے بیعت لینے لگے' آپؐ بدستور صفا پر موجود تھے' اور حضرت عمرؓ آپؐ سے ذرا نیچے بیٹھے ان کو بیعت کا حکم دیتے' اور آپؐ کی ہدایات ان تک پہنچاتے تھے۔ ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ بھی بھیس بدل کر حاضر ہوئی' تاکہ آپؐ اس کو پہچان نہ سکیں۔ اور اس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کی لاش کی جو بے حرمتی کی تھی' اس کا انتقام نہ لیں۔ آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے خطاب کرتے

ہوتے فرمایا "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ آئندہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گی" چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت لی کہ آئندہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا "نیز تم چوری نہیں کرو گی" اس وقت ہندہ کہنے لگی "میرا خاوند ابوسفیان بخیل آدمی ہے وہ پورا خرچ نہیں دیتا۔ اس لیے میں اس کے مال سے اس کی اطلاع کے بغیر کچھ لے لیتی ہوں۔" ابوسفیانؓ بولے "جو کچھ تم نے میری اطلاع کے بغیر لیا ہے میں وہ تمہیں معاف کرتا ہوں" آپؐ اس کو پہچان کر ہنس پڑے اور پوچھا "تم ہندہ ہو؟" بولی "ہاں میں ہندہ ہوں" اور کہنے لگی "یا رسولؐ اللہ! پیچھے جو کچھ ہو چکا وہ معاف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو معاف فرمائے گا" پھر آپؐ نے فرمایا "میں اس پر بیعت لیتا ہوں کہ عورتیں زنا نہ کریں" ہندہ بولی "کیا کوئی شریف عورت یہ حرکت کر سکتی ہے" آپؐ نے فرمایا "اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں" وہ بولی "ہم نے تو ان کو بچپن میں پالا ہے اور بڑے ہونے کے بعد انہوں نے ان کو قتل کیا اب آپؐ جانیں اور یہ جانیں" (اس کا بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں قتل ہو گیا تھا اس کی طرف اشارہ کرتی تھی) پھر آپؐ نے فرمایا: "وہ ایک دوسرے پر بہتان نہ باندھیں" ہندہ بولی "بہتان بازی تو بڑی بُری حرکت ہے اور آپؐ ہمیں نیک باتوں اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں" پھر آپؐ نے فرمایا "اور یہ کہ کسی نیک بات میں میری نافرمانی نہ کریں" ہندہ بولی "ہم اس مجلس میں یہ ارادہ لے کر حاضر نہیں ہوئیں کہ ہم آپؐ کی نافرمانی کریں گی" پھر اس نے گھر جا کر اپنا خاص بُت توڑ دیا اور کہنے لگی "ہم اب تک تیرے بارے میں دھوکے میں ہی رہے۔"

صحیح بخاری میں آیا ہے، مجاشعؓ کہتے ہیں: فتح مکہ کے دن میں اپنے بھائی کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسولؐ اللہ! اس سے ہجرت پر بیعت لے لیں" آپؐ نے فرمایا: "اب مکہ سے ہجرت اور اس کا ثواب ختم ہو چکا ہے" میں نے عرض کی "اب آپؐ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "اب میں اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لیتا ہوں"!

"ہدی" میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ابن اسد خزاعی کو حکم دیا کہ وہ حرم کے نشانات کو نئے سرے سے بنا دیں۔ نیز آپؐ نے لشکر بھیج کر مکہ کے چاروں طرف واقع ہونے والے سب بُت خانے مسمار کرا دیئے ان میں لات، عزیٰ اور منات خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور مکہ شہر میں منادی کرا دی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ اور دن آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے گھر میں رکھے ہوئے تمام بُت توڑ دے۔

کنانہ کے قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف خالدؓ بن ولید کا سریہ

ابن سعد لکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ میں مقیم تھے جب خالدؓ عزیٰ کا بت خانہ توڑ کر آئے، تو آپؐ نے ان کو بنو جذیمہ کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا چنانچہ وہ مہاجرینؓ، انصار اور بنو سلیم کے ۳۵۰ آدمی لے کر نکلے جب ان کے پاس پہنچے، تو ان سے پوچھا "تم کیا ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم مسلمان ہیں، بے دین ہو گئے ہیں (یعنی اپنا قدیم دین چھوڑ دیا ہے) محمدؐ کی تصدیق کی ہے اور اپنی آبادیوں میں مسجدیں بنا لی ہیں۔"

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو واضح طریقہ سے یہ نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ وہ یہی کہتے رہے: "ہم بے دین ہو گئے ہیں، ہم بے دین ہو گئے ہیں"۔ خالدؓ نے غلط سمجھا اس لیے انہوں نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا، جو بچے ان کو قیدی بنا لیا اور ایک ایک قیدی اپنے رفقاء کی حفاظت میں دے دیا۔ بعد میں انہوں نے ایک دن حکم جاری کر دیا کہ ہر آدمی اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ واقعہ بیان کیا، تو آپؐ نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "یا اللہ! جو کچھ خالدؓ نے کیا، میں اس سے بیزار ہوں" یہ دو دفعہ فرمایا!

"ہدیٰ" میں لکھا ہے: دوسرے دن سحری کے وقت خالدؓ نے اعلان کیا، جس کے پاس قیدی ہے، وہ اس کی گردن اڑا دے"۔ بنو سلیم نے تو اس اعلان پر اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا، مگر مہاجرینؓ اور انصارؓ نے اپنے اپنے قیدی رہا کر دیئے، جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے فرمایا: "الٰہی! خالدؓ نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے بیزار ہوں"۔ پھر علیؓ کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ بنو جذیمہ کے تمام مقتولوں کی دیت ادا کریں، نیز ان کے نقصانات کا بھی معاوضہ دیں۔ اس سلسلہ میں خالدؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کے درمیان جھگڑا بھی ہوا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا: "خالد! ٹھہرو! صبر سے کام لو، میرے صحابہؓ کی شان میں گستاخی نہ کرو، اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، تو تم میرے کسی صحابیؓ کے صبح یا شام کے درجہ کو نہیں پا سکتے۔"

ابنِ اسحاق کہتے ہیں فتح مکہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی ان میں بنو سلیم سات سو یا ایک ہزار، بنو غفار چار سو، اور بنو مزینہ ایک ہزار تین سو تھے باقی سب قریش، انصار، ان کے حلفاء اور دیگر قبائل بنو تمیم، بنو قیس اور بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔

فتح مکہ کے دن حضرت حسّان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے درج ذیل اشعار کہے

عفت ذات الأصابع فالجواء الی عذراء منزلها خلاء

"ذات الاصابع اور جواء کے مقامات عذراء مقام تک سب مٹ گئے ہیں، اور اب یہ سب جگہیں خالی پڑی ہیں۔"

(یہاں شاہان غسان کے محلات واقع تھے جن سے ایام جاہلیت میں حضرت حسانؓ کو گرانقدر نذرانے اور تحائف وصول ہوئے تھے)

دیار من بنی الحسحاس قفر تعفتها الروامس والسماء

"یہ گھر فقر و فاقہ دور کرنے والے سخی کی اولاد سے خالی ہو گئے ہیں، اور تیز آندھیوں اور موسلا دھار بارشوں نے ان کے نشانات مٹا دیے ہیں۔"

وکانت لا یزال بها أنیس خلال مروجها نعم وشاء

"کسی وقت بڑے ملنسار اور سخی لوگ یہاں رہتے تھے، اور اس کے مرغزاروں میں اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ چرایا کرتے تھے۔"

فدع هذا ولکن من لطیف یؤرقنی إذا ذهب العشاء

"اب اس قصہ کو چھوڑو۔ اور یہ بتاؤ کہ اس خیال کا کیا علاج ہے، جو عشاء کے بعد مجھے رات بھر بیدار رکھتا ہے؟"

لشعثاء التی قد تیمته فلیس لقلبه منها شفاء

"یہ شعثاء نامی محبوبہ کا خیال ہے، جس کی محبت نے مجھے پاگل بنا دیا ہے۔ اور مجھے اس سے شفا حاصل نہیں ہوتی!"

کأن خبیئة من بیت رأس یکون مزاجها عسل وماء

"یوں لگتا ہے کہ بیت رأس (اُردن میں شراب تیار کرنے والا مشہور گاؤں ہے) کی

یہ عمدہ شراب ہے، جس میں شہد اور پانی ملا ہوا ہے۔"

اذا ما الاشربات ذکرن یوما　　فھن لطیتب الراح الفداء

"جب کسی دن شرابوں کا تذکرہ ہو، تو وُہ سب اس عمدہ شراب پر قربان ہیں۔"

نولّیھا الملامۃ إن ألمنا　　اذا ما کان مغث أو لحاء

"اگر اس کے پینے کے بعد ہم میں جھگڑا و فساد ہو جائے، تو ہم اس کی ذمہ داری اس شراب پر ڈال دیتے ہیں (کہ اس کی مستی سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے!)

ونشربھا فتترکنا ملوکا　　وأسدا ما ینھنھنا اللقاء

"یہ ایسی عمدہ شراب ہے کہ اس کے پینے کے بعد ہم اپنے آپ کو بادشاہِ وقت اور ایسے شیر سمجھتے ہیں، جو لڑائی کے خوف سے پیچھے نہیں ہٹتے۔"

نوٹ: کہتے ہیں کہ حضرت حسّان ؓ نے یہ اشعار اسلام لانے سے پہلے کہے تھے۔ اور آئندہ اشعار اسلام لانے کے بعد کہے ہیں! (شرح دیوانِ حسّان ؓ)

عدمنا خیلنا إن لم تروھا　　تثیر النقع موعدھا کداء

"اگر ہمارے گھوڑوں کو غبار اڑاتے ہوئے مکہ مکرمہ کی کداء نامی گھاٹی پر نہ دیکھو، تو خدا کرے وہ معدوم ہو جائیں!"

ینازعن الأعنۃ مصعدات　　علی أکتافھا الأسل الظماء

"وُہ گھاٹی پر چڑھتے ہوئے اپنی باگیں کھینچ رہے ہوں گے، اور ان کے کندھوں پر خون کے پیاسے نیزے رکھے ہوں گے۔"

نساء بنی اُمیۃ صاغرات　　عرتھن المذلۃ والرداء

"اس دن بنوامیہ کی عورتیں ذلیل ہوں گی، اور ان کو ذلت اور ہلاکت نے گھیر رکھا ہو گا۔"

تظل جیادنا متطمرات　　تلطمھن بالخمر النساء

"شہر میں داخل ہونے کے لیے ہمارے گھوڑے تیز دوڑ رہے ہوں گے، اور عورتیں اپنے دوپٹوں سے ان کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہوں گی۔"

فاما تعرضوا عنا اعتمرنا　　وكان الفتح وانكشف الغطاء

"اگر تم ہمارے آگے سے ہٹ گئے، تو ہم عمرہ کر لیں گے۔ مکہ فتح ہو جائے گا اور راز کھل جائے گا (اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے گا!")

والا فاصبروا لجلاد يوم　　يعز الله فيه من يشاء

"اور اگر تم نے ہمارا راستہ نہ چھوڑا، تو جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جس میں اللہ تعالیٰ، جس کو چاہے گا، عزت دے گا!"

وجبريل رسول الله فينا　　وروح القدس ليس له كفاء

"اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ حضرت جبرائیلؑ ہمارے ساتھ ہوں گے، جن کی برابری کا کوئی دم نہیں بھر سکتا۔"

وقال الله قد أرسلت عبدا　　يقول الحق ليس به خفاء

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے حق کی تبلیغ کے لیے اپنا بندہ بھیجا ہے، جس پر کوئی پوشیدگی نہیں ہے!"

وقال الله قد سيرت جندا　　هم الانصار عرضتها اللقاء

"نیز فرماتا ہے، میں نے انصار کا لشکر بھیجا ہے، جو لڑائی کے دھنی ہیں۔"

لنا في كل يوم من معد　　سباب أو قتال أو هجاء

"ہر روز ہمارے پاس معد (قریش) کی طرف سے ہجو، لڑائی اور قیدی بنانے کی دھمکیاں آرہی ہیں۔"

فنحكم بالقوافي من هجانا　　ونضرب حين تختلط الدماء

"جو شخص ہماری ہجو کرے گا، ہم دندان شکن قصائد سے اس کا منہ بند کر دیں گے، اور لڑائی کی صورت میں تلواروں سے ان کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیں گے!"

ألا أبلغ أبا سفيان عني　　مغلغلة فقد برح الخفاء

"میری طرف سے ابوسفیان کو پیغام پہنچا دو کہ اب پردہ کھل چکا ہے، اور معاملہ واضح ہو گیا ہے!"

بأنّ سیوفنا ترکتك عبدا   وعبد الدّار سادتها الاماء

" اور اسے بتا دو کہ ہماری تلواروں نے تجھے غلام بنا دیا ہے۔ اور لونڈیاں عبدالدار کی سردار بن گئی ہیں۔"

ھجوتَ محمّدًا فاجبت عنہ   وعند اللہ فی ذاک الجزاء

" تو نے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کہی ہے، میں نے اس کا جواب دیا ہے جس کا معاوضہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا!"

أتھجوہ ولست لہ بکفءٍ   فشرّکما لخیرکما فداء

" تو اُن کی ہجو کرتا ہے، حالانکہ ان کے برابر نہیں۔ خدا کرے کہ تم میں سے بدتر، بہتر پر قربان ہو جائے!"

ھجوتَ مبارکا برّا حنیفا   رسوْل اللہ شیمتہ الوفاء

" تو نے ایک بابرکت، نیکو کار اور موحد انسان کی ہجو کہی ہے، جو اللہ کا رسوؐل اور وفا شعار ہے!"

فمن یّھجو رسوْل اللہ منکم   ویمدحہ وینصرہ سواء

" تمہارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنا، یا مدح اور مدد کرنا، برابر ہے (یعنی تمہاری ہجو کا کوئی نقصان اور مدد کا کوئی فائدہ نہیں!"

فانّ أبی و والدہ وعرضی   لعرض محمّد منکم وقاء

" میرا باپ، میرا دادا اور میری عزت، محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لیے ڈھال ہے۔"

لسانی صارم لاّ عیب فیہ   وبحری لا تکدّرہ الدّلاء

" میری زبان ایک بے عیب اور قاطع تلوار ہے، اور میرے سمندر کو پانی بھرنے والوں کے ڈول گدلا نہیں کر سکتے!"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا اشعار حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کے دن سے قبل کہے تھے۔ جب کہ صاحب " الہدی " لکھتے ہیں کہ یہ اشعار انہوں نے

عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر کہے تھے ــــ صاحب "ہدی" نے ان اشعار کو انہی الفاظ کے ساتھ "ھدی" میں ذکر کیا ہے۔ اور امام مسلمؒ نے ان میں سے اکثر کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے!

فصل

اس غزوہ میں فقہی مسائل اور بعض لطائف کا ذکر

صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید تھی اس کی وجہ سے لوگوں کو امن حاصل ہوا اور ان کو ایک دوسرے سے کھل کر تبادلہ خیالات کرنے کا موقعہ ملا۔ جو مسلمان مکہ میں چھپ کر رہتے تھے، وہ ظاہر ہو گئے اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھلم کھلا دعوت دینے لگے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کے نام سے موسوم کیا ہے! فقہی مسائل یہ ہیں:

جب کوئی معاہد فریق امام کے حلفاء سے جنگ شروع کرے گا تو اس کا معاہدہ ختم ہو جائے گا، اور وہ حربی کہلائے گا۔ امام کو اس کے علاقہ میں فوج کشی کرنے اور شب خون مارنے کا حق ہو گا، پیشگی اطلاع کی ضرورت نہیں ہو گی یہ ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب ان کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ ہو۔

اس صورت میں براہِ راست جنگ میں شریک ہونے یا امداد دینے والوں سب کا عہد ٹوٹ جائیگا۔

جب وہ اس پر راضی ہوں، اس پر نفرت کا اظہار نہ کریں اور جنگ کرنے والوں کو نہ روکیں۔ یہ اس لیے کہ بنو بکر کی امداد کرنے والے ان میں سے چند آدمی تھے۔

کفار کے ایلچی کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ابوسفیانؓ عہد شکنی کرنے والوں میں شامل تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل نہیں کیا۔

جاسوس کو خواہ وہ مسلمان ہو قتل کرنا جائز ہے اسی واسطے حضرت عمرؓ نے حاطبؓ کے قتل کی اجازت مانگی تھی اور اس کے جواب میں آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ "اس کا قتل کرنا حلال نہیں" بلکہ فرمایا: "آپکو کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر پر نظرِ کرم فرمائی ہو۔ الخ"!

دشمن کے قاصدوں کے سامنے مسلمانوں کی کثرت اور ان کی شان و شوکت کا اظہار مستحب ہے۔ اسی لیے آپؐ نے کثرت سے آگ جلانے اور ابوسفیانؓ کو تنگ گھاٹی میں کھڑا کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ

وہ جیوشِ اسلام کو گزرتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

مکہ بزورِ تلوار فتح ہوا تھا۔ جمہور اہلِ علم کا یہی مذہب ہے، بجز امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ایک قول کے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس غزوہ کی تفصیل اس کی واضح دلیل ہے۔ انتہی ملخصاً من "الہدیٰ"۔

اسی جنگ میں بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تھی اور آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ صحیح بخاری میں عروہ سے روایت ہے کہ غزوہ فتح میں ایک عورت نے چوری کی، اس کی قوم نے اس کو بچانے کے لیے اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کرائی۔ اسامہؓ کی بات سن کر آپؐ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارہ میں مجھ سے کلام کرتے ہو؟" آپؐ کے تیور دیکھ کر اسامہؓ نے درخواست کی "یا رسولؐ اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، آپؐ میرے لیے اللہ تعالےٰ سے بخشش کی دعا فرمائیں"۔ عصر کے وقت آپؐ نے خطبہ دیا، اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: "اما بعد تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی، تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔ پھر آپؐ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی حالت اچھی ہو گئی اور شادی کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "پھر اس کو اگر کوئی ضرورت پیش آتی، تو وہ مجھ سے کہتی اور میں رسول اللہ ﷺ سے کہہ کر اس کی وہ حاجت پوری کرا دیتی" رواہ مسلم! اور مسلم کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں: "اس کے وارث کہنے لگے آپؐ کے محبوب اسامہ بن زیدؓ کے سوا اس سلسلہ میں آپؐ سے کون کلام کر سکتا ہے"۔ الحدیث! اور مسلم میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ "وہ بنو مخزوم قبیلہ کی عورت تھی، وہ لوگوں سے سامان مانگ کر لیتی اور بعد میں مکر جاتی تھی"۔

غزوہ فتح مکہ میں آپؐ نے پہلے متعہ کی اجازت دی، اور پھر مکہ سے رخصت ہونے سے پہلے اس کو حرام کر دیا۔ صحیح مسلم میں سبرہؓ جہنی روایت کرتے ہیں کہ وہ فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی جنگ میں شریک تھے، کہتے ہیں: ہم مکہ میں تقریباً پندرہ دن رہے آنحضرت ﷺ نے ہمیں متعہ کی اجازت دے دی۔ الحدیث! اور ایک روایت میں وہ کہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا "لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی مگر اللہ تعالےٰ نے اس کو قیامت کے دن تک حرام کر دیا ہے جس کے پاس ایسی کوئی عورت

ہے وہ اسے آزاد کر دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے کوئی چیز واپس نہ لے"۔ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ متعہ خیبر کے دن حرام ہوا پھر اجازت دی گئی پھر حرام ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ فرماتے ہیں "میں متعہ کے علاوہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جانتا جو حرام ہوا ہو۔ پھر اجازت دی گئی پھر حرام ہوا ہو"۔ ان لوگوں کی دلیل حضرت علیؓ کی وہ حدیث ہے جو صحیحین میں آئی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیۃ"۔ "کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کر دیا تھا"۔ میں کہتا ہوں، دوسرا فریق اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ یہ حدیث دو طرح آئی ہے، ایک جو پہلے بیان ہوئی اور دوسری کے لفظ یہ ہیں: "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیۃ یوم خیبر"۔ یعنی اس میں متعہ سے مطلقاً اور خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کا ذکر ہے۔ یہ روایت سفیانؒ بن عیینہ عن الزہریؒ کی ہے۔ قاسمؒ ابن اصبغ کہتے ہیں: سفیانؒ نے کہا، کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا متعہ سے (اس دن) منع نہیں کیا تھا۔ سفیان کا یہ قول ابو عمر نے "تمہید" سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "اکثر لوگوں کا یہی قول ہے"۔

صاحبِ "ہدیٰ" لکھتے ہیں: بعض راویوں کو وہم ہو گیا ہے اور انہوں نے یوم خیبر کو تحریم متعہ کا ظرف بنا دیا ہے اور روایت یوں بیان کر دی ہے: "حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ المتعۃ زمن خیبر"۔ اور یہ واضح طور پر غلط ہے۔

اگر کوئی پوچھے "ان دونوں تحریموں کا وقت ایک نہیں، تو دونوں کو اکٹھا بیان کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اور متعہ کی حرمت کا گدھے کی حرمت سے کیا تعلق ہے"؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ حدیث اپنے عمزاد بھائی ابنِ عباسؓ کی تردید کے لیے بیان کی تھی جو متعہ اور گدھے کی اباحت کے قائل تھے۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں مسئلوں میں ان کا رد کیا۔ گدھے کے گوشت کی حرمت کو خیبر کے زمانہ کے ساتھ مقید کیا، اور متعہ کی حرمت کا مطلقاً ذکر کیا اور فرمایا: "آپ صریح غلطی پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حرام کیا ہے اور گھریلو گدھے کے گوشت کو بھی خیبر کے دن حرام فرمایا تھا" واللہ اعلم!

صحیح بخاری میں ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں ۱۹ دن رہے، اور دو رکعت نماز پڑھتے رہے، لہٰذا جب ہم کسی جگہ سفر میں ۱۹ دن ٹھیریں گے، تو قصر کریں گے اور اگر زیادہ

دن قیام کریں گے تو پوری نماز پڑھیں گے" اور اسی صحیح بخاری میں ہے: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مشورہ کے وقت مجھے اصحابِ بدر کے ساتھ بلاتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا: "آپؓ ان کو ہمارے ساتھ بلاتے ہیں اور اتنی عمر کے ہمارے بیٹے ہیں، مگر آپ نے ان کو کبھی نہیں بلایا" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ وہ بچہ ہے جس کے علم و فضل کو آپ جانتے ہیں" چنانچہ ایک دن ان کو بلایا اور مجھے بھی ان کے ساتھ بلایا۔ میرا خیال ہے کہ اس دن انہوں نے میرا علم و فضل دکھانے کے لیے مجھے بلایا تھا۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ "اللہ تعالیٰ نے سورت "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" آخر تک[1] کیوں نازل فرمائی ہے" بعض نے کہا: جب ہم فتح اور کامیابی سے ہمکنار ہوں، تو اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں بعض نے کہا، ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے بعض خاموش رہے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "ابن عباسؓ! تم بھی ایسا ہی کہتے ہو" میں نے کہا: "نہیں" بولے "تم کیا کہتے ہو" میں نے کہا "اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہو جائے تو یہ آپؐ کی وفات کی علامت ہے اس وقت اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جایئے، اور بکثرت استغفار کیجئے یقیناً وہ توبہ قبول کرنے والا ہے" میری تصدیق کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں بھی اس کے متعلق وہی جانتا ہوں، جو تم جانتے ہو"

اسی صحیح بخاری میں ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ، قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق رکوع و سجود میں اکثر "سبحانک اللّٰھم ربنا وبحمدک اللّٰھم اغفرلی" اور مسلم کی روایت کے مطابق "سبحانك وبحمدك استغفرك واتوب اليك" فرماتے میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! اب آپؐ نے یہ کلمات کہنے کیوں شروع کر دیئے ہیں، پہلے تو اس طرح نہیں کہتے تھے؟" آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت میں ایک علامت مقرر کی تھی کہ جب اسے دیکھوں، تو یوں کہوں، وہ علامت یہ ہے "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ - آخر سورت تک" یعنی جب مکہ فتح ہو جائے، تو سمجھئے آپؐ کا کام پورا ہو گیا ہے"

غزوۂ حنین

"مواہب" میں لکھا ہے حنین، ذوالمجاز کے قریب ایک میدان ہے۔ کہتے ہیں، اس کے اور مکہ مکرمہ

---

[1] النصر

کے درمیان تین دن کا فاصلہ تھا۔ اس غزوہ کو غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں۔ "ہدیٰ" میں مذکور ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان یہ دو مقام ہیں اور ان ہی کے نام پر اس غزوہ کا نام غزوۂ حنین یا غزوۂ اوطاس رکھا گیا ہے۔

اہل سیر لکھتے ہیں: اس جنگ کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ پر فتح عطا فرمائی تو ہوازن اور ثقیف کے علاوہ عرب کے سب قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی مگر ہوازن اور ثقیف بڑے سرکش تھے ان کے سرداروں نے جمع ہو کر کہا کہ آپؐ کی جنگ ان لوگوں سے ہوئی ہے جو فنونِ حرب سے ناآشنا ہیں آپؐ نے ان پر فتح حاصل کی ہے اور آپؐ کا اگلا نشانہ ہم ہیں اس لیے مناسب ہے کہ اس سے پہلے ہم ہی آپؐ پر فوج کشی کریں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا تہیہ کیا اور ہوازن اور ثقیف کے سب قبائل جمع ہو گئے۔ ہوازن کا سپہ سالار ان کا سردار مالک بن عوف نضری تھا۔ اور ثقیف کا سالار ان کا لیڈر قارب بن اسود تھا۔ نضر، جشم اور سعد بن بکر کے سب قبائل اور بنو ہلال کے چند آدمی بھی ان سے آملے۔ قیس عیلان کے یہی قبائل اس جنگ میں شریک ہوئے یہ چار ہزار جانباز تھے۔ یہ لوگ اپنے مال، اپنے بال بچے اور اپنی عورتیں بھی ساتھ لائے تاکہ مردانگی سے لڑیں اور راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ ان میں بنو جشم کا سردار درید بن صمہ بھی تھا جس کی عمر اس وقت ۱۵۰ سال تھی اور کبر سنی کی وجہ سے نابینا بھی ہو چکا تھا یہ بڑا سمجھدار اور فنونِ حرب کا ماہر تھا جب یہ لشکر چلتے چلتے وادیِ اوطاس میں اترا تو درید بن صمہ نے پوچھا "کس وادی میں اترے ہو" انہوں نے کہا "اوطاس میں اترے ہیں" کہنے لگا "گھوڑوں کی جولانگاہ کے لیے یہ بہت اچھا میدان ہے نہ اتنا سخت ہے جس سے گھوڑے زخمی ہوں اور نہ اتنا نرم ہے کہ پاؤں دھنس جائیں" پھر اس نے پوچھا: "اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے ہینگنے، بچوں کے رونے اور بکریوں کے منمنانے کی آوازیں کیوں آرہی ہیں" کسی نے کہا "مالک بن عوف لوگوں کو ان کے مالوں، عورتوں اور بچوں سمیت اپنے ساتھ لایا ہے" بولا "مالک کہاں ہے؟" اس کو بلاؤ" مالک آیا تو اس سے کہنے لگا "مالک! تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو۔ اس جنگ کا اثر بعد کی جنگوں پر بھی پڑے گا یہ اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے ہینگنے، بچوں کے رونے اور بکریوں کے منمنانے کی آوازیں کیوں آرہی ہیں" مالک نے کہا "میں لوگوں کو ان کے مالوں اور بال بچوں سمیت لایا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل و عیال ہوں تاکہ وہ ان کو بچانے کے لیے بہادری سے لڑیں" یہ سن کر درید نے کہا "بخدا! تم بھیڑ بکریاں چرانے والے گڈریے ہی نکلے۔ یہ تو بتاؤ شکست کھا کر بھاگنے والے کو کوئی

چیز روک سکتی ہے؟ اگر فتح ہوئی تو تلوار اور نیزے کا حامل ایک ایک آدمی کافی ہے اگر شکست ہوئی تو صرف شکست ہی نہیں ہوگی، اہل و مال کے ضیاع کی ذلت اس پر مزید ہوگی۔" پھر اس نے پوچھا کعب و کلاب کے قبیلے بھی تمہارے ساتھ ہیں؟" لوگوں نے کہا "ان میں سے ایک آدمی بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔" اس نے کہا "پھر خوش بختی اور لازمی جدوجہد سے محروم ہو۔۔۔ اگر بلندی اور رفعت کی امید ہوتی، تو وہ غائب نہ ہوتے کاش! تم بھی وہی کرتے، جو کعب اور کلاب نے کیا ہے! اچھا یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کون کون قبیلے شامل ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "عمرو بن عامر اور عوف بن عامر ہمارے ساتھ ہیں" بولا "یہ دو ایسے مینڈھے ہیں جن کی موجودگی سود مند نہیں، اور نہ عدم موجودگی نقصان دہ ہے۔" پھر اس نے کہا "مالک! تم نے ہوازن کے بال بچوں اور مال و متاع کو دشمن کے سامنے لا کر اچھے تدبر کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو واپس محفوظ جگہ بھیج دو، پھر گھوڑوں پر چڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ اگر تم کامیاب ہوئے تو یہ تم سے آملیں گے، اور اگر تم نے شکست کھائی تو یہ دشمن کی دست برد سے محفوظ رہیں گے" مگر مالک نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "تم بوڑھے ہو چکے ہو لہٰذا تمہاری رائے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا" پھر اس نے بنو ہوازن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے گروہِ ہوازن! خدا کی قسم! اگر تم نے میری اطاعت نہ کی تو میں اپنی تلوار اپنے جسم سے پار کر دوں گا" دراصل وہ اس جنگ میں درید کا کچھ عمل دخل پسند نہیں کرتا تھا آخر قوم نے اس سے اتفاق کیا اور وہی کیا جو اس نے کہا۔ درید نے مایوس ہو کر کہا "میں اس جنگ میں نہ حاضر ہوں، اور نہ غیر حاضر۔"

مالک بن عوف نے اسلامی فوج کے حالات معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھیجے جو اس کے پاس انتہائی شکست خوردہ حالت میں آئے، ان کے جسم زخمی، اور بعض اعضاء کٹے ہوئے تھے اس نے پوچھا "افسوس! تمہارے ساتھ کیا بیتی؟" وہ بولے "ہمیں چند گورے رنگ کے آدمی ملے، جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے بخدا! ہم اپنے آپ کو اس حالت سے نہیں بچا سکے، جو تم دیکھ رہے ہو۔" واللہ! وہ یہ عبرتناک منظر دیکھ کر بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آیا اور مسلمانوں سے تصادم کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

جب آنحضرت ﷺ نے سنا تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو بھیجا اور ان کو تاکید کی کہ ان کے لشکر میں گھس کر ان کے حالات معلوم کریں۔ چنانچہ وہ گئے، اور ان کی فوج میں گھوم پھر کر حالات معلوم کیے اور آپؐ کو واپس آکر اطلاع دی کہ وہ ہر صورت میں آپؐ سے لڑنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

جب آپؐ ہوازن کے مقابلہ کے لیے رخصت ہونے لگے، تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ صفوان بن امیہ کے پاس

سامانِ حرب اور زرہیں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ آپؐ نے اس کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا وہ ابھی شرک پر قائم تھا حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا تھا اس سے مطالبہ کیا کہ "اے ابوامیہ! ہمارا کل دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس اسلحہ کی کمی ہے اپنا اسلحہ ہمیں دو"۔ اس نے کہا "اے محمدؐ! میرا اسلحہ مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں! بلکہ بطور عاریت لیتے ہیں اور جنگ کے بعد واپس کر دیں گے"۔ بولا "پھر کوئی حرج نہیں"۔ چنانچہ اس نے ایک سو زرہ اور دوسرا ضروری اسلحہ آپؐ کو دیا آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ اس کو محاذ پر پہنچائے۔ چنانچہ اس نے محاذ پر پہنچایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر عتابؓ بن اسید بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس کو گورنر مقرر کیا اور حضرت معاذؓ بن جبل کو امام بنایا نیز اہل مکہ کو علم دین سکھانے کا کام بھی ان کے سپرد کیا۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ عتابؓ آنحضرت ﷺ کی وفات تک مکہ مکرمہ کے گورنر رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں ان کو اسی عہدہ پر بحال رکھا۔ واقدی کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عتابؓ کا ایک دن انتقال ہوا۔ سہیلی لکھتے ہیں: اہل تعبیر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ اسید حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد مکہ کا گورنر ہے مگر اس کا بحالتِ کفر انتقال ہوا تو اس خواب کی تعبیر اس کے لڑکے عتابؓ کے حق میں ظاہر ہوئی۔ ان کے اسلام لانے کے بعد آپؐ نے ان کو ۲۱ سال کی عمر میں مکہ کا حاکم مقرر کیا جو تاحینِ حیات اسی منصب پر فائز رہے۔

پھر آپؐ حنین تشریف لے گئے آپؐ کے ساتھ دس ہزار وہ فوج تھی جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ آئی تھی، اور جس نے مکہ فتح کیا تھا اور دو ہزار مکہ کے نومسلم شامل ہو گئے۔ حنین کی جنگ میں آپؐ کے ساتھ کل ۱۲ ہزار فوج تھی۔ بیان کرتے ہیں کہ فوج کی اس کثرت کو دیکھ کر ایک آدمی نے کہا "آج ہم کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے"۔ آپؐ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس کی یہ تعلّی آپؐ کو پسند نہ آئی۔ آپؐ مکہ سے حنین کی طرف بروز ہفتہ ۷ شوال المکرم نکلے آپؐ کے ساتھ کچھ مشرک بھی تھے جن میں صفوان بن امیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ شام کے وقت ایک آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "یارسولؐ اللہ! میں فلاں پہاڑ پر چڑھا تھا میں نے دیکھا کہ بنو ہوازن سب کے سب اپنے بال بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت میدان میں جمع ہیں"۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا "ان شاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کو غنیمت میں ملے گا"۔ پھر آپؐ نے پوچھا "آج رات ہم پر پہرا کون دے گا؟" انس بن ابی مرثد غنویؓ نے کہا "یارسولؐ اللہ! آج میں

پہرا دوں گا۔" آپؐ نے فرمایا: "اچھا اس گھاٹی کی طرف جاؤ، اس پر چڑھ جاؤ اور چاروں طرف سے دشمن کا خیال رکھنا۔" چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

صبح کے وقت آ کر کہنے لگے: "میں دونوں چوٹیوں پر چڑھا ہوں، میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔" آپؐ نے ان سے پوچھا: "رات نیچے بھی اُترے تھے؟" کہا: "نماز کے لیے وضو کرنے یا قضاءِ حاجت کے سوا میں نیچے نہیں اُترا۔" آپؐ نے فرمایا: "اگر کوئی اور عمل نہ بھی کرو تو تمہاری نجات کے لیے یہی کافی ہے۔" (رواہ ابوداؤد)

ابو واقد لیثی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم بھی حنین کی جنگ میں شریک ہوئے، ابھی ہمیں جاہلیت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ کفارِ قریش اور دوسرے عربوں کی عادت تھی کہ وہ ایک بڑے ہرے بھرے درخت پر ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کو "ذاتِ انواط" کہتے تھے۔ سال میں ایک دفعہ اس پر میلہ لگاتے اور اس کے پاس چڑھاوے کے جانور ذبح کرتے تھے۔ حنین کے سفر میں جب ہم بیری کے ایک بہت بڑے سرسبز و شاداب درخت کے نزدیک پہنچے تو ہم نے چاروں طرف سے آپؐ کو آواز دی اور آپؐ سے درخواست کی: "اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط" یعنی "جس طرح ان کے لیے 'ذاتِ انواط' ہے، ہمارے لیے بھی ایک 'ذاتِ انواط' مقرر فرمائیں۔" آپؐ نے فرمایا: "اللہ اکبر! یہ تو اسی طرح کا مطالبہ ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ انہوں نے ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا: "اے موسیٰ! جس طرح ان کے بت ہیں، ہمارے لیے بھی ایک ایسے ہی بت کا انتظام کر دو۔" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ دوسروں کی نقالی کے یہی طریقے ہیں۔ تم بھی ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلنے لگو گے۔" (رواہ الترمذی والامام احمد وابن ابی حاتم وابن جریر وابن اسحاق)

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر محض مشرکوں کی مشابہت کی وجہ سے انکار فرمایا ہے تو اس سے بڑے خالص شرک کا کیا حال ہے جب درخت کے پاس جمع ہونا، اس پر ہتھیار لٹکانا اور اس کے پاس جانور ذبح کرنا اللہ کے ساتھ اس کو شریک ٹھیرانا اور معبود بنانا ہے حالانکہ وہ اس سے حاجتیں نہیں مانگتے تھے اور نہ اس کی عبادت کرتے تھے، تو پھر قبروں پر جمع ہونا، ان سے حاجات طلب کرنا اور فیوض و برکات کے لیے ان پر چلہ کشی کرنا کیوں شرک نہیں ہوگا۔ اگر مشرک اور اہلِ بدعت ہوش سے کام لیں تو وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ درخت

کے فتنہ کی قبر کے فتنہ سے کیا نسبت ہے؟ اسی واسطے امام مالکؒ کے بعض اصحاب (ابوبکر طرطوشی) نے کہا ہے "دوستو! جب تم بیری یا کسی اور درخت کو دیکھو کہ لوگ قصداً اس کے پاس جمع ہوتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس سے (بیماری سے شفا کی) امید رکھتے ہیں، اس میں میخیں گاڑ کر کپڑے کی دھجیاں لٹکاتے ہیں تو اس درخت کو کاٹ دو اور اس کا نام و نشان مٹا دو۔" انتہٰی!

آنحضرت ﷺ ۱۱ شوال بروز منگل شام کے وقت حنین میں پہنچے۔ مالک بن عوف آپؐ سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو تنگ وادیوں اور کمین گاہوں میں چھپا دیا تھا اور ان کو ہدایت کی کہ جونہی مسلمان میدان میں آئیں اپنی تلواروں کے میان توڑ دیں اور ان پر شخصِ واحد کی طرح سخت حملہ کریں۔ پچھلی رات آپؐ نے اپنی فوج کی صف بندی کی، بڑے اور چھوٹے مختلف جھنڈے تیار کیے، اور افسروں میں تقسیم فرمائے۔ پھر دو زرہیں زیب تن کیں، سر پر خود رکھا اور سفید خچر دُلدُل پر سوار ہوئے۔

ابن اسحاق، جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم صبح کے اندھیرے میں میدان میں آئے ابھی ہم گھاٹی سے اتر ہی رہے تھے کہ چاروں طرف سے کمین گاہوں میں چھپے ہوئے آدمیوں نے شخصِ واحد کی طرح ہم پر حملہ کر دیا ہمیں سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا اور لوگ جدھر کسی کا منہ ہوا بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوئی کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ میدان کی دائیں جانب کھڑے آوازیں دے رہے تھے "لوگو! میں یہاں ہوں، میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسولؐ ہوں، میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں"۔ مگر بے سُود! سب بھاگے جا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مہاجرین، انصار اور اہلِ بیت کی ایک مختصر جماعت باقی رہ گئی تھی جن میں سے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابوسفیانؓ بن حارث، عباسؓ اور ان کے صاحبزادے فضلؓ، ربیعہؓ بن حارث، اسامہ بن زیدؓ اور ایمن بن امِ ایمنؓ قابلِ ذکر ہیں۔ ایمنؓ نے اس دن وہاں جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ انتہٰی!

جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ آپؐ کے سب ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تو آپؐ نے اپنی خچر کو کفار کی طرف دوڑانا شروع کیا مگر عباسؓ نے جو آپؐ کی دائیں رکاب تھامے ہوئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ عباسؓ آپکی دائیں رکاب اور ابوسفیانؓ بائیں رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ہی خچر کو آگے جانے سے روکتے تھے مگر آپؐ اعلان فرما رہے تھے ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب أَنَا ابنُ عَبدِ المُطَّلِب

"کوئی جھوٹ نہیں! میں ہی نبیؐ ہوں، اور میں ہی ابنِ عبد المطلب ہوں۔"

صحیحین میں براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا "اے ابو عمارہ! حنین کے دن آپ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟" انہوں نے کہا "ہاں لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوازن کے لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو پہلے وہ بظاہر شکست کھا کر بھاگ نکلے جب لوگ غنیمت لوٹنے لگے تو انہوں نے مڑ کر ہم پر تیروں کی بارش برسا دی جس سے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے میں نے دیکھا اس وقت آپؐ اپنی سفید خچر پر سوار تھے آپؐ نیچے اترے، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور فرمایا "الٰہی! اپنی مدد نازل فرما" ابو سفیانؓ بن حارث نے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپؐ فرماتے تھے ۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب أَنَا ابنُ عَبدِ المُطَّلِب

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نوجوان صحابہؓ کا جن کے پاس تیروں سے بچنے کے لیے زرہیں اور خود نہیں تھے، ہوازن اور بنو نضر کے تیر اندازوں سے مقابلہ ہوا جن کا کوئی تیر نشانہ سے نہیں چوکتا تھا وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے آپؐ سفید خچر پر سوار تھے، یہ دیکھ کر آپؐ نیچے اترے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی، اور فرمایا: "الٰہی! اپنی مدد نازل فرما" براءؓ کہتے ہیں "بخدا! جب گھمسان کی جنگ شروع ہوتی تو ہم آپؐ کے پیچھے ہو کر اپنا بچاؤ کرتے تھے اور ہم میں سے وہ آدمی بڑا شجاع سمجھا جاتا تھا جو آپؐ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتا تھا"

صحیح مسلم میں سلمہؓ بن اکوع کی حدیث میں ہے جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا، تو آپؐ نے خچر سے اتر کر زمین سے مٹی کی ایک مٹھی لی، اور "شاہت الوجوہ" کہہ کر دشمن کی طرف پھینکی اور دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس مٹی سے نہ بھری ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلم میں حضرت عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "عباس! اصحاب سمرہ کو آواز دیجئے" حضرت عباسؓ بہت بلند آواز تھے۔ کہتے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا "کیکر کے نیچے بیعت کرنے والو! اِدھر آؤ" عباسؓ کہتے ہیں "خدا کی قسم! میری آواز سنتے ہی وہ اس طرح لبیک لبیک پکارتے ہوئے واپس آئے جس

طرح گائے اپنے بچوں کو بچانے کے لیے مڑتی ہے' اور کفار سے لڑنے لگے۔ پھر "یا معشر الانصار" کہہ کر انصار کو آواز دی' وہ بھی آ گئے۔ پھر "یا بنی الخزرج، یا بنی الخزرج" کہہ کر آواز دی' وہ حاضر ہو گئے اور بڑے زور سے جنگ شروع ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سوار' اونچے ہو کر لڑائی کو دیکھا اور فرمایا' "اب لڑائی کا تنور خوب گرم ہوا ہے"۔ عباسؓ کہتے ہیں' اس وقت آپؐ نے اپنے ہاتھ میں کچھ کنکر لیے اور کفار پر پھینکے اور فرمایا' "رب محمدؐ کی قسم! وہ شکست کھا گئے"۔ عباسؓ کہتے ہیں: "میں نے سر اٹھا کر دیکھا' تو معلوم ہوا کہ ابھی لڑائی بدستور ہو رہی ہے مگر آپؐ کے کنکر پھینکنے کے بعد ان کا جوش ٹوٹنے لگا اور قوت کمزور پڑنے لگی۔ بالآخر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے اپنی خچر دوڑا رہے ہیں"۔

ابن اسحاق کے نزدیک جابرؓ کی روایت میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' "یا معشر الانصار" اور "یا اصحاب السمرۃ" کہہ کر آواز دو۔ یہ سن کر وہ "لبیک' لبیک" (ہم حاضر ہیں' ہم حاضر ہیں) پکارتے ہوئے دوڑے۔ بھیڑ کی وجہ سے اگر کوئی آدمی اپنا اونٹ نہ موڑ سکتا' تو وہ زرہ پہن کر اور ہاتھ میں تلوار اور ڈھال لے کر اونٹ سے کود پڑتا اور آواز کی طرف دوڑا آتا حتیٰ کہ آپؐ کے پاس ایک سو آدمی جمع ہو گئے اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑنے لگے۔ جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں: آخری لوگوں کے واپس آنے تک کفار کو مکمل شکست ہو گئی تھی' اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور مشکیں باندھے ہوئے قیدی آپؐ کی خدمت میں پیش ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیانؓ بن حارث کو دیکھا' جو اب ایک مخلص مسلمان کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ تھے اور آپؐ کی خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپؐ نے پوچھا' "یہ کون ہے؟" بولے: "یا رسولؐ اللہ! آپؐ کا چچا زاد بھائی ہوں"۔

بنو عبدالدار سے' شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ جن کا باپ جنگِ احد میں قتل ہو گیا تھا' کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں سوچا' آج انتقام لینے کا بہت اچھا موقعہ ہے۔ آج محمدؐ کو قتل کر کے میں اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ میں اس ارادے سے آپؐ کے نزدیک پہنچا' تو میرے آگے کوئی ایسی چیز ظاہر ہوئی' جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا اور میں آپؐ پر حملہ نہ کر سکا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ قدرت آپؐ کی حفاظت کر رہی ہے۔

سیرت ابنِ ہشام میں ہے "میں نے معلوم کر لیا کہ قدرت آپؐ کی مجھ سے حفاظت کر رہی ہے"۔

ابن ابی خیثمہ نے شیبہ کی یہی حدیث بیان کرتے ہوئے لکھا ہے' شیبہ نے کہا' جب میں نے حنین

کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو مجھے اپنا باپ اور چچا یاد آ گئے جن کو حمزہؓ نے قتل کر دیا تھا۔ میں نے کہا آج محمدؐ کو قتل کر کے میں ان کا بدلہ لوں گا۔ میں آپؐ کی دائیں جانب پہنچا تو آپؐ کے چچا عباسؓ کو سفید زرہ میں ملبوس کھڑے پایا۔ میں نے سوچا یہ آپؐ کا چچا ہے جو آپؐ کی مدد کرے گا۔ پھر میں بائیں جانب آیا تو ابوسفیانؓ بن حارث کو موجود پایا۔ میں نے کہا یہ آپؐ کے چچا کا بیٹا ہے یہ ہرگز آپؐ کی مدد سے باز نہیں رہے گا۔ پھر میں آپؐ کے پیچھے آیا اور دبے پاؤں آپؐ کے نزدیک پہنچا۔ صرف تلوار کے ایک وار کی کسر باقی تھی کہ برق رفتار سے آگ کا ایک شعلہ میری طرف بڑھا جس سے پیچھے بھاگ کر میں نے بمشکل جان بچائی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا: ”شیبہ نزدیک آ جاؤ“ میں نزدیک آیا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو میرے دل سے نکال دیا۔ میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ مجھے اپنی آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب نظر آئے۔ آپؐ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ”شیبہ! ادھر آؤ اور کفار سے لڑائی کرو“ میں اب آپؐ کے ساتھ مل کر کفار سے لڑ رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ”الٰہی! اس کو شیطان سے بچا“ خدا کی قسم! اس کے بعد آپؐ مجھے اپنی آنکھ اور کان سے بھی زیادہ محبوب لگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے آپؐ کی دشمنی نکال دی۔ آپؐ نے فرمایا: ”آگے آؤ اور دشمن سے لڑو“ چنانچہ میں آپؐ کے آگے ہو کر لڑنے لگا۔ اگر اس وقت میرا باپ بھی میرے سامنے آ جاتا، تو میری تلوار سے نہ بچ سکتا۔ جب مسلمان واپس پلٹے تو انہوں نے بڑے جوش سے شخصِ واحد کی طرح حملہ کیا جس کی تاب نہ لا کر کفار پسپا ہو گئے اور جدھر کسی کا منہ ہوا اُدھر بھاگ نکلے۔ آپؐ بھی اپنی خچر پر سوار ہو کر کچھ دُور اُن کے پیچھے گئے۔ جب وہ چاروں طرف منتشر ہو گئے تو آپؐ اپنی لشکر گاہ میں واپس تشریف لے آئے اور اپنے خیمہ میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے آپؐ کے خیمہ میں داخل ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ”شیبہ! تمہارے متعلق خدا تعالیٰ کا ارادہ تمہارے اپنے ارادے سے بہتر ہے“ پھر آپؐ نے مجھے وہ سب باتیں بتائیں جو میں نے اپنے دل میں چھپا رکھی تھیں اور ان میں سے کسی کے پاس تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔ میں نے عرض کی: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور بلا ریب آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یا رسولؐ اللہ! میرے حق میں میرے جرموں کی بخشش کی دعا فرمائیں“۔ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی وجہ سے تمہارے سب گناہ معاف

فرما دیئے ہیں۔"

ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب مسلمانوں کو شکست ہوئی' تو آپ کے ساتھ حاضر ہونے والے مکہ کے اہل جفاؔ نے اپنی پوشیدہ دشمنی کا اظہار کیا۔ ابوسفیان بن حرب نے کہا "یہ شکست ان کو سمندر میں لے ڈوبے گی" اس نے قسمت آزمائی کے تیر بھی اپنے ترکش میں رکھے ہوئے تھے۔ جبلہ بن حنبل صفوان بن امیہ کا ماں کی جانب سے بھائی چلا کر بولا "آج محمد کا جادو ٹوٹ گیا ہے" صفوان نے کہا "اللہ تعالیٰ تیرے دانتوں کو توڑ دے چپ رہ! خدا کی قسم! مجھے قریش کے آدمی کی حکومت' ہوازن کے کسی آدمی کی حکومت سے زیادہ محبوب ہے۔"

جب ہوازن شکست سے دوچار ہوئے' تو ثقیف کے قبیلے بنو مالک میں سخت خونریزی ہوئی۔ ان کے جھنڈے کے نیچے ان کے ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے ان میں عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ بھی تھا۔ بنو ثقیف کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں تھا اور احلاف کا جھنڈا قارب بن اسود کے ہاتھ میں تھا۔ جب شکست ہوئی تو قارب اور اس کی قوم احلاف' میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ان کے صرف دو آدمی جنگ میں کام آئے انہوں نے اپنے شہر طائف میں پناہ لی' مالک بن عوف بھی ان کے ساتھ تھا ان میں سے بعض نے اوطاس میں اور بعض نے نخلہ میں پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہسوار نخلہ میں جمع ہونے والوں کے تعاقب میں نکلے' اور ثنایا میں جانے والوں کے پیچھے نہیں گئے۔ ربیعہ بن رفیع نے عورت سمجھ کر درید بن صمہ کو پکڑا کیونکہ وہ کجاوے میں سوار تھا۔ اس نے اونٹ بٹھایا' تو معلوم ہوا کہ کجاوے میں بوڑھا درید بن صمہ سوار تھا۔ وہ نوجوان اس کو نہیں جانتا تھا۔ درید بولا "تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟" کہنے لگا "میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں"۔ بولا "تم کون ہو؟" اس نے کہا "میں ربیعہ بن رفیع سلمی ہوں"۔ پھر انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا' مگر کارگر ثابت نہ ہوا درید بولا: "تیری ماں نے تجھے بڑے برے ہتھیار سے مسلح کیا ہے۔ پالان کے پیچھے سے میری تلوار لے' اور اس کے ساتھ مجھے قتل کر' مگر خیال رکھنا تلوار دماغ کے نیچے اور ہڈیوں سے اوپر پڑے' میں لوگوں کو اسی طرح قتل کیا کرتا تھا۔ پھر جب گھر پہنچو تو اپنی ماں سے کہنا: آج میں درید بن صمہ کو قتل کر آیا ہوں۔ بخدا! متعدد جنگوں میں میں نے تیرے قبیلہ کی عورتوں کو قید و بند سے بچایا ہے"۔ ربیعہ کہتے ہیں: جب میں نے اس پر تلوار چلائی اور وہ گر پڑا تو وہ بے پردہ ہو گیا۔ ننگی پیٹھ گھوڑوں پر بکثرت سواری کی وجہ سے اس کے ران اندر سے کاغذ

کی طرح سفید تھے۔ واپس آکر جب ربیعہ نے اپنی ماں کو بتایا کہ میں درید کو قتل کر آیا ہوں تو اس نے کہا:
”خدا کی قسم! اس نے تیری ماؤں کو تین دفعہ قید و بند سے آزاد کیا تھا۔“

ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کا سریہ

ابو عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ ابن اسحاق نے ان کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی بتایا ہے مگر پہلی بات زیادہ مشہور ہے۔ اوطاس حنین اور طائف کے درمیان ایک معروف میدان ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پر امیر مقرر کیا اور جو لوگ حنین سے بھاگ کر اوطاس میں جمع ہو گئے تھے ان کی سرکوبی کے لیے ان کو بھیجا۔ وہاں ان بھگوڑوں سے لڑائی ہوئی تیر لگنے سے ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو گئی تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور کفار کے حصہ میں شکست آئی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر اوطاس کی طرف بھیجا وہاں درید بن صمہ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا درید بن صمہ قتل ہو گیا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ جنگ میں ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر لگا میں نے ان کو دیکھا تو پوچھا: ”چچا! آپ کو یہ تیر کس نے مارا ہے؟“ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا اور کہا: ”اس آدمی نے مجھے تیر مارا ہے۔“ میں اس کی طرف گیا تو وہ مجھے دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا میں بھی اس کے پیچھے دوڑا اور اس کو آواز دی ”تجھے بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی کھڑے ہو کر مقابلہ کر۔“ وہ آواز سن کر رک گیا اور ہم لڑنے لگے۔ میں نے تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور ابو عامر رضی اللہ عنہ سے آکر کہا: ”میں آپ کے قاتل کو قتل کر آیا ہوں۔“ وہ بولے: ”میرے گھٹنے سے تیر نکالو۔“ میں نے تیر نکالا تو ان کے جسم سے خون کی بجائے پانی بہہ نکلا۔ انہوں نے کہا: ”بھتیجے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے السلام علیکم عرض کرنا اور کہنا کہ آپ میرے لیے بخشش کی دعا کریں۔“ پھر ابو عامر رضی اللہ عنہ نے مجھے لشکر پر امیر مقرر کیا اور تھوڑی دیر بعد جان شیریں جاں آفریں کے سپرد کی۔ پھر میں واپس آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں داخل ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ننگی چارپائی پر آرام فرما رہے تھے چارپائی کی رسیوں نے آپ کی پشت اور پہلو پہ

نشان ڈال دیئے تھے۔ میں نے جنگ کا واقعہ بیان کیا اور ابو عامرؓ کے انتقال کی خبر سنائی۔ اور کہا، وہ کہتے تھے کہ آپؐ میرے حق میں بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپؐ نے پانی منگا کر وضو کیا اور پھر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی: "الٰہی! اپنے بندے ابو عامر کو بخش دے"۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھائے تو میں نے آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی تھی۔ پھر فرمایا: "الٰہی! قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق سے اس کو بلند مرتبہ عطا فرمائیں" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میرے لیے بھی بخشش کی دعا فرمائیں"۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! اپنے بندے عبداللہ بن قیس کے گناہ بخش دے، اور اس کو قیامت کے دن عزت والے مقام میں داخل فرما"۔ ابو بردہؓ کہتے ہیں: آپؐ نے ایک دعا ابو عامرؓ کے لیے، اور دوسری ابو موسیٰؓ کے لیے کی تھی"۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور غنیمتوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کو جمع کر کے طائف کی مہم سے فارغ ہونے تک محفوظ کیا۔ قیدی چھ ہزار، اونٹ ۲۴ ہزار، بکریاں ۴۰ ہزار سے زیادہ، اور چاندی چار ہزار اوقیہ تھی۔ آپؐ نے غنیمتوں کی نگرانی پر مسعود بن عمرو غفاریؓ کو نگران مقرر فرمایا تھا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جنگِ حنین کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی:

"لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔـا ــ الآیات!" (التوبۃ ۲۵)

یعنی "اللہ تعالیٰ نے بہت سی جنگوں میں تمہاری مدد فرمائی ہے، اور حنین کی جنگ میں بھی، جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا، مگر اس نے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا"۔

روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو حنین اور اوطاس میں بہت سی قیدی عورتیں ملیں، جن سے ہمبستری کرنے کو اس لیے مکروہ سمجھتے تھے کہ وہ شادی شدہ ہیں ــــــــ اور ان کے خاوند موجود ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"[1] یعنی شادی شدہ عورتیں تمہارے لیے حرام ہیں مگر جو تمہاری قید میں ہیں اور تم ان کے مالک بن گئے ہو، وہ حلال ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو جنگ میں قید ہو گئی ہیں اور تقسیم کے بعد تمہارے حصہ میں آگئی ہیں۔ گو ان کے کافر خاوند زندہ ہیں، وہ قید کرنے والوں کے لیے حلال ہیں۔ قیدی بننے سے ان کا نکاح ختم ہو گیا ہے۔

ابو سعیدؓ کہتے ہیں: جنگِ اوطاس میں بہت سی قیدی عورتیں ہمارے ہاتھ آئیں، ان کے خاوند

---

[1] النساء: ۲۴

موجود تھے اس لیے ہم نے ان سے ہمبستری کو ناجائز سمجھا اس کے متعلق ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ پھر ہم نے ان کو اپنے لیے حلال سمجھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی لونڈیوں کے متعلق حکم جاری کیا کہ کسی حاملہ عورت سے جب تک اسے بچہ نہ پیدا ہوئے ہمبستری نہ کی جائے اور غیر حاملہ سے ہمبستری کے بارہ میں ایک حیض کا انتظار کیا جائے۔ صحابہؓ نے آپؐ سے عزل کے بارہ میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "ہر پانی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا جب اللہ تعالےٰ کسی بچہ کو پیدا کرنا چاہتا ہے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔"

قیدی عورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماؓ بھی تھیں انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں" آپؐ نے فرمایا "اس کا کیا ثبوت ہے" بولیں "اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے آپؐ کو اٹھایا ہوا تھا اور آپؐ نے میری پشت پر اپنے دانتوں سے کاٹا تھا" جب آپؐ نے یہ نشان دیکھا تو آپؐ نے اپنی چادر بچھا کر اُن کو اس پر بٹھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہیں دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُن کو اختیار دیا کہ اگر میرے پاس رہنا چاہیں تو شوق سے رہ سکتی ہیں ہر طرح سے آپکا احترام و اکرام ملحوظ رہے گا اور اگر آپ جانا چاہتی ہیں تو میں آپکو مال و متاع دیتا ہوں اپنی قوم میں چلی جائیے" انہوں نے کہا "میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں" انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تحفے تحائف دے کر واپس بھیج دیا۔ بنو سعد کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان کو ایک غلام اور ایک لونڈی دی غلام کا نام مکحول تھا۔ شیماؓ نے ان دونوں کی باہم شادی کر دی اور ان کی اولاد ان میں باقی رہی۔ مواہب میں لکھا ہے کہ حنین کے دن آپؐ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ دختر ابو ذیب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں یہ بنو ہوازن سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہی نے آپؐ کو پورے دو سال دودھ پلایا تھا آپؐ نے ان کو دیکھا تو اپنی چادر بچھا دی اور بڑے احترام کے ساتھ اُن کو بٹھایا۔ ثویبہ کی طرح ان کے اور ان کے خاوند کے اسلام لانے میں بھی اختلاف ہے۔

صحیح بخاری میں ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ حنین میں شریک ہوئے۔ پہلے پہل مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان کے قریب پہنچ چکا ہے اور اس کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے پیچھے سے اس کو کندھے پر تلوار ماری جس سے اس کی زرہ اور کچھ کندھا بھی کٹ گیا۔ وہ پیچھے مڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور مجھے اس قدر بھینچا کہ

مجھے موت نظر آنے لگی۔ پھر وہ زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا اور دم توڑ گیا۔ میری حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا "لوگوں کو کیا ہوا" بولے "اللہ کا حکم!" پھر لوگ واپس آئے (اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی)، جب آپؐ غنیمت تقسیم کرنے کے لیے بیٹھے تو فرمایا "جس نے کوئی آدمی قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہو تو اس کا سلب (مقتول کا مال واسباب) اس کو مل جائے گا" میں نے کھڑے ہو کر کہا "میرے حق میں کوئی گواہی دیتا ہے" پھر میں بیٹھ گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اعلان کیا۔ میں نے کہا "میرے حق میں کون گواہی دے گا" میں پھر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے تیسری مرتبہ پھر اعلان فرمایا۔ میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا۔ آپؐ نے فرمایا "ابو قتادہؓ کیا بات ہے" اس وقت ایک آدمی بولا "حضورؐ! یہ ٹھیک کہتا ہے جس آدمی کو اس نے قتل کیا ہے اس کا سلب میرے پاس ہے۔ آپؐ اس کو راضی کر دیں کہ یہ اب وہ سلب میرے پاس رہنے دے" حضرت ابوبکرؓ پاس کھڑے تھے، وہ بولے "بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا آپؐ اللہ کے شیر کا جس نے اللہ کی راہ میں، اس کے رسولؐ سے مل کر جہاد کیا ہے سلب تجھے نہیں دیں گے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکرؓ نے درست کہا ہے اس کا سلب اس کو دے دو" چنانچہ اس نے وہ سلب مجھے دے دیا جس کو بیچ کر میں نے بنو سلمہ میں ایک باغ خریدا اور یہ میری پہلی جائداد ہے جو اسلام لانے کے بعد میں نے پیدا کی۔

حنین کی جنگ میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے: (۱) ایمن بن ام ایمنؓ (۲) یزیدؓ بن زمعہ بن اسود (۳) سراقہ بن حارث انصاریؓ (۴) ابو عامر اشعریؓ اور مشرکوں کے ستر سے زیادہ آدمی قتل ہوئے۔

غزوۂ طائف

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے طفیلؓ بن عمرو دوسی کو عمرو بن حمہ کا لکڑی کا بت توڑنے کے لیے بھیجا جس کو ذو الکفین کہا جاتا تھا اور ان کو تاکید کی کہ ادھر سے فارغ ہو کر آپؐ کو آکر طائف میں ملیں۔ طفیلؓ بہت جلد وہاں گئے، اس کو توڑا اور پھر آگ لگا کر سارا بت خانہ جلا دیا۔ ساتھ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

یاذا الکفین لست من عبادکا۔ میلادنا اقدم من میلادکا۔ انی حشوت النار فی فؤادکا

"اے ذوالکفین! میں تیرا پجاری نہیں ہوں۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔"

ان کے ساتھ ان کی قوم کے چار سو آدمی آئے، اور آپؐ کے طائف میں آنے کے چار دن بعد آپؐ سے آملے۔ یہ آتے وقت اپنے ساتھ قلعہ توڑنے کا ہتھیار منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ لائے 'دبابہ' کا لفظ 'با' کی تشدید اور دال مہملہ کے ساتھ ہے۔ دبابہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے اندر داخل ہو کر قلعہ کی دیواریں کھود دی جاتی ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ شوال ۸ھ کو حنین سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ہوازن اور ثقیف کے مشترک بھگوڑوں کی سرکوبی کے لیے طائف کا رخ کیا — جو حنین میں شکست کھانے کے بعد یہاں آکر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ خالدؓ بن ولید ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ بطور 'مقدمۃ الجیش' آپؐ کے آگے آگے تھے۔ آپؐ طائف کو جاتے ہوئے 'نخلہ یمانیہ' پھر 'قرن المنازل' اور 'نخرۃ الرعا' سے ہوتے ہوئے 'لیہ' پہنچے۔ وہاں مسجد بنائی اور اس میں نماز ادا فرمائی۔ وہیں آپؐ نے ہذیل کے ایک آدمی کے قصاص میں بنو لیث کا ایک آدمی قتل کیا، اور یہ پہلا قتل ہے جس کا اسلام میں قصاص لیا گیا۔ آگے چل کر آپؐ مالک بن عوف کے قلعہ پر پہنچے! —— اس کو مسمار کرا دیا، پھر آپؐ ایک راستہ پر چلے، تو پوچھا "اس کا نام کیا ہے؟"۔ بتایا گیا اس کا نام 'ضیقہ' (تنگ) ہے۔ آپؐ نے فرمایا "آج کے بعد اس کا نام 'الیسریٰ' ہے۔"

پھر وہاں سے رخصت ہو کر آپؐ ثقیف کے ایک آدمی کے باغ کے قریب، بیری کے ایک درخت کے نیچے اترے، اور اس آدمی کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ باغ سے نکل جائے، ورنہ اس باغ کو ویران کر دیا جائے گا۔ اس نے نکلنے سے انکار کر دیا، اور آپؐ نے اس کو ویران کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر آپؐ طائف پہنچے، اور قلعہ کے پاس اپنا کیمپ لگا دیا۔ قلعہ میں بند دشمن نے مسلمانوں پر اس قدر تیر چلائے، جیسے ٹڈی دل اتر رہا ہو۔ کافی تعداد میں صحابہؓ زخمی ہوئے، اور بارہ آدمیوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان میں عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔ اس دن عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ کو بھی تیر لگا۔ ان کا زخم مندمل ہو گیا، لیکن کافی عرصہ بعد وہ زخم دوبارہ ہرا ہو گیا، اور اسی کے صدمہ سے وہ اپنے والد کی خلافت میں انتقال کر گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے قلعہ کے نزدیک سے اپنا کیمپ اٹھا لیا اور دور جہاں آجکل طائف کی مسجد واقع ہے فروکش ہوئے اس سفر میں آپؐ کے ساتھ امہات المومنین میں سے امِ سلمہؓ اور زینبؓ تھیں۔ آپؐ نے اُن کے لیے دو الگ الگ خیمے نصب کرائے اور جب تک آپؐ نے طائف کا محاصرہ جاری رکھا اُن دونوں کے درمیان واقع ہونے والے پلاٹ میں نماز پڑھتے رہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے دس سے کچھ دن زیادہ محاصرہ جاری رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ بیس سے کچھ دن زیادہ محاصرہ جاری رہا۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے اہلِ طائف کا ۴۰ دن محاصرہ کیا۔ آپؐ نے طائف پر منجنیق نصب کیا اور اس کے ذریعہ قلعہ پر پتھر پھینکے! - اسلام میں منجنیق کا استعمال پہلے پہل اسی محاصرہ میں ہوا تھا۔ آپؐ نے بنو ثقیف کے انگور کاٹنے اور ان کو آگ لگا دینے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل میں ان کے بہت سے باغات ویران کر دیئے۔ پھر اہلِ طائف نے آپؐ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر اس کارروائی کو بند کرنے کی درخواست کی جو آپؐ نے منظور فرمائی اور فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا لحاظ کرتا ہوا اس کارروائی کو بند کرتا ہوں" اس کے بعد آپؐ نے منادی کرائی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ یہ حکم سن کر دس سے زیادہ غلام موقعہ پاکر فرار ہوئے ان میں مشہور صحابی ابوبکرہؓ بھی تھے ان کا نام نفیع بن حارث ہے۔ یہ طائف کی دیوار سے پانی نکالنے والی چرخی کے ذریعے نیچے اترے تھے اس لیے آپؐ نے ان کی کنیت "ابوبکرہ" رکھ دی جو غلام قلعہ سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے تھے آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا اور ان کے طعام و قیام کا انتظام کرنے کے لیے آپؐ نے ایک ایک آدمی مسلمانوں کے ایک ایک آدمی کے سپرد کر دیا۔ اہلِ طائف کو یہ واقعہ بہت گراں گزرا اس لیے اہلِ طائف کے مسلمان ہونے کے بعد ان میں سے ایک جماعت نے ان کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا: "اولئك عتقاء الله" "یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں" آپؐ کے لیے اس سال طائف کی فتح مقدر میں نہیں تھی اس لیے آپؐ نے طائف فتح کیے بغیر محاصرہ اٹھا لیا۔

صحیح بخاری میں حضرت امِ سلمہؓ سے روایت ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اس وقت گھر میں ایک مخنث تھا آپؐ نے سنا وہ میرے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ

سے کہہ رہا تھا "اگر کل طائف فتح ہوا تو غیلان کی بیٹی کو ضرور دیکھنا وہ بڑی حسین و جمیلہ ہے وہ آتی ہے، تو اس کے پیٹ پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور جاتی ہے، تو آٹھ شکنیں ظاہر ہوتی ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "آئندہ یہ آپ کے پاس گھر نہ آیا کرے" اور بخاری کی ایک روایت میں ہے، آپؐ نے اس وقت طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

صحیح بخاری میں عبداللہؓ بن عمرو کی یہ روایت بھی ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپؐ نے فرمایا "ہم ان شاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس جائیں گے" صحابہؓ پر یہ بات شاق گزری، وہ کہنے لگے "ہم طائف فتح کیے بغیر ہی واپس جائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا "اچھا تو کل دشمن سے لڑنے کے لیے نکلو"۔ چنانچہ وہ دشمن کے مقابلہ میں آئے، تو ان کو بہت زخم لگے۔ آپؐ نے پھر فرمایا "ہم کل ان شاء اللہ واپس چلیں گے" اب تو وہ بہت خوش ہوتے، یہ دیکھ کر آپؐ ہنس پڑے، سفیان نے ایک روایت میں "ہنسنے" کی بجائے "مسکرانے" کا ذکر کیا ہے۔

اس جنگ میں ابو سفیانؓ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی، وہ اس کو ہاتھ میں لیے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا "کیا چاہتے ہیں، اس کے بدلہ میں جنت میں آنکھ لینا چاہتے ہیں، یا یہ چاہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور وہ آپ کو آپ کی آنکھ واپس کر دے؟" بولے "میں اس کے عوض جنت میں آنکھ لینا چاہتا ہوں"، اور وہ آنکھ انہوں نے پھینک دی۔ ابو سفیانؓ جنگ یرموک میں لڑے، اور اس میں ان کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ حافظ زین الدین عراقی نے یہ واقعہ ذکر کیا۔ انتہٰی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ درج ذیل ذکر ورد زبان بنائیں، اور اسی پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھیں:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ ــــ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ"

"اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اپنے بندہ کی امداد فرمائی ہے اور دشمن فوجوں کو اکیلے نے شکست دی ہے"۔ جب واپسی کے لیے کوچ فرمایا تو حکم دیا "اب یہ کہو: آئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ"۔ "ہم واپس جا رہے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں"۔

ملاحظہ فرماتیے! جب آپؐ جہاد کے لیے نکلتے تو ممکن حد تک بھرپور تیاری کرتے، فوج کیلئے جانباز سپاہی بھرتی کرتے، سواریوں کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کا انتظام فرماتے، سامانِ حرب، دیگر آلاتِ جہاد اور راشن وغیرہ جمع کرتے لیکن کامیاب ہو کر واپس لوٹتے تو ان تمام اسباب سے لاتعلقی کا اظہار فرماتے، تمام فتوحات اور کامیابیوں کو محض اپنے مولا کریم کا فضل و احسان سمجھتے اور فرماتے "هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ" اس اکیلے نے ہی دشمن فوجوں کو شکست دی ہے" اور مذکورہ بالا تمام تیاریوں اور تمام اسباب کی نفی کرتے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کا معنیٰ ہے، کیونکہ انسان اور اس کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ وہی خالق و مدبر ہے اور وہی اپنی کسی مخلوق کے ہاتھوں، جو چاہتا ہے، سرانجام دیتا ہے ہر چیز میں اس کی قدرت جاری و ساری ہے، اور ہر چیز کی انتہا بھی اسی کی طرف ہے اگر وہ چاہے تو بغیر لڑائی اور بغیر کسی جنگی کارروائی کے کافروں کو ہلاک کر سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ"[1] "اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کفار سے انتقام لے سکتا ہے لیکن وہ تمہاری ایک دوسرے سے آزمائش کرنا چاہتا ہے" تاکہ صبر کرنے والوں کو ثواب اور شکرگزاروں کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ جب آپؐ سے درخواست کی گئی کہ آپؐ اللہ تعالیٰ سے ثقیف کی ہلاکت کی دعا مانگیں، تو آپؐ نے فرمایا: "الٰہی! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو حلقہ بگوشِ اسلام بنا دے۔"

مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرۂ ثقیف کے دوران خواب میں دیکھا کہ ایک مکھن کا بھرا ہوا پیالہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، مگر پہلے اس سے کہ آپؐ اس سے کچھ کھائیں، ایک مرغ نے چونچ مار کر اس کو گرا دیا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا، جو خواب کی تعبیر میں بڑے ماہر اور عرب میں مشہور تھے۔ انہوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے ارادہ کے مطابق یہاں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔" آپؐ نے فرمایا: "میرا بھی یہی خیال ہے۔" پھر آپؐ نے محاصرہ اٹھا لیا اور دحنا، قرن المنازل اور نخلہ سے ہوتے ہوئے جعرانہ تشریف لائے، جو طائف کی بہ نسبت مکہ مکرمہ کے زیادہ نزدیک ہے اسی جگہ آپؐ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور اسی سفر میں مکہ کا مشہور سردار صفوان بن امیہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کا دس سے کچھ زیادہ دن انتظار کیا تھا کہ اگر وہ مسلمان ہو

---

[1] محمد: ۴

جائیں، تو ان کو ان کی غنیمتیں واپس کر دی جائیں مگر وہ نہ آئے۔ پھر آپؐ نے مال تقسیم کرنا شروع کر دیا، اور سب سے پہلے "مؤلفۃ القلوب" کو دیا۔ یہ لوگ قریش اور عرب کے مختلف قبائل کے سردار اور ممتاز شخصیتیں تھے۔ اس دن آپؐ نے ابوسفیانؓ کو ایک سو اونٹ دیئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیانؓ اس وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب نقدی اور دیگر ہر قسم کا مال و متاع جمع تھا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے "یا رسولؐ اللہ! آج آپؐ قریش میں سب سے زیادہ غنی اور بڑے سرمایہ دار ہیں۔ اس مال سے ہمارا حصہ ہمیں عطا فرمایئے"۔ آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیے چاندی دیدیں۔ کہنے لگے "میرے لڑکے یزید کا حصہ بھی دیں"۔ آپؐ نے ان کو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیے چاندی دی، وہ پھر بولے "اور میرے بیٹے معاویہؓ کا حصہ"۔ آپؐ نے ان کو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیے چاندی دینے کا حکم دیا۔ اس طرح اس دن ابوسفیانؓ نے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیے چاندی حاصل کی اور انہوں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو، آپؐ لڑائی اور صلح میں بے حد کریم ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کو جزائے خیر دے۔ آپؐ کی سخاوت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے"۔ آپؐ نے صفوان بن امیہ کو بھی ایک ایک سو کر کے تین سو اونٹ دیئے۔ اسی طرح شفا میں مذکور ہے۔ حکیم بن حزام کو سو اونٹ دیئے تو انہوں نے مزید ایک سو اونٹ کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے ان کا وہ مطالبہ بھی منظور کر لیا اور ان کو مزید سو اونٹ دے دیئے۔ آپؐ نے درج ذیل قریشی اور غیر قریشی مسلمان سرداروں کو سو سو اونٹ دیئے:

(۱) عبدالدار میں سے حارث بن حارث بن کلدہ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمن نضر بن حارث کے بھائی (۲) ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام مخزومی (۳) عبدالرحمان بن یربوع مخزومی (۴) سہیل بن عمرو (۵) حویطب بن عبدالعزیٰ (٦) علاء بن حارثہ ثقفی۔ بعض نے ان کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کو پچاس اونٹ ملے تھے (۷) اقرع بن حابس تمیمی (۸) عیینہ بن حصن فزاری (۹) مالک بن عوف نضری۔ درج ذیل قریشی اور غیر قریشی سرداروں کو سو سے کم اونٹ دیئے:

(۱) مخرمہ بن نوفل (۲) عمیر بن وہب (۳) بنو عامر بن لوی کے سردار ہشام بن عمرو۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں "مجھے یاد نہیں کہ آپؐ نے ان کو کتنے کتنے اونٹ دیئے مگر سو سو سے کم ہی تھے"۔ سعید بن یربوع مخزومی، عدی بن قیس سہمی اور عثمان بن نوفل کو پچاس پچاس اونٹ ملے تھے۔ آپؐ نے

عباس بن مرداس کو سو سے کم اونٹ دیئے تھے جس سے وہ ناراض ہو گیا اور مسلم کی روایت کے مطابق اس نے یہ اشعار کہے ؎

أتجعل نهبي ونهب العبيد بين عيينة والأقرع

"آپؐ میری اور میرے گھوڑے عبید کی حاصل کی ہوئی غنیمت عیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں۔"

فما كان بدر ولا حابس يفوقان مرداس في مجمع

ان دونوں کے باپ بدر اور حابس میرے باپ مرداسؓ کسی مجمع میں کوئی فوقیت نہیں رکھتے تھے"

وما كنتُ دون امرئٍ منهما ومن تضع اليوم لا يرفع

"اور میں خود ان دونوں میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جس کو آپؐ آج نیچا کر دیں گے، وہ کبھی اونچا نہیں ہو گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی سو اونٹ دے دیئے۔ ابن اسحاق کی روایت میں یہ لفظ زیادہ ہیں آپؐ نے فرمایا "اس کو سو اونٹ دے کر اس کی زبان مجھ سے بند کر دو۔"

اور جن لوگوں کو آپؐ نے پچاس سے کم اونٹ دیئے، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) طلیق بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس (۲) خالد بن اسید بن ابی العاص بن امیہ (۳) شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ۔ یہ وہی ہیں، جنہوں نے آپؐ کو بے خبری میں قتل کرنا چاہا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۴) بنو عبدالدار سے ابوالسنابل بن بعکک بن حارث (۵) زہیر بن ابی امیہ مخزومی یہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بھائی ہیں (۶) خالد بن ہشام بن مغیرہ مخزومی (۷) سائب بن ابی سائب مخزومی (۸) بنو عدی میں سے مطیع بن اسود (۹) ابوجہم بن حذیفہ عدوی (۱۰) احیحہ بن عدی بن خلف جمحی (۱۱) نوفل بن معاویہ۔ یہ بنو بکر بن عبد مناۃ سے تعلق رکھتے ہیں (۱۲) علقمہ بن علاثہ بن عوف (۱۳) خالد بن ہوذہ (۱۴) ہشام بن ولید۔ خالدؓ بن ولید کے بھائی (۱۵) عبدالاسد بن ہلال مخزومی۔

آپ کے کسی صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "آپؐ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دے دیئے ہیں، اور جعیلؓ بن سراقہ ضمری کو کچھ بھی نہیں دیا" اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا "اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے عیینہ جیسے آدمیوں سے زمین بھری ہوئی ہو تو ان سے اکیلا جعیلؓ بن سراقہ بہتر ہے میں نے تالیفِ قلب کے لیے ان کو اتنے

اونٹ دیئے ہیں تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں اور جعیلؓ کو اس کے اسلام کے سپرد کیا ہے صحیحین میں عبداللہؓ سے روایت ہے اور یہ لفظ مسلم کے ہیں: حنین کی جنگ میں آپؐ نے مال تقسیم کرتے وقت کچھ لوگوں کو زیادہ مال دیا چنانچہ آپؐ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اس طرح عیینہ کو بھی اتنے اونٹ دیئے عرب کے دوسرے ممتاز آدمیوں سے بھی ترجیحی سلوک کیا۔ یہ دیکھ کر ایک آدمی نے کہا "اس تقسیم میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس میں اللہ تعالےٰ کی رضامندی کا خیال رکھا گیا ہے"۔ عبداللہؓ کہتے ہیں: میں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دوں گا چنانچہ میں نے آکر آپؐ کو یہ بات بتائی۔ یہ سن کر آپؐ سخت ناراض ہوئے اور آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ کاش! میں آپؐ کو یہ بات نہ بتاتا آپؐ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا" پھر آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تھی اور انہوں نے صبر سے کام لیا تھا" عبداللہؓ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا آئندہ میں اس قسم کی کوئی خبر آپؐ کو نہیں دوں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے حنین سے واپسی کے بعد جعرانہ میں آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا اس وقت بلالؓ کے دامن میں کچھ مال تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے وہ بولا "محمدؐ! عدل سے کام لیں" آپؐ نے فرمایا: "تجھ پر افسوس ہو، جب میں عدل نہیں کرتا تو عدل کون کرے گا؟ یقیناً میں گھاٹے میں پڑا اور خسارے میں رہا اگر میں نے عدل نہیں کیا" حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسولؐ اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس منافق کو قتل کر دوں" آپؐ نے فرمایا "معاذ اللہ! لوگ کہیں گے، میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں یہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے نہیں گزرے گا۔ یہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے، جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے"۔ ابن اسحاق کی روایت میں عبداللہؓ بن عمرو بیان کرتے ہیں: بنو تمیم کا ایک آدمی آیا جس کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا اس وقت آپؐ لوگوں میں مال تقسیم کر رہے تھے وہ کھڑا دیکھتا رہا پھر کہنے لگا "محمدؐ! آج جو کچھ آپ کر رہے ہیں میں دیکھ رہا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا "تم نے مجھے کیا کرتے دیکھا ہے؟" بولا "میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے انصاف نہیں کیا" آپؐ نے فرمایا "تم پر افسوس ہے اگر میرے پاس انصاف نہیں تو انصاف کس کے پاس ہوگا؟" حضرت عمرؓ نے کہا "کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟" آپؐ

نے فرمایا، "نہیں اس کو رہنے دو اس کے ساتھ ایک جماعت ہو گی جو دین کے بارہ میں تشدد کرتے اس سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے جسم سے نکلتا ہے۔ اس کے پھل میں دیکھتے ہیں، تو کوئی چیز نظر نہیں آتی پھر اس کی لکڑی میں دیکھتے ہیں، تو اس میں بھی کوئی چیز نہیں ملتی پھر فوق میں دیکھتے ہیں، تو اس میں کچھ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ وہ خون اور گوبر سے ہو کر نکلتا ہے۔"

صحیحین میں عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حنین فتح کیا، تو غنیمتیں 'مؤلفۃ القلوب' میں تقسیم کیں، آپؐ کو اطلاع ملی کہ انصار بھی چاہتے ہیں کہ جو کچھ دوسرے لوگوں کو ملا ہے، ان کو بھی ملے، اور صحیح بخاری میں ہے، جیسے وہ ناراض تھے کہ جس طرح دوسرے لوگوں کو غنیمتیں ملی ہیں، ان کو کیوں نہیں ملیں؟ آپؐ نے کھڑے ہو کر ان کو خطاب کیا، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، "اے جماعتِ انصار! کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم گمراہ تھے، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی۔ اور تم متفرق تھے، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو جمع کر دیا؟" وہ کہتے تھے، "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا ہم پر بہت احسان ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟" انہوں نے کہا، "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا ہم پر بہت احسان ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "اگر تم چاہو، تو کہہ سکتے ہو کہ آپؐ کا معاملہ ایسا تھا، اور ہماری وجہ سے ایسا ایسا ہو گیا، اور یہ یہ ہو گیا۔" آپؐ نے کئی چیزیں ذکر کیں، جو عمرو کو یاد نہیں رہیں۔ آپؐ نے فرمایا، "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں گے، اور تم اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو لے کر جاؤ گے؟ لوگ "دثار" ہیں اور انصار "شعار"[1] ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی، تو مجھے انصار کا آدمی بننا پسند تھا، اگر لوگ کسی وادی اور کسی گھاٹی کی طرف چلیں۔ اور انصار دوسری وادی اور دوسری گھاٹی کی طرف چلیں، تو میں اسی وادی اور اسی گھاٹی کی طرف چلوں گا، جس کی طرف انصار چلیں گے۔ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، اس وقت صبر سے کام لینا، یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض پر آ کر ملو" اور صحیحین میں انسؓ کی روایت میں ہے، انصار میں سے کچھ لوگوں نے کہا، "اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو معاف فرمائے، آپؐ مال قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ابھی تک ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے گر رہے ہیں۔" انسؓ کہتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، تو آپؐ نے

---

[1] یعنی انصار مجھے دوسروں سے زیادہ عزیز ہیں۔ (مترجم)

ان کو چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ تشریف لائے اور ان سے پوچھا "وہ کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے"؟ عقلمند انصار نے کہا "یا رسول اللہ! ہمارے سمجھداروں نے تو کچھ نہیں کہا البتہ بے سمجھ نوجوانوں نے ضرور کہا ہے: اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ کو معاف فرمائے آپؐ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ابھی تک ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں" آپؐ نے فرمایا: "میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی ابھی کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے ہیں میری غرض تالیفِ قلب ہے کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو لے کر جاؤ؟ بخدا! جو چیز تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے" انصار نے کہا "یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں" آپؐ نے فرمایا: "میرے بعد تمہیں سخت قسم کی کنبہ پروری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت صبر سے کام لینا حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے آملو، میں تمہیں حوض پر ملوں گا" وہ بولے: "ہم ضرور صبر سے کام لیں گے"، انسؓ کہتے ہیں "لیکن وقت آنے پر وہ صبر نہ کر سکے"۔

ابن اسحاق، ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں: آپؐ نے فرمایا "اے گروہِ انصار! تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے"؟ وہ بولے "یا رسول اللہ! ہم آپؐ کو کیا جواب دیں؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا ہی ہم پر فضل اور احسان ہے" آپؐ نے فرمایا "خدا کی قسم! اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہاری یہ بات غلط بھی نہیں: آپؐ اپنی قوم کی تکذیب کے بعد ہمارے پاس آئے ہم نے آپؐ کی تصدیق کی! آپؐ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپؐ کی امداد کی! آپؐ اپنے گھر سے نکالے گئے اور ہم نے آپؐ کو اپنے گھروں میں جگہ دی، اور آپؐ قلاش اور محتاج تھے، اور ہم نے اپنے مال آپؐ پر قربان کیئے۔ اے گروہِ انصار! کیا تم خسیس دنیا کی وجہ سے ناراض ہو گئے جو میں نے بعض لوگوں کو تالیفِ قلب کی غرض سے دی ہے تاکہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور تمہیں تمہارے پختہ اسلام کے سپرد کیا ہے۔ اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو لے کر جاؤ؟ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی، تو میں نے انصار کا آدمی بننا تھا! اگر لوگ ایک گھاٹی کی طرف چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کی طرف چلیں، تو میں انصار کی گھاٹی کی طرف چلوں گا۔ الٰہی! انصار، انصار کے بیٹوں اور ان کے

بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما!" راوی کہتے ہیں کہ انصار آپؐ کی یہ تقریر سن کر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور وہ کہنے لگے "یارسول اللہ! ہم راضی ہیں کہ ہماری قسمت میں اللہ کے رسولؐ آئے" پھر آپؐ واپس آئے اور لوگ بھی اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

فصل

ہوازن کا قبولِ اسلام اور قیدیوں کی واپسی

حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اور اموال تقسیم ہونے سے پہلے، ہوازن کا ۱۴ افراد پر مشتمل ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے رئیس زہیر بن صرد تھے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے۔ انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ان پر احسان فرمائیں اور ان کے قیدی اور اموال واپس کر دیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: عبداللہ بن عمرؓ و سے روایت ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہوازن کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یارسول اللہ! ہم آپؐ کی قوم ہیں ہم پر جو آفت آئی ہے، وہ آپؐ سے مخفی نہیں! آپؐ ہم پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر احسان فرمائے گا" ہوازن کے ایک آدمی ابو زہیر بن صرد نے کہا "یارسول اللہ! آپؐ کی ماسیاں، پھوپھیاں اور دادیاں، جو آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں اور آپؐ کو پالتی پوستی تھیں، وہ قیدیوں کی بیرکوں میں بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر ہم حارث بن شمر یا نعمان بن منذر کو دودھ پلاتے پھر ہم پر وہ مصیبت اترتی جو اس وقت ہم پر اتری ہے تو ہم اس کے احسان اور مروّت سے محروم نہ رہتے آپؐ تو سب پروردہ لوگوں سے بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔"

صحیح بخاری میں زہری روایت کرتے ہیں: مجھے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ نے بتایا کہ جب ہوازن کے وفد نے آپؐ سے قیدی اور مال واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا "تم میرے ساتھ ان لشکروں کو دیکھتے ہو ان کو غنیمت کے سوا سرکاری خزانہ سے کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں ملتی۔ اس لیے سچی بات یہ ہے کہ مال یا قیدیوں میں سے جو چیز چاہتے ہو ایک چیز پسند کر لو۔ میں نے تمہارا انتظار کیا تھا اگر تقسیم سے پہلے آجاتے، تو تمہیں دونوں چیزیں مل جاتیں" اور طائف سے واپسی کے بعد آپؐ نے دس سے کچھ زیادہ دن ان کا انتظار کیا تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ انہیں صرف ایک چیز

ملے گی تو کہنے لگے: اگر ایک ہی چیز ملنی ہے تو ہمیں یہ پسند ہے کہ ہمارے قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ ان کے اس فیصلہ کے بعد آپؐ مسلمانوں سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اما بعد! تمہارے یہ بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میں نے ان کے قیدیوں کو واپس کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم میں سے جو شخص بطیبِ خاطر اپنے قیدی آزاد کرنا چاہے، وہ آزاد کر دے اور جو شخص مفت آزاد نہ کرنا چاہے — تو اس کے بدلے، جتنے قیدی وہ آزاد کر دے گا، اتنے قیدی اس کو اولیں حاصل ہونے والی غنیمت سے مل جائیں گے" لیکن سب لوگ بیک آواز بولے "یا رسولؐ اللہ! ہم اپنے قیدی بطیبِ خاطر مفت آزاد کرتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "اتنے عظیم مجمع میں پتہ نہیں چلتا کہ کس نے خوشی سے قیدی آزاد کیے ہیں، اور کس نے خوشی سے آزاد نہیں کیے؟ اس لیے تم سب اپنے اپنے ڈیروں میں جاؤ تمہارے نمبردار اپنی اپنی برادری سے پوچھ کر بتائیں" چنانچہ سب لوگ واپس چلے گئے اور نمبرداروں نے اپنے اپنے قبیلے سے پوچھ کر اطلاع دی کہ سب لوگ اپنی رضامندی سے اپنے اپنے قیدی آزاد کرتے ہیں اس لیے سب قیدی ہوازن کو واپس کر دیئے گئے۔

ابنِ اسحاق، عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے قیدی مفت نہیں چھوڑنا چاہتا، اسے ہر قیدی کے بدلے پہلی غنیمت سے، جو ہمیں حاصل ہو گی چھ غلام دیئے جائیں گے" لیکن صحابہؓ نے بنو ہوازن کو ان کی عورتیں اور بچے مفت واپس کر دیئے۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے وفد سے پوچھا "مالک بن عوف نصری کہاں ہے؟" انہوں نے کہا "وہ بنو ثقیف کے ساتھ طائف میں رہتا ہے" آپؐ نے فرمایا "اس کو خبر کر دو، اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے، تو میں اس کا مال اور اس کے سب قیدی اس کو واپس کر دوں گا۔ اور مزید اپنی طرف سے اس کو سو اونٹ انعام دوں گا" اس کو خبر دی گئی تو وہ طائف سے نکل کر آپؐ کو جعرانہ یا مکہ میں ملا۔ آپؐ نے حسبِ وعدہ مال اور قیدی واپس کر دیئے اور اس کو ایک سو اونٹ انعام میں بھی دیئے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور اس کا اسلام مبنی بر اخلاص تھا۔ انہوں نے آپؐ کی مدح میں درج ذیل اشعار کہے ؎

ما ان سمعت ولا رأیت بمثله — فی الناس کلّهم کمثل محمّدٍ

"میں نے سب لوگوں میں محمدؐ جیسا آدمی نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ سنا ہے"۔

أوفى وأعطى للجزيل إذا اجتدى — وإذا تشاء يخبرك عما في غد

"یہ جب سخاوت کرتے ہیں، تو بہت بڑا عطیہ دیتے ہیں اور اگر تم چاہو تو تمہیں آئندہ کے واقعات سنائیں گے"۔

وإذا الكتيبة عردت أنيابها — بالسمهري وضرب كل مهند

"جب کوئی لشکر غصّے سے اپنے دانت پیستا ہے، اور "سمہری" نیزے اور فولادی تلوار سے حملہ کرتا ہے . . ."

فكأنه ليث على أشباله — وسط الهباءة خادر في مرصد

"تو آپؐ اپنے ساتھیوں کو اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح جنگل میں چھپا ہوا شیر اپنے بچوں کو بچاتا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ان کی قوم سے حلقہ بگوش ہونے والے لوگوں پر امیر مقرر کیا چنانچہ وہ ان کے ساتھ بنو ثقیف سے لڑتے۔ اور جب ان کے اونٹ چرنے کے لیے جنگل میں نکلتے تو یہ ان کو لوٹ لیتے اور اس طرح ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے۔

جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آئے، میں بھی آپؐ کے ہمراہ تھا۔ راستہ میں بدوؤں نے آپؐ کو گھیر لیا وہ آپؐ سے سوال کرتے تھے کہ ہمیں بھی کچھ دیں۔ وہ آپؐ کو گھسیٹتے گھسیٹتے ایک درخت کے نیچے لے گئے جس کے کانٹوں میں اُلجھ کر آپؐ کی چادر آپؐ کے بدن سے اُتر گئی۔ آپؐ وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "مجھے میری چادر دو، اگر اس جنگل میں اُگنے والے درختوں جتنے بھی میرے پاس اونٹ ہوتے، تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھے بخیل، بزدل اور وعدہ خلافی کرنے والا نہ پاتے"۔ (رواہ البخاری فی صحیحہ)

سیرت ابن اسحاق میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو! (اونٹ کا ایک بال پکڑ کر) تمہاری اس غنیمت سے بجز خمس میرے لیے اس بال جتنی چیز بھی حلال نہیں۔ اور خمس بھی تم میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس لیے سوئی اور تاگے جتنی چیز بھی مالِ غنیمت میں جمع کراؤ، غنیمت کے مال میں چوری کرنا، یا اس سے کچھ چھپا لینا، قیامت کے دن رُسوائی اور عذاب کا موجب ہو گا۔ یہ سُن کر انصار کا

ایک آدمی مٹھی بھر اُون لایا اور بولا "یا رسولؐ اللہ! میں نے اپنے اونٹ کا گدا سینے کے لیے غنیمت کے مال سے یہ اُون لی تھی" آپؐ نے فرمایا "اس میں جو میرا حصہ ہے، وہ میں تمہیں دیتا ہوں" وہ بولا "اگر اس میں اس قدر سختی ہے، تو مجھے اس کی حاجت نہیں" پھر اسے غنیمت کے مال میں پھینک دیا۔

غنیمت میں ہر مجاہد کا حصّہ

ایک روایت میں آیا ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت تقسیم کرنے کا ارادہ کیا، تو زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ سب لوگوں کو جمع کریں ـ پھر سب اونٹ اور بکریاں شمار کی گئیں۔ ہر پیدل آدمی کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں، اور ہر شاہسوار کو ۱۲ اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں ملیں۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے اور اس سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ عمرہ آپؐ نے ماہ ذیقعدہ میں کیا تھا۔ اسی مہینہ کے آخر، یا ذوالحج کے شروع میں آپؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس سال عربوں نے اپنے رواج کے مطابق حج ادا کیا اور مسلمانوں کو حاکمِ مکہ، عتابؓ بن اسیدؓ نے حج کرایا۔ ان کو تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں آپؐ نے مکہ معظمہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ یہ انتہائی پرہیزگار اور عابد و زاہد نوجوان تھے اور یہ پہلا امیر ہے، جس نے اسلام میں مسلمانوں کو حج کرایا۔

ابنِ حزمؒ لکھتے ہیں: عیینہ بن حصن کے سوا سب 'مؤلفۃ القلوب' اسلام میں مخلص ثابت ہوئے۔ عیینہ کا معاملہ مشکوک رہا۔ دوسرے 'مؤلفۃ القلوب' کے مختلف درجے تھے۔ بہت بہتر اور اسلامی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرنے والے، جیسے حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور حکیم بن حزام، بہتر، لیکن ان سے کم مرتبہ، جیسے صفوان بن امیہ، عمیر بن وہب، مطیع بن اسود اور معاویہ بن ابی سفیان، باقی بھی اچھے تھے، اور ان کے متعلق بھی نیک ظن رکھنا ضروری ہے۔ فتح مکہ کے دن، یا اس کے بعد مذکورہ بالا عمائدین کے ہم پایہ دوسرے شرفاء بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپؐ نے ان کو اسلام میں مخلص سمجھا، لیکن دوسروں کی طرح ان کو غنیمت میں سے کچھ نہیں دیا۔ ان میں عکرمہ بن ابی جہل، عتاب بن اسید اور جبیر بن مطعم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ، جنگِ حنین اور جنگِ طائف کے سلسلہ میں دو مہینے اور سولہ

دن مدینہ منورہ سے غائب رہے تھے۔ انتہیٰ۔ واللہ اعلم!

عروہ بن مسعود ثقفیؓ کا اسلام

اس سال طائف کا مشہور سردار عروہ بن مسعود ثقفی حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ دوسرے اہلِ طائف، ذوالقعدہ ۸ھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگِ تبوک سے واپسی تک، اپنے شرک اور اسلام دشمنی پر قائم رہے۔ آپؐ رمضان المبارک ۹ھ میں غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے محاصرہ اٹھانے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، تو عروہ بن مسعود آپؐ کے پیچھے گئے اور آپؐ کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور آپؐ سے اجازت چاہی کہ اپنی قوم میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کریں، اور ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے اور خطرہ ہے کہ تمہیں قتل کر دیں گے۔" آپؐ جانتے تھے کہ ابھی تک ان میں پہلے کی طرح غرور اور تکبر باقی ہے، اور ان کی حالت میں فی الحال کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ عروہؓ بولے یا رسولؐ اللہ! میں ان کو ان کی دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔" اور ایک روایت میں ہے: "میں ان کو ان کی آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔" اور وہ سچ مچ ایسے ہی تھے۔ اہلِ طائف ان سے محبت کرتے اور ان کے حکم کو واجب الاطاعت جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آکر اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہیں امید تھی کہ ان کی ہردلعزیزی کی وجہ سے لوگ ان کی مخالفت نہیں کریں گے مگر جونہی انہوں نے بالاخانہ میں کھڑے ہو کر اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، انہوں نے ہر طرف سے ان پر تیروں کی بارش برسائی۔ ان کو ایک تیر لگا جس نے ان کا کام تمام کر دیا۔ کسی نے پوچھا: "اپنے خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" بولے: "مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اور شہادت کی اعلیٰ موت سے نوازا ہے۔ میرا حکم ان شہداء کا حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاصرۂ طائف کے دوران شہید ہوئے اور مجھے ان ہی کے ساتھ سپردِ خاک کیا جائے۔" کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موت کا حال سن کر فرمایا تھا: "ان کی مثال وہی ہے جو صاحبِ یٰسٓ کی مثال اپنی قوم میں تھی۔"

اہلِ طائف کا قبولِ اسلام

عروہؓ کی شہادت کے چند ماہ بعد اہلِ طائف نے دیکھا کہ عرب کے سب لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں رہی۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے ہماری حالت یہ ہے کہ اب نہ تو ہمارا کوئی قافلہ محفوظ ہے اور نہ ہم میں کوئی باہر جا کر اپنی جان بچا سکتا ہے اس لیے مناسب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی نمائندہ بھیج کر اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کر دیں چنانچہ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر کو جو عروہؓ کی طرح سن رسیدہ تھا اس مقصد کے لیے بھیجنا چاہا مگر اس نے اس خوف سے کہ کہیں میرا حشر بھی ویسا نہ ہو جو پہلے عروہؓ کا ہو چکا ہے' اکیلا جانے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک میرے ساتھ کچھ اور آدمی نہیں جائیں گے' میں نہیں جاؤں گا۔ اس پر اہلِ طائف نے طے کیا کہ اس کے ساتھ احلاف میں سے دو' اور بنو مالک میں سے تین' کل چھ آدمی بھیجے جائیں اور وہ یہ تھے حکم بن عمرو بن وہب، شرجبیل بن غیلان، عثمان بن بشر بن عبد دھمان، اوس بن عوف، نمیر بن خرشہ بن ربیعہ اور عبد یالیل بن عمرو ان کا امیر عبد یالیل تھا۔ اور اس نے اپنے ساتھ یہ آدمی اس لیے لیے تھے کہ وہ عروہؓ کی طرح اکیلا ہی قابو نہ آ جائے' اور جب وہ طائف واپس آئے تو ہر شخص اپنے اپنے قبیلہ کو مطمئن کر سکے۔

طائف کے وفد کی مدینہ میں آمد

جب یہ لوگ وادی قنات سے گزر کر مدینہ منورہ کے نزدیک پہنچے تو ان کی ملاقات مغیرہؓ بن شعبہ سے ہوئی' جو اپنی باری میں صحابہؓ کے اونٹ چرا رہے تھے وہ اپنے اونٹ ان کے پاس چھوڑ کر مدینہ کی طرف دوڑے' تاکہ ان کی آمد کی خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔ راستہ میں اُن کو ابوبکر صدیقؓ ملے' تو انہوں نے بتایا کہ ثقیف کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کرنے اور اپنے ملک' اپنی قوم اور ان کے مال و اسباب کے تحفظ کے لیے کچھ شرائط لکھوانے کے لیے آیا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ بولے' خدا کے لیے جلدی نہ کریں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچانے کا مجھے موقعہ دیں مغیرہؓ مان گئے' چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے ان کے' آپؐ کی خدمت میں آنے کی خبر پہنچائی۔

پھر مغیرہؓ واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ اپنے اونٹ مدینہ منورہ واپس لائے اور راستہ میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کرنے کا طریقہ بتایا مگر انہوں نے جاہلیت کے طریقہ کے مطابق ہی سلام عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رہنے کے لیے مسجد کے ایک کونے میں خیمہ لگوا دیا۔ صلح کا عہدنامہ لکھوانے تک خالدؓ بن سعید بن عاص نے آپؐ کے اور ان کے درمیان سفارت کا فریضہ انجام دیا اور معاہدہ طے پانے کے بعد انہوں نے ہی یہ عہدنامہ اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اپنے اسلام لانے اور معاہدہ تحریر ہونے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے گھر سے آیا ہوا کھانا یہ لوگ اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک خالدؓ بن سعید نہیں کھاتے تھے۔

انہوں نے شرط پیش کی تھی کہ آپؐ ان کا بت "لات" تین سال تک نہ توڑیں مگر آپؐ نے ان کی یہ شرط تسلیم نہیں کی پھر ایک ایک سال کم کرتے کرتے انہوں نے ایک مہینہ تک کی مہلت مانگی مگر آپؐ نے انکار کر دیا اور فرمایا کوئی بُت باقی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس شرط سے اپنے بیوی بچوں اور بے وقوفوں کی ہنگامہ آرائی سے بچنا چاہتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ اسلام پختہ ہونے سے پہلے اپنی قوم کو اس کی شکست وریخت کے صدمہ سے دوچار کریں مگر آپؐ نے اس کا سختی سے انکار کیا اور ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا کہ اس کو توڑ کر پیوندِ خاک کر دیں۔

انہوں نے بت "لات" نہ توڑنے کے ساتھ یہ شرط بھی پیش کی تھی کہ ان کو نماز پڑھنے سے معاف رکھا جائے اور ان کو اپنے ہاتھوں سے بت توڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا "تمہارا اپنے ہاتھوں سے بت نہ توڑنے کا مطالبہ تو پورا ہو سکتا ہے۔ ہم دوسرے لوگوں سے تڑوا دیں گے لیکن نماز سے معافی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس دین میں نماز نہیں، اس دین میں کوئی خوبی نہیں"۔ اس پر وہ بولے "اے محمدؐ! اگرچہ یہ دنائت ہے مگر ہم اسے قبول کرتے ہیں"۔ جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور عہدنامہ لکھا گیا تو آپؐ نے عثمانؓ بن ابی العاص کو ان پر امیر مقرر کیا۔ یہ ان سب سے نوعمر تھے مگر آپؐ نے انہیں دین کی طرف راغب اور علمِ دین سیکھنے کی طرف مائل پایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی کہا تھا:

"یارسول اللہ! میں نے ان سب سے اس کو علمِ دین اور قرآن حاصل کرنے کا زیادہ شوقین دیکھا ہے"۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: مجھے عیسیٰ بن عبداللہ ثقفی نے بتایا ہے کہ اس وفد میں شریک ایک آدمی کہتا تھا کہ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان

کے روزے رکھے۔ ہمارے لیے بلالؓ آپؐ کے گھر سے سحری اور افطاری کا کھانا لاتے۔ وہ سحری کا کھانا لاتے، تو ہم لبسا اوقات کہتے "اب تو صبح صادق ہو چکی ہے اور کھانے کا وقت نہیں رہا" وہ کہتے "میں رسولؐ اللہ کو کھانا کھاتے چھوڑ کر آیا ہوں کیونکہ آپؐ سحری آخر وقت میں تناول فرمایا کرتے ہیں" اسی طرح وہ افطاری لاتے، تو ہم کہتے "ابھی تک تو سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا" وہ کہتے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا لایا ہوں" پھر وہ پیالے سے کھانا شروع کر دیتے اور ہم بھی روزہ افطار کر دیتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: عثمانؓ بن ابی العاص کہا کرتے تھے، جب آپؐ نے مجھے میرے قبیلے ثقیف پر امیر مقرر کر کے بھیجا تو آخر میں مجھے وصیت فرمائی کہ "عثمان! نماز میں تخفیف ملحوظ رکھنا، نماز پڑھاتے وقت کمزور لوگوں کا خیال رکھنا کیونکہ ان میں بوڑھے، بچے، کمزور اور حاجت مند سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

بت "لات" کا انہدام

ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب وہ معاہدہ کرنے کے بعد اپنے وطن کی طرف جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لات" کو توڑنے کے لیے ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو بھی ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ شہر طائف پہنچ کر مغیرہؓ بن شعبہ نے ابوسفیانؓ کو بت توڑنے کے لیے پہل کرنے کو کہا مگر ابوسفیان نے پہل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اہل طائف تمہاری برادری کے لوگ ہیں، یہ فریضہ تم ہی سرانجام دو" اور خود "ذی الہدم" میں اپنے باغ میں ٹھہر گئے۔ چنانچہ شہر میں داخل ہوتے ہی مغیرہؓ کدال لے کر بت خانہ پر چڑھ گئے اور اس کو گرانا شروع کر دیا۔ ان کی حفاظت کے لیے ان کا قبیلہ بنو معتب ان کے گرد جمع ہو گیا تاکہ ان پر کوئی دشمن تیر نہ پھینکے یا عروہؓ بن مسعود کی طرح ان کو قتل نہ کر دیا جائے۔ "لات" کی شکست و ریخت کی خبر سن کر بنو ثقیف کی عورتیں ننگے سر گھروں سے باہر نکل آئیں اور اس کو ٹوٹتا دیکھ کر رونے اور نوحہ کرنے لگیں۔ جب مغیرہؓ "لات" کو توڑنے کے لیے کلہاڑے سے ضربیں لگا رہے تھے، تو ابوسفیانؓ کہتے: "واھًا لک واھًا لک"۔

جب لات کو توڑ کر حضرت مغیرہؓ نے پیوند خاک کر دیا اور اس کے سونے چاندی اور تحائف

میں دیئے گئے زیورات پر قبضہ کر لیا تو ابو سفیانؓ کو پیغام بھیجا۔ اس سے پہلے عروہؓ بن مسعود کے قتل کے بعد ان کا بیٹا ابو ملیح بن عروہ اور قارب بن اسود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا اب وہ بنو ثقیف سے الگ ہو جائیں گے اور کبھی ان کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کریں گے آپؐ نے فرمایا: پھر تم جس سے چاہو، دوستی پیدا کر لو۔ وہ بولے: ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے ماموں ابو سفیانؓ بن حرب کو بھی اپنا دوست بنا لو۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے ماموں ابو سفیانؓ بن حرب کو بھی اپنا دوست بنا لیا ہے۔"

جب اہلِ طائف اسلام لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ کو لات کا بت خانہ توڑنے کے لیے بھیجا تو ابو الملیحؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ اس بت خانے سے حاصل ہونے والے مال سے اُن کے والد عروہؓ کا قرض ادا کیا جائے۔ حضورؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ یہ دیکھ کر قاربؓ نے بھی اپنے باپ اسود کا قرضہ بت خانہ کے مال سے ادا کرنے کی درخواست پیش کر دی۔ آپؐ نے فرمایا: "تمہارا باپ، اسود بحالتِ شرک فوت ہوا ہے، اس لیے وہ اس رعایت کا مستحق نہیں"۔ قارب بولے "میں تو مسلمان ہوں اور آپؐ کا رشتہ دار بھی، اور اب اپنے باپ کے قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کی ادائیگی کا مطالبہ مجھ سے ہو رہا ہے۔ یہ آپؐ کی صلہ رحمی مجھ سے ہوگی، میرے باپ سے نہیں ہوگی"۔ یہ سن کر آپؐ نے ابو سفیانؓ کو حکم دیا کہ بت خانہ کے مال سے عروہؓ اور اسود دونوں کا قرض ادا کر دیا جائے۔ مغیرہؓ نے بت خانہ کا سارا مال جمع کرنے کے بعد ابو سفیانؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس مال سے عروہؓ اور اسود کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ ابو سفیانؓ نے اس مال سے ان دونوں کا قرض ادا کر دیا۔

غزوہ حنین و طائف سے مستنبط شدہ احکام اور حکمتیں

اگرچہ اہلِ طائف جنگِ تبوک کے بعد اسلام میں داخل ہوئے مگر ہم نے ہوازن اور ثقیف کا سارا واقعہ اوّل سے آخر تک یہاں ذکر کر دیا ہے تاکہ اس سے مستنبط شدہ احکام اور اس میں مخفی حکمتیں اور مصالح ایک ہی جگہ بیان کی جائیں، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے ذکر کی ہیں تو وہ احکام اور حکمتیں درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ جب آپؐ مکہ فتح کرلیں گے تو لوگ جوق در جوق اسلام لے آئیں گے اور تمام عرب آپؐ کی اطاعت قبول کرلیں گے۔

حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ فتح مکہ کے وقت بنو ہوازن، اسلام سے کنارہ کش رہیں۔ پوری قوت کے ساتھ اہلِ اسلام سے متصادم ہوں، اور حق تعالیٰ مسلمانوں کو ان پر فتح عطا کرکے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کرے اور ان کے تمام مال و مویشی، سونا چاندی، مرد، عورتیں اور بچے بطورِ انعام فاتحینِ مکہ میں تقسیم فرمائے۔

اسلام کو غلبہ دے کر اللہ تعالیٰ اس عظیم طاقت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کچل دے کہ اہلِ اسلام کو پہلے کبھی ایسی منظم طاقت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی حکمتیں ہیں، جو غور و فکر کرنے والوں کے لیے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ وہ پہلے مسلمانوں کو کثرتِ تعداد اور سامانِ حرب کی فراوانی کے باوجود شکستِ فاش سے دو چار، اور ان سروں کو، جو فتح مکہ کے نشہ میں غرور سے بلند ہو رہے تھے، سرنگوں کر دے جنہوں نے اس عجز و انکسار کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جس کا مظاہرہ حضورؐ نے فرمایا۔ آپؐ کی تواضع اور فروتنی کا یہ حال تھا کہ آپؐ مکہ میں اس طرح سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے کہ آپؐ کا سر زین کے کنارے سے جا لگتا تھا کہ "الٰہی! یہ محض تیرا فضل ہے کہ تو نے اپنا حرم اور اپنا شہر اپنے بندے کے لیے حلال کر دیا، جو مجھ سے پہلے اور میرے بعد کسی کے لیے حلال نہیں ہوا۔" نیز ان لوگوں کو بتا دے جو کہتے تھے: آج ہم قلتِ تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔ کہ مدد اللہ کی طرف سے ہے جس کا وہ حامی ہے، اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا اور جس کی مدد سے وہ ہاتھ کھینچ لے، اس کو نامرادی سے بچانے والا کوئی نہیں! یہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کی مدد فرمائی اور دین کو غالب کیا اور جس کثرت پر تم اتراتے ہو، وہ تمہارے کسی کام نہیں آئی بلکہ تم میدان سے بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

پھر جب شکست سے ان کے دل نڈھال ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سورت توبہ کی یہ آیت اتار کر ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا[1] (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان پر سکینت اتاری اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا) ان کی دلجوئی کا سامان کیا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ مدد اور انعامات

---

[1] التوبۃ: ۲۶

کی خلعت ان لوگوں کو پہنائی جاتے جو اس کے حضور تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہیں:

"وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً" الآیۃ (القصص:۵)

"اور ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں، ان پر احسان کریں اور انہیں بادشاہ بنادیں"

اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو مکہ میں غنیمت جمع کرنے سے منع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مکہ میں سونا چاندی، سازوسامان، قیدی اور زمین وغیرہ کچھ نہیں لوٹا۔ ابوداؤد وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا "مسلمانوں نے فتح مکہ کے دن غنیمت میں کچھ لوٹا تھا؟" انہوں نے کہا "نہیں!" حالانکہ انہوں نے مکہ کو بزورِ تلوار فتح کیا تھا، اور وہ تعداد میں دس ہزار تھے اور جیسے اسبابِ قوت کی فوج کو ضرورت ہوتی ہے، ان کو بھی ضرورت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی یوں تلافی کی کہ مشرکوں کے دل میں ان سے لڑنے کا شوق پیدا کیا، اور ان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا کیا کہ وہ اپنے زر و مال، اونٹ، بکریاں اور قیدی بھی ساتھ لائیں جو اللہ کی جماعت اور اس کے لشکر کے لیے مہمانی اور ضیافت بنیں۔ اللہ قدیر نے اس کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ پہلے پہل ان کو کامیابی کا مزہ چکھایا اور نصرت اور فتح کے مبادیات ظاہر فرمائے تاکہ اس کے ہاں طے شدہ معاملہ اپنے انجام کو پہنچے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے رسولؐ اور اس کے دوستوں پر نازل ہوئی اور انہوں نے غنیمت کا مال جمع کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق تقسیم کا وقت آیا تو اعلان ہوا کہ ہمیں تمہارے خون، تمہاری عورتوں اور بچوں کی ضرورت نہیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو توبہ اور انابت کی توفیق بخشی، اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: تمہارے اسلام کی قدر کرتے ہوئے تمہاری عورتیں اور تمہارے بچے تمہیں واپس کیے جاتے ہیں!

"إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (الانفال:۷۰)

"اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں خیر معلوم کی تو جو چیز تم سے لی گئی ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے!"

اللہ تعالیٰ نے عربوں سے جنگ کی ابتداء غزوہ بدر سے اور انتہاء غزوہ حنین پر کی یہی وجہ

ہے کہ دونوں کے درمیان سات سالہ فاصلہ کے باوجود "بدر و حنین" کہہ کر اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے ان دونوں جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ فرشتے شریک ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے منہ پر کنکر پھینکے۔ اور ان دونوں جنگوں کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف عربوں کی جنگ کا شعلہ بھسم ہوا۔ پہلی جنگ نے ان کو خوفزدہ کر دیا اور ان کی تیزی توڑ دی اور دوسری نے ان کی رہی سہی قوت ختم کر دی، اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا حتی کہ ان کے لیے حلقہ بگوش اسلام ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی شکستہ دلی کی تلافی حنین میں "ہوازن کی ناکامی" سے فرمائی اور ان کی غنیمتوں اور قیدیوں سے شاد کام کر کے ان کے زخموں کو مندمل کیا اور سب سے بڑا انعام یہ کیا کہ ہوازن کے شر سے اہل مکہ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا کیونکہ مسلمانوں کی امداد کے بغیر وہ ان پر قابو نہیں پا سکتے تھے، بلکہ عین ممکن تھا کہ دشمن انہیں چباڈالتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس ان میں بھیجے اور جب معلوم کرے کہ دشمن حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اور اس کے لشکر میں دشمن پر ضرب کاری لگانے کی صلاحیت ہے، تو وہ دشمن کے انتظار میں بیٹھا نہ رہے بلکہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن پر حملہ کیا تھا وہ دشمن اسلام پر فوج کشی کرے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے لیے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے کفار سے اسلحہ اور دیگر سامان حرب لینا جائز ہے۔

مسببات کے لیے اسباب کا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سب مخلوق سے زیادہ توکل کرنے والے تھے، مگر پھر بھی دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہوتے تھے۔

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل خلق اور عظیم عفو کا مظاہرہ فرمایا جس نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا اُسے سزا دینے میں عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ اس کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ہدایت کی دعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جانی قاتل آپؐ کا جاں نثار دوست بن گیا۔

اس جنگ میں کئی معجزات ظہور پذیر ہوئے۔ آپؐ نے شیبہ کو بتایا کہ وہ اپنے دل میں کیا ارادہ کر کے آیا ہے، جب مسلمان شکست کھا کر بھاگ گئے تو آپؐ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے اور کھلے طور پر اپنی موجودگی کا اعلان فرماتے رہے ؎

أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب

"میں ہی نبیؐ ہوں، کوئی جھوٹ نہیں۔ میں ہی عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

اور حالت یہ تھی کہ مشرکوں کے فوجی دستوں نے آپؐ کو گھیر لیا تھا آپؐ اس وقت خچر پر سوار تھے، جو دشمن پر حملہ کرنے یا بھاگ کر جان بچانے کے کام نہیں آ سکتی۔

یہ بھی معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، فاصلے پر ہونے کے باوجود آپؐ کی مٹھی سے مٹی دشمن کی آنکھوں میں پہنچا دی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں اور وہ مزید آگے بڑھنے کے قابل نہ رہے۔ اسی طرح جنگ کے لیے فرشتوں کا اترنا بھی معجزہ ہے، جن کو دشمنوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ مسلمانوں نے بھی مشاہدہ کیا۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ غنیمت تقسیم کرتے وقت امام، کفار کے حلقہ بگوش اسلام ہونے اور ان کے اطاعت گزار بننے کا انتظار کرے، تاکہ غنیمتیں اور قیدی ان کو واپس کر دیئے جائیں۔ اس میں اس شخص کی دلیل ہے، جو کہتا ہے کہ مجاہدین صرف قبضہ کرنے سے غنیمت کے مالک نہیں بنتے جب تک وہ تقسیم ہو کر ان کے حصہ میں نہ آئے اگر وہ محض قبضہ کرنے سے مالک بن جاتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غنیمتیں واپس کرنے کے لیے کفار کے مسلمان ہونے کا انتظار نہ فرماتے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مجاہد غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے مر جائے، تو اس کا حصہ باقی غانمین کو دیا جائے گا اس کے وارثوں کو نہیں ملے گا اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ انعام خمس کے سوا غنیمت کے باقی چار حصوں سے دینا بھی جائز ہے امام احمدؒ نے بصراحت ذکر کیا ہے کہ انعام غنیمت کے چار حصوں سے دیا جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ میں 'مؤلفۃ القلوب' کو جو عطیے دیئے تھے، وہ انعامات ہی تھے۔ آپؐ نے مختلف قبائل کے سرداروں کو یہ انعام اس لیے دیئے تھے، تاکہ ان کے اور ان کی قوم کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو۔ خمس نکالنے کے بعد کل غنیمت کے تیسرے یا چوتھے حصے

کے بطورِ انعام دینے کے جواز کی نسبت، چاروں حصوں سے انعام دینے کا جواز زیادہ سود مند اور نفع بخش ہے کیونکہ اس میں اسلام کی تقویت اور شان و شوکت زیادہ ہے اور یہ دشمن کو اسلام کے زیادہ قریب لانے والی چیز ہے جیسا کہ فی الواقع اس جنگ میں ہوا انعام پانے والوں میں سے بعض کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سب مخلوق سے زیادہ ناپسندیدہ تھے مگر آپؐ کے مسلسل انعام دینے سے ان کے دل کی یہ کیفیت ہو گئی کہ آپؐ ان کے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب بن گئے۔ جس عطیے سے اسلام اور اہلِ اسلام کو قوت و عزت، اور کفر اور اہلِ کفر کو ذلت نصیب ہو جس سے قبائل کے سردار جن کی رضامندی سے ساری قوم راضی، اور جن کی ناراضگی سے ساری قوم ناراض ہو جاتے اور ان کے اسلام لانے سے کوئی بھی اسلام سے پیچھے نہ رہے اسلام کے قریب آ جائیں، تو اس عطیے کا کیا کہنا! بخدا یہ عطیہ جات بے حد عظیم، اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے بے حد مفید اور نفع مند ثابت ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ غنیمت، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے تصرف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ اس کو خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگر اسلام کی بھلائی اور مصلحتِ عامہ کے لیے ساری غنیمت مؤلفۃ القلوب میں خرچ کر دیں، تو یہ مصلحت، حکمت اور انصاف کے خلاف نہیں۔ مگر ذوالخویصرہ تمیمی اور اس جیسے وضع قماش کے دوسرے آدمیوں کی آنکھیں اس حکمت سے اندھی تھیں۔ ان میں سے کسی نے کہا: "عدل و انصاف سے کام لیں، آپؐ نے عدل نہیں کیا۔" کسی نے کہا: "اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔"

بخدا! یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے منصب، آپ ﷺ کی معرفت، اطاعت اور عدل کے بارہ میں تمام مخلوق سے زیادہ جاہل ہیں اور نہیں جانتے کہ آپؐ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے، کسی کو دیتے اور کسی کو محروم رکھتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جیسے چاہے غنیمت کو تقسیم کرے۔ چاہے تو غانمین کو غنیمت سے محروم کر دے جس طرح مکہ کی غنیمتوں سے ان کو روک دیا۔ حالانکہ انہوں نے بڑی کدو کاوش سے مکہ کو فتح کیا تھا۔ چاہے تو آسمان سے آگ بھیج کر ساری غنیمت کو بھسم کر دے۔ یہ سب اس کا عدل ہی ہے! وہ احکم الحاکمین ہے اس کے کسی فعل کو عبث اور کسی تقدیر کو مہمل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کا ہر

حکم مصلحت، حکمت اور عدل و انصاف پر مبنی ہے، جس کا صدور کامل علم اور بھرپور رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس نے ایک قوم پر یہ انعام کیا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھروں کی طرف بھیجا، اور جو اس نعمت کی قدر نہیں جانتے تھے، ان کو اونٹ اور بکریاں دے کر راضی کیا، جس طرح ایک بچے کو اس کی سمجھ کے مطابق تحفہ دیا جاتا ہے، اور عقلمند اور دانا کو اس کی دانش و بینش کے مطابق نوازا جاتا ہے۔ یہ بھی اس کا فضل ہے اور وہ بھی اس کا فضل و احسان ہے، وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگ اپنی عقل سے اس پر کوئی چیز واجب یا حرام کر دیں، اور اس کا رسول ﷺ اسی کے احکام کو نافذ کرتا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بقولِ امام شافعیؒ لوگوں کے طعن سے محفوظ رہنا کسی انسان کے بس میں نہیں، اس لیے وہ کام کرتے رہو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک صالح بنا دے، اور اس کی پرواہ نہ کرو کہ لوگ کیا کہتے ہیں، جب طعن کرنے والوں نے اللہ تعالےٰ کے رسُول کو معاف نہیں کیا، انہیں بھی ظالم اور بے انصاف کہا، تو دوسرا کوئی شخص ان سے محفوظ رہنے کی امید کس طرح کر سکتا ہے؟

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر حالت میں انبیاءؑ کی اقتداء کرنی چاہیے، اور ان کی طرح مصائب و آلام میں صبر اور حوصلہ سے کام لینا چاہیے، چنانچہ ایسے ہی ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی، اور انہوں نے صبر سے کام لیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک روشن علامت یہ ہے کہ آپؐ نے خوارج کے وجود سے بہت پہلے، ان کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی، اور جیسا آپؐ نے فرمایا تھا، ویسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

یہ واقعہ اپنے متعلق ہمیشہ خوفزدہ رہنے، اور کسی ہلاک شدہ شخص کے متعلق دھوکے میں نہ پڑنے کا سبق دیتا ہے، خواہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عابد و زاہد ہو۔

اس سے مومن کو یہ جاننے کا موقعہ ملتا ہے کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے طریقے کے خلاف ہے، وہ باطل ہے، اور کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا۔ خوارج نے بھی اپنے مذموم طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ جنّت کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن چونکہ ان کا یہ مذموم طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے طریقے کے خلاف تھا، اس لیے وہ "شرّ الخلق والخلیقہ" قرار پائے، اور آپؐ نے ان کے خروج کے وقت ان سے جنگ کرنے کی پُرزور

ترغیب دی بھی نیز فرمایا تھا: "اگر وہ میرے زمانہ میں پیدا ہو جائیں تو میں ان کو قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا۔ اور ان کا ایک بچہ بھی باقی نہیں چھوڑوں گا" نیز فرمایا: "هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ" "وہ انسانوں اور حیوانوں سے بدتر ہوں گے۔"

—— اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص، اسلام اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نیز زہد و تقویٰ اور عبادت سے نسبت رکھنے کے باوجود، اسلام سے خارج ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ خوارج، جن کے اسلام سے خروج کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے! چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ لوگ اسلام سے نسبت رکھنے اور اپنی انتہائی عبادت و زہد کے باوجود اسلام سے خارج قرار پائے، تو آج کے دور میں بھی یہ ممکن ہے! —— اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں سے ایک سبب "غلو فی الدین" ہے، کہ جس کی مذمت اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں فرمائی ہے —— ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ —— الآية" (النسآء: ۱۷۱)

کہ "اے اہلِ کتاب، دین میں غلو نہ کرو!"

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"ایاکم والغلو، فانما اھلك من کان قبلکم الغلو!"

"غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ غلو کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔"

دین کے علاوہ مخلوقات میں بھی غلو ممکن ہے۔ چنانچہ جو شخص کسی نبی یا ولی (مثلاً عیسیٰؑ، عزیرؑ اور اسی طرح حضرت علیؓ، عبدالقادر جیلانیؒ، معروف کرخی وغیرہ) کے سلسلہ میں غلو کا مرتکب ہوتا ہے، اور الوہیت کی کسی صفت سے انہیں متصف کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہیں پکارنا، اُن سے فریاد کرنا، شدائد میں ان سے مشکل کشائی کا طالب ہونا، جلبِ منفعت اور دفعِ شر کے لیے ان سے رجوع کرنا، ان سے خوف کھانا، ان کے نام کا ذبیحہ دینا، ان کے لیے یا ان کی قبر پر سجدۂ عبادت کرنا۔ تو یہ تمام امور شرک، گمراہی، غلو فی الدین ہیں، اور انہیں اللہ کے علاوہ اپنا معبود بنا لینے کے مترادف! —— ان امور کے مرتکب شخص سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو فبہا، ورنہ کافر اور مرتد ہونے کی بنا پر اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو صرف اس لیے مبعوث

فرمایا ہے کہ اکیلے اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنا کر نہ پکارا جائے۔ افسوس یہ بیماری آج شہروں اور دیہاتوں میں، اکثر مقامات پر، بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ میں اعلان کیا: "جس نے کوئی آدمی قتل کیا اور اس کے پاس اس کا ثبوت ہو، تو مقتول کا سلب اس کو دیا جائے گا۔" اس سے پہلے بھی آپؐ نے ایک جنگ میں یہ اعلان فرمایا تھا۔ اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا قاتل اس سلب کا شرعاً مستحق ہے، یا یہ بادشاہ کے اعلان کے ساتھ مشروط ہے ؟ اس میں امام احمدؒ کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ اس سلب کا شرعاً مستحق ہے، امام اس کا اعلان کرے یا نہ کرے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا یہ کہ سلب، امام کے اعلان کے ساتھ مشروط ہے یعنی جس جنگ میں امام قاتل کے لیے سلب کا اعلان کرے، اس وقت اس کو سلب ملے گا، ورنہ نہیں اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: امام جنگ کے بعد اس کا اعلان کرے، تو قاتل سلب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر اس کو جنگ سے پہلے کامیابی حاصل ہو جائے، تو پھر قاتل سلب کا مستحق نہیں۔

اس نزاع کی اصل وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی حکم بحیثیتِ رسولؐ جاری فرماتے تھے، یہ شریعت کا حکم ہے، جو قیامت تک جاری رہتا ہے۔ کبھی کوئی حکم بحیثیتِ مفتی جاری کرتے تھے، جیسے آپؐ نے ہندہ سے فرمایا تھا کہ "تم خاوند کے مال سے اتنا لے سکتی ہو، جتنا تمہارے اور تمہارے بال بچوں کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔" یہ فتویٰ ہے، حکم نہیں۔ اور کبھی کوئی حکم بحیثیتِ بادشاہ جاری کرتے تھے۔ ایسا حکم خاص جگہ، خاص زمانہ اور مخصوص حالت میں امت کی مصلحت کے لیے جاری کیا جاتا تھا، اس لیے امت پر لازم ہوتا ہے کہ مصلحت کے لیے وہ بھی مکان، زمان، اور حالت کا اسی طرح لحاظ کرے، جس طرح آپؐ نے اس کا لحاظ کیا تھا۔

اس وجہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپؐ کے بعض اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے، جیسا کہ آپؐ کے اس فرمان میں کہ مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا۔ اختلاف ہے کہ آپؐ کا یہ فرمان بحیثیتِ امام جاری ہوا ہے، یا بحیثیتِ رسول ؟ پہلی صورت میں اس کا تعلق بادشاہ سے ہے، اور دوسری صورت میں یہ شرعی حکم ہے۔

ایسے ہی آپؐ کا یہ فرمان ہے "جو شخص بے آباد زمین کو آباد کرلے گا وہ اسی کی ہے"۔ آیا یہ شرعی حکم ہے کہ آباد کرنے والا اس کا مالک ہے' بادشاہ اجازت دے یا نہ دے' یا اس کا تعلق بادشاہِ وقت سے ہے کہ آباد کرنے والا اس کی اجازت سے مالک بن سکتا ہے' ورنہ نہیں ہے یہ دو قول ہیں پہلا امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے' اور دوسرا امام ابوحنیفہؒ کا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص آبادی سے دور کسی وسیع جنگل میں زمین آباد کرتا ہے' جہاں جھگڑے کا احتمال نہیں' تو امام کی اجازت کی ضرورت نہیں' اور اگر آبادی کے قریب ہے' جہاں جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے' تو پھر کوئی شخص امام کی اجازت کے بغیر زمین آباد کر کے اس کا مالک نہیں بن سکتا"۔

آپؐ کے اس فرمان سے کہ "قاتل قتل کا ثبوت پیش کرے" دو مسئلے ثابت ہوئے' ایک یہ کہ قاتل کا صرف دعویٰ کہ "میں نے کافر کو قتل کیا ہے" نامقبول ہے' دوسرا یہ کہ ایک گواہ پیش کرنے سے قاتل کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا' اس سے قسم نہیں لی جائے گی جیسا کہ حضرت ابوقتادہؓ کی صحیح بخاری میں مروی حدیث سے ثابت ہوتا ہے' جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں' ایک یہ ہے اور یہ امام احمدؒ کا ایک قول ہے۔ دوسرا یہ کہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی کو قسم بھی کھانا پڑے گی' یہ امام احمدؒ کا دوسرا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ قاتل کو لازمی طور پر دو گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ کیونکہ یہ قتل کا دعویٰ ہے' جو بغیر دو گواہوں کے قابلِ قبول نہیں' یہ بھی امام احمدؒ کا ہی قول ہے۔

اس واقعہ سے ایک یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شہادت دیتے وقت "اشہد" کا لفظ بولنا ضروری نہیں "ہدی" میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں' امام احمدؒ کی روایات میں سے سب سے زیادہ صحیح یہی روایت ہے۔ ہمارے شیخ فرماتے ہیں' ہم نے صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی کو نہیں دیکھا' اس نے شہادت دیتے وقت "اشہد" کا لفظ بولنے کو شرط کہا ہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میرے پاس پسندیدہ لوگوں نے شہادت دی' اور ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمرؓ تھے' کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر اور صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے" اور معلوم ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کرتے وقت "اشہد" کا لفظ نہیں بولا۔

آپؐ کے اس فرمان سے کہ "قاتل کو سلب ملے گا" معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سلب سے خمس نہیں لیا جائے گا' جب سلمہؓ بن اکوع نے ایک کافر کو قتل کیا تھا' تو آپؐ نے فرمایا تھا: "اس کا

سلب سلمہؓ کو ملے گا" آپؐ نے اس قول میں تصریح فرمائی ہے کہ سلب میں خمس نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں: ایک تو یہی ہے دوسرا یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی طرح سلب سے بھی خمس لیا جائیگا کیونکہ یہ بھی غنیمت کی آیت میں داخل ہے یہ امام اوزاعیؒ اور اہلِ شام کا قول ہے اور حضرت ابنِ عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ اگر امام سلب کو زیادہ سمجھے، تو اس سے خمس وضع کرے۔ یہ امام اسحاقؒ کا قول ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے براءؓ کی مرزبان کے ساتھ مبارزت میں کیا تھا، حضرت عمرؓ کا یہ فعل اصحابِ صحاح ستہ نے نقل کیا ہے۔ صاحب "الہدیٰ" لکھتے ہیں: پہلا مذہب زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب سے خمس نہیں لیا تھا، اور فرمایا تھا: "سارا سلب اس کا ہے"۔ یہی آپؐ کا اور آپؐ کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ کا طریقہ ہے اور حضرت عمرؓ نے جو کیا وہ ان کا اجتہاد ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلب اصل غنیمت سے دیا جائے گا کیونکہ حضورؐ نے قاتل کو سلب دینے کا فیصلہ کیا ہے، اور اس کی قیمت اور مقدار کا لحاظ نہیں کیا اور نہ اس کو "خمس الخمس" سے دینے کا اعتبار کیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کفار پر منجنیق نصب کرنا اور اس کے ذریعے ان پر پتھر اور گولے پھینکنا جائز ہے اگرچہ ایسا کرنے سے ان کے بچے اور عورتیں بھی ہلاک ہو جائیں، حالانکہ یہ جنگ نہیں کرتے۔

کفار کے درخت اور باغات کاٹنے بھی جائز ہیں، جب یہ فعل ان کی کمزوری، غیظ و غضب اور ایذا رسانی میں کافی مؤثر ہو۔

کفار کے غلام بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آجائیں، تو وہ آزاد متصور ہوں گے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنو ثقیف کے بارہ میں یہ دعا قبول فرمائی کہ وہ ان کو ہدایت دے اور ان کو آپؐ کے پاس لے آئے حالانکہ یہ آپؐ کے جانی دشمن تھے۔ آپؐ سے لڑے، صحابہؓ کی ایک جماعت کو قتل کیا اور آپؐ کے قاصد کو، جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے گیا تھا، ہلاک کر دیا۔ ان سب چیزوں کے باوجود کمال شفقت اور رحمت سے کام لیتے ہوئے آپؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی، بد دعا نہیں کی۔

اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی کمال محبت کا ثبوت

ملتا ہے اور یہ کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے حضورؐ کو خوش رکھنے اور آپؐ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مغیرہؓ بن شعبہ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ انہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف کے وفد کی آمد کی بشارت دینے کا موقعہ دیں۔ اور ان کی زبانی یہ خوشخبری سُن کر آپؐ کو مسرت حاصل ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے لیے اپنے بھائی سے یہ سوال کرنا جائز ہے کہ وہ اسے نیکی کا کام کرنے میں اپنے آپ پر ترجیح دے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسا کرنے میں اپنے بھائی کو اپنے آپ پر ترجیح دے اور بعض فقہاء کا یہ قول صحیح نہیں کہ کسی نیکی کے کام میں دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ناجائز ہے۔ دیکھیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن ہونے کے لیے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے اس کی اجازت چاہی تھی نہ حضرت عمرؓ کے اس سوال کو کسی نے مکروہ سمجھا اور نہ حضرت عائشہؓ کی اجازت پر کسی نے اعتراض کیا۔ متفق علیہ یا متنازع فیہ نیکیوں کا میت کو ثواب پہنچانا اس کو اپنے پر ترجیح دینا ہی ہے۔ اس میں کیا فرق ہے کہ دوسرے کو موقعہ دے کہ وہ نیکی کرے یا خود نیکی کر کے اس کا ثواب دوسرے کو بخش دے؛

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ شرک کی جگہ مٹانے اور بتوں کو توڑنے کی قدرت ہوتے ہوئے اس میں ایک دن کی تاخیر بھی جائز نہیں کیونکہ یہ کفر و شرک کے اڈے ہیں، جو سب برائیوں سے بدتر ہیں۔ اس لیے قدرت کے ہوتے ہوئے اُن کو برقرار رکھنے کی قطعاً گنجائش نہیں یہی حکم قبروں پر تعمیر شدہ مزاروں کا ہے، جن کی اللہ تعالیٰ کے بغیر، بتوں اور طاغوتوں کی طرح عبادت کی جاتی ہے۔ یہی حال ان پتھروں کا ہے، جن کی متبرک سمجھ کر لوگ تعظیم کرتے، ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان کو چومتے چاٹتے ہیں۔ ان کو مٹانے پر قدرت کے بعد انہیں زمین پر باقی رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ ان میں سے اکثر لات، منات اور عزیٰ کی مانند ہیں۔ بلکہ ان کے پاس، اور ان کے ساتھ اُن سے بھی بڑھ کر شرک ہوتا ہے۔ واللہ المستعان!

ان بتوں کے پجاری ان کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ یہ خالق اور رازق ہیں، یا موت و حیات پر ان کو دسترس حاصل ہے وہ ان کے پاس اور ان کے ساتھ وہی کچھ کرتے تھے جو ان کے مشرک ساتھی آج اپنے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ آج کے مشرکوں نے بھی پہلے مشرکوں کا طریقہ

اپنایا ہے، اور ہو بہو ان کے راستہ پر چل رہے ہیں، ان میں بال برابر بھی فرق نہیں علم کے مٹ جانے اور جہالت کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے اکثر نفوس پر شرک غالب آ گیا ہے۔ ان کے نزدیک معروف منکر، اور منکر معروف ہے۔ سنت، بدعت، اور بدعت، سنت ہے اسی پر بچے جوان اور بڑے، بوڑھے ہوتے۔ ایمان کے نشان مٹ گئے اور غربت اسلام نے غلبہ پایا۔ علماء ختم ہوئے اور سفہائے نے ان کی جگہ لے لی۔ بدعملی بڑھی اور جہالت پختہ سے پختہ تر ہو گئی، اور لوگوں کے اعمال بد سے بر و بحر میں فساد ظاہر ہوا لیکن ایک محمدی جماعت آج بھی حق پر قائم ہے جو اہلِ شرک اور اہلِ بدعت سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ زمین اور زمین پر رہنے والوں کا وارث سمجھا جائے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان مزاروں اور بت پرستی کے اڈوں پر جو مال، نذرانوں اور تحائف کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں، شاہِ اسلام ان کو جہاد اور اہلِ اسلام کی فلاح و بہبود میں خرچ کرے۔ امام کے لیے جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے کہ ان طواغیت پر جو مال آتا ہے، سب اپنے قبضہ میں لے کر فوج، اللہ کے راستہ میں لڑنے والے سپاہیوں اور مصالح اسلام میں خرچ کرے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لات پر جمع ہونے والے مال پر قبضہ کیا کچھ تالیفِ قلب کے لیے ابوسفیانؓ کو دیا اور باقی سے عروہؓ بن مسعود ثقفی اور اسود کا قرضہ ادا کیا۔

ایسے ہی، امام پر ان مزاروں کا گرانا واجب ہے، جو قبروں پر تعمیر کیے گئے ہیں، اور ان کو بتوں کی طرح پوجا جاتا ہے۔ اس کو حق پہنچتا ہے کہ منہدم کرنے کے بعد ان کی جائداد، جہاد کرنے والے سپاہیوں کو جاگیر میں دے دے، یا بیچ کر ان کی قیمت مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرے۔ ان پر وقف کردہ زمینوں اور مکانوں کا بھی یہی حکم ہے، جب کہ ان پر وقف کرنا باطل ہے، اور وقف شدہ مال ضائع ہے، اس لیے اس کو اسلام اور اہلِ اسلام کے مصالح میں صرف کیا جائے۔ وقف وہی صحیح ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے ہو، غیر اللہ کے نام پر وقف کرنا، جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی ہو، صحیح نہیں ہے لہٰذا کسی مزار پر، یا ایسی قبر پر جس کی تعظیم کے لیے اس پر چراغاں کیا جائے، اس کے لیے نذرانے اور تحائف پیش کیے جائیں، اس کا حج کیا جائے، یا بت بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا جائے کسی طرح کا وقف صحیح نہیں، اس میں ائمہ اسلام اور ان کی پیروی کرنے والوں میں کسی کا اختلاف نہیں!

یہ ان فوائد اور فقہی مسائل کا خلاصہ ہے جنھیں حافظ ابن قیمؒ نے "الهدی النبوی" میں بیان فرمایا ہے۔ اور جتنے فوائد اور فقہی مسائل انہوں نے ذکر کیے ہیں، اس واقعہ میں اُن سے کہیں زیادہ فوائد پنہاں ہیں۔ واللہ اعلم!

کعبؓ بن زہیر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ابن اسحاق لکھتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے، تو بجیرؓ بن زہیر نے ــ جو مسلمان ہو چکے تھے اور مخلص مسلمان تھے ــ اپنے بھائی کعب بن زہیر کو ایک خط کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ آں حضرت ﷺ نے مکہ میں ان تمام آدمیوں کو قتل کروا دیا ہے جو آپؐ کی ہجو کیا کرتے، یا آپؐ کے درپے آزار ہوا کرتے تھے۔ جبکہ ابن الزبعرٰی اور ہبیرہ بن ابی وہب، جو قریشی شعراء میں سے بچ گئے تھے، بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا اگر تمہیں جان کی امان چاہیے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ کیونکہ جو شخص تائب ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جائے، آپؐ اسے قتل نہیں کرتے۔ کعب بن زہیر نے اس خط کے جواب میں اپنے بھائی کو یہ اشعار لکھ کر روانہ کیے ؎

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي بُجَيْرًا رِسَالَةً ۔۔۔ فَهَلْ لَكَ فِيمَا قُلْتُ وَيْحَكَ هَلْ لَكَا

"خبردار! تم دونوں میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام دے دو کہ جو بات میں نے کہی تھی، تم اس پر غور نہیں کرو گے؟"

فَبَيِّنْ لَنَا إِنْ كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ ۔۔۔ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ غَيْرِ ذٰلِكَ دَلَّكَا

"اگر تم یہ کام نہیں کرنے والے، تو ذرا واضح تو کرو کہ وہ کون سی چیز ہے، جو تمہارے لیے باعثِ راہنمائی بن سکتی ہے؟"

عَلَى خُلُقٍ لَمْ تُلْفِ أُمًّا وَلَا أَبًا ۔۔۔ عَلَيْهِ وَلَمْ تُلْفِ عَلَيْهِ أَخًا لَكَا

"یہ ایسی بات ہے، جس پر تمہاری ماں تھی، نہ باپ، اور نہ ہی بھائی!"

فَإِنْ كُنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِآسِفٍ ۔۔۔ وَلَا قَائِلٍ إِمَّا عَثَرْتَ لَعًا لَكَا

"اگر تم ایسا نہ کرو گے، تو مجھے کوئی افسوس نہ ہو گا۔ اور نہ ہی تمہاری لغزش پہ تمہیں سنبھل جانے کے لیے کہوں گا!"

سقاك بها المأمون كاساروية　　فانهلك المأمون منها وعلكا

"مامون (جس سے امن طلب کیا جاتا ہے) نے تجھے سیراب کر دینے والے جام پلائے ہیں۔ اور یہ جام اس نے تمہیں بار بار پلائے ہیں!"

بجیرؓ کے پاس جب بھائی کا یہ جواب آیا، تو انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے مخفی رکھنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے کعب کے یہ الفاظ "سقاك بہ المأمون" سن کر فرمایا: اگرچہ وہ جھوٹا ہے لیکن اس نے یہ بات سچ کہی ہے۔ کیونکہ میں 'مامون' ہوں!" —— اور جب آپؐ نے اس کا یہ مصرعہ سنا کہ: "علی خلق لم تلف اما ولا ابا" تو آپؐ نے فرمایا: "ہاں، اس نے اپنے ماں باپ کو اس بات پر نہیں پایا تھا۔"

پھر بجیرؓ نے اپنے بھائی کعب کو لکھا ؎

من مبلغ کعبا فهل لك فی التی　　تلوم علیها باطلا وهی احزم

"کون ہے، جو کعب کو یہ پیغام پہنچا دے کہ جس بہترین بات پر تم ناحق ملامت کر رہے ہو، اسے قبول نہیں کرو گے؟"

الی الله لا العزّٰی واللات وحده　　فتنجو اذا کان النجاء وتسلم

"اگر تم نجات پانا چاہتے ہو تو عزّیٰ اور لات کو چھوڑ کر اللہ وحدہٗ کی طرف رجوع کرو! نجات بھی پاؤ گے اور سلامت بھی رہو گے!" ——

لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت　　من النّاس الا طاهر القلب مسلم

—— "اس دن، جبکہ پاک دل مسلمان کے سوا کوئی بھی فلاح و نجات نہیں پا سکے گا!"

فدین زهیر وهو لا شیٔ دینه　　ودین ابی سلمٰی علیّ محرّم

"زہیر کا دین کوئی دین نہیں تھا اسی طرح میرے باپ ابوسلمٰی کا دین بھی مجھ پر حرام ہے!"

"جب کعب کو بھائی کا یہ جواب ملا، تو زمین اسے خود پر تنگ محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ اسے عافیت اسی میں نظر آئی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی مدح کرے —— پھر وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں پہنچ کر جہینہ کے اپنے ایک واقف کار شخص کے ہاں قیام کیا۔ پھر اس کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ آں حضرت ﷺ کعب

کو پہچانتے نہیں تھے، لہٰذا یہ آکر آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا، اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آیا ہے، اگر میں اس کو آپؐ کی خدمت میں لے آؤں تو کیا آپؐ اسے امان دے دیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں!" اس پر وہ بولا: "اللہ کے رسولؐ، میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، عاصمؓ بن عمر بن قتادہ کہتے ہیں، یہ سن کر ایک انصاری صحابی جوش میں آ گئے۔ کہنے لگے: "یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے، میں اس دشمنِ خدا کی گردن اُڑا دوں" آپؐ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، یہ اپنے سابقہ رویہ سے تائب ہو کر ہمارے پاس آ گیا ہے۔" اس انصاری صحابی کی اس بات کے پیشِ نظر کعبؓ ان کے قبیلہ سے ناراض ہو گئے تھے۔ جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے ان کی بابت خیر کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

اس موقعہ پر کعب نے خدمتِ نبویؐ میں اپنا مشہور و معروف قصیدہ پیش کیا، جس کا مطلع یہ ہے:

بانت سعاد فلقبی الیوم متبول　　　متیم اثرها لم یفد مکبول

"سعاد مجھے داغِ مفارقت دے گئی ہے اور میرا دل بڑا غمگین ہے ۔۔۔ قید سے رہائی حاصل کر سکتا ہے، اور نہ ہی خلاصی کی استطاعت رکھتا ہے!"

پھر کہا ؎

وما سعاد غداة البین إذ رحلوا　　　إلّا أغنّ غضیض الطرف مکحول

"جوانی کی صبح، جبکہ انہوں نے کوچ کیا، سعاد اپنی سرمگیں آنکھوں کو جھکائے ہوئے گنگنا رہی تھی۔"

هیفاء مقبلة، عجزاء مدبرة　　　لا یشتکی قصر منها ولا طول

"گردن دراز کیے آنے والی، لیکن عاجز ہو کر جانے والی ۔۔۔ جس سے کوتاہ قامت ہونے یا درازئ قد کی شکایت نہیں ہوتی!"

تمشی الغواة بجنبیها وقولهم　　　إنّك یا ابن أبی سُلمی لمقتول!

"مفسد لوگ بغلیں بجا رہے ہیں، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ: اے ابنِ ابی سُلمی! اب تمہیں قتل کر دیا جائے گا!"

وقال کلّ خلیل کنت آمله　　　لا ألهینك إنّی عنك مشغول

"ہر اس دوست نے، جس سے مجھے اعانت کی توقع تھی، مجھ سے یہی کہا کہ مجھ سے

تعاون کی توقع مت رکھو، کیونکہ میں مشغول ہوں!"

فقلت خلوا سبیلی لا اَبًا لکم　　فکلّ ما قدّر الرّحمٰن مفعول :

"تو میں نے کہا، تمہارا باپ نہ ہو، رحمان نے میرے لیے جو مقدر کر رکھا ہے، وہی ہو کر رہے گا!"

کل ابن أنثی وإن طالت سلامتہ　　یوماً علٰی اٰلة حدباء محمول

"ہر عورت زاد، خواہ اس کی صحت و سلامتی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو جائے، ایک دن ضرورمیت والی چارپائی پر اٹھایا جائے گا!"

نبّئت أنّ رسوّل اللّٰہ أوعدنی　　والعفو عند رسوّل اللّٰہ مأمول

"مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔ حالانکہ مجھے آپؐ سے معافی کی توقع ہے!"

مہلاً ھداك الّذی أعطاك نافلة ... القراٰن فیھا مواعیظ وتفصیل

"ذرا ٹھہریئے، وہ ذات آپؐ کو مزید ہدایت بخشے، جس نے نبوت کے علاوہ آپؐ کو قرآنِ مجید عطا فرمایا ہے۔ جس میں مواعظ اور تفصیل ہے!"

لا تأخذنی بأقوال الوشاة ولم　　أذنب ولو کثرت فیّ الأقاویل

"غیبت کرنے والے لوگوں کی بناء پر میرا مواخذہ نہ کیجئے — میرے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن میں نے کوئی گناہ نہیں کیا!"

لقد أقوم مقاما لو یقوم بہ　　أری و أسمع ما لو یسمع الفیل

"میں ایسی جگہ کھڑا ہوں — کاش وہ بھی اس جگہ کھڑا ہو — جہاں میں ایسی چیزیں دیکھتا اور سنتا ہوں، کہ جنھیں ہاتھی سن لے" —

لظلّ یرعد إلاّ أن یکون لہ　　من الرّسوّل باذن اللّٰہ تنویل

— "تو وہ بھی کانپنے لگے، اِلّا یہ کہ اس کھڑے ہونے والے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول کی طرف سے بخشش حاصل ہو جائے!"

حتّی وضعت یمینی ما أنازعھا　　فی کفّ ذی نقمات قولہ القیل

"حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ بدلہ لینے والی ہتھیلی میں دے دیا، جسے میں چھڑانے والا نہیں ہوں۔ کیونکہ آپؐ کی بات ہی اصل بات ہے!"

فلهو أخوف عندی إذ أکلمہ وقیل إنک منسوب ومسئول

"یہ بات میرے لیے انتہائی خوفناک ہے، کہ میں آپؐ سے گفتگو کروں، تو کہا جائے کہ تیری طرف یہ باتیں منسوب ہیں۔ اور تجھ سے سوال کیا جائے گا"۔

من ضیغم من ضراء الأسد مخدرہ فی بطن عثر غیل دونہ غیل

"اس وقت آپؐ میرے لیے گھنے جنگل میں رہنے والے اس شیر سے بھی زیادہ ہیبتناک تھے، جس کا کچھار بطن عثر میں ہو۔ اور وہاں گھنے درختوں کی جھاڑیاں ایک دوسرے کے قریب اور متصل ہوں"۔

إن الرسول لنور یستضاء بہ مہند من سیوف اللہ مسلول

"بیشک اللہ کے رسولؐ ایسا نور ہیں کہ جس سے راہِ حق تلاش کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام "ہندی" تلوار ہیں"۔

فی عصبة من قریش قال قائلہم ببطن مکة لما أسلموا زولوا

"جماعتِ قریش میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ، جب اسلام قبول کر لیا ہے، تو اب وادئ مکہ سے (مدینہ طیبہ کی طرف) منتقل ہو جاؤ!"

زالوا فما زال أنکاس ولا کشف عند اللقاء ولا میل معازیل

"(ہجرت کر کے) چلے گئے، تو یہ ایسے لوگ نہ تھے کہ جنگ کے موقع پر کمزور اور بے تلوار ہتھیار ثابت ہوں (بلکہ مضبوط، ماہر جنگ تھے!)"

یمشون مشی الجمال الزہر یعصمہم ضرب إذا عرد السود التنابیل

"وہ سفید اونٹوں کی طرح چلتے ہیں۔ جب سیاہ رنگت والے کوتاہ قامت لوگ بھاگ جائیں، تو شمشیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے!"

شم العرانین أبطال لبوسہم من نسج داؤد فی الہیجا سرابیل

"وہ اونچی ناکوں والے بہادر ہیں۔ میدانِ جنگ میں ان کے لباس حضرت داؤدؑ کی زرہیں ہیں!"

بیض سوابغ قد شکت لہا حلق کأنہا حلق القفعاء مجدول

"یہ زرہیں بڑی چمکیلی اور لمبی لمبی ہیں، جن کے حلقے باہم مضبوط پیوست ہیں۔
گویا وہ "قفعاء" بوٹی (گوکھرو) کے بٹے ہوئے حلقے ہوں"

لیسوا مفاریح ان نالت رماحہم قوما ولیسوا مجازیعا إذا نیلوا

"جب ان کے نیزے کسی مدِ مقابل قوم کو چھیدتے ہیں، تو وہ اس پر اترانے
نہیں لگتے ــــ اسی طرح زخم خوردہ ہو کر وہ جزع و فزع بھی نہیں کرتے!"

لا یقطع الطعن إلا فی نحورھم وما لہم عن حیاض الموت تحلیل

"نیزے صرف ان کے سینوں ہی میں پیوست ہوتے ہیں، اور وہ موت کے گھاٹوں
سے پسپائی اختیار نہیں کرتے!"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں؛ عاصم بن قتادہ کہتے ہیں: "اذا عرد السود التنابیل" سے کعبؓ کا اشارہ انصارؓ کی طرف تھا۔ کیونکہ ان کے ایک ساتھی نے کعب کے قتل کی بات کی تھی ــــ لیکن مہاجرینؓ کی انہوں نے تعریف کی؛ اس پر انصار ان سے ناراض ہو گئے ــــ تاہم مسلمان ہونے کے بعد کعبؓ نے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں انصارؓ کے مبتلائے آلام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مدح میں درج ذیل اشعار کہے ؎

من سرہ کرم الحیٰوۃ فلا یزل فی مقنب من صالحی الانصار

"جسے باعزت زندگی بسر کرنا خوشگوار معلوم ہوتا ہو، اُسے چاہیے کہ انصار کے
صالح مجاہدین سواروں کے ساتھ رہے"

ورثوا المکارم کابرا عن کابر إن الخیار ھم بنوا الأخیار

"انہوں نے مکارمِ اخلاق اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں پائے ہیں۔ بلاشبہ
"بہترین لوگ، صرف انصار کی نسل کے لوگ ہیں"

المکرہین السمہری بأذرع کسوالف الہندی غیر قصار

"یہ اپنے ہاتھوں سے سمہری نیزوں کو، جو لمبی لمبی ہندی تلواروں کے کناروں
کی طرح ہیں، خوب چلاتے ہیں"

والناظرین باعین محمرة   کالجمر غیر کلیلة الأبصار

"وُہ دشمن کی طرف سرخ انگارہ ایسی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان آنکھوں میں نقص ہوتا ہے!"

والبائعین نفوسهم لنبیهم   للموت یوم تعانق وکرار

"جنگ وجدال کے دن وُہ اپنی جانوں کو اپنے نبیؐ کی حفاظت کے لیے موت پر پیش کر دیتے ہیں!"

یتطھّرون یرونه نسکا لھم   بدماء من علقوا من الکفّار

"وہ کفار کے خون کے ساتھ وضو کرتے ہیں —— اور اسے وُہ عبادت خیال کرتے ہیں!"

دربوا کما دربت ببطن خفیة   غلب الرّقاب من الأسود ضوار

"یہ دشمنوں کا شکار کرنے کے اسی طرح عادی ہو گئے ہیں، جس طرح کچھار میں موٹی اور بھری ہوئی گردن والے، چیر پھاڑ کرنے والے شکاری شیر عادی ہیں"

وإذا حللت لیمنعوك الیهم   أصبحت عند معاقل الأغفار

"تُو جب ان کے ہاں اس لیے اترے کہ وُہ تیری حفاظت کریں" تو گویا تُو پہاڑی بکروں کے بچوں کی حفاظت گاہ میں پہنچ گیا"

ضربوا علیها یوم بدر ضربة   دانت لوقعتها جمیع نزار

"بدر کے دن انہوں نے لڑائی کے وُہ جوہر دکھائے اور) ایسی مار ماری کہ بنو نزار کے سرنگوں ہو گئے"

لو یعلم الأقوام علمی کلّه   فیهم لصدّقنی الّذین أماری

"اگر لوگوں کو ان کے بارے میں مجھ ایسا مکمل علم حاصل ہو جائے، تو وُہ لوگ بھی میری تصدیق کریں، جو (ان کے بارے میں) مجھ سے حجت کرتے ہیں"

قوم إذا خوت النّجوم فإنّهم   للطّارقین النّازلین مقاری

"یہ ایسی قوم کے افراد ہیں، جو قحط سالی اور تنگی و ترشی کے ایام میں بھی ستارے ٹوٹنے کے وقت اچانک

آجانے والے مہمانوں کے لیے دیگیں چڑھا دیتے ہیں!"

ابن ہشام کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب کعبؓ نے "بانت سعاد" سے شروع ہونے والا اپنا قصیدہ پڑھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، "تو نے انصارؓ کا ذکرِ خیر کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ وہ اس کے اہل ہیں!" تو اس پر کعبؓ نے انصارؓ سے متعلق مذکورہ بالا اشعار کہے، اور ابوبکر بن الانباری کی روایت میں ہے: جب کعبؓ اس شعر پر پہنچے ؎

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ   وَصَارِمٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ چادر، جو آپؐ نے اوڑھ رکھی تھی، ان پر پھینکی۔ جسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے دس ہزار درہم میں خریدنے کی پیش کش کی۔ اور کہا کہ:
"میں نہیں چاہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کوئی دوسرا شخص اوڑھے!" جب کعبؓ فوت ہوگئے، تو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے ان کے ورثاء کی طرف بیس ہزار درہم بھیج کر یہ چادر ان سے حاصل کرلی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ چادر آج تک سلاطین کے پاس محفوظ ہے۔

کعبؓ بن زہیر مشہور شعراء میں سے تھے، ان کے باپ کا نام زہیر ہے، بیٹے کا نام عقبہ اور ان کے پوتے کا نام عوام بن عقبہ ہے۔

فصل

وصولیٔ زکوٰۃ کے لیے عاملینِ زکوٰۃ کی روانگی

کہتے ہیں: جب ۹ھ کی ابتداء ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے عاملینِ زکوٰۃ کو اعراب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ ابن سعد کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ۹ھ کے ماہِ محرم کا چاند دیکھ کر عاملینِ زکوٰۃ کو اعراب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کی طرف، یزید بن حصین کو اسلم اور غفار قبائل کی طرف، رافع بن مکیث کو جہینہ کی طرف، عمرو بن العاص کو بنو فزارہ کی طرف، ضحاک بن سفیان کو بنو کلاب کی طرف، بشیر بن سفیان کو بنو کعب کی طرف، جبکہ ابن اللتبیہ ازدی کو بنو ذبیان کی طرف روانہ کیا (رضی اللہ عنہم اجمعین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو یہ تاکید فرمائی کہ ان سے زکوٰۃ وصول کرتے وقت ان کے بہترین اموال سے

بچیں۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، آں حضرت ﷺ نے وصولیٔ زکوٰۃ کے لیے مہاجرؓ بن امیہ کو صنعاء کی طرف بھیجا، مگر ان کے خلاف مدعی نبوّت اسود عنسی نے جو وہاں رہتا تھا، بغاوت کی۔ زیادؓ بن لبید کو حضر موت کی طرف، عدیؓ بن حاتم کو قبیلہ طے اور بنو اسد کی طرف، جبکہ مالکؓ بن نویرہ کو بنو حنظلہ سے زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بنو سعد کی زکوٰۃ ان کے دو آدمیوں، زبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم کو دے دی۔ علاءؓ بن حضرمی کو بحرین کی طرف بھیجا، اور حضرت علیؓ کو مسلمانوں سے زکوٰۃ اور اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کے لیے اہلِ نجران کی طرف روانہ کیا۔

فصل

عیینہ بن حصن فزاریؓ کا سریّہ (۹ھ)

محرم ۹ھ میں پچاس سواروں کی معیت میں جن میں مہاجرین وانصار کا کوئی آدمی نہیں تھا، عیینہ بن حصن فزاری بنو تمیم کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے، اور دن کو چھپ رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے دشمن پر صحرا میں حملہ کیا اور ان کے مویشی قبضے میں کر لیے۔ مسلمان لشکر کو دیکھ کر ان لوگوں نے پسپائی اختیار کی، مگر ان کے گیارہ مرد، بیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہو گئے۔ یہ لوگ انہیں مدینہ لے آئے، اور رملہ بنت حارث کے گھر میں اترے۔ پھر بنو تمیم کے کئی سردار، جن میں عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، اقرع بن حابس، قیس بن حارث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہتم، رباح بن حارث قابلِ ذکر ہیں، ان کی رہائی کے لیے آئے۔ انہوں نے جب اپنی عورتوں اور بچوں کو دیکھا، تو رونے لگے۔ پھر جلد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے آئے اور آپؐ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپؐ کو آوازیں دینے لگے: "اے محمدؐ! باہر نکلو، ہم تم سے مفاخرت ومشاعرت کریں گے!"۔

انہی لوگوں کے بارہ میں سورۃ الحجرات کی یہ آیت اتری:

"إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ" (الحجرات ۴)

"وُہ لوگ، جو آپؐ کو حجروں سے باہر کھڑے ہو کر پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں!"
رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے اقامت کہی۔ اور نماز کے بعد ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی۔ آپؐ تھوڑی دیر اُن کے پاس ٹھہرے، پھر تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز کے بعد جب آپؐ صحن مسجد میں تشریف فرما تھے، اُن لوگوں نے عطارد بن حاجب کو اپنا ترجمان بنایا۔ چنانچہ اس نے کھڑے ہو کر اپنا کلام پیش کیا اور خطبہ دیا۔ آں حضرت ﷺ نے ثابتؓ بن قیس بن شماس کو اس کا جواب دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کا جواب دیا اور اس پر غالب آئے۔ پھر بنو تمیم کا شاعر زبرقان بن بدر کھڑا ہوا، اور اس نے درج ذیل اشعار کہے ؎

نحن الكرام فلا حيّ يعادلنا ۔۔۔ منّا الملوك وفينا تنصب البيع

"ہم معزز لوگ ہیں، کوئی خاندان ہمارا ہمسر نہیں۔ ہم میں بادشاہ بھی ہوئے ہیں، اور ہمارے علاقوں میں عبادت گاہیں بھی بنائی گئی ہیں!"

وكم قسرنا من الأحياء كلّهم ۔۔۔ عند النّهاب وفضل العزّ يتّبع

"بوقتِ جنگ ہم نے کتنے ہی قبائل کی قوت و شوکت کو کچل دیا۔ اور عزّو شرف ہی کی اتباع کی جاتی ہے!"

ونحن نطعم عند القحط مطعمنا ۔۔۔ من الشّواء إذا لم يؤنس القزع

"جب بادل بارش نہ برسائیں اور قحط سالی ہو، تو ہمارے لوگ ہی دوسروں کی بھنے ہوئے گوشت سے تواضع کرتے ہیں!"

بما ترى النّاس تأتينا سراتهم ۔۔۔ من كل أرض هويًا ثم نصطنع

"آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے سردار ہمارے پاس ہر علاقے سے دوڑ کر آتے ہیں۔ پھر ہم ان سے بہترین سلوک کرتے ہیں" ـــــ

فننحر الكوم عبطًا في أرومتنا ۔۔۔ للنّازلين إذا ما أنزلوا شبعوا

ـــ چنانچہ آنے والے مہمانوں کے لیے ہم اپنی اصلیت کی بنا پر موٹے تازے اونٹوں کا گلہ ذبح کر دیتے ہیں اور آنے والے شکم سیر ہو جاتے ہیں!"

فلا ترانا الیٰ حیّ نفاخرھم　　اِلاّ استقادوا فکانوا الرأس یقتطع

"تُو ہمیں جس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بھی فخر کرتا دیکھے گا، وُہ سر کٹے ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔"

فمن یفاخرنا فی ذاک نعرفہ　　فیرجع القوم والأخبار تستمع

"پس جو شخص اس معاملہ میں ہم سے فخر کر رہا ہے، ہم اُسے خوب پہچانتے ہیں۔ کیونکہ لوگ واپس جاتے ہیں، اور خبریں سننے میں آجاتی ہیں۔"

اِنّا أبینا ولم یأب لنا احد　　اِنّا کذٰلک عند الفخر نرتفع

"ہم دوسروں کی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، جبکہ ہماری بات کا کوئی انکار نہیں کرتا — چنانچہ فخر کے وقت ہم اسی طرح رفیع المرتبت ثابت ہوتے ہیں!"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، حسانؓ بن ثابت اس وقت موجود نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی طرف پیغام بھیجا! — حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد آیا، اور اس نے آکر مجھے یہ اطلاع دی کہ حضورؐ نے مجھے بنو تمیم کے شاعر کا جواب دینے کے لیے طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ میں آپؐ کی طرف یہ شعر پڑھتا ہوا روانہ ہوا ؎

منعنا رسول اللہ اِذ حل وسطنا　　علیٰ أنف راض من معد وراغم

"جب رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے، تو بنو معد کے علی الرغم ہم نے آپؐ کی حفاظت و حمایت کی ہے۔"

منعناہ لما حل بین بیوتنا　　بأسیافنا من کل باغ وظالم

"جب آپؐ نے ہمارے گھروں کے درمیان پڑاؤ ڈالا، تو ہم نے اپنی تلواروں کے ساتھ ہر باغی و ظالم سے آپؐ کا دفاع کیا۔"

ھل المجد اِلاّ السؤدد العود والندیٰ　　وجاہ الملوک واحتمال العظائم

"مجد و شرف صرف وراثت میں منتقل ہونے والی قدیم سرداری، سخاوت و فیاضی، بادشاہوں کے دبدبے اور بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانے میں ہے۔"

ونحن ضربنا الناس حتیٰ تتابعوا　　علیٰ دینہ بالمرھفات الصوارم

"ہم نے قاطع تلواروں کے ساتھ لوگوں کو مارا، حتیٰ کہ وُہ پے در پے آپؐ کے دین کی اتباع کرنے لگے!"

بعض نے ان کے درج ذیل اشعار مزید ذکر کیے ہیں ؎

بني دارم لا تفخروا انّ فخركم　　　يعود وبالاً عند ذكر المكارم

"بنی دارم کے لوگو! فخر نہ کرو، کیونکہ جب مکارمِ اخلاق کا تذکرہ شروع ہوگا، تو تمہارا یہ فخر وبال بن کر لوٹے گا!

وان كنتم جئتم لحقن دمائكم　　　وأموالكم أن تقسموا في المقاسم

"اور اگر تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنی جانوں اور مالوں کو بطورِ غنیمت تقسیم ہونے سے بچا سکو" ــــــ

فلا تجعلوا لله ندّاً وأسلموا　　　ولا تلبسوا زيّاً كزيّ الأعاجم

ــــــ "تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور مسلمان ہو جاؤ نیز عجمیوں کا سا لباس نہ پہنو!"

پھر ان کا ایک اور شاعر اٹھا۔ اس نے بھی کچھ اشعار پڑھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر اس کا جواب دیں ــــــ چنانچہ حضرت حسانؓ، آپؐ کے ارشاد کی تعمیل میں اٹھے اور درج ذیل اشعار پڑھے ؎

ان الذوائب من فهر واخوتهم　　　قد بيّنوا سنّة للنّاس تتّبع

"خاندانِ فہر کے سرداروں اور ان کے بھائیوں نے لوگوں کے لیے ایسا طریقہ جاری کیا ہے، جس کی اتباع کی جاتی ہے!"

يرضى بها كلّ من كانت سريرته　　　تقوى الإله وكلّ الخير يصطنع

"ان طریقوں سے ہر وہ شخص خوش ہے، جس کا باطن خوفِ خدا سے آشنا ہو اور وہ ہر نیکی کا کام کرتا ہو!"

قوم إذا حاربوا ضرّوا عدوّهم　　　أو حاولوا النّفع في أشياعهم نفعوا

"یہ لوگ ایسی قوم کے افراد ہیں کہ جب برسرِ پیکار ہوتے ہیں، تو اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے

ہیں۔ اور اگر فائدہ پہنچانا چاہیں، تو پھر فائدہ بھی پہنچا دیتے ہیں!"

سجیۃ تلک منھم غیر محدثۃ ۔۔۔ انّ الخلائق فاعلم شرّھا البدع

"پھر ان کی کوئی نئی عادت نہیں۔ اور جان لو کہ خلائق میں سے بدترین' بدعات (نئی چیزیں) ہوتی ہیں!"

ان کان فی النّاس سباقون بعدھم ۔۔۔ فکل سبق لأدنی سبقھم تبع

"اگر ان کے بعد لوگوں میں کچھ سبقت کا مظاہرہ کرنے والے ہوں، تو سبقت کا مظاہرہ کرنے والا ہر شخص ان میں سے ادنٰی ترین آدمی کے تابع ہوگا!"

لا یرقع النّاس ما أوھت أکفّھم ۔۔۔ عند الدّفاع ولا یوھون ما رقعوا

"دفاع کے وقت ان کی ہتھیلیوں سے توڑی ہوئی چیز کو لوگ جوڑ نہیں سکتے۔ اور نہ ہی ان کی جوڑی ہوئی چیز کو وُہ توڑ سکتے ہیں!"

لا یبخلون علٰی جار بفضلھم ۔۔۔ ولا یمسّھم من مطمع طبع

"یہ لوگ پڑوسی پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ اور لالچ کا مَیل انھیں چھوتا تک نہیں!"

اذا انصبنا الحیّ لم ندب لھم ۔۔۔ کما یدبّ الی الوحشیۃ الزرع

"جب ہم کسی قبیلہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، تو ہم ان کی طرف یُوں کھسک کر نہیں جاتے، جیسے کہ بقر وحشی کا بچہ اپنی ماں بقر وحشی کی طرف جاتا ہے!"

نسمو اذا الحرب نالتنا مخالبھا ۔۔۔ اذا الزّعانف من أظفارھا خشعوا

"جب لڑائی ہم پر اپنے پنجے گاڑ دے، تو ہم سربلند ہوتے ہیں۔ جبکہ ذلیل لوگ لڑائی کے ناخنوں تک سے بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں!"

لا یفخرون اذا نالوا عدوّھم ۔۔۔ وان أصیبوا فلا خور ولا ھلع

"جب دشمن پر غلبہ حاصل کرلیں، تو مفتخر نہیں ہوتے۔ اور اگر شکست سے دوچار ہوں تو کمزوری نہیں دکھاتے اور نہ جزع وفزع کرتے ہیں!"

کأنّھم فی الوغی والموت مکتنع ۔۔۔ أسد بحلیۃ فی أرساغھا فدع

"موت قریب ہونے کی حالت میں بھی وُہ لڑائی میں، آراستہ شیروں کی طرح ہوتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں ٹیڑھا پن ہو"

خذ منهم ما أتى عفوا إذا غضبوا　　ولا يكن همك الأمر الذي منعوا

"جب وُہ غضبناک ہوں، تو اُن سے جو چیز فضل و مہربانی سے حاصل ہو، وُہ لے لے۔ اور اس کام کا ہرگز ارادہ نہ کرنا، جس سے انہوں نے روکا ہو"

فإن في حربهم فاترك عداوتهم　　شرا يخاض عليه السم والسلع

"ان کے ساتھ دشمنی کرنے سے الگ بیٹھے رہنا۔ کیونکہ ان سے لڑنا ایک ایسا شر ہے، جس کی وجہ سے تُو زہر اور ایلوے (کڑوا درخت) میں گھس جائے گا"

أكرم بقوم رسول الله شيعتهم　　إذا تفاوتت الأهواء والشيع

"یہ کس قدر معزز قوم ہے کہ رسولؐ اللہ جس کے ایک فرد ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کی خواہشات اور جماعتیں متفاوت و متفرق ہیں!"

أهدى لهم مدحتي قلب تؤازره　　فيما أحب لسان حائك صنع

"آپؐ نے لوگوں کو میری مدحت کا یہ تحفہ پیش کیا ہے، جس کی نیابت میری پسندیدہ، بہترین اور عمدہ باتیں کرنے والی زبان کرتی ہے!"

فإنهم أفضل الأحياء كلهم　　إن جد بالناس جد القول أو شمعوا

"بلاشبہ وُہ سب کے سب، تمام قبائل میں سے بہترین لوگ ہیں۔ کیونکہ لوگوں میں سے بانصیب وُہ ہوتے ہیں، جو خوش طبع ہوں اور جن کی گفتگو دلآویز ہو!"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے اشعار سنا کر فارغ ہوئے، تو اقرع بن حابس نے بے اختیار کہا:

"یہ آدمی یقیناً خدا کا پیغمبر معلوم ہوتا ہے ـــــ اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ خطیبانہ صلاحیتیں رکھتا ہے، اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ قادر الکلام ہے ـــــ جبکہ ان کی آوازیں بھی ہماری آوازوں سے کہیں بڑھ کر شیریں ہیں! ـــــ بالآخر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے (رضی اللہ عنہم!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عمدہ تحائف دیے اور

ان کی عورتیں اور بچے بھی انھیں واپس کر دیے!

۹ھ نو ہجری میں قطبہؓ بن عامر کے سریہ کی روانگی

مؤرخین کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں قطبہؓ بن عامر کو بیس آدمیوں کا لشکر دے کر خثعم کے ایک قبیلہ پر لوٹ ڈالنے کے لیے بھیجا جو مقام تبالہ میں فروکش تھا، ان کے پاس دس اونٹ تھے، جن پر یہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ انہوں نے ان پر لوٹ ڈالی سخت لڑائی ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے آدمی زخمی ہوئے۔ قطبہؓ نے ان کے بہت سے آدمی قتل کیے اور اونٹ بکریاں اور عورتیں بطور غنیمت مدینہ منورہ لے آئے۔ واقعہ میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ باقی ماندہ لوگ جمع ہو کر ان کے تعاقب میں نکلے مگر اللہ تعالیٰ نے سیلاب عظیم بھیج دیا جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو گیا، یہ اونٹ اور قیدی لے کر مدینہ منورہ آ گئے اور وہ دیکھتے ہی رہے۔ سیلاب کو عبور کر کے ان تک نہ پہنچ سکے!

ضحاکؓ بن سفیان کلابی کے سریہ کی بنو کلاب کی طرف روانگی

مؤرخین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل ۹ھ میں بنو کلاب کی طرف ایک لشکر بھیجا، جس کے امیر ضحاکؓ بن سفیان بن عوف تھے۔ اصیدؓ بن سلمہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ مقام زُخرخ پر ان سے ملے اور ان کو اسلام لانے کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ شدید لڑائی کے بعد ان کو شکست دی۔ اس دوران اصیدؓ کی اپنے باپ سلمہ سے ملاقات ہوئی، جو رخ نامی مقام میں پانی کے ایک تالاب پر اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ انہوں نے اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی اور اس کو امن دینے کا وعدہ کیا، مگر اس نے نہ صرف اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا، بلکہ ان کو اور اُن کے دین کو بُرا بھلا کہا۔ اصیدؓ نے تلوار مار کر سلمہ کے گھوڑے کی کونچ کاٹ دی جب گھوڑا گرا تو سلمہ اپنے نیزے کے سہارے پانی میں کھڑا رہا حتیٰ کہ کسی مسلمان فوجی نے آ کر اسے قتل کیا، اس کے

بیٹے اسیدؓ نے اس کے قتل سے اجتناب کیا۔

حبشہ کی طرف علقمہؓ بن محرز مدلجی کا سریہ

ربیع الآخر، اور بقول حاکم صفر ۹ھ میں علقمہؓ بن محرز مدلجی ایک سریہ لے کر حبشہ کی طرف چلے۔ ابن سعد لکھتے ہیں: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کچھ حبشی فوجی سرحد پر غیر آئینی نقل وحرکت میں مصروف ہیں جن کو اہلِ جدہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو آپؐ نے تین سو سپاہی دے کر علقمہؓ بن محرز کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ جب یہ سمندر عبور کر کے ایک جزیرہ میں ان کی طرف بڑھے، تو وہ خبر سنتے ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔

بنو طیٔ کا بُت توڑنے کے لیے حضرت علیؓ کے سریہ کا ذکر

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک سو پچاس آدمی دے کر حضرت علیؓ کو بنو طے کا 'فلس' نامی بُت توڑنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک بڑا سیاہ، اور ایک چھوٹا سفید جھنڈا تھا۔ انہوں نے صبح ہوتے ہی آلِ حاتم کے محلہ پر حملہ کر دیا، ان کے بُت کو منہدم کیا اور جی بھر کر قیدیوں، اونٹوں اور بکریوں کو لوٹا۔۔۔ ان قیدیوں میں عدیؓ بن حاتم کی بہن بھی تھی، مگر خود عدیؓ بھاگ کر شام چلے گئے۔ اہلِ اسلام کو ان کے خزانہ سے تین تلواریں اور تین زرہیں دستیاب ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے قیدیوں پر ابوقتادہؓ اور چوپایوں اور سونے چاندی پر عبداللہؓ بن عتیک کو نگران مقرر کیا۔ راستہ میں غنیمت تقسیم کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ صفی نکال کر الگ کیا، اور آلِ حاتم کو تقسیم کیے بغیر مدینہ لے آئے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں: عدیؓ کہتے تھے جب میں نے حضورؐ کے متعلق سنا تو عرب کا کوئی آدمی مجھ سے زیادہ آپؐ کو ناپسند کرنے والا نہیں تھا۔ میں ایک سردار آدمی تھا اور عیسائی مذہب کا پیرو تھا، میں اپنی قوم میں ہر آدمی کی کمائی سے چوتھا حصہ وصول کرتا تھا۔ میں اپنے خیال میں ایک متدین آدمی تھا اور اپنی قوم کا بادشاہ تھا۔ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو میرے دل میں آپؐ کے متعلق سخت گھٹن پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے عربی غلام کو، جو میرے اونٹ چرایا کرتا تھا،

حکم دیا کہ "میرے اونٹوں میں سے چند موٹے تازے، سدھائے ہوئے، تیز رفتار اونٹ ہر وقت تیار رکھو جب سنو کہ محمدؐ کی فوج اس ملک میں داخل ہو گئی ہے، تو مجھے فوراً اطلاع دو" اس نے میری ہدایت کے مطابق عمل کیا اور ایک دن آکر کہا: "عدی! محمدؐ کی فوج کے آنے پر جو کچھ تم نے کرنا ہے، وہ آج کر لو میں نے لہراتے ہوئے جھنڈے دیکھے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ جھنڈے کیسے ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا، یہ محمدؐ کے لشکر ہیں"۔ عدیؓ کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا میرے اونٹ جلدی حاضر کرو، وہ اونٹ لے آیا میں نے اپنے بال بچوں کو ان پر سوار کیا، اور بھاگ کر اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس شام چلا آیا۔ اپنی بہن حاتم کی بیٹی کو وہاں شہر میں چھوڑا، اور خود شام میں آکر مقیم ہو گیا۔ میرے بعد آپؐ کی فوجیں آئیں ۔۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ حاتم کی بیٹی کو بھی گرفتار کر لیا، اور بنو طے کے قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا آپؐ کو میرے شام کی طرف فرار ہونے کی اطلاع ملی۔ آپؐ میری بہن کے پاس آئے، تو اس نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! میرا باپ مر چکا ہے، وافد بھاگ کر دوسرے ملک چلا گیا ہے۔ میں بہت بوڑھی ہو چکی ہوں، کسی خدمت کے قابل نہیں رہی، آپؐ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر احسان فرمائے گا، آپؐ نے پوچھا "تیرا وافد کون ہے"؟ بولی: "عدی بن حاتم"! آپؐ نے فرمایا: "جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے بھاگ گیا ہے"؟ میری بہن نے کہا: پھر آپؐ مجھے وہاں چھوڑ کر آگے چلے گئے۔ دوسرے دن آئے تو میں نے وہی بات کہی، جو پہلے دن کہی تھی، اور آپؐ نے بھی مجھے وہ باتیں کہیں، جو کل کہی تھیں۔ تیسرے دن آپؐ پھر تشریف لائے، لیکن مایوس ہونے کی وجہ سے میں خاموش رہی اور آپؐ سے کچھ نہ کہا! ۔۔ آپؐ کے پیچھے آنے والے ایک شخص نے اشارہ کیا کہ کھڑی ہو کر آپؐ سے بات کروں چنانچہ میں نے کھڑے ہو کر کہا: "یا رسولؐ اللہ! باپ مر چکا ہے، وافد بھاگ گیا ہے، مجھ پر احسان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپؐ پر احسان فرمائے گا"۔ آپؐ نے فرمایا: "بہت اچھا، تمہاری التجا قبول ہے، مگر جلدی نہ کرنا، جب تک باوثوق آدمی نہ ملے، جو تمہیں تمہاری قوم میں پہنچا دے، یہاں سے نہ جانا، اور ہاں، جاتے وقت مجھے اطلاع دے کر جانا"۔ پھر میں نے اس آدمی کے متعلق پوچھا، جس نے آپؐ سے بات کرنے کے متعلق اشارہ کیا تھا، تو لوگوں نے کہا وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ میں حسب ارشاد مدینہ میں ٹھہر گئی، حتیٰ کہ بنو طے یا قضاعہ کا

ایک قافلہ آیا اور میں نے اس کے ہمراہ اپنے بھائی کے پاس ملک شام جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی' تو آپؐ نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے' سواری کے لیے اونٹ' اور خرچ کرنے کے لیے کچھ نقدی عطا فرمائی۔ عدیؓ کہتے ہیں: میری بہن شام میں میرے پاس آئی' تو کہنے لگی "حضورؐ نے میرے ساتھ وہ سلوک فرمایا ہے' جو تیرا باپ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپؐ کی خدمت میں رغبت کرتے ہوئے' یا ڈرتے ہوئے ایک دفعہ ضرور جاؤ۔ فلاں آدمی آپؐ کے پاس آیا اور انعام حاصل کیا' فلاں آدمی آپؐ کے پاس آیا اور انعام حاصل کیا۔"

عدیؓ کہتے ہیں: بہن کے اصرار پر میں بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے مجھے دیکھ کر کہا: "یہ عدی بن حاتم آ رہا ہے۔" میں کسی کی چٹھی یا امان لے کر نہیں آیا تھا جب میں آپؐ کی مجلس میں پہنچا' تو آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پہلے آپؐ نے فرمایا تھا: "مجھے امید ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔" پھر آپؐ مجھے لے کر گھر جانے کے لیے اٹھے۔ راستہ میں ایک عورت' جس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا' آپؐ سے ملی اور کہنے لگی "ہمیں آپؐ سے کچھ کام ہے"' آپؐ وہیں کھڑے ہو گئے اور ان کا کام پورا کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: "بخدا! یہ بادشاہ نہیں ہے۔" پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے گھر لے آئے۔ ایک کنیز نے آپؐ کے لیے ایک گدا بچھایا' آپؐ اس پر بیٹھ گئے' اور میں آپؐ کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے کھجور کے چھلکے سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گدا لیا' اور میری طرف ڈھلتے ہوئے فرمایا: "اس پر بیٹھ جاؤ"' میں نے کہا: "آپؐ اس پر بیٹھئے" لیکن آپؐ نے فرمایا: "نہیں' تم اس پر بیٹھو" چنانچہ میں اس گدے پر' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: "بخدا! بادشاہ کا یہ کام نہیں ہے۔"

پھر فرمایا: "عدی بن حاتم! بتاؤ! تم رئیس نہیں تھے؟" میں نے عرض کی: "کیوں نہیں" فرمایا: "کیا تم اپنی قوم سے آمدنی کا چوتھا حصہ نہیں لیتے تھے؟" میں نے کہا "ہاں لیتا تھا" فرمایا "تیرے مذہب میں تیرے لیے یہ جائز نہیں ہے" میں نے کہا "واللہ! آپؐ درست فرماتے ہیں۔" میں نے معلوم کیا' آپؐ نبی اور رسول ہیں آپؐ وہ باتیں جانتے ہیں' جن سے دوسرے ناواقف ہیں۔ پھر فرمایا: عدی! شاید تم دین کو اس لیے قبول نہیں کرتے ہو کہ اس کے ماننے والے محتاج ہیں' خدا کی

قسم! عنقریب ان کو اتنا مال ملے گا کہ ان میں اس کو لینے والا کوئی نہیں رہے گا! شاید تم اس دین کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ اس کے ماننے والے تھوڑے' اور اس کے دشمن بہت ہیں؟ خدا کی قسم! جلد وقت آنے والا ہے' تم سنو گے کہ ایک عورت تن تنہا قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی ہے اور بیت اللہ کا حج کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں تھا' شاید تم اس دین میں اس لیے داخل نہیں ہوتے کہ حکومت اور سلطنت اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے؟ خدا کی قسم! تم جلد سن لو گے کہ بابل کے سفید محل فتح ہو کر اہلِ اسلام کے قبضہ میں آگئے ہیں"۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کی تقریر سن کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

عدیؓ اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے "دو باتیں تو پوری ہو گئی ہیں' تیسری بات باقی ہے۔ واللہ وہ بھی ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بابل کے سفید محلات فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے ہیں۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک عورت تنہا قادسیہ سے نکلی ہے' اور بیت اللہ کا حج کر آئی ہے' راستہ میں اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں تھا۔ خدا کی قسم! تیسری بات بھی ضرور پوری ہو گی' اور مال کی اتنی بہتات ہو گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا"۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں ایسا ہی مذکور ہے۔

دوسری روایت میں "مَیں آپ کے سامنے بیٹھ گیا" کے آگے یوں ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اور فرمایا "یہ کہنے میں' کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں' تمہارا کیا نقصان ہے۔ کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ پھر آپؐ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر فرمایا: "تم اللہ اکبر کہنے سے بھاگتے ہو؟ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو بڑا سمجھتے ہو؟" میں نے عرض کی: "جی نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "یہود خدا کے غضب کے مستحق ہیں اور عیسائی گمراہ ہیں"۔ میں نے عرض کی: "مَیں ان دونوں گروہوں سے الگ ہو کر مسلمان ہوں"۔ میں نے دیکھا کہ یہ سن کر آپؐ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

عدیؓ کا بیان ہے: پھر آپؐ نے مجھے ایک انصاری کے گھر رہنے کا حکم دیا۔ میں صبح و شام' دو وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن میں آپؐ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ آپؐ کے پاس اون کے کمبلوں میں ملبوس کچھ آدمی آئے' جن کا بھوک اور پیاس سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ آپؐ نے نماز

کے بعد کھڑے ہو کر لوگوں کو ان کے ساتھ تعاون کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: "لوگو! جس کے پاس کچھ بچا ہوا ہے، وہ صدقہ کرے صاع، آدھا صاع، مُٹھی یا آدھی مُٹھی دے سکتا ہے، تو وہ اس کے دینے سے دریغ نہ کرے آدھی کھجور تک دے کر اپنی جان آگ سے بچاؤ۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور اس نے تم سے وہ باتیں پوچھنی ہیں، جو میں بتاتا ہوں وہ پوچھے گا: "میں نے تمہیں مال اور اولاد نہیں دی تھی؟" جواب ملے گا: "کیوں نہیں؟ یا اللہ تو نے سب کچھ عطا فرمایا تھا!" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "پھر تم نے اپنے لیے کیا آگے بھیجا؟" اس وقت انسان اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھے گا، مگر اسے دوزخ سے بچانے والی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس لیے آج صدقہ خیرات کر کے خواہ آدھی کھجور ہی دو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اگر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، تو اچھی بات ہی کہو۔ مجھے تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں اتنا دے گا کہ ایک عورت مدینہ اور حیرہ کے درمیان اکیلی سفر کرے گی، مگر اپنی اونٹنی چوری ہونے سے زیادہ اس کو کوئی خوف نہیں ہو گا۔" عدیؓ کہتے ہیں، میں اپنے دل میں کہتا تھا: "اس وقت بنو طے کے چور اور ڈاکو کہاں جائیں گے؟" اس روایت کو امام احمدؒ اور ترمذیؒ وغیرہ نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

امام احمدؒ کی ایک روایت میں ہے: ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؐ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿اتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[1] "کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور صوفیوں کو رب بنا لیا ہے۔" عدیؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کی: "وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔" آپؐ نے فرمایا: "کیوں نہیں! انہوں نے اپنی طرف سے ان پر بعض چیزیں حلال اور بعض چیزیں حرام کر دی تھیں اور یہ ان کے پیچھے لگ گئے۔ یہی ان کی عبادت ہے۔" پھر آپؐ نے فرمایا: "عدی! مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔" میں نے کہا: "میں تو پہلے ہی دیندار ہوں۔" آپؐ نے فرمایا: "میں تیرے دین کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔" میں نے عرض کی: "آپؐ میرے دین کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں؟" فرمایا: "ہاں، کیا تم رئیس نہیں ہو؟ اور اپنی قوم سے چوتھا حصّہ وصول نہیں کرتے؟" میں نے کہا: "ہاں، وصول کرتا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا: "تیرے مذہب میں ایسا کرنا تیرے لیے حلال

---

[1] التوبۃ: ۳۱

نہیں، عدیؓ کہتے ہیں "یہ بات سن کر مجھے اپنا سر نیچا کرنا پڑا" اس کے بعد امام احمدؒ نے وہی ذکر کیا ہے جو پہلے بیان ہوا۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ سے ایک ماہ کے لیے علیحدگی

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کی، اور فرمایا "میں ایک مہینہ تمہارے پاس نہیں آؤں گا" چنانچہ آپؐ ایک بالاخانہ میں الگ تھلگ رہنے لگے ۲۹ راتوں کے بعد نیچے اترے، اور پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، وہ بولیں "یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے تو ہمارے پاس ایک مہینہ نہ آنے کی قسم اٹھائی تھی، اور آج تو ۲۹ ویں رات ہے، میں اسی دن سے گن رہی ہوں" آپؐ نے فرمایا: "مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے" اور وہ مہینہ ۲۹ دن کا ہی تھا۔ یہ قصہ صحیحین میں مروی ہے۔

غزوۂ تبوک

یہ غزوہ اسی سال ماہ رجب میں وقوع پذیر ہوا، اور یہ آپؐ کا آخری غزوہ ہے اس کے بعد آپؐ کسی جنگی مہم میں تشریف نہیں لے گئے۔ تبوک ایک مشہور جگہ ہے، اور مدینہ سے دمشق کے نصف راستہ پر واقع ہے اس کا نام "غزوۂ عسرۃ" (تنگی کی جنگ) ہے چونکہ اس جنگ میں منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہوا تھا، اس لیے اس کو "غزوۂ فاضحہ" (رسوا کرنے والی جنگ) بھی کہا جاتا ہے۔ بقول ابنِ عقیل اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس سواریاں بہت کم تھیں، موسم بے حد گرم تھا، بعض اوقات پیاس بجھانے کے لیے انہیں اونٹ ذبح کر کے اس کے معدہ سے پانی حاصل کرنا پڑا، راشن بھی بہت تھوڑا تھا، اُن ہی حالات کی وجہ سے اس کا نام "غزوۃ العسرۃ" رکھا گیا۔

اس جنگ کا سبب

امام طبرانی عمرانؓ بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ عرب کے عیسائیوں نے شاہِ روم ہرقل کو لکھا کہ جس شخص نے اس

ملک میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ ہلاک ہوگیا ہے۔ اس کے پیرو بدترین قحط سالی کا شکار ہیں، اور ان کے مال ہلاک ہو گئے ہیں (اس لیے اس ملک پر قبضہ کرنے کا سنہری موقعہ ہے!) اس نے اپنے کسی سرکردہ افسر کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی حکومت کی سرحد پر ان عساکر کے اجتماع کی خبر ملی تو آپؐ نے ان کو سرحد پر روکنے کا فیصلہ کیا اس وقت لوگوں میں جنگ کی طاقت نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے شام کی طرف بھیجنے کے لیے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا تھا انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ دو سو اونٹ جو پالانوں اور جلوں کے ساتھ تیار ہیں، اور دو سو اوقیہ چاندی "جہاد فی سبیل اللہ" کے لیے پیش خدمت ہے، قبول فرمایئے"۔ عمرانؓ کہتے ہیں: آپؐ کو اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ آپؐ فرماتے تھے: "اتنے ایثار کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا" عبدالرحمانؓ بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ جیش عسرۃ کی تیاری کے لیے حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار کی تھیلی بھر کر لائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں پلٹ دی میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی جھولی میں الٹ پلٹ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے: "آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل ضرر نہیں دے گا"۔ اس کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے "حسنٌ غریبٌ"۔

جنگِ تبوک میں چندہ کی اپیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب اور اہل مکہ کی طرف جو اس وقت سب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے، پیغام بھیجا کہ وہ جہاد کرنے کے لیے فوج میں بھرتی ہوں، اور جو مسلمان آپؐ کے گرد وپیش رہتے تھے ان کو بھی جہاد کی ترغیب دی اور اس کے لیے چندہ دینے اور صدقہ خیرات کرنے کی اپیل کی چنانچہ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت صدقات جمع کیے سب سے پہلے صدقہ لانے والے حضرت ابوبکرؓ تھے وہ اپنا سب مال لے آئے، جو تعداد میں چار ہزار درہم تھا۔ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لائے، حضرت عباسؓ نے بھی بہت چندہ دیا، حضرت طلحہؓ نے بھی بہت سامان پیش کیا۔ عبدالرحمانؓ بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی دی۔ سعدؓ بن عبادہ اور محمدؓ بن مسلمہ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عاصمؓ بن عدی نے ۳۶۰ من کھجوریں دیں۔ عورتوں نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق کنگن، بازو بند، پازیبیں، ڈنڈیاں اور انگوٹھیاں بھیجیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: الفاظ کے کچھ اختلاف

کے ساتھ ہمارے شیوخ زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمرؓ وغیرہ نے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاری کا حکم دیا اس وقت لوگوں کا ہاتھ تنگ تھا۔ سخت گرمی پڑنے لگی تھی، ملک میں قحط سالی کی حالت تھی۔ ادھر پھل پک چکے تھے۔ لوگ گھر رہنا پسند کرتے تھے اور ایسے تنگی کے وقت جہاد کیلئے جانا مکروہ سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جنگوں میں "توریہ" کرتے تھے اور جدھر جانا ہوتا اس سے مخالف سمت کا نام لیتے تھے مگر جنگِ تبوک میں لوگوں کو صاف صاف بیان کر دیا کہ سرحد پر رومیوں کے مقابلہ میں جانا ہے سفر دُور ہے، خشک سالی کا زمانہ ہے۔ جس دشمن سے مقابلہ ہے، وہ بھاری تعداد میں سرحد پر جمع ہے آپؐ نے یہ وضاحت اس لیے کر دی کہ لوگ تیاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں جس پر بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے۔

جد بن قیس منافق کا بہانہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی تیاری میں زور وشور سے مصروف تھے، ایک دن جد بن قیس سے جو قبیلہ بنو سلمہ سے تعلق رکھتا تھا فرمایا: "اے جد! کیا اس سال رومیوں سے جہاد کا ارادہ رکھتے ہو" بولا "یا رسول اللہ! معاف رکھیں، مجھے فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔ واللہ! میری قوم جانتی ہے کہ عورتوں سے جتنی مجھے رغبت ہے کسی دوسرے کو نہیں جب رومیوں کی گوری گوری عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہیں کر سکوں گا اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا" آپؐ نے یہ سُن کر اس سے منہ پھیر لیا اور اس کو پیچھے رہنے کی اجازت دے دی اس کے بارہ میں سورت توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ الخ"[1]

بعض منافقوں نے جہاد سے متنفر کرنے، دینِ حق میں شک ڈالنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگمانی پھیلانے کے لیے کہا "گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا"[2]

"انہوں نے کہا ہے گرمی میں کوچ نہ کرو آپؐ فرما دیجئے جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک کی طرف روانگی

آپؐ سفر پر جانے کے لیے تیار ہوئے، تو آپؐ کی خدمت میں کچھ

[1] التوبۃ: ۴۹ [2] التوبۃ: ۸۱

مسلمان حاضر ہوئے (یہی "رونے والے" ہیں) جو تعداد میں سات تھے اور انصار اور دوسرے قبائل سے تعلق رکھتے تھے: بنو عمرو بن عوف سے سالمؓ بن عمیر، بنو حارثہ سے علبہؓ بن زید، بنو مازن بن نجار سے ابو لیلیٰ عبدالرحمانؓ، بنو سلمہ سے عمروؓ بن حمام بن جموح، عبداللہ بن مغفل مازنیؓ بعض راوی ان کو عبداللہ بن عمرو مازنی کہتے ہیں۔ بنو واقف سے ہرمیؓ بن عبداللہ اور عرباضؓ بن ساریہ۔ یہ لوگ بہت حاجتمند تھے۔ انہوں نے آپؐ سے سواری کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں"۔ یہ بات سن کر یہ لوگ اس پر آنسو بہاتے ہوئے گھروں کو لوٹے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال نہیں۔

پھر کچھ دیہاتی لوگ آئے اور انہوں نے جنگ میں نہ جانے کے لیے کئی عذر پیش کیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر قبول نہیں فرمائے اور ۸۰ کے قریب منافق آئے تو ان کو اجازت مل گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہو گئے اور بہت تیز تیز چلنے لگے مسلمانوں کی ایک جماعت جن کے ایمان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی، پیچھے رہ گئی۔ وہ یہ لوگ تھے: بنو سلمہ سے کعبؓ بن مالک، بنو عمرو بن عوف سے مرارہؓ بن ربیع، بنو واقف سے ہلالؓ بن امیہ اور بنو سالم سے ابو خیثمہؓ۔ یہ لوگ پکے مسلمان تھے جن کے اسلام پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے چل کر "ثنیۃ الوداع" پر پڑاؤ کیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ آپؐ نے اس سفر میں مدینہ پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر کیا۔ دراوردی نے ذکر کیا ہے کہ مدینہ پر آپؐ کے عامل سباعؓ بن عرفطہ تھے اور اپنے اہلِ خانہ کی حفاظت کے لیے علیؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ منافقوں نے بدنام کرنے کے لیے کہنا شروع کر دیا کہ آپؐ نے علیؓ کو بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑا ہے تاکہ اس طرح اپنے دل کا غم ہلکا کریں۔ جب علیؓ کو منافقوں کی اس بات کا علم ہوا تو اپنے ہتھیار لے کر چل پڑے۔ مقام جرف میں آپؐ سے ملے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! منافقوں نے مشہور کر دیا ہے کہ آپؐ نے مجھے بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑا ہے اور اس طرح اپنا غم ہلکا کیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "انہوں نے جھوٹ بولا ہے میں نے تمہیں اہلِ خانہ کی حفاظت کے لیے چھوڑا ہے۔ جاؤ میرے اور اپنے اہل وعیال میں میرا خلیفہ بنو علی! تم اس پر راضی نہیں کہ میرے بعد تمہیں وہ درجہ حاصل ہو جو موسیٰؑ کے بعد ہارونؑ کو حاصل ہوا تھا، مگر یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ یہ سن کر مدینہ کی طرف واپس

چلے آتے۔ میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جاتے ہوئے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ حضرت علیؓ نے کہا: "آپؐ مجھے پیچھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میرے بعد تمہارا وہ مقام ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہارونؑ کا تھا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" انتہیٰ!

اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے مدینہ پر علیؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ابن عبدالبر نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، مگر ابن قیم نے بالجزم کہا ہے کہ علیؓ بالخصوص اہل بیت پر خلیفہ تھے، اور خلیفہ عام محمدؓ بن مسلمہ ہی تھے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ علیؓ کو واپس بھیجنے کے بعد آپؐ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ابو خیثمہؓ کا واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے چند دن بعد ایک سخت گرم دن، ابو خیثمہؓ اپنے گھر آئے۔ انہوں نے اپنی دونوں بیویوں کو باغ میں دیکھا کہ ہر ایک نے پانی چھڑک کر اپنا اپنا چھپر ٹھنڈا کیا ہے، اور اپنے خاوند کے لیے مزے دار کھانے اور سرد پانی کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہ جب داخل ہوئے تو چھپر کے دروازے پر رک گئے۔ دونوں بیویوں کو دیکھا، اور جو آب و دانہ اُن کے لیے تیار تھا، اس کا جائزہ لیا۔ پھر بولے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ، لُو، گرمی میں تکلیف برداشت کریں، اور ابو خیثمہ اپنے باغ میں ٹھنڈے سائے تلے مزیدار کھانے اور خوبصورت عورتوں سے لطف اندوز ہو؟ - واللہ! یہ انصاف نہیں ہے۔" پھر کہنے لگے: "خدا کی قسم! میں تم میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہیں ہوں گا۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا، میرے لیے فوراً سفر خرچ تیار کرو۔" انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر وہ اپنے آبپاشی کے اونٹ پر سوار ہو کر رخصت ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سواری دوڑانے لگے۔ وہ آپؐ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپؐ نے تبوک میں نزولِ اجلال فرمایا۔ راستہ میں ابو خیثمہؓ کی ملاقات عمیرؓ بن وہب جمحی سے ہوئی، وہ بھی آپؐ کی تلاش میں تھے! - کچھ دیر یہ دونوں اکٹھے سفر کرتے رہے۔ جب تبوک کے نزدیک پہنچے، تو ابو خیثمہؓ نے اپنے رفیق سے کہا: "میں نے کچھ گناہ کیا ہے، میری تمنا ہے کہ تم تھوڑی دُور پیچھے رہ جاؤ، اور مجھے اکیلے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے دو۔" وہ راضی ہو گئے۔ یہ جب قریب پہنچے تو تبوک میں آپؐ کی خدمت میں

بیٹھنے والے لوگوں نے کہا"یا رسول اللہ! یہ سڑک پر ایک سوار آ رہا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"خدا کرے، یہ ابوخیثمہ ہو" لوگ دیکھ کر کہنے لگے"یا رسول اللہ! خدا کی قسم! واقعی یہ ابوخیثمہ ہی ہے۔ اونٹ بٹھا کر ابوخیثمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا تمام واقعہ آپؐ کو کہہ سنایا۔ آپؐ نے ان کے لیے بہتر کلمات کہے، اور ان کے حق میں دعاء خیر کی۔

لشکرِ اسلام کی بستیٔ ثمود میں آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں "حجر" بستیٔ ثمود سے گزرے، تو کچھ دیر کے لیے وہاں اترے۔ لوگوں نے اس کے کنوئیں سے اپنے مشکیزوں میں پانی لیا آپؐ کو پتہ چلا تو فرمایا"لوگو! اس پانی کو نہ پیو اور نہ نماز کے لیے اس سے وضو کرو، اگر تم نے اس سے آٹا گوندھ لیا ہے، تو وہ اونٹوں کو کھلا دو۔ اور خود اس سے کچھ نہ کھاؤ۔ اور ہاں، اگر آج رات کسی کو باہر جانے کی ضرورت ہو تو اکیلا نہ جائے، کسی کو ضرور ساتھ لے کر جائے"۔ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا، مگر بنوساعدہ کے دو آدمیوں نے پرواہ نہ کی۔ ایک آدمی قضاء حاجت کے لیے گیا، مگر اس کا پاخانہ بند ہو گیا، اور دوسرا آدمی اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا، اس کو آندھی نے اٹھایا اور بنوطے کے دو پہاڑوں میں جا پھینکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپؐ نے فرمایا"کیا میں نے تمہیں تنبیہ نہیں کی تھی کہ کوئی آدمی بغیر کسی ساتھی کے اکیلا باہر نہ نکلے"۔ پھر آپؐ نے اس آدمی کیلئے، جس کا پاخانہ بند ہو گیا تھا، دعا فرمائی۔ اس نے شفا پائی۔ اور دوسرے آدمی کو، جب آپؐ مدینہ واپس آئے، تو بنوطے نے آپؐ کے پاس پہنچایا۔

صحیح مسلم میں ابوحمیدؓ سے روایت ہے: ہم چلتے چلتے تبوک میں پہنچے، تو آپؐ نے فرمایا"آج رات سخت آندھی چلے گی، اس لیے لیٹے رہنا۔ کوئی آدمی کھڑا نہ ہو، اور ہر شخص اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر بٹھا دے"۔ چنانچہ رات کے وقت سخت آندھی چلی، ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور آندھی نے اس کو اٹھا کر بنوطے کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آپؐ "حجر" (ثمود کی بستی) سے گزرے، تو فرمایا"ان ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہونا، تاکہ تمہیں وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا۔ اگر داخل ہونا پڑے، تو روتے ہوئے داخل ہونا"۔ پھر آپؐ نے کپڑے سے سر لپیٹا، اور جلدی سے اس میدان سے نکل گئے۔ بخاری میں ہے، آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس بستی کے پانی

سے گندھے آٹے پھینک دیں اور صحیح مسلم میں ہے آپؐ نے حکم دیا کہ وہ آٹے اونٹوں کو کھلا دیں اور جو پانی مشکیزوں میں بھرا ہے اسے بہا دیں اور اس کنوئیں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔

ابن اسحاقؒ لکھتے ہیں صبح کے وقت لوگوں نے پانی ختم ہونے کی شکایت کی تو آپؐ نے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارش برسائی، لوگوں نے سیراب ہو کر پانی پیا اور ضرورت کے مطابق مشکیزوں میں بھر لیا کسی نے ایک منافق سے کہا، تم پر افسوس ہے آپؐ کی صداقت میں اب بھی کچھ شک باقی ہے؟ بولا "اتفاقاً ایک بادل آیا اور پانی برسا گیا" آگے چل کر آپؐ کی اونٹنی راستہ میں گم ہو گئی، صحابہؓ اس کی تلاش میں نکلے۔ زید بن لصیت نے کہا: کیا محمدؐ یہ نہیں بتاتا کہ وہ نبی ہے، اور آسمان کی خبریں سناتا ہے لیکن اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں کہ کہاں گئی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی آدمی نے کہا ہے محمدؐ تمہیں آسمان کی خبریں بتاتا ہے اور اپنی اونٹنی کے متعلق نہیں جانتا کہ کہاں گئی ہے خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں، جو اللہ مجھے بتاتا ہے مجھے اس نے بتا دیا ہے کہ وہ اس وادی میں فلاں گھاٹی میں کھڑی ہے اس کی مہار درخت کی ایک ٹہنی میں الجھ گئی ہے۔ جاؤ اسے لے آؤ چنانچہ صحابہؓ گئے اور اس کو لے آئے۔

پھر آپؐ سفر پر روانہ ہوئے تو بعض آدمی پیچھے رہ جاتے تھے لوگ کہتے "یا رسولؐ اللہ! فلاں آدمی پیچھے رہ گیا ہے" آپؐ فرماتے: "اسے رہنے دو، اگر اس میں ایمان ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر اس میں ایمان نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے تمہیں نجات دی ہے" ایک موقع پر کسی نے کہا "یا رسولؐ اللہ! ابوذرؓ پیچھے رہ گئے ہیں، ان کے اونٹ نے دیر لگا دی ہے" آپؐ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو، اگر اس میں خیر ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ساتھ ملا دیگا اور اگر ایسا نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا ہے۔" دراصل ابوذرؓ کا اونٹ رک گیا تھا۔ جب وہ کسی طرح درست نہ ہوا تو انہوں نے اس کو وہاں چھوڑا اور اپنا سامان اپنی پیٹھ پر اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑے آپؐ کسی جگہ اترے تو لوگوں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! یہ ایک آدمی اکیلا راستہ میں آ رہا ہے،" آپؐ نے فرمایا: "خدا کرے یہ ابوذر ہو" لوگوں نے غور سے دیکھا تو بولے: "واللہ! یہ واقعی ابوذرؓ ہی ہیں" آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے یہ اکیلا چل رہا ہے،"

اکیلا ہی فوت ہوگا اور قبر سے اکیلا ہی اُٹھے گا۔"

ابن اسحاق عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں: جب حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو ربذہ میں جلا وطن کر دیا اور ان کی موت کا وقت آیا تو اس وقت ان کے پاس ان کی بیوی اور ایک غلام کے سوا کوئی نہیں تھا انہوں نے ان کو وصیت کی کہ مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر سڑک کے درمیان رکھ دینا۔ جب اس راستہ سے پہلا قافلہ گزرے تو کہنا "یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذر کا جنازہ ہے اس کے دفن کرنے میں ہماری مدد کرو"۔ ابوذرؓ فوت ہوئے تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان کی میت کو راستہ کے درمیان لا رکھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اہل عراق کی ایک جماعت میں عمرہ کے لیے آرہے تھے وہ سڑک میں ایک جنازہ رکھا دیکھ کر چونک پڑے قریب تھا کہ ان کی سواریاں اس کو روند ڈالیں غلام نے اٹھ کر ان سے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوذرؓ کا جنازہ ہے اس کے دفن کرنے میں ہماری مدد کرو"۔ عبداللہ بن مسعودؓ یہ سن کر رونے لگے اور کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ تم اکیلے چلو گے اور اکیلے ہی فوت ہو گے"۔ پھر وہ اور ان کے ساتھی سواریوں سے نیچے اترے اور قبر کھود کر ان کو دفن کیا پھر عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو سفر تبوک کا واقعہ سنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو جو کہا تھا ان کو بتایا۔

منافقوں کی ایک جماعت جو بنو عمرو بن عوف سے ودیعہ بن ثابت اور بنو سلمہ کے حلیف مخشی بن حمیر اشجعی پر مشتمل تھی ایک دوسرے سے کہنے لگی "کیا تم رومیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی کی طرح سمجھتے ہو؟ بخدا! ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کل تم رسیوں میں جکڑے ہوئے قیدی ہو گے"۔ وہ یہ باتیں مسلمانوں کو بزدل بنانے اور خوفزدہ کرنے کے لیے کہتے تھے۔ مخشی بن حمیر نے کہا "خدا کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر آدمی کو سو سو دُرّے سزا ملے اور تمہاری اس بات کی وجہ سے ہم قرآن میں مذمت کے نزول سے بچ جائیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ آگ میں جلنے کے مستحق ہو گئے ہیں ان سے پوچھو کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ اگر وہ انکار کریں اور کہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کہا تو تم کہو: کیوں نہیں تم نے یہ یہ بات کہی ہے۔ عمارؓ ان کے پاس گئے اور ان سے یہ گفتگو کی تو وہ عذر کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا "ہم تو محض خوش گپیوں اور

مذاق میں مصروف تھے" ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ[1] الآیۃ" "اگر آپؐ ان سے پوچھیں، تو کہیں گے ہم تو محض مذاق اور خوش گپیوں میں مصروف تھے"۔ مخشی بن حمیر نے کہا "یارسولؐ اللہ! مجھے تو میرے نام، اور میرے باپ کے نام کی نحوست لے ڈوبی!"

—— اس کے بعد اس نے اپنا نام عبد الرحمان رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسکو شہادت کی موت آئے، اور اس کی قبر سے کوئی واقف نہ ہو۔ چنانچہ یہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ان کا جسم خاکی کہاں غائب ہوا۔

ابن وہب نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک شخص نے ایک مجلس میں کہا: "ہم نے اپنے ان قاریوں جیسے کوئی آدمی نہیں دیکھے یہ کھانے کے حق میں تو بڑے پیٹو واقع ہوتے ہیں۔ جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں لیکن لڑائی کے وقت بڑے بزدل ہیں"۔ اسی مجلس میں کسی دوسرے آدمی نے کہا "تم منافق ہو اور جھوٹ بکتے ہو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گا"۔ چنانچہ آپؐ کو یہ بات پہنچی اور اس کے متعلق قرآن بھی نازل ہوا۔ عبد اللہؓ کہتے ہیں: میں نے اس آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پیچھے لٹکتے ہوئے دیکھا اس کو پتھروں سے ٹھوکر لگتی تھی اور وہ کہتا تھا "یارسولؐ اللہ! ہم تو صرف خوش گپیاں اڑا رہے تھے اور مذاق میں مصروف تھے"۔ آپؐ اس کے جواب میں فرماتے تھے "کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کے احکام اور اس کے رسولؐ کا مذاق اڑاتے تھے، تمہارا یہ عذر قابلِ قبول نہیں، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے"۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں: یہ واقعہ لیث بن سعد نے بھی ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

فصل

صاحبِ ایلہ اور اہلِ جربا و اذرح کا جزیہ پر عہد کرنا

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ تبوک میں فروکش ہوئے تو ایلہ کا حاکم حاضر ہوا اس نے آپؐ سے صلح کی اور جزیہ دینے کا عہد کیا۔ اسی طرح جربا اور اذرح (یہ لفظ ذال معجمہ اور راء، حاء مہملہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے) کے باشندوں نے بھی حاضر ہو کر جزیہ دینے کا عہد کیا۔

[1] التوبۃ: ۶۵

اور آپؐ نے اس کے متعلق ان کو دستاویز لکھ کر دی!

ابنِ عائذ اپنے مغازی میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تبوک میں اترے، جب اس کا پانی کم ہو گیا تھا، آپؐ نے اس سے ایک چلو لیا، کلی کی اور چشمہ میں ڈال دی، پانی فوارے کی طرح نکلنے لگا اور چشمہ بھر گیا اور اب تک اسی طرح بھرا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں معاذؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں پہنچنے سے پہلے فرمایا تھا: "تم ان شاء اللہ کل دوپہر کے وقت تبوک پر پہنچو گے، تم میں سے جو شخص پہلے پہنچے وہ میرے آنے تک پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔" معاذؓ کہتے ہیں: جب ہم پہنچے تو ہم سے پہلے دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے، چشمہ سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا "کیا تم نے پانی میں ہاتھ ڈالا ہے"؟ بولے "ہاں"! آپؐ نے فرمایا: "جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا"! پھر قطرہ قطرہ جمع ہونے کے بعد آپؐ نے تھوڑا سا پانی چلو میں لیا، اپنا منہ اور ہاتھ دھو کر اس میں ڈال دیا، چشمہ سے بہت زیادہ پانی بہنے لگا، جس سے سب لوگوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ آپؐ نے فرمایا: "معاذ! تم اپنی زندگی میں دیکھو گے کہ اس پانی سے یہ علاقہ باغات سے بھر جائے گا"۔ بیہقی نے "دلائل" میں اور امام حاکم نے عقبہؓ بن عامر سے روایت کیا ہے: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ تبوک میں نکلے، جب ایک رات کا سفر باقی رہ گیا تو آپؐ سو گئے، اور نیزہ بھر سورج بلند ہونے کے بعد جاگے۔ آپؐ نے فرمایا: "بلال! میں نے تمہیں صبح کی حفاظت کے لیے نہیں کہا تھا"؟ وہ بولے: "یا رسول اللہ! جس طرح آپؐ پر نیند غالب آئی مجھ پر بھی غالب آ گئی"۔ پھر آپؐ نے ذرا آگے جا کر نماز پڑھی اور باقیماندہ دن اور رات سفر کر کے تبوک میں وارد ہوئے۔

اگلے دن آپؐ نے تبوک میں خطبہ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"سب سے سچی بات، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ سب سے مضبوط کڑا التقویٰ کا کلمہ ہے۔ سب سے بہتر مذہب، ابراہیم علیہ السّلام کا ہے۔ سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ سب سے بہتر بات، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بہتر قصہ قرآن حکیم ہے۔ سب سے بہتر نیکی کے کام ہیں، سب سے بُری بدعات ہیں۔ سب سے بہتر راستہ، انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ سب سے باعزت موت، شہداء کی ہے۔ سب سے اندھی چیز، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے بہتر نفع دینے والا علم ہے۔ بہتر راستہ وہ ہے جس پر چلا جائے۔ سب سے بُرا اندھاپن، دل کا اندھاپن ہے۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ

سے بہتر ہے (سخاوت کرنے والے کا ہاتھ مانگنے والے کے ہاتھ سے بہتر ہے) ضرورت کے مطابق تھوڑا مال، غافل کر دینے والے زیادہ مال سے بہتر ہے۔ بدترین عذر وہ ہے، جو موت کو دیکھ کر کیا جائے۔ بدترین ندامت، قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بعض لوگ وقت ضائع کرکے جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔ بعض بیہودہ گوئی کو اللہ کا ذکر سمجھتے ہیں۔ سب سے زیادہ خطا کار جھوٹ بولنے والی زبان ہے۔ سب سے بہتر غنا، دل کی غنا ہے۔ اور بہترین سفر خرچ تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی حکمت، خشیتِ الٰہی ہے۔ دل میں مستحکم ہونے والی سب سے بہتر چیز، یقین ہے۔ شک کرنا کفر ہے۔ مُردے پر بین کرنا جاہلیت کی عادت ہے۔ غنیمت میں خیانت کرنا جہنم میں جلنا ہے۔ نشہ والی چیز، آگ کا داغ ہے۔ گندے شعر شیطان کو پسند ہیں۔ شراب سب برائیوں کی جڑ ہے۔ بدترین کھانا، یتیم کا مال ہے۔ سعادتمند وہ ہے، جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑے۔ بدبخت، اپنی ماں کے پیٹ سے ہی بدبخت پیدا ہوتا ہے۔ تم سب نے چار ہاتھ جگہ میں سمانا ہے۔ ہر کام کا انجام آخر میں ظاہر ہوتا ہے۔ عمل کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ بدترین سواریاں، جھوٹ کی سواریاں ہیں۔ جو چیز آنے والی ہے، وہ نزدیک ہے۔ مسلمان کو گالی دینا بدکاری، اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ اس کی غیبت کرنا معصیت ہے، اس کا مال اس کے خون کی طرح حرام ہے۔ جو شخص بلا ثبوت قسم کھائے، اللہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ جو لوگوں کو معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اجر دے گا۔ جو مصیبت میں صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا معاوضہ دے گا۔ جو دوسروں سے درگزر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے گا۔ جو غصہ کو پی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اجر دے گا۔ جو شخص شہرت کے لیے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تشہیر کرے گا۔ جو نافرمانی سے رُکتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور جو نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا۔" پھر آپؐ نے تین دفعہ استغفار کیا اور خطاب کو ختم فرمایا۔ انتہیٰ!

سفر میں نمازیں جمع کرنا

امام مسلمؒ ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں نمازیں جمع کرکے پڑھتے تھے۔ ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب اور عشاء جمع کرکے پڑھتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں، میں نے حضرت ابنِ عباسؓ سے پوچھا "آپؐ ایسا کیوں کرتے تھے؟" انہوں نے کہا "آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کی اُمت میں سے کوئی آدمی تنگی میں

نہ رہے"۔ امام مسلمؒ حضرت معاذؓ سے روایت کرتے ہیں "ہم غزوۂ تبوک کے سفر میں آپؐ کے ہمراہ تھے آپؐ ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھتے تھے"۔ امام مالکؒ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں: "آپؐ نے ایک دن دو نمازیں مؤخر کیں، پھر آئے اور ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھا۔ پھر آئے اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا"۔ ابوداؤد اور ترمذی معاذؓ سے روایت کرتے ہیں: "غزوۂ تبوک میں آپؐ کا معمول تھا کہ جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے، تو ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھتے پھر سفر پر روانہ ہوتے"۔ لیکن ائمہ حدیث میں سے ایک جماعت نے اس حدیث کو معلول کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے "بعض ضعیف راویوں نے قتیبہ کی حدیث میں اس کو داخل کر دیا ہے"۔ امام بخاریؒ کے اس قول کو امام حاکمؒ نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں ذکر کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے "اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ عمل آپؐ اس وقت کرتے، جب سفر میں کہیں جلدی جانا ہوتا"۔ انتہیٰ!

حضرت خالدؓ کا اکیدر کی طرف جانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو بیس شاہسوار دے کر حضرت خالدؓ بن ولید کو اکیدر بن عبدالملک کی طرف بھیجا، جو کندہ کا بادشاہ، عیسائی مذہب کا پیرو تھا، اور دومۃ الجندل میں رہتا تھا۔ ابوعبید کہتے ہیں: دومۃ الجندل ایک قلعہ ہے، یہ اور اس کے گرد و نواح کی بستیاں، شام اور مدینہ کے درمیان بنو طے کے پہاڑوں کے قریب واقع ہیں۔ دومۃ، وادی القریٰ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور اس میں ایک مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے جس کو مارد کہتے ہیں اور یہی اکیدر بادشاہ کا قلعہ ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا: "یارسولؐ اللہ! بنو کلب اور بنو انمار کے علاقہ میں تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ میں اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہوں"؟ آپؐ نے فرمایا: "وہ تمہیں جنگل میں نیل گائے کا شکار کرتا ملے گا اس کو گرفتار کر لینا"۔ خالدؓ اپنے سپاہیوں کو لے کر نکلے جب قریب پہنچے اور اس کا قلعہ نظر آنے لگا، وہ چاندنی رات میں اپنی بیوی کے ساتھ قلعہ کی چھت پر بیٹھا تھا۔ نیل گائیں آ کر قلعہ کے دروازے پر اپنے سینگ مارتی تھیں۔ اس کی بیوی نے اٹھ کر قلعہ کے دروازہ کی طرف دیکھا تو بولی "میں نے آج جیسا نظارہ کبھی نہیں دیکھا"۔ اور ایک لفظ میں ہے: "تم نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا دیکھا ہے"؟ اس نے کہا: "خدا کی قسم! کبھی نہیں دیکھا"۔ بولی "پھر اس موقعہ کو کون ضائع کر سکتا ہے"؟ اس نے کہا: کوئی بھی نہیں" پھر وہ

نیچے اترا گھوڑے پر زین ڈالنے کا حکم دیا اس کے خاندان کے کچھ آدمی اور اس کا بھائی حسان ساتھ ہو لیے اور اپنے شکاری کتے لے کر باہر نکلے۔ باہر نکلتے ہی محمدی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی اکیدر تو گرفتار ہو گیا مگر اس کے بھائی حسان نے گرفتار ہونے سے انکار کر دیا۔ لڑتا رہا اور مارا گیا۔ باقی سب لوگ بھاگ کر قلعہ میں بند ہو گئے۔ اکیدر نے ایک ایسا کوٹ پہنا ہوا تھا جس پر سونے کی تاروں سے کھجور کے پتے بنے ہوئے تھے۔ خالدؓ نے اس سے وہ سلب میں لے لیا اور اپنے پہنچنے سے پہلے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں: میں نے دیکھا ہے جب اکیدر کا یہ کوٹ آپؐ کی خدمت میں پہنچا تو مسلمان اس کو چھوتے تھے۔ اور بڑا تعجب کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس سے تعجب کر رہے ہو؟ جنت میں سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ صاف کرنے والے رومال اس سے بہتر ہیں" انتہیٰ!

قلعہ کا دروازہ کھلتا ہے

حضرت خالدؓ نے اکیدر سے کہا "کیا تمہیں منظور ہے کہ تمہیں قتل نہ کیا جائے اور زندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جائے بشرطیکہ تم قلعہ کا دروازہ کھول دو؟" اس نے کہا "ہاں مجھے منظور ہے" جب اکیدر نے حضرت خالدؓ سے صلح کر لی، اس وقت اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ اکیدر کے بھائی مضاد نے، جو قلعہ کے اندر تھا، اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اکیدر نے خالدؓ سے کہا "اس سے بھی کسی شرط پر صلح کر لو تاکہ یہ دروازہ کھول دے۔ مجھے اور اس کو قتل نہ کرو اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دو۔ وہ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے!" خالدؓ نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اکیدر نے اس سے دو ہزار اونٹ، تین سو گھوڑے، چار سو زرہ اور چار سو نیزوں پر صلح کر لی۔ خالدؓ نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ خالدؓ نے عہد کے مطابق اکیدر اور اس کے بھائی کو قتل سے بچا لیا اور ان کو زندہ لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ اس وقت مدینہ شریف پہنچ چکے تھے۔ جب یہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ نے ان سے جزیہ ادا کرنے پر صلح کر لی ــ دونوں بھائیوں کو چھوڑ دیا اور اس علاقہ کی حکومت اکیدر کے ہاتھ میں رہنے کی دستاویز لکھ دی۔

ابن اثیر کہتے ہیں: "اس پر سب مؤرخین متفق ہیں کہ اکیدر مسلمان نہیں ہوا اور عیسائیت پر ہی مرا۔"

صلح کے بعد وہ اپنے قلعہ میں رہتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس نے عہد شکنی کی اس وقت حضرت خالدؓ نے قلعہ کا دوبارہ محاصرہ کیا اور اس کو شرک کی حالت میں قتل کر دیا۔

فصل

تقریباً تین ہفتہ قیام کے بعد تبوک سے واپسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں دس سے کچھ زیادہ دن قیام کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بیس دن رہے اور نماز دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی۔ مسند احمد میں ہے کہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط لکھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے آپؐ نے فرمایا "جھوٹ بولتا ہے، وہ ابھی تک نصرانیت پر قائم ہے۔" ابو عبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ اسی طرح روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "آپؐ نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا" مواہب اللدنیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام تبوک کے دوران ہرقل کو خط لکھا اس کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ یہ دعوت قبول کرتے کرتے رُک گیا اور عیسائیت پر قائم رہا۔

رومیوں پر حملہ کرنے یا واپس آنے کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ

منتقیٰ میں مذکور ہے کہ آپؐ نے آگے بڑھ کر رومیوں پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یارسول اللہ! اگر آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چلنے کا حکم ہے تو چلئے۔" آپؐ نے فرمایا "اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تو پھر تم سے مشورہ کی ضرورت نہیں تھی۔" حضرت عمرؓ نے کہا "یارسول اللہ! رومیوں کے پاس بے شمار فوجیں ہیں، آج مسلمانوں میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ آپؐ ان کے نزدیک پہنچ چکے ہیں، اور آپؐ کے نزدیک آنے سے وہ خوفزدہ ہو گئے ہیں بہتر ہے اس سال آپؐ واپس تشریف لے چلیں، بعد میں آپؐ جس طرح چاہیں، یا جس طرح اللہ تعالیٰ آپؐ کو نیا حکم دے عمل کر لیں۔" اس مشورہ کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور لڑائی تک نوبت نہیں پہنچی۔ راستہ میں ایک جگہ ایک چشمہ سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا تھا، اس سے جمع شدہ پانی بشکل ایک دو یا تین آدمیوں کے لیے کفایت کر سکتا تھا۔ یہ چشمہ وادی مُشقق میں واقع تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہم سے پہلے وہاں پہنچے، وہ ہمارے آنے تک پانی نہ

پہنچیئے" لیکن آپؐ سے پہلے منافقوں کی ایک جماعت وہاں پہنچی اور انہوں نے سارا پانی پی لیا۔ جب آپؐ تشریف لائے تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ آپؐ نے پوچھا "ہم سے پہلے یہاں کون آیا ہے"؟ کسی نے کہا "یا رسول اللہ! فلاں فلاں شخص آپؐ سے پہلے آئے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ میرے آنے تک پانی نہ پینا" پھر آپؐ نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے حق میں بد دعا فرمائی۔ آپؐ اونٹ سے نیچے اترے اور چشمہ کے نیچے ہاتھ رکھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا قطرہ قطرہ گر کر آپؐ کے ہاتھ میں کچھ پانی جمع ہوا جس سے آپؐ نے منہ پر چھینٹے مارے — چشمے پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چشمہ پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا۔ سننے والوں کا بیان ہے: پانی اس زور سے نکلتا تھا کہ اس سے بجلی کی کڑک جیسی آواز سنائی دیتی تھی سب لوگوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا، سواریوں کو پلایا اور راستہ میں کام آنے کے لیے مشکیزے بھر لیے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم زندہ رہے یا کوئی تم میں سے زندہ رہا تو تم سنو گے کہ یہ راستہ اور اس کا گردو پیش کا علاقہ سرسبز اور شاداب ہو چکا ہے"۔

راستہ میں آپؐ کو ہلاک کرنے کی سازش

راستہ میں منافقوں نے آپؐ کو بے خبری میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ بیہقی "دلائل نبوت" میں حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ کبھی میں آگے سے آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑتا، اور عمارؓ پیچھے سے ہانکتے اور کبھی عمارؓ مہار پکڑ کر آگے چلتے، اور میں پیچھے سے ہانکتا جب ہم ایک گھاٹی پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ ۱۲ آدمی آپؐ کا راستہ روکے کھڑے ہیں میں نے آپؐ کو صورت حال سے مطلع کیا۔ آپؐ نے بڑے زور سے ان کو للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! انہوں نے اپنے سر اور منہ کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے، ہاں ہم نے سواریوں کو پہچان لیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ قیامت کے دن تک منافق ہیں۔ جانتے ہو یہ کیا کرنا چاہتے تھے؟" ہم نے کہا: "نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "ان کا ارادہ تھا کہ گھاٹی میں بھیڑ کر کے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو گہرے کھڈ میں گرا کر قتل کر دیں"۔ ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپؐ ان کے قبیلوں کو لکھیں کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے آدمی کا سر قلم کر کے آپؐ کے پاس بھیج دے"۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں! عرب کہیں گے کہ محمدؐ نے ایک قوم کے

ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جب کامیاب ہو گیا تو انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ الٰہی! ان کو دُبیلہ کے مرض میں مبتلا کر۔" ہم نے پوچھا "یا رسولؐ اللہ! دُبیلہ کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "آگ کی طرح سوزش پیدا کرنے والا ایک شعلہ ہے، جو ان کی شہ رگ میں نکلے گا جس سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔"

امام احمدؒ نے ابو الطفیل سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب آپؐ غزوۂ تبوک سے واپس آئے، تو آپؐ نے ایک منادی والے کو حکم دیا کہ وہ منادی کر دے: حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو آگے سے پکڑ کر چلیں گے، اور عمارؓ پیچھے سے ہانکیں گے۔ ایک مقام پر چند آدمی کپڑے سے سر لپیٹے ہوئے اونٹوں پر سوار آئے، اور پیچھے سے عمارؓ پر حملہ بول دیا۔ عمارؓ نے مڑ کر ان کے اونٹوں کے منہ پر ڈنڈے برسائے۔ آپؐ نے دیکھا تو "بس بس" کہا۔ جب آپؐ گھاٹی سے نیچے آ کر اونٹنی سے اُترے، تو عمارؓ بھی واپس آ گئے۔ آپؐ نے پوچھا "عمار! تم نے ان کو پہچانا ہے؟" انہوں نے کہا "میں نے اونٹوں کو تو پہچان لیا ہے، لیکن انہوں نے اپنے سر اور منہ کپڑوں میں چھپاتے ہوئے تھے۔" آپؐ نے فرمایا "جانتے ہو، ان کا ارادہ کیا تھا؟" انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "ان کا یہ ارادہ تھا کہ اللہ کے رسولؐ کی اونٹنی کو ڈرا کر آپؐ کو گہرے کھڈ میں گرا دیں۔" بعد میں رسولؐ اللہ کے ایک صحابی نے عمارؓ سے راز داری کے طور پر پوچھا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو، گھاٹی پر حملہ کرنے والے کتنے آدمی تھے؟" انہوں نے کہا "چودہ آدمی تھے۔" پھر کہا "اگر تم بھی ان کے ساتھ تھے، تو پھر پندرہ تھے۔" عمارؓ کہتے ہیں: ان میں سے تین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور کہا "خدا کی قسم! ہم نے رسولؐ اللہ کے منادی کی آواز نہیں سنی، اور نہ ہمیں یہ علم تھا کہ ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔" عمارؓ نے کہا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ ان میں بارہ آدمی دنیا اور آخرت، دونوں جہانوں میں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمن تھے۔" انتہیٰ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ اور عمارؓ کو ان کے نام بتا دیئے تھے۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ کس ارادہ سے آئے تھے؛ اور ان کو حکم دیا تھا کہ ان کے نام کسی کو نہ بتائیں۔ حذیفہ کو "راز دان" کہا جاتا تھا، جس کو اُن کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ سورت توبہ کی یہ آیت (۷۴) "وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا" (اور انہوں نے ایسے امر کا ارادہ کیا جس کو وہ حاصل نہیں کر سکے)

گھاٹی پر حملہ کرنے والوں کے بارہ میں اُتری ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں، عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: میں ایک جنگ میں آدھی رات کے وقت بیدار ہوا۔ میں نے دیکھا کہ لشکر کے ایک کونہ میں مشعل جل رہی ہے۔ میں اس کا سبب معلوم کرنے کے لیے اس طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ موجود ہیں، کیونکہ عبداللہ ذوالبجادینؓ مزنی فوت ہو گئے تھے۔ ان حضرات نے ان کی قبر کھودی تھی!۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اُترے ہوئے تھے، اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ان کو قبر میں اُتار رہے تھے۔ آپؐ فرما رہے تھے "اپنے بھائی کو قبر میں اتارو" انہوں نے ان کو قبر میں اتار دیا۔ جب آپؐ نے اُن کا منہ قبلہ رُخ کیا، تو فرمایا: "اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔" آپؐ کی اس دعا کی وجہ سے عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے "کاش! اس قبر میں مَیں دفن ہوتا۔"

ابن ہشام کہتے ہیں: ان کو "ذوالبجادین" (دو چادروں والا) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسلام کی طرف مائل تھے۔ ان کی قوم ان کو روکتی تھی اور ہر طرح کی سزا دیا کرتی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح نہیں مانتے، انہوں نے تن ڈھانکنے کے لیے ایک چادر کے علاوہ سب کچھ اُن سے چھین لیا۔ بجاد موٹی چادر کو کہتے ہیں۔ یہ بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ جب یہ مدینہ کے قریب پہنچے، انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ کا تہبند بنا لیا۔ دوسرا حصہ اپنے بدن پر لپیٹ لیا!۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "ذوالبجادین" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

مسجدِ ضرار کا ذکر

ابن اسحاق لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر جب "ذی اوان" میں، جو مدینہ منورہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک شہر ہے، پہنچے تو آپؐ پر آسمان سے مسجدِ ضرار کے بارہ میں وحی نازل ہوئی۔ دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب بنو عمرو بن عوف نے مسجدِ قبا، تعمیر کی، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ آپؐ تشریف لائے اور اس میں نماز پڑھی۔ اس پر ان کے برادر قبیلہ بنو غنم نے، جو دراصل انصار میں سے منافق تھے، حسد کیا اور کہا: "آؤ! ہم بھی ایک مسجد بنائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے افتتاح کی دعوت دیں جس طرح آپؐ نے ہمارے بھائیوں بنو عمرو بن عوف کی مسجد میں نماز پڑھی تھی، اس میں بھی نماز پڑھیں اور شام سے آنے کے بعد ابو عامر راہب (ایک بڑا منافق) بھی اس میں

نماز پڑھا کرے گا۔"

عثمان بن سعید دارمی، ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان: "وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا"[1] میں انصار کے منافقوں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے ایک مسجد بنائی تھی، اس کا حکم ابو عامر راہب نے دیا، اور انہیں کہا تھا کہ تم اپنی ایک الگ مسجد بناؤ۔ اور اس میں جتنے ہتھیار جمع کر سکتے ہو کرو، میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جاتا ہوں اور وہاں سے رومی فوج لا کر محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ جب وہ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر گزارش کی کہ "ہماری مسجد بالکل تیار ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ اس میں نماز پڑھیں اور برکت کی دعا کریں"۔ اللہ تعالیٰ نے حکم اتارا: "لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ۔" "آپؐ اس مسجد میں کبھی نہ جائیں، جس مسجد (مسجد قبا) کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپؐ اس میں جائیں اور نماز پڑھیں"۔ الیٰ قولہ "فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ" (اللہ کے اس قول تک): "پس لے گرے اس کو جہنم کی آگ میں!" ــ التوبۃ: ۱۰۸، ۱۰۹ ــ پھر فرمایا: "لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ" یعنی: "وہ عمارت، جو انہوں نے بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کا سبب بنی رہے گی مگر یہ کہ (مر کر) ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں"۔ انتہیٰ! (التوبۃ: ۱۱۰)

ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ مسجد ضرار بنانے والے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپؐ جنگِ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ کہنے لگے: "یا رسول اللہؐ! ہم نے بیماروں، محتاجوں، بارش کی رات اور سردی کی رات کے لیے مسجد بنائی ہے، ہماری خواہش یہ ہے کہ آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور اس میں نماز پڑھیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اس وقت تو ہم سفر پر جا رہے ہیں اور مصروف بھی بہت ہیں، ان شاء اللہ تبوک سے واپس آنے کے بعد ہم تمہارے ہاں آئیں گے، اور تمہاری خواہش کے مطابق اس میں نماز پڑھیں گے"۔ پھر جب آپؐ تبوک سے واپس تشریف لائے، اور "ذی اوان" میں پڑاؤ کیا، تو مسجد ضرار بنانے والے منافق دوبارہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی مسجد میں آنے کی درخواست کی، آپؐ نے اپنی قمیص منگوائی تا کہ اسے

---

[1] التوبۃ: ۱۰۷

بہن کران کے ساتھ جا بیٹں مگر قرآن نازل ہوا — اس مسجد کی اصل حقیقت سے آپؐ کو آگاہ کیا اور بتایا کہ دراصل ان کا مدعا کیا ہے ؛

آپؐ نے مالکؓ بن دخشم، معنؓ بن عدی اور عامرؓ بن سکن کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ فوراً جا کر ان ظالموں کی مسجد کو گرا دیں اور اس کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ وہ تعمیلِ ارشاد کے لیے فی الفور گئے۔ جب قبیلہ بنو سالم میں، جو مالکؓ بن دخشم کا قبیلہ ہے، پہنچے تو مالکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ذرا ٹھہرو، میں اپنے گھر سے آگ لاتا ہوں!" — پھر کھجور کی چھڑیاں لیں، ان میں آگ سلگائی — سب بھاگتے ہوئے آتے، مسجد میں داخل ہوئے، اس کو آگ لگائی، اور گرا کر پیوندِ خاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر سب منافق منتشر ہو گئے اور کسی نے مزاحمت نہیں کی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں ورودِ مسعود

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو لوگ آپؐ کے استقبال کے لیے نکلے، عورتیں، بچے اور لونڈیاں بھی باہر آئیں، جو خوشی میں یہ شعر پڑھ رہی تھیں ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

"ہم پر 'ثنیۃ الوداع' سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے۔"

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

"جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، ہم پر شکر بجا لانا واجب ہے۔"

صاحب "الہدیٰ" لکھتے ہیں بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ شعر آپؐ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے پر پڑھے گئے تھے مگر یہ کھلا ہوا وہم ہے۔ کیونکہ 'ثنیۃ الوداع' شام کے راستہ پر ہے۔

جب آپؐ نے مدینہ کے در و دیوار کو دیکھا تو فرمایا: "ھٰذہ طابۃ وھٰذا اجبل یحبنا و نحبہ" "یہ طابہ[1] ہے اور یہ پہاڑ (احد) ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

---

[1] مدینہ منورہ کا ایک نام 'طابہ' بھی ہے۔ (مترجم)

نیز فرمایا: "مدینہ میں وہ لوگ ہیں جو تمہارے ہر سفر میں اور ہر میدان طے کرتے وقت تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، وہ کسی عذر کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہیں آ سکے۔" صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں، وہ مدینہ میں رہتے ہوئے تمہارے ساتھ ہیں!"

فصل

تین صحابہؓ کا مقاطعہ

جب آپؐ مدینہ میں داخل ہوئے، تو پہلے مسجد میں آئے، دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ صحیحین میں کعبؓ بن مالک کی حدیث میں مروی ہے۔ پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھ گئے۔ جو لوگ جنگِ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، وہ آئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کیے یہ اسی سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول کر لیا، ان سے بیعت بھی کر لی اور ان کے لیے استغفار بھی کیا، مگر ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ تین مخلص آدمی کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ بھی کسی قسم کے شک اور نفاق کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو ان کے ساتھ مقاطعہ کا حکم دیا، اور ان تینوں سے سلام و کلام بند کر دیا۔

بخاریؒ و مسلمؒ اور دوسرے محدثینؒ نے کعبؓ بن مالک سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

میں ماسوا جنگِ بدر کے کسی بھی جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا جنگِ بدر میں غیر حاضر رہنے والوں میں سے آپؐ کسی پر ناراض نہیں ہوئے کیونکہ آپؐ قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔ آپؐ کی دشمن سے بغیر کسی سابق منصوبے کے اتفاقاً مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ البتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ العقبہ میں حاضر تھا اس رات ہم نے آپؐ سے اسلام پر پختہ عہد و پیمان کیے تھے، گو غزوہ بدر لوگوں میں زیادہ مشہور ہے، مگر میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لیلۃ العقبہ کی بجائے مجھے اس جنگ میں حاضری نصیب ہوتی۔

میرے جنگِ تبوک سے پیچھے رہنے کا قصہ یہ ہے کہ جتنی مالی حالت میری اس جنگ میں بہتر تھی، اتنی کسی جنگ میں بہتر نہیں تھی، اس جنگ میں میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں، جو پہلے کبھی کسی

جنگ میں مجھے میسّر نہیں آئی تھیں۔ اس جنگ کے علاوہ آپؐ عموماً دوسری جنگوں میں "توریہ" سے کام لیتے تھے اور جدھر جانا ہوتا اُس سے مخالف سمت کا نام لیتے تھے۔ یہ جنگ چونکہ سخت گرمی میں ہوتی تھی، سفر بھی دُور کا درپیش تھا اور بے شمار اور طاقتور دشمن سے مقابلہ تھا اُس لیے آپؐ نے صاف صاف بتا دیا کہ شام کی سرحد پر رومی حکومت کے خلاف لڑنا ہے تاکہ لوگ اس کی تیاری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ اس موقعہ پر مسلمان بھی آپؐ کے ساتھ بہت تھے کسی رجسٹر میں ان کے نام درج نہیں ہوتے تھے اگر کوئی پیچھے رہنا چاہتا تو وہ بہ آسانی ایسا کر سکتا تھا۔ اس جنگ کے موقعہ پر پھل بھی پکے ہوئے تھے اور سائے بھی بے حد دِل پسند تھے۔ میں جنگ کی تیاری کے لیے سویرے سویرے گھر سے نکلتا اور بغیر کسی قسم کی تیاری کیے بازاروں میں گھوم پھر کر شام کو واپس آجاتا اور دل میں سمجھتا کہ میری مالی حالت اچھی ہے جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا۔ بس اسی طرح آج کل کرتا رہا۔ لوگوں نے زور و شور سے تیاری مکمل کر لی اور ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو لے کر سفر پر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ میں نے ابھی تک کوئی تیاری نہیں کی تھی اور دل میں سوچتا تھا کہ ایک دو دن میں تیاری کر کے ان سے جا ملوں گا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد بھی تیاری کرنے کے لیے گھر سے نکلا اور تیاری کیے بغیر شام کو گھر واپس آگیا۔ دوسرے دن پھر یہی ہوا اور کئی دن ایسا ہی ہوتا رہا۔ ادھر مسلمان تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے دُور نکل گئے اور جنگ میں شریک ہونے کا موقعہ تقریباً ختم ہو گیا۔ ایک دن میں نے ارادہ کیا کہ سفر پر روانہ ہو جاؤں اور لشکرِ اسلام سے جا ملوں کاش! میں ایسا کرتا مگر صد افسوس! یہ بھی نہ کر سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد جب میں گھر سے نکلتا اور لوگوں سے ملتا تو یہ دیکھ کر مجھے صدمہ ہوتا کہ میری ملاقات یا تو ایسے آدمی سے ہوتی جس پر نفاق کی تہمت ہوتی یا ایسے کمزوروں سے جو شرعاً معذور تھے آپؐ نے مجھے تبوک پہنچ کر یاد کیا۔ آپؐ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، پوچھا کعب بن مالک کہاں ہے؟ کبھی نظر نہیں آیا؟ بنوسلمہ کے ایک آدمی نے کہا "یا رسول اللہؐ! اس کو دو چادروں نے اور اپنی دونوں جانب جھک جھک کر دیکھنے نے روک لیا ہے۔ یہ سُن کر معاذؓ بن جبل بولے "تُو نے بُری بات کہی ہے۔ یا رسُول اللہؐ! خدا کی قسم! ہم تو اس کو نیک اور مخلص جانتے ہیں" آپؐ خاموش ہو رہے۔

جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ مراجعت فرمائے مدینہ ہو گئے ہیں، تو مجھے غم واندیشہ نے آگھیرا اور میں نے جھوٹے منصوبے جوڑنے شروع کیے تاکہ میں کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے محفوظ ہو سکوں میں اس سلسلہ میں اپنے خاندان کے دانشمندوں سے بھی مشورہ لیتا تھا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ آپ قریب پہنچ گئے ہیں اور ایک آدھ دن میں مدینہ میں داخل ہو جائیں گے، تو باطل خیالات میرے دل سے نکل گئے اور میں نے جان لیا کہ سچ بول کر ہی میں نجات پا سکتا ہوں اس لیے میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے دن آپ سویرے سویرے تشریف لے آئے آپ کا معمول تھا کہ آپ جب سفر سے واپس آتے، تو پہلے مسجد میں داخل ہوتے، دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر ملاقات کرنے والوں کے لیے کچھ دیر بیٹھ جاتے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے، تو پیچھے رہنے والے آتے، وہ قسم کھا کر جنگ میں حاضر نہ ہونے کے عذر بیان کرنے لگے۔ یہ تعداد میں اسّی سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ آپ نے ان کی ظاہری قسموں کو قبول کر لیا۔ ان سے بیعت بھی کر لی اور ان کے حق میں استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

پھر میں آیا اور سلام عرض کیا جب میں نے "السلامُ علیکم" کہا تو آپ نے تبسّم فرمایا مگر آپ کے تبسم میں غصّہ کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے فرمایا "آگے آجاؤ" میں آگے آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا آپ نے پوچھا "تم پیچھے کیوں رہے، تم نے سفر کے لیے سواری نہیں خریدی تھی؟" میں نے عرض کی "کیوں نہیں، بخدا! میں اگر آپ کے سوا کسی دنیادار کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے، میں کس طرح عذر بہانے کر کے اس کے غصّہ سے بچتا کیونکہ مجھے جدل میں بڑی مہارت ہے لیکن میں جانتا ہوں، اگر آج میں نے آپ کے سامنے جھوٹی بات کہی تو آپ مجھ سے راضی ہو جائیں گے، مگر جلدی ہی اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں نے سچّی بات کہہ دی تو آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے مگر میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے گا خدا کی قسم! پیچھے رہنے میں میرے لیے کوئی عذر نہیں تھا۔ بخدا! جس وقت میں پیچھے رہا جتنا اس وقت طاقتور اور مالدار تھا اتنا اس سے پہلے کبھی نہیں تھا لہٰذا میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے لیے پیچھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا "اس نے سچی بات کہی ہے" پھر فرمایا "اٹھ کر چلا جا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کر"۔ جب میں حسب الارشاد جانے لگا تو میرے قبیلہ بنو سلمہ کے لوگ میرے پیچھے دوڑے،

اور کہنے لگے "خدا کی قسم! اس سے پہلے ہم نے کبھی کوئی تیرا قصور نہیں دیکھا۔ تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والوں نے عذر بیان کیے تھے تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے۔ تمہاری اس غلط بیانی کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کا استغفار کافی تھا جس سے تمہارے گناہ کی تلافی ہو جاتی۔" ان کے اس طرح برابر سرزنش کرنے سے میں نے ارادہ کیا کہ میں آپؐ کی خدمت میں واپس آ کر اپنی پہلی بات کی تکذیب کر دوں لیکن میں نے ان سے پوچھا "کسی دوسرے کے ساتھ بھی یہ سلوک ہوا ہے جو مجھ سے ہوا ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں دوسرے دو آدمیوں نے بھی وہی کہا ہے جو تم نے کہا ہے اور ان کو بھی وہی حکم ہوا ہے جو تمہیں ہوا ہے۔" میں نے کہا "وہ کون ہیں؟" انہوں نے کہا: ایک مرارہؓ بن ربیع عامری ہیں، اور دوسرے ہلالؓ بن امیہ واقفی ہیں۔" انہوں نے میرے پاس دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو جنگِ بدر میں حاضر ہوتے تھے۔ میں نے کہا "یہ دونوں میرے لیے نمونہ ہیں۔" ابنِ اسحاق نے "قَدْ شَهِدَا بَدْرًا" کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ جب انہوں نے میرے پاس ان دونوں کا ذکر کیا تو میں بھی اپنی پہلی بات پر پکا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے رہنے والوں میں سے ہم تینوں کا مقاطعہ کر دیا اور مسلمانوں کو ہمارے ساتھ سلام و کلام سے منع فرما دیا۔ آپؐ کا یہ حکم سن کر سب لوگ ہم سے دُور ہو گئے اور ان کی حالت بدل گئی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ زمین بیگانی زمین معلوم ہوتی تھی اور میں سمجھتا تھا کہ یہ زمین وہ زمین نہیں جس کو میں جانتا تھا۔ ہم نے اس حالت میں پچاس دن گزارے۔ میرے دونوں ساتھی کمزور پڑ گئے اور سوائے رونے کے ان کا کوئی کام نہیں تھا وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتے تھے۔ میں چونکہ ان دونوں سے جوان بھی تھا اور بدن میں طاقت بھی تھی میں گھر سے نکلتا مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز باجماعت ادا کرتا، پھر بازاروں میں چلتا پھرتا مگر کوئی آدمی مجھ سے کلام نہ کرتا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور نماز کے بعد آپؐ کو سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں کہتا، کیا حضورؐ نے میرے سلام کے جواب میں اپنے ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے نزدیک کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور چوری چوری آپؐ کی طرف دیکھتا۔ جب میں نماز میں متوجہ ہوتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے اور جب آپؐ کی طرف دیکھتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے۔

جب مجھ سے لوگوں کی یہ جفا دراز ہوئی تو ایک دن میں ابو قتادہؓ کے پاس گیا جو میرے چچا زاد بھائی

تھے اور مجھے سب لوگوں سے محبوب بھی زیادہ تھے۔ میں اُن کے باغ کی دیوار پھلانگ کر ان کے پاس پہنچا اور "السلام علیکم" کہا مگر بخدا! میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا "ابو قتادہ! میں آپکو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ سے محبت رکھتا ہوں"؟ مگر وہ خاموش رہے۔ میں نے دوسری دفعہ اللہ کی قسم دے کر یہی بات کہی، مگر وہ پھر بھی خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری دفعہ قسم دیکر یہ بات کہی، تو انہوں نے صرف یہ کہا "اللہ اور اس کے رسول ؐ بہتر جانتے ہیں"۔ میں ان کی اس سرد مہری کو دیکھ کر رو پڑا اور پہلے کی طرح دیوار پھلانگ کر باغ سے باہر نکل آیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا، میں نے دیکھا کہ شام کا ایک کسان، جو مدینہ میں غلّہ بیچنے آیا تھا، لوگوں سے پوچھ رہا ہے: "کعب بن مالک کا گھر کدھر ہے"؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک ہے۔ وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کی ایک چھٹی دی۔ میں پڑھا لکھا تھا، میں نے وہ چھٹی پڑھی۔ اس میں لکھا تھا: "اما بعد، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے نبی ؐ نے تجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل اور ضائع ہونے سے بچائے۔ اس لیے ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم سے بہتر سلوک کریں گے"۔

میں نے یہ چھٹی پڑھ کر اپنے دل میں کہا، یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ ابن اسحاق نے یہ لفظ زیادہ لکھے ہیں: "مجھے اتنی تکلیف پہنچی — کہ ایک مشرک مجھے دین سے پھیرنے کی آس لگائے بیٹھا ہے۔ پھر میں نے وہ چھٹی تنور میں جلا کر خاک سیاہ کر دی"۔

جب پچاس راتوں سے چالیس راتیں گزریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایلچی آیا اور کہنے لگا "اللہ کے رسول ؐ نے تجھے حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ"۔ میں نے پوچھا "کیا میں اس کو طلاق دے دوں"؟ بولا "نہیں، بلکہ اس سے الگ رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ آپ ؐ نے تیرے ساتھیوں کی طرف بھی یہی حکم بھیجا ہے"۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا "جب تک اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ نہیں ہوتا تم اپنے میکے چلی جاؤ"۔ کعب ؓ کہتے ہیں: یہ حکم سن کر ہلال ؓ بن امیہ کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی "یا رسول اللہ ؐ! ہلال بن امیہ بہت ضعیف ہے، خدمت کرنے کے لیے اس کے پاس خادم نہیں ہے۔ میں اس کی خدمت کردں، تو

آپؐ اس کو ناپسند فرماتے ہیں؟" آپؐ نے جواب دیا:"نہیں، مگر وہ تمہارے قریب نہ جائے۔" بولی: "بخدا! اس میں اس کی حرکت تک نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے اس کا مقاطعہ ہوا ہے، آج تک گھر میں پڑا روتا رہتا ہے۔"

کعبؓ کہتے ہیں، مجھ سے کسی عزیز نے کہا: "جس طرح آپؐ نے ہلالؓ کی بیوی کو اس کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے، تم بھی آپؐ سے اپنی بیوی کے لیے اجازت لے لو۔" میں نے کہا: "خدا کی قسم! میں اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا، میں نوجوان آدمی ہوں معلوم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں گے۔" اس کے بعد دس راتیں اور گزریں اور ہمارے مقاطعہ پر پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔ میں صبح کی نماز پڑھ کر اپنے مکان کی چھت پر اسی حالت میں بیٹھا تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔ "ضَاقَتْ عَلَيَّ نَفْسِي وَضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ"۔ "میری جان بھی میرے لیے تنگ ہو گئی تھی، اور زمین بھی باوجود فراخ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔" ابن اسحاق نے یہ لفظ زیادہ کیے ہیں: "میں نے اپنے گھر کی چھت پر ایک خیمہ لگا لیا تھا، اور میں اس میں رہتا تھا۔ میں نے سلع پہاڑ پر کسی کو بلند آواز سے کہتے سنا "کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو"، میں سجدہ میں گر پڑا، اور جان لیا کہ ہماری مشکل حل ہو گئی ہے۔" کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہمیں خوشخبری سنانے کے لیے مسجد سے نکلے، میرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے گئے، میری طرف تو ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑا اور اسلم قبیلہ کا ایک آدمی پیدل بھاگا، جب اس نے دیکھا کہ گھوڑا اس سے آگے نکلا جا رہا تھا، تو اس نے سلع پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے بشارت دی، آواز گھوڑے سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ آدمی آیا، جس کی آواز میں نے سنی تھی، تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر بشارت کی خوشی میں اس کو دے دیئے۔ میرے پاس اس وقت دوسرے کپڑے نہیں تھے، میں نے مانگ کر دو کپڑے پہنے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ راستہ میں مجھے لوگ فوج در فوج ملتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دیتے تھے اور کہتے تھے: "اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول ہونے پر تمہیں مبارک ہو۔" کعبؓ کہتے ہیں: جب میں مسجد میں داخل ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف فرما تھے، اور آپؐ کے اردگرد لوگ بھی بیٹھے تھے۔

مجھے دیکھ کر طلحہؓ بن عبید اللہ دوڑ کر میرے پاس آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ واللہ! مہاجرین میں سے سوائے طلحہؓ کے دوسرا کوئی آدمی اُٹھ کر میرے پاس نہیں آیا۔ میں طلحہؓ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "السلام علیکم" کہا تو دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ خوشی کی وجہ سے چمک رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "خوش ہو جاؤ آج تم پر وہ دن آیا ہے کہ جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اس سے بہتر دن تم پر کوئی نہیں آیا۔" کعبؓ کہتے ہیں، میں نے کہا "یا رسول اللہ! یہ توبہ کی قبولیت آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔" آپؐ نے فرمایا "میری طرف سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرہ اس طرح چمکتا، جیسے وہ چاند کا ایک حصّہ ہے اور ہم نے ایسا بارہا دیکھا ہے، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھا تو میں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو دیتا ہوں!" ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کچھ مال اپنے لیے رکھ لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔" میں نے کہا: "پھر میں خیبر والا مال اپنے لیے رکھتا ہوں!" — پھر کہا "یا رسولؐ اللہ! سچ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی ہے اور میں اپنی توبہ کے شکریہ میں عہد کرتا ہوں کہ میں اپنی پوری زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔" بخدا! جب سے میں نے اللہ کے رسولؐ سے یہ عہد کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو سچ بولنے کی اتنی اچھی توفیق دی ہو جتنی اچھی توفیق مجھے مرحمت فرمائی۔ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سے یہ عہد کیا ہے، آج تک کبھی جھوٹ کا خیال تک دل میں نہیں آیا اور امید کرتا ہوں کہ باقی ماندہ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا!

ہماری توبہ کی قبولیّت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

"لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ـــ اِلٰی قولہٖ
وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" (التوبۃ: ۱۱۷-۱۱۹)

کعبؓ کہتے ہیں "خدا کی قسم! اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے خیال میں مجھ پر اتنا بڑا احسان کبھی نہیں کیا، جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سچ بولنے کی توفیق دے کر کیا اور مجھ سے جھوٹ نہیں بلوایا، ورنہ میں بھی دوسرے جھوٹ بولنے والوں کی طرح ہلاک ہو جاتا۔ جب وحی

نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں کے حق میں اتنی سخت بات کہی جو کسی کے حق میں کبھی نہیں کہی ہوگی۔ ان کے متعلق فرمایا:

"سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ - الاٰیۃ!" (التوبۃ: ۹۵)

کہ: "عنقریب یہ تمہارے پاس آکر اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس لوٹ کر گئے تاکہ تم ان سے اعراض کرو پس تم ان سے اعراض کر لو، یہ پلید لوگ ہیں۔ الخ!"

کعبؓ کہتے ہیں قسمیں کھانے کے بعد جن لوگوں کا عذر اللہ کے رسولؐ نے قبول کر لیا، ہم تین آدمیوں کو ان سے مؤخر کر دیا۔ آپؐ نے ان سے بیعت لی اور ان کے حق میں استغفار بھی کیا، لیکن ہمارے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آنے تک تاخیر کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا"[1] "ان تین آدمیوں کی توبہ بھی قبول ہوگئی ہے جن کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔" اس تاخیر سے ہمارا جنگ سے پیچھے رہنا مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد ہمارا معاملہ ان لوگوں سے مؤخر کرنا ہے جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرما لیا تھا۔ انتہیٰ!

کعبؓ کے اس قول کے متعلق کہ: "انہوں نے میرے پاس ان دو نیک آدمیوں کا ذکر کیا جو جنگِ بدر میں حاضر ہوئے تھے!"

صاحب الہدیٰ نے لکھا ہے کہ اس میں زہری سے وہم ہو گیا ہے۔ اہلِ مغازی اور مؤرخین میں سے کسی نے بھی ان دونوں بزرگوں کا اصحابِ بدر میں نام ذکر نہیں کیا۔ ابنِ اسحاق، ابنِ عقبہ اور واقدی نے ان کا شمار اصحابِ بدر میں نہیں کیا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ بدری کا مقاطعہ نہیں فرمایا، اور نہ انہیں کوئی دوسری سزا دی حالانکہ انہیں راز افشا کرنے کے جرم میں پکڑا گیا تھا کہاں جنگ سے پیچھے رہ جانا، اور کہاں راز افشا کرنے کے جرم میں پکڑا جانا ۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں: میں ہمیشہ اس کی تحقیق اور جستجو میں لگا رہا، یہاں تک کہ مجھے ابوبکر اثرم کا قول مل گیا، جنہوں نے ابنِ شہاب زہری کے فضل، حفظ اور اتقان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "ابنِ شہاب کے علاوہ کسی نے یہ بات نہیں کہی، یہ ان کی غلطی ہے اور غلطی سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

---

[1] التوبۃ: ۱۱۸

فصل

زنا کی حد اور لعان کا بیان

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے، عویمر عجلانی نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا اور جیسا کہ صحیحین اور دوسری کتابوں میں ثابت ہے' آپؐ نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا۔

اسی سال آپؐ نے ایک عورت غامدیہ کو سنگسار کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ وہ آپؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی "یا رسولؐ اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے' میں چاہتی ہوں کہ آپؐ مجھے پاک کر دیں" آپؐ نے فرمایا "واپس جاؤ" وہ دوسرے دن پھر آئی اور یہی بات کہی۔ اگلے دن پھر آئی اور بولی "یا رسولؐ اللہ! مجھے پاک کر دیں شاید جس طرح آپؐ نے ماعز کو واپس کیا تھا' مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں' بخدا! میں تو زنا سے حاملہ ہو چکی ہوں" آپؐ نے فرمایا "اب واپس جاؤ بچہ پیدا ہونے کے بعد آنا" وہ بچہ پیدا ہونے کے بعد آئی اس وقت بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا' کہنے لگی "یا رسولؐ اللہ! یہ بچہ ہے' میں نے اس کا دودھ بھی چھڑا دیا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچہ کسی مسلمان کے سپرد کیا اور اس عورت کے متعلق گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ اس کو اس میں سینہ تک دبا دیا' پھر لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو رجم کر دیں۔ خالدؓ بن ولید نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا، خون کے چند قطرے ان کے منہ پر گرے' تو خالدؓ نے اسے برا بھلا کہا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا "ٹھیرو! خالد! اس کو گالی نہ دو' اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے' اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی لینے والا بھی ایسی توبہ کرے' تو اس کے بھی گناہ دور ہو جائیں" پھر آپؐ نے حکم دیا' اس کا جنازہ پڑھا گیا اور سپردِ خاک کی گئی۔

اسی سال حبشہ کے بادشاہ کا انتقال ہوا' اس کا نام اصحمہ تھا۔ مکہ سے ہجرت کر کے مسلمان اس کے پاس گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کی موت کی خبر سنائی، عیدگاہ میں تشریف لے گئے صحابہؓ نے آپؐ کے پیچھے صف باندھی' اور جس طرح کہ صحیحین میں مذکور ہے' آپؐ نے اس پر چار تکبیریں کہیں' ہجرتِ حبشہ کے ذکر میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت امِ کلثومؓ زوجہ عثمانؓ کا انتقال ہوا' اس سے آپؐ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ان کی وفات کے بعد آپؐ نے فرمایا تھا "عثمان! اگر میرے پاس کوئی تیسری لڑکی

ہوتی تو میں اس کو بھی تجھ سے بیاہ دیتا۔" جب اُن کی قبر پر بیٹھے تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپؐ نے فرمایا "تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو؟" ابو طلحہؓ نے کہا "یا رسولؐ اللہ! میں ہوں" آپؐ نے فرمایا "اُس کی قبر میں اترو" اور جس طرح صحیح بخاری میں ثابت ہے، ابوطلحہؓ ان کی قبر میں اُترے!

اسی سال رأس المنافقین عبداللہ بن ابیّ کا انتقال ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس پر نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کو اپنی قمیص بھی پہنائی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑھ کر آپؐ کے آگے کھڑے ہو گئے اور بولے: "یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ ابن ابیّ کا جنازہ پڑھنے لگے ہیں؟ اس نے فلاں دن یہ کہا تھا" اس طرح اس کے اقوالِ قبیحہ گننے لگے۔ آپؐ مسکرائے اور فرمایا "مجھے اختیار دیا گیا ہے، اور میں نے جنازہ پڑھنا پسند کیا ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستّر سے زیادہ دفعہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستّر سے زیادہ دفعہ استغفار کرتا۔" آپؐ نماز پڑھ کر واپس آئے، ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آپؐ پر سورت توبہ کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا[1]" الیٰ... آخر الآیتین "اُن میں سے اگر کوئی مر جائے، تو آپؐ اس کی کبھی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "مجھے اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرأت کرنے سے بڑا تعجب ہوا۔ واللہ ورسولہٗ اعلم!"

جابرؓ روایت کرتے ہیں، عبداللہ بن ابیّ کو قبر میں داخل کرنے کے بعد حضورؐ آئے، اس کو قبر سے نکالنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو قبر سے نکالا گیا۔ آپؐ نے اس کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا، اس کے منہ میں لب مبارک ڈالا اور اپنی قمیص اس کو پہنائی۔ اصل میں اس نے بدر کی جنگ میں اپنی قمیص آپؐ کے چچا عباسؓ کو پہنائی تھی، کیونکہ اُن پر کپڑا نہیں تھا۔ عبداللہ بن ابیّ کی قمیص عباسؓ کے جسم پر پوری اُتری۔ آپؐ نے وہ عباسؓ کو پہنائی۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اسے پہنائی۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں "اس کا آپؐ پر احسان تھا، اور اس طرح آپؐ نے اس کا بدلہ اتارا۔"

---

[1] التوبۃ: ۸۴

حمیر کے بادشاہوں سے خط کتابت

اسی سال ۹ھ میں تبوک سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہان حمیر: حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان بن قیل ذی رعین، ہمدان اور معافر کا مکتوب ملا، ان کا یہ مکتوب مالک بن مرہ رہاوی لائے! واقدی لکھتے ہیں زرعہ ذُوبزن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مالک بن مرہ کو شاہان حمیر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے اور شرک سے کنارہ کش ہونے کی خبر دے کر بھیجا۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف جاتے ہوئے فرمایا تھا: مجھے روم اور فارس کے خزانوں کی بشارت دی گئی ہے، اور شاہان حمیر کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی غنیمتیں کھائیں گے۔ جب مالک بن مرہ ان کے مسلمان ہونے کی خبر لے کر آئے، آپؐ نے ان کی طرف درج ذیل مکتوب لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان بن قیل ذی رعین، معافر اور ہمدان کی طرف ہے! امابعد۔ میں تمہیں اس اللہ کی حمد سناتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ امابعد: ارض روم سے واپسی کے بعد تمہارا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس نے مدینہ میں ہمارے ساتھ ملاقات کی ہے۔ تمہارا پیغام پہنچایا ہے! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس کی خبر دی ہے اور تمہارے حلقہ بگوش اسلام ہونے اور مشرکوں کو قتل کرنے سے مطلع کیا ہے۔ یاد رکھو! اگر تم نے عمل صالح کیے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی، نماز قائم کی، زکوٰۃ دی، غنیمتوں میں سے "خمس"۔ اللہ کے نبیؐ کا عام حصہ۔ اور "صفی"۔ خاص حصہ۔ نیز مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے جو زکوٰۃ فرض کی ہے، ادا کرتے رہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت کی اور اپنا راستہ دکھایا۔ اس کے بعد آپؐ نے کھیتی، اونٹوں، گائیوں اور بکریوں کی زکوٰۃ کی تفصیل بیان کی۔ جو زیادہ دے گا وہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور جو صرف فرض ادا کرے، اپنے اسلام کی شہادت دے اور کفار کے مقابلہ میں اہل اسلام کی امداد کرے، وہ مومن ہے، اس کو وہ انعام ملے گا جو دوسرے مسلمانوں کو ملے گا اور اس کو وہ کام کرنے پڑیں گے، جو دوسرے مسلمان کرتے ہیں، جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی دین پر قائم رہنا چاہے، اس کو اس کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اسے جزیہ دینا پڑے گا جس کی

مقدار ہر بالغ مرد یا عورت، آزاد یا غلام پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کپڑے ہیں جو یہ جزیہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو ادا کرے گا اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا عہد ہے اس کو تحفظ دیا جائیگا! اور جو ادا نہیں کرے گا وُہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے زرعہ ذو یزن کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب میری طرف سے میرے قاصد معاذؓ بن جبل، عبدؓ اللہ بن زید، مالکؓ بن عبادہ، عقبہؓ بن عامر، مالک بن مرہ اور ان کے دیگر رفقا تمہارے پاس آئیں، تو میں تمہیں ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی وصیّت کرتا ہوں نیز تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے اپنے علاقے سے زکوٰۃ اور جزیہ جمع کر کے میرے قاصدوں کے حوالے کر دو۔ ان کا امیر معاذ بن جبل ہے، یہ تم سے راضی ہو کر واپس آئیں! اما بعد! میں یقیناً اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ پھر معلوم ہو کہ مالک بن مرہ رہاوی نے خبر دی ہے کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مشرکوں کو قتل کیا ہے، اس لیے تمہارے لیے بہتر اجر کی بشارت ہے۔ میں تمہیں حمیر کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہوں! خیانت نہ کرو، اور ایک دوسرے کی امداد کرو۔ اللہ تعالیٰ کا رسولؐ تمہارے اغنیاء اور فقراء کا دوست ہے، زکوٰۃ کا مال محمدؐ اور آل محمدؐ کے لیے حلال نہیں ہے۔ وہ فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے، اور ان پر خرچ کیا جائے گا۔ مالک بن مرہ نے تمہارا پیغام پہنچا دیا ہے اور اچھی طرح رازداری سے کام لیا ہے، میں تمہیں اس کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دیتا ہوں میں نے تمہاری طرف اپنے صحابہؓ میں سے صالح، دیندار اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والے لوگ بھیجے ہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان پر خدا کی نظر ہے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

حمیر کے بادشاہوں اور ان کے ساتھ خط وکتابت کا یہ تذکرہ ابن اسحاق نے کیا ہے!

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذی قعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا ابن سعد نے اس کو مجاہد سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور عکرمہ بن خالد نے ان کی موافقت کی ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ابوبکر صدیقؓ کو ماہ ذی الحج میں بھیجا تھا، ذُوَدی، اور دی اور محمد بن سعد نے بھی یہی لکھا ہے اور اس کی تائید ابن اسحاق کی اس تصریح سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی کے بعد رمضان، شوال اور ذوالقعدہ مدینہ میں رہے، پھر ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا اور ماہ ذی الحج میں انہوں نے حج ادا کیا، واللہ اعلم!

نسیٔ کا بیان

پھر آئندہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذی الحج میں حج کیا اور اسی حج میں فرمایا "زمانہ اپنی اسی حالت میں پھر آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت مقرر فرمائی تھی" یہ اس لیے فرمایا کہ عرب نسیٔ (مؤخر کرنا اور پیچھے ہٹانا) کے عادی تھے۔ محرم کی حرمت کو ماہ صفر کی طرف منتقل کر کے محرم کو حلال کر لیتے تھے پھر اگلے سال حرمت کو ربیع الاوّل کی طرف منتقل کر دیتے تھے اسی طرح یہ حرمت باری باری سال کے سب مہینوں میں گھومتی۔ یہ مجاہد کا قول ہے مگر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ مجاہد کا یہ قول صحیح نہیں نیز ذوالقعدہ میں حج کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اس کا کیا ثبوت ہے ؟ جبکہ قرآن حکیم میں بصراحت مذکور ہے "وَاَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ"[1]! یعنی "لوگوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن اعلان کر دو" اور یہ اعلان حضرت ابوبکرؓ کے حج کے موقعہ پر ہوا۔ اگر یہ حج ذوالقعدہ میں ہوتا ماہ ذی الحج میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ "اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن میں اعلان کر دو"

اور ان کے نسیٔ کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ حرمت سال کے سب مہینوں میں گھومتی تھی۔ اور وہ ہر سال ایک نئے مہینے میں حج کرتے تھے۔ نسیٔ اس کے بغیر بھی ہو سکتی ہے کہ جب وہ ایک سال محرم کی حرمت کو صفر کی طرف منتقل کر کے محرم کو حلال۔ اور اس کی جگہ صفر کو حرام کر لیتے تھے باقی سب مہینے اپنے اپنے ناموں سے اپنے اپنے اوقات میں آتے تھے۔ ماہ صفر کے بعد ربیع الاوّل، ربیع الآخر، آخر تک حلال ہی ہوتے تھے۔ آئندہ سال وہ محرم کو ہی حرام رہنے دیتے اور صفر اور اس کے بعد کے مہینے بدستور حلال رہتے۔ وہ محرم کی جگہ صفر کو اس لیے حرام کرتے تھے تاکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری رہے جو سال میں چار مہینے ہیں۔ وہ پہلے در پہلے حرمت والے تین مہینوں میں سے تیسرے مہینے کی حرمت کبھی اپنے وقت پر برقرار رکھتے اور کبھی اس کو صفر تک مؤخر کر دیتے۔ اور آپؐ نے یہ فرما کر کہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر پھر آیا ہے لوگوں کو بتایا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے محرم کا مہینہ ہی حرام ہے اس کی حرمت کو آگے پیچھے کر کے بدلا نہیں جا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مکہ کی حرمت کے بارہ میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے "اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" یعنی "یہ شہر زمین و آسمان

[1] التوبۃ: ۳

کی تخلیق کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے حرام ہے اور اس کی حرمت قیامت کے دن تک برقرار رہے گی۔"

یہاں بھی یہی فرمایا کہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے۔ الخ العینی بات شرعاً وہی درست ہے، جو پہلے دن زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے اور وہ محرم کی حرمت ہی ہے۔ انتہیٰ!

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں: پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے باقی دن اور شوال، نیز ذوالقعدہ کا پورا مہینہ، مدینہ منورہ میں گزارا ___ پھر ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج مقرر کر کے بھیجا کہ لوگوں کو حج کرائیں۔ اس وقت تک عرب کے سب مشرک حج میں شریک ہوتے تھے۔ ابوبکرؓ اور دوسرے مسلمان حج کے لیے نکلے تو بقول صاحب "مواہب اللدنیہ" اُن کی تعداد تین سو تھی اور ان کے ہمراہ قربانی کے لیے بیس اونٹ تھے۔

ابن اسحاقؒ لکھتے ہیں: ان کے جانے کے بعد سورت براۃ اتری جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان طے شدہ معاہدہ توڑنے کا حکم تھا جس کی رُو سے کفار کو بیت اللہ کے حج کی اجازت تھی اور حرمت والے مہینوں میں کسی کو خوفزدہ کرنے کی ممانعت تھی۔ یہ معاہدہ عام مشرکوں کے لیے تھا، ہاں بعض مخصوص قبائل کے لیے معاہدہ کی مدت مقرر تھی۔ سورت براۃ اسی سلسلہ میں، نیز غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے منافقوں اور ان کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کا پردہ چاک کرنے کے لیے اتری، جو ظاہر میں کچھ تھے اور باطن میں اس کے خلاف کچھ اور چھپا رکھا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام بتا دیے، اور بعض پردۂ خفا میں رہے۔ ابن اسحاقؒ کہتے ہیں: منافقین کے رازہائے دروں کو ظاہر کرنے کی وجہ سے یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں "براۃ" اور آپؐ کے بعد سورت "مبعثرہ" کہلاتی تھی۔

ابوجعفر محمد بن علیؒ سے روایت ہے کہ اس سورت کے نزول کے بعد کسی نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ اس کے اعلان کے لیے ابوبکرؓ کو ہدایت لکھ کر بھیجیں۔ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، اس کا اعلان میری طرف سے میرے گھر کا کوئی آدمی کرے گا۔" پھر آپؐ نے علیؓ بن ابی طالب کو بلا کر فرمایا: "جاؤ، جب لوگ قربانی کے لیے منیٰ میں جمع ہوں، تو سورت براۃ کے ابتدائی حصہ کا اعلان کر دو، اور منادی کر دو کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کر سکے گا، نہ کسی کو ننگے بدن بیت اللہ

کا طواف کرنے کی اجازت ہو گی اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدت معین تک معاہدہ ہے، وہ معاہدہ اس مدت تک پورا کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ آپؐ کی عضباء، اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے اور راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو پوچھا "امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور بن کر؟" بولے "مامور بن کر آیا ہوں" پھر دونوں مکہ مکرمہ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔

امام نسائیؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حج کرنے کے لیے آئے جب مقام عرج میں صبح کی نماز کے لیے اقامت کہی گئی اور حضرت ابوبکرؓ تکبیر کہہ کر نماز شروع کرنے لگے، تو پیچھے سے اونٹنی کی آواز سنی تکبیر کہنے سے رک گئے، اور بولے "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جدعاء، کی آواز ہے، شاید آپؐ حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں، اگر آپؐ ہیں، تو پھر ہم آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں گے" اونٹنی قریب آئی، تو معلوم ہوا اس پر حضرت علیؓ سوار ہیں۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا "امیر بن کر آئے ہیں، یا قاصد بن کر؟" انہوں نے کہا "قاصد بن کر آیا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حج کے اجتماعات میں سورت براۃ پڑھ کر سنانے کے لیے بھیجا ہے" ہم مکہ مکرمہ میں آئے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آٹھ ذوالحج سے پہلے خطبہ دیا جس میں لوگوں کو احکام حج سکھائے وہ فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے، اور لوگوں کے سامنے سورت براۃ پڑھی حتیٰ کہ اس کو ختم کر دیا۔ جب ہم قربانی کے دن واپس آئے، تو حضرت ابوبکرؓ نے پھر خطبہ دیا، اور لوگوں کو طواف افاضہ اور قربانی ذبح کرنے کا طریقہ سکھایا، وہ فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر سورت براۃ کی تلاوت کی اور اس کو ختم کر کے چھوڑا۔ بارہ ذوالحج کو حضرت ابوبکرؓ نے تیسری دفعہ خطبہ دیا، لوگوں کو کنکر مارنے اور مکہ کی طرف واپسی کے احکام بتائے، ان کے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر سورت براۃ پڑھی اور اس کو ختم کیا۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس حج میں ابوبکر صدیقؓ حجۃ الوداع سے پہلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امیر الحج بن کر آئے، اس میں آپؐ نے ان کو چند آدمیوں کے ہمراہ بھیجا کہ وہ قربانی کے دن لوگوں میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ اور نہ کسی کو ننگے بدن بیت اللہ کے طواف کی اجازت ہو گی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ براۃ کا اعلان کریں چنانچہ انہوں نے ہمارے ساتھ منیٰ میں جمع ہونے والے لوگوں میں براۃ کا اعلان کیا، اور منادی کی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور نہ کوئی ننگا

بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے معاہدہ کو ختم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلے سال جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا کیا کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہیں آیا۔ جس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے ساتھ پہلے معاہدہ کے ختم ہونے کا اعلان کیا، اللہ تعالیٰ نے اس بارے قرآن حکیم میں یہ آیت اتاری:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا ۔ الآیۃ" (التوبۃ: ۲۸)

"اے اہلِ ایمان! مشرک پلید ہیں، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں"

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی وجہ سے حمید بن عبدالرحمن کہتے تھے کہ "حج کا بڑا دن قربانی کا دن ہے"۔ زید بن یثیع سے روایت ہے، ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا "آپ حج میں کس کام کے لیے آئے تھے؟" بولے "میں حج میں چار باتوں کا اعلان کرنے آیا تھا: (۱) ایماندار کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا (۲) کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا (۳) اس سال کے بعد مومن اور کافر مسجد حرام میں جمع نہیں ہوں گے (۴) جس کا معاہدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدتِ معین تک ہے، اس کا معاہدہ اس مدت تک پورا کیا جائے گا، اور جس کا معاہدہ معین مدت کے لیے نہیں، اس کو صرف چار مہینہ کی اجازت ہے۔"

صاحب الہدیٰ لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حج سے فرض ساقط ہو گیا، یا ان کا فرضِ حج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا ہوا؟ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج ماہ ذی الحج میں ہوا تھا یا اہلِ جاہلیت کی نسیئ کی وجہ سے، جس میں وہ حرمت والے مہینوں کی حرمت مؤخر کر دیتے تھے، ماہ ذی قعدہ میں ہوا تھا؟ دوسرا مجاہد اور دوسرے لوگوں کا قول ہے، جو صحیح نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہوتے ہی پہلے سال حج کیا تھا، اس میں تاخیر نہیں کی تھی، اور یہی آپ کے طریقہ کے زیادہ لائق ہے۔ جو لوگ چھ یا سات یا آٹھ سن میں حج کی فرضیت بیان کرتے ہیں، ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ"[1] سے دلیل پکڑتے ہیں، اور یہ آیت ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام میں اتری تھی، مگر اس میں حج کے فرض ہونے کا ذکر نہیں۔ اس میں صرف یہ ہدایت

[1] البقرۃ: ۱۹۶

ہے کہ جب حج کرنے لگو تو اس کو پورا کرو، ادھورا نہ چھوڑو۔ حج کی فرضیت پر دلالت کرنے والی یہ آیت ہے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا"[1] اور یہ آیت عام الوفود ۹ھ میں اتری ہے۔ انتہیٰ!

فصل

آنحضرتؐ کی خدمت میں وفودِ عرب کا حاضر ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جعرانہ سے واپسی کے بعد ہی ۸ھ کے آخر میں وفود کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا، تبوک سے فارغ ہو گئے اور بنو ثقیف نے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد بیعت کر لی، تو چاروں طرف سے عربوں کے وفد آنے شروع ہوئے۔ ابنِ ہشام کہتے ہیں، یہ سلسلہ ۹ھ میں شروع ہوا اسی لیے یہ سال 'وفود کا سال' کہلایا۔

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ عموماً عرب، اسلام قبول کرنے میں قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باہمی آویزش کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ قریش لوگوں کے پیشوا، ان کے راہنما، بیت اللہ اور حرم کے پاسبان اور حضرت اسماعیلؑ بن حضرت ابراہیمؑ کی خالص اولاد تھے، اور دوسرے سردارانِ عرب اس کے معترف تھے۔ اور انہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور مخالفت کا بیڑہ اٹھایا تھا، جب مکہ فتح ہوا اور قریش حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، تو عربوں نے سمجھ لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق دینِ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ جعرانہ میں ہوازن کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے، اسی طرح بنو ثقیف اور بنو تمیم کے وفود کا حال بھی پہلے گزر چکا ہے! — ان کے بعد اب بنو عامر بن صعصعہ کا وفد آیا، جو دشمنِ خدا عامر بن طفیل، اربد بن قیس مشہور شاعر لبید کے بھائی، خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم بن مالک پر مشتمل تھا۔ یہی لوگ قوم کے سردار اور شرارت پیشہ شیطان تھے۔ دشمنِ خدا عامر بن طفیل اور اربد بن قیس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غدر کی نیت سے آئے تھے۔ کسی نے کہا، "یا رسول اللہ! عامر بن طفیل آپؐ کی خدمت میں آ رہا ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "آنے دو، اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کو ہدایت دینے کا ہے، تو وہ ہدایت پر آ جائیگا۔"

[1] آلِ عمران: ۹۷

وہ بڑا حسین وجمیل تھا جب آپؐ کے پاس آکر کھڑا ہوا تو سب لوگ دیکھنے اور اس کے حسن وجمال پر تعجب کرنے لگے۔ وہ آتے ہی بولا "اے محمدؐ! اگر میں اسلام قبول کر لوں، تو مجھے کیا دیں گے"؟ آپؐ نے فرمایا: "جو کام مسلمان کرتے ہیں، وہ تمہیں کرنے پڑیں گے اور جو کچھ ان کو ملے گا، وہ تمہیں بھی ملے گا"۔ بولا "اس کو چھوڑیئے، اپنے بعد خلافت کا حق مجھے دیتے ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا "یہ میرے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہے گا دے گا"۔ کہنے لگا "آپؐ کو یہ تسلیم ہے کہ جنگل میں رہنے والے لوگوں پر میری اور شہروں میں رہنے والوں پر آپؐ کی حکمرانی ہو"؟ آپؐ نے فرمایا "ایسا نہیں ہوسکتا"۔ بولا "پھر مجھے کیا دیں گے"؟ آپؐ نے فرمایا "تجھے گھوڑا سوار فوج دیتا ہوں۔ اس کو لے کر کفار کے ساتھ جہاد کرو"۔ کہنے لگا "اس وقت مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اربد سے کہا تھا، میں اس آدمی کو باتوں میں لگاؤں گا جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف سے غافل ہے، تو پیچھے سے تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دینا۔ اربد نے ایسا ہی کیا، موقعہ آنے پر اس نے بالشت بھر تلوار میان سے نکالی، پھر اس کا ہاتھ جواب دے گیا اور وہ تلوار میان سے باہر نہ نکال سکا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو محفوظ رکھا۔ جب آپؐ نے منہ پھیرا تو اربد کو میان سے تلوار نکالتے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا "الٰہی! جس طرح تو چاہتا ہے، مجھے ان دونوں کے شر سے بچا"۔

جب یہ واپس جانے لگے، تو عامر نے اربد سے کہا "تو نے میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا"؟ وہ بولا "تم ہلاک ہو جاؤ، جب میں تلوار چلانے لگتا تو تم آگے آجاتے تھے۔ کیا میں تم پر وار کر دیتا"؟ اربد کا انجام تو یہ ہوا کہ اربد اور اس کے اونٹ پر آسمان سے بجلی گری جس نے دونوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اربد لبید کا ماں کی طرف سے بھائی تھا، اس نے اس کے مرثیہ میں کہا ؎

أخشى على أربد الحتوف ولا ... أرهب نوء السماك والأسد

"میں اربد کی موت سے تو ڈرتا تھا، لیکن یہ خطرہ نہیں تھا کہ سماک اور اسد ستارے کی گردش اسے بھسم کر دیگی"۔

ما إن تعري المنون من أحد ... لا والد مشفق ولا ولد

"موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔ نہ مہربان باپ کو چھوڑتی ہے، اور نہ فرمانبردار بیٹے کو"۔

فجعني الرعد والصواعق ... بالفارس يوم الكريهة النجد

"مجھے بجلی کی کڑک اور شعلہ نے ایسے شاہسوار کی موت کا صدمہ پہنچایا، جو لڑائی کے موقعہ پر بڑا بہادر اور صابر تھا"۔

یاعین هلا بکیت أربد إذ　　　قمنا وقام الخصوم فی کبد

"اے آنکھ! تو اربد پر اس وقت کے لیے کیوں نہیں روتی جب ہم اور دشمن میدانِ جنگ میں روبرو ہوتے ہیں" اس نے یہ بھی کہا ؎

ذهب الذین یعاش فی أکنافهم　　　وبقیت فی خلف کجلد الأجرب

"جن کے زیرِ سایہ خلقِ خدا زندگی بسر کرتی ہے، وہ چلے گئے اور میں خارشی اونٹ کی جلد جیسے نااہل لوگوں میں پیچھے رہ گیا"

لاینفعون ولا یرجّی خیرهم　　　ویعاب قائلهم وان لم یشغب

"جو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ ان سے بھلائی کی توقع ہے، وہ شرارت نہ بھی کریں تب بھی ان کی بات کوئی پسند نہیں کرتا"

إنّ الرزیة لا رزیة مثلها　　　فقدان کلّ أخ کضوء الکوکب

"چاند جیسے روشن رو بھائیوں کی ہلاکت بڑی مصیبت ہے اور اس جیسی کوئی اور مصیبت نہیں"

ابنِ عبدالبر کہتے ہیں: اپنے بھائی کے مرثیہ میں اس نے جو قصیدہ کہا ہے اس میں درج ذیل اشعار بڑے عمدہ ہیں ؎

أعاذل مایدریك إلا تظنّنا　　　إذا رحل السفار من هو راجع

"اے ملامتگر! محض گمان کے سوا تجھے کیا معلوم ہے کہ مسافر جب سفر پر جاتے ہیں تو ان میں سے کون واپس آئے گا؟"

أتجزع مما أحدث الدهر بالفتی　　　وأین کریم لم تصبه القوارع

"تو اس مصیبت سے گھبراتا ہے جو زمانہ نے نوجوان پر ڈالی ہے، مگر دنیا میں ایسا شریف آدمی کہاں ہے جو مصائب سے دوچار نہ ہوا ہو؟"

لعمرك ماتدری الضوارب بالحصیٰ　　　ولا زاجرات الطیر ما الله صانع

"تیری بقا کی قسم! کنکریاں مارنے اور پرندوں کو اڑانے والی غیب کی دعوے دار جادوگرنیاں نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کرنا ہے؟"

وما المرء إلا کالشهاب وضوئه　　　یعود رمادا بعد إذ هو ساطع

"ستارے جیسا روشن رو آدمی، روشنی پھیلانے کے بعد مر کر راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے۔"

وما المرء الا مضمرات من التقی   وما المال الا معمرات ودائع

"آدمی اپنے نفس میں پنہاں پرہیزگاری کی وجہ سے ہی آدمی ہے اور دنیا کا مال تو محض واپس کی جانے والی امانت ہے۔"

ابن اسحاق لکھتے ہیں ایسے ہی حادثہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ" "اللہ تعالیٰ جلانے والی بجلی بھیج کر جس کو چاہتا ہے، ہلاک کر ڈالتا ہے۔"[1]

ایک روایت میں ہے کہ عامر بن طفیل نے دھمکی کے انداز میں کہا "اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں مدینہ کی ہر کھجور کے ساتھ گھوڑا باندھوں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اور قبیلہ کے بیٹے (اوس اور خزرج) تجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" صحیح بخاری میں آتا ہے کہ عامر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "تین چیزوں میں سے جو چاہیں پسند کریں (۱) اہل دیہات پر آپؐ کی اور شہریوں پر میری حکمرانی ہو (۲) آپؐ کے بعد میں خلیفہ بنوں (۳) یا پھر میں بنو غطفان کے ایک ہزار سرخ گھوڑوں اور ایک ہزار سرخ گھوڑیوں پر سوار فوج لے کر مدینہ پر حملہ کروں گا۔" مگر وہ واپسی پر چند دن کے لیے ایک عورت کا مہمان بنا وہیں طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوا اور کہنے لگا "بنو فلاں کی ایک عورت کے گھر اونٹ کی گلٹی کی طرح میری گردن میں گلٹی نکل آئی ہے۔ میرا گھوڑا لاؤ میں گھر چلتا ہوں۔" چنانچہ وہ سوار ہوا اور راستہ میں ہی گھوڑے کی پیٹھ پر مر گیا۔

عبدالقیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عبدالقیس عرب کا بڑا مشہور اور عظیم قبیلہ ہے، یہ عبدالقیس بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار کی طرف منسوب ہے صحیحین میں آیا ہے کہ عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے پوچھا "تم کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟" بولے "ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "اس وفد کو خوش آمدید کہتا ہوں، جو ذلت اور پشیمانی اٹھانے سے پہلے آ گیا ہے۔" وہ کہنے لگے "یا رسول اللہ! ہمارے اور آپؐ کے درمیان مضر کے کفار آباد ہیں، اس لیے ہم کسی حرمت والے مہینے میں ہی آپؐ کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں۔ آپؐ ہمیں فیصلہ کن بات بتائیں، جس پر ہم گھر جا کر عمل کریں۔ اپنے پس ماندگان کو بتائیں اور جنت میں داخل ہو جائیں۔" آپؐ نے فرمایا "میں تمہیں چار کام کرنے کا حکم دیتا ہوں، اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: میں تمہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان

[1] الرعد ۱۳:

لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیا ہے ؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نیز اس بات کی گواہی دینا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں! نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت سے خمس ادا کرنا اور میں تم کو کدو، مٹی کے مٹکوں، لکڑی کھود کر بنائے ہوئے اور تارکول سے رنگے ہوئے برتنوں کے استعمال سے منع کرتا ہوں! ان باتوں کو یاد رکھو اور اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی تاکید کرو۔ صحیح مسلم میں یہ لفظ زیادہ ہیں! انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں نقیر کیا ہوتا ہے" ؟ آپ نے فرمایا "کیوں نہیں! تم درخت کا ایک بڑا تنا لے کر کھودتے ہو پھر اس میں کھجوریں اور پانی ڈال دیتے ہو اس میں جوش آکر ٹھیر جاتا ہے اور شراب تیار ہو جاتی ہے، تو اس کو پیتے ہو پھر بے ہوشی کے عالم میں اپنے چچا کے بیٹے کو بھی تلوار مارنے نہیں چوکتے ہو" ان لوگوں میں ایک آدمی کو ایسا ہی زخم لگا تھا وہ کہتا ہے: میں حیا کی وجہ سے وہ زخم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپاتا تھا۔ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! پھر ہم کن برتنوں میں پانی پئیں" ؟ آپ نے فرمایا "چمڑے کے مشکیزوں میں، جن کے منہ رسی سے باندھے جاتے ہیں" بولے: "یا رسول اللہ! ہمارے علاقے میں چوہے بکثرت پائے جاتے ہیں، وہ چمڑے کے مشکیزے کھا جاتے ہیں" آپ نے فرمایا "خواہ ان کو چوہے کھا جائیں" دو یا تین دفعہ یہی فرمایا۔ پھر آپ نے عبدالقیس کے اشج نامی ایک شخص سے کہا "تجھ میں دو باتیں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، حلیمی اور سوچ سمجھ کر کام کرنا۔"

صاحب ہدیٰ لکھتے ہیں: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا مذہب ہے، ایمان ان اقوال اور اعمال کے مجموعے کا نام ہے جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ امام شافعیؒ نے مبسوط میں ایسے ہی لکھا ہے۔ نیز اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے حج کا ان اعمال میں ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ ۱۰ھ میں فرض ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو حنیفہ کا وفد آیا۔ مسیلمہ کذاب بھی ان میں شریک تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: اہل یمامہ کے ایک بزرگ نے بتایا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر بنو حنیفہ کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مگر وہ مسیلمہ کو پیچھے اپنے ڈیرہ پر چھوڑ آئے جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے آپ کے پاس اس کا بھی تذکرہ کیا اور کہا "یا رسول اللہ! ہم اپنا ایک ساتھی ڈیرہ پر اپنی

سواریوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ آئے ہیں" آپؐ نے جو تحائف دوسروں کو دیئے' اس کو دینے کا بھی حکم فرمایا اور کہا "وہ مرتبہ میں تم سے بُرا نہیں' جب کہ وہ اپنے رفقاء کے سامان کی حفاظت کر رہا ہے" جب وہ ڈیرہ پر واپس آئے' تو انہوں نے اس کے حصّہ کے تحائف اس کو دیئے۔ یمامہ پہنچ کر یہ دشمن خدا مرتد ہوگیا' اور خود نبوّت کا دعویٰ کر دیا' اور کہنے لگا "میں نبوّت کے معاملہ میں آپؐ کا شریک کار ہوں کیا جب تم نے میرا ذکر کیا تھا' تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ "وہ مرتبہ میں بُرا نہیں" پھر وہ مسجع کلام کرنے لگا اور قرآن کا مقابلہ کرتا ہوا کہنے لگا "لقد انعم اللہ علی الحبلی' اخرج منھا نسمۃ تسعیٰ' من بین شغاف وحشاء" یعنی "اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر احسان فرمایا ہے کہ اس کے دل کے پردے اور انتڑیوں کے درمیان سے ایک چلتا پھرتا روح نکالا ہے"۔ پھر ان سے نماز معاف کر دی' زنا اور شراب کی جاز دی' وہ حضورؐ کے متعلق شہادت دیتا تھا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ بنو حنیفہ نے اس کو نبی تسلیم کر لیا' اس نے آپؐ کو اس مضمون کا خط لکھا "یہ مکتوب اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے' اللہ تعالیٰ کے رسول محمدؐ کی طرف ہے' اما بعد' مجھے نبوت کے معاملہ میں آپؐ کا شریک بنایا گیا ہے' اس لیے آدھی حکومت ہماری اور آدھی قریش کی ہے مگر قریش انصاف پسند قوم نہیں ہے"۔

جب قاصد نے مسیلمہ کا یہ مکتوب' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لکھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ خط اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کی طرف ہے' جو ہدایت کی پیروی کرے' اس پر سلام۔ اما بعد' زمین اللہ تعالیٰ کی ہے' اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' اس کا وارث بنا دیتا ہے' اور انجام کار متقین ہی کامیاب ہوں گے"۔ آپؐ نے یہ خط سنہ ۱۰ھ کے آخری دنوں میں لکھا تھا۔

صحیحین میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے' جب مسیلمہ کذّاب' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ آیا' تو کہنے لگا "اگر محمدؐ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں' تو میں ان کی اتباع کر لوں گا" اور وہ اپنی قوم کے بہت سے آدمی لے کر آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابتؓ بن قیس کے ساتھ آئے' اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں چھڑی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "اگر تو اطاعت کے لیے مجھ سے چھڑی کا یہ ٹکڑا مانگے گا' تو میں تجھے یہ بھی نہیں دوں گا' تو اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اگر تُو نے اسلام لانے سے روگردانی کی' تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے گا۔ میں تجھے وہی آدمی خیال کرتا

ہوں جس کے بارے میں مَیں نے خواب دیکھا ہے" پھر آپؐ واپس آ گئے اور فرمایا "میری طرف سے ثابتؓ بن قیس تجھے جواب دے گا"۔ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ "میں تجھے وہی آدمی خیال کرتا ہوں جس کے بارہ میں میں نے خواب میں وہ دیکھا ہے جو دیکھا ہے" تو ابوہریرہؓ نے بتایا کہ آپؐ نے فرمایا: "میں ایک دفعہ سویا ہوا تھا، مجھے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن نظر آئے۔ مجھے ان کی وجہ سے بڑی فکر دامنگیر ہوئی تو میری طرف خواب میں وحی اُتری کہ ان پر پھونک مارو۔ مَیں نے ان پر پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی ہے کہ دونوں کنگنوں سے دو جھوٹے آدمی مراد ہیں، جو میرے بعد پیدا ہوں گے: ایک اسود عنسی ہے، اور دوسرا یمامہ کا رہنے والا مسیلمہ کذاب ہے"۔ یہ ابنِ اسحاق کی پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طَےّ کا وفد حاضر ہوا، اُن میں ان کا سردار زید الخیل بھی تھا۔ گفتگو کے دوران آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کر لی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عرب کے جس آدمی کی میرے سامنے فضیلت بیان کی گئی، جب اس سے ملاقات ہوئی، تو وہ اس سے کم نکلا۔ اس کے برعکس زید الخیل کے متعلق جو کچھ سنا تھا، وہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ آپؐ نے زید الخیل کی بجائے اُن کا لقب زید الخیرؓ رکھا، اور فید کا علاقہ اور اس سے ملحقہ زمین اُن کو جاگیر میں دی اور اس کی دستاویز بھی اُن کو لکھ دی۔ ابنِ اسحاق نے لکھا ہے: جب یہ آپؐ سے رخصت ہو کر واپس جانے لگے، تو آپؐ نے فرمایا: "اگر زید مدینہ کے بخار سے بچ نکلا تو پھر اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں"۔ چنانچہ ابھی یمن کے فردہ نامی ایک چشمہ پر ہی پہنچے تھے کہ بخار نے آگھیرا اور راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ ابنِ عبدالبر کہتے ہیں، ان کا حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری وقت میں انتقال ہوا، اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا "زید! تمہاری موت بخار سے واقع ہو گی"۔ چنانچہ یہی ہوا، جب گھر پہنچے، تو بخار میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے حریثؓ اور مکنفؓ اسلام لائے، شرفِ صحبت سے مشرف ہوئے، اور اہلِ ردت کے ساتھ لڑائی میں شرکت کی۔

سنہ ۱۰ھ میں کندہ کا وفد آیا۔ ابنِ اسحاق، ابنِ شہاب سے بیان کرتے ہیں: یہ تعداد میں ساٹھ یا اسّی آدمی تھے۔ اشعث بن قیس بھی ان کے ساتھ آیا تھا۔ انہوں نے کنگھی کی ہوئی تھی، سرمہ لگایا ہوا تھا اور ریشمی کوٹ زیب تن کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپؐ نے پوچھا: ابھی تم نے

اسلام قبول نہیں کیا؟" بولے "کیوں نہیں، ہم مسلمان ہیں" آپؐ نے فرمایا "پھر یہ ریشم کیوں پہن رکھا ہے؟" یہ سنتے ہی انہوں نے ریشمی کوٹ پھاڑ دیئے اور بدن سے اتار کر پھینک دیئے۔

مسند احمد میں اشعثؓ بن قیس سے روایت ہے، ہم لوگ کندہ کے وفد کی صورت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اہلِ وفد مجھے اپنے سے افضل سمجھتے تھے میں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! آپ لوگ ہمارے قبیلہ کندہ سے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں، ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، ہم اپنی ماں کو تہمت نہیں لگاتے اور نہ اپنے نسب کی اپنے باپ سے نفی کرتے ہیں۔" اسی لیے اشعثؓ کہا کرتے تھے "اگر کوئی ایسا شخص میرے پاس لایا جائے گا، جو قریش کے کسی آدمی کی نضر بن کنانہ سے نفی کرتا ہو، تو میں اسے حدِ قذف لگاؤں گا۔"

ھُدیٰ میں لکھا ہے، اس واقعہ سے مندرجہ ذیل فقہی مسائل ثابت ہوتے ہیں:

جو شخص نضر کی اولاد ہے، وہ قریشی ہے۔

جس مال کا استعمال حرام ہے، اس کو تلف کرنا جائز ہے، جیسے مردوں کے لیے ریشمی کپڑے۔ اور اس کو اضاعت نہیں سمجھا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دادی قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتی ہیں، اور وہ کلاب بن مرہ کی ماں ہیں، اسی وجہ سے اشعثؓ نے پوچھا تھا کہ "کیا قریش کا نسب کندہ سے ملتا ہے؟"

جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب ہو، اس نے اپنے باپ کی نفی کی، اور اپنی ماں کو بدکاری کی تہمت لگائی ہے۔

کندہ کا قبیلہ نضر بن کنانہ کی اولاد سے نہیں ہے۔

جو کسی کو اس کے مشہور نسب سے خارج کرے گا، اس کو حدِ قذف لگے گی۔

فروہ بن مسیک مرادی کا وفد

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ فروہ بن مسیک مرادی شاہانِ کندہ سے الگ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا "جنگِ ردم میں تیری قوم کو جو صدمہ پہنچا، وہ تجھے ناگوار گزرا ہے؟" بولے "یا رسولؐ اللہ! میری قوم جیسا صدمہ کس کو ناگوار نہیں گزرے گا؟" آپ نے ان کو مراد، زبید اور مذحج قبائل پر عامل مقرر کیا، اور خالدؓ بن سعید بن عاص کو ان کے ساتھ مصدق بنا کر بھیجا۔ جو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات تک وہیں رہے۔

اسلام سے پہلے قبیلہ مراد اور ہمدان میں ایک جنگ ہوئی تھی جس میں ہمدان نے مراد کو بری طرح سے شکست دی اور جی بھر کر ان کا قتلِ عام کیا تھا اس کا نام ردم کی جنگ ہے، اور فروہ بن مسیک نے اس کے متعلق کہا ہے ؎

مررت علی لفات وھی خوص　　ینازعن الأعنة ینتحینا

"میں تنگ مزاج دھنسی ہوئی آنکھوں والی اونٹنیوں پر داخل ہوا جو بڑی مشکل سے باگیں کھینچ رہی تھیں۔"

فان نغلب فغلابون قدما　　وان نغلب فغیر مغلبینا

"اگر ہم غالب آئیں، تو قدیم زمانہ سے ہی اسی طرح غالب آتے رہے ہیں، اور اگر مغلوب ہوں، تو ایسا محض اتفاقاً ہوتا ہے۔"

وما إن طبنا جبن ولکن　　منایانا ودولة آخرینا

"ہم نے بزدلی اور کمزوری سے شکست نہیں کھائی، بلکہ اس کی وجہ ہماری بدقسمتی اور دوسروں کی خوش بختی ہے۔"

کذاك الدھر دولته سجال　　تکر صروفه حینا فحینا

"زمانہ ایک ڈول کی طرح ہے، کبھی کبھی اس کے تصرفات ایسے بھی ہوتے ہیں۔"

فبینا ما نسر به ونرضی　　ولو لبثت غضارته سنینا

"اگر ہم اس سے خوش ہوتے ہیں، تو سالہاسال اس کی تروتازگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

إذا انقلبت به کرات دھر　　فالفیت الأولی غطوا طحینا

"جب اس کے تصرفات کا شکار ہوتے ہیں، تو گندم کے آٹے کی طرح پس بھی جاتے ہیں۔"

فمن یغبط بریب الدھر منھم　　یجد ریب الزمان له خؤنا

"جو انقلابِ زمانہ سے خوش ہوتا ہے، اسے کبھی، اس کی خیانت اور بدعہدی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

فلو خلد الملوك إذا خلدنا　　ولو بقی الکرام إذا بقینا

"اگر بادشاہ باقی رہے ہوتے، تو ہم بھی ضرور باقی رہتے اور اگر شرفاء کے لیے بقا ہوتی تو ہم بھی محروم نہ رہتے۔"

فأفنى ذلكم سروات قومي　　　كما أفنى القرون الأولينا

"مگر تصرفاتِ زمانہ نے جس طرح پہلوں کو فنا کیا ہے، میری قوم کے سرداروں کو بھی فنا کر دیا ہے۔"

مشہور صحابی عمرو رضی اللہ عنہ بن معدیکرب بھی اپنی قوم زبید کے کچھ آدمی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر فروہ بن مسیک کے عہدِ حکومت میں واپس ہوئے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے، تاہم قسمت نے یاوری کی اور دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عجمیوں سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

بنو اشعر اور اہلِ یمن کا وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ان کے متعلق حضور نے فرمایا تھا: "تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے، جن کے دل تمہارے دلوں سے زیادہ نرم ہیں"۔ چنانچہ اشعر قبیلے کے لوگ یہ شعر پڑھتے ہوئے حاضر ہوئے ؎

غدا نلقى الأحبه　　　محمدا وحزبه

"ہم کل دوستوں سے ملیں گے، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کے لوگ ہیں۔"

امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اہلِ یمن آئے ہیں، ان کے دل بہت نرم ہیں۔ ایمان، اہلِ یمن کا ایمان ہے اور حکمت، اہلِ یمن کی حکمت ہے۔ سکون اور آرام بکریاں پالنے والوں میں ہے، اور فخر اور تکبر اونٹوں کے مالکوں میں ہے جو مشرق کی طرف رہتے ہیں اور شور و غل کے عادی ہیں۔" صحیح بخاری میں عمران رضی اللہ عنہ بن حصین سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: "اے بنو تمیم! خوش ہو جاؤ"۔ وہ بولے: "آپؐ بشارت تو سناتے ہیں، مگر مال نہیں دیتے"۔ یہ سن کر آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ پھر اہلِ یمن کی ایک جماعت آئی، آپؐ نے فرمایا: "اے اہلِ یمن! بنو تمیم نے خوشخبری قبول نہیں کی، تم قبول کرو"۔ بولے: "ہم نے قبول کی"، پھر کہنے لگے: "یا رسول اللہ! ہم آپؐ سے دین سمجھنے اور یہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے کیا چیز موجود تھی؟" آپؐ نے فرمایا: "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا۔" انتہیٰ!

بنو اشعر اور اہلِ یمن اکٹھے نہیں آئے تھے۔ بنو اشعر تو فتح خیبر کے وقت ۷ھ میں ابوموسیٰ

اشعریؓ کے ساتھ آئے تھے' اور اہلِ یمن ۹ھ عام الوفود میں آئے تھے اسی وجہ سے اہلِ یمن اور بنو تمیم کا آپس میں اجتماع ہوا۔

قبیلہ ازد کے وفد میں صردؓ بن عبد اللہ ازدی آئے انہوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ آپؐ نے ان کے قبیلہ کے مسلمانوں پر ان کو امیر مقرر کیا' اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو لے کر یمن کے آس پاس کے مشرک قبائل سے جہاد کریں۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے حکم سے شہر جرش پر فوج کشی کی یہ شہر فصیل کی وجہ سے محفوظ تھا اور عرب کے کچھ قبائل اس میں آباد تھے۔ جب قبیلہ خثعم کے لوگوں نے مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر سنی' تو وہ بھی اس شہر میں آکر پناہ گزین ہو گئے مسلمانوں نے تقریباً ایک مہینہ تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ کامیابی نہ ہوئی تو صردؓ نے محاصرہ اٹھا لیا اور فوج کو واپس چلنے کا حکم دیا۔ جب ان کے "سُکن" نامی پہاڑ کے پاس پہنچے' تو اہلِ جرش نے سمجھا کہ وہ شکست کھا کر جا رہے ہیں' اس لیے وہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب اُن کے نزدیک پہنچے' تو انہوں نے مڑ کر ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ پسپا ہو گئے' اور ان کے بہت سے آدمی تہ تیغ ہوئے۔

اس سے پہلے اہلِ جرش نے امداد طلب کرنے اور مسلمانوں کی قوت کا جائزہ لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی بھیجے تھے۔ وہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے' آپؐ نے پوچھا "شکر پہاڑ کس ملک میں ہے؟" وہ دونوں کھڑے ہو کر بولے "یا رسولؐ اللہ! ہمارے علاقہ میں ایک پہاڑ کو کسر کہتے ہیں" (اہلِ جرش اس کو اسی نام سے پکارتے تھے) آپؐ نے فرمایا "وہ کسر نہیں بلکہ اس کا نام شکر ہے۔" انہوں نے پوچھا "یا رسولؐ اللہ! وہاں کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "اس کے پاس اب قربانی کے جانور ذبح ہو رہے ہیں" تھوڑی دیر کے بعد جب وہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عثمانؓ کے پاس آکر بیٹھے' تو انہوں نے کہا "تم پر افسوس ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کا ذکر کر کے تمہاری قوم کی موت کی خبر دی ہے۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی قوم سے اس عذاب کے دُور کرانے کی دعا کراؤ"! چنانچہ وہ دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے دعا فرمائی "الٰہی! ان سے یہ عذاب اٹھا لے" پھر وہ اسی وقت واپس آئے' تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کا اسی جگہ اور اسی دن قتلِ عام ہوا تھا' جس کا آپؐ نے ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد جرش کا وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا' اور اپنے اسلام کا اعلان کیا' آپؐ نے ان کو اپنے شہر کے پاس

چراگاہ بنانے کی اجازت دی۔ ابنِ اسحاق نے اپنی سیرت میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔

بنو حارث بن کعب کے وفد کی آمد

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰ھ میں خالدؓ بن ولید کو نجران کے علاقہ میں بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا، اور ان کو حکم دیا کہ لڑائی سے پہلے وہ ان کو تین دن اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ ان کی بات مان لیں اور اسلام لے آئیں، تو ان سے قبول کریں، ورنہ ان سے جہاد کریں۔ خالدؓ وہاں پہنچے تو چاروں طرف مبلغ بھیجے جنہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور کہا "لوگو! اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقہ کے سب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور وہ دین قبول کر لیا جس کی انہیں دعوت دی گئی۔ خالدؓ وہاں ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے، اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دینے کے لیے خط لکھا، جواباً آپؐ نے خالدؓ کو واپس آنے کا حکم دیا اور لکھا کہ اپنے ساتھ ان کا ایک وفد بھی لائیں۔ چنانچہ ان کا وفد آیا، جس میں درج ذیل معززین شامل تھے:
(۱) قیس بن حصین ذو الغصہ (۲) یزید بن عبد المدان (۳) یزید بن محجل (۴) عبداللہ بن قراد (۵) شداد بن عبداللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "جب تم جاہلیت میں لڑتے تھے، تو کس چیز سے اپنے مخالفوں پر غلبہ پاتے تھے"؟ انہوں نے کہا "ہم متحد رہتے تھے، اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ کسی پر ظلم کرنے میں پہل کرتے تھے۔" آپؐ نے فرمایا "تم نے درست کہا، اسی میں کامیابی کا راز ہے"۔ آپؐ نے ان پر قیس بن حصین کو امیر مقرر کیا، پھر یہ لوگ اپنی قوم میں واپس آ گئے، اور ان کے واپس آنے کے چار ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

آپؐ کے پاس ہمدان کا وفد آیا، اس میں مالک بن نمط، مالک بن ایفع، ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک شریک تھے۔ تبوک سے واپس آنے کے بعد یہ آپؐ سے ملے۔ انہوں نے دھاری دار قمیص اور عدن کی بنی ہوئی پگڑیاں پہنی ہوئی تھیں، اور مہری اونٹنیوں پر سوار تھے۔ مالک بن نمط نے آپؐ کے سامنے یہ شعر پڑھے ؎

همدان خير سوقة وأقيال　　ليس لها في العالمين أمثال

"ہمدان بہترین رعیت اور شریف شہزادے ہیں، دنیا میں کہیں ان کی مثال نہیں ملتی۔"

محلها الهضب ومنها الأبطال　　لها اطابات بها وأكال

"ان کا مسکن پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں، اور ان سے بڑے بڑے شہ زور پیدا ہوئے ہیں وہاں ان کے لیے بہترین گھر اور عمدہ خوراک ہے۔"

دوسرے نے کہا ؎

الیک جاوزن سواد الریف فی ھبوات الصیف والخریف
مخطمات بحبال اللیف

"یہ اونٹنیاں موسم گرما اور سرما میں سرسبز اور شاداب علاقوں سے گزر کر آپؐ کے پاس آئی ہیں۔ اور انہیں کھجور کی رسیوں کی مہاریں ڈالی ہوتی ہیں۔"

انہوں نے آپؐ سے بڑی فصیح اور بڑی خوبصورت گفتگو کی جو علاقہ انہوں نے مانگا، وہ آپؐ نے ان کو جاگیر کے طور پر دے دیا اور اس کے متعلق ایک دستاویز بھی لکھ دی نیز مالک بن نمط کو ان کا امیر مقرر کیا۔ مالکؓ نے آپؐ کی مدح میں درج ذیل اشعار کہے ؎

ذکرت رسول اللّٰہ فی فحمۃ الدجیٰ ونحن بأعلی رحرحان وصلدد

"میں نے اللہ کے رسولؐ کو سخت اندھیرے میں اس وقت یاد کیا، جب کہ ہم ایک کشادہ اور سخت میدان کے بالائی حصہ میں سفر کر رہے تھے۔"

وھن بنا خوص طلائح تعتلی برکبانہا فی لاحب متمدد

"نقاہت اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہماری اونٹنیوں کی آنکھیں دھنسی ہوتی تھیں اور وہ اپنے سواروں کو ایک وسیع اور پھیلے ہوئے میدان میں سے جا رہی تھیں۔"

علی کل فتلاء الذراعین جسرۃ تمر بنا مر الھجف الخفیدد

"ہم بٹے ہوئے ہاتھوں والی عظیم الجثہ اونٹنیوں پر سوار تھے، اور وہ ہمیں لے کر تیز رفتار لاغر اونٹنیوں کی طرح چل رہی تھیں۔"

حلفت برب الراقصات إلی منیٰ صوادر بالرکبان من ھضب قردد

"میں منیٰ کی طرف خوش خرام اونٹنیوں کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جو اپنے سواروں کو سخت میدان سے واپس لاتی ہیں۔"

بان رسول اللّٰہ فینا مصدق رسول أتی من عند ذی العرش مھتد

"کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی تصدیق کرتے ہیں، وہ رب عرش کے ہدایت یافتہ ایلچی ہیں۔"

فما حملت من ناقة فوق رحلها ابرّ واوفی ذمة من محمد

"آج تک کسی اونٹنی نے محمدؐ سے بڑھ کر نیک سلوک کرنے والا، عہد کا پکا کوئی آدمی اپنی زین پر سوار نہیں کیا۔"

واعطی اذا ما طالب العرف جاءه وامضی بحد المشرفی المهند

"نیز جو سائل کے آنے پر ان سے بڑھ کر دینے والا اور مشرفی قاطع تلوار کی دھار سے زیادہ سرعت کے ساتھ اپنے عزم کو جامۂ عمل پہنانے والا ہو۔"

بیہقیؒ صحیح سند کے ساتھ ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو یمن کی طرف دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ براءؓ کہتے ہیں، میں بھی خالدؓ کے ساتھ تھا۔ ہم برابر چھ مہینے تک ان کو اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر بے سُود! پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا اور ان سے کہا: وہ جا کر خالدؓ کو واپس بھیج دیں۔ ہاں اگر خالدؓ کا کوئی ساتھی پیچھے رہنا چاہے، تو وہ پیچھے رہ سکتا ہے۔ براءؓ کہتے ہیں کہ میں علیؓ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب ہم دشمن کے مقابلہ میں نکلے، تو حضرت علیؓ نے پہلے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر ہمیں ایک صف میں کھڑا کیا اور خود آگے بڑھ کر دشمنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی پڑھ کر سنائی۔ اس کے نتیجہ میں ہمدان کے سارے کے سارے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہمدان کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع دی۔ آپؐ یہ اطلاع پڑھ کر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر کہا: "ہمدان کے لیے سلامتی ہو۔ ہمدان کے لیے سلامتی ہو!" اصل واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپؐ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا، تو میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپؐ مجھے ایسے لوگوں کی طرف بھیج رہے ہیں، جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ میں کم عمر ہوں اور فیصلہ کرنا بھی نہیں جانتا۔" آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھ کر کہا: "الٰہی! اس کی زبان کو حق پر قائم رکھ، اور اس کے دل کو راہِ ہدایت دکھا۔" پھر فرمایا: "علی! جب تیرے پاس دو فریق جھگڑا لائیں، تو جب تک دونوں کی بات نہ سن لو، ان کے درمیان فیصلہ نہ کرنا۔" انتہیٰ!

مزینہ کا وفد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام بیہقیؒ نعمانؓ بن مقرن سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مزینہ کے چار سو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد

جب واپس جانے لگے، تو آپؐ نے فرمایا: "عمرؓ! ان کو زادِ راہ دو۔" انہوں نے کہا: "حضورؐ! میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرے خیال میں یہ لوگ ان سے مطمئن نہیں ہوں گے۔" آپؐ نے فرمایا: "جاؤ ان کو زادِ راہ دو۔" حضرت عمرؓ ان کو لے کر گھر آئے، اور انہیں بالاخانے میں لے گئے۔ اس میں ایک اونٹ بیٹھنے کے قدر کھجوروں کا ڈھیر تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں اس قدر برکت کی کہ ان میں سے سب لوگوں نے اپنی اپنی حاجت کے مطابق کھجوریں حاصل کر لیں۔ نعمانؓ کہتے ہیں، "میں کمرے سے سب سے پیچھے نکلا، میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔"

سنہ ۱۰ھ میں آپؐ کے پاس نجران کا وفد آیا۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ نجران کا یہ وفد مدینہ منورہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد بن جعفر بن زبیر کہتے ہیں: جب نجران کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت تھا، وہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے لگے۔ صحابہؓ نے انہیں منع کرنا چاہا، لیکن آپؐ نے فرمایا: "ان کو نماز پڑھنے دو۔" چنانچہ انہوں نے مشرق رخ ہو کر نماز پڑھی۔ کرز بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا ۶۰ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ ان میں سے چوبیس آدمی اپنی قوم کے سردار تھے۔ پھر ان میں سے تین آدمی اربابِ حل و عقد تھے (۱) عاقب: یہ وفد کا امیر، عاقل اور صاحبِ شوریٰ تھا۔ یہ اسی کے مشورہ پر چلتے تھے اور اس کا حکم مانتے تھے، اس کا نام عبدالمسیح تھا (۲) سید: یہ ان کا جائے پناہ، سفر اور اقامت کا ناظم، نیز ضرورت کے وقت اجتماع کا اہتمام کرنے والا تھا۔ اس کا نام ایہم تھا (۳) ابوحارثہ بن علقمہ: اس کا تعلق بنو بکر بن وائل سے تھا۔ یہ ان کا پادری، عالم، امام اور مدرس تھا۔ یہ ان کو مذہبی کتابوں کی تعلیم دیتا تھا، اس لیے ان میں بڑا عظیم المرتبت اور لائقِ صد تعظیم تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہوں نے اس کو نذرانے اور تحائف دے کر مالا مال کر دیا تھا۔ اس کے علم و فضل کی وجہ سے اس پر انعامات کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس کی خدمت باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔ اس کے کہنے پر انہوں نے متعدد گرجے تعمیر کر دیے۔ جب یہ نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے، تو ابوحارثہ بھی اپنی خچر پر سوار ہو کر ان کے ساتھ چلا۔ اس کے پہلو بہ پہلو اس کا بھائی کرز بن علقمہ بھی چلنے لگا۔ راستہ میں ابوحارثہ کے خچر کو ٹھوکر لگی، تو کرز کہنے لگا: "منحوس آدمی ہلاک ہو!" ــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ بددعا کی! ابوحارثہ نے کہا: "وہ نہیں، بلکہ تو ہلاک ہو۔" وہ بولا: "بھائی جان!

یہ کیوں ہے؟" اس نے کہا "بخدا! یہی وہ اُمّی نبیؐ ہے جس کا اہلِ کتاب انتظار کر رہے ہیں۔" کرز نے کہا "پھر یہ سب کچھ جانتے ہوئے تم حلقہ بگوش اسلام کیوں نہیں ہوتے؟" بولا "یہ عیسائی بادشاہ ہمارا بڑا احترام کرتے ہیں، اور انہوں نے ہمارے گھر میں مال و دولت کے ڈھیر لگا دیئے ہیں اگر میں ان کی رضا کے خلاف یہ قدم اٹھاؤں تو یہ سب مال و متاع چھین لیں گے" کرز کے دل میں بھائی کی بات پیوست ہو گئی اور اس نے بعد میں مناسب وقت پر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

حضورؐ کی مجلس میں یہود و نصاریٰ کا جھگڑا

ابنِ اسحاق، ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں اور مدینہ کے یہودیوں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جھگڑا ہوا۔ یہودیوں نے کہا "ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے" اور عیسائیوں نے کہا "عیسائی تھے۔" اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تکذیب میں یہ آیات نازل فرمائیں:

"يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ - الی قولہ - وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔" (آل عمران: ۶۵-۶۸)

"اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو تورات اور انجیل تو ان کے بعد اتری ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول تک اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا دوست ہے"

اس پر ایک یہودی نے کہا "اے محمدؐ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی عبادت کریں، جس طرح عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں؟" اور ایک عیسائی نے بھی کہا "اے محمدؐ! کیا آپ یہی چاہتے اور ہمیں اسی کی دعوت دیتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "خدا کی پناہ! کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں، یا کسی دوسرے کی عبادت کی دعوت دوں، نہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے لیے بھیجا ہے، اور نہ مجھے اس کا حکم دیا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تردید میں درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ - الی قولہ - اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔" (آل عمران: ۷۹-۸۰)

"کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میری عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کے اس قول تک

کیا وہ تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم دے گا؟"

پھر اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر کیا ہے، جو اس نے ان سے اور ان کے آباؤ اجداد سے لیا اور اس اقرار کو بیان کیا، جو انہوں نے آپؐ کی نبوت کے بارہ میں کیا اور فرمایا:

"وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ" الآیۃ! (آلِ عمران: ۸۱)

محمد بن سہل بن ابی امامہ بیان کرتے ہیں کہ جب نجران کے وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورت آلِ عمران کی ابتدائی اسّی آیتیں نازل فرمائیں۔ انتہیٰ!

عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں عیسائیوں کا اختلاف

ابن اسحاق لکھتے ہیں: وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ "عیسیٰ اللہ ہے" بعض کہتے تھے "وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے" کچھ کہتے تھے "وہ تینوں میں سے تیسرا ہے"۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے، بیماروں کو شفا دیتے، غیب کی باتیں بتاتے اور مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا، حالانکہ یہ سب کچھ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے، ان لوگوں کے لیے نشانی بنانے کے لیے تھا۔ اللہ کا بیٹا ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا، انہوں نے گہوارے میں باتیں کیں، حالانکہ ان سے پہلے کسی انسان نے ایسا نہیں کیا تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے "تینوں میں سے تیسرے" ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے کیا، ہم نے حکم دیا، ہم نے پیدا کیا، ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر وہ ایک ہوتا تو کہتا: میں نے کیا، میں نے فیصلہ دیا، میں نے حکم دیا اور میں نے پیدا کیا۔ وہ تین یہ تھے: اللہ تعالیٰ، عیسیٰ علیہ السلام اور مریمؑ۔ ان کی ان ہی باتوں کی تردید کے لیے قرآنِ مجید اترا۔

دو عیسائی عالموں کو اسلام کی دعوت

جب دو عیسائی عالموں نے آپؐ سے گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا: "اسلام قبول کر لو" بولے: "ہم تو مسلمان ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "تم مسلمان نہیں ہو، اسلام قبول کر لو" بولے: "ہم تو آپؐ کے آنے سے پہلے اسلام لا چکے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "جھوٹ کہتے ہو، تمہیں اسلام لانے سے یہ چیز روکتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کیلئے

لڑکا مانتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے اور خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔" انہوں نے اعتراض کیا، "پھر بتایئے اس کا باپ کون ہے؟" آپؐ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان سب باتوں کے جواب میں سورت آل عمران کی ابتدائی اسّی سے کچھ زیادہ آیتیں نازل فرمائیں چنانچہ فرمایا: "الٓمٓ ﴿﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" یعنی "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہمیشہ قائم و دائم ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی باتوں سے اپنی تنزیہ بیان فرمائی ہے اور ان کی کفریہ باتوں کی تردید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ مخلوق پیدا کرنے، حکم دینے اور معبود ہونے میں اکیلا ہے۔ "اَلْحَيُّ" وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا جبکہ ان کے قول کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام تختہ دار پر وفات پا چکے ہیں۔ "اَلْقَيُّوْمُ" وہ اپنی حکومت میں اپنی جگہ قائم ہے، وہ اس سے کبھی نہیں ہٹے گا اور ان کے قول کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ کر اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور دوسری جگہ چلے گئے ہیں۔ "هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ" یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی رحم میں صورت بنائی گئی جس طرح دوسرے انسانوں کی رحموں میں تصویریں بنائی گئیں۔ اس کا عیسائی بھی انکار نہیں کرتے۔ پھر وہ اللہ کس طرح ہوئے؟ پھر اس نے اپنی تنزیہ اور ان کے خود ساختہ شریکوں سے اپنی وحدانیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" یعنی وہ کفر کرنے والوں سے جب چاہے انتقام لے سکتا ہے۔ اور اپنے بندوں پر حجت قائم کرنے اور ان کے عذر دور کرنے میں حکمت والا ہے۔

"هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ" "اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے آپؐ پر کتاب اتاری اس میں کچھ محکم آیتیں ہیں" یہ رب کی حجت، بندوں کا بچاؤ اور دشمن اور باطل کا جواب ہیں، ان میں کسی تصرف یا کسی طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ "وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" "اور دوسری متشابہ ہیں۔" ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح حلال و حرام کے ذریعہ ان کو آزمایا ہے۔ ان کو باطل کی طرف نہیں پھیرا جائے گا اور نہ حق سے ان کو موڑا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ" "پس جن کے دلوں میں کجی ہے" یعنی ہدایت سے اعراض ہے۔ "فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ" وہ اپنی بدعت اور نو ایجاد رواج کی دلیل مہیا کرنے کے لیے متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اور جو بات کہتے ہیں اس میں شبہ میں مبتلا ہیں۔ "اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ" وہ ایسا کر کے حق میں شک "وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ" اور اپنی گمراہی کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ "وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ" ای الذی اراد

"اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا" حالانکہ اس کا مطلب جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے راسخ فی العلم کہتے ہیں ہمارا تو اس کتاب پر ایمان ہے محکم اور متشابہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے پس اس میں اختلاف کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ یہ ایک ہی بات ہے اور رب واحد کی طرف سے ہے پھر انہوں نے متشابہ آیات کا وہی مطلب بیان کیا جو محکم آیات کے موافق ہے جن کا ایک ہی مطلب ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں لہٰذا کتاب اللہ کی بات ایک ہوئی اور اس نے ایک دوسرے کی تصدیق کی جس سے حجت قائم ہوئی، حق ظاہر ہوا، باطل مٹا اور کفر کا سر کچلا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا يَذَّكَّرُ" (فی مثل ہٰذا) "اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" اور اس جیسے مقام میں صاحب عقل ہی حق پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مثال جیسی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا زندہ ہو جا! پس وہ زندہ ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو خبر تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے وہ حق ہے "فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ" یعنی تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے سچی خبر آئی ہے اس میں شک نہ کرو اگر وہ کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو میں نے اسی طاقت کے ساتھ آدم کو مٹی سے بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا کیا ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام گوشت پوست، خون اور بالوں کا مجموعہ ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام بھی ان ہی چیزوں سے مرکب ہیں لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔

"فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ" یعنی میرے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دینے اور حقیقت حال بیان کرنے کے بعد جو شخص ان کے بارہ میں آپ سے جھگڑے، "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" تو ان سے کہہ دیجئے، آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنے آپ کو اور تمہیں بلائیں۔ اور سب مل کر،

انتہائی صدق دل سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں۔"

ابوعبیدہ کہتے ہیں "نبتہل" کا معنیٰ "ندعو باللعنۃ" ہے "لعنت کی دعا کریں" دوسرے کہتے ہیں "ثم نجتهد فی الدعاء" گڑگڑا کر صدق دل سے دعا کریں"۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: "إِنَّ هَـٰذَا - الخبر الذی جئت بہ عن عیسیٰ - لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ" یقیناً یہ خبر جو آپؐ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دی ہے، یہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے سچی خبر ہے! ــــــ کہ:

"وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" (آل عمران: ٦٢-٦٤)

یعنی "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر اگر منہ پھیر جائیں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو جاننے والا ہے کہہ دیجئے، اے اہل کتاب! آؤ وہ بات مان لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا رب سمجھیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو پھر ان سے برملا کہہ دیں گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے ان کو انصاف کی دعوت دی اور ان کی حجت توڑ دی!

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر آئی، اور آپؐ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کن امر نازل ہوا نیز آپؐ کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ اس کو تسلیم نہ کریں تو ان سے مباہلہ کیا جائے تو آپؐ نے ان کے سامنے مباہلہ کی پیشکش کر دی۔

امام حاکمؒ باسناد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اہلِ نجران کی طرف لکھا:

"ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے رب کے نام سے! - اما بعد ــــــ

میں تمہیں بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں، اور بندوں کی دوستی ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی دوستی کی طرف بلاتا ہوں اگر تم یہ نہیں مانتے تو جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی نہیں مانتے

تو پھر تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔"

جب یہ چھٹی اسقف (لاٹ پادری) نے پڑھی تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا اور مارے خوف کے بے حال ہو گیا۔ پھر اس نے وہ چھٹی نجران کے ایک آدمی کے پاس بھیجی جس کا نام شرحبیل بن وداعہ تھا اور ہمدان کا رہنے والا تھا جب کوئی مشکل پیش آتی تو ایہم، سید اور عاقب کی بجائے پہلے اس کو بلایا جاتا تھا۔ اسقف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی اس کو دیا وہ پڑھ چکا تو اسقف نے پوچھا "ابومریم! اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟" بولا "آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کی اولاد میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا تو میں اس میں آپ کو سوچ سمجھ کر سودمند مشورہ دیتا۔" اسقف نے کہا "ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔" پھر اس نے ایک دوسرے آدمی کو بلایا جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا اور ذی اصبح کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس نے بھی وہی کہا جو شرحبیل نے کہا تھا پھر اس نے بنو حارث بن کعب کے ایک تیسرے آدمی جبار بن فیض کو بلا بھیجا۔ اس نے بھی وہی کہا جو اس سے پہلے شرحبیل اور عبداللہ کہہ چکے تھے۔

جب اتفاق رائے ہو گیا تو اسقف نے گھڑیال بجانے اور گرجوں پر جھنڈے لہرانے کا حکم دیا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جب دن کے وقت کوئی مہم پیش آتی تو وہ اسی طرح کرتے اور جب رات کے وقت ضرورت پڑتی تو وہ گھنٹیاں بجاتے اور گرجوں میں آگ کے شعلے بلند کرتے۔ یہ سن کر یا دیکھ کر اس علاقہ سے جو ایک تیز رفتار سانڈنی سوار کی ایک دن کی مسافت تک پھیلا ہوا تھا اور اس میں ۷۳ بستیاں اور ایک لاکھ بیس ہزار جانباز آباد تھے، دور و نزدیک سے سب لوگ حاضر ہو گئے۔ اسقف نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی پڑھ کر سنائی اور پوچھا "اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے؟" سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ "شرحبیل بن وداعہ، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جائے۔ وہ جو مناسب سمجھیں معاملہ طے کریں۔" امام حاکم نے ان تینوں کے آنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں سوال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس روز آپؐ خاموش رہے، دوسرے دن آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ سے لے کر لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ[1]

تک، انہوں نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان آیات کو سنانے کے بعد اگلے دن آں حضرت

---

[1] آل عمران: ۵۹ تا ۶۱

صلی اللہ علیہ وسلم، حسنؓ اور حسینؓ کو ایک کمبل میں لپیٹ کر مباہلہ کے لیے تشریف لائے آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں، مگر آپؐ کی نو بیویوں میں سے کوئی بھی آپؐ کے ساتھ نہ تھیں۔ یہ دیکھ کر شرجیل نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا: "اگر یہ شخص رسول ہوا اور ہم نے اس سے مباہلہ کیا، تو ہم میں سے روئے زمین پر ایک بچہ بھی نہیں بچے گا۔" انہوں نے کہا "آپ معاملہ فہم اور تجربہ کار ہیں، آپ ہی بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟" وہ بولا "میری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ کو آپؐ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جاتے۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپؐ کوئی بے جا فیصلہ نہیں کریں گے۔" اس کے ساتھیوں نے کہا "جیسا آپ کی مرضی ہو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں"۔ اس کے بعد شرجیل، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "میں آپؐ کے سامنے مباہلہ سے ایک بہتر چیز پیش کرتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا "وہ کیا ہے؟" بولا "ہم آپؐ کو حکم بناتے ہیں، آپؐ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں، ہمیں منظور ہے۔" یہ سن کر آپؐ واپس گھر تشریف لے آئے اور مباہلہ نہیں کیا۔ اگلے دن آپؐ نے ان کو یہ دستاویز لکھ دی۔

دستاویز متعلقہ عہد نامہ

"یہ وہ دستاویز ہے جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو لکھ کر دی!

جب مجھے ان کے پھلوں، سونے، چاندی، غلاموں اور ہر سیاہ و سفید میں اختیار حاصل ہے، تو میں بطور احسان ان سب چیزوں کو ان کے قبضہ میں چھوڑتا ہوں یہ صرف، سال میں دو ہزار حلّے ادا کریں گے، ایک ہزار حلہ ماہ رجب میں اور ایک ہزار حلہ ماہ صفر میں ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ (دس روپے) ہوگی، اگر اس میں کمی بیشی ہوگی، تو وہ نقدی کی صورت میں پوری کی جائے گی، اگر وہ زرہیں، گھوڑے، اونٹ، یا دیگر سامان دینا چاہیں، تو قیمت لگا کر وہ قبول کیا جائے گا، اور حلے ادا کرنے پر اصرار نہیں کیا جائیگا۔

اہل نجران پر میرے بیس یا ان سے کم قاصدوں کو جگہ دینا اور ان کی حفاظت کرنا ضروری ہوگا۔ اور کسی قاصد کو ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ کے لیے نہیں روکا جائے گا۔

یمن میں جنگ کی صورت میں تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ بطور عاریت دینے ان پر لازم ہوں گے، جو جنگ کے بعد واپس کر دیئے جائیں گے اگر ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو جائے گی، تو اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔

اہلِ نجران، ان کے اہل و عیال، مکانات، زمین، باغات اور ہر حاضر اور غائب حتیٰ کہ ان کے عبادت خانوں سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ان کا مذہب نہیں بدلا جائے گا اور نہ ان کا کوئی حق پامال ہوگا۔

ان کے کسی عالم، صوفی اور عبادت خانہ کے ناظم کو اس کے عہدہ سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

ان کی کسی قلیل یا کثیر چیز میں تصرف نہیں کیا جائے گا۔

ان سے زمانہ جاہلیت کی دیت اور خون کا قصاص نہیں لیا جائے گا نہ ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

زرعی پیداوار میں ان سے عشر نہیں لیا جائے گا اور نہ اسلامی لشکر ان کے علاقہ میں داخل ہوگا۔

ان میں سے جو شخص بخوشی فوجی خدمت بجا لائے گا ——— اس کو انصاف کے ساتھ اس کا حصہ دیا جائے گا۔

آئندہ سودی کاروبار منع ہوگا خلاف کرنے والا عہد سے خارج سمجھا جائے گا۔

کسی کو کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔

جب تک اہلِ نجران اس دستاویز میں لکھی ہوئی سب دفعات کی پابندی کریں گے، انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے امن حاصل ہوگا۔ ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ اور انہیں کسی ابتلاء میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

اس دستاویز پر اہلِ نجران کی طرف سے مندرجہ ذیل افراد نے دستخط کیے:

ابوسفیانؓ، غیلانؓ بن عمرو، مالکؓ بن عوف، اقرعؓ بن حابس اور مغیرہؓ۔

جب اہلِ نجران یہ دستاویز لے کر واپس گئے تو اسقف اور شہر کے معززین نے ایک دن کی مسافت پر ان کا استقبال کیا۔ اسقف کے ساتھ اس کا عمزاد بھائی ابوعلقمہ بشر بن معاویہ بھی تھا۔ وفد نے دستاویز اسقف کو دی۔ واپس ہوتے ہوئے وہ اس کو پڑھ رہا تھا کہ بشر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہلاکت کی دعا کی۔ یہ سن کر اسقف نے کہا "خدا کی قسم! تو نے ایک نبی اور رسولؐ کے لیے ہلاکت کی دعا کی ہے۔ بشر نے کہا "اگر یہ بات ہے تو خدا کی قسم! میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس اونٹنی سے نیچے اتروں گا" پھر اس نے اپنی اونٹنی کا رخ مدینہ کی طرف موڑ دیا۔ پادری نے اس کو روکنے کی ہر طرح کوشش کی مگر بشر نے اس کی ایک نہ مانی اور کہا "تیرے منہ سے

جو بات میں نے سنی ہے اب میں دوسری کسی بات پر دھیان نہیں دوں گا۔"

پھر اس نے اسقف کو وہاں چھوڑا اور یہ کہتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا ؎

الیك تغدو قلقا وضينها   معترضا في بطنها جنينها

مخالفا دين النصارىٰ دينها

"میری یہ ڈھیلے تنگ والی اونٹنی جس کے پیٹ میں بچہ ہے دینِ نصاریٰ کو خیر باد کہہ کر آپؐ کی طرف رواں دواں ہے۔"

بشرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اپنی زندگی کے باقی دن آپؐ کے قدموں میں گزارے، اور بالآخر شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نجران کے دو سردار سید اور عاقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کے لیے آئے لیکن ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "ہمیں ان سے مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ خدا کی قسم! اگر ہم نے ان سے مباہلہ کیا اور یہ فی الواقع نبی ہوئے، تو نہ صرف ہم بلکہ ہمارے بعد ہماری اولاد بھی ہلاک ہو جائے گی" پھر انہوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "جس شرط پر آپؐ ہم سے صلح کرنا چاہیں آپؐ کو اختیار ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ نیز ہمارے ساتھ کوئی امانت دار آدمی بھیج دیں۔ معاہدہ کی رُو سے جو رقم ہمارے ذمہ واجب الادا ہو گی، ہم اس کے حوالے کر دیں گے۔" آپؐ نے فرمایا "میں تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیجوں گا، جو فی الحقیقت امانتدار ہے۔" یہ سن کر صحابہؓ میں سے ہر شخص کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ اسے یہ امتیاز حاصل ہو مگر آپؐ نے فرمایا: "اے ابو عبیدہ! اٹھو اور تیار ہو جاؤ" جب وہ اُٹھے تو آپؐ نے فرمایا "یہ شخص اس اُمت کا امین ہے۔"

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ "ایک دن ابو جہل نے کہا اگر اب میں نے محمدؐ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو کچل دوں گا۔ آپؐ نے یہ سنا تو فرمایا: اگر وہ ایسا کرے گا تو فرشتے اسے لوگوں کے سامنے پکڑ کر ہلاک کر دیں گے۔ اگر یہود موت کی تمنا کریں تو فوراً مر جائیں اور دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں اور اگر مباہلہ کے لیے آنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کریں، تو واپس جا کر انہیں مال و اولاد میں سے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ انتہیٰ!"

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل فقہی مسائل ثابت ہوتے ہیں:

حجت قائم ہو جانے کے بعد مخالف اپنی بات پر اڑا رہے تو اس سے مباہلہ کرنا جائز ہے۔ علما سلف میں سے ایک جماعت اس کی قائل اور فاعل رہی ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ باطل پرست، مباہلہ کے بعد ایک سال کے اندر اندر ہلاک ہو جاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی مخلوق کی، اس کی حد سے بڑھ کر، اس طرح تعظیم کرے کہ اس کو عبودیت کے درجہ سے نکال دے، تو وہ مشرک ہے۔ غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے، اور یہ تمام انبیاء (صلوات اللہ وسلامہ علیہم) کی دعوت کے خلاف ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

ابن اسحاق کے اس قول میں کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اہل نجران سے جزیہ اور صدقات لانے کے لیے بھیجا، تناقض ہے کیونکہ صدقہ اور جزیہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور اس سے زیادہ اشکال اس بات میں ہے جو انہوں نے اور دوسرے اہل مغازی نے لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر، یا جمادی الاولی سنہ ۱۰ھ میں خالدؓ بن ولید کو نجران کے قبیلہ بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا، اور ان کو حکم دیا کہ لڑائی سے پہلے ان کو تین دن اسلام کی دعوت دیں! اور یہ واقعہ وفد بنو حارث بن کعب کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے، اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اہل نجران کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور دو ہزار حلّے پر آپؐ سے صلح کی۔

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اہل نجران دو قسم کے تھے۔ عیسائی اور اُمّی (ناخواندہ لوگ) عیسائیوں سے آپؐ نے دو ہزار حلے پر صلح کی، اور امیوں کی طرف آپؐ نے خالدؓ کو بھیجا، یہ لوگ مسلمان ہو گئے، اور ان کا وفد بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا تھا کہ "وہ جنگ میں اپنے دشمنوں پر کس طرح غلبہ پاتے ہیں؟" الخ۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو دونوں فریق کی طرف بھیجا کہ عیسائیوں سے جزیہ اور مسلمانوں سے صدقہ لے آئیں۔

دَوس کا وفد آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ملا۔

عامل روم فروہ بن عمرو جذامی کا وفد آیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: فروہ بن عمرو جذامی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا پیغام بھیجا، اور ایک سفید خچر تحفہ میں دی۔ یہ روم کی

سرحد سے ملحقہ عرب علاقہ کا قیصر کی طرف سے حاکم تھا اور معان شہر میں رہتا تھا جب رومیوں کو اس کے مسلمان ہونے کا پتہ چلا تو اس کو اپنے پاس بلا کر قید کر لیا اور بعد میں تختہ دار پر کھینچ کر قتل کر دیا۔ زہریؒ کہتے ہیں جب اس کو قتل کرنے لگے تو اس نے کہا ؎

بلّغ سراة المسلمین باننی سلم لربی أعظمی ومقامی

"مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میں اپنے رب کا مطیع ہوں اور میری ہڈیاں اور میرا جسم اس کے تابع ہے۔"

بنو سعد بن بکر کا وافد ضمام بن ثعلبہ حاضر ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور اپنا اونٹ مسجد میں بٹھا کر اس کا زانو باندھا پھر نزدیک آ کر بولا: "آپ میں محمدؐ کون ہیں؟" آپؐ اس وقت صحابہؓ میں تکیہ لگا کر لیٹے ہوئے تھے ہم نے کہا: "یہ گورے رنگ کے تکیہ لگا کر لیٹنے والے آپؐ ہیں۔" وہ آپؐ سے مخاطب ہو کر بولا: "اے پسرِ عبد المطلب! میں آپؐ سے ایک بات پوچھتا ہوں اور اس کا حلفیہ جواب لینا چاہتا ہوں، ناراض نہ ہو جائیے گا۔" آپؐ نے فرمایا: "جو دل میں آئے پوچھ لو۔" بولا: "میں آپؐ سے آپؐ کے رب اور آپؐ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں۔" کہنے لگا: "میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں اس مہینہ (رمضان) کے روزے رکھیں؟" آپؐ نے جواب دیا "ہاں"۔ بولا: "میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مالداروں سے زکوٰۃ لیں اور اپنے فقیروں میں تقسیم کریں؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں"۔ اس نے کہا: "جو دین آپؐ لائے ہیں میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں، میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میں قبیلہ بنو سعد بن بکر کا فرد ہوں۔"

ابنِ اسحاق عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو وفد کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے اس طرح بیان کیا۔ اور یہ الفاظ اس سے زیادہ بیان کیے: اس نے کہا: "میں آپؐ سے آپؐ کے خدا، آپؐ سے پہلے لوگوں کے خدا، اور آپؐ سے بعد آنے والے لوگوں کے خدا اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ تعالیٰ نے

آپؐ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اپنے ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں" پھر اس نے اسلام کے تمام فرائض نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور باقی فرائض ایک ایک کر کے پوچھے اور جس طرح پہلے سوال کے متعلق قسم دی تھی اس طرح ہر فرض سے پہلے آپؐ کو قسم دیتا تھا جب اس کے سوالات ختم ہوئے تو بولا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہ تمام فرائض اپنی قوم کو پہنچاؤں گا اور جن چیزوں سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اجتناب کروں گا نہ زیادہ کرونگا اور نہ کم کرونگا" پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا "اگر اس دو مینڈھیوں والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا"! ضمامؓ جسم کے مضبوط، رنگ کے سرخ اور دو مینڈھیوں والے تھے اس کے بعد انہوں نے اونٹ کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہو کر رخصت ہو گئے جب اپنی قوم کے پاس پہنچے تو وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے انہوں نے اپنے منہ سے پہلی بات یہ نکالی کہ "لات اور عزیٰ بری چیزیں ہیں"! لوگ سن کر بولے "ضمام! زبان بند کرو۔ برص، جنون یا جذام سے بچو" بولے "تم پر افسوس ہے یہ نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنا رسولؐ بھیجا ہے، اس پر کتاب نازل فرمائی ہے اور تم کو اس گمراہی سے نکال لیا ہے جس میں تم پھنسے ہوئے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔ میں آپؐ کی طرف سے تمہارے پاس وہ چیزیں لایا ہوں جن کا آپؐ نے حکم دیا ہے اور جن سے آپؐ نے منع فرمایا ہے" بخدا! شام تک ان کے گاؤں میں کوئی مرد یا کوئی عورت ایسی نہیں رہی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں: "ہم نے کسی قوم کا وافد ضمامؓ سے افضل نہیں سنا۔"

اس واقعہ میں حج کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حج فرض ہونے کے بعد آئے مگر یہ صحیح نہیں ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ کسی راوی سے اس واقعہ میں درج ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم!

طارق بن عبداللہ اور ان کی قوم کا وفد آیا۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے: طارق کہتے ہیں: مدینہ منورہ پہنچ کر ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے اس وقت آپؐ منبر پر کھڑے خطاب فرما رہے تھے:

"صدقہ کیا کرو، صدقہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اپنی ماں، باپ اپنی بہن، اپنے بھائی اور علی الترتیب قریبی رشتہ داروں کو دو۔" بنو یربوع یا انصار کا ایک آدمی آیا اور کہنے لگا "یا رسول اللہ! جاہلیت کے زمانہ میں ان لوگوں کے ذمہ ہمارے خون ہیں!" آپ نے فرمایا "اب کوئی ماں اس بنا پر قصور نہ کرے کہ اس کی سزا اس کا لڑکا بھگتے گا۔" یہ تین دفعہ فرمایا!

۹ھ میں بنو تجیب کا تیرہ افراد پر مشتمل ایک وفد آیا۔ یہ قبیلہ بنو سکون کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ یہ اپنے ساتھ اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی لاتے تھے آپ نے فرمایا: "یہ زکوٰۃ واپس لے جاؤ اور اپنے غرباء میں تقسیم کرو۔" وہ بولے "یا رسول اللہ! ہم اپنے فقراء سے بچی ہوئی زکوٰۃ لاتے ہیں"۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! جو کام بنو تجیب کے وفد نے کیا ہے، وہ آج تک عرب کے کسی وفد نے نہیں کیا" آپ نے فرمایا: "ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔" انہوں نے آپ سے دستاویز لکھ کر دینے کا مطالبہ کیا جو آپ نے پورا کر دیا۔ پھر انہوں نے آپ سے قرآن و حدیث کے مسائل سیکھے جس سے آپ کے دل میں ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ آپ نے بلالؓ کو ان کی بہتر طریق پر ضیافت کرنے کا حکم دیا جب واپس جانے لگے، تو آپ نے بلالؓ سے فرمایا "دوسرے وفدوں کی نسبت ان کو اعلیٰ اور قیمتی تحائف دو" جب ان کو تحائف دے چکے، تو پوچھا "تمہارا کوئی اور آدمی بھی باقی ہے؟" کہنے لگے "ہمارا ایک لڑکا باقی ہے، جس کو ہم اپنے ڈیرے پر چھوڑ آئے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "اس کو ہمارے پاس بھیج دو" وہ لڑکا آیا، تو کہنے لگا "یا رسول اللہ! میری ضرورت میرے ان ساتھیوں جیسی نہیں ہے بخدا! میں تو اپنے ملک سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ میرے گناہ بخش دے، میرے حال پر رحم فرمائے اور میری غنا میرے دل میں ڈال دے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا فرمائی "یا اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس پر رحم فرما اور اس کی تونگری اس کے دل میں ڈال دے!" پھر حکم دیا "جس قدر تحفہ اس کے ہر ساتھی کو ملا ہے، اس کو بھی دیا جائے" پھر یہ سب لوگ اپنے وطن واپس چلے گئے! ۱۰ھ منیٰ کے مقام پر آپ سے ملے اور کہنے لگے "ہم آپ کے احسانات کے معترف ہیں" آپ نے پوچھا "جو لڑکا تمہارے ساتھ میرے پاس آیا تھا وہ کیسا ہے؟" بولے "یا رسول اللہ! ہم نے اس جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے، اس پر اس سے زیادہ

قانع ہی سنا ہے خدا کی قسم! اگر لوگ اس کے پاس دنیا کا مال تقسیم کریں، تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔" آپؐ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ پورے کا پورا مرے گا۔" ایک آدمی نے کہا: "یارسولؐ اللہ! کیا ہر شخص پورا پورا نہیں مرتا؟" آپؐ نے فرمایا: "آدمی کے دماغ پر دنیا کے مختلف ہموم اور افکار سوار ہو جاتے ہیں، نہ معلوم وہ دنیا کی کس فکر میں مرے، اللہ تعالیٰ بھی ایسے آدمی کی پرواہ نہیں کرتا۔" وہ سب کہنے لگے "یارسولؐ اللہ! اس نے بڑی اچھی حالت میں زندگی بسر کی ہے۔ دنیا کی اس کو کوئی خواہش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو کچھ دیا ہے، اس پر قانع ہے" جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے اہلِ یمن اسلام سے منحرف ہو گئے، تو اس نے بڑی ہمت سے کام لیا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائی اور اسلام کی خوبیاں ان کے ذہن نشین کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی قوم میں سے ایک فرد بھی اسلام سے مرتد نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس کی ان مساعی سے اطلاع ملی، تو ان کے دل میں اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ آپؓ ہمیشہ اس کے حالات پوچھتے رہتے تھے اور اپنے گورنر زیاد بن اسد کو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا۔

سنہ ۹ھ میں بنو سعد ہذیم بن قضاعہ کا وفد آیا، یہ لوگ بھی یمن کے رہنے والے تھے۔

سنہ ۹ھ میں بنو فزارہ کا وفد آیا۔ ابوالربیع بن سالم اپنی کتاب "الاکتفاء" میں لکھتے ہیں: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک سے واپس آئے، تو بنو فزارہ کا دس سے کچھ زیادہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خارجہ بن حصن، اور عیینہ بن حصن کا بھتیجا حر بن قیس، جو ان سب سے چھوٹا تھا اس میں شریک تھا۔ یہ لوگ بنتِ حارث کے گھر میں فروکش ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر انہوں نے اسلام کا اقرار کیا، یہ بہت قحط زدہ تھے اور انتہائی کمزور اور لاغر اونٹوں پر سوار تھے۔ آپؐ نے ان سے ان کے ملک کا حال پوچھا، تو ایک آدمی کہنے لگا "یارسولؐ اللہ! ہمارا ملک قحط کی زد میں ہے۔ ہمارے جانور مر گئے ہیں، ہمارے باغات سوکھ گئے ہیں اور ہمارے اہل و عیال بھوکوں مر رہے ہیں۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ ہم پر بارانِ رحمت نازل فرمائے۔ آپؐ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کریں، اور آپؐ کا رب آپؐ کے پاس سفارش کرے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سبحان اللہ! تم پر افسوس ہے، میں نے اپنے رب کے پاس سفارش کر دی ہے، مگر ایسی کون سی ہستی ہے، جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ بڑی عظمت والا ہے، اس کی کرسی

نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیر رکھا ہے وہ اس کی عظمت اور جلال سے اس طرح چرچر کرتی ہے جیسے ایک نئی زین سوار کے بوجھ سے چرچر کرتی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری تنگی میں جلد مدد کرنے اور تم پر شفقت کرنے پر ہنستا ہے۔" ایک دیہاتی کہنے لگا: "یا رسولؐ اللہ! ہمارا رب ہنستا بھی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں!" وہ بولا: "پھر ہم اپنے ہنسنے والے رب کی خیر سے محروم نہیں رہیں گے۔" آپؐ اس بدوی کی بات سن کر ہنس پڑے، پھر منبر پر چڑھ کر چند کلمات کہے جس قدر آپؐ استسقا میں ہاتھ اٹھاتے تھے، دوسری کسی دعا میں اتنے اونچے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ آپؐ نے اتنے اونچے ہاتھ اٹھائے کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر یہ دعا کی:

"اللّٰھم اسق عبادك و بہائمك وانشر رحمتك و أحي بلدك الميّت، اللّٰھم اسقنا غيثا مغيثا مريحا مريعا طبقا واسعا عاجلا غير آجل، نافعا غير ضار، اللّٰھم سقيا رحمة لا سقيا عذاب ولا هدم ولا غرق ولا محق، اللّٰھم اسقنا الغيث وانصرنا على الاعداء۔"

"الٰہی! اپنے بندوں اور اپنے چوپایوں پر بارش برسا، اپنی رحمت کو پھیلا دے، اور بے آباد ملک کو آباد کر دے۔ الٰہی! ہم پر مدد کرنے والی، راحت پہنچانے والی اور فصل اُگانے والی بارش نازل فرما جو سارے علاقے کو ڈھانپ لے۔ جلدی آئے، دیر سے نہ آئے، نفع دے اور نقصان نہ پہنچائے۔ الٰہی! رحمت کی بارش ہو، عذاب کی بارش نہ ہو جس سے مکان گر جائیں، جان و مال ڈوب جائیں اور موجودات مِٹ جائیں۔ الٰہی! ہم پر بارش نازل کر اور دشمن پر ہماری مدد فرما!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو اسد کا وفد آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا۔ وابصہ بن معبد اور طلیحہ بن خویلد بھی اس میں شریک تھے۔ اس وقت آپؐ مسجد میں صحابہؓ کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ان کا خطیب کہنے لگا: "یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے ہماری طرف کوئی مبلغ نہیں بھیجا، ہم خود ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور آپؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں، اور ہم اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کے نمائندے

ہیں" محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں یہ آیت اتاری :

"يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ" (الحجرات: ۱۷)

"یہ اسلام لا کر آپؐ پر احسان جتلاتے ہیں، ان سے کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو" انہوں نے آپؐ سے کہانت، اور پرندے اڑا کر یا کنکریاں پھینک کر نیک یا بد معلوم کرنے کے بارہ میں پوچھا تو آپؐ نے ان کو ان چیزوں سے منع فرمایا۔ کہنے لگے "ایک چیز باقی رہ گئی ہے" آپؐ نے فرمایا "وہ کیا ہے؟" بولے "قسمت آزمانے کے لیے لکیریں کھینچنا کیسا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ایک نبی یہ علم جانتا تھا، جو اس نبی کے علم کے مطابق لکیر کھینچ لے، وہ درست ہے"۔

۹ھ میں یمن سے بہراء کا وفد آیا، یہ تیرہ آدمی تھے یہ چند دن مقداد بن عمرو کے ہاں ٹھیرے، فرائضِ دین سیکھے، واپس جانے لگے تو آپؐ نے ان کو تحائف دینے کا حکم دیا۔

۹ھ میں قبیلہ عذرہ کا وفد آیا، یہ بارہ آدمی تھے ان میں ایک حمزہ بن نعمان تھا۔ آپؐ نے پوچھا: "کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟" ایک آدمی نے جواب دیا "ہم اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں، جس سے آپؐ ناواقف نہیں ہیں، ہم آپؐ کے جدِ امجد قصیّ کے ماں کی طرف سے بھائی بنو عذرہ کے لوگ ہیں ہم نے ہی قصیّ کی امداد کی تھی، اور اس کے مخالفوں خزاعہ اور بنو بکر کو مکّہ شہر سے باہر نکالا تھا، ہمارے آپؐ کے ساتھ گہرے روابط اور قریب کی رشتہ داریاں ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرحبا بکم واھلاً! میں آپ لوگوں کو خوب جانتا ہوں" یہ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ آپؐ نے ان کو ملکِ شام کے فتح ہونے، اور ہرقل کے اپنے وطن کی طرف بھاگ جانے کی خوشخبری سنائی۔ نیز ان کو کاہنوں سے باتیں پوچھنے اور بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کے کھانے سے منع فرمایا، نیز ان کو بتایا کہ قربانی کے جانور ذبح کر کے کھایا کرو۔ چند روز کے بعد یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اور تحائف سے ان کی عزّت کی گئی۔

ماہ ربیع الاوّل ۹ھ میں قبیلہ بلی کا وفد آیا، یہ لوگ رویفع بن ثابت بلوی کے ہاں اُترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت کی۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر مرے گا وہ جہنمی ہے" پھر آپؐ نے بہترین تحائف دے کر ان کو رخصت کیا۔ امیرِ وفد ابوضبیب نے کہا "یا رسول اللہ! مجھے ضیافت کا بہت شوق ہے کیا مجھے اس

میں اجر ملے گا؟" آپؐ نے فرمایا"ہاں! تم غنی یا فقیر سے جو نیک سلوک کرو گے اس میں تجھے صدقہ کا ثواب ملے گا" کسی نے پوچھا"یا رسولؐ اللہ! ضیافت کتنے دن ہوتی ہے؟" آپؐ نے فرمایا"تین دن۔ تین دن کے بعد مہمان کو کھلاؤ گے تو یہ صدقہ ہے۔ مہمان کو تمہارے ہاں اتنی دیر نہیں ٹھیرنا چاہیے کہ تم اس سے تکلیف محسوس کرنے لگو۔"

قبیلہ ذی مرہ کا تیرہ آدمیوں پر مشتمل وفد آیا، ان کا امیر حارث بن عوف تھا آپؐ نے ان سے ان کے وطن کا حال پوچھا تو انہوں نے کہا"ہمارے ملک میں سخت قحط پڑا ہوا ہے آپؐ ہمارے حق میں دعا فرمائیں۔" آپؐ نے فرمایا"الٰہی! ان پر بارانِ رحمت نازل فرما!" یہ چند دن کے بعد تحائف لے کر واپس ہوئے، تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے علاقے میں اسی دن بارش ہوئی تھی جس دن آپؐ نے ان کے لیے بارش کی دعا کی تھی۔

شعبان سنہ ۱۰ھ میں خولان کا وفد آیا یہ دس آدمی تھے اور سب ہی مسلمان تھے آپؐ نے پوچھا: "جس بت کی خولان کے لوگ عبادت کرتے تھے اس کا کیا بنا؟" انہوں نے کہا"اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ہمیں دینِ اسلام دے دیا ہے جسے آپؐ لائے ہیں۔ لیکن ایک بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ابھی تک اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ واپس جا کر ان شاء اللہ ہم اسے توڑ دیں گے۔" آپؐ نے ان کو دین کے فرائض کی تعلیم دی، وعدہ پورا کرنے، امانت والے کو اس کی امانت واپس دینے اور ہمسائے سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی اور کسی پر ظلم کرنے سے منع فرمایا۔ پھر ان کو تحائف دیئے یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور وعدہ کے مطابق اپنا بت توڑ دیا۔

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ میں محارب کا وفد آیا۔ جب آپؐ مکی زندگی میں اپنے آپ کو مختلف قبائل پر پیش کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تھے اس وقت انہوں نے سب عربوں سے زیادہ آپؐ سے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان میں سے دس آدمی آکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور پھر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔

۸ھ میں بنو صداء کا وفد آیا جو پندرہ افراد پر مشتمل تھا انہوں نے آپؐ سے اسلام پر بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے۔ ان کے مساعی سے ساری قوم مسلمان ہو گئی اور واقدی کے قول کے مطابق حجۃ الوداع میں ان کے ایک سو آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ میں غسان کا وفد آیا، یہ تین آدمی تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا، آپؐ نے ان کو انعامات دیئے جاتے وقت کہنے لگے "ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، ہماری قوم ہماری بات مانے گی یا نہیں؛ وہ اپنی حکومت کو قائم رکھنے اور قیصر کے دامن میں پناہ لینے کو پسند کرتی ہے"! چنانچہ واقعی ان کی قوم نے ان کی بات نہیں مانی۔ انہوں نے بھی اسلام کو چھپایا حتیٰ کہ دو آدمی اسلام پر فوت ہو گئے۔ تیسرے آدمی نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا! ۔ جنگِ یرموک کے سال حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس آیا، اور انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔

شوال سنہ ۱۰ھ میں سلامان کا وفد آیا، یہ سولہ آدمی تھے۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنے ملک کی خشک سالی کی شکایت کی۔ آپؐ نے ان کے لیے بارش کی دعا کی۔ جب یہ تحائف لے کر واپس آئے تو ان کو خبر ملی کہ جس دن اور جس وقت آپؐ نے ان کے لیے بارش کی دعا کی تھی، اسی وقت ان کے ملک میں بارش برسی تھی۔

عبس کا وفد آیا، تو انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہمارے علماء نے ہمیں آکر بتایا ہے، جو شخص مسلمان ہو کر ہجرت نہ کرے، اس کے اسلام کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر واقعی ہجرت نہ کرنے والے کا اسلام معتبر نہیں، تو ہم اپنے مال مویشی اور جائیدادیں بیچ کر ہجرت کرنے کے لیے تیار ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں، بلکہ تم جہاں کہیں ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، وہ تمہارے عمل ضائع نہیں کرے گا"۔ پھر آپؐ نے ان سے پوچھا "خالد بن سنان کی کوئی اولاد ہے؟" انہوں نے کہا "اس کی کوئی اولاد نہیں۔ اس کی صرف ایک لڑکی تھی، وہ بھی فوت ہو گئی"! ۔ پھر آپؐ نے صحابہ کو خالد بن سنان کے واقعات بیان کیے، اور فرمایا "وہ نبی تھے، ان کو ان کی قوم نے ضائع کر دیا"۔

بنو عامر کا وفد آیا، یہ دس آدمی تھے۔ انہوں نے اسلام کا اقرار کیا، آپؐ نے ان کو ایک تحریر دی، جس میں اسلام کے احکام درج تھے۔ نیز آپؐ کی ہدایت پر ابی بن کعبؓ نے ان کو قرآن مجید پڑھایا۔ پھر یہ تحائف لے کر اپنے وطن کی طرف واپس چلے گئے۔

سنہ ۱۰ھ میں بنو ازد کا وفد حاضر ہوا۔ ابو نعیم نے "معرفۃ الصحابہ" میں، اور حافظ ابو موسیٰ مدینی نے سویدؓ بن حارث سے روایت کی ہے کہ میں اپنی قوم کے وفد میں ساتواں آدمی تھا، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ہماری گفتگو سنی، ہمارے اخلاق کا جائزہ لیا، اور ہمارے لباس پوشاک

کو دیکھا تو آپ بڑے خوش ہوئے اور پوچھا "تم کون ہو"؟ ہم نے کہا "ہم مومن ہیں"۔ آپ مسکرائے اور فرمایا "ہر قوم کی ایک حقیقت ہوتی ہے' تمہاری بات اور تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے"؟ ہم نے عرض کی "ہمارے ایمان کی حقیقت پندرہ چیزوں پر مبنی ہے' ان میں سے پانچ تو آپ کے مبلغوں نے بتائی ہیں' اور ان پر ایمان لانے کی تاکید کی ہے۔ پانچ آپ نے بتائی ہیں' اور ان پر عمل کرنے کے لیے کہا ہے' اور پانچ ہم نے جاہلیت میں اپنائی ہیں' اور اب تک ان پر قائم ہیں' اگر آپ ان میں سے کسی چیز کو ناپسند کریں گے' تو ہم اس کو ترک کر دیں گے"۔ آپ نے پوچھا "وہ پانچ کیا ہیں' جن پر ایمان لانے کی میرے مبلغوں نے تاکید کی ہے"؟ انہوں نے کہا: "انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانے کی تاکید کی ہے"۔ آپ نے پوچھا "وہ پانچ کیا ہیں' جن پر میں نے تمہیں عمل کرنے کے لیے کہا ہے"؟ بولے "آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں' نماز پڑھیں' زکوٰۃ دیں' روزے رکھیں' اور اگر اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے' تو بیت اللہ کا حج کریں"۔ پھر آپ نے پوچھا "وہ پانچ کیا ہیں' جو تم نے جاہلیت میں اپنائی ہیں"؟ کہنے لگے "نعمت پر شکر ادا کرنا' مصیبت کے وقت صبر سے کام لینا' واقع ہونے والی تقدیر پر راضی رہنا' دشمنوں سے جہاد کے وقت صدق دل سے لڑنا اور دشمن کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرنا"۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "یہ لوگ دانا اور عالم ہیں۔ اور انبیاء کی سی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں"! ——— پھر آپ نے فرمایا "میں تمہیں پانچ چیزیں اور بتاتا ہوں' کل بیس چیزیں ہو جائیں گی' جو کچھ تم کہتے ہو' اگر یہ حق ہے' تو وہ چیز جمع نہ کرنا جو تمہارے کھانے کے کام نہ آئے۔ وہ مکان نہ بنانا' جس میں رہائش نہ کر سکو۔ اس چیز پر نہ مرٹنا' جو تم نے کل چھوڑنی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا' جس کی طرف تم نے لوٹنا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے' اور اس گھر میں رغبت کرو' جس میں تم نے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر یہ لوگ آپ سے وداع ہو کر واپس ہو گئے۔ آپ کی وصیت کو یاد رکھا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو المنتفق کا وفد حاضر ہوا۔ امام احمد کے لڑکے عبداللہ نے اپنے والد کی مسند میں لکھا ہے کہ ابراہیم بن حمزہ زبیری نے میری طرف لکھا کہ میں نے یہ حدیث اسی طرح سنی اور پڑھی ہے' جس طرح تیری طرف لکھی ہے' اس لیے میری طرف سے تجھے آگے بیان کرنے کی اجازت ہے۔ مجھے عبدالرحمان بن مغیرہ حزامی نے بیان کیا ہے' اسے عبدالرحمان بن عیاش انصاری

نے بیان کیا ہے، وہ دلہم بن اسود بن عبداللہ عقیلی سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے چچا لقیط رضی اللہ عنہ بن عامر سے روایت کرتا ہے۔ دلہم نے کہا ہے، مجھے میرے باپ اسود بن عبداللہ نے عاصم بن لقیط رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ لقیط رضی اللہ عنہ بن عامر اپنے ایک ساتھی نہیک رضی اللہ عنہ بن عاصم بن مالک بن منتفق کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لقیط رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم آپ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب آپ صبح کی نماز کے بعد لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "لوگو! میں چار دن خاموش رہا تاکہ تم آج میری بات سنو! کیا کسی آدمی کو اس کی قوم نے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ اللہ کے رسول کیا کہتے ہیں؟"

پھر فرمایا: "یہ ممکن ہے کہ کسی آدمی کو اس کے دل کی بات، یا اس کے ساتھی کی بات، یا کوئی گم کردہ راہ شخص غافل کر دے۔ جبکہ مجھ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا میں نے دین پہنچا دیا تھا؟ لہٰذا سن لو، تاکہ تم (میری ان باتوں کو راہنما بنا کر) خوشگوار زندگی بسر کر سکو!" —— پھر آپ نے فرمایا: "لوگو، بیٹھ جاؤ!" —— سب لوگ بیٹھ گئے، لیکن میں اور میرا ساتھی کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ہمیں دیکھ لیا، اور ہماری طرف توجہ فرمائی! —— میں نے عرض کی، "حضورؐ! آپ کے پاس علمِ غیب میں سے کیا ہے؟" چونکہ آپ کی دانست میں یہ سوال کرکے میں لغزش کا مرتکب ہوا تھا، لہٰذا آپ مسکرا دیئے —— پھر فرمایا: "غیب میں سے پانچ چیزوں کی چابیاں تیرے رب نے اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔ چنانچہ انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا!" —— ساتھ ہی آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا۔ میں نے پوچھا: "اللہ کے رسولؐ، یہ پانچ چیزیں کون سی ہیں؟" آپ نے فرمایا: "(۱) موت کا علم —— وہ جانتا ہے کہ تم میں سے کسی کی موت کب واقع ہوگی، لیکن تم اسے نہیں جانتے (۲) منی کے بارہ میں علم، جبکہ وہ رحم کے اندر ہوتی ہے —— اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور تم اسے نہیں جانتے (۳) اس بات کا علم کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اللہ رب العزت جانتا ہے کہ کل تو کیا کرے گا؟ لیکن تمہیں اس کا علم نہیں (۴) بارش کے دن کا علم —— چنانچہ جب تم مایوسی اور خوف کی حالت میں ہوتے ہو، وہ تم پر جھانک رہا ہوتا اور ہنس رہا ہوتا ہے، کہ تمہارا یہ خوف ایک قریبی مدت تک کے لیے ہے —— لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: "تب تو ہم اپنے ہنسنے والے رب کے فضل و مہربانی سے محروم نہیں رہیں گے!" —— جبکہ پانچویں چیز آپ نے یہ بتلائی: "یہ قیامت کا علم ہے، جس کے بارے کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کب آئے گی؟"

میں نے عرض کی: "حضورؐ! ہمیں وُہ بات بتائیں، جس کا آپؐ کو علم ہے اور جو آپؐ لوگوں کو سکھاتے ہیں —— میں اُن لوگوں میں سے ہوں کہ مذحج اور خثعم قبیلے کے لوگ، جو ہمارے ساتھ دوستی اور قرابت رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہماری بات ماننے کے لیے تیار نہیں!" آپؐ نے فرمایا: "تم دنیا میں کچھ وقت گزارو گے، پھر تمہارے نبیؐ فوت ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک چیخ بھیجی جائے گی، جو روئے زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ فرشتے تمہارے رب کے جلو میں ہوں گے اور تمہارا رب زمین پر جلوہ افروز ہوگا، جبکہ شہر خالی ہوں گے۔ پھر تمہارا رب عرش کے پاس سے بارش نازل فرمائے گا، جو ہر مقتول کی قتل گاہ اور ہر میّت کی قبر تک پہنچے گی حتٰی کہ سر کے پاس سے اس کو اٹھا کر بٹھا دے گی۔ پھر تیرا رب ہر شخص سے پوچھے گا: "دنیا میں تیرا کیا معاملہ تھا، تُو نے زندگی کس حال میں گزاری؟" وہ جواب دے گا: "اے میرے رب، کل اور آج!" (یعنی زمین پر ٹھہرنے کی مدت کو کم سمجھتے ہوئے یا تو اُسے ایک دن کے برابر سمجھے گا اور اسے "کل" سے تعبیر کرے گا۔ یا اسے دن کے بعض حصّہ کے برابر سمجھتے ہوئے "آج" سے تعبیر کرے گا۔ نیز وُہ گمان کرے گا کہ "کل" ہی تو اپنے اہل کے پاس تھا، جنھیں "آج" چھوڑ کر آیا ہے!) میں نے عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! ہمارا رب ہمیں کیونکر جمع کرے گا، جبکہ ہوائیں ہمارے جسموں کے اعضا کو منتشر کر چکی ہوں گی، یا درندے انھیں کھا چکے ہوں گے، یا مرورِ ایام سے وُہ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اس کی مثال دیتا ہوں —— کیا تو نے زمین کو نہیں دیکھا؟ وُہ مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی ہے، جسے دیکھ کر تُو خیال کرتا ہے کہ یہ کبھی بھی سرسبز و شاداب نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے، تو وہ گندم اور سبزہ اگانے والی زمین بن جاتی، یا ایک ایسے حوض کی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ جس میں بکثرت پانی جمع ہو۔ اور تُو جہاں سے چاہے، اس میں سے پانی پی سکتا ہے۔ تیرے معبود کی قسم! مردہ زمین کو زندہ کرنے کی نسبت، اللہ ربّ العزّت، پانی میں سے تمہارے جسموں کے اعضاء کو اکٹھا کرنے پر زیادہ قادر ہے۔ چنانچہ تم اپنی قتل گاہوں اور قبروں سے نکل کر اس کی طرف دیکھو گے، اور تمہارا رب تمہاری طرف دیکھتا ہوگا!" میں نے کہا: "اللہ کے رسولؐ! یہ دیکھنا کس طرح ہوگا؟ کہ ہم سے تو زمین بھری پڑی ہوگی، جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ یکتا و تنہا ہے؟" آپؐ نے فرمایا:

"میں اس کی مثال بھی تمھیں اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سے دوں گا — دیکھو، سورج اور چاند (اگرچہ بڑی مخلوقات ہیں، تاہم) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک چھوٹی سی نشانی ہیں۔ چنانچہ ایک ہی وقت میں یہ تمھیں دیکھتے ہیں (یعنی تم ان کے سامنے ہوتے ہو) اور تم سب بھی انھیں یوں دیکھتے ہو کہ اس میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی، اور نہ ہی کوئی دقت پیش آتی ہے۔" میں نے عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! جب ہم اپنے رب سے ملاقات کریں گے، اللہ رب العزت ہم سے کیا سلوک فرمائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "تم اپنے رب کے سامنے یوں پیش ہو گے کہ تمہارے اعمال و افعال اس پر ظاہر اور نمایاں ہوں گے، حتیٰ کہ تمہاری کوئی حرکت بھی اس پر مخفی نہیں ہو گی۔ پھر تیرا رب اپنے دستِ مبارک سے ایک چلّو پانی تم پر چھڑکے گا۔ تمہارے رب کی قسم! اس میں سے ایک قطرہ بھی، کسی چہرہ کو خطا نہیں کرے گا — یہ مسلمان کے چہرہ کو تو سفید چادر کی طرح (بے داغ) بنا دے گا۔ لیکن کافر کی ناک پر نکیل کا نشان بنا دے گا، یوں جیسے سیاہ کوئلہ ہوتا ہے۔ پھر تمہارے نبی ایک طرف کو روانہ ہوں گے اور ان کے پیچھے صالحین چلیں گے۔ سبھی آگ کے پُل پر سے گزریں گے، پھر ان میں سے کسی ایک کا پاؤں آگ کے انگارہ پر پڑے گا، تو بے اختیار اس کے منہ سے "اُف" کی آواز نکل جائے گی۔ پھر تم سب پیاس کی حالت میں اپنے نبیؐ کے حوض پر وارد ہو گے کہ ایسے پیالے تم نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ تیرے معبود کی قسم! جب تم میں سے کوئی ایک اپنا ہاتھ پھیلائے گا، تو اس میں ایک پیالہ آ موجود ہو گا چنانچہ یہ پانی تمھیں بول و براز اور نجاست سے پاک کر دے گا — سورج اور چاند چھُپ جائیں گے اور کوئی بھی انھیں نہ دیکھ پائے گا!" — میں نے کہا: "اللہ کے رسولؐ! ہم کس چیز کے ساتھ دیکھیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "جس طرح کہ اس وقت تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور یہ دیکھنا اس قدر واضح ہو گا، جیسے کہ طلوعِ شمس کے وقت روئے زمین کی ہر چیز چمک اٹھتی ہے۔"

راوی (حضرت لقیطؓ) کہتے ہیں، میں نے عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! ہم اپنی نیکیوں اور برائیوں کا کیسا بدلہ پائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "نیکی کا بدلہ دس مثل اور برائی کا بدلہ ایک مثل، الّا یہ کہ اللہ رب العزت اسے معاف فرما دیں۔" پھر میں نے عرض کی: "اللہ کے

رسولؐ! جنّت اور جہنم کیا چیز ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، "تیرے معبود کی قسم! جنت کے سات دروازے ہیں۔ ہر دو دروازوں کا درمیانی فاصلہ اس قدر ہے کہ ایک سوار ان کے درمیان ستّر سال تک چلتا رہے۔ جبکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، اور اس کے بھی ہر دو دروازوں کا فاصلہ اسی قدر ہے!" پھر میں نے کہا، "اللہ کے رسولؐ! جنّت کی نعمتوں کے بارے کچھ ارشاد فرمائیے!" آپؐ نے فرمایا: "اس میں نہریں جاری ہوں گی ـــــ صاف شفاف شہد کی نہریں، ایسی شراب کی نہریں کہ جس کے پینے سے نہ سر درد کی شکایت ہو اور نہ ندامت کا سامنا کرنا پڑے! ایسے دودھ کی نہریں کہ جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہ ہوگا ـــــ پانی ایسا کہ خراب نہ ہو، اور پھل ہر دم تروتازہ ـــــ علاوہ ازیں پاک بیبیاں!" میں نے عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! کیا ہمارے لیے اس (جنت) میں بیویاں ہوں گی، اور کیا ان میں سے مصلحات بھی ہوں گی؟" فرمایا: "مصلحات، مصلحین کے لیے ہیں!" ـــــ یا یُوں فرمایا کہ "صالحات، صالحین کے لیے ہیں۔ تم ان سے لذت حاصل کرو گے اور وُہ تم سے، جیسے کہ اس دنیا میں تم لذّت حاصل کرتے ہو ـــــ تاہم اولاد نہیں ہوگی!"

لقیطؓ کہتے ہیں، میں نے پوچھا: "اللہ کے رسولؐ! جنت کی وُہ آخری اور انتہائی نعمت کون سی ہوگی، جس تک ہم پہنچیں گے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اس میں ایسی بے شمار نعمتیں ہیں کہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھی نہ ہوں، کانوں نے کبھی سنی نہ ہوں اور قلبِ بشر میں کبھی جن کا خیال تک نہ گزرا ہو!" (اصل نسخے میں مصنفؒ کہتے ہیں، میں نے ایک دوسرے نسخے میں یہ الفاظ بھی پائے ہیں کہ: "فلم یجبه النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم!" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ "انتہا" سے مراد اگر دنیا کی آخری مدت اور انتہا ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر اس سے مراد جنت یا جہنم میں داخلہ کے بعد وُہ انتہا ہے، جس تک انسان پہنچنے والے ہیں، تو کسی کو بھی اپنے اس آخری اور انتہائی مقام کا علم نہیں، اگرچہ انتہا جنت اور جہنم تک ہی ہے) اس پر میں نے کہا: "اللہ کے رسولؐ! ارشاد فرمائیے، میں کس چیز پر آپؐ کی بیعت کروں؟" آپؐ نے اپنا دستِ مبارک پھیلایا اور فرمایا: "نماز قائم کرنے پر، زکوٰۃ ادا کرنے پر اور شرک چھوڑنے پر، کہ تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائے گا!" میں نے عرض کی، "اللہ کے رسولؐ! (کیا اس بیعت کا صلہ ہمیں یہ بھی ملے گا کہ) مشرق اور مغرب کے

درمیان جو کچھ ہے، وہ ہمارے لیے ہو گا؟" آپؐ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ کیونکہ میں آپؐ سے ایک ایسی چیز حاصل کرنے کی شرط کر رہا تھا، جو آپؐ مجھے نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر میں نے کہا: "(چلیے یہی سہی کہ) زمین پر ہم جہاں بھی چاہیں، اتر پڑیں۔ نیز یہ کہ ہر شخص پر اس کے اپنے ہی نفس کا وبال ہو گا؟" یہ سن کر آپؐ نے اپنا ہاتھ دوبارہ پھیلا دیا اور فرمایا: "یہ تیرے لیے جائز ہے!" راوی کہتے ہیں: پھر ہم لوٹے، تو آپؐ نے فرمایا: "بلاشبہ یہ دونوں، بلاشبہ یہ دونوں (دو دفعہ فرمایا) دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ پرہیزگار لوگوں میں سے ہیں۔" اس پر بنو بکر بن کلاب کے ایک شخص کعبؓ بن خداریہ نے پوچھا: "اللہ کے رسولؐ! یہ کون لوگ ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا: "بنو منتفق، بنو منتفق۔ اس کے اہل انہی میں سے ہیں!" راوی کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے۔ اس کے بعد دوبارہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! کیا دورِ جاہلیت میں کسی چل بسنے والے کے لیے بھی کوئی بھلائی ہے؟" لیکن آپؐ کے جواب دینے سے قبل قریش کے ایک صاحب درمیان میں بول پڑے کہ: "تیرا باپ منتفق آگ میں ہے!" یہ سن کر میں نے اپنے چہرے کی جلد اور گوشت کے درمیان گرمی محسوس کی (یعنی مجھے شدید غصہ آیا) کہ لوگوں کے سامنے انہوں نے میرے باپ کے بارے میں ایسی بات کہی ہے۔ میں نے ارادہ کیا، آپؐ سے پوچھوں کہ: "کیا آپؐ کے والد بھی؟ اے اللہ کے رسولؐ!" — پھر میں نے اپنے سوال کو متبادل، نرم الفاظ سے بدل دیا کہ: "اور آپؐ کے اہل؟ اللہ کے رسولؐ!" — آپؐ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میرے اہل بھی! — تو جہاں کہیں بھی کسی عامری، قرشی یا دوسی کی قبر پر جائے، تو اُسے میری طرف سے یہ خوشخبری سنا دے (اگرچہ اُسے بُری لگے) کہ: "تو آگ میں اپنے پیٹ اور منہ کے بل گھسیٹا جاتے گا![1]" (کیونکہ ان مشرکین نے دینِ حنیف کو بدل کر اسے شرک سے آلودہ کیا اور توحید کو چھوڑ کر شرک کے مرتکب ہوئے۔ جبکہ انبیاءؑ کی دعوت سے، جو توحید پر مبنی تھی، لوگوں پر حجت قائم ہو چکی!)[1] میں نے عرض کی: "اللہ کے رسولؐ! اس میں ان کا کیا قصور؟ وہ تو دنیا میں وہی کرتے تھے، جسے وہ پسند کرتے تھے۔ اور ان کا گمانِ غالب یہی تھا کہ وہ نیک لوگ ہیں!" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سات امتوں کے آخر میں ایک نبی بھیجا ہے۔ جس نے اپنے نبی کی نافرمانی کی، وہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور جس نے اپنے نبی کی اطاعت کی، وہ ہدایت یافتگان میں سے ہے!"

---

[1] مصنف نے زیرِ نظر حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی اصل کتاب میں درج فرمائی ہے اور

ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں: "یہ حدیثِ نبویؐ بڑی ہی عظیم و جلیل ہے، جو آں حضرت ﷺ کی عظمت و جلالتِ قدر کے علاوہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپؐ نبوت کے طلبچے میں سے ہو کر نکلے ہیں۔ یہ حدیث صرف عبدالرحمٰن مدنی کے طریق سے معروف ہے۔ ان سے اس حدیث کو ابراہیم بن حمزہ زبیری نے بیان کیا ہے۔ اور یہ دونوں مدینہ کے کبار علماء میں سے ہیں کہ جنھیں صحت و ثقاہت کے لحاظ سے قابلِ حجت سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ امام اہلحدیث محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے ان دونوں سے حجت پکڑی ہے، جبکہ دیگر ائمۂ سنت نے بھی اس حدیث کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ اسے "تلقی بالقبول" کا درجہ دیا، اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے" الخ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نخع کا وفد حاضر ہوا۔ یہی آخری وفد ہے، جو نصف محرم ۱۱ھ میں آیا۔ یہ دو سو آدمی تھے جو مہمان خانہ میں اُترے پھر آپؐ کے پاس آکر اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ اس سے پہلے وہ معاذؓ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، جب آپؐ نے معاذؓ اور ابو موسیٰؓ کو یمن کی طرف بھیجا، اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ علاقہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ یمن کا ملک دو حصوں میں منقسم تھا، اور ہر حصّہ کو مخلاف (صوبہ) کہتے تھے۔ آپؐ نے ان دونوں کو تاکید فرمائی تھی کہ آسانی سے کام لینا، اپنی رعیت پر تنگی نہ کرنا۔ خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔ ایک دوسرے کی بات ماننا، اور باہم اختلاف نہ کرنا۔ آپؐ نے معاذؓ سے فرمایا تھا، تم ایک اہلِ کتاب قوم کے پاس چلے ہو، سب سے پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیں، اگر وہ یہ بات مان لیں، تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان ہی کے مساکین میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر وہ یہ مان لیں، تو ان کے بہترین مال سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ صحیحین میں ابنِ عباسؓ کی روایت میں آیا ہے "مِخلاف" میم کے کسرہ اور خا کی سکون کے ساتھ ہے، اور آخر میں فا ہے، اہلِ یمن ضلع یا صوبہ کو مخلاف کہتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے، آپؐ نے فرمایا "معاذؓ! تم ایک اہلِ کتاب قوم کے پاس چلے ہو، وہ تم سے جنّت کی چابی کے متعلق سوال کریں گے، ان کو بتانا، یہ چابی "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جائے گی، اور راستہ میں اس کو کوئی چیز نہیں روکے گی۔ جو شخص قیامت کے دن یہ چابی صدقِ دل سے لایا، اس کے سب گناہ دھل جائیں گے"۔ معاذؓ نے عرض کی "آپؐ یہ فرمائیے، اگر مجھ سے وہ بات پوچھی گئی، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں، اور میں نے آپؐ سے بھی اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں سنا، تو میں کیا کروں؟" آپؐ

ترجمہ کرتے وقت ہم نے اس تشریح کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ بریکیٹ میں درج شدہ مفہوم مصنف کی اسی تشریح سے ماخوذ ہے (مترجم)

نے فرمایا: "فروتنی اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ تمہارا سر اونچا کرے گا۔ علم کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ کوئی اشکال پیش آئے، تو پوچھ لینا۔ شرم نہ کرنا اور اہلِ علم سے مشورہ لینا۔ پھر اپنی صوابدید سے کام لینا۔ اگر تمہاری نیک نیت ہوئی تو اللہ تعالیٰ تمہیں حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اگر معاملہ واضح نہ ہو تو فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا حتیٰ کہ حق واضح ہو جائے، یا مجھ سے پوچھنا، اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے سے بچنا کیونکہ یہ بدبخت انسانوں کو آگ میں لے جائے گی اور ہر حالت میں نرمی کو اپنا شعار بنانا۔"

ایک روایت میں ہے جب آپؐ نے معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا، تو ان سے پوچھا "کوئی جھگڑا آئے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟" بولے "میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔" آپؐ نے فرمایا: "اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ملے تو؟" کہنے لگے "میں اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔" آپؐ نے فرمایا "اگر سنتِ رسولؐ میں بھی نہ ملے؟" بولے "پھر اپنے علم کے مطابق حق معلوم کرنے کی کوشش کروں گا، اور اس میں کسی طرح کی کمی نہیں کروں گا۔" یہ سن کر آپؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے ایلچی کو صحیح فیصلہ کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔" (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے، ابوموسیٰؓ نے کہا "ہمارے علاقہ میں جَو سے شراب بنتی ہے جس کو 'مِزر' کہتے ہیں، اور شہد کی شراب کو 'بِتع' کہتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟" آپؐ نے فرمایا "جو شراب نشہ پیدا کرتی ہے، وہ حرام ہے۔" اس کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔ ایک دفعہ ملاقات ہوئی تو حضرت معاذؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری سے پوچھا "آپ قرآن حکیم کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں؟" بولے "کھڑے، بیٹھے، سواری پر اور وقفے وقفے سے تلاوت کرتا رہتا ہوں۔" معاذؓ کہنے لگے "میں تو سو رہتا ہوں، پھر قیام کرتا ہوں، اور اپنے سونے میں بھی اپنے قیام کی طرح ثواب کی نیت کرتا ہوں۔" پھر وہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ معاذؓ، ابوموسیٰؓ کی ملاقات کے لیے آئے تو ایک آدمی کو رسیوں میں جکڑا ہوا دیکھا، پوچھا "کیا معاملہ ہے؟" ابوموسیٰؓ نے کہا "یہ شخص یہودی تھا، اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہے۔" معاذؓ بولے "تب تو میں اس کی گردن اُڑا کر ہی دم لوں گا۔" انتہیٰ!

اب ہم وفد کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وفد کے ایک آدمی نے جس کا نام زرارہ بن عمرو تھا کہا "یا رسول اللہ! مجھے اس سفر میں ایک عجیب خواب نظر آیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "وہ کیا؟" وہ کہنے لگا "میں اپنے گھر ایک گدھی

چھوڑ آیا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے ایک سیاہ سُرخی مائل بکری کا بچہ جنا ہے۔" آپؐ نے پوچھا: "کیا تم نے اپنے گھر کوئی حاملہ لونڈی چھوڑی ہے؟" بولا "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا "بس اسی نے بچہ جنا ہے اور وہ تمہارا بیٹا ہے۔" کہنے لگا "پھر وہ سیاہ سُرخی مائل کیوں ہے؟" آپؐ نے اسے اپنے نزدیک بلایا اور پوچھا: "کیا تمہارے جسم پر برص کے داغ ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو؟" بولا "ہاں! خدا کی قسم! ان کو کسی نے نہیں دیکھا، اور نہ آپؐ کے سوا کسی نے ان پر اطلاع پائی ہے۔" پھر اس نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے نعمان بن منذر کو خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے کانوں میں ڈنڈیاں، ہاتھوں میں کنگن اور پیروں میں پازیبیں پہن رکھی ہیں" آپؐ نے فرمایا "وہ عرب کا بادشاہ ہے، تو نے اس کو اچھی حالت اور خوبصورت لباس میں دیکھا ہے۔" اس نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے خواب میں ایک سفید بالوں والی بڑھیا کو زمین سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے" آپؐ نے فرمایا: "یہ باقی ماندہ دنیا ہے!" پھر اس نے کہا: "میں نے زمین سے نکلنے والی ایک آگ دیکھی ہے!" تو آپؐ نے فرمایا "یہ ایک فتنہ ہے جو بعد میں ظاہر ہوگا" بولا "یا رسول اللہ! کیسا فتنہ؟" آپؐ نے فرمایا "لوگ اپنے بادشاہ کو قتل کر دیں گے پھر ان میں بڑا اختلاف پیدا ہو جائے گا اور آپس میں کٹ مریں گے۔ اس میں بدکار اپنے آپ کو نیکوکار سمجھے گا۔ اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون پانی سے بھی زیادہ شیریں ہوگا۔ اگر تیرا لڑکا فوت ہو گیا تو تم اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور اگر تم فوت ہو گئے تو تمہارا لڑکا اس میں مبتلا ہوگا" کہنے لگا "اے اللہ کے رسولؐ! خدا سے دعا کریں کہ میں اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں" آپؐ نے دعا کی اور فرمایا: "یا اللہ! یہ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو" چنانچہ یہ مرگیا اور اس کا لڑکا زندہ رہا۔ یہ حضرت عثمانؓ سے خلافت چھیننے والے باغیوں میں شامل تھا!

(فصل) ذوالخلصہ کا انہدام اور ذوالکلاع حمیری کا قبولِ اسلام

سنہ ۹ ھ میں حضرت جریرؓ بن عبد اللہ کو ذوالخلصہ کا بُت توڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس کا شروع کتاب میں عرب کے بتوں میں ذکر آچکا ہے۔ اسی سال حضرت جریرؓ بن عبد اللہ کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے ذوالکلاع حمیری کے پاس بھیجا گیا۔ ذوالکلاع اور اس کی بیوی خزیمہ بنت ابرہہ بن صباح دونوں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ذوالکلاع کا نام سمیفع تھا۔ ابتداء میں اس کو قبولِ عام حاصل تھا اس نے رَبّ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور لوگ اس کو رَبّ مان کر پوجتے رہے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں

اٹھارہ ہزار غلاموں کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اس نے چار ہزار غلام آزاد کیے تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ سے کہنے لگا: "امیرالمومنین! مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوا ہے میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ گناہ مجھے معاف نہیں فرمائے گا"آپؓ نے پوچھا "وہ کیا گناہ ہے؟" بولا "گناہ یہ ہے کہ ایک دن میں اپنے پرستاروں سے چھپا رہا۔ پھر ایک بلند مکان سے ان پر ظاہر ہوا تو مجھے تقریباً ایک لاکھ انسانوں نے سجدہ کیا" فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا "صدقِ دل سے توبہ کرنے اور بُرائی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے سے مغفرت کی اُمید ہے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا" ایک روایت میں ہے کہ ذوالکلاع نے بارہ ہزار خاندان آزاد کیے ——— جنگِ صفین میں شہادت پائی۔

اسی سال بروز بدھ ۱۰ ربیع الاوّل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر حضرت ابراہیم کا ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا! — ان کو جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر پانی چھڑکا، اور نشانی کے لیے اس پر ایک پتھر رکھا۔ زبیر کہتے ہیں "یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے بقیع میں ان کا جنازہ پڑھا اور بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات پر فرمایا تھا: "دل غمناک ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور ہم صرف وہی بات کہتے ہیں، جو ہمارے رب کو پسند ہے ابراہیم! ہم تمہاری فرقت کے باعث غم سے نڈھال ہیں"۔

اسی سال ابراہیم کی وفات کے دن سورج کو گرہن لگا۔ عربوں کے عقیدہ کے مطابق لوگوں نے کہا، ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید کی اور فرمایا: "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے دو نشان ہیں کسی کی موت یا زندگی سے ان کے گرہن کا کوئی تعلق نہیں!" (رواہ الشیخان) بعض نے کہا ہے کہ سورج کو ۲۸ تاریخ، ابراہیم کی وفات کے دن سنہ ۱۰ھ میں گرہن لگا تھا اسی وجہ سے لوگوں نے کہا تھا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔

جبرائیلؑ کا انسانی شکل میں ظاہر ہونا

اسی سال حضرت جبرائیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں انسانی شکل میں آئے۔ ان کے کپڑے بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے چہرہ بڑا خوبصورت تھا اور بدن سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ ان پر سفر کے نشان نہیں تھے، اور نہ ہی ان کو کوئی پہچانتا تھا وہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے، دونوں ہاتھ اپنے رانوں پر رکھ لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے قیامت کے سوا باقی سوالوں کا جواب دیا اور قیامت کے بارہ میں فرمایا "مسئول اس کے متعلق سائل سے زیادہ کچھ نہیں جانتا" پھر وہ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے آپؐ نے صحابہؓ کو، ان کے واپس لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے مدینہ کا چپّہ چپّہ چھان مارا مگر ان کا کہیں سراغ نہ ملا۔ آپؐ نے فرمایا "جانتے ہو وہ سائل کون تھا؟" سب نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ جانتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "وہ جبرئیلؑ تھے تمہیں دین سکھانے آئے تھے!" — یہ حدیث امام مسلمؒ نے حضرت عمرؓ سے، اور امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

فیروز دیلمیؓ کا اسلام اور اسود عنسی کا قتل

اسی سال فیروز دیلمیؓ مدینہ منورہ آئے، اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنہوں نے ۱۱ھ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی کو قتل کیا تھا۔

عمال کا زکوٰۃ وصول کرنے مختلف علاقوں میں جانا

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے زیرِ نگیں آنے والے سب علاقوں میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عمال کو بھیجا۔ مہاجرؓ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو یمن کے مرکزی شہر صنعا میں بھیجا، مگر ان کے خلاف مدعی نبوت اسود عنسی نے، جو وہاں رہتا تھا بغاوت کی! حضرموت پر والی بنا کر اور وہاں کے صدقات وصول کرنے کے لیے زیادؓ بن لبید بیاضی انصاری کو بھیجا۔ عدیؓ بن حاتم کو بنو طے کا حاکم بنا کر ان کے اور بنو اسد کے صدقات جمع کرنے کے لیے رخصت کیا۔ مالکؓ بن نویرہ کو بنو حنظلہ سے زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا انہوں نے بنو سعد کی زکوٰۃ ان کے دو آدمیوں کو دے دی، ایک جانب زبرقان بن بدر کو، ایک جانب قیس بن عاصم کو، اور بحرین کی طرف علاءؓ بن حضرمی کو بھیجا۔ حضرت علیؓ کو مسلمانوں سے زکوٰۃ اور اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کے لیے اہلِ نجران کی طرف بھیجا۔

حجۃ الوداع کا بیان

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں "ماہ ذی قعدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی تیاری کی، اور لوگوں کو بھی اس کی تیاری کا حکم دیا" تھا! یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے کہ آپؐ نے حج کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ صحیح بخاری میں زیدؓ بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ۱۹ غزوے کیے، اور ہجرت کے بعد ایک ہی حج "حجۃ الوداع" کیا اس کے

بعد کوئی حج نہیں کیا۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کیے دو ہجرت سے پہلے، اور ایک ہجرت کے بعد، اس کے ساتھ عمرہ بھی کیا تھا۔ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد متعدد حج اور عمرے کیے، اور ہجرت سے پہلے آپؐ کے حج اور عمروں کی تعداد معلوم نہیں ہاں مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد آپؐ نے ۱۰ھ میں صرف ایک حج کیا، جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اور ہجرت کے بعد چار عمرے کیے، ماہ ذلقعد میں دو الگ الگ عمرے کیے، اور وہ پورے ہو گئے۔ ایک ۷ھ میں، جو عمرۃ القضاء کے نام سے مشہور ہے، اور دوسرا حنین کی جنگ کے بعد جعرانہ سے، یہ بھی ۸ھ میں ماہ ذلقعد میں ہوا۔ تیسرا حجۃ الوداع کے ساتھ اور چوتھا ماہِ ذلقعد ۶ھ میں حدیبیہ کے سال ہوا، جو مشرکوں کے انکار کی وجہ سے ناتمام رہا!

سفرِ حج کی تفصیل

آپؐ مدینہ منورہ سے ظہر کی چار رکعت نماز پڑھنے کے بعد روانہ ہوئے۔ پھر آپؐ نے سر میں تیل لگایا، کنگھی کی، تہبند باندھا اور بدن پر چادر اوڑھی۔ اس سے پہلے آپؐ نے ہفتہ کے دن، جب ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہ گئی تھیں، خطبہ دیا جس میں احرام کی قسمیں، اس کے واجبات اور سنتیں لوگوں کو سکھائیں۔ صحیحین میں آیا ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی، اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر عصر دو رکعت پڑھی۔ صحیح مسلم میں ہے، جابرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ۱۰ھ میں اعلان کیا کہ آپؐ اس سال حج کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ سب کی غرض یہ تھی کہ آپؐ کو اعمالِ حج ادا کرتے دیکھ کر آپؐ کی اقتدا کریں۔ انتہیٰ!

آپؐ کے ہمراہ حج ادا کرنے والے صحابہؓ کی تعداد

امام بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ آپؐ کے ہمراہ حج پر جانے والے صحابہؓ نوّے ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، اور ایک روایت میں ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ بیان ہوئی ہے۔ جمعرات کو ذوالحج کی پہلی تاریخ تھی، اور آپؐ مدینہ منورہ سے ہفتہ کے دن چلے تھے، اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق ۴ ذوالحج کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، یہ اتوار کا دن تھا، اس طرح آپؐ کو راستہ

میں آٹھ دن لگے تھے، اور حج جمعہ کے دن ہوا تھا۔

اس حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیویوں کو ساتھ لے گئے تھے، اور سب ہی کجاووں میں سوار تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے مالدار صحابہؓ قربانی کے جانور مدینہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ آپؐ نے اپنی قربانی کے گلے میں قلادہ ڈالا تھا، اور اس کو اشعار بھی کیا تھا، وہ رات ذو الحلیفہ میں گزاری۔ صبح کو فرمایا: "آج رات میری طرف میرے رب کا پیغام آیا ہے کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو، اور اعلان کر دو کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ساتھ ہو سکتے ہیں"۔ یہ بخاری میں حضرت عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے، چنانچہ آپؐ نے وہاں مغرب، عشاء، فجر اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس طرح آپؐ کی ذو الحلیفہ میں پانچ نمازیں پوری ہوئیں۔ اس رات آپؐ نے اپنی سب بیویوں سے ہمبستری کی، اور آخر میں ایک غسل فرمایا۔ پھر احرام کے لیے دوسرا غسل کیا، اور اس سے پہلے حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو ایسی خوشبو لگائی جس میں کستوری ملی ہوئی تھی، اس خوشبو کی چمک اور مہک احرام باندھنے کے بعد بھی آپؐ کے سر اور داڑھی مبارک سے دیکھی اور سونگھی جاتی تھی، آپؐ نے اس کو دھو کر زائل نہیں کیا۔ پھر آپؐ نے تہبند باندھا۔ بدن پر چادر اوڑھ کر احرام باندھا اور دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی، پھر آپؐ نے اپنے مصلے پر بیٹھے بیٹھے حج اور عمرہ دونوں کے لیے لبیک پکاری، اور دونوں کا احرام باندھ کر قارن ہو گئے۔ یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے نمازِ ظہر کے علاوہ احرام کے لیے دو رکعت نفل پڑھے ہوں۔ آپؐ قارن تھے، اور صاحبِ ہدی، نے آپؐ کے قارن ہونے کی بیس سے زیادہ دلیلیں ذکر کی ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے، پھر آپؐ اپنی قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے جب وہ "بیداء" کی بلندی پر پہنچی تو میں نے دیکھا، جہاں تک میری نظر پہنچتی تھی، آپؐ کے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں آدمی ہی آدمی تھے جو آپؐ کی معیت میں پیدل اور سوار سب اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔ آپؐ پر قرآن اُترتا تھا، آپؐ اس کے مفہوم کو سمجھتے تھے، پھر جس طرح آپؐ عمل کرتے، ہم بھی اسی طرح کرتے۔ آپؐ درج ذیل الفاظ کے ساتھ لبیک پکارتے تھے:

"لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ"

"میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میرے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں

حاضر ہوں۔ بلاشبہ ہر قسم کی حمد، اور تعریف تیرے لیے ہے۔ بادشاہی بھی تیرے لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

دوسرے لوگ تلبیہ میں کچھ کم و بیش لفظ بھی بولتے تھے مگر آپؐ انہیں روکتے نہیں تھے۔ ہاں آپؐ اپنا تلبیہ ان ہی الفاظ میں محدود رکھتے تھے۔ جابرؓ کہتے ہیں "ہم پہلے ایامِ حج میں صرف حج ہی کرتے تھے عمرہ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے "ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حج کے لیے نکلے۔ بعض لوگوں نے عمرہ کا، بعض نے حج کا، اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا لیکن آپؐ نے حج کا ہی احرام باندھا تھا۔ پھر جن لوگوں نے حج کا، یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا، وہ ۱۰ ذوالحج کو قربانی کے دن حلال ہوئے۔" انتہیٰ!

مختلف احادیث میں حافظ ابنِ تیمیہؒ کی تطبیق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے سلسلہ میں مختلف احادیث کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ سب احادیث متفق ہیں۔ ان میں معمولی اختلاف ہے جس طرح دوسرے موضوع پر آنے والی احادیث میں معمولی اختلاف ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے "تمتع کیا" اور ان کے نزدیک "قِران" بھی تمتع ہے۔ نیز جن سے مروی ہے کہ آپؐ نے "حج مفرد کیا" ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے تمتع کیا، جیسا کہ صحیحین میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے حج اور عمرہ کو جمع کیا، پھر اپنے دمِ واپسیں تک اس سے منع نہیں فرمایا اور نہ قرآن میں اس کی تحریم نازل ہوئی۔ ان سے ایک روایت میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے تمتع کیا اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ تمتع کیا۔" یہ عمرانؓ بن حصینؓ جو سابقینِ اولین میں ایک ممتاز بزرگ ہیں، بیان کرتے ہیں کہ "آپؐ نے حج تمتع کیا" اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ "آپؐ نے حج اور عمرہ اکٹھا کیا" یعنی حجِ قِران کیا چونکہ صحابہؓ کے نزدیک قارن، متمتع ہی ہے، اس لیے اس پر قربانی واجب سمجھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ"[1] میں داخل مانتے ہیں۔

رہا بکر بن عبداللہ مزنی کا یہ کہنا کہ آپؐ نے صرف اکیلے حج کی لبیک پکاری تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرنے والے سالم اور نافع جیسے ثقہ راوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت

---
[1] البقرۃ: ۱۹۶

صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ عمرہ کرکے حجِ تمتع کیا تھا۔ تو اس میں بکر کی غلطی تسلیم کرنا سالم وغیرہ کی تغلیط سے زیادہ بہتر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے یہ کہا ہو کہ "آپؐ نے حجِ مفرد کیا" اور بکر نے سمجھا کہ انہوں نے کہا ہے: "آپؐ نے اکیلے حج کے لیے لبیک پکاری" کیونکہ صحابہ کرامؓ حجِ مفرد سے یہ مراد لیتے تھے کہ آپؐ نے حجِ مفرد والے افعال کیے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے، جو کہتے ہیں کہ "آپؐ قارن تھے" اس لیے آپؐ نے دو طواف اور دو دفعہ سعی کی" نیز ان کا بھی رد ہے، جو کہتے ہیں کہ "احرام کھول کر حلال ہو گئے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجِ مفرد کرنے کی روایت حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ اور جابرؓ تین صحابہ سے آئی ہے اور ان تینوں سے یہ روایت بھی ہے کہ آپؐ نے حجِ تمتع کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کی تمتع کی روایت، ان کی مفرد حج کی روایت سے زیادہ صحیح ہے اگر ان سے صحیح ثابت ہو جائے کہ آپؐ نے حجِ مفرد کیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے حجِ مفرد کے افعال کیے تھے (یعنی نہ دو طواف اور دو دفعہ سعی کی اور نہ یوم النحر سے پہلے حلال ہوئے) یا پھر یہ مانا جائے گا کہ بعض دوسری احادیث کی طرح اس میں غلطی واقع ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ تمتع کی روایات بکثرت آئی ہیں اور ان کو روایت کرنے والے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ جیسے کبار صحابہ ہیں بلکہ اس کو روایت کرنے والے دس سے زیادہ صحابہ ہیں۔ واللہ اعلم!

میں کہتا ہوں (یعنی صاحبِ کتاب): مختلف احادیث میں تطبیق دینے کے لیے یہ بہت اچھا طریقہ ہے، اس سے ان سب کے معانی میں اتفاق پیدا ہو گیا ہے۔

متضاد احادیث میں تطبیق دینے کے بعد اب واقعۂ حج کی مزید تفصیل سنیے: احرام باندھتے وقت آپؐ نے اپنے سر کی تلبید کی یعنی خطمی، یا کسی دوسری ایسی لیس دار چیز سے دھو کر بالوں کو سر سے چپکا دیا تاکہ وہ سفر میں منتشر ہونے سے محفوظ رہیں پھر آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر مصلّے پر ہی لبیک پکاری۔ پھر جب اونٹنی پر سوار ہوتے اور وہ آپؐ کو لے کر کھڑی ہوئی تو پھر لبیک پکاری پھر جب اونٹنی "بیداء" ٹیلے پر چڑھی، تو پھر لبیک پکاری۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: بخدا! آپؐ نے نماز کے بعد مصلّے پر ہی لبیک پکاری تھی۔ پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر کھڑی ہوئی تو لبیک پکاری اس کے بعد جب بیداء ٹیلے پر چڑھے تو لبیک پکاری۔ کبھی حج اور عمرہ دونوں کا نام لے کر لبیک پکارتے، کبھی صرف حج کا نام لیتے

اور عمرہ کا نام نہ لیتے، کیونکہ عمرہ حج کا ایک جزء ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی نے کہا آپؐ نے حج قران کیا۔ کسی نے کہا، حج تمتع کیا ہے، اور کسی نے کہا حج مفرد کیا ہے۔ لبیک پکارتے وقت صحابہؓ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بلند آواز سے پکاریں۔ آپؐ نے پالان پر بیٹھ کر حج کیا، آرام دہ کجاوے یا ہودج میں سوار نہیں تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اختیار دیا کہ حج کی تین قسموں قران، تمتع اور افراد میں سے جس کا چاہیں، احرام باندھیں۔ پھر جب مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچے، تو آپؐ نے ان لوگوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے، حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کی ہدایت کی، پھر مروہ کے پاس ان کو حتماً حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

ذوالحلیفہ کے مقام میں اسماءؓ بنت عمیس کو محمد بن ابی بکر پیدا ہوا، تو آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کر کے لنگوٹ باندھیں، اور احرام کے کپڑے پہن کر لبیک پکاریں!۔ اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے: (۱) محرم، احرام باندھنے سے پہلے غسل کرے (۲) حیض میں مبتلا عورت بھی غسل کر کے احرام باندھے (۳) حیض میں مبتلا عورت کا احرام صحیح ہے، پھر آپؐ سفر پر روانہ ہوئے۔ آپؐ تلبیہ کے وہی الفاظ پڑھتے تھے، جو پہلے گزر چکے ہیں، دوسرے لوگ تلبیہ کے الفاظ میں کمی یا زیادتی کر لیتے تھے، مگر آپؐ ان کو ایسا کرنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ جب آپؐ مقام روحاء میں پہنچے، تو آپؐ نے ایک زخمی نیل گائے دیکھی، آپؐ نے فرمایا اس کو کچھ نہ کہو، اس کو شکار کرنے والا خود آکر لے لے گا۔ اتنے میں وہ شکاری بھی آگیا، اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! میری طرف سے اجازت ہے، آپ حضرات اس نیل گائے کو کھا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ اس کا گوشت سب رفقاء میں تقسیم کر دیں۔ اس واقعہ سے چند مسائل ثابت ہوتے: (۱) حلال کا شکار کیا ہوا جانور، محرم کھا سکتا ہے، بشرطیکہ اس نے محرم کے لیے شکار نہ کیا ہو (۲) ہبہ کے لیے ہبہ کا لفظ بولنا ضروری نہیں (۳) ہڈیوں سمیت رفقاء میں برابر برابر گوشت تقسیم کرنا جائز ہے (۳) شکاری، شکار کرنے سے اس کا مالک بن جاتا ہے (۴) نیل گائے یا جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے (۵) تقسیم کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے (۶) ایک شخص بھی کوئی چیز تقسیم کر سکتا ہے۔

پھر آپؐ چلے، جب رویثہ اور عرج کے درمیان اثایہ مقام پر پہنچے، تو آپؐ نے ایک زخمی ہرن دیکھا، جس کے جسم میں تیر پیوست تھا، اور وہ سر جھکائے کھڑا تھا، آپؐ نے وہاں ایک آدمی کھڑا کیا، جو لوگوں کو بتائے کہ اس کا کھانا جائز نہیں ـــــ اس لیے کوئی اس کو پکڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس میں اور جنگلی گدھے میں، جس کا پہلے ذکر ہوا ہے، فرق یہ ہے کہ اس کو شکار کرنے والا "حلال" تھا! اس لیے

آپؐ نے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا اور اس میں معلوم نہیں کہ اس کا شکار کرنے والا "حلال" ہے اس لیے محرم کو اس کے کھانے سے منع کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ محرم کا شکار کیا ہوا جانور مردار کی طرح حرام ہے ورنہ آپؐ اس کی مالیت ضائع نہ فرماتے۔ پھر آپؐ آگے چلے اور مقامِ عرج میں اُتر پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا بوجھ برداری کا اونٹ ایک تھا جس پر کھانے کا سامان وغیرہ لدا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے وہ اونٹ اپنے ایک غلام کے سپرد کیا تھا۔ آپؐ اُترے، تو آپؐ کی ایک طرف ابوبکرؓ اور دوسری طرف حضرت عائشہؓ بیٹھی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماءؓ ان کے پہلو میں بیٹھیں۔ ابوبکرؓ غلام کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا تو وہ تنہا تھا اونٹ اس کے پاس موجود نہیں تھا حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا "اونٹ کہاں ہے؟" بولا "اونٹ رات کہیں گم ہو گیا ہے"۔ ابوبکرؓ کہنے لگے "تیرے سپرد ایک ہی اونٹ تھا اور وہ تو نے گم کر دیا ہے!" پھر اس کو مارنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر مسکراتے تھے اور فرماتے تھے: "اس مُحرِم کو دیکھو کیا کر رہا ہے"۔ آپؐ مسکراتے تھے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں فرماتے تھے۔ امام ابوداؤد نے اس واقعہ پر باب باندھا ہے: "باب المحرم یؤدب" یعنی "محرم کے سزا دینے کا بیان"۔

شکار کا جانور مُحرِم کے لیے کھانا کب جائز ہے؟

آپؐ چلتے چلتے جب مقامِ ابواء میں پہنچے تو صعب بن جثامہ نے آپؐ کو جنگلی گدھے کی ایک ران تحفہ میں دی آپؐ نے واپس کر دی اور فرمایا "اس کے رَد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حج کا احرام باندھا ہے"۔ یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے جب ابو قتادہؓ جن کا شکار کیا ہوا گوشت آپؐ نے کھایا تھا، کی حدیث اس پر محمول کی جائے کہ انہوں نے آپؐ کو تحفہ دینے کے لیے شکار نہیں کیا تھا اور صعب کی حدیث اس پر محمول کی جائے کہ انہوں نے آپؐ کو تحفہ دینے کے لیے شکار کیا تھا تو اشکال دُور ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: "جنگل کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب تم خود اس کو شکار نہ کرو یا وہ تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو"۔

ہودؑ اور صالحؑ وادیٔ عسفان سے گزرے تھے

جب آپؐ وادیٔ عسفان میں پہنچے، تو حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا "ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟" وہ بولے "یہ وادیٔ عسفان ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "اپنی اپنی زندگی میں ہودؑ اور صالحؑ دو سرخ اونٹوں پر جن کی مہاریں کھجور کے چھلکے سے تیار ہوئی تھیں، سوار ہو کر اس وادی سے گزرے تھے۔

اور وہ بیت اللہ کے حج کے لیے لبیک پکارتے ہوتے گئے تھے" رواہ احمد فی مسندہ)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: جب آپؐ مقامِ سرف میں پہنچے، تو وہ حیض میں مبتلا ہو گئیں۔ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو؟ کیا تم حیض میں مبتلا ہو گئی ہو؟" کہنے لگیں "ہاں"! آپؐ نے فرمایا "یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی سب بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔ بیت اللہ کے طواف کے بغیر وہ سب کام کرو جو حاجی کرتے ہیں"۔

صحیحین میں عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آئے تو ہم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ میں مکہ میں آئی تو مجھے حیض شروع ہو چکا تھا اس لیے میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ میں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "اپنا سر کھول دے، کنگھی کر اور حج کا احرام باندھ لے اور عمرہ کے افعال چھوڑ دے"۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے مجھے میرے بھائی عبدالرحمان کے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا، جہاں سے میں نے احرام باندھ کر عمرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ عمرہ تیرے پہلے عمرہ کی جگہ ہے"! جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر کے حلال ہو گئے۔ پھر انہوں نے منیٰ سے واپس آکر حج کے لیے دوسرا طواف کیا اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ اکٹھا کیا تھا، (یعنی قارن تھے) انہوں نے صرف ایک ہی طواف کیا انتہیٰ!

جب آپؐ مقامِ سرف میں پہنچے، تو صحابہؓ سے کہا "جو اپنے ساتھ قربانی نہیں لایا وہ اس کو عمرہ بنانا چاہتا ہے تو بنا لے اور جو گھر سے اپنے ساتھ قربانی لایا ہے، وہ ایسا نہیں کر سکتا"۔ احرام باندھتے وقت آپؐ نے جو اختیار دیا تھا، اس سے یہ مؤکد ہے پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر آپؐ نے حتمی حکم دیا "جس کے پاس قربانی نہیں، وہ اس کو عمرہ بنا لے اور جس کے پاس قربانی ہے، وہ احرام کی حالت میں رہے"۔ پھر اس حکم کو تبدیل نہیں کیا! بلکہ جب سراقہ نے پوچھا "یہ عمرہ اس سال کے لیے ہے، یا ہمیشہ کے لیے؟" آپؐ نے فرمایا "عمرہ قیامت تک حج میں داخل ہو گیا ہے"۔ حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کی حدیث آپؐ سے درج ذیل چودہ صحابہ نے روایت کی ہے، اور ان سب سے مروی احادیث صحیح ہیں: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت علی بن ابی طالب، آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ، اسماء بنت ابی بکر، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، براء بن عازب،

عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، سبرہ بن معبد اور سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین!

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ذوالحج کی چار تاریخ کو سویرے سویرے مکہ مکرمہ پہنچے سب نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا آپؐ نے حکم دیا کہ "جن کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ حج فسخ کر کے اس کو عمرہ بنالیں" لیکن یہ چیز انہیں عجیب معلوم ہوئی۔ انہوں نے پوچھا "یا رسولؐ اللہ! ہم کن چیزوں سے حلال ہوں؟" آپؐ نے فرمایا "احرام کی وجہ سے جو چیز حرام ہوتی تھی، وہ تمہارے لیے حلال ہوگئی" ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا "اپنا حج کا احرام عمرہ کے احرام میں بدل دو مگر اپنے ساتھ قربانی لانے والے ایسا نہیں کر سکتے" صحیحین میں حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے احرام باندھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور طلحہؓ کے بغیر کسی کے پاس قربانی نہیں تھی۔ حضرت علیؓ یمن سے کچھ قربانی کے جانور لائے۔ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا احرام باندھا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جن کے پاس قربانی کے جانور ہیں، ان کے علاوہ سب لوگ حج چھوڑ کر عمرہ کر لیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے حلال ہو جائیں"۔ صحابہؓ نے اس پر کچھ تعجب کا اظہار کیا!

آپؐ کو اطلاع ملی، تو آپؐ نے فرمایا "جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔ اور اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں بھی ضرور حلال ہو جاتا" ایک روایت میں ہے:

آپؐ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا "تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، تم سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوں، اور تم سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں بھی اسی طرح حلال ہو جاتا جس طرح تم حلال ہوتے ہو اور جو چیز مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے، پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا اس لیے حلال ہو جاؤ" چنانچہ ہم حلال ہو گئے اور آپؐ کا خطاب سن کر فرمانبرداری کی۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، اور آپؐ بڑے غضبناک تھے میں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو کس نے ناراض کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے"۔ فرمایا "تمہیں معلوم نہیں میں نے لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا ہے لیکن وہ اس کے ماننے

میں لیت ولعل کر رہے ہیں" الحدیث"! (صحیح مسلم)

صاحب "الہدی" لکھتے ہیں "ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کہ اگر ہم حج کا احرام باندھیں گے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے بچنے اور آپ کے حکم کی اطاعت کرنے کے لیے فرض سمجھیں گے کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنالیں بخدا! یہ حکم نہ آپ کی زندگی میں منسوخ ہوا ہے اور نہ آپ کے بعد اور ایک حرف بھی اس کے خلاف وارد نہیں ہوا اور یہ حکم صحابہؓ کے ساتھ مخصوص بھی نہیں کہ بعد کے لوگوں کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے سراقہ کی زبان پر یہ سوال جاری کیا کہ "آیا یہ حکم صحابہؓ کے لیے مخصوص ہے"؟ تو آپ نے جواب دیا "یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری ہو گیا ہے"۔ معلوم نہیں ان احادیث پر اور اس امر مؤکد کے خلاف جس کے تسلیم نہ کرنے سے حضورؐ غضبناک ہو گئے، کیا چیز مقدم کی جاتی ہے؟ آفرین ہے امام احمدؒ پر جنہوں نے سلمہ بن شعیب کی اس بات کے جواب میں کہ "میرے نزدیک ایک بات کے سوا آپ کی سب باتیں درست ہیں" فرمایا "وہ کیا ہے"؟ کہا "آپ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنانے کے قائل ہیں" فرمانے لگے "سلمہ! میں تو تمہیں عقلمند سمجھتا تھا مگر کیا بے عقلی کی بات کی ہے، میرے پاس اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ کیا تمہارے کہنے سے میں ان سب کو چھوڑ دوں"؟ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا "آپ کا یہ کیا فتویٰ ہے جو لوگوں میں پھیل رہا ہے کہ جس نے طواف کیا وہ حلال ہو گیا"؟ بولے "یہ تمہارے نبیؐ کی سنت ہے خواہ تم اس کو نہ مانو!"

ابن عباسؓ نے درست کہا ہے "ہر مفرد، قارن یا متمتع جس کے پاس قربانی نہیں ہے بیت اللہ کا طواف کرنے سے حلال ہو جائے گا اس کے لیے وجوباً یا حکماً ایسا کرنا لازم ہے یہ وہ سنت ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کو دفع کر سکتا ہے"۔ عبدالرزاق نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ: "جو شخص حج کا احرام باندھ کر آئے گا بیت اللہ کا طواف کرنے سے اس کا عمرہ بن جائے گا وہ اسے مانے یا نہ مانے"۔ میں نے کہا "لوگ آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کریں گے" بولے "یہ ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے اگرچہ وہ اس کو سنت نہ سمجھیں"۔ یہی اہل بیت رسول اللہ، حضرت ابن عباسؓ، ان کے تلامذہ اور امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے۔ اہل حدیث اور اہل ظاہر بھی ان کے ساتھ ہیں!

رہا عروہ اور دوسرے لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس سے منع فرمایا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے:

چنانچہ اعمش نے روایت کی ہے، ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "آں حضرت ﷺ نے تمتع کیا ہے۔" عروہ بولے: "ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے تمتع سے منع کیا ہے۔" ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میرے خیال میں یہ لوگ عنقریب ہلاک ہو جائیں گے ___ میں رسول اللہ ﷺ کا نام لیتا ہوں، اور یہ کہتے ہیں، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یوں کہا ہے!"

صحیح مسلم میں ہے کہ عروہ نے آں حضرت ﷺ کے ایک صحابی سے، جو لوگوں کو ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں عمرہ کرنے کا حکم دیتے تھے، کہا: "ان دس دنوں میں تو عمرہ نہیں ہے۔" انہوں نے جواب دیا: "اس کے متعلق اپنی والدہ سے کیوں نہیں پوچھتے؟" عروہ بولے: "ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے تو ایسا نہیں کیا!" ___ انہوں نے جواب دیا، "اسی وجہ سے تو تم ہلاک ہوئے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا ___ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تم مجھے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا حوالہ دیتے ہو؟" اس پر عروہ نے کہا، "واللہ، ابو بکر اور عمر، سنتِ رسول ﷺ کو آپ سے زیادہ جانتے تھے!" ___ یہ سُن کر وُہ صحابیؓ تو خاموش ہو گئے، لیکن ابو محمدؒ ابنِ حزم نے کہا ہے، ہم عروہ کے جواب میں کہتے ہیں: "عبداللہ بن عباسؓ، آں حضرت ﷺ کی سنت کو، اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بھی، عروہ سے زیادہ جانتے تھے۔ وُہ ان (عروہ) سے بہتر تھے، اور ان کی نسبت ان تینوں (آں حضرتؐ، ابو بکرؓ، عمرؓ) کے زیادہ قریب تھے ___ اس میں کسی مسلمان کے لیے شک کی گنجائش نہیں! ___ جبکہ ان دونوں سے اس بات کے خلاف مروی ہے، جو عروہ اور عروہ سے زیادہ عالم و فاضل اور ثقہ لوگوں نے کہی ہے۔" پھر انہوں نے ابنِ عباسؓ کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، اور اسی طرح حضرت عثمانؓ بھی آخر دم تک حجِ تمتع کرتے رہے۔ اور وُہ پہلے شخص، جنھوں نے اس سے منع کیا، معاویہؓ تھے۔ اسے احمد اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حجِ تمتع کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے اسے جائز بتلایا۔ اس پر سائل نے کہا: "آپ کے والد تو اس سے منع کیا کرتے تھے!" آپؓ نے فرمایا: "کیا رسول اللہ ﷺ اتباع کے زیادہ حقدار ہیں یا میرے والد؟"

الشیخ تقی الدینؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجِ تمتع سے

مطلقاً منع نہیں فرمایا، بلکہ وُہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا مکمل حج اور عمرہ یہ ہے کہ تم ان دونوں کے درمیان فاصلہ کرو۔ چنانچہ آپؓ نے قِران اور تمتع سے افضل صورت (افراد) کو پسند کیا۔ یعنی جب سوائے حج کے اور کوئی نیت نہ ہو! ـــــ اور امام احمد، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی (رحمہم اللہ) وغیرہ نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حج افراد ہی کیا تھا۔ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے لوگوں کے لیے اسی کو پسند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ"[1] میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "ان کا اتمام یہ ہے کہ تم ان کا احرام اپنے گھر سے باندھو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ وُہ عمرہ میں جس قدر مشقت برداشت کریں گی، اسی قدر ثواب پائیں گی!

صاحبِ "ہدیٰ" کہتے ہیں، یہ وہ چیز ہے (یعنی حج مفرد) کہ جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا تھا۔ اور بعض لوگوں نے یہ غلط سمجھا ہے کہ انہوں نے حج تمتع سے منع فرمایا تھا۔ جبکہ بعض لوگوں نے اس کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دو روایات نقل کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؓ سے جو "نہی" منقول ہے، یہ آپؓ کا قدیم قول ہے۔ جس سے آپؓ نے رجوع کر لیا تھا ـــ جیسا کہ ابو محمد بن حزم نے کہا ہے!

اب ہم آپؐ کے حج کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے، یہاں تک کہ آپؐ ذی طوٰی میں پہنچے۔ اور یہ وُہ معروف جگہ ہے جو آج "آبار الزاہر"، کے نام سے معروف ہے۔ صاحبِ "ہدیٰ" نے ایسا ہی ذکر کیا ہے ـ ذی الحجہ کے چار دن گزر چکے تھے، آپؐ نے اتوار کی رات یہاں بسر کی ـ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد آپؐ نے غسل فرمایا، اور پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ آپؐ دن کے وقت مکہ کے بالائی حصّہ "ثنیۃ العلیا"، کی جانب سے، جو حجون کے قریب واقع ہے، مکہ میں داخل ہوئے (عمرہ میں آپؐ اس کے زیریں حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے، لیکن حج میں بالائی حصہ سے داخل ہو کر زیریں حصہ کی طرف سے نکلے!) یہاں تک کہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔

طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ جب بیت اللہ شریف پر آپؐ کی نظر پڑتی، تو آپؐ یہ دعا پڑھتے:

---

[1] البقرۃ: ۱۹۶

"اللّٰھم زد ھٰذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ۔"

کہ "اے اللہ، اس گھر کے عزوشرف، تعظیم وتکریم اور رعب ودبدبہ میں اور زیادہ اضافہ فرما!"

—— اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپؐ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، تکبیر کہتے اور فرماتے:

"اللّٰھم انت السّلام ومنک السّلام حیّنا ربنا بالسّلام اللّٰھم زد۔ الخ!"

"اے اللہ، تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے۔ اے ہمارے رب، ہمیں اسلام کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ اس گھر کو زیادہ کر ..... الخ!"

لیکن یہ مرسل ہے، ہاں سعید بن مسیب اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوئے، تو آپؐ نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی۔ کیونکہ مسجدِ حرام کی تحیۃ المسجد، اس کا طواف ہی ہے۔ جب آپؐ حجرِ اسود کے سامنے آئے تو آپؐ نے استلام کیا۔ پھر آپؐ داہنی جانب ہولیے اور بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب چھوڑا۔ دروازے کے نزدیک میزابِ رحمت کے نیچے، کعبۃ اللہ اور اس کے رکنوں کے سامنے آپؐ نے کوئی دعا نہیں پڑھی —— نہ ہی طواف کے وقت کوئی معین ذکر کیا، نہ اس کی تعلیم دی۔ ہاں رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان آپؐ سے یہ دعا ثابت ہے:

"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

(البقرۃ: ۲۰۱)

"اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا!"

آپؐ نے اپنے طواف میں رمل کیا۔ پہلے تین چکروں میں تیز تیز چلتے ہوئے، قدم قریب قریب رکھے۔ اپنی چادر کے ساتھ اضطباع کیا، چادر کو ایک کندھے کے اوپر کیا اور دوسرے بازو اور کندھے کو ننگا کیا۔ جب آپؐ حجرِ اسود کے سامنے تشریف لاتے، اس کی طرف اشارہ کرتے اپنی چھڑی کے ساتھ استلام کرتے اور چھڑی کے سرے پر بوسہ دیتے۔ رکنِ یمانی کا استلام آپؐ سے ثابت ہے۔ لیکن اس کو بوسہ نہیں دیا، یا اپنے ہاتھ سے یا چھڑی سے اس کا استلام کیا، یا اپنے ہاتھ کو اس پر رکھا اور ہاتھ کو بوسہ دیا —— یہ تین طریقے ہوئے! —— ارکان میں سے

رکن یمانی کے علاوہ آپؐ نے کسی رکن کو نہ تو چھوا ، اور نہ ہی اس کا استلام کیا۔

جب آپؐ طواف سے فارغ ہوئے ، تو آپؐ مقامِ ابراہیمؑ پر آئے ۔ اور پڑھا :

" وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى ! " (البقرۃ : ۱۲۵)

یعنی " مقامِ ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ ! "

پھر آپؐ نے مقامِ ابراہیمؑ کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھتے ہوئے دو رکعت نماز ادا کی ۔ ان رکعتوں میں آپؐ نے سورۃ الفاتحہ کے علاوہ آخری سورتوں میں سے دو سورتیں (جبکہ ترمذی اور نسائی کے نزدیک قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اور " قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ") پڑھیں ۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ حجر اسود کی طرف بڑھے اور اس کا استلام کیا ۔ اس کے بعد آپؐ اس کے سامنے کے دروازے سے کوہِ صفا کی طرف گئے ۔ جب قریب پہنچے ، تو پڑھا ،

" إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ ! " (البقرۃ ۱۵۸)

یعنی " صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں ! "

نیز فرمایا : " ابدأ بما بدأ الله به " کہ " میں وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی ہے (یعنی صفا سے ! ") نسائی میں ہے کہ آپؐ نے یہ حکماً فرمایا کہ " تم یہیں سے شروع کرو " پھر آپؐ صفا پر چڑھے ، یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کو دیکھ لیا اور قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی بڑائی بیان کی ۔ نیز فرمایا :

" لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ، لا إله إلا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده "

" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ اکیلا ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں ۔ بادشاہی اسی کی ہے ، اسی کے لیے تعریف ہے ، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ یکتا ہے ۔ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی ! "

اس دوران آپؐ نے دعا بھی کی اور مذکورہ کلمات تین مرتبہ کہے ۔ پھر آپؐ صفا سے

اترے اور مروہ کی طرف چلے۔ میدان میں پہنچ کر آپؐ دوڑنے لگے، اور جب چڑھنا شروع کیا تو آپؐ کے قدم آہستہ ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اسی طرح ہے! — پھر مروہ پر پہنچ کر آپؐ نے وہی عمل دُہرایا، جو صفا پر کیا تھا۔

جب آپؐ نے مروہ کی سعی مکمل کر لی، تو آپؐ نے ہر اس شخص کو، جس کے پاس قربانی نہیں تھی — قطع نظر اس سے کہ وُہ قارن تھا یا مفرد — حلال ہونے کا حکم دیا، اور آٹھ تاریخ تک اسی حالتِ (حل) میں رہنے کی ہدایت فرمائی۔ ہاں جس کے پاس قربانی تھی، وُہ حلال نہیں ہوا۔ اسی موقعہ پر آپؐ نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین دفعہ، اور سر کے بال ترشوانے والوں کے لیے ایک مرتبہ مغفرت کی دُعا فرمائی تھی۔ اور اسی موقع پر سُراقہ بن مالک نے آپؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ حلال ہونے سے متعلق آپؐ کا یہ حکم صرف اس سال کے لیے مخصوص ہے، یا یہ ہمیشہ کے لیے ہے؟

حضرات ابو بکر، عمر، طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس چونکہ قربانی تھی، اس لیے وُہ حلال نہیں ہوئے، جبکہ ازواجِ مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے (جو حائضہ ہونے کی وجہ سے معذور تھیں) حلال ہو گئیں۔ آپؐ نے ہر اس شخص کو، جس کے پاس قربانی تھی، اور اس نے آپؐ کی طرح احرام باندھا تھا، یہ حکم دیا کہ وہ اپنا احرام باقی رکھے۔ آپؐ نے اپنی نمازیں مکہ کے سامنے اسی مقام پر، جہاں مسلمان اترے تھے، ادا کیں۔ یہاں آپؐ چار دن (اتوار، سوموار، منگل، بدھ) مقیم رہے، اور اس دوران نمازیں قصر کر کے پڑھتے رہے۔ جمعرات کے روز چاشت کے وقت آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ منیٰ کا رُخ کیا۔ اور جو مسلمان حلال ہو چکے تھے، انہوں نے حج کا احرام باندھا۔ یہ لوگ مسجد میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے اس حالت میں احرام باندھا کہ مکہ ان کی پشت پر تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پھر آپؐ سوار ہو کر روانہ ہوئے اور ظہر و عصر کی نمازیں منیٰ میں جا کر پڑھیں۔ جمعہ کی رات وہیں گزاری (چنانچہ مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں بھی وہیں ادا کیں) جب سورج طلوع ہوا، تو آپؐ نے وادیٔ نمرہ میں اپنے لیے بالوں سے بنا ہوا ایک خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ قریش کا خیال یہ تھا کہ آپؐ مزدلفہ میں ٹھہریں گے، جیسا کہ ایامِ

جاہلیت میں وُہ کیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے یہاں سے چل کر عرفات میں وقوف فرمایا۔ اور اس خیمہ میں اترے، جو وہاں پہلے سے آپؐ کے لیے نصب تھا۔ جب دوپہر ڈھلی، تو آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کو لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس پر زین کسی گئی اور اس پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے یہاں آپؐ نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ،

"لوگو، تمہاری جانیں، تمہارے اموال (جبکہ ایک روایت میں "اور تمہاری عزتیں" کے الفاظ بھی وارد ہیں) اسی طرح حرام ہیں، جس طرح اس مہینہ کا یہ دن اور یہ شہر (مکہ) تمہارے لیے حرام ہے۔ جاہلیت کی تمام رسمیں اور دورِ جاہلیت کے تمام خون باطل ہیں۔ اور سب سے پہلا خون جو مَیں معاف کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے ـــــ یہ دودھ پیتا بچہ تھا، جسے ہذیل نے قتل کیا تھا ـــــ اسی طرح جاہلیت کے سود بھی باطل ہیں، اور سب سے پہلا سود، جو مَیں معاف کرتا ہوں، وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے! ـــــ لوگو، اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ اپنے نکاحوں میں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وُہ تمہارے بستروں پر کسی دوسرے کو نہ آنے دیں۔ ہاں اگر وُہ ایسا کریں تو ان کو ایسی سزا دو، جو زیادہ سخت نہ ہو! ـــــ جبکہ ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم مقدور بھر ان کے لباس اور خوراک کا خیال رکھو۔ مَیں تم میں کتاب اللہ کو چھوڑتا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ـــــ نیز یہ کہ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟" ـــــ لوگوں نے کہا، "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کی رسالت پہنچا دی ہے، اس کا حق ادا کر دیا اور پوری پوری خیرخواہی کر دی ہے:" یہ سن کر آپؐ نے اپنی انگشتِ شہادت کو اٹھایا، لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کیا، اور فرمایا، "اے اللہ، گواہ رہنا! اے اللہ، گواہ رہنا!" یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر اذان و اقامت کہی گئی اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی گئی، اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی۔ ان دونوں کے درمیان آپؐ نے کوئی دیگر (نفلی) نماز نہیں پڑھی۔

صاحبِ "ہدیٰ" لکھتے ہیں، یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ نیز یہ کہ یہاں آپؐ کے ساتھ اہلِ مکہ بھی تھے، جنھوں نے اپنی نمازیں قصر کر کے پڑھیں، اور

آپؐ نے انھیں پوری نمازیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ ہاں غزوۂ فتح میں، جبکہ وُہ اپنے گھروں میں مقیم تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ "تم اپنی نمازیں پوری پڑھو، جبکہ ہم مسافر ہیں (یعنی قصر کریں گے)"۔ اسی بناء پر علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ اہلِ مکہ، عرفہ میں نمازیں جمع کرکے پڑھیں گے اور قصر کریں گے، جس طرح کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا۔ اور یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ نمازِ قصر کے لیے مسافت، نیز دنوں کی کوئی حد متعین نہیں۔ اور نہ ہی حج، نماز کے قصر کرنے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کا منہ پتھروں کی طرف کیا اور پیدل لوگوں کے راستہ کو سامنے رکھا، پھر قبلہ رُخ ہو کر سورج غروب ہونے تک وقوف فرمایا۔

"ہدیٰ" میں ہے، آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ بطنِ عرفہ سے کچھ اُوپر ہو جائیں۔ نیز خبر دی کہ "عرفہ اس موقف کے ساتھ خاص نہیں ہے، جہاں میں کھڑا ہوں۔ بلکہ عرفہ پورے کا پورا موقف ہے۔" آپؐ نے لوگوں کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں کیونکہ یہ وراثت ان کے باپ ابراہیمؑ کی طرف سے ہے۔ یہیں اہلِ نجد کے کچھ لوگ آئے، اور انہوں نے آپؐ سے حج کے مسائل پوچھے۔ آپؐ نے فرمایا، "حج عرفہ کا دن ہے۔ جس نے اسے نمازِ صبح سے قبل پا لیا اس نے حج کو پا لیا۔ ایامِ منٰی، ایامِ تشریق کے تین دن ہیں جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے (یعنی دو ہی دن رہ کر چل دے) اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو شخص دو دنوں پر تاخیر کرے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں!"۔ اس وقت دُعاء میں آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھا رکھے تھے، یوں جیسے کہ کوئی مسکین کھانا طلب کرتا ہے۔ آپؐ نے خبر دی کہ بہترین دُعاء، عرفہ کے دن کی دُعاء ہے۔ اسی موقع پر قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ الآیۃ!" (المائدۃ: ۳) کہ "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی ہے!" ــــــ اسی جگہ ایک مسلمان سواری سے گر کر فوت ہو گیا، تو آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو اس کے (احرام کے) دو کپڑوں ہی میں کفن دیا جائے۔ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے، اور خوشبو نہ لگائی جائے۔ نیز خبر دی کہ وُہ روزِ قیامت "لبیک، لبیک"

پکارتا اٹھے گا۔

جب سورج پوری طرح غروب ہوگیا اور اس کی زردی جاتی رہی، تو آپؐ عرفہ سے لوٹے۔ اس وقت اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپؐ کے ردیف تھے۔ آپؐ اس وقت بڑے پرسکون تھے۔ اونٹنی کی مہار آپؐ کے دستِ مبارک میں تھی اور اُونٹنی کا سر کجاوے کے ساتھ لگ رہا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، آپؐ اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے تھے: "لوگو! سکون و اطمینان کو لازم پکڑو!" ـــــ جہاں کہیں پہاڑ کی کوئی بلندی آتی، آپؐ اونٹنی کی مہار کو ڈھیلا چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وُہ اس پر چڑھ جاتی۔ انتہیٰ!

آپؐ عرفہ میں "ضب" کے راستے سے داخل ہوتے اور "مازمین" کے راستہ سے واپس لوٹے۔ عید کے مواقع پر بھی آپؐ کی یہی عادتِ مبارکہ تھی کہ آتے اور جاتے وقت مختلف راستے اختیار فرماتے۔ نیز آپؐ درمیانی چال چلتے، نہ تو بہت تیز اور نہ بہت سُست! ـــ جب آپؐ کوئی کھلا راستہ پاتے، تو اس پر ذرا تیز چلتے۔ چلتے وقت تلبیہ کہنے کا سلسلہ منقطع نہیں فرمایا، بلکہ "لبّیک، لبّیک" پکارتے رہے۔ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان کہی، پھر تکبیر! ـــــ اور آپؐ نے اونٹوں کو بٹھانے اور اُن پر سے سامان اتارنے سے قبل مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر جب سواریوں سے سامان اتارا جا چکا، تو نماز کے لیے اقامت کہی گئی اور آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ نہ تو الگ سے اس کے لیے اذان کہی گئی اور نہ ہی ان دونوں نمازوں کے درمیان آپؐ نے دیگر کوئی نفلی نماز پڑھی۔ پھر آپؐ سو گئے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔ اس رات آپؐ نے اپنے اہلِ خانہ کو تکان اور کمزوری کی وجہ سے منیٰ کی طرف طلوعِ فجر سے قبل چلے جانے کی اجازت دے دی۔ اور یہ چاند کے غروب ہونے کا وقت تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو طلوعِ فجر سے قبل جمرات کو کنکریاں مارنے سے منع فرما دیا۔ اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے! ـــ اور طلوعِ فجر سے قبل "رمی جمار" پر سنّت سے جو چیز دلالت کرتی ہے، وُہ بیماری یا بڑھاپے کا عذر ہے، کہ بھیڑ کی وجہ سے لوگوں کی مزاحمت اس پر گراں گزرتی ہو۔ ہاں جو شخص اس پر قادر ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں!

جب فجر طلوع ہوگئی، تو آپؐ نے صبح کی نماز، اذان اور اقامت کے ساتھ اول وقت

میں پڑھی۔ اس سے قبل آپؐ نے اس وقت میں یہ نماز نہیں پڑھی ــــــ یہ قربانی کا دن تھا، یوم عید اور حج اکبر کا دن! پھر آپؐ سوار ہو کر مشعر الحرام کے پاس اپنے موقف میں تشریف لائے، اور قبلہ رُخ ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا، تکبیر و تہلیل اور ذکر کرتے رہے حتیٰ کہ صبح خوب روشن ہو گئی! ــــ آپؐ نے جو یہاں وقوف فرمایا، تو لوگوں نے خوب جان لیا کہ مزدلفہ پورے کا پورا موقف ہے! ــــ پھر آپؐ مزدلفہ سے حضرت فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے سوار کر کے چلے۔ راستہ میں آپؐ "لبّیک لبّیک" پکارتے رہے۔ حضرت فضلؓ خوبصورت بالوں والے، گورے چٹے آدمی تھے۔ قریب سے کچھ عورتیں گزریں، تو وُہ انھیں دیکھنے لگے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے ان کے چہرہ کو دوسری طرف پھیر دیا۔

اثنائے راہ میں آپؐ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے لیے سات کنکریاں اٹھا لیں۔ آپؐ نے انھیں پہاڑ سے نہیں توڑا، جیسا کہ بعض لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کیا۔ اور نہ ہی رات کے وقت انھیں اکٹھا کیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کے لیے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنیں، تو آپؐ نے انہیں اپنی ہتھیلی سے صاف کرنا شروع کیا اور فرمایا: "اس جیسی، اس جیسی!" ــــ نیز فرمایا: "دین میں غلو سے بچو، تم سے پہلے لوگ اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے!"

جب آپؐ وادیٔ مُحَسِّر میں پہنچے، تو آپؐ نے اپنی اونٹنی کو حرکت دی اور اسے تیز چلایا ــ کہ ایسے مقامات پر، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیا ہوتا، آپؐ کی عادتِ مبارکہ یہی تھی۔ یہ وُہ مقام ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل پر اپنا عذاب بھیجا تھا، اور جس کا قصہ اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا نام "مُحَسِّر" اس لیے پڑا کہ یہاں ہاتھی روک دیے گئے تھے، اور انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی حدیث میں بیان فرماتے ہیں: پھر آپؐ اس راستے پر ہو لیے جو جمرۃ الکبریٰ کی طرف نکلتا ہے۔ جب آپؐ اس جمرہ کے قریب پہنچے، جو درخت کے قریب ہے، تو آپؐ نے اس پر خذف کی کنکریوں کی مانند (یعنی چھوٹی چھوٹی، مٹر کے دانوں کے برابر، جو چٹکی سے پھینکی جائیں) سات کنکریاں پھینکیں۔ آپؐ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ تکبیر کہتے

تھے۔ انتہیٰ!

آپؐ کا یہ رمی جمار طلوعِ شمس کے بعد، ایک ہی مرتبہ سواری پر ہی تھا ــــ یہاں تلبیہ اور رمی کا سلسلہ ختم ہوگیا! ــــ اس وقت حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک نے آپؐ کی ناقہ کی مہار پکڑ رکھی تھی، جبکہ دوسرے صاحب دھوپ سے آپؐ کو بچانے کے لیے کپڑے سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محرم کے لیے یومِ نحر کو سواری کے پالان، یا اس جیسی کسی دوسری چیز سے سایہ حاصل کرنا جائز ہے۔ اور اگر یہ ایامِ منیٰ کی بات ہے، تو اس میں جواز یا عدمِ جواز کا سوال خارج از بحث ہے!

پھر آپؐ منیٰ کی طرف لوٹے۔ یہاں آپؐ نے بڑا موثر خطبہ ارشاد فرمایا ــــ جس میں آپؐ نے،

- یومِ نحر کی حرمت، اور اللہ ربّ العزّت کے ہاں اس کی فضیلت کا ذکر فرمایا،
- لوگوں کو کتاب اللہ کے ساتھ راہنمائی کرنے والے کی بات سننے اور اُس کی اطاعت کا حکم دیا۔
- لوگوں سے فرمایا کہ: "مجھ سے احکامِ حج سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد میں دوبارہ حج نہ کرسکوں۔"
- لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی اور مہاجرین وانصار کو ان کا مقام ومرتبہ بتلایا۔
- لوگوں کو یہ تاکید فرمائی کہ وُہ اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب نہ کریں، کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جائیں۔
- سامعین کو یہ حکم دیا کہ میری یہ باتیں دوسروں تک بھی پہنچا دیں۔ کیونکہ لبسا اوقات پہنچائے جانے والے، سننے والوں کی نسبت، بات کو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں!
- یہ خبر دی کہ ظلم کرنے والے کا وبال اسی کی گردن پر ہے۔

آپؐ نے مہاجرین کو قبلہ کی دائیں جانب، اور انصار کو اس کی بائیں جانب ٹھہرایا۔ جبکہ دیگر لوگ ان کے اردگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سماعت کو آپؐ کے لیے کھول دیا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے اس خطبہ کو اہلِ منیٰ نے اپنے گھروں میں سنا! ــــ آپؐ نے اپنے اسی خطبہ میں یہ فرمایا تھا کہ: "اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، صاحبِ امر کی اطاعت کرو، اس کے بدلہ میں تمہیں اپنے رب کی جنت میں داخلہ نصیب ہوگا!" ــــ اس کے بعد

آپؐ نے لوگوں کو الوداع کہی، اور اسی بنا، پر لوگوں نے اسے "حجۃ الوداع" کا نام دیا۔

پھر آپؐ قربان گاہ کی طرف آئے۔ اور ترسیٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے۔ آپؐ جانور کو ذبح کرتے تھے، درآنحالیکہ وُہ کھڑا ہوتا اور اس کا بایاں گھٹنا بندھا ہوتا تھا۔ آپؐ نے اپنی عمر کے سالوں کے برابر (یعنی ترسیٹھ) اونٹ ذبح کیے، جبکہ سو میں سے باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذبح کیے۔ آپؐ نے انھیں یہ حکم دیا کہ ان کے گوشت اور چمڑے مساکین میں تقسیم کر دیں۔ تاہم قصابوں کو گوشت، اجرت کے طور پر، دینے سے منع فرمایا۔ کہ یہ ہم اپنے پاس سے دیں گے! آپؐ نے اجازت دی کہ جو شخص قربانی کے گوشت میں سے اپنے لیے لینا چاہے، لے سکتا ہے۔ آپؐ نے منٰی کی قربان گاہ میں قربانی دی، اور لوگوں کو یہ بتلایا کہ منٰی پورے کا پورا قربان گاہ ہے۔ نیز یہ کہ مکہ کی گلیوں، راستوں میں بھی قربانی دی جا سکتی ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ قربانی صرف منٰی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے!

منٰی میں آپؐ سے، دھوپ سے بچنے کے لیے، آپؐ کے لیے عمارت تعمیر کرنے سے متعلق پوچھا گیا، تو آپؐ نے انکار فرما دیا کہ "منٰی اس کی جگہ ہے جو پہلے آجائے!"

قربانیاں کر چکنے کے بعد آپؐ نے حجام کو بلایا۔ یہ معمرؓ بن عبداللہ تھے! جو استرا لیے آپؐ کے پاس کھڑے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "معمر! اللہ کے رسُولؐ تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ کانوں سے نیچے کے بال لے لے!" معمرؓ بولے: "کیوں نہیں، اللہ کے رسولؐ! یہ تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہوگا۔" آپؐ نے فرمایا: "ہاں!" — اسے احمد نے ذکر کیا ہے، جبکہ صحیح مسلم میں یوں مذکور ہے کہ آپؐ نے معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "یہ لے!" اور اپنے سر کی داہنی جانب اشارہ کیا۔ جب معمرؓ فارغ ہوئے، تو یہ بال انھوں نے اپنے پاس موجود لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ پھر آپؐ نے بائیں جانب اشارہ کیا۔ انہوں نے یہ بال کاٹے، تو آپؐ نے فرمایا: "یہاں ابوطلحہؓ ہے؟" پھر یہ بال ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیے — کہا جاتا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو آپؐ کی پیشانی کے بال ملے تھے، جو انہوں نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیے۔ اور ان کی برکت سے انھیں ہر لڑائی میں فتح حاصل ہوتی!

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے: آپؐ نے اپنی قربانی میں حضرت علیؓ کو شریک

فرمایا۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ ہر قربانی میں سے تھوڑا سا گوشت لے کر ہنڈیا میں پکایا جائے جب گوشت پک گیا، تو آپؐ نے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گوشت کھایا اور اس کا شوربہ بھی پیا۔

اس کے بعد آپؐ اپنی سواری پر سوار ہو کر عازمِ بیت اللہ ہوئے' اور ظہر کی نماز مکّہ میں ادا کی۔ اس وقت بنو عبد المطلب چاہِ زمزم پر لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "بنو عبد المطلب! ڈول کھینچو۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ پانی پلانے میں تم پر غالب آ جائیں گے، تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر ڈول کھینچتا (یعنی اگر لوگوں نے مجھے ڈول کھینچتے دیکھا، تو وُہ اِسے سنّت سمجھیں گے۔ اور نتیجتاً تم سعادتِ سقایہ سے محروم رہ جاؤ گے!")

حجّۃ الوداع میں آپؐ نے بیت اللہ کا طواف، اور صفا مروہ کی سعی سواری پر کی تاکہ آپؐ لوگوں کو نظر آتے رہیں، اور وُہ آپؐ سے مسائل وغیرہ پوچھ سکیں۔ پھر آپؐ منٰی کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز کس جگہ ادا کی؟ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے یوم النحر کو طوافِ افاضہ کیا اور ظہر کی نماز منٰی میں پڑھی۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان یہ ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس دن طواف اپنے اونٹ پر کیا۔ کیونکہ آپؓ کی طبیعت ناساز تھی' اور انہوں نے آپؐ سے اس کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس دن ایک ہی طواف کیا اور ایک ہی سعی کی۔ (یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ طواف نہیں کیے) جو انھیں ان کے حج اور عمرہ کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی دن طواف کیا، پھر آپؓ حائضہ ہوگئیں۔ اور اُن کا یہ طواف انھیں طوافِ وداع سے کفایت کر گیا۔

پس آپؐ کی سنّت یہ ٹھہری کہ اگر طاہرہ عورت طواف سے پہلے حائضہ ہو جائے تو اسے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہو گی۔ اور اگر طوافِ افاضہ کے بعد حائضہ ہو جائے، تو یہ طواف اسے طوافِ وداع سے کفایت کر جائے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رات منٰی میں گزاری۔ صبح ہونے کے بعد آپؐ نے سُورج

ڈھلنے کا انتظار کیا۔ اس کے بعد آپؐ جمرات کی طرف پیدل روانہ ہوئے اور سواری پر سوار نہیں ہوئے۔ پہلے آپؐ نے اس جمرہ کو ایک ایک کرکے سات کنکریاں ماریں، جو مسجدِ خیف کے قریب واقع ہے۔ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ آپؐ "اللہ اکبر" پکارتے تھے۔

پھر آپؐ اس جمرہ سے آگے بڑھے جو آپؐ کے سامنے تھا۔ یہاں تک کہ کھلی جگہ پر آئے۔ قبلہ رُخ ہوکر ہاتھ اٹھائے اور سورۃ البقرہ پڑھنے کے بقدر طویل دعا کی۔ پھر آپؐ جمرۃ الوسطیٰ کی طرف آئے اور پہلے جمرہ کی طرح اس کو بھی کنکریاں ماریں۔ پھر بائیں جانب ہٹ کر وادی کے قریب ٹھہرے، یہاں بھی قبلہ رُخ ہوکر تقریبًا اتنی ہی لمبی دُعا کی۔ پھر آپؐ تیسرے جمرہ، جمرۃ العقبہ کی طرف آئے۔ اس وقت آپؐ وادی کے درمیان میں تھے۔۔۔ سامنے جمرہ تھا، بیت اللہ آپؐ کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب ۔۔۔ یہاں بھی آپؐ نے سات کنکریاں ماریں، لیکن اس کے اُوپر کی طرف سے نہیں، جیسا کہ بعض جہال کرتے ہیں۔ اور نہ ہی اسے دائیں جانب چھوڑا۔ بلکہ رمی کے وقت آپؐ قبلہ رُخ تھے، جیسا کہ اکثر فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ کنکریاں مارنے کے بعد آپؐ یہاں نہیں ٹھہرے، جلد ہی واپس لوٹ آئے۔ بعض نے تو اس کی وجہ پہاڑ پر اس جگہ کی تنگی بتلائی ہے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ دعاء بجائے خود عبادت میں داخل ہے!۔ چونکہ جمرۃ العقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد آپؐ رمی جمار سے فارغ ہوگئے تھے، لہٰذا عبادت کے بعد دُعا کرنے سے، عبادت کے دوران دُعاء کرنا افضل تھا!۔۔۔ دُعاء کرنے کا یہی مسنون طریقہ آپؐ کا نماز میں بھی تھا۔

امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے یوم النحر کے دن سوار ہوکر کنکریاں ماریں، اور ایامِ منیٰ میں پیدل چل کر۔۔۔ جاتے وقت بھی اور آتے وقت بھی!۔۔۔ اور آپؐ کا یہ حج، دعاء کے لیے آپؐ کے چھ مرتبہ وقوف پر مشتمل ہے۔ پہلی مرتبہ صفا پر، دوسری مرتبہ مروہ پر، تیسری مرتبہ عرفہ میں، چوتھی مرتبہ مزدلفہ میں، پانچویں مرتبہ جمرۃ الاولیٰ کے قریب، اور چھٹی مرتبہ جمرۃ الوسطیٰ کے قریب۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب نے آپؐ سے حاجیوں کو پانی پلانے کی وجہ سے منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی اجازت طلب کی، تو آپؐ نے انھیں اجازت دے دی۔ اسی طرح اونٹوں کے چرواہوں نے منیٰ سے باہر اونٹوں کے پاس رات گزارنے کی اجازت چاہی، تو آپؐ نے

انھیں بھی رخصت دے دی، یہ کہہ کر کہ وُہ قربانی کے دن رمی کرلیں — پھر قربانی والے دن کے بعد دو دنوں کی رمی کو کسی ایک دن میں جمع کرلیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ آپؐ نے یہ حکم دو دنوں میں سے پہلے دن کے بارے میں دیا ہے — پھر وُہ لوٹنے والے دن رمی کرلیں! — ابن عیینہؒ نے اس حدیث کے بارہ میں لکھا ہے: آپؐ نے چرواہوں کو رخصت دی کہ ایک دن رمی کرلیں اور ایک دن دُعا کرلیں۔ بہر حال سنّت میں ان دونوں گروہوں کے لیے منٰی سے باہر رات گزارنے کا جواز موجود ہے — رہی رمیٰ تو اِسے وہ نہیں چھوڑ سکتے۔ ہاں اسے دوسری رات تک موخر کرسکتے ہیں، اور دو دنوں کی رمی کو ایک دن میں جمع کرلیں! اسی طرح اس شخص سے — کہ جسے اپنے مال کے ضائع ہوجانے کا خدشہ ہو، یا ایسا مریض، جسے پیچھے رہ جانے کا خوف لاحق ہو، یا منٰی میں رات گزارنا اس کے لیے ممکن نہ ہو — نص موجود ہونے کی بنا پر منٰی میں رات گزارنے کا یہ حکم ساقط ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم!

آں حضرت ﷺ نے دو دنوں میں جلدی نہیں کی (یعنی منٰی میں دو ہی دن رہ کر نہیں چل دیے) بلکہ آپؐ نے اس قیام کو دو دنوں سے مؤخر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایامِ تشریق کے تین دنوں کی رمی کو مکمل فرمایا — تیسرے دن ظہر کے بعد آپؐ وادیٔ محصب ("ابطح" "خیف بنی کنانہ") کی طرف لوٹے۔ یہاں آپؐ نے دیکھا کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا خیمہ گاڑے مع ضروری سامان کے موجود ہیں۔ یہ انتظام قدرتی طور پر توفیقِ الٰہی سے ہوا، آپؐ نے انھیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہاں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نماز پڑھی اور تھوڑی سی نیند بھی لی۔ پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور رات کو سحری کے وقت طوافِ وداع کیا۔ اس طواف میں آپؐ نے رمل نہیں کیا۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ سے عمرہ، مفرد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ: "بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کیجئے یہ آپ کے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہیں۔" وُہ کہنے لگیں: "اللہ کے رسولؐ! لوگ تو حج اور عمرہ دونوں کرکے لوٹیں، اور میں صرف حج پر اکتفا کروں؟" آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا انہوں نے ان راتوں میں طواف نہیں کیا تھا، جب ہم مکہ میں آئے تھے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، تو آپؐ نے فرمایا: "تب اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم کی طرف جائیے، عمرہ کا احرام باندھیے اور فلاں مقام پر مجھ سے آملیں"

چنانچہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کو عمرہ سے فارغ ہوئیں اور پھر اپنے بھائی کے ہمراہ وادئ محصب میں پہنچیں۔ آپؐ نے پوچھا: "کیا تم دونوں فارغ ہو گئے؟" ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا، "جی ہاں، فارغ ہو گئے!"۔ تب آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور سب لوگ روانہ ہو گئے۔ بیت اللہ کا طواف آپؐ نے صبح کی نماز سے قبل کیا۔ بخاریؒ کے نزدیک قاسم کی حدیث میں ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ میں اسی طرح مذکور ہے!

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے رخصت ہونے لگے، تو فرمایا: "کل ہم ان شاء اللہ، خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر اتریں گے، جہاں انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب پر قسمیں کھائی تھیں کہ نہ تو وہ اُن سے نکاح کریں گے اور نہ ہی کوئی دیگر تعلق واسطہ رکھیں گے۔ جب تک کہ وہ آپؐ کو ان کے حوالے نہ کر دیں"۔ انتہیٰ!

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ آپؐ اس مقام پر شعائرِ اسلام کا اظہار فرمائیں گے، جہاں انہوں نے کفر وشرک کے شعائر کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ تو اس مقام پر آپؐ کے نزول کو مسنون خیال فرماتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک یہ سنّت نہیں، بلکہ یہ محض ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں سے آپؐ کو سفر کے لیے نکلنے میں آسانی تھی۔

مدینہ کی طرف مراجعت اور لشکرِ اسامہؓ کی روانگی

ابن اسحاق لکھتے ہیں، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور ذو الحجہ کے باقی دن، نیز محرّم اور صفر مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اس دوران آپؐ نے شام کی طرف ایک لشکر حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ اور ان کو یہ حکم دیا کہ ارضِ فلسطین میں بلقار اور داروم تک کے میدانوں کو روند ڈالیں۔ چنانچہ لوگوں نے تیاری کی اور اولین مہاجرینؓ بھی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تیار ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا لشکر ہے، جسے

انہوں نے تیار کیا!

بُدھ کے روز آپؐ کی بیماری کی ابتداء ہوئی، بخار ہو گیا اور بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تاہم جمعرات کی صبح کو اپنے دستِ مبارک سے آپؐ نے جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ یہ جھنڈا لے کر نکلے، تو اسے بریدہ اسلمیؓ کے حوالے کر دیا اور خود مقام "جرف" میں ٹھہر گئے ــــ دراصل بعض لوگوں (منافقین) نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آپؐ نے اس غلام کو مہاجرینؓ انصار (رضی اللہ عنہم) پر امیر مقرر فرمایا ہے۔ آپؐ نے یہ سنا تو شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس پر حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو امیر مقرر کیا۔ بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا، تو آپؐ یہ سن کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا، "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم نے اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں اعتراض کیا ہے، حالانکہ وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے!"

جبکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ: "اگر تم نے اس کی امارت پر اعتراض کیا ہے، تو اس سے قبل اس کے باپ کی امارت پر بھی تم نے اعتراض کیا تھا۔ حالانکہ وہ بھی اس امارت کے اہل تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے ــــ وہ بھی مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا بھی مجھے سب سے بڑھ کر عزیز ہے!"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، لوگ تیاری میں مشغول ہو گئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو لے کر نکلے۔ حتیٰ کہ مقام "جرف" میں فروکش ہو گئے۔ لوگ ان کے پاس پہنچنا شروع ہوئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں اضافہ ہو گیا۔ اس پر حضرت اسامہؓ اپنے لشکروں کے ساتھ رُک گئے، تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ اللہ ربّ العزت نے اپنے رسولؐ کے بارہ میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ ــــ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے محمدؒ، آپؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدّت اختیار کر گئی تو میں اور میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی مدینہ میں داخل ہوئے۔ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؐ نے سکوت اختیار فرما رکھا تھا۔ اور کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ آپؐ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر مجھ پر

رکھ دیتے، تب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپؐ میرے لیے دُعا فرما رہے تھے۔

سفرِ آخرت کی تیاری

صحیحین میں عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین سال کے بعد شہداء احد پر دعا کی ـــــ گویا آپؐ زندوں اور فوت شدگان کو الوداع کہہ رہے تھے ـــــ پھر آپؐ نے منبر پر چڑھ کر درج ذیل خطبہ دیا:

"(لوگو!) میں تم پر سبقت لے جانے والا ہوں، میں تم پر گواہ ہوں۔ اور واللہ! مجھے اس وقت اپنا حوض دکھائی دے رہا ہے۔ مجھے "زمین کی" یا "زمین کے خزانوں" کی ـــــ راوی کو شک ہے کہ آپؐ کے اصل الفاظ کون تھے؟) چابیاں دے دی گئی ہیں ـــــ واللہ! مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے۔ ہاں مگر مجھے یہ خوف ہے کہ تم دُنیا میں مبتلا ہو جاؤ گے!"

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ وُہ چاہے تو دُنیا پسند کر لے، اور چاہے وہ چیز اختیار کر لے، جو اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ چنانچہ اس بندے نے اپنے لیے وہی کچھ پسند کر لیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے!"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا، کہ آپؐ تو ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں، جسے دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے، پھر اس میں رونے کی کون سی بات ہے؟ ـــــ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوبکرؓ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، اور وُہ یہ راز پا چکے تھے کہ اختیار دیے جانے والے یہ شخص خود رسول اللہ ﷺ ہیں ـــــ آپؐ نے مزید فرمایا کہ:

"لوگوں میں سے رفاقت اور مال کے لحاظ سے میرے لیے زیادہ صاحبِ احسان ابوبکرؓ ہیں۔ اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا، تو یہ خلیل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے؛ تاہم اسلامی اخوت اور محبت و مؤدت بھی کچھ معمولی چیزیں نہیں ہیں!"

پھر آپؐ نے حکم دیا کہ مسجد میں آنے والے تمام دروازے بند کر دیے جائیں، لیکن بابِ ابی بکرؓ (ابوبکرؓ کا دروازہ) کھلا رہنے دیا جائے۔

ابنِ اسحاقؒ باسناد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابومویہبہ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ نے مجھے رات کے وقت بُلا بھیجا۔ میں حاضرِ خدمت ہوا، تو آپؐ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دُعاء کروں، لہٰذا میرے ساتھ چل!" چنانچہ میں آپؐ کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب آپؐ ان کے درمیان پہنچے، تو آپؐ نے فرمایا: "اے اہلِ مقابر، تم پر سلام ہو! ـــ لوگ جس حال میں ہیں، اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو کہ جس میں تم ہو ـــ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح مسلسل بڑھ رہے ہیں، کہ جن کا دُوسرا پہلے کی اتباع کرے گا، اور دُوسرا پہلے سے بڑھ کر بُرا ہو گا! ـــ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "اے ابومویہبہ! مجھے ایک طرف دُنیا کے خزانوں کی چابیوں، نیز اس میں ہمیشہ رہنے کا اختیار دیا گیا ہے، جبکہ دوسری طرف جنت کا! ـــ چنانچہ میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو ترجیح دی ہے!" میں نے عرض کی: "حضورؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ ان دونوں چیزوں کو بھی اختیار فرمالیں، اور پھر جنت کو بھی!" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، واللہ! میں نے اپنے لیے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا ہے!" ـــ پھر آپؐ نے اہلِ بقیع کے لیے مغفرت کی دعاء کی اور واپس تشریف لے آئے ـــ دورانِ واپسی اس مرض کا آغاز ہو گیا، جس میں آپؐ خالقِ حقیقی سے جا ملے!

ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن عتبہ نے محمّد بن مسلم الزہری سے بیان کیا، وُہ عبیداللہ بن عتبہ سے، اور وُہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ امّ المؤمنینؓ نے فرمایا: آپؐ بقیع سے واپس تشریف لائے، تو مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں شدید درد تھا۔ اور میں کہہ رہی تھی: "ہائے میرا سر!" آپؐ نے فرمایا: "اے عائشہؓ! بلکہ یہ تو مجھے کہنا چاہیے کہ میں بھی اپنے سر میں شدید درد محسوس کر رہا ہوں!" پھر آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ! اگر تُو مجھ سے پہلے فوت ہوتی، تو میں تیری طرف آتا۔ تجھے کفن دیتا، تجھ پر نماز پڑھتا اور تجھے دفن کرتا، اس میں تیرا کیا نقصان تھا؟" میں نے کہا: "گویا، اگر ایسا ہوتا تو آپؐ میرے اس گھر میں اپنی کسی

دوسری زوجہ کے ساتھ موجود ہوتے!" — یہ جواب سن کر آپؐ مسکرا دیئے!

آپؐ کا مرض شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، تاہم ابھی تک آپؐ باری باری اپنی ازواجؓ کے گھروں میں رہ رہے تھے۔ ایک رات جبکہ آپؐ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے، آپؐ کی تکلیف میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے اپنی تمام ازواجِ مطہراتؓ کو بلایا اور ان سے میرے گھر میں رہنے کی اجازت چاہی۔ سبھی نے بخوشی اجازت دے دی، تو آپؐ اہلِ خانہ میں سے دو آدمیوں، جن میں سے ایک فضل بن عباسؓ تھے، کے کندھوں کا سہارا لیے میرے گھر میں اس حال میں داخل ہوئے کہ سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور قدم زمین پر گھسٹ رہے تھے!

اس حدیث کے راوی عبیداللہؒ کہتے ہیں، میں نے یہی حدیث عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کی، تو انہوں نے پوچھا: "کیا آپ جانتے ہیں کہ (فضل بن عباسؓ) کے ساتھ دوسرا آدمی کون تھا؟" میں نے کہا: "نہیں!" کہنے لگے: "یہ علیؓ بن ابی طالب تھے!"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کر لی، اور آپؐ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا: "مجھ پر مختلف کنوؤں سے پانی کے سات ڈول ڈالو، تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے عہد لے سکوں۔" ام المؤمنین فرماتی ہیں: ہم نے آپؐ کو حضرت حفصہؓ کے گھر سے ایک لگن منگوا کر اس میں بٹھا دیا، اور آپؐ پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: "بس، بس! کافی ہے!" — انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں، اس حدیث کی اصل "الزہری عن عبیداللہ عن عائشہؓ" کے طریق سے صحیح بخاری میں ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ: "پھر آپؐ لوگوں کی طرف نکلے، ان کو نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔"

عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آپؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو، لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" میں نے عرض کی: "حضورؐ! جب میرے والد آپؐ کی بجائے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں گے اور اپنے رونے کی وجہ سے لوگوں کو قراءت نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کو

حکم دیجیے کہ وُہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو، لوگوں کو نماز پڑھائیں!"۔۔۔ بعض کتب میں یہ بھی ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوبارہ یہی بات کہی، تو آپؐ نے دوبارہ انھیں یہی جواب دیا۔۔۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں، پھر میں نے حضرت حفصہؓ سے بھی یہی بات آپؐ کے سامنے کہلوائی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: "چھوڑو بھی، تم تو یوسفؑ والیاں ہو! (یعنی زبان سے تو یہ کہہ رہی ہو، لیکن دل میں یہ خیال ہے کہ اگر خدانخواستہ حضورؐ اس مرض میں رحلت فرما گئے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے لوگوں کے دلوں میں نحوست کا خیال پیدا ہوگا)۔۔۔ ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں!"۔۔۔ اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے کہا کہ: "مجھے تیری طرف سے کبھی بھلائی نہ ملی!"

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: پھر آپؐ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی، تو آپؐ دو آدمیوں کا سہارا لے کر۔۔۔ جن میں سے ایک حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے آپؐ کی آمد کو محسوس کیا، تو پیچھے ہٹنے لگے، لیکن آپؐ نے اشارے سے منع فرمادیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ آپؐ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں پہلو میں بٹھا دیں۔ اب حالت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے تھے، اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہی بات حضرت عائشہؓ کی روایت میں اسود سے، اور آپؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں عروہ سے مروی ہے جبکہ مسلم کی ایک روایت میں، جو ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اس قصہ کے بارے کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا، اور انہوں نے آپؐ کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

صحیح بخاری میں حضرت عبیدؓ اللہ سے مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے، آپؓ فرماتی ہیں: "میں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار گزارش کی۔ اور اس کی وجہ میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام مقرر ہوگا، لوگ اسے منحوس خیال کریں گے۔ لہٰذا میں چاہتی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حکم (امامت) کا مکلّف قرار نہ دیا

جائے۔"

زہری کہتے ہیں، ہمیں عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ اور ابنِ عباسؓ نے فرمایا، اس بیماری میں آپؐ اپنا چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانک لیتے، اور جب ذرا افاقہ ہوتا، اسے ہٹا دیتے ـــــ آپؐ نے اسی حالت میں فرمایا،

"لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد:"

کہ" اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔"

صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :" اگر ہمیں یہ خدشہ نہ ہوتا کہ آپؐ کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے گا، تو آپؐ کی قبر کو ظاہر کیا جاتا۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: علیؓ بن ابی طالبؓ اس بیماری میں آپؐ کے پاس سے ہو کر آئے، تو لوگوں نے ان سے پوچھا:" اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کیسی حالت میں کی ہے ؟" بولے:" الحمد للہ، اچھی حالت میں!" حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:" واللہ! تم تین دنوں کے بعد محکوم ہو گے۔ میں موت کے وقت بنو عبد المطلب کی حالت کو خوب پہچانتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیے، ہم آپؐ سے امرِ خلافت کے بارے دریافت کر لیں۔ اگر یہ ہم سے متعلق ہے تو ہمیں اس کا علم حاصل ہو جائے گا، بصورتِ دیگر آپؐ اس بارے میں ہمیں وصیت فرما دیں گے!" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:" اگر ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اور ہم روک دیئے گئے، تو آپؐ کے بعد لوگ بھی ہمیں اس سے روک دیں گے ـــــ واللہ، میں اس سلسلہ میں آپؐ سے کوئی سوال نہیں کروں گا!"

صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جو کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا، میں نے ہمیشہ اس سے تکلیف اٹھائی ہے۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ کٹنے کو ہے!"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمومی خیال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہید فوت ہوئے —— اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت نے آپؐ کو شرف نبوت سے بھی سرفراز فرمایا!

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے اس مرض میں دوا پلائی، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو دوا نہ پلائی جائے۔ ہم نے کہا: "مریض تو دوا کو ناپسند کیا ہی کرتا ہے!" —— پھر جب قدرے افاقہ ہوا، تو آپؐ نے فرمایا: "کیا میں نے تمہیں دوا پلانے سے منع نہیں کیا تھا؟" ہم نے پھر وہی بات دوہرائی کہ "حضورؐ! مریض تو دوا کو ناپسند کیا ہی کرتا ہے!" اس پر آپؐ نے فرمایا: "گھر میں جتنے لوگ موجود ہیں، ان سب کو یہی دوا پلائی جائے، سوائے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ بعد میں آئے ہیں!"

آپؐ کی وفات سے چار راتیں قبل، جمعرات کے روز، جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا: "میرے پاس کاغذ اور دوات لاؤ، میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھوا دینا چاہتا ہوں، جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے!" لیکن لوگوں میں اس بات پر نزاع ہو گیا۔ حالانکہ آپؐ کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے، اس حالت میں آپؐ کو زحمت دینا مناسب نہیں۔ پھر ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے، جو ہمیں کافی ہے۔" جبکہ گھر والوں میں سے بعض دیگر نے اختلاف کیا اور یوں نزاع کی سی صورت پیدا ہو گئی۔ کوئی کہتا کہ تحریر لکھوا لینی چاہیے، اور کوئی اس کے برعکس کہتا!

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لوگوں نے کہا: "کہیں آپؐ بیہوشی میں تو نہیں بول رہے؟ خود آپؐ ہی سے کیوں نہ پوچھ لیا جائے؟" چنانچہ آپؐ سے پوچھا گیا، تو آپؐ نے فرمایا: "مجھے چھوڑ دو، تم مجھے جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو، میں اس سے بہتر حالت میں ہوں!" —— پھر آپؐ نے انھیں تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ اولاً یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے۔ ثانیاً، وفود کی اسی طرح عزت کی جائے، جس طرح میں کرتا رہا ہوں۔ تیسری بات سے آپؐ نے سکوت اختیار فرمایا، یا راوی کہتے ہیں، میں بھول گیا۔

ایک روایت میں ہے: جب شور و غل زیادہ ہوا، تو آپؐ نے فرمایا: "میرے پاس سے

اٹھ جاؤ!"

بہرحال یہ بات بلاشک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ اگر اس تحریر کا تعلق واجباتِ شریعت سے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی دیگر کے کہنے سے اپنے فیصلہ کو تبدیل نہ فرماتے! ـــــ علاوہ ازیں آپؐ نے اپنے اسی مرض الموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا" میں چاہتا ہوں کہ تیرے باپ اور بھائی کو ایک تحریر لکھ دوں۔ یا ان سے عہد لے لوں تاکہ امر خلافت کے بارے) کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے، یا یوں نہ کہے کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ اللہ تعالیٰ بھی، اور مومن بھی سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی کو قبول نہ کریں گے!"

یہ بخاری کی روایت ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کے درمیان یہ مسئلہ باعثِ نزاع بنا، اور شیعہ نے تو بالخصوص اس معاملہ میں ہلاکت کی راہ اختیار کی۔ چنانچہ آج تک وہ اسی ضلالت کا شکار ہیں!

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب کبھی آپؐ بیمار ہوتے تھے، تو آپؐ معوذات پڑھ کر خود پر پھونکتے۔ چنانچہ آپؐ کے اس مرض الموت میں میں نے بھی معوذات پڑھ کر آپؐ پر پھونکنا شروع کیا۔ اور برکت کی خاطر، میں آپؐ ہی کے دستِ مبارک پر پھونک کر انھیں آپؐ کے جسمِ مبارک پر پھیرتی تھی (رواہ البخاری)

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: سوموار کے دن جب صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے، نظر ڈالی۔ پھر تبسم فرمایا ـــــ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹے کہ صف میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ قریب تھا کہ آپؐ کے اس اچانک ظہور اور آپؐ کی تشریف آوری کی خوشی میں لوگوں کی نماز میں انتشار پیدا ہو جائے، آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر آپؐ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا۔

ابنِ اسحاق نے اپنی روایت (عن الزہری عن انسؓ) میں یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں کہ: لوگ

یہ سمجھ کر کہ آپؐ کو اپنے مرض سے افاقہ ہے، واپس چلے گئے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ بھی اپنے اہل کے پاس، جو مقام "سنح" میں تھے، تشریف لے گئے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ فرمایا کرتی تھیں: اللہ کے انعامات میں سے ایک بڑا انعام مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری وقت میں میری باری کے دن میرے گھر میں، میری گود میں اور میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا اور آپؐ کا لعاب اکٹھا کر دیا۔ ہُوا یوں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ) میرے گھر میں آپؐ کے پاس تشریف لائے، اُن کے ہاتھ میں مسواک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ آپؐ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مَیں سمجھ گئی کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا: "آپؐ کے لیے مسواک لوں؟" آپؐ نے سر کے اشارہ سے جواب دیا، ہاں۔ آپؐ نے مسواک لیا، مگر سخت ہونے کی وجہ سے استعمال کے قابل نہیں تھا۔ میں نے کہا: "میں اسے نرم کر دوں؟" آپؐ نے اشارہ کیا، ہاں۔ میں نے آپؐ کے فرمان کے مطابق اس کو اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کر دیا۔ آپؐ میرے سینہ سے ٹیک لگاتے ہوئے مسواک کرنے لگے۔ آپؐ کے پاس پانی کی ایک ڈولچی رکھی تھی، آپؐ اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے منہ پر پھیرتے اور فرماتے تھے: "لا الٰہ الّا اللّٰہ! بے شک موت میں بڑی سختیاں ہیں!"

آپؐ فرمایا کرتے تھے: "نبی جب تک جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے فوت نہیں ہوتا۔ پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔"

جب آپؐ بیمار ہوئے، جان کنی کا وقت آیا، اس وقت آپؐ کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی ران پر تھا۔ آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئے تو مکان کی چھت کی طرف دیکھا، اور فرمایا: "الٰہی! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔" ایک روایت میں ہے، "مجھے انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملا دے جن پر تو نے انعام کیا!" آپؐ کی ایک روایت میں ہے: میں نے کہا: "اب آپؐ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔ اور میں نے جان لیا کہ یہ وہی بات ہے، جو زندگی میں ہمیں بتایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں، "آخری کلمہ جو آپؐ کے منہ سے نکلا" اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ۔

تھا۔" ابنِ اسحاق نے یہ لفظ زیادہ کیے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: "میری سادگی، یا صغرسنی کی ناتجربہ کاری کہہ لیجئے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میری گود میں انتقال ہوگیا، تو میں نے آپؐ کا سر سرہانے پر رکھ دیا۔ اور عورتوں کے ساتھ مل کر رونے اور اپنا چہرہ پیٹنے لگی۔" بخاری کی ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں: "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد موت کی سختی کسی کے لیے ناپسند نہیں کرتی۔"

اسود کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ذکر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی تھی۔" کہنے لگیں: "یہ کون کہتا ہے؟ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ کا سہارا دے کر بیٹھی تھی آپؐ نے پیشاب کے لیے کوئی برتن منگوایا، وہ ابھی آیا نہیں تھا کہ آپؐ کا ہاتھ لڑھک گیا اور میں محسوس بھی نہ کرسکی کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا ہے۔ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کب وصیت کی؟"

طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے ابنِ ابی اوفٰی سے پوچھا، "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی تھی؟" بولے: "نہیں!" میں نے کہا: "پھر آپؐ نے یہ لوگوں پر کیوں فرض کی اور اس کا حکم کیوں دیا؟" کہنے لگے: "آپؐ نے بھی کتاب اللہ کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔" یہ سب روایات صحیح بخاری کی ہیں۔ مسند احمد میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں، جب تک کہ آپؐ کی زبان بند نہیں ہوئی، یہی فرماتے رہے: "نماز پڑھنا اور غلاموں کا خیال رکھنا، نماز پڑھنا اور غلاموں کا خیال رکھنا!"

عمروؓ بن حارث کہتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے درہم و دینار اور غلام و لونڈی نہیں چھوڑے۔ صرف آپؐ کی سفید خچر باقی رہ گئی، جس پر آپؐ سوار ہوتے تھے یا کچھ ہتھیار تھے آپؐ نے اپنی زمین کو مسافروں کے لیے صدقہ کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، "جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، آپؐ کی زرہ تیس صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔" (صحیح بخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، جب آپؐ کا وقت نزدیک آیا، تو آپؐ پر غشی کے

دورے پڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں "ہائے میرے باپ کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے!" آپؐ نے فرمایا "آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی"۔ جب آپؐ واصل بحق ہوئے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، "ہائے ابا جان! انہیں رب نے بلایا اور وُہ اُس کے پاس چلے گئے۔ ہائے ابا جان! جن کا مقام جنۃ المأویٰ ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبرئیل کو ان کی موت کی خبر دیتے ہیں"۔ جب آپؐ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: "انس! کیا تمہارے دلوں کو یہ بات اچھی لگی تھی کہ تم آپؐ پر مٹی ڈالو؟" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری میں، جس میں آپؐ کا انتقال ہوا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا بھیجا۔ جب وُہ آئیں، تو آپؐ نے ان کے کان میں کچھ کہا۔ وُہ رونے لگیں۔ آپؐ نے انہیں بلا کر پھر کان میں کچھ کہا، تو وُہ ہنسنے لگیں۔ ہم نے پوچھا: "آپؐ نے کیا فرمایا تھا؟" جواب دیا "آپؐ نے پہلے میرے کان میں کہا کہ میں اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا، میں یہ سُن کر رونے لگی۔ پھر آپؐ نے میرے کان میں کہا کہ آپؐ کے خاندان میں سب سے پہلے میں آپؐ کے پیچھے جاؤں گی، تو میں ہنس پڑی"۔ (صحیح بخاری)

بیان کیا گیا ہے: جب آپؐ کا انتقال ہوا تو کسی تعزیت کرنے والے نے، جس کی آواز اور آہٹ سنائی دیتی تھی مگر اس کا جسم دکھائی نہیں دیتا تھا، کہا: "اے اس گھر کے مکینو! تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، اس کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔ تمہیں تمہارے اعمال کا ثواب قیامت کے دن ملے گا۔ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں تسلی ہے کہ وُہ ہر ہلاک ہونے والے کا خلیفہ ہے، اور ہر ضائع ہونے والی چیز کی وہی تلافی کرنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو، اور ہر تکلیف میں اسی کی رحمت کی امید رکھو ـــــ یاد رکھو، حقیقی مصیبت زدہ وہی ہے، جو اپنے نیک اعمال کے ثواب سے محروم رہے ـــــ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!"

رفیقِ اعلیٰ کی جانب!

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دن کے بارہ بجے بروز پیر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپؐ ہجرت کے وقت جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اس وقت بھی یہی ۱۲ بجے کا وقت تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ آپؐ کی بیماری کے دوران انصار کی ایک مجلس پر گزرے۔ دیکھا کہ وُہ رو رہے تھے، انہوں نے پوچھا: "آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ بولے: "ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے محرومی پر رو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا تو آپؐ چادر کے ایک کنارے کی پٹی سر پر باندھ کر نکلے، منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس کے بعد کبھی آپؐ منبر پر نہیں بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: "میں تم کو انصار کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں، یہ لوگ میرے مخلص اور کھرے راز دان ہیں۔ جو فرض ان پر عائد ہوتا تھا وُہ انہوں نے پورا کر دیا۔ اور جس حسنِ سلوک کے وہ مستحق ہیں انھیں پورا کرنا ابھی باقی ہے۔ ان کے نیک کردار آدمی کی قدر کرو اور اگر کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس سے درگزر کرو۔"

صحیح بخاری میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ایک دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں پر چادر لپیٹ کر سر پر چکنی پٹی باندھ کر نکلے، منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "امّا بعد! لوگو! دوسرے لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اور ان کے مقابلہ میں انصار کم ہو جائیں گے، حتیٰ کہ یہ آٹے میں نمک کی طرح ہوں گے۔ تم میں سے جو شخص امیر بنے اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے قابل ہو وُہ ان میں سے نیک کردار کی قدر کرے اور خطا کار سے درگزر کرے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گاؤں "سنح" میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگے، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بخدا! اس وقت میرے دل میں یہی تھا اور مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو بسترِ مرض سے اٹھائے گا اور آپؐ کچھ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنح میں واقع اپنے مکان سے واپس تشریف لائے۔ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے اور کسی سے بات نہیں کی۔ حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ ایک دھاریدار کپڑے میں ڈھکے ہوئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کے منہ سے کپڑا ہٹایا، جھک کر آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا "میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو، آپؐ اپنی مبارک زندگی میں بھی صاف ستھرے تھے، اور وفات کے بعد بھی صاف ستھرے ہیں۔ جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی قسم! اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو دفعہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا۔" پھر باہر نکلے۔ حضرت عمرؓ بدستور لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ ان سے کہا "عمر! بیٹھ جائیے" مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا "اے قسم کھانے والے! ذرا صبر سے کام لیجیے۔" یہ دیکھ کر سب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اور کہا: "اما بعد، جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، تو بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ"[1]۔ آپؐ بھی فوت ہوں گے، اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔" نیز فرمایا، "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[2] الاٰیۃ" "محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی ہیں، آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپؐ فوت ہو جائیں یا شہادت پا جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟" پوری آیت تلاوت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے! ــــ ابن عباسؓ کہتے ہیں "یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پڑھنے سے پہلے لوگوں کو پتہ ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے۔ سب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھی ہے۔ اب ہر شخص اس کو پڑھتے سنائی دیتا تھا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے "خدا کی قسم! جب میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پڑھتے سنا تو میری کونچیں کٹ گئیں۔ میرے پیروں نے مجھے اٹھانے سے انکار کر دیا ــــ اور اس وقت مجھے یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال

---

[1] الزمر: ۳۰ [2] آل عمران: ۱۴۴

کی عمر میں وحی اتری، اس کے بعد تیرہ سال مکہ میں رہے۔ آپؐ کی مدنی زندگی ۱۰ سال تھی، اور وفات کے وقت آپؐ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ (رواہ البخاری)

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا ہے تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور حواس گم کر بیٹھے۔ بعض خاموش ہو گئے اور بعض پر جنون غالب آ گیا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کے سوا کوئی شخص بھی ثابت قدم نہیں رہا اور نہ ان سے بڑھ کر کسی کے ہوش و حواس بجا تھے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں خزرج کے مشہور سردار سعدؓ بن عبادہ کے پاس جمع ہوئے، اور انہوں نے "منا امیر ومنکم امیر" کا نعرہ لگایا۔ یعنی "ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا"۔ حضرت ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بات کرنے لگے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں خاموش کرا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: "بخدا! اس میں میرا ارادہ یہی تھا کہ میں نے اس سلسلہ میں جو بات سوچی ہوئی تھی، اندیشہ تھا کہ شاید حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دماغ میں وہ نہ آئی ہو لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب لوگوں سے زیادہ موثر تقریر کی۔ بیان جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا: "ہم بادشاہ ہیں اور تم وزیر ہو"۔ حبابؓ بن منذر انصاری نے کہا: "واللہ! ہمیں یہ منظور نہیں، ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا ہوگا"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "نہیں، بادشاہ ہم ہوں گے اور تم وزیر ہو گے۔ قریش اپنے مسکن کے لحاظ سے تمام عرب سے افضل اور حسب ونسب کے لحاظ سے ان سب سے اعلیٰ ہیں۔ اس لیے عمر یا ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ہاتھ پر بیعت کر لو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "نہیں، بلکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ ہم سے افضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے"۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد سب لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ انصار میں سے کسی نے کہا "تم نے سعدؓ بن عبادہ کو مار ڈالا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے

"ہم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مارا ہے"۔ قاسم اپنی حدیث میں کہتے ہیں: حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما، دونوں کی تقریر میں نفع عظیم ظاہر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ڈرا دھمکا دیا، اس لیے منافقوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حقیقتِ حال سے پردہ اٹھایا اور لوگوں کو اصل پوزیشن سے آگاہ کیا۔ پس لوگ اس مجلس سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے: "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ الآیۃ" (آل عمران: ۱۴۴)

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع ہوئے۔ حضرت علی، زبیر اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بیٹھے تھے۔ دوسرے مہاجر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع ہوئے، اسیدؓ بن حضیر بھی اپنے قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ساتھ ان میں شریک تھے کسی شخص نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے آکر کہا: "سب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سعدؓ بن عبادہ کے پاس جمع ہیں۔ اگر لوگوں کی تنظیم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو خطرناک حالت تک پہنچنے سے پہلے اس معاملہ کو سلجھائیے"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ابھی گھر میں رکھا تھا، تجہیز و تکفین کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "آئیے ہم اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس چلیں اور دیکھیں کہ وہ مستقبل کے بارہ میں کیا سوچ رہے ہیں"۔ چنانچہ وُہ دونوں ان کی طرف چلے۔ راستے میں ان کو دو صالح آدمی عویمؓ بن ساعدہ اور معنؓ بن عدی ملے۔ انہوں نے بتایا کہ انصار نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر کہا: "مہاجرین کی جماعت، کہاں چلے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلے ہیں"۔ وُہ بولے: "اے مہاجرین کی جماعت! تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ جو فیصلہ کرنا ہے، وہ خود کر لو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "بخدا! ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیئے"۔ چنانچہ وُہ گئے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار سے ملے، ان کے درمیان ایک آدمی کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "یہ کون صاحب ہیں"؟ انہوں نے کہا: "یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں"۔ پوچھا: "انھیں کیا ہے؟" جواب ملا: "یہ بیمار ہیں"۔ کہتے ہیں: جب ہم وہاں بیٹھ گئے تو ان کے خطیب نے تقریر شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اس نے کہا: "اما بعد: ہم اللہ کے دین کے انصار اور اسلام کا لشکر ہیں۔ اور اے مہاجرین! آپ لوگ ہمارا ایک حصہ ہیں۔ آپ کی ایک جماعت

ہمارے ہاں پناہ گزین ہوئی تھی۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اور ہمارے معاملہ پر خود قابض ہو جائیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں جب وہ خاموش ہوا تو میں اس کو جواب دینا چاہتا تھا کیونکہ میں نے اپنے دل میں اس کا اچھا جواب سوچ رکھا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ سے پہلے اس کو پیش کرنا چاہتا تھا، لیکن ان کی گرم مزاجی سے بچنا بھی چاہتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا "عمر! ذرا ٹھہریئے" چونکہ میں اُن کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے خاموش ہو گیا۔ پھر انہوں نے تقریر شروع کی وُہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے اور مؤثر تقریر کر سکتے تھے۔ خدا کی قسم! جو باتیں میں نے اپنے دل میں پہلے سوچ رکھی تھیں انہوں نے فی البدیہہ کہہ دیں بلکہ ان سے بھی بہتر کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: "آپ لوگوں نے اللہ کے دین کی مدد اور مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کا جو ذکر کیا ہے ہمیں اعتراف ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، مگر حکومت کے معاملہ میں عرب قریش کے سوا کسی دوسرے شخص پر مطمئن نہیں ہوں گے۔ یہ مسکن اور حسب و نسب کے لحاظ سے تمام عرب سے افضل ہیں۔ میں تمہارے سامنے دو نام پیش کرتا ہوں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔ پھر انہوں نے میرا اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "وہ دو آدمی یہ ہیں۔" ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے جتنی باتیں کہی تھیں ان میں سے یہ بات مجھے بہت ناگوار گزری کیونکہ میں اس قوم پر جس میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ موجود ہوں خلیفہ بننے سے اس بات کو زیادہ پسند کرتا تھا کہ مجمع عام میں میری گردن اڑا دی جائے اور گناہ سے بھی محفوظ رہوں۔

انصار میں سے حباب رضی اللہ عنہ بن منذر نے کہا:

"اے گروہِ قریش! ایک امیر ہم سے ہو گا اور ایک امیر تم سے ہو گا" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس پر شور بپا ہو گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ خطرہ تھا کہ خوفناک نزاع اٹھ کھڑا ہو۔ میں نے کہا: "ابوبکر! اپنا ہاتھ آگے لایئے" انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے فوراً ان کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد مہاجرین اور انصار نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ پھر کسی نے سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کا نام نہیں لیا۔ انصار میں سے کسی نے کہا "تم نے سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو مار ڈالا۔" میں نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے سعد بن عبادہ کو قتل کیا ہے۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مؤثر بات کہی جس سے انصار کے دل نرم ہو گئے اور انہوں نے اپنی بات پر اصرار ترک کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا یہ جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا؟" سب نے کہا: "بخدا! ہم یہ جانتے ہیں" انہوں نے کہا: "پھر تم میں سے کس کا دل مطمئن ہے کہ ان کو اس مقام سے ہٹا دے جس پر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے؟" سب با آوازِ بلند بولے "ہم سب یہ نہیں چاہتے ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے خواستگار ہیں"۔ پھر جب ابوبکرؓ سقیفہ میں بیعت سے فارغ ہوئے تو مسجد میں آ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور شام تک لوگوں سے بیعت لیتے رہے۔ ان مصروفیات کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں تاخیر ہوئی اور آپؐ کی تدفین منگل کی رات صبح صادق کے قریب عمل میں آئی۔

دوسرے دن بھی بیعت کا سلسلہ جاری رہا!

ابنِ اسحاق، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت لینے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے دن عام لوگوں سے بیعت لینے کے لیے مسجدِ نبوی کے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "لوگو! جو بات میں نے تمہیں کل کہی تھی، وہ کتاب اللہ کی بات نہیں تھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد بقیدِ حیات رہیں گے، مگر آپؐ ہم سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں باقی ہے، اور اسی کتاب کے ذریعے اس نے اپنے رسولؐ کو سیدھا راستہ دکھایا۔ اگر تم اس کے ساتھ پنجہ مارو گے تو وہ تمہیں بھی اسی طرح سیدھا راستہ دکھائے گا، جس طرح اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔ بلاشبہ تمہارا، تم میں سے ایک بہتر آدمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور غار میں آپؐ کے ساتھی پر اتفاق ہو گیا ہے۔ اس لیے اٹھو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو"۔ تب عام لوگوں نے سقیفہ کی بیعت کے بعد مسجد میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا خطاب

بیعت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلا خطاب کیا، اور اللہ تعالیٰ

کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: "امّا بعد! لوگو! مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لہٰذا اگر میں اچھا کام کروں، تو میری مدد کرو اور اگر کوئی بُرا کام کروں، تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچ امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارا کمزور میرے نزدیک قوی ہے، میں ان شاء اللہ اس کا حق دلواؤں گا اور تمہارا طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے، میں اس سے حق والے کا حق لوں گا۔ ان شاء اللہ! جو قوم اللہ کے راستہ میں جہاد چھوڑتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو عام عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں، میری فرمانبرداری کرو۔ اور جب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری فرمانبرداری لازم نہیں۔ اب نماز کے لیے اٹھو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔" (انتہیٰ)

بیعت سے پیچھے رہنے والے

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے حضرت علی بن ابی طالب، بنو ہاشم، زبیر بن عوام، خالد بن سعید بن عاص اور سعد بن عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے تخلف کیا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سب نے بیعت کر لی تھی۔ ہاں سعدؓ بن عبادہ نے آخر دم تک بیعت نہیں کی تھی۔ باقی سب نے چھ مہینے کے بعد بیعت کر لی تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ بہت سے مہاجر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے ناراض ہو گئے، ان میں حضرت علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں مسلح ہو کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر داخل ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت لے کر جس میں اسید بن حضیر، سلمہ بن وقش اور ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے، ان کے پاس آئے۔ بیعت کے سلسلہ میں ان سے گفتگو کی، حتیٰ کہ ان میں سے ایک آدمی نے زبیرؓ کی تلوار لے کر پتھر پر ماری اور اس کی دھار توڑ دی۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "خدا کی قسم! میں نے ایک دن اور ایک رات کے لیے بھی حکومت کی خواہش نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ سے خفیہ اور ظاہر طور پر اس کا سوال کیا ہے، لیکن میں نے فتنہ اور خانہ جنگی سے ڈرتے ہوئے اس کا

بوجھ اٹھایا ہے۔ میرے لیے اس میں کوئی راحت نہیں۔ بخدا! میری گردن پر ایسا بوجھ رکھ دیا گیا ہے جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں' اور اللہ تعالیٰ کی تقویت کے بغیر اس سے عہدہ برآ ہونے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ آج بھی کوئی قوی آدمی میری بجائے اس کو سنبھال لے۔" یہ سُن کر مہاجرین نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: "ہماری ناراضگی کی صرف یہی وجہ ہے کہ ہمیں مشورہ میں نہیں بلایا گیا' ورنہ ہمارا ایمان ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس کے زیادہ حقدار تھے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ آپؐ کے غار کے ساتھی ہیں' اور دو میں سے دُوسرے ہیں۔ ہم ان کی بزرگی اور شرف کے بھی معترف ہیں' اور جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔"

ابن عقبہ کے علاوہ دوسرے وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ تکمیل بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں کھڑے ہوئے' ان کو بیعت واپس کرتے تھے' اور جو بوجھ اٹھایا تھا، اس سے معافی چاہتے تھے' مگر سب نے بیک آواز کہا: "بخدا! نہ ہم آپ کو واپس دیتے ہیں اور نہ آپ سے واپس لیتے ہیں۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے لیے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے کیا۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ میں موجود تھا، غیر حاضر نہیں تھا۔ تندرست تھا، بیمار نہیں تھا۔ اگر مجھے آگے کرنا چاہتے' تو کر سکتے تھے' لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا ہے، ہم نے بھی اسے اپنی دنیا کے لیے پسند کر لیا!"

حضرت فاطمہؓ کا ابوبکر صدیقؓ سے ورثہ کا مطالبہ

صحیحین میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد (مدینہ منورہ کے فَے، فدک کے باغ اور خیبر کے خمس) سے اپنے ورثہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ وَإِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ" یعنی "ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوگا، ہم جو کچھ چھوڑیں گے' وہ صدقہ ہے' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ اس مال سے اپنی خوراک حاصل کریں گے۔" خدا کی قسم!

میں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ کی وہ حالت تبدیل نہیں کروں گا' جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھی۔ اور میں اس میں وہی عمل کروں گا' جو آں حضرت ﷺ اپنی زندگی میں کرتے تھے" بنابریں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ دینے سے انکار کر دیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناراض ہو گئیں اور آخر دم تک ان سے اس سلسلہ میں کلام نہیں کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آں حضرت ﷺ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ وفات کے بعد ان کے خاوند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ہی ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں لوگ بدستور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ لوگ بدل گئے ہیں پہلے کی سی ان کی خاطر و مدارات نہیں کرتے، کیونکہ اتنا عرصہ بیعت نہ کرنا عوام کے نزدیک قابلِ اعتراض تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کرنا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا مناسب سمجھا۔ اُن کو اپنے گھر بلا بھیجا، ساتھ ہی تاکید کی کہ اکیلے آئیں کسی کو ساتھ نہ لائیں۔ دراصل وہ اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دخل اندازی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ ان کے ہاں اکیلے نہ جائیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا؟ اگر میں اکیلا گیا تو وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے؛ بخدا! میں ان کے پاس تنہا ہی جاؤں گا" چنانچہ وہ اُن کے ہاں آئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا، پھر کہا: "اے ابوبکرؓ! ——— ہم آپ کے علم و فضل کے معترف ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عزت بخشی ہے' اس کا بھی انکار نہیں' اور نہ آپ کے مرتبۂ خلافت پر کوئی حسد ہے۔ شکایت صرف یہ ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں ہمیں شریک کرنے اور ہم سے مشورہ لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ آں حضرت ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی تفصیلی گفتگو کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنی باری میں انہوں نے کہا "خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' صلہ رحمی کے سلسلہ میں آں حضرت ﷺ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے۔ رہا اس مال کا معاملہ جس کی وجہ سے میرے اور آپ کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے'

تو اُس کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں نے اس بارہ میں حق پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی نہیں کی اور وہی کیا ہے جو میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ ظہر کے وقت مجمع عام میں بیعت کر لوں گا"۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پیچھے رہنے کا جو سبب بیان کیا تھا اُس کا ذکر کیا۔ پھر استغفار کرنے کے بعد نیچے اتر آئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور عظمت بیان کی۔ اور کہا: "اتنا عرصہ میرا بیعت سے پیچھے رہنا حسد کی بنا پر نہیں تھا اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و فضل سے انکار کی وجہ سے تھا۔ ہم اس سلسلہ میں اپنا حق سمجھتے تھے لیکن انہوں نے ہم سے مشورہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، جس کی وجہ سے ہم ناراض تھے۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عوام کی خواہش کے مطابق بیعت کر لی تو اس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی تحسین کی اور پہلے کی طرح ان سے قریبی روابط قائم کر لیے۔

تجہیز و تکفین اور تدفین کا بیان

جب لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے فارغ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اتحاد قائم رکھا اور اُن سے شیطان کے مکر کو دُور کیا تو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

ابن اسحاق، عبداللہ بن ابی بکر اور حسین بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے والوں میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، قثم بن عباسؓ، شقرانؓ مولی رسول اللہ اور اسامہ بن زیدؓ شامل تھے۔ بدری صحابی اوسؓ بن خولی ان کے ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے غسل دیتے وقت آپؐ کو اپنے سینے کا سہارا دیا تھا۔ حضرت عباسؓ، فضلؓ، قثم بن عباسؓ اور اوسؓ، آپؐ کے جسم کو الٹتے پلٹتے تھے۔ اسامہ بن زید اور شقران (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ کے بدن کو دھوتے تھے۔ انہوں نے آپؐ کو اپنے سینہ کی ٹیک دی۔ آپؐ کے بدن کو آپؐ کی قمیص کے ساتھ ملتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننگے بدن پر ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کہتے تھے "میرا ماں باپ آپ پر قربان ہو، آپ زندگی اور وفات کے بعد کتنے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہیں"۔ ——— چنانچہ آپ کے جسم پر کسی طرح کی آلائش کا نام ونشان نہیں تھا!

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگے، تو صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس امر میں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم آپ کے کپڑے اتار دیں یا نہیں، جب ان میں اختلاف رُونما ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ نیند کی وجہ سے ہر آدمی کی ٹھوڑی اس کے سینہ سے جا لگی۔ پھر انہیں مکان کے ایک کونے سے آواز سنائی دی معلوم نہیں یہ آواز کس کی تھی کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں میں غسل دو"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کی قمیص میں آپ کو غسل دیا۔ قمیص پر پانی ڈالتے، اور اسی کے ساتھ آپ کے جسم کو ملتے تھے۔ جب غسل دے چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن پہنایا گیا۔ دو سفید اور ایک دھاری دار چادر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لپیٹ دیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جب آپ کے لیے قبر تیار کرنے کا وقت آیا، تو لحد یا شق میں اختلاف ہوا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ اہل مکہ کی طرح شق بناتے تھے، اور ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ مدینہ والوں کے لیے لحد کھودتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ نے دو آدمی بلائے، ایک کو ابو عبیدہؓ کی طرف اور دوسرے کو ابو طلحہؓ کی طرف بھیجا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "الٰہی! ان دونوں طریقوں میں سے جو طریقہ افضل ہے، اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرما!" جو آدمی ابو طلحہؓ کی طرف گیا تھا، وہ ابو طلحہؓ کو پہلے لے آیا، اس لیے انہوں نے آپ کے لیے لحد تیار کی۔ جب غسل اور کفن کا کام پورا ہو گیا تو منگل کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی گھر میں رکھی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں بھی اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا، آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے۔ بعض نے کہا، آپ کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ جنۃ البقیع میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: "نبی جس جگہ فوت ہوتا ہے اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ آپ کی چارپائی اٹھائی گئی، جس پر آپ فوت ہوئے تھے، اور اس جگہ آپ کی قبر کھودی گئی۔ پھر مرد آپ کے آخری دیدار اور جنازہ کے لیے جماعت در جماعت مکان میں داخل ہونے لگے۔ جب مرد ختم ہو گئے تو

عورتیں جماعت در جماعت داخل ہوتی تھیں۔ جب عورتیں ختم ہوئیں تو بچوں کی باری آئی۔ ایک جماعت کی صورت میں کسی نے آپؐ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں آپؐ کے دفن کا اس وقت یقین ہوا جب ہم نے بدھ کی رات قبر کھودنے کے لیے کسیوں کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حضرت علیؓ بن ابی طالب، عباسؓ کے دو بیٹے فضلؓ اور قثمؓ، آپؐ کے غلام شقرانؓ اور اوسؓ بن خولی اترے تھے۔ آپؐ کے نیچے وہ چادر بچھائی گئی، جسے آپؐ عموماً پہنتے اور نیچے بچھا کر سوتے تھے[1]۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: "سب سے پیچھے قثمؓ آپؐ کی قبر سے باہر نکلے!"

ارتداد کا بیان

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں پر بڑی مصیبت نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے۔ یہودیت اور عیسائیت نے سر اٹھایا اور نفاق نے پر پرزے نکالے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت سردی کی رات میں بارش سے بھیگی ہوئی بکری جیسی تھی، حتیٰ کہ اللہ کی رحمت نے ان پر سایہ ڈالا اور وہ سب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اہلِ مکہ اسلام کے ترک کرنے پر تیار ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک وقت گورنر مکہ عتابؓ بن اسید کو چھپ کر جان بچانا پڑی۔ اس وقت سہیلؓ بن عمرو کھڑے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا، اور کہا: "یہ نہ سمجھو کہ آپؐ کی وفات سے اسلام کمزور ہو گیا ہے، بلکہ اس میں استحکام پیدا ہو گیا ہے۔ جس کو ہم مشکوک پائیں گے، تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے۔" یہ سن کر لوگ اپنے ارادے سے باز آ گئے اور اسلام پر جم گئے، اور یہی وہ موقعہ ہے، جس کے بارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا جبکہ انہوں نے آپؐ کو مشورہ دیا تھا کہ آپؐ سہیل کے سامنے کے دو دانت نکال دیں تا اس کی زبان لٹک پڑے گی اور وہ کسی مجمع میں آپؐ کے خلاف تقریر نہیں کر پائیگا۔ کہ "ممکن ہے یہ کسی مجمع میں ایسی تقریر کرے، جس سے آپکو مسرت حاصل ہوگی۔"

---

[1] مگر صحیح یہ ہے کہ بعد میں وہ چادر نکال دی گئی تھی لہٰذا میت کے نیچے چادر، نماز اور بستر وغیرہ بچھانا جائز نہیں، سنت کے خلاف ہے۔ (مترجم)

'معالم التنزیل' میں لکھا ہے: جب آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد عام عرب مرتد ہو گئے تو مکہ، مدینہ اور بحرین کے لوگ اسلام پر قائم رہے۔ انتہیٰ! نیز مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام پر صبر کرنے والے قبائل مندرجہ ذیل تھے:

اسلم، غفار، جہینہ، مزینہ، بنو کعب اور بنو ثقیف' ان کے اسلام پر قائم رہنے میں ان کے گورنر عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کا بڑا ہاتھ ہے۔ عدی کی کوشش سے بنو طے کے سب قبائل بھی ارتداد سے بچے رہے۔ ہذیل، اہلِ سرات، بجیلہ، خثعم اور تہامہ کے قرب و جوار میں رہنے والے ہوازن کے قبائل بنو نصر، جشم، سعد بن بکر، عبد القیس ان کے اسلام پر قائم رہنے میں جارود کی کوشش کا بڑا دخل ہے۔ عبس کے کچھ لوگ، اشجع، دوس، تجیب اور ہمدان، اور درج ذیل قبائل مرتد ہو گئے تھے: اکثر بنو تمیم، اسد، غطفان، سلیم کی کچھ جماعتیں، تمام اہلِ یمامہ، بکر بن وائل، اہلِ دبا، ازدِ عمان، نمر بن قاسط، کلب اور ان کے پڑوس میں رہنے والے قضاعہ، فزارہ اور بنو عامر بن صعصعہ کے قبائل بعض کہتے ہیں' یہ انتظار کرنے والے تھے کہ جس کو غلبہ ہوا اس کے ساتھ مل جائیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا ۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدّیق خلیفہ بنے اور عرب کے کچھ قبائل مرتد ہو گئے' تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ لوگوں سے کس طرح لڑیں گے' جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:" مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہوا ہے' جبتک وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہیں۔ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کر لیا' اس نے بجز حقِ اسلام مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچا لیا' اور اس کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے"۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:" خدا کی قسم! زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا' میں اس سے ضرور لڑوں گا۔ بخدا! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے ۔ جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے' تو میں اس کے انکار پر بھی ان سے لڑوں گا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:" اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے لیے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے' اور یہی حق ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: "اللہ تعالیٰ کی قسم! اہلِ ارتداد کی لڑائی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان ساری امت کے ایمان پر بھاری ہے۔ رزین' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"اے خلیفۂ رسولؐ! لوگوں سے تالیفِ قلب کریں اور ان کے متعلق نرمی سے کام لیں۔" وُہ بولے "جاہلیت میں جبّار تھے اور اسلام میں کمزور پڑ گئے؟ ۔ وحی ختم ہو گئی اور دین پورا ہو گیا ہے، کیا وُہ اب میری زندگی میں کم ہو جائے گا؟" واقدی کی کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا یہ قول مذکور ہے، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ سے کہا: "عربوں نے اپنے مال کے بارہ میں بخل سے کام لیا ہے، ان پر سختی کرنے سے سوائے متنفر کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس لیے اگر آپ اس سال زکوٰۃ وصول نہ کریں، تو خوب رہے گا۔" یعقوب بن محمّد زہری اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے تھے "ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کے امیر ہیں، جو اپنے دین پر ثابت رہے۔ اور صبر کرنے والوں کے بادشاہ ہیں جنھوں نے اپنے دشمنوں (مرتدین) سے جہاد کرنے پر صبر کیا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ ہی کے مشورہ سے صحابہؓ نے ان سے جہاد کرنے پر اتفاق کیا۔" عرب اپنی ردت میں متعدد فرقوں میں منقسم تھے۔ ایک جماعت نے یہ کہہ کر ارتداد اختیار کیا کہ "اگر آپؐ نبی ہوتے تو آپکو موت نہ آتی۔" دوسری جماعت نے کہا: "آپؐ کی وفات سے نبوت ختم ہو گئی ہے، اس لیے ہم اب کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔" اس کے متعلق حطیئہ نے کہا ہے ؎

اطعنا رسول اللہ ما عاش بیننا   فیا لعباد اللہ ما لأبی بکر

"جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ رہے، ہم نے ان کی اطاعت کی۔
اے اللہ کے بندو! تعجب ہے، اب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کو کیا ہوا؟"

أیورثہا بکرا إذا مات بعدہ   فتلك وبیت اللہ قاصمۃ الظہر

"کیا اپنی موت کے بعد اپنے بیٹے بکر کو اس کا وارث بنائینگے؟ اللہ کے گھر کی قسم! یہ کمر کو توڑ دینے والی بات ہے!"

بعض نے کہا "ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں، مگر اپنے مال کے بارہ میں ان کی بات نہیں ملنتے۔" میں کہتا ہوں، اسی جماعت کے متعلق شبہ واقع ہوا اور ان ہی کے بارہ میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ وغیرہ کے درمیان بحث و تکرار ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے بڑی پامردی سے ان سے مناظرہ کیا، جس کے نتیجہ میں ان کا شبہ دُور ہوا، اور سب نے تسلیم کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کا موقف صحیح ہے

اور ان سے جہاد کرنا برحق ہے۔ انتہیٰ!

ان ہی سے جہاد کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے جھگڑا کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم حضرت عمرؓ، ابو عبیدہؓ بن جراح اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ تھے۔ یہ کہتے تھے: "آپ اسامہؓ کے لشکر کو نہ بھیجئے، ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے اس کا مدینہ میں ہونا ضروری ہے۔ گڑبڑ ختم ہونے تک عربوں سے نرمی کا برتاؤ کیجئے، اس کے نتائج بڑے دُور رس ہیں۔ اگر عرب کا کوئی ایک قبیلہ مرتد ہوتا تو ہم مشورہ دیتے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مرتدوں سے لڑیں، مگر حالت یہ ہے کہ عرب تو تقریباً سب ہی مرتد ہو گئے ہیں کیونکہ کچھ صراحتاً مرتد ہیں، کچھ مرتدوں کی طرح زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں، کچھ توقف کرنے والے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اور دشمن کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے"؟ مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ کہا: "خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے معلوم ہو کہ اس شہر میں مجھے درندے کھا جائیں گے، تب بھی میں اس لشکر کو ضرور بھیجوں گا، جس کے بھیجنے کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اور میں اپنے ہاتھ سے وہ جھنڈا نہیں کھولوں گا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا ہے۔" پھر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "اگر مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جائیں، مجھے ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔" اور ان کو حکم دیا کہ جہاں تک آپکو جانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، وہاں ضرور پہنچیں۔ حضرت ابو بکرؓ وداع کرنے کے لیے پیدل جا رہے تھے، اور اسامہؓ سوار تھے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دی تھی کہ وہ سواری سے نہ اتریں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور اس کا، ارتداد پر آمادہ قبائل پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔ انہوں نے کہا: "اگر اہلِ اسلام میں طاقت نہ ہوتی تو یہ لشکر دشمن سے لڑنے کے لیے سرحد پر نہ آتا۔ ان کا راستہ نہ روکو، اور انھیں رومیوں کے مقابلہ میں جانے دو۔" چنانچہ انہوں نے رومیوں کو شکستِ فاش دی اور صحیح وسلامت اپنے وطن لوٹ آئے۔

مرتدوں سے لڑنے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنفسِ نفیس نکلنا

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کے ساتھ لڑنے میں گہری دلچسپی لی، اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی۔ آپؓ کو ان سے لڑنے کی اتنی فکر تھی کہ ایک دفعہ خود ان کے مقابلہ میں جانے کا مصمم

ارادہ کرلیا۔ لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور خود ایک سو مہاجرین اور انصار کا لشکر لے کر اور خالدؓ بن ولید کو جھنڈا دے کر مدینہ سے باہر کسی مقام پر پڑاؤ کیا تاکہ لوگ جلد از جلد ان سے آملیں اور ان کے لیے سفر پر جانے میں آسانی ہو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو جلد از جلد نکلنے پر آمادہ کریں لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس آنے کا مشورہ دیا اور کہا: "اے خلیفۂ رسولؐ! آپ واپس چلیں، آپ مسلمانوں کے لیے جائے پناہ اور بوقتِ ضرورت ان کے معاون ہیں۔ خدانخواستہ اگر آپ کی شہادت واقع ہوگئی تو باقی ماندہ لوگ بھی مرتد ہو جائیں گے اور باطل حق پر غالب آجائے گا!" — مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں خود جانے پر مصر تھے۔ ان سے پوچھا کہ لڑائی کی ابتدا کس سے کریں؟ انہوں نے اختلاف کیا، تو فرمایا: "ہم پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے اس کذاب طلیحہ کی طرف چلیں گے"۔ جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ کے زور دینے پر حضرت ابوبکرؓ واپس آنے پر آمادہ ہوگئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور ان سے کہا: "خالد! خدا کا خوف لازم پکڑیں اس پر کسی کو ترجیح نہ دیں اور اس کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلیں میں نے آپ کو ان بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین اور انصار پر امیر مقرر کیا ہے"۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ واپس آگئے اور خالدؓ لشکر لے کر دشمن کی طرف روانہ ہوگئے۔ بنو طے کے پہاڑوں آجا اور سلمی میں کیمپ لگایا، وہیں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ بھی مسلمان قبائل کو ساتھ لے کر ان سے آملے۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ نے طلیحہ پر چڑھائی کی۔ وہ اس وقت بنو اسد کے پانیوں میں سے ایک پانی پر تھا۔ ان کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلیحہ شکست کھانے کے بعد اپنے رفقا سمیت شام کی طرف بھاگ گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد آکر دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، ٹھیک ٹھاک مسلمان ثابت ہوا اور نہاوند کی جنگ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس کے زیرِ اثر مندرجہ ذیل مرتد قبائل بھی اسلام لے آئے اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی۔ وہ قبائل یہ تھے: بنو حنظلہ، بنو اسد، بنو فزارہ، بنو غطفان، بنو عامر اور بنو سلیم وغیرہ۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس جو ہتھیار موجود تھے سب لے لئے اور ان سے قسم لی کہ انہوں نے کسی قسم کے ہتھیار چھپائے نہیں۔ جو قسم کھا لیتا اس کو چھوڑ دیتے اور جو انکار کرتا اس کو گرفتار کر لیتے حتیٰ کہ انھوں نے اپنے سارے ہتھیار جمع کرا دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ ہتھیار

ان مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جن کے پاس دشمن سے لڑنے کے لیے ہتھیار نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان پر عامل مقرر کر دیا پھر ان کو واپس بلا لیا' اور وُہ مالِ غنیمت لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: میں بزاخہ کی لڑائی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں طلیحہ پر کامیابی عطا فرمائی۔ جب ہم کسی قبیلہ پر فتح حاصل کرتے' تو ہم عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیتے اور ان کے مال آپس میں تقسیم کر لیتے۔ یزید بن شریک فزاری روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بزاخہ سے فارغ ہوئے' تو میں اسد اور غطفان کے وفد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بنو اسد اور بنو غطفان کے بعض لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بیعت کی' اور بعض نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔ وہ چھپ چھپا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: "حرب مجلیۃ وسلم مخزیۃ"[1] میں سے جسے چاہو پسند کر لو"۔ خارجہ بن حسن نے کہا: "حرب مجلیہ تو میں جانتا ہوں' سلم مخزیہ (ذلیل کن صلح) کیا چیز ہے"؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سلم مخزیہ یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کرو کہ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول جہنم میں جائیں گے' اور جو کچھ تم نے ہم سے چھینا ہے' وہ واپس کرو' اور جو کچھ ہم نے لیا ہے' وُہ واپس نہیں کریں گے۔ نیز ہمارے مقتولین کی دیت ادا کرو۔ ہر مقتول کی دیت ایک سو اونٹ ہو گی' جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ پھر تم سے ہم جنگی سامان' گھوڑے اور ہتھیار لے لیں گے' اور تم جنگلوں میں اونٹ چرا کر گزارہ کرو۔ یہ حالت اس وقت تک رہے گی' جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور ایمانداروں کو کوئی نئی بات نہیں سمجھاتا' یا جب تک تم اس دین میں واپس نہ آ جاؤ' جس کو چھوڑا ہے۔ خارجہ نے کہا: "یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں منظور ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "تم پر اللہ تعالیٰ کا عہد اور میثاق ہے کہ تم دن رات قرآن حکیم پڑھو گے' اپنے بچوں کو سکھاؤ گے' اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ سے انکار نہیں کرو گے"۔ سب بولے "ہمیں منظور ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے' درست ہے لیکن مسلمان مقتولوں کی دیت کے متعلق جو کچھ کہا ہے' صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وُہ تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں' اور شہیدوں کی دیت نہیں ہوتی"۔ اس پر سب حاضرین نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جتنے گھوڑے اور ہتھیار مل سکے' اپنے قبضہ میں لے لئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

---

[1] حربِ مجلیۃ: ملک سے جلا وطن کرنے والی لڑائی۔ سلمِ مخزیۃ: ذلیل کرنے والی صلح (مترجم)

کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اب ان میں اسلام پختہ ہو گیا ہے تو وہ سارا سامان ان کے مالکوں کو واپس کر دیا اور جو مر گئے تھے اُن کا سامان ان کے وارثوں کے حوالہ کیا۔ یہ اصل واقعہ طارق بن شہاب کی روایت سے مختصراً صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

مسیلمہ کذّاب کا قتل

اس کے بعد خالدؓ بن ولید مسیلمہ کذّاب سے لڑنے کے لیے یمامہ کی طرف چلے۔ ان کے ساتھ دس ہزار سے کچھ ہزار زیادہ لشکر تھا جبکہ مسیلمہ کذّاب کی فوج چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو ہلاک کیا اور اس کے دس ہزار فوجی مارے گئے۔ پہلے پہل مسلمانوں کو شکست ہوئی حتیٰ کہ مسیلمہ کے ساتھی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے میں داخل ہوئے اور اپنی تلواروں سے اس کو پھاڑ دیا۔ پھر مسلمانوں نے جان توڑ حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محکم بن طفیل کو قتل کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔ مسیلمہ کے قتل میں حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشیؓ اور ایک انصاری شریک ہوئے۔ وحشی کہا کرتا تھا تیرا رب جانتا ہے کہ ہم میں سے اس کو کس نے قتل کیا ہے اور مسلمانوں میں سے تقریباً ایک ہزار بہترین آدمی شہید ہوئے۔ ان میں سے زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابو دجانہ، عباد بن بشر اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پھر مجاعہ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکہ دے کر قلعہ میں بند اپنی قوم کے لیے مصالحت کر لی۔ دھوکہ یہ تھا کہ اس نے قوم کو کہلا بھیجا کہ تمام عورتوں اور بچوں کو ہتھیار پہنا کر قلعوں پر کھڑا کر دیں۔ پھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کہا "ہمارے مسلح جوانوں اور ان کے ہتھیاروں کو دیکھو" مسلمانوں کا خیال تھا کہ اس کے لڑائی کرنے والے فوجیوں سے کوئی نہیں بچا مگر قلعہ پر مسلح افراد کو دیکھ کر اس کو سچا سمجھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سونے چاندی، ہتھیاروں، گھوڑوں اور آدھے قیدیوں پر صلح کر لی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمامہ کی طرف سے خبر کا بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران میں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے ان کو ہجر شہر کی کھجوریں لا کر دی ہیں۔ انہوں نے ان سے ایک کھجور کھائی۔ اس کی گٹھلی کھجور جتنی موٹی تھی۔ اس کو کچھ دیر اپنے منہ میں گھماتے رہے پھر نکال کر باہر پھینک دی۔ انہوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ خالدؓ کو اس جنگ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یمامہ ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ فتح کے بعد

خالدؓ نے ابو خیثمہؓ کو خوشخبری دینے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ ادھر حضرت ابو بکرؓ نے جب ان کو دیکھا تو پوچھا: "ابو خیثمہ! کیا خبر لاتے ہیں؟" انہوں نے کہا: "اے خلیفۂ رسولؐ اللہ! میں بہت اچھی خبر لایا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یمامہ میں فتح عطا فرمائی ہے۔" یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے لیے سجدہ میں گر پڑے۔ زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: یمامہ کی لڑائی میں قریش کے ستر، انصار کے ستر اور باقی دوسرے لوگوں میں پانچ سو آدمیوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ صحیح بخاری میں قتادہؒ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ شہید انصاری ہوں گے، اور عزت بھی انصار کی سب سے زیادہ ہوگی۔ یہی قتادہؒ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بتایا کہ احد کے دن انصار کے ستر آدمی شہید ہوئے، بئرِ معونہ اور جنگِ یمامہ میں بھی ان کے ستر ستر آدمی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔ دوسرے راوی یہ لفظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ جسرِ ابو عبید میں بھی ان کے ستر آدمی شہید ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عراق کی طرف روانگی

جب خالدؓ اہلِ یمامہ اور مرتدین کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ بعض کہتے ہیں جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دوسرا سال شروع ہوا تو انہوں نے خالدؓ کی طرف مکتوب لکھا، جس کا مضمون یہ تھا کہ "جب آپ یمامہ کی مہم سے فارغ ہوں تو عراق کی طرف کوچ کریں، میں نے آپ کو فارس اور حیرہ کی لڑائی کا سربراہ مقرر کر دیا ہے" چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس سے کچھ زیادہ ہزار فوج لے کر عراق کی طرف چلے۔ عراق والوں سے صلح کی ـــ پھر آگے بڑھے اور حیرہ میں جا ڈیرہ لگایا۔ اس پر قبیصہ بن ایاس طائی کسریٰ کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے بھی ہر سال ایک لاکھ درہم دینے پر صلح کر لی اور یہ پہلا جزیہ ہے، جو عراق سے وصول ہوا۔ پھر خالدؓ ابلہ کی طرف چلے۔ ہرمز ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر ان کے مقابلہ میں نکلا۔ دشمن نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ کسی نے کہا: "تم نے دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟ یہ تو بری فال ہے، ایسا نہ کرو۔" انہوں نے جواب دیا: "تم ہمیں بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" پھر خالدؓ نے ان پر چڑھائی کی، سخت لڑائی کے بعد اہلِ فارس پسپا ہوئے۔ شام تک مسلمان اُن کو بھاگتے ہوئے قتل کرتے رہے،

ان کے ستر ہزار فوجی مارے گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرمز کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس کا تاج، جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی، انعام میں دے دیا۔ اس جنگ کا نام "ذات السلاسل" ہے۔ ادھر سے فارغ ہو کر خالدؓ نے شاہِ ایران کسریٰ کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب اللہ کے بندے خالد کی طرف سے شہنشاہِ ایران کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی طرف ہے۔ امّا بعد! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تم میں اختلاف پیدا کیا اور تمہاری شان و شوکت کو توڑا۔ حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو میں تمہارے پاس ایسی قوم لے کر آیا ہوں جو موت کو اس طرح دوست رکھتی ہے جس طرح تم زندگی کو دوست رکھتے ہو۔"

جب انہوں نے یہ مکتوب پڑھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لاکھ نوے ہزار روپیہ سالانہ دینے پر صلح کر لی پھر خالدؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم ملنے پر رومیوں کا رُخ کیا۔ انتہیٰ!

جیسے پہلے اشارہ ہو چکا ہے، بحرین میں ربیعہ کے قبائل مرتد ہو گئے۔ صرف جارود بن عمرو اپنے زیرِ اثر عبد القیس کے چند قبائل کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے علاءؓ بن حضرمی بحرین کے گورنر تھے۔ اسلام سے مرتد ہونے کے بعد مشرکوں نے بحرین کے قلعہ جواثا میں ان کا محاصرہ کر لیا۔ اس سے مسلمانوں کو سخت قسم کی بھوک سے دوچار ہونا پڑا حتیٰ کہ نوبت ہلاکت تک جا پہنچی۔ ایک رات عبداللہؓ بن حذافہ ان کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے نکلے، تو ان کو شراب نوشی کی وجہ سے مست پایا۔ انہوں نے واپس آ کر مسلمانوں کو مطلع کیا۔ علاءؓ بن حضرمی اور دوسرے مسلمانوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان پر بھرپور شبخون مارا۔ ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح دی، اور ان کے گھوڑے اور مال و اسباب غنیمت کے طور پر علاءؓ بن حضرمی کے قبضہ میں آ گئے۔

اس کے بعد علاءؓ نے شہر پر حملہ کیا۔ شدید جنگ کے بعد دشمن لپپا ہو کر شہر میں داخل ہو گئے، اور دروازے بند کر لیے۔ جب محاصرہ سے تنگ آ گئے، تو انہوں نے صلح کی پیش کش کی اور کہا: "ہم اندرونِ شہر اپنے کُل اموال کا تیسرا حصہ اور بیرونِ شہر سارا مال دینے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت علاءؓ نے ان کی یہ پیش کش منظور کر لی، اور محاصرہ اٹھا لیا اور ان سے حاصل کردہ بہت سا مال حضرت ابوبکرؓ کی خدمت

میں مدینہ منورہ بھیجا۔ اہل ردت کی سرکوبی کے بعد چودہ افراد پر مشتمل عبد القیس کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے یہ لوگ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاں ٹھہرے۔ ان سے پوری تفصیل سننے کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت ابوبکرؓ سے ملے۔ اور کہا "عبد القیس نے اپنے پڑوسی قبائل سے اسلام کی طرف پہلے سبقت کی تھی، اور اب اہلِ ردت کی سرکوبی میں بڑی جوانمردی کا مظاہرہ کیا ہے، اس لیے یہ لوگ عزت افزائی کے مستحق ہیں"۔ اتنے میں اہلِ وفد بھی حاضر ہو گئے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ پہلے ہی موجود تھے۔ اہلِ وفد نے خلیفہ سے کچھ زمین اور آٹا پیسنے کی چکیوں کا مطالبہ کیا، جو پہلی فرصت میں منظور ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اسلام کی طرف سبقت اور اہلِ ردت کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے میں ان کا ہر مطالبہ پورا کروں گا۔" پھر ان کو ایک دستاویز بھی لکھ دی۔

اہلِ وفد جب باہر آئے تو انہوں نے یہ تحریر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے پڑھنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے ناپسند کیا، بلکہ اس میں تھوک دیا۔ اہلِ وفد واپس آئے، اور خلیفہ سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی اس حرکت سے بڑے مشتعل ہوئے اور کہنے لگے، "بخدا! ہم نہیں جانتے، خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟" انہوں نے بھی وہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کیا ہے، تو پھر میں بھی اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کروں گا۔" اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بھی آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا "آپ نے اس تحریر میں کونسی چیز ناپسند کی ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بولے "میں نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ساری قوم کی بجائے مراعات سے چند خاص افراد کو نوازا جائے۔ ادھر تو آپ سابقونِ اولون، اور اہلِ بدر کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے، اور ادھر بیس ہزار روپے کی جائداد چند مخصوص آدمیوں کو دے رہے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، یہی بات درست ہے"۔

سجاح کا دعوائے نبوت اور مسیلمہ کذاب سے نکاح

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعوٰی کیا۔ بنو تمیم اور اس کے ماموں بنو تغلب وغیرہ ربیعہ کے قبائل نے اس کی اتباع کی۔ پھر اس نے

مسیلمہ کذاب سے ملاقات کی۔ اس نے اس سے کہا، مجھ سے شادی کر لو۔ لوگ کہیں گے کہ ایک نبی نے نبیہ سے شادی کی ہے۔ وہ مان گئی اور اس کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئی۔ تین دن اس کے ہاں رہنے کے بعد اپنی قوم میں واپس آگئی۔ بالآخر اہلِ ردت کا انجام دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئی اور تاحینِ حیات اسلام پر قائم رہی۔

اسود عنسی کا واقعہ اور اس کا قتل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں اسود عنسی کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس کا نام عبہلہ تھا۔ یہ ایک شعبدہ باز آدمی تھا جو جہال کو عجیب وغریب کرتب دکھایا کرتا تھا۔ پہلے اس نے اہلِ نجران سے ساز باز کی پھر وہاں سے چل کر یمن کے دارالخلافہ صنعا، پر چڑھائی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس کی بیوی کو جو اس سے بے حد متنفر تھی، اپنے ساتھ ملایا۔ اسود نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ اس نے کہا "خدا کی قسم! یہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض ہے۔ میں خود اس سے آزاد ہونا چاہتی ہوں مگر اس نے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ پہرے دار ہر وقت اس کے محل کو گھیرے رہتے ہیں۔ اس پر قابو پانے کے لیے زمین دوز سرنگ تیار کرو" چنانچہ اس کی ہدایت پر ایک طویل سرنگ تیار کی گئی! ـــ اس کے ذریعہ حسب وعدہ فیروز دیلمی اس کے مکان کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور اس کو قتل کر دیا۔ جب انہوں نے اس کا گلا کاٹا تو اس سے اس طرح آواز پیدا ہوئی جس طرح بیل ذبح کرتے وقت اس کے گلے سے آواز نکلتی ہے۔ یہ سن کر پہرہ دار دروازے کی طرف بھاگے مگر اس کی بیوی نے کہا "فکر کی کوئی بات نہیں، نبی اللہ پر وحی اتر رہی ہے۔" اس طرح محل پر اسلامی فوج قابض ہوگئی۔ صبح کے وقت انہوں نے مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیا جس میں اس نے کہا: "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَاَنَّ عَبْهَلَةَ كَذَّابٌ" "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور عبہلہ کذاب ہے۔"

آں حضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ تمام سرگزشت آپ کی طرف لکھ بھیجی، مگر آپ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع مل گئی اور آپ نے اسود کے قتل کا مژدہ اپنے پاس موجود صحابہؓ کو سنایا۔ پھر آپ کا انتقال ہوگیا اور وہ چٹھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ منورہ پہنچی جس سے آپ کی

خبر کی تصدیق ہو گئی۔ صحیح بخاری میں ہے، عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ مجھے یہ بہت بُرے لگے اور میں نے ان کو کاٹ دیا۔ مجھے کہا گیا ان کو پھینک دو۔ چنانچہ میں نے ان کو پھینک دیا اور وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو جھوٹے آدمی پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے"۔ عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "ان میں سے ایک تو یہی اسود عنسی ہے جس کو فیروز دیلمی نے قتل کیا، اور دوسرا مسیلمہ کذاب ہے"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے اسی پہلے سال حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اسی سال جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمامہ کی جنگ میں بہت سے قاریوں کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن حکیم جمع کرنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری میں خود زید بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ یہ جنگِ یمامہ کا زمانہ تھا جس میں بہت سے قاری جامِ شہادت نوش فرما گئے تھے۔ فرمانے لگے "میرے پاس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے قاری قتل ہو گئے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اگر مختلف جنگوں میں قاری حضرات اسی طرح قتل ہوتے رہے، تو قرآنِ حکیم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ مناسب یہ ہے کہ آپ قرآنِ حکیم کے جمع کرنے کا حکم دیں"۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا: "آپ ایک عقلمند نوجوان ہیں، ہمیں آپ پر اعتماد ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی لکھا کرتے تھے اس لیے قرآنِ حکیم کی تمام آیات اور سورتوں کو تلاش کر کے کتابی صورت میں جمع کر دیں" زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا "جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا آپ کیسے کر سکتے ہیں؟" ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "بخدا! اس طرح کرنا بہتر ہے"۔ وہ مجھ سے برابر تکرار کرتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے تکرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآنِ حکیم چیتھڑوں، کھجور کی چھڑیوں، پتھر کے ٹکڑوں اور

لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ مجھے باوجود تلاشِ بسیار کے سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ تا آخر" نہیں مل رہی تھیں۔ بالآخر مجھے یہ آیتیں خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملیں۔ یہ لکھا ہوا قرآنِ حکیم تا زندگی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔ ان کے بعد تا زندگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا اور ان کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس تھا۔

حضرت عثمانؓ کی طرف سے قرآنِ حکیم نقل کرنے کا حکم

ابن شہاب، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اہلِ عراق کے ساتھ اہلِ شام سے جہاد میں مصروف تھے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: "امیر المؤمنین! امتِ مسلمہ کو قرآنِ حکیم کی قراءت میں یہود اور نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے سے بچایئے۔ اگر اس کا بروقت سدِّباب نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔" چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کا جمع کیا ہوا قرآن بھیج دیں، ہم اس کو نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ انہوں نے اس کے نقل کرنے کا حکم دیا، اور اس کی ایک ایک کاپی ہر ملک کے دارالخلافہ میں بھیج دی۔ نیز ہدایت کی کہ آئندہ ان کے مطابق قراءت کی جائے۔ اور اگر اس کے خلاف لکھا ہوا قرآن کسی کے پاس ہے تو اس کو جلا دیا جائے۔ انتہیٰ!

ذوالحج کا مہینہ آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج مقرر کیا، اور انہوں نے ۱۱ھ میں لوگوں کو حج کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حج میں اپنے غلام اسلم کو خریدا۔

جنودِ اسلام کی شام کی طرف روانگی

اہلِ ردت اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں جہاد کے لیے ملکِ شام میں بھیجیں چنانچہ عمروؓ بن عاص کو فلسطین کی طرف، اور یزید بن ابی سفیانؓ، ابوعبیدہؓ

بن جراح اور شرجیلؓ بن حسنہ کو شام کی طرف روانہ کیا اور ان کو اُوپر کے راستہ سے شام میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ جب یزید جانے لگے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دور تک پیدل ان کے ساتھ گئے۔ ان کو جنگ کے متعلق ہدایات دیتے تھے۔ یزید نے کہا: "یا تو آپ سوار ہو جائیں یا پھر میں بھی نیچے اتر آتا ہوں۔" آپؓ نے فرمایا: "نہ میں سوار ہوتا ہوں اور نہ آپ نیچے اتریں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پیدل چل کر ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے اور لشکرِ اسلام اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ پتہ چلا کہ روم کی ستر ہزار فوج ہرقل شاہِ روم کے بھائی تذارق کی سرکردگی میں فلسطین کی اُوپر کی جانب ثنیۂ جلق میں خیمہ زن ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صورتِ حال سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کیا اور رومی فوج کی کثرت کے پیشِ نظر ان سے امدادی لشکر بھیجنے کا مطالبہ کیا۔

خالدؓ اس وقت عراق کے شہر حیرہ میں تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا، کہ وہ اپنے جانبازوں کو لے کر شامی فوجوں کی امداد کے لیے جائیں، اور پیچھے رہنے والے کمزور لوگوں پر اپنا کوئی نائب مقرر کر دیں اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بھی لکھا کہ جب آپ شام میں مقیم فوجوں سے ملیں تو ان سب لشکروں کے امیر آپ ہوں گے۔ اس حکم کو ملتے ہی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمزور لوگوں اور عورتوں کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ عراق میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے عربوں اور دوسرے لوگوں پر مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کیا اور خود اپنی جانباز اور جنگ آزمودہ فوج کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام میں داخل ہوتے ہی مرج راہط میں غسان پر حملہ کیا اور ان کو روندتے ہُوئے قنات بصری میں جا اترے اور وہیں ان کی ملاقات ابو عبیدہؓ، شرجیلؓ اور یزید بن ابی سفیانؓ سے ہوئی! ——— اہلِ بصری نے اسلامی فوجوں کی کثرت دیکھ کر جزیہ پر صلح کر لی اور یوں اس شہر پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ملکِ شام میں یہ پہلا شہر ہے جس پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔

پھر یہ سارے مل کر فلسطین میں عمروؓ بن عاص کی امداد کے لیے گئے۔ رومیوں نے اسلامی فوجوں کے اجتماع کی خبر سنی تو اجنادین کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے تعاقب میں وہاں گئے اور بڑی خونریز جنگ کے بعد ان پر غلبہ پایا۔ تین ہزار رومی میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ پھر بھاگتے ہوئے کچھ قتل ہوئے اور کچھ قیدی بنے۔ باقی ماندہ شکست خوردہ رومی ایلیاء، قیساریہ اور دمشق کی طرف فرار ہو گئے۔ ملکِ شام میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی جنگ

یہی اجنادین میں لڑی گئی۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی وفات سے ۲۴ دن پہلے ماہ جمادی الاولیٰ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔

دشمن کا محاصرہ

پھر سارے سپہ سالارانِ اسلام دمشق گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اسی محاصرہ کے دنوں میں کسی نے آکر بتایا کہ دمشق کو بچانے اور اجنادین کا انتقام لینے کے لیے شاہِ روم کی طرف سے ایک فوج آ رہی ہے۔ خالدؓ نے لشکرِ اسلام کی صف بندی کی اور آنے والی فوج کو راستہ میں ہی جا لیا۔ لڑائی میں دشمن کو شکست ہوئی اور اہلِ اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ لڑائی "مرج الصفر" کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے پھر واپس آکر دمشق کا محاصرہ کر لیا اور رومیوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ جب کسی شخص کو کوئی چیز ملتی وہ لا کر مالِ غنیمت میں جمع کر دیتا اور اپنے لیے اس سے تھوڑی یا بہت چیز لینا حلال نہ سمجھتا۔ حاکم دمشق نے اپنے جاسوسوں سے اہلِ اسلام کے اعمال و کردار کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے جہاں ان کی اس امانتداری کی تعریف کی، وہاں یہ بھی بتایا کہ ان کی راتیں سجود و قیام میں گزرتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کسی وقت غافل نہیں ہوتے۔ اس نے کہا: "یہ تورات میں راہب اور دن کو شیر ہوتے ہیں۔ بخدا! مجھے ان سے لڑائی کی طاقت نہیں، اور نہ ان سے لڑنے میں کوئی بھلائی ہے۔" پھر اس نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

صدیق اکبرؓ کی وفات

اسی سال منگل کی شام ۱۷۔ جمادی الاولیٰ کو مغرب اور عشاء کے درمیان حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے سلسلہ میں دو باتیں کہی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو یہود نے زہر کھلایا۔ دوسری یہ کہ انہوں نے سردی کے دن غسل کیا اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اسی بیماری میں کسی نے کہا: "آپ کے لیے ڈاکٹر بلائیں؟" فرمایا "اُس نے مجھے دیکھا ہے۔" لوگوں نے پوچھا: "پھر اس نے کیا کہا؟" بولے "اس نے کہا ہے "میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد

جب زندگی کی امید نہ رہی، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لکھایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن، جب کافر ایمان لے آتا اور بدکار یقین کر لیتا ہے، دستاویز ہے کہ میں نے اپنے بعد یہاں پہنچ کر ان پر غشی طاری ہو گئی، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے لکھ دیا۔ "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے۔" پھر رک گئے! کچھ دیر بعد جب ہوش میں آئے، تو پوچھا: "آگے کچھ لکھا ہے؟" بولے: "ہاں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے لکھا ہے۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔" پھر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی: "الٰہی! میں نے ان پر ان میں سے بہتر آدمی کو حاکم مقرر کیا ہے۔ اس سے میرا ارادہ ان کی اصلاح کا ہے، کیونکہ مجھے ان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس فتنہ سے بچنے کے لیے میں نے وہ کام سرانجام دیے ہیں، جو تُو خوب جانتا ہے۔ اب میرے پاس تیرا وہ حکم آگیا ہے، جو ہر ذی نفس کا مقدر ہے۔ میں نے اپنی صوابدید کے مطابق ان پر بہتر آدمی مقرر کیا ہے، جو ان کی ہدایت پر بڑا حریص ہے۔ اس سے میری غرض عمرؓ کی بے جا حمایت نہیں ہے، خصوصاً جبکہ میں دُنیا چھوڑ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو رہا ہوں۔ الٰہی! ان میں تو میرا خلیفہ ہے۔ یہ تیرے بندے ہیں، اور ان کی پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ الٰہی! ان کے حاکم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیک کام کی توفیق عطا فرما، اور ان کو اپنے ہدایت یافتہ خلفاء میں داخل فرما۔ یہ تیرے نبیؐ جو نبیِ رحمت کے لقب سے ملقب ہیں، کے طریقہ کی پیروی کریں، اور آپؐ کے بعد صالحین کے طریقہ پر چلیں۔ الٰہی! ان کے حق میں ان کی رعیت کا معاملہ بھی درست کر دے۔" اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی افواج کے سپہ سالاروں کے نام یہ فرمان لکھوایا:

"میں نے تم میں سے بہتر آدمی کو تمہارا حاکم بنایا ہے، اس میں میں نے اپنی جان اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر کہا: "میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر

خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ عمر! یاد رکھیے، جو اللہ تعالیٰ کا حق رات میں ہے اسے دن میں قبول نہیں کرتا اور اس کا جو حق دن میں ہے اسے رات میں قبول نہیں کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک فرائض ادا نہ کیے جائیں نوافل قبول نہیں ہوتے۔ دراصل قیامت کے دن ان لوگوں کے اعمال ہی وزنی ہوں گے جن کے اعمال حق کی اتباع اور اس کی گرانباری برداشت کرنے سے میزان میں بھاری نکلیں گے۔ اور جس میزان میں حق کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہوگی، وُہ میزان یقیناً بھاری ہوگی اور جن کے اعمال باطل کی اتباع اور اس کی سبکساری کی وجہ سے میزان میں ہلکے ہوں گے، دراصل ان کے اعمال ہی ہلکے ہیں۔ اور وہ میزان جس میں باطل کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں، بلاشبہ وہی میزان ہلکی ہوگی۔ قرآن حکیم میں جہاں آیتِ رجاء آئی ہے، وہاں آیتِ شدت بھی مذکور ہے اور جہاں آیتِ شدت نازل ہوئی ہے، اس کے ساتھ آیتِ رجاء بھی اتری ہے تاکہ امید اور خوف دونوں حالتیں مومن کے سامنے رہیں۔ پس اتنے پر امید نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی آرزو کریں جس کے آپ اہل نہیں! ۔ اور نہ اتنے پرخطر نہیں کہ ہر خیر سے ہی مایوس ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کے اعمالِ بد ذکر کیے ہیں اور ان کی نیکیاں ضائع کر دی ہیں۔ جب میں ان کو یاد کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں، شاید میرا شمار ان ہی میں نہ ہو۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کے نیک اعمال ذکر فرمائے ہیں اور ان کی برائیاں معاف کر دی ہیں۔ جب ان کو یاد کرتا ہوں تو امید بندھتی ہے کہ ان جیسا کوئی بھی نیک عمل ذریعۂ نجات بن سکتا ہے۔ اگر آپ میری نصیحت پر عمل کریں تو موت سے بڑھ کر کسی چیز کو محبوب نہ سمجھیں، وہ بہرحال ہی وارد ہونے والی ہے۔ اور اگر آپ میری وصیت کو ضائع کر دیں گے تو موت سے بڑھ کر کوئی چیز آپ کے نزدیک مکروہ نہیں ہوگی لیکن آپ اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔"

ابو قحافہؓ پر بیٹے کی موت کا اثر

مکہ میں ابو قحافہؓ کو بیٹے کی موت کی خبر پہنچی، اور انہوں نے ایک ہولناک شور سنا تو پوچھا: کیا ہوا ہے؟ کسی نے کہا: "آپکا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔" بولے "ہیبت ناک مصیبت نازل ہوئی ہے۔" پھر پوچھا: "اس نے کس کو ولی عہد بنایا ہے؟ لوگوں نے بتایا "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔" بولے: "وُہ اس کا دوست ہے۔"

جس دن مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اسی دن مکہ میں ان کے

گورنر عتابؓ بن اسید نے وفات پائی، اور دونوں کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۶۳ سال تھی، اور ان کی خلافت کی مدت ۲ سال ۳ مہینے اور ۸ دن ہے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو ان کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس غسل دیں۔

جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں کے رونے سے مدینہ منورہ میں زلزلہ آگیا۔ ان کا جنازہ مسجدِ نبویؐ میں پڑھا گیا، اور ان کو لحد میں رکھنے کے لیے حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی قبر میں اترے۔

اولاد

ان کے چھ بچے تھے۔ تین لڑکے: عبدؓاللہ، یہ سب سے بڑے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی عبدؓالرحمٰن اور محمدؓ۔ اور تین لڑکیاں، اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسماءؓ، یہ بڑی تھیں، اور اُمِّ کلثوم جو ماں کے پیٹ میں فوت ہو گئی تھیں۔

امانتداری

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے، تو کہنے لگے: "دیکھو خلیفہ بننے کے بعد میرے مال میں جو اضافہ ہوا ہے، وُہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کر دینا"۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ہم نے دیکھا، ان کے گھر ایک حبشی غلام تھا جو بچوں کو کھلاتا تھا، اور ایک آب پاشی کا اونٹ تھا، جو ان کے باغ کو پانی دیتا تھا۔ یہ دونوں ہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے، اور کہنے لگے: "اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو بہت زیر بار کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیچھے اپنے گھر میں کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت

جس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، اسی دن خلیفہ کی حیثیت سے عمرؓ کی بیعت

کی گئی' اورانہوں نے منبر پر کھڑے ہوکر پہلا خطبہ یہ دیا؛

"الٰہی! میں سخت ہوں' مجھے نرم کردے۔ میں کمزور ہوں' مجھے طاقتور بنادے اور میں بخیل ہوں' مجھ میں سخاوت کا مادہ پیدا کردے۔ لوگو! طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے' میں اس سے حق لے کر چھوڑوں گا۔ اور کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے' میں اس کا حق دلا کر رہوں گا۔"

یہ پہلے خلیفہ ہیں' جن کو "امیر المؤمنین" کا خطاب دیا گیا۔ یہ پہلے خلیفہ ہیں' جنھوں نے سنہ ہجری جاری کیا' اور سنہ ۱۶ھ میں اس کا نفاذ کیا۔ اور یہ پہلے شخص ہیں' جنھوں نے رمضان میں تراویح پڑھانے کے لیے ایک امام مقرر فرمایا۔ نیز یہ پہلے خلیفہ ہیں' جنھوں نے مجرموں کی سزا کے لیے کوڑا ہاتھ میں لیا۔ ان کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے، "عمر! نصیحت کرنے کے لیے موت کافی ہے" آپؓ نے لوگوں کو پے درپے دس حج کرائے' اور آخری حج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اپنے ساتھ حج کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

ان کے عہد میں بے شمار شہر فتح ہوئے، ان میں ایک' ملکِ شام کا دارالخلافہ دمشق ہے۔ اس کو حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما نے بذریعہ صلح فتح کیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سالارِ اعظم مقرر کیا تھا۔ جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی' اور ان کی جگہ اپنی تقرری کا فرمان ملا تو انہوں نے حیاداری کی' یہ فرمان حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو نہیں دکھایا۔ جب دمشق کی فتح پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو پھر اس کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روم، طبریہ، قیساریہ، فلسطین اور عسقلان پر فتح عطا فرمائی۔ بیت المقدس کی طرف عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے' اور اس کو بطریقِ صلح فتح کیا پھر یہ سارے شہر بعلبک، حلب، حمص، قنسرین، انطاکیہ، جلولاء، رقہ، حران، موصل، جزیرہ، نصیبین، آمد اور رُہا یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ ادھر ایران میں قادسیہ اور مدائن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھوں مفتوح ہوئے، فارسیوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور شاہِ ایران یزدگرد نے بھاگ کر فرغانہ اور ترکستان میں پناہ لی۔ ابلہ کا علاقہ بھی عتبہ بن غزوان نے فتح کر لیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہواز کا علاقہ اور جابیہ کو فتح کیا۔ نہاوند، اصطخر، اصبہان، بلد فارس، تستر، سوس، ہمدان، نوبہ اور برقہ بھی اسلامی حکومت

کے زیرِ نگیں آ گئے۔ آذربیجان اور خراسان کے بعض دوسرے شہر بھی فتح ہو گئے۔ ادھر حضرت عمروؓ بن عاص نے محرم سنہ ۲۱ھ میں پورے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اسکندریہ، طرابلس الغرب اور ساحل کے قریبی علاقے بھی انہوں نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے۔ "حیات الحیوان" میں لکھا ہے کہ رأس العین، خابوز بیسان اور یرموک، رَے اور ان دونوں کا درمیانی علاقہ بھی ان کی فتوحات میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شہر بصرہ سنہ ۱۴ھ میں آباد ہوا۔ مشہور شہر کوفہ کی بھی آپؓ ہی کے مبارک عہد میں بنیاد رکھی گئی۔ اور فاتح عراق و ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ سنہ ۱۸ھ میں سخت قحط رُونما ہوا، اور اسی وجہ سے اس کو "عام الرمادۃ" کہتے ہیں۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر بارش کی دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور کھل کر بارش ہوئی۔ اسی سال ملکِ شام میں طاعون عمواس کی وبا پھوٹ پڑی جس سے ستر ہزار انسان موت کا شکار ہوئے۔ فاتح شام حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان میں شامل ہیں۔

طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں آئے تو عساکرِ اسلام آپؓ کے استقبال کے لیے جمع ہوئے۔ مگر آپؓ جس وقت وہاں پہنچے تو آپؓ کی حالت یہ تھی کہ جوتے اتار کر بغل میں دبا رکھے تھے اور اونٹ کی مہار پکڑ کر گھٹنے گھٹنے پانی میں چل رہے تھے۔ عقیدتمندوں نے کہا: "امیر المؤمنین! فوجوں کے سپہ سالار، اہلِ کتاب کے لیڈر اور مذہبی راہنما استقبال کے لیے آ رہے ہیں، اور آپ کی یہ حالت ہے؟ خدارا ہم پر مہربانی فرمائیے۔ ذرا اپنی حالت بدلیے اور بادشاہوں کے شایانِ شان لباس زیبِ تن فرمائیے!" آپؓ نے فرمایا: "ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت عزت بخشی ہے۔ اگر ہم اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے عزت کے طالب ہوں گے، تو ہمیں ذلیل کر دے گا۔"

اسی واسطے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: "حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کو نہیں چاہا، اور اس نے بھی ان کو نہیں چاہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا نے چاہا، مگر انہوں نے اس کو منہ نہیں لگایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے کسی قدر مناسب فائدہ اٹھایا۔ رہے ہم، ہم تو کمر تک اس میں ڈوب گئے ہیں۔"

کہتے ہیں: خشیتِ الٰہی سے رونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں رخساروں پر

سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ ان کے زمانہ میں دولت کی ریل پیل ہو گئی، اسی لیے ان کو بیت المال کا شعبہ قائم کرنا پڑا اور اس کے لیے باقاعدہ دفتر اور رجسٹر بنائے۔ ہر ایک کے، اس کی خدمات اور سبقت الی الاسلام کے پیش نظر وظیفے مقرر کیے۔ عام رعیت کو اتنا دیا، جو اُن کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ اور فوج کی تنخواہیں بھی مقرر کیں!

حضرت عمرؓ کی نامزدگی پر اعتراض

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اُن کو خلافت کے لیے نامزد کیا تو بعض حضرات کو ناگوار گزرا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "آپ ہم پر ایک سخت دل اور بے رحم آدمی کو والی مقرر کر رہے ہیں، کل خدا کو کیا جواب دیں گے؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "مجھے ذرا سہارا دے کر بٹھا دو۔" جب بیٹھ گئے تو فرمایا: "تم مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہو؟ میں کہوں گا: یا اللہ! میں نے تیرے بندوں پر ان سب سے بہتر آدمی کو خلیفہ بنایا ہے۔ واللہ! میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کوئی نہیں چھوڑا۔ جب تم دنیا میں پھنسو گے، ان کے جوہر تم پر کھلیں گے۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: سب سے زیادہ صاحبِ فراست اور دانشمند تین شخص ہیں: عزیزِ مصر، جب اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی، "یوسف علیہ السلام کو عزت کے ساتھ رکھو، یہ کسی دن ہمیں نفع پہنچائے گا، یا ہم اسے اپنا لڑکا بنا لیں گے۔" شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر، جب اس نے باپ سے کہا: "ابا جان! اس کو ملازم رکھ لیں۔ بہترین ملازم وہ ہے، جو طاقتور اور امانتدار ہو۔" اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا!

حضرت عمرؓ کی شہادت

آپؓ اپنی خلافت کے دوران ہر سال حج کیا کرتے تھے اور اپنے عمال کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ ہر سال حج کے موقعہ پر ان سے مکہ معظمہ میں ملیں، تاکہ ان کو رعیت کے بارہ میں ہدایات دیں، ان کو ان پر ظلم کرنے سے روکیں اور قریب سے ان کے حالات کا جائزہ لیں۔ نیز ایک وقت متعین

ہو جائے، اور رعیت کے لوگ اس میں اپنی شکایات ان کے سامنے پیش کرسکیں!

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ سے واپس ہوئے تو محصب میں ریت کی ایک ڈھیری بنا کر اس پر اپنی چادر ڈالی اور چت لیٹ گئے۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور یوں گویا ہوئے:

"الٰہی! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری قوت کمزور پڑ گئی ہے اور میری رعیت دُور دُور تک پھیل گئی ہے۔ اب مجھے ان کے بارہ میں کمی و بیشی کرنے سے پہلے اپنے پاس بلا لے!"

کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے آخری حج سے واپس ہوئے اور وادیٔ ضجنان میں پہنچے، تو ایک جگہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "الحمد للہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ! اللہ تعالیٰ جس کو جو کچھ چاہتا ہے، دیتا ہے۔ ایک وقت گزرا ہے کہ میں اس وادی میں اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ وُہ سخت دل اور بے رحم آدمی تھا۔ جب میں کام کرتا، تو تھکا دینے والے کام میرے سپرد کرتا۔ اور اگر مجھ سے کوتاہی ہوتی، تو مجھ کو پیٹتا۔ اور اب ایک یہ وقت ہے کہ میرے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دُوسری کوئی ہستی نہیں، جس کا مجھے ڈر ہو۔ پھر بطورِ تمثل یہ اشعار پڑھے ؎

لا شیء مما تری تبقی بشاشتہٗ   یبقی الإلٰہ ویودی المال والولد

"تمہارے سامنے جو کچھ ہے، اس کی حلاوت باقی نہیں رہے گی۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی، اور یہ مال اور اولاد سب ہلاک ہو جائیں گے۔"

لم تغن عن ھرمز یوما خزائنہٗ   والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا

"ہرمز کو موت سے اس کے خزانے نہ بچا سکے۔ اور قومِ عاد نے ہمیشہ رہنا چاہا، مگر ہمیشہ نہ رہ سکے۔"

ولا سلیمان إذ تجری الرّیاح لہٗ   والجنّ والإنس فیما بینھا ترد

"سلیمان علیہ السلام بھی نہ بچ سکے، جن کے اشارے سے ہوا چلتی تھی اور جن کے سامنے جنوں اور انسانوں کے جمگھٹے لگے رہتے تھے۔"

أین لقاءك التی کانت لعزّتھا   من کلّ أوب إلیھا وافد یفد

"تیری وہ شان و شوکت اور مال و دولت کہاں ہے، جس کے حصول کے لیے ہر طرف سے

وفد آیا کرتے تھے؟"

حوض هنالك مورود بلا كذب　　لا بد من ورده يوما كما وردوا

"اب بلاشبہ (موت کے) اس حوض میں داخل ہونے کا وقت آ گیا ہے جس میں سب پچھلے لوگ داخل ہوئے!"

شہادت کی دعا

امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر یوں دُعا کرتے،

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"

"الٰہی! مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول ؐ کے شہر میں مجھے موت دے"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، میں کہتی: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرماتے: "جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اُس کے اسباب مہیا کر دے گا" (رواہ البخاری)

صحیحین میں معدان بن طلحہ سے روایت ہے، ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمعہ کا خطبہ دیا، اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے مرغ نے تین ٹھونگے مارے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب ہے۔ کچھ لوگ مجھے خلیفہ نامزد کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنی خلافت کو ضائع نہیں کرے گا اور نہ اس مشن کو ناکام کرے گا، جس کی تکمیل کے لیے اپنا رسولؐ بھیجا۔ اگر مجھے موقعہ نہ ملا، تو خلافت کے بارہ میں ایسے چھ آدمی باہمی مشورہ سے فیصلہ کریں، جن سے اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ دنیا سے خوش خوش گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس پر وہ آدمی اعتراض کریں گے، جن کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے میں نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔ اگر وہ ایسا کریں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن، نافرمان اور گمراہ ہیں۔ پھر میں اپنے پیچھے کلالہ[1] کے مسئلہ سے زیادہ پیچیدہ کوئی مسئلہ نہیں چھوڑوں گا۔ جس قدر میں نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کی تھی، کسی دوسرے مسئلہ میں

---

[1] کلالہ، وہ آدمی ہے، جس کے مرنے کے بعد اس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہو۔

نہیں کی۔ اور آپؐ نے جس قدر اس مسئلہ میں مجھ پر سختی کی، دوسرے کسی مسئلہ پر ایسی سختی نہیں کی، حتیٰ کہ آپؐ نے میرے سینے میں اپنی انگلی سے چوکا مارا اور فرمایا: "عمر! تجھے سورت نساء کی آخری آیت، جو موسم گرما میں اتری تھی، کافی نہیں؟" اگر میں زندہ رہا، تو اس مسئلہ کو اس طرح حل کروں گا کہ اس کے مطابق فیصلہ کرنا ــــ یہ قرآن خوان اور ان پڑھ، سب کے لیے آسان ہو جائے گا۔"

پھر فرمایا: "اے اللہ! میں حکام کے متعلق تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے، دین سکھانے، ان کے نبیؐ کی سنت کی تعلیم دینے اور ان میں مال غنیمت تقسیم کرنے کے لیے بھیجا ہے اور اُن کو ہدایت کی ہے کہ جس بات کا فیصلہ ان کے لیے مشکل ہو، وُہ میری طرف لکھیں۔" پھر فرمایا: "اے لوگو! تم دو سبزیاں پیاز اور لہسن کھاتے ہو، میں ان کو خبیث سمجھتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے، جب کسی کے منہ سے اُن کی بُو آتی تھی تو آں حضرت ﷺ اسے مسجد سے نکال کر قبرستان کی طرف بھیج دیتے تھے۔ جس نے اُن کو کھانا ہو، وُہ پکا کر کھائے۔" اس کے بعد ابھی اگلا جمعہ نہیں آیا تھا کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ انتہیٰ!

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بازار میں گشت کر رہے تھے، مغیرہؓ بن شعبہ کا غلام ابو لؤلؤ (جو عیسائی یا مجوسی تھا) آیا اور کہنے لگا: "امیر المؤمنین! میرے آقا مغیرہ نے مجھ پر زیادہ ٹیکس لگا دیا ہے، اس سے کہیں کہ کچھ ٹیکس کم کرے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "تم کیا کام کرتے ہو؟" بولا: "میں بڑھئی، لوہار اور نقاش ہوں۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "پھر یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے!" اس کے بعد آپؓ نے پوچھا: "میں نے سنا ہے، تم ایسی چکی بنا سکتے ہو، جو ہوا کے زور سے چلے، اور آٹا پیس دے؟" بولا: "ہاں میں ایسی چکی بنا سکتا ہوں۔" آپؓ نے فرمایا: "پھر مجھے ایک چکی بنا دو۔" کہنے لگا: "اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا، جس کی باتیں مشرق اور مغرب میں ہوں گی۔" اس کے چلے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اس عجمی غلام نے مجھے دھمکی دی ہے!"

صحیح بخاری میں عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ اگلی صبح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے۔ ان کا معمول تھا کہ دو صفوں کے درمیان گزرتے ہوئے اگر کوئی نقص دیکھتے تو فرماتے، برابر ہو جاؤ۔ جب سب صفیں برابر ہو جاتیں، اور ان میں کوئی نقص باقی

نہ رہتا، تو مصلّٰی پر کھڑے ہوتے اور "اللہ اکبر" کہہ کر نماز شروع کر دیتے۔ عموماً پہلی رکعت میں سورۂ یوسف یا سورت نحل، یا اتنی بڑی کوئی اور سورت پڑھتے۔ تاکہ سب لوگ پہلی رکعت میں شامل ہو جائیں۔ اس دن ابھی "اللہ اکبر" ہی کہا تھا کہ میں نے سنا، آپ کہہ رہے ہیں: "مجھے کتے نے قتل کر دیا ہے" یا "مجھے کتے نے کھا لیا ہے۔" اس وقت اس غلام نے ان کے پیٹ میں چھری گھونپ دی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو دھاری چھری تھی۔ بھاگتے ہوئے دائیں بائیں جو اس کے سامنے آیا اس نے اس کو بھی اس چھری سے زخمی کر دیا۔ حتّٰی کہ اس نے تیرہ آدمیوں پر وار کیا، جن میں سے نو شہید ہو گئے۔ جب ایک مسلمان نے یہ دیکھا، تو اس نے اپنا اوور کوٹ اس پر ڈال کر اسے قابو کر لیا۔ جب غلام کو یقین ہو گیا کہ اب میں پکڑا جاؤں گا، تو اس نے اپنے پیٹ میں چھری گھونپ کر خودکشی کر لی۔ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھانے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آگے کر دیا۔ آپؓ کے قریب کھڑے ہونے والوں نے تو وہ سب کچھ دیکھا، جو میں نے دیکھا تھا، لیکن کناروں میں کھڑے ہونے والوں کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا؟ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز نہیں آ رہی، اس لیے انہوں نے "سبحان اللہ، سبحان اللہ!" کہنا شروع کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلکی سی نماز پڑھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "دیکھو، مجھے کس نے قتل کیا ہے؟" انہوں نے تھوڑی دیر گھوم پھر کر بتایا کہ مغیرہؓ بن شعبہ کے غلام نے آپ پر وار کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: "وہی جو کئی فن جانتا ہے؟ ــــ اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے، میں نے تو اس کے بارہ میں اچھی بات کا حکم دیا تھا۔" پھر فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔" پھر ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "تم اور تمہارے باپ چاہتے تھے کہ عجمی غلام مدینہ میں بکثرت آئیں۔"

پھر اٹھا کر انھیں ان کے گھر لے جایا گیا۔ ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سانحہ سے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے پہلے ان پر ایسی کوئی مصیبت نہیں آئی۔ پہلے اُن کو نبیذ پلائی گئی، وہ اُن کے پیٹ سے نکل گئی۔ پھر دودھ پلایا گیا، وُہ بھی نکل گیا۔ اس پر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب بچ نہیں سکیں گے۔ اس وقت ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: "امیر المؤمنین! آپ کو بشارت ہو، آپ نے شرفِ صحبت پایا۔ پھر اسلام لانے میں

سبقت کی۔ خلیفہ بنے تو عدل و انصاف سے حکومت کی۔ اور اب مرتبہ شہادت پر سرفراز ہوئے۔" آپؓ نے (از روئے کسرِ نفسی) فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ برابر سرابر ہی چھوٹ جاؤں، نہ ثواب ملے اور نہ اس کی ذمہ داری کا بار گردن پر پڑے۔" جب وُہ نوجوان واپس جانے لگا، تو آپؓ نے دیکھا کہ اس کا تہبند لٹک رہا، اور زمین کو چھُو رہا ہے۔ فرمایا: "بھتیجے! اپنے تہبند کو اُونچا کرو، اس سے تمہارا کپڑا دیر تک چلے گا اور یہ خدا تعالیٰ کو بھی بہت پسند ہے۔"

پھر اپنے بیٹے سے کہا: "عبداللہ! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟" حساب کیا تو چھیاسی ہزار یا اس کے لگ بھگ قرض نکلا۔ فرمانے لگے: "اگر یہ عمر کی اولاد سے پورا ہو جائے، تو اسے ان کے مال سے ادا کرنا۔ اگر پورا نہ ہو، تو بنو عدی سے مدد لینا۔ پھر بھی پورا نہ ہو، تو قریش سے کہنا۔ لیکن اس کے علاوہ کسی سے سوال نہ کرنا۔ خبردار! میرا یہ قرض ضرور ادا کرنا۔ اب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی کے پاس جاؤ۔ ان سے کہو، عمر "السّلام علیکم" کہتا ہے۔ "امیر المؤمنین" نہ کہنا، کیونکہ میں آج مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ کہنا: عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے کہ اس کو اس کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔"

راوی کہتا ہے: عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے، اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ وُہ اس صدمہ سے رو رہی ہیں۔ انہوں نے کہا: "عمرؓ بن خطاب آپ کو 'السّلام علیکم' کہتے ہیں، اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں!"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: "میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی، لیکن آج میں ان کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔" عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہوئے تو کسی نے کہا: "عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ رہے ہیں۔" بولے: "مجھے اٹھاؤ۔" ایک آدمی نے انہیں ٹیک دے کر بٹھایا۔ بولے: "کیا خبر لائے ہو؟" انہوں نے کہا: "امیر المؤمنین! جو آپ چاہتے ہیں! انہوں نے اجازت دے دی ہے۔" کہا: "الحمدللہ! مجھے اس کی بڑی فکر تھی۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اٹھا کر لے جانا۔ 'السّلام علیکم' کے بعد کہنا، عمر اجازت مانگتا ہے۔ اگر اجازت دے دیں، تو مجھے اندر لے جانا۔ ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دینا!"

حاضرین کہنے لگے: "امیر المؤمنین! کچھ وصیت فرمائیں اور کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں۔" فرمایا:

"میں ان چھ آدمیوں کے علاوہ کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا، جن سے رسول اللہ ﷺ راضی راضی گئے ہیں" پھر ان کے نام لیے، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم! اس کے بعد فرمایا: "مشورہ میں عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی شریک کر لینا، مگر اس کو خلیفہ بنانے کے متعلق نہ سوچنا۔ اس میں اس کا کوئی حق نہیں! اگر خلیفہ سعدؓ بن جائیں تو بہتر! ورنہ آپ میں سے جو خلیفہ بنے، وہ سعد رضی اللہ عنہ کے تجربہ سے فائدہ اٹھائے۔ میں نے ان کو کسی خیانت یا نااہلی کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا! ـــ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو، اولین ہجرت کرنے والوں کا احترام ملحوظ رکھنے کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز اس کو انصار کے ساتھ، جو ان کے آنے سے پہلے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان بھی لا چکے تھے، حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ ان میں سے نیک عمل کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور غلط کار سے عفو اور درگزر سے کام لیا جائے۔ میں اس کو شہروں میں رہنے والوں کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں، وہ اسلام کے معاون، مال کے جمع کرنے والے اور دشمنوں کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہیں۔ ان سے کوئی چیز نہ لی جائے، مگر وہ جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور بطیبِ خاطر دیں۔ میں اس کو دیہاتی مسلمانوں کے متعلق بھی بہتر سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ عرب کی جڑ اور اسلام کا مادہ ہیں۔ وہ ان سے متوسط مال لے اور ان کے غریبوں میں تقسیم کر دے۔ میں اس کو ان غیر مسلموں کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا معاہدہ ہو چکا ہے کہ ان کا عہد پورا کیا جائے، ان کی دشمنوں سے حفاظت کی جائے اور طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔"

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بدھ کے روز ۲۶ ذی الحج ۲۳ھ کو قاتلانہ حملہ ہوا" اور اتوار کے روز یکم محرم الحرام کو سپردِ خاک کیے گئے۔ ان کو لحد میں اتارنے کے لیے عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ ان کے دوست صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ ان کی خلافت کا زمانہ دس سال چھ ماہ اور چار دن ہے!

اولاد

ان کے ۱۳ بچے تھے، جن میں سے ۹ لڑکے اور ۴ لڑکیاں تھیں۔

خلافتِ عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ

ابو عمر کہتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپردِ خاک کرنے کے تین دن بعد بروز ہفتہ (شروع محرّم الحرام ۲۴ھ)، مجمع عام میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت بخیر و خوبی سرانجام پائی صحیح بخاری میں مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، جس جماعت کو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا، انہوں نے مشورہ کر کے خلافت کا معاملہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد وُہ منبر کے پاس جمع ہوئے۔ مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ حاضر نہیں تھے، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو بلا بھیجا۔ اسی طرح افواج کے سپہ سالاروں کی طرف پیغام بھیجا، وہ اس حج میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے، تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے خطبہ مسنونہ کے بعد کہا: "امّا بعد، اے علیؓ! میں لوگوں سے گفتگو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وُہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے جمہور کی رائے کے خلاف اپنے نفس کے پیچھے نہ لگنا" پھر حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے دو خلیفوں کی سنّت پر آپ کی بیعت کرتا ہوں" اس کے بعد مہاجرین، انصار، افواج کے امراء اور عام مسلمانوں نے بیعت کی۔

عثمانؓ، حضرت علیؓ کو چھوڑ کر بلحاظِ نسب سب عشرہ مبشرہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے۔ آپؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں! ان کی خلافت میں اسکندریہ، نیشاپور، طبرستان، سجستان، کرمان، سمندر کے اساورہ، افریقہ، قبرس کے قلعے، ساحلِ اُردن اور مرو فتح ہوئے۔ ان کے عہد میں شاہِ فارس، یزدگرد، مرو شہر میں قتل ہوا۔ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر فوج کشی کر کے ارمینیہ فتح کیا۔ اسی طرح ان کے زمانہ میں ان کے گورنر امیر معاویہؓ ہی نے فوج کو سمندر پار لے جا کر جزیرہ قبرص فتح کیا۔ مصر میں ان کے نائب عبداللہ بن ابی سرح نے افریقہ کی طرف فوج کشی کی اور شدید لڑائی کے بعد دشمن پر غلبہ پایا۔ اس جنگ میں ہر سپاہی کے حصہ میں تین تین ہزار اشرفیاں آئیں اور مسلمانوں کی حکومت پھیلتے پھیلتے بحرِ محیط تک جا پہنچی۔ بصرہ میں ان کے نائب عبداللہ بن عامر بن کریز نے ملکِ فارس میں جور اور دوسرے شہر فتح کر لیے۔ اس طرح

مسلمانوں نے چند مہینوں میں تقریباً بیس بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

پھر عبداللہ بن عامر بن کریز نے ان بڑے بڑے شہروں کے فتح ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے نیشاپور سے حج کا احرام باندھا۔ خراسان پر احنف بن قیس کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کی اور احرام کھول دیا۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ بعد ازاں بصرہ میں مستقل قیام کیا۔ جبکہ ان کے نائب خراسان، سجستان اور جبال پر حکومت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ چاروں طرف سے خراج وصول ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش ہونے لگا، جس سے مدینہ کے خزانے بھرپور ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں مال تقسیم کرتے تو ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ درہم دیتے۔ مال کی فراوانی کا یہ حال تھا کہ مدینہ میں گھوڑے کی قیمت ایک لاکھ، اور مکان کی قیمت چار لاکھ تک جا پہنچی۔ خوشحالی کی وجہ سے مدینہ کی آبادی بڑھ گئی، شہر دور دور تک پھیل گیا، لوگ فارغ البالی اور خوشحالی کی وجہ سے اترانے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے خلیفہ پر اعتراض کرنے شروع کیے، کہ یہ اپنے رشتہ داروں کو مال دیتا ہے اور کلیدی آسامیوں پر اپنے ہی عزیزوں کو مقرر کرتا ہے۔ اپنے خزانے بھر لیے ہیں اور ایک ہزار غلام رکھ چھوڑے ہیں، وغیرہ وغیرہ! نوبت یہاں تک پہنچی کہ مخالفین کہنے لگے: یہ خلافت کا اہل نہیں، اسے معزول کر دینا چاہیئے!۔ چنانچہ فتنہ و فساد کا دروازہ ایسا کھلا کہ الامان والحفیظ!

مسند احمد میں عاصم عن شقیق سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کی، ولید بن عقبہ سے ملاقات ہوئی، تو ولید نے کہا: "میرے خیال میں آپ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر زیادتی کی ہے۔" عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "اگر یہ بات ہے تو ان سے کہو، میں احد کے دن میدانِ جنگ سے نہیں بھاگا۔ نہ میں جنگِ بدر سے پیچھے رہا ہوں اور نہ میں نے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ چھوڑا ہے۔" ولید نے جا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سب باتیں کہہ دیں۔ انہوں نے جواب دیا، "عبدالرحمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد کے دن میرے بھاگنے کا جو اشارہ کیا ہے، تو یہ جرم میں نے اکیلے نہیں کیا۔ اس کا تقریباً سب لوگوں نے ارتکاب کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ جرم معاف بھی کر دیا ہے۔ پھر وہ مجھے اس پر کیوں ملامت کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ! الآیة!" (آلِ عمران: ۱۵۵)

"تم میں سے لڑائی کے دن جو لوگ بھاگ گئے تھے، ان کو کسی گناہ کی وجہ سے شیطان نے پھسلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے!"

"اور انہوں نے جو کہا ہے کہ میں جنگِ بدر سے پیچھے رہ گیا تھا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لیے پیچھے رہا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بدر کی غنیمت سے حصّہ دیا تھا چنانچہ جس کو آپؐ نے حصّہ دیا، سمجھو وُہ جنگ میں شریک تھا۔ اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے عمرؓ کا طریقہ چھوڑ دیا ہے، تو اس پر عمل پیرا ہونے کی نہ تو مجھ میں طاقت ہے اور نہ ہی ان کو!"

ولید نے جا کر یہ جوابات عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا دیے۔ انتہٰی!

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین جمع ہوئے اور انہوں نے مدینہ میں آپؓ کے گھر میں آپؓ کا محاصرہ کر لیا۔ کوفیوں کا امیر اشتر نخعی، مصریوں کا ابنِ عدیس اور عمرو بن حمق جبکہ بصریوں کا حُکیم بن جبلہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسُول اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے مغیرہؓ بن شعبہ اور عمروؓ بن عاص کو بھیجا۔ لیکن انہوں نے بُرے طریقہ سے ان کو واپس کیا اور ان کی بات تک سننا گوارا نہیں کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایفاءِ عہد کی ضمانت دی۔ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تحریر لی کہ وُہ اُن کی شکایات دور کریں گے اور اُن پر کتاب و سنّت کے مطابق حکومت کریں گے۔ اس پر انہوں نے پختہ عہد لیا، پھر بعد میں خود ہی یہ عہد توڑ دیا۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے شرح الصحیحین میں لکھا ہے کہ باغیوں نے مدینہ میں ہجوم کیا۔ حضرت عثمانؓ نماز پڑھاتے تھے اور وُہ ایک مہینہ تک ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ پھر ایک دفعہ جمعہ پڑھانے کے لیے آئے، تو انہوں نے آپؓ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپؓ منبر پر گر پڑے اور نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے۔ وُہ نماز لوگوں کو ابوامامہ سہلؓ بن حنیف نے پڑھائی۔ پھر انہوں نے آپؓ کو اپنے گھر میں محصور کر دیا اور مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اب لوگوں کو کبھی ابنِ عدیس نماز پڑھاتا، کبھی کنانہ

بن بشر۔ اور یہ دونوں باغیوں کے سرغنہ تھے۔

مسند احمد میں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس دن اپنے گھر میں محصور کیے گئے، فرمایا؛ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وصیت کی ہے، میں اسے ہر صورت میں پورا کروں گا۔"

عبداللہ بن احمد نے "زیادۃ المسند" میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس غلام آزاد کیے، اور شلوار پہن لی۔ حالانکہ انہوں نے اس سے پہلے جاہلیت اور اسلام میں کبھی شلوار نہیں پہنی تھی۔ کہنے لگے: "میں نے آج رات خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا ہے، سب نے کہا ہے، صبر سے کام لو، آئندہ رات تم ہمارے ساتھ روزہ افطار کرو گے۔" پھر قرآن مجید منگوایا، اس کو کھول کر پڑھنے لگے۔ جب شہید کیے گئے، تو وہ ان کے آگے کھلا ہوا رکھا تھا۔ کہتے ہیں، ان کے خون کے چھینٹے اس آیت پر گرے:

"فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" (البقرۃ: ۱۳۷)

"ان کے بارہ میں جلد ہی اللہ تعالیٰ تجھے کافی ہو جائے گا، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے!"

راوی کا بیان ہے کہ وہ چھینٹے قرآن مجید میں بدستور موجود تھے، انہیں کھرچا نہیں گیا تھا۔

ابو حاتم نے ابو سعید سے روایت ذکر کی ہے کہ آپؓ کی بیوی نائلہؓ بنت فرافصہ نے اپنے زیورات جمع کر کے اپنی گود میں رکھے ہوئے تھے اور بانہیں کھول کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جھکی ہوئی تھیں۔ کسی باغی نے یہ دیکھ کر کہا: "اللہ تعالیٰ اس کو غارت کرے، اس کا سرین کتنا بڑا ہے!" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن صرف دنیا ہی کے طالب تھے۔ انتہیٰ!

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لڑکوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اپنے غلاموں کو مسلح کر کے ان کی مدد کے لیے اُن کے دروازے پر بھیجا تھا۔ اور ان کو تاکید کی تھی کہ وہ باغیوں کو حضرت عثمانؓ کے قریب نہ جانے دیں۔ اسی طرح زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لڑکے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد کو بھیجا تھا۔ اسی طرح ان کی اقتداء میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے اپنے بیٹے بھیجے تھے۔ انہوں نے باغیوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکا، تو انہوں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے اور اس طرح وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اس کشمکش میں حسنؓ اور محمد زخمی ہو گئے اور قنبر کے سر میں بھی چوٹ لگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لیے مکان کے اندر بھی صحابہؓ

کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن زبیر، حسن بن علی، ابوہریرہ، محمد بن حاطب اور مغیرہ بن اخنس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قابلِ ذکر ہیں۔ اس دن حضرت عثمانؓ سے پہلے مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کیے گئے۔ استیعاب میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گھر میں محصور تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی پر تیر پھینکا گیا، تو میں نے کہا: "امیر المؤمنین! اب تو شمشیر زنی حلال ہو گئی ہے، انہوں نے ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "ابوہریرہؓ! میں آپ پر واجب کرتا ہوں کہ اپنی تلوار پھینک دیجئے۔ باغیوں کو صرف میری جان مطلوب ہے، اور میں اپنی جان دے کر دوسرے مسلمانوں کو بچاؤں گا۔" ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: "میں نے اپنی تلوار پھینک دی اور مجھے اب تک معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے؟" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محصور ہونے کی وجہ سے ان کے حکم سے اس سال عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے لوگوں کو حج کرایا۔ اس فتنہ و فساد سے دور رہنے کے لیے حضرت عائشہؓ بھی حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئیں۔ ابنِ شہاب کہتے ہیں: میں نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا: "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں شہید ہوئے؟ ان کے اور لوگوں کے درمیان کیا اختلاف پیدا ہوا؟ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟" انہوں نے کہا: "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم شہید ہوئے ہیں، ان کے قاتل ظالم ہیں اور مدد نہ کرنے والے معذور ہیں۔" میں نے پوچھا: "کیسے معذور ہیں؟" انہوں نے اس کا سبب ذکر کرتے ہوئے فرمایا: باغی ایک انصاری کے گھر کی دیوار پھاند کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچے اور مکان کے اندر ان کے حامیوں کو پتہ نہیں چلا۔ کیوں کہ محافظ مکان کی چھت پر تھے، اور مکان کے اندر ان کے پاس صرف ان کی بیوی تھیں۔ باغی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے بعد جہاں سے آئے تھے، وہیں سے نکل گئے۔ آپؓ کی بیوی نے آواز دی، لیکن شور و غل کی وجہ سے ان کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ آخر وہ خود چھت پر گئیں اور لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنینؓ شہید ہو چکے ہیں۔ حسنؓ، حسینؓ اور ان کے ساتھی اندر گئے، تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ ذبح کیے پڑے ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بے اختیار رو پڑے۔ لوگ اندر آئے تو انہوں نے بھی یہ دلدوز منظر دیکھا۔ علی، طلحہ، زبیر، سعد اور مدینہ میں موجود دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پتہ چلا تو ان کے ہوش

اڑ گئے۔ انہوں نے آکر دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ واقعی شہید ہو چکے ہیں، تو انہوں نے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہا۔ علی رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحبزادے سے کہا: "تمہاری موجودگی میں امیر المؤمنین کیسے قتل ہو گئے؟" انہوں نے حسنؓ کے منہ پر طمانچہ مارا، حسینؓ کے سینہ پر مکہ رسید کیا، اور محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ وہاں سے اپنے گھر آئے، تو لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے آئے۔ انہوں نے ان کی بیعت کرنا چاہی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ تمہارا کام نہیں، یہ اہلِ بدر کا کام ہے جس پر اہلِ بدر راضی ہوں گے، وہی خلیفہ ہوگا" اہلِ بدر نے سنا تو سب بیک آواز بولے: ہم آپؓ کے سوا کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے؛ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ ماہِ ذی الحج میں شہید ہوئے۔ بقولِ واقدی، یہ سانحہ یوم الترویہ، آٹھ یا سات ذوالحج بروز جمعہ ۳۵ھ کو رونما ہوا۔ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت سے ۱۱ سال ۱۱ مہینے اور ۲۲ دن بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ انتہیٰ!

یہ سانحہ اسلام کے مصائب میں پہلا المیہ ہے۔ اس سے مسلمان کھلم کھلا ظلم کا شکار ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت سے قیامت تک فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کہتے ہیں ؎

من سرّہ الموت صرفا لا مزاج لہ　　فلیأت مأسدۃ فی دار عثمانا

"جو بلا ملاوٹ خالص موت دیکھنا چاہتا ہے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے گھر درندگی کا نظارہ دیکھے۔"

ضحوا باشمط عنوان السّجود بہ　　یقطع اللّیل تسبیحا و قرآنا

"باغیوں نے بوڑھے خلیفہ کو، جس کی پیشانی پر سجدہ کے نشان ظاہر ہیں، ذبح کر ڈالا۔ جو تسبیح و تحمید اور قرآن خوانی میں رات بسر کرتا تھا۔"

صبرًا فداء لکم اُمّی وما ولدت　　قد ینفع الصّبر فی المکروہ أحیانا

"میری ماں اور اس کی اولاد تم پر قربان، صبر سے کام لو، مصیبت میں صبر اکثر نفع دیتا ہے۔"

لتسمعنّ وشیکا فی دیارھم　　اللہ اکبر یا ثارات عثمانا

"تم جلد ہی ان کے گھروں میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقام لینے والوں کے نعرہ ہائے تکبیر سنو گے۔"

یہ اشعار بھی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہے (بعض کہتے ہیں، یہ کعبؓ نے کہے ہیں اور بعض نے انھیں ولید بن عقبہ کی طرف منسوب کیا ہے) ؎

فكفّ يديه ثم أغلق بابه ۔۔۔ وأيقن أنّ الله ليس بغافل

"انھوں (حضرت عثمانؓ) نے خونریزی سے اپنا ہاتھ روکا، گھر کا دروازہ بند کر لیا اور یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے۔"

وقال لأهل الدار لا تقتلوهم ۔۔۔ عفا الله عن ذنب امرئ لم يقاتل

"اپنے گھر والوں سے کہا، ان کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ اس آدمی کے گناہ معاف کر دیتا ہے، جو خونریزی سے باز رہے!"

وكيف رأيت الله ألقى عليهم ۔۔۔ العداوة والبغضاء بعد التواصل

"تم نے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے باہمی محبت و مودّت کے بعد ان کے درمیان کیسی عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے؟"

وكيف رأيت الخير أدبر بعده ۔۔۔ عن الناس إدبار السحاب الحوامل

"تم نے دیکھا، اس کے بعد لوگوں سے خیر و برکت نے کس طرح منہ موڑا؟ جیسے مینہ برسانے والی گھٹائیں آکر مڑ جاتی ہیں!"

حضرت سعیدؓ بن زید نے کہا: "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو ظلم و ستم ڈھایا گیا ہے، اگر اس کو دیکھ کر پہاڑ ٹوٹ جائیں، تو بجا ہے!"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے: "اگر امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر ساری دنیا جمع ہو جاتی، تو اس پر قوم لوط کی طرح پتھر برس پڑتے۔"

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں، شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۸۰ سال تھی۔ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے ان کی عمر ۸۶ سال تھی۔ انھیں رات کی تاریکی میں اس جگہ دفن کیا گیا جو "حش کوکب" کے نام سے مشہور ہے۔ "کوکب" انصار کے ایک آدمی کا نام ہے اور "حش" باغ کو کہتے ہیں۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں تفریق اور انتشار پیدا ہو گیا، ان کے حامیوں نے سرگرمی دکھائی اور

ان کا انتقام لینے کے لیے آپس میں وہ خانہ جنگی ہوئی کہ اس میں ۹۰ ہزار مسلمان مارے گئے۔ حضرت عثمانؓ کی اسلام لانے میں سبقت اور ان کے فضائل نصف النہار کی طرح روشن ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ!

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت

محمدؒ بن حنفیہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا، میں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے مکان پر گئے تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پیچھے آئے اور کہنے لگے "عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شہید کر دیے گئے، اب لوگوں کو امام کی ضرورت ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ آپ سے بڑھ کر اس معاملہ کا کوئی مستحق نہیں۔ آپ سے پہلے اسلام لانے والا کوئی نہیں، نہ ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ میں آپ سے زیادہ کوئی قریب ہے۔" انہوں نے کہا: "ایسا نہ کرو، میں اپنے آپ کو امیر ہونے کی نسبت وزیر ہونا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔" صحابہؓ نے کہا، "نہیں نہیں! واللہ! ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر کے ہی دم لیں گے۔" آپؓ نے فرمایا: "اگر تمہیں اصرار ہے تو بیعت مسجد میں مجمع عام میں ہوگی، خفیہ طور پر نہیں ہو سکتی اور وہ بھی مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگی۔" چنانچہ پہلے مہاجر اور انصار آئے، انہوں نے بیعت کی۔ پھر سب لوگوں نے بیعت کی۔ بعض کہتے ہیں، سب سے پہلے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی۔ ان کا ہاتھ سوکھا ہوا تھا، کسی نے کہا، "سب سے پہلے بیعت کرنے والا ہاتھ شل ہے، اس لیے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔" زہری کا بیان ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کے لیے طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا، تو طلحہؓ نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ اشتر نخعی نے تلوار میان سے نکال کر کہا، "خدا کی قسم! بیعت کر، یا یہ تلوار مار کر تیرا سر دو لخت کر دوں گا۔" انہوں نے بیعت کر لی اور اس کے بعد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ بعض نے بیعت سے گریز کیا اور ملک شام کی طرف بھاگ گئے۔ اسی طرح قدامہؓ بن مظعون، عبداللہؓ بن سلام اور مغیرہؓ بن شعبہ نے بھی بیعت نہیں کی۔ محمد بن حبیب ہاشمی کا بیان ہے کہ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، صہیب رومی، زید بن ثابت، محمد بن مسلمہ، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بیعت میں حصہ نہیں لیا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان یہ خبر سن کر

---

[1] یہ معلوم ہے کہ اس کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے پیدا ہونے والی صورت حال تھی۔ (مترجم)

غم واندوہ میں ڈوب گئے تھے۔ خصوصاً اہلِ شام پر اس کا اثر بہت گہرا تھا۔ ادھر ہرکارہ آپؓ کا خون آلود کپڑا لایا اور ہر خاص وعام کے دیکھنے کے لیے منبرِ دمشق پر رکھ دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ شام کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی، تو وُہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے اور انہوں نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک دوسرے سے پختہ عہد کیا۔ وہ تعداد میں ۶۰ ہزار تھے۔ بہت سے لوگوں نے حلف اٹھایا کہ جب تک ہم ان کے قاتلوں اور ان کے خون کے بدلہ میں حائل ہونے والوں کو قتل نہیں کرلیں گے، عورتوں سے ہمبستر نہیں ہوں گے اور نہ بجز احتلام جنابت کا غسل کریں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ شام سمیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی پھر ان کی صرف مخالفت ہی نہیں کی، بلکہ ان پر قتلِ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں اعانت اور اس پر رضامندی کا الزام بھی دھرا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بچا لیا۔

بیعتِ خلافت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ اکٹھے ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے: "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں یہ سب باغی شریک ہوئے ہیں، اور انہوں نے اس گھناؤنے ظلم سے اپنے آپ کو مستوجبِ سزا بنا لیا ہے۔ لہٰذا اب ان کی سرکوبی کی فکر کرنی چاہیئے۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "برادرانِ اسلام! میں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔ مگر میں ان لوگوں کو کیسے سزا دے سکتا ہوں، جو ہمارے مالک ہیں اور ہم ان کے مالک نہیں؟ اور حالت یہ ہے کہ تمہارے غلاموں تک ان کے ساتھ بغاوت میں شریک ہیں۔ اور تمہارے گھروں میں جس طرح چاہتے ہیں، تمہیں پریشان کرتے ہیں! — اور جو تم کہتے ہو، اس پر قابو پانے کا کوئی موقعہ ہے؟" سب بولے: "خدا کی قسم! نہیں!" اس پر طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیجئے، میں وہاں سے فی الفور گھوڑ سوار فوج لے آتا ہوں۔" زبیرؓ بولے: "مجھے کوفہ جانے کی اجازت دیجئے، میں وہاں سے جلد از جلد گھوڑ سوار فوج لے آتا ہوں۔" حضرت علیؓ نے جواباً کہا: "پہلے مجھے ذرا سوچ لینے دیں!"

لوگوں کے چلے جانے کے بعد مغیرہؓ بن شعبہ آئے اور کہنے لگے: "ہم پر آپ کی اطاعت اور نصیحت واجب ہے۔ اس لیے مصلحت یہ ہے کہ آپ فی الحال معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے عہدے پر بحال رکھیں اسی طرح ابنِ عامر اور دوسرے عمال کو بھی بدستور اپنے اپنے عہدوں پر رہنے دیں۔ جب وُہ اطاعت

کرلیں، ادھر فوج بھی بیعت کرے، پھر آپ جس کو چاہیں، بدل دیں۔ اور جس کو چاہیں، بحال رکھیں۔"
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں اس پر غور کروں گا!" مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر اٹھ گئے۔ دوسرے دن پھر آئے اور کہا: "میں نے کل ایک مشورہ عرض کیا تھا، مگر مناسب یہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو، آپ ان کو معزول کر دیں۔ اس طرح آپ جان لیں گے کہ کون اطاعت گزار اور کون نافرمان ہے؟"
اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج سے واپسی کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے آئے، تو دیکھا کہ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے دروازہ سے باہر نکل رہے ہیں۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد پوچھا: "مغیرہؓ خیر سے آئے تھے؟" کہنے لگے: "کل آکر یہ مشورہ دیا تھا، اور آج یوں کہا ہے۔" ابن عباسؓ نے کہا: "کل کا مشورہ صحیح تھا، اور آج کا غلط ہے!" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "پھر اب کیا رائے ہے؟" بولے: "آج سے پہلے مناسب یہ تھا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے پہلے یا بعد آپ مکہ معظمہ چلے جاتے اور اپنے مکان میں بیٹھ رہتے۔ عرب آپ سے بہتر کوئی آدمی نہ پا کر آپ کو تلاش کرتے۔ اب بنو امیہ سختی سے خون کا مطالبہ کریں گے، اور ممکن ہے اس میں آپ کو کسی حد تک ملوث بھی کریں۔" اور ایک روایت میں ہے: "اندیشہ ہے کہ اہلِ شام آپ سے بے وفائی کریں، اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی اطمینان نہیں ہے کہ وہ آپ کے خلاف بغاوت سے باز رہیں گے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فی الحال معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے عہدے پر بحال رہنے دیں۔ جب وہ آپ کی بیعت کر لیں گے، تو پھر آپ آسانی سے ان کو ان کے منصب سے علیحدہ کر سکیں گے۔" مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "خدا کی قسم! میرے پاس اس کے لیے تلوار کے سوا کچھ نہیں!" —— پھر یہ شعر پڑھا ؎

وما ميتة إن متها غير عاجز　　بعار إذا ما غالت النفس غولها

"جب جان پر مصیبت آئے اور تم بہادری سے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو یہ موت کوئی ذلت کی موت نہیں ہے!"

اس پر ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "يا امير المؤمنين انت رجل شجاع ولست صاحب الرأي" "امیر المومنین! آپ بہادر ضرور ہیں، مگر مدبر نہیں۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں آپ کی بات نہ بھی مانوں، پھر بھی میری اطاعت کریں" ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "یہ تو فرمانبرداری

کے سوا کچھ نہیں کروں گا۔"

عثمانی خون کا مطالبہ کرنے والوں میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شمولیت

اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں۔ اور ماہِ محرّم میں عمرہ کرنے کے بعد واپس آنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد واپس آرہی تھیں، راستہ میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ سنا، تو مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئیں۔ گورنر مکہ عبداللہ بن عامر کو پتہ چلا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: "ام المومنین! آپ واپس کیوں آگئی ہیں"؟ انہوں نے فرمایا: "میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی خبر سن کر واپس آگئی ہوں۔ امن درہم برہم ہو گیا ہے، شرپسندوں کا زور ہے، انہوں نے ظلم و تعدی میں جلدی کی ہے۔ یہ ایک عظیم حادثہ اور انتہائی شرمناک فعل ہے۔ اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کا خون طلب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔" عبداللہ بن عامر نے ان سے اتفاق کیا۔ حجاز میں رہنے والے بنو امیہ پہلے ہی یہ چاہتے تھے، ادھر طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما پر بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ شاق گزرا تھا۔ وہ دونوں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر مکہ چلے آئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بنو امیہ سے آملے۔ ان سب نے ایک فوج جمع کرلی اور بصرہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ شام کی طرف سے وہ بے فکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں کے حالات پر قابو پالیں گے۔ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بھی اس وقت مکہ میں تھے۔ انہوں نے ان کو بھی ساتھ لے جانا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ جانا چاہتی تھیں، مگر اُن کو ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نہیں جانے دیا۔

اہلِ مدینہ، اہلِ قبلہ سے لڑائی کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کو اطلاع ملی تھی کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو گھر بیٹھ رہنے اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے انہوں نے زیاد بن حنظلہ تمیمی کو بھیجا۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پہنچے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، "زیاد چلیں گے"؟ انہوں نے پوچھا، "کدھر؟" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "اہلِ شام سے لڑنے کے لیے" انہوں نے کہا، "عواقب پر نظر کرتے ہوئے نرمی کرنا بہتر ہے۔" پھر اپنی بات کو وزنی بنانے کے لیے یہ شعر پڑھا ؎

ومن لا یصانع فی امور کثیرۃ — یضرّس بأنیاب ویوطأ بمنسم

"اکثر ایسا ہوا ہے کہ جو حالات سے موافقت نہیں کرتا، وہ دانتوں سے زخمی ہوتا اور پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "ڈرنے کی کوئی بات نہیں" اور یہ شعر پڑھا

متیٰ تجمع القلب الذکی وصارما — وأنفا حمیا تجتنبک المظالم

"تیرے پاس بیدار دل، قاطع تلوار اور غیور ناک ہو، تو مصائب خود ہی کنارہ کر جاتے ہیں۔"

پھر جب زیاد وہاں سے اٹھ کر لوگوں کے پاس آئے، تو انہوں نے پوچھا "کیا خبر ہے؟" بولے "تلوار ہی تلوار ہے۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلحہؓ، زبیرؓ اور ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق یہ خبر ملی کہ وہ بصرہ جا رہے ہیں، تو انہوں نے بھی شام کی طرف جانے کی بجائے ان کی طرف جانے کی تیاری کی۔ اہلِ مدینہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے پس و پیش کی۔ مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی پرواہ نہیں کی اور مدینہ سے چار ہزار فوج لے کر، جس میں چار سو بیعت رضوان کرنے والے بھی تھے، ان کی طرف چل پڑے اور بصرہ کے نزدیک ان سے جا ملے۔ یوں بلا ارادہ مشہورِ عالم "جنگِ جمل" کا المیہ پیش آ گیا۔[1]

شر پسندوں کی شرارت سے سخت لڑائی ہوئی۔ اور معاملہ حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کے اختیار سے نکل گیا۔ فریقین سے تقریباً بیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے۔ زبیرؓ شکست کھا کر واپس جا رہے تھے کہ عمرو بن جرموز نے مل کر ان کو "وادی سباع" میں شہید کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار تھیں، تیروں کی بارش سے ان کا کجاوہ چھد گیا اور ان کے حامیوں کو مکمل شکست ہو گئی۔ اونٹ کے پاس قتلِ عام ہوا، اور اس کی مہار قابو رکھنے میں بہت سے ہاتھ کٹ گئے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی کونچیں کاٹنے کا حکم دیا، جس سے اونٹ گر گیا۔ رات تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی کجاوے میں رہیں، پھر ان کے بھائی محمد نے ان کو بصرہ پہنچایا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہ جانے لگیں تو لوگ ان کو وداع کرنے کے لیے دور تک ان کے ساتھ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر خرچ کا انتظام کیا، اس طرح وہ بحفاظت اور صحیح سلامت گھر پہنچیں۔ بعد میں وہ اپنے اس سفر کو یاد کر کے اس قدر روتیں

---

[1] کیونکہ رات فریقین کا نظریہ صلح و آشتی کا تھا، مگر قاتلینِ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دونوں فوجوں میں گھس گئے، اور صبح کے وقت لڑائی کی آگ بھڑکا دی جبکہ ہر فریق نے یہی سمجھا کہ دوسرے فریق نے غداری کی ہے اور عہد توڑ دیا ہے۔ (مترجم)

کہ آنسوؤں سے ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا۔ اور کہتیں "کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی۔ کاش! میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے ہی مر جاتی۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر مقرر کرکے خود کوفہ جا کر فروکش ہو گئے۔ عراق، مصر، یمن، حرمین، فارس اور خراسان پر ان کا قبضہ مستحکم ہو گیا۔ صرف شام کا علاقہ ان کی عملداری سے باہر رہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جریرؓ بن عبداللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ ان کو بیعت کرلے، اور جس چیز کو مہاجرین و انصار نے اختیار کیا ہے، اس کے اختیار کرنے پر آمادہ کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ٹال مٹول سے کام لیا، پھر کھلے بندوں انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستر ہزار فوج لے کر شام کی طرف چلے۔ جبکہ معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص ان کے مقابلہ کے لیے ۶۰ ہزار، اور ایک قول کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار، لشکر لے کر نکلے۔ دونوں لشکر دریائے فرات کے کنارے مقام صفین میں ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ اب ۳۷ھ شروع ہو چکا تھا، ماہِ محرّم کے اختتام تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں ڈیرہ ڈالے پڑے رہے اور لڑائی نہیں ہوئی۔ اس عرصہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ حضرت معاویہؓ کی طرف اپنے قاصد بھیجے، تاکہ وہ ان کو اللہ کے خوف اور فرمانبرداری کی دعوت دیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا: "دنیا جا رہی ہے اور آپ کا رخ آخرت کی طرف ہے۔ وہاں انہی اعمال کا بدلہ ملے گا، جو آپ اس دن کے لیے کریں گے۔ ہم آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ امت میں تفریق پیدا نہ کریں اور اس کا خونِ ناحق نہ بہائیں۔" حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا "آپ لوگوں نے یہ نصیحت بھیجنے والے کو کیوں نہیں کی؟" وہ بولے: "آپ میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترشتہ دار ہونے، اسلام کی طرف سبقت کرنے اور ایمان و فضل میں تقدم کی وجہ سے خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔" معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون رائیگاں جائے گا؟ نہیں! خدا کی قسم! میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا!"

محرّم کا مہینہ ختم ہوتے ہی فریقین نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کو اپنے لشکر کی صف بندی کی اور ان کو ہدایت کی کہ جب تک مخالفین پہل نہ کریں، جنگ سے باز رہیں۔ اگر لڑائی کے بعد ان کو شکست دیں، تو بھاگنے والوں کو قتل نہ کریں۔ زخمی کی جان نہ ماریں اور

غنیمت میں ان کا مال نہ لوٹیں!" فریقین میں کئی دن جنگ جاری رہی، ان میں بہت سی جھڑپیں ہوئیں ـــــ ایک قول میں ان کی تعداد نوّے بتائی گئی ہے۔ ان میں فریقین کے ستّر ہزار سے زیادہ سپاہی مارے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی فوج سے حضرت عمارؓ بن یاسر نے جامِ شہادت نوش فرمایا، ان کا شمار سابقینِ اوّلین اور جنگِ بدر میں شریک ہونے والے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ میں ہوتا ہے۔ ابوعمر نے ان کے حالات میں لکھا ہے: متواتر احادیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ "ایک باغی جماعت کے ہاتھوں تمہارا قتل ہوگا۔"

عمار رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد عمروؓ بن عاص نے لڑائی ترک کردی، اور بہت سے لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے اُن سے پوچھا"آپ نے لڑائی کیوں ترک کی ہے؟" انہوں نے کہا: "ہم نے عمارؓ کو قتل کردیا ہے۔ اور میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے "آپؓ کو باغی جماعت قتل کرے گی!" ـــ معلوم ہوا کہ ہم باغی ہیں" معاویہ رضی اللہ تعالیٰ بولے: "خاموش رہیں! واللہ! آپ اونٹ کی طرح ہمیشہ اپنے ہی پیشاب سے پھسلتے ہیں۔ کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ ان کو علی رضی اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، جنھوں نے ان کو ہمارے درمیان لا پھینکا۔ ہم تو اپنے بچاؤ کے لیے لڑ رہے تھے جس میں وہ قتل ہوگئے" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہوئی تو کہا: "اگر میں نے ان کو قتل کیا ہے، تو پھر اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے، جنھوں نے ان کو کفار کے مقابلہ میں بھیجا تھا!"

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار فوج سے اتنا بھرپور حملہ کیا کہ اہلِ شام کی سب صفیں ٹوٹ گئیں۔ کبار صحابہؓ کی ایک جماعت اس خانہ جنگی سے الگ تھلگ رہی۔ ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابوالیسر، زید بن ثابت، محمّد بن مسلمہ، عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، صہیب رومی اور ابوموسیٰ اشعری سرِفہرست ہیں۔ رضی اللہ عنہم! ـــ ان لوگوں نے علیحدگی ہی میں سلامتی دیکھی اور کہا: "جب کفار سے لڑائی کا وقت آئے گا تو ہم خدا کی راہ میں اپنا جان و مال سب کچھ پیش کردیں گے!"

تحکیم پر آمادگی

جب دونوں فریق اکتا گئے، تو صلح پر آمادہ ہو گئے۔ اہلِ شام نے نیزوں پر قرآنِ حکیم لٹکا کر اہلِ عراق سے کہا، "آؤ ہم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر لیں"۔ اہلِ عراق نے اس سے اتفاق کیا، اور فریقین نے اپنے اپنے حَکَم مقرر کیے۔ چنانچہ جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہلِ کوفہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حَکَم بنایا اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن عاص کا انتخاب کیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوجیں لے کر کوفہ چلے گئے۔ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکروں نے شام کا رُخ کیا۔ پھر دونوں منصف وقتِ مقرر پر دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ علی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو اقتدار سے الگ کرنے پر متفق ہو گئے، اور ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ پھر عوام میں کھڑے ہو کر پہلے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کیا، پھر عمروؓ بن عاص نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ "جس طرح ابو موسیٰؓ نے علیؓ کو خلافت سے علیحدہ کیا ہے، میں بھی ان کو علیحدہ کرتا ہوں۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت پر بحال رکھتا ہوں"[1]۔ یہ سن کر اہلِ شام بڑے خوش ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

ادھر جب تحکیم کا فیصلہ ہوا، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے دس ہزار سے زیادہ لوگوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور "لا الحکم الا اللہ" یعنی "اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا فیصلہ بھی قابلِ قبول نہیں" کا نعرہ لگایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور ان سے الگ ہو گئے۔ یہی لوگ بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑا، مخالفت کا جھنڈا بلند کیا، ناحق خون بہایا اور ڈاکہ ڈالنا شروع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سمجھانے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ان کی طرف بھیجا۔ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے کسی قوم کو اُن جیسا عبادت گزار نہیں دیکھا، طویل سجدہ کی وجہ سے ان کی پیشانیاں زخمی، اور

---

[1] دراصل دونوں منصفوں نے خلافت کا معاملہ کبار صحابہؓ کی رائے پر چھوڑا تھا اور حضرت عمروؓ بن عاص نے بھی وہی اعلان کیا تھا جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کیا تھا۔ تحکیم کے سلسلہ میں صحیح روایت وہ ہے جس کو امام دارقطنیؒ اور امام بخاریؒ کے شیخ خلیفہؒ بن خیاط نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "العواصم من القواصم" از ص ۱۷۲ تا ۱۷۶۔

ہاتھ اونٹ کے سینے جیسے سخت تھے۔ قمیصیں پسینہ میں شرابور اور چہرے زیادہ جاگنے کی وجہ سے سیاہ تھے۔ میں نے جاتے ہی ان کو سلام کہا اور انہوں نے "مرحبا اور خوش آمدید" سے جواب دیا۔ پھر پوچھا "ابن عباسؓ! آپ کیسے آئے ہیں؟" میں نے کہا: "میں تمہارے پاس ان مہاجرین اور انصار کے پاس سے آیا ہوں، جو آں حضرت ﷺ کے داماد کے گرد جمع ہیں۔ جن پر قرآن اترا، اور جو اس کا معنی و مطلب تم سے زیادہ جانتے ہیں۔" ان میں سے بعض نے کہا: "قریش سے بحث نہ کرو، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ"[1] کہ "یہ بڑے جھگڑالو لوگ ہیں۔" لیکن دو تین نے کہا: "ہم ضرور گفتگو کریں گے۔" میں نے کہا: "تمہیں کیا اعتراض ہے؟" بولے: "ہمارے تین اعتراض ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ علیؓ نے اللہ کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"[2]۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے دشمنوں سے لڑائی کی ہے، پھر ان کو قیدی نہیں بنایا اور نہ ان کا مال لوٹا ہے۔ اگر وہ مومن ہیں، تو ہمارا ان سے لڑنا حلال نہیں۔ اور اگر کافر ہیں، تو ہمارے لیے ان کو قیدی بنانا اور ان کا مال لوٹنا حلال ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے اپنا نام امیر المؤمنین کاٹ دیا ہے۔ اگر وہ امیر المؤمنین نہیں، تو امیر الکافرین ہیں۔" میں نے کہا: "تمہارا یہ اعتراض کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم بنایا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان توڑتا ہے، جو اس نے ایک درہم کے خرگوش کے بارہ میں دو انسانوں کے فیصلہ کے لیے نازل کیا ہے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی: "لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ الیٰ قولہ تعالیٰ: يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ"[3]۔ یعنی "اس کے بارہ میں تم میں سے دو عادل آدمی فیصلہ کریں۔" خاوند اور بیوی کے جھگڑے میں فرمایا: "وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا"[4]۔ یعنی "اگر تم کو ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو، تو ایک آدمی مرد کے خاندان سے، اور ایک آدمی عورت کے خاندان سے مقرر کرو (وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں!)۔" میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور خونریزی روکنے کے لیے دو آدمیوں کا فیصلہ افضل ہے یا ایک خرگوش کی قیمت اور خاوند بیوی کے جھگڑے میں ان کا فیصلہ بہتر ہے؟" کہنے لگے،

---

[1] الزخرف: ۵۸ [2] الانعام: ۵۷ [3] المائدۃ: ۹۵ [4] النساء: ۳۵

"پہلا بہتر ہے!" میں نے کہا، "تمہارا ایک اعتراض حل ہوا؟" بولے، "ہاں!" میں نے کہا، "تمہارا دوسرا اعتراض کہ "انہوں نے لڑائی کی، اور مالِ غنیمت جمع نہیں کیا"۔ تو کیا تم اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو قیدی بنانے پر راضی ہو؟ — اگر کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں، تو تم اسلام سے خارج ہوتے۔ اور اگر کہو کہ ہم ان کو ضرور قیدی بنائیں گے اور ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے، جو دوسری لونڈیوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں، تو تم مسلمان نہیں! — کیا تمہارا یہ اعتراض بھی حل ہوا؟" انہوں نے کہا ہاں" میں نے کہا، "رہا تمہارا یہ اعتراض، کہ انہوں نے اپنا نام امیرالمؤمنین مٹا دیا ہے، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حدیبیہ کی جنگ میں آپؐ نے سہیل بن عمرو سے معاہدہ کیا، اور معاہدہ کی دستاویز یوں لکھائی: "یہ وُہ دستاویز ہے جس پر محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا ہے"۔ تو کفار نے اعتراض کیا کہ "ہم آپؐ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ اگر ہم آپؐ کو رسول اللہ مانتے تو آپؐ سے جنگ نہ کرتے"۔ آپؐ نے فرمایا: "علیؓ! 'رسول اللہ' کا لفظ کاٹ دیجئے، اور اس کی جگہ 'محمدؐ بن عبداللہ' لکھ دیجئے!"۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے رسول، علیؓ سے بہتر ہیں"۔ یہ سن کر ان میں سے دو ہزار آدمی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آملے، باقی بدستور بغاوت پر مصر رہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر فوج کشی کی اور دوبارہ ان کو واپس آنے کے لیے کہا، مگر انہوں نے واپس آنے کی بجائے لڑائی کو پسند کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نہروان میں لڑائی کی اور چند آدمیوں کے سوا باقی سب تہ تیغ ہو گئے۔

احادیث میں خوارج کا ذکر

خارجیوں کی صفات، ان کی مذمت اور ان سے لڑنے کی ترغیب کے بارہ میں آں حضرت ﷺ سے بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "جب میں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں، تو واللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کی نسبت آسمان سے گرنا زیادہ محبوب ہے۔ اور جب میں تمہیں اپنی طرف سے کوئی بات بیان کروں، تو لڑائی میں خدعہ جائز ہے۔ میں نے آں حضرت ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے: "آخر زمانہ میں نوعمر اور عقل کے کچے لوگ پیدا ہوں گے — باتیں

بہتر اور اچھے لوگوں کی سی کریں گے، لیکن ایمان انکے حلقوں سے آگے نہیں گزرے گا۔ وہ ایمان سے اس طرح خارج ہو جائیں گے، جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ تمہیں جہاں ملیں، ان کو قتل کر دو۔ قتل کرنے والے کو قیامت کے دن ان کے قتل کا ثواب ملے گا!"

صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے: "اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن وُہ ان کے حلقوں سے آگے نہیں گزرے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ شکاری اپنے تیر، اس کے پھل، لکڑی اور تانت باندھنے کی جگہ کو دیکھے گا، مگر خون کا نشان کہیں نظر نہیں آئے گا!

نیز صحیحین میں انہی سے مروی ہے کہ ان کا لیڈر ایک ایسا شخص ہوگا، جس کا ایک ہاتھ کہنی سے کٹا ہوا ہوگا۔ اس پر گوشت کا ایک ٹکڑا ہوگا، جو عورت کے پستان کی طرح حرکت کرے گا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں تفریق کے وقت پیدا ہوں گے۔"

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں "میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا تھا، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس آدمی کو لانے کا حکم دیا، چنانچہ وُہ تلاش کر کے ان کے پاس لایا گیا۔ اور میں نے اس کی وہی صفت دیکھی، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے "اگر وُہ فوج، جو ان سے لڑے گی، اس ثواب کو جان لے، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تو وُہ مزید عمل کی ضرورت محسوس نہ کریں اور اس پر بھروسہ کر لیں۔" انتہیٰ!

فرقہ غالیہ کا خروج

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں ایک غالی فرقہ بھی پیدا ہوا، جو اُن کی الوہیت کا قائل تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں، ہمیں شریک عامری سے روایت ملی ہے کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے آ کر کہا: یہاں مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ کھڑے ہیں، جو کہتے ہیں:

"آپ ان کے رب ہیں۔" آپؓ نے ان کو بلایا اور فرمایا: "تم پر افسوس ہو، میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ جس طرح تم کھاتے ہو، میں بھی کھاتا ہوں۔ اور جس طرح تم پیتے ہو، میں بھی پیتا ہوں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں گا، تو مجھے ثواب دے گا۔ اور اگر نافرمانی کروں، تو ڈرتا ہوں، وُہ مجھے عذاب دے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے اس کفریہ عقیدہ سے باز آؤ!" لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے عقیدہ سے باز نہ آئے۔ دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا غلام قنبر آیا، اور کہا: "وُہ کل والی بات آج پھر کہہ رہے ہیں۔" انہوں نے حکم دیا: "ان کو اندر لے آؤ۔" اندر آکر بھی انہوں نے وہی بات کہی۔ تیسرے دن ان سے کہا: "اگر تم نے پھر یہ بات کہی، تو میں تم کو بدترین طریقہ سے قتل کروں گا۔" انہوں نے پھر بھی یہی کہا اور اپنے کفریہ عقیدہ سے باز آنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے قنبر سے کہا: "مزدوروں کو بلا لاؤ، اور ان سے کہو کہ کُدالیں اپنے ساتھ لیتے آئیں۔" پھر مسجد ، اور شاہی محل کے درمیان کھائیاں کھودنے کا حکم دیا۔ اور ان سے کہا، "کھائیاں خوب گہری کھودو۔" پھر ان میں لکڑیاں بھر دیں اور آگ لگا دی۔ پھر ان سے کہا: "اپنے بدعقیدہ سے باز آؤ، ورنہ میں تمہیں اس آگ میں جلا دوں گا۔" مگر انہوں نے یہ دیکھ کر بھی باز آنے سے انکار کر دیا۔ پس آپؓ نے ان کو آگ میں پھینک دیا اور وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے کہا ؎

لمّا رأیت الأمر أمرا منکرا أوقدت ناری و دعوت قنبرا

"جب میں نے ان کا برا طریقہ دیکھا، تو آگ جلائی اور اپنے غلام قنبر کو بلایا!"

اس حدیث کی سند حسن ہے!

صحیح بخاری میں ہے، جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کو ان کے جلانے کی خبر ملی، تو کہنے لگے، "اگر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا، تو میں انھیں ہرگز نہ جلاتا۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے: "اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو۔" چنانچہ میں ان کو قتل کی سزا دیتا۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے: "جو شخص اپنے دین کو بدل دے، اس کو قتل کر دو۔" جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کی بات کی اطلاع ملی، تو بولے: "انہوں نے سچ کہا ہے"!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

زبیر بن بکار اور دوسرے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی نے مکہ معظمہ میں جمع ہو کر آپس میں پختہ عہد کیا کہ وُہ فتنہ کے تین اساطین علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیں۔ اور ان کے شر سے اللہ کے بندوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیں۔ ابنِ ملجم نے کہا، میں علیؓ کا ذمہ لیتا ہوں۔ برک نے کہا، میں معاویۃؓ کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ اور عمرو بن بکر نے کہا، میں عمرو بن عاصؓ کے لیے کافی ہوں۔ انہوں نے ۴۰ھ میں رمضان المبارک کی ۱۶ تاریخ کو رات کے وقت یہ منصوبہ بنایا، اور صبح کے وقت ہر ایک آدمی اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم، علیؓ کے قتل کے ارادہ سے کوفہ کی طرف چلا، اس مقصد کے لیے ایک ہزار روپے میں ایک تلوار خریدی اور اس کو زہر میں بجھایا۔ ابو عمر روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سواری کے لیے ایک اونٹ کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سواری کے لیے ایک اونٹ دے دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد فرمایا: "یہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔" کسی نے کہا: "پھر آپ اس کو پکڑتے کیوں نہیں؟" کہنے لگے: "اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا!" عبیدہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابنِ ملجم کو دیکھتے تو فرماتے ؎

أرید حیاتہ ویرید قتلی عذیرك من خلیلك من مراد

"میں اسے زندہ دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے۔ اپنے مرادی دوست کے بارہ میں اپنا عذر بیان کر دے!"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے "اس بدبخت کو، اسے خون سے رنگین کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟" اور اپنے سر اور داڑھی کی طرف اشارہ کرتے "یہ رنگ خون کا ہوگا، عطر اور عنبر کا رنگ نہیں ہوگا۔" حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے اپنے والد کو سحری کے وقت جس میں ان کو قتل کیا گیا، کہتے ہوئے سنا: "بیٹا! میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ میری ملاقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے آپؐ کی امت سے بہت

دکھ پایا اور بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔" آپ نے فرمایا: "ان پر بددعا کرو۔" چنانچہ میں نے کہا: "الٰہی! مجھے ان کی بجائے بہتر ساتھی عطا فرما، اور ان پر مجھ سے برا حاکم مسلط کر!" — پھر آنکھ کھل گئی — تھوڑی دیر بعد مؤذن آیا اور آپؓ نماز پڑھانے چلے گئے۔ آپؓ پر ابن ملجم اور شبیب بن بجرہ اشجعی، دو آدمیوں نے حملہ کر دیا۔ شبیب کی تلوار تو کمر بند پر لگی اور ابن ملجم نے آپؓ کے سر پر تلوار چلائی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپؓ کا انتقال جمعہ کے دن ۱۸ رمضان المبارک کو ہوا۔

ایک روایت میں آیا ہے: جب ابن ملجم نے آپؓ پر تلوار چلائی، تو کہا: "علی! حکم اللہ کا ہے، تیرا اور تیرے ساتھیوں کا نہیں۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ اس کتے کو پکڑ لو، جانے نہ پائے۔" لوگوں نے دوڑ کر اس کو پکڑ لیا۔ آپؓ نے فرمایا: "اگر میری موت واقع ہو گئی تو اس کو قتل کر دینا اور اس کی لاش کا مثلہ نہ کرنا۔ اور اگر میں بچ رہا، تو مجھے اختیار ہو گا کہ اس سے قصاص لوں، یا معاف کر دوں!" حضرت علیؓ کو رمضان المبارک کی اکیسویں رات سپرد خاک کیا گیا۔

ان کے دفن کی جگہ میں اختلاف ہے۔ کوفہ کے شاہی محل میں، کوفہ کے قبرستان میں، یا حیرہ کی سڑک پر نجف حسین میں ان کی تدفین عمل میں آئی! ان کی عمر میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں، ان کی عمر ۷۵ سال تھی اور بعض نے ۶۳ سال بتائی ہے۔

حضرت علیؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ کے تأثرات

جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر ملی، تو انہوں نے فرمایا: "اب عرب جو چاہیں کرتے پھریں، ان کو روکنے والا کوئی نہیں رہا۔"

ان کی خلافت کا زمانہ چار سال چھ مہینے اور چھ دن، یا چودہ دن ہے۔

اثنائے خلافت میں حضرت علیؓ کا کردار

حضرت علیؓ مال غنیمت اور مال فے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر گامزن تھے۔ ان کے پاس کوئی مال آتا، تو جب تک اسے تقسیم نہ کر لیتے، وہاں سے نہیں اٹھتے تھے۔ بیت المال میں صرف

وہی مال رہتا تھا، جو اس دن تقسیم ہونے سے بچ رہتا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے: "اے دنیا! کسی اور کو دھوکا دے، میں تیرے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔" آپؓ نے نہ تو مالِ فے سے کچھ لیا، اور نہ ہی دیانت اور امانت کے حامل اشخاص کے سوا کسی عزیز اور قریبی رشتہ دار کو کوئی عہدہ سونپا۔ کسی عہدہ دار کی طرف سے بددیانتی کی خبر ملتی، تو اس کو لکھتے:

" وَيَا قَوْمِ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ۔"

"اے قوم! تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آچکی ہے۔ انصاف کے ساتھ ماپ اور تول پورا کرو، لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں!" "جب میرا یہ مکتوب تمہارے پاس آئے، تو اپنی ذمہ داری کا حق ادا کرو۔ یہاں تک کہ ہمارا کوئی آدمی آکر تم سے اس عہدہ کا چارج لے لے۔" پھر آسمان کی طرف دیکھتے اور فرماتے: "پروردگار! تُو جانتا ہے، میں نے ان کو تیرے بندوں پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔ اور نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تیرا کوئی حق پامال کریں!"

ابوعمر کہتے ہیں: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی سندوں سے ثابت ہے، وہ کہتے تھے: "ابا جان نے اپنے پیچھے صرف آٹھ سو درہم چھوڑے تھے، جو اُن کی تنخواہ سے بچ رہے تھے اور غلام خریدنے کے لیے رکھے تھے۔ لباس اور خوراک میں آپؓ کی سادگی بیان سے باہر ہے۔ آپؓ کا علم و فضل، اسلام کی طرف سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد، اظہر من الشمس ہے۔" امام احمد بن حنبلؒ اور قاضی اسماعیل بن اسحاقؒ کہتے ہیں: "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب میں جتنی احادیث مروی ہیں، دوسرے کسی آدمی کے فضائل و مناقب میں اتنی احادیث مروی نہیں!"

خلیفہ نامزد کرنے کی درخواست

کسی نے کہا: "کیا آپ اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو نامزد نہیں کریں گے؟" فرمایا: "نہیں!

میں تمہیں اس طرح چھوڑوں گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ تمہیں چھوڑ گئے تھے۔" بعض نے کہا، "اگر آپ لوگوں سے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے لیں، تو آپ کے انتقال کے بعد ہم آپ کی کمی محسوس نہیں کریں گے۔" فرمایا: "میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں، اور نہ منع کرتا ہوں، تم اپنی بہتری خوب جانتے ہو۔" پھر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے پیچھے نہ پڑنا، خواہ وُہ تمہارے قدموں پر گرے۔ اور اس کی کسی چیز کے نہ ملنے پر کفِ افسوس نہ ملنا! حق کا اعلان کرنا، یتیم پر ترس کھانا، کمزور کی مدد کرنا، ظالم سے جھگڑنا، مظلوم کی امداد کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا!" پھر محمّد بن حنفیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "جو وصیت میں نے تمہارے بھائیوں کو کی ہے، تم نے سن لی؟" کہا: "ہاں!" فرمایا: "میں تمہیں اپنے بھائیوں کا احترام کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرنا۔" پھر حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے کہا: "میں تمہیں اس کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ یہ تمہارا بھائی ہے، تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ اس کا حق پہچاننا اور اس کی عزت کرنا!"

عثمانؓ و علیؓ، دونوں میں افضل کون ہے؟

ابو عمر ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں: ائمہ اہلِ سنّت میں سے ایک جماعت نے عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے بارہ میں توقف اختیار کیا ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔ امام مالک اور یحییٰ بن سعید قطان رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے۔ لیکن آجکل اہلِ سنّت حضرت ابوبکرؓ کو عمرؓ پر، اور حضرت عمرؓ کو عثمانؓ پر، اور حضرت عثمانؓ کو علیؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں محمّد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے اپنے باپ سے پوچھا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل کون ہے؟" بولے "ابوبکرؓ"۔ میں نے کہا: "پھر کون؟" بولے: "پھر عمرؓ"! مجھے اندیشہ ہوا کہ پھر "عثمانؓ" نہ کہہ دیں۔ اس لیے میں نے کہا: "پھر آپ؟" کہنے لگے: "میں تو مسلمانوں میں ایک عام آدمی ہوں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر ثابت ہے کہ آپؓ نے اپنی خلافت میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: "میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امّت میں بہتر

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس امت میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد بہتر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟" مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: "پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے نمبر پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تیسرے نمبر پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح وسلامت گزر گئے۔ پھر ہم فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ، جس کو چاہے گا، معاف فرمائے گا۔"

بنوامیہ ان کی تنقیص اور ان کے بارہ میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے رہے، مگر اس سے علماء کے دل میں ان کی محبت بڑھ گئی اور قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا۔ عمر بن عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: "بنوامیہ ساٹھ سال تک ان کو گالیاں دیتے رہے، مگر وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ بلکہ ان کی شان پہلے سے بھی بلند ہو گئی۔ دین نے ایک عمارت کھڑی کی، جس کو دنیا نے گرا دیا۔ دنیا کچھ نہ بنا سکی، مگر جو کچھ بنایا، اس کو بھی منہدم کر دیا۔ انتہیٰ!"

سنتِ خلفاء کو لازم پکڑنے کی وصیت

یہی چار خلفاء ہیں، جن کی سنت کو لازم پکڑنے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔ جیسا کہ عرباض بن ساریہ کی حدیث میں وارد ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری سنت اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو۔ اور اس کو اپنے دانتوں سے مضبوط تھام لو، اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ۔ کیونکہ ہر بدعت گمراہی کا باعث ہے!" سننِ اربعہ اور صحیح ابنِ حبان میں سفینہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "میرے بعد تیس سال تک خلافت باقی رہے گی، پھر بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گی!" "گنو! ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دو سال، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دس سال، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ سال اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چھ سال!

علی بن جعد کہتے ہیں، میں نے حماد سے پوچھا: "گنو" کا لفظ سفینہ نے کہا تھا؟" بولے: "ہاں" یہ روایت ابوحاتم نے ذکر کی ہے۔ لیکن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے بارہ جو کچھ مورخین نے لکھا ہے، یہ اس کے خلاف ہے۔ وہ ان کی مدتِ خلافت ۴ سال ۸ مہینے بیان کرتے ہیں۔ طبری کہتے ہیں، خلفاء اربعہ کی خلافت کی صحیح مدت ۲۹ سال، ۵ مہینے اور ۳ دن ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

خلافت ۲ سال، ۳ مہینے اور ۱۰ دن۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت ۱۰ سال ۶ مہینے اور ۵ دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت ۱۲ دن کم ۱۲ سال۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت ۴ سال اور ۸ مہینہ ہے۔ انتہیٰ!" اس کو حدیث میں ۳۰ سال اس لیے کہا گیا ہے کہ اصل مدت اس کے قریب قریب ہے، یا حضرتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ کی مدتِ خلافت کو اس میں شمار کیا گیا۔ کیونکہ وُہ اس کا تکملہ ہے۔

یہ چاروں خلفاء، علی الاطلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل ہیں۔ ان کے بعد باقی عشرہ مبشرہ، ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اور زبیر وغیرہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم!

مجمل طور پر ان کے مراتب یہ ہیں، مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ لیکن تفصیلاً، پہلے اسلام لانے والے انصار، بعد میں ترکِ وطن کرنے والے مہاجروں سے افضل ہیں!

صحابہؓ کے طبقات

مؤرخین نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مندرجہ ذیل طبقات میں مرتب کیا ہے،

طبقۂ اُولیٰ: سب سے پہلے اسلام لانے والے۔ جیسے خدیجۃ الکبریٰ، علی، زید بن ثابت، ابوبکر صدّیق، اور بعد کے صحابہ، جو ارقم کے گھر پناہ لینے سے پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے! رضی اللہ عنہم!

دُوسرا طبقہ: ارقم کے گھر پناہ لینے والے ـــــ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ ان میں شریک ہیں۔

تیسرا طبقہ: حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے!

چوتھا طبقہ: عقبۂ اولیٰ میں اسلام لانے والے ـــــ یہ انصار میں سے پہلے اسلام لانے والے ہیں!

پانچواں طبقہ: عقبۂ ثانیہ میں اسلام لانے والے!

چھٹا طبقہ: عقبۂ ثالثہ میں اسلام لانے والے۔ اور یہ ۷۰ آدمی تھے!

ساتواں طبقہ: بدرِ کبریٰ میں شرکت کرنے والے!

آٹھواں طبقہ : بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیان ایمان لانے والے!

نواں طبقہ : بیعتِ رضوان میں شمولیت کرنے والے! — (دسواں طبقہ کتاب میں مذکور نہیں)

گیارھواں طبقہ : حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے!

بارھواں طبقہ : فتح مکہ اور اس کے بعد اسلام لانے والے!

تیرھواں طبقہ : وہ بچے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپؐ کو دیکھا!

حضرت سعید بن مسیب صرف اُسی آدمی کو صحابی گنتے تھے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سال رہا ہو، اور آپؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہُوا ہو۔ بعض نے کہا ہے : ہر شخص جو بلوغت کو پہنچ گیا اور مسلمان ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، وہ صحابی ہے۔ خواہ اس نے ایک لحظہ ہی آپؐ کی صحبت کا شرف پایا ہو۔ اور یہی اکثر ہے۔ واللہ اعلم!

حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ کی تعداد

ابو زرعہ کہتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ موجود تھے۔ سب نے آپؐ کو دیکھا تھا، یا آپؐ سے روایت کی تھی۔ بہت سے ائمہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ یہی تعداد قطان نے "مراتبِ صحابہ" اور ابن الاثیر نے "جامع الاصول" میں لکھی ہے۔ واللہ اعلم!

خلافتِ حسن رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرلی۔

ابو عمر کہتے ہیں، چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ اور یہ سب وہ تھے' جو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے' ان کے والد کی نسبت زیادہ فرمانبردار تھے' اور اُن سے زیادہ اُن سے محبت کرتے تھے۔ پھر حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوج لے کر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف چلے، اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامی لشکر لے کر ان کو روکنے کے لیے آئے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب پہنچے، تو حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ان دونوں لشکروں میں سے کوئی لشکر بھی اپنی اکثریت فنا کرائے بغیر دُوسرے پر غالب نہیں آسکتا۔ اس پر انہوں نے لڑائی چھوڑ کر اتحاد میں مصلحت سمجھی۔

چنانچہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کی طرف خط لکھا کہ وُہ ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اہلِ مدینہ، حجاز اور عراق میں سے کسی کو بھی، جس سے ان کے والد کے زمانہ میں کوئی غیر مناسب فعل صادر ہو گیا ہے، نہ پکڑیں۔ اپنے بعد انھیں اپنا ولی عہد تسلیم کرلیں، اور بیت المال سے ان کو اپنی ضرورت کے مطابق مال لینے کی اجازت دیں۔ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کی یہ سب شرطیں مان لیں اور ان کی طرف ایک سادہ کاغذ بھیج دیا کہ جو کچھ چاہتے ہیں، اس میں لکھ دیں، میں اس کی پابندی کروں گا۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کی سب شرطیں مان لیں اور ان کی پابندی کی۔ جبکہ حضرت حسن رضؓ نے دستبردار ہوکر، خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی۔ دونوں میں صلح ہونے کے بعد، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کوفہ آئے۔ اس سال کا نام "عام الجماعۃ" رکھا گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وُہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی جو آپؐ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کے بچپن میں ان کے متعلق فرمائی تھی: "میرا یہ بچہ سردار ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

شیعہ اس صلح سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے کہا: "السّلام علیکم، اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے!" حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ایسا نہ کہو۔ میں نے مومنوں کو ذلیل نہیں کیا، بلکہ بادشاہی کے لیے تمہارا قتل پسند نہیں کیا!" —— اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ: "عرب کی کھوپریاں میرے ہاتھ میں تھیں۔ جس سے میں لڑتا، وہ لڑتے۔ اور جس سے میں صلح کرتا، وُہ بھی صلح کرتے۔ لیکن میں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے اور مسلمانوں کا خون بند کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے!"

صلح کے بعد حضرت حسنؓ کا خطاب

شعبی کہتے ہیں، جب حسن اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کے درمیان صلح ہو گئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ تعالیٰ سے کہا: "اب آپ اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے لوگوں سے خطاب کیجئے!" چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل خطبہ دیا:

"اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمارے ذریعے تمہارے پہلوں کو ہدایت بخشی، اور ہمارے ذریعے ہی تمہارے پچھلوں کا خون بند کیا۔ سب سے بڑی دانائی پرہیزگاری ہے۔ اور سب سے بڑا عجز بدکاری ہے۔ پھر میرے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جو اختلاف پڑ گیا تھا، قطع نظر اس سے کہ وُہ حق پر تھے یا میں حق پر تھا، میں امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام) کی مصلحت اور ان کے خون بند کرنے کے لیے اس سے دستبردار ہو گیا ہوں۔" پھر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: "وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الیٰ حین" یعنی "میں نہیں جانتا کہ یہ آپ کے لیے فتنہ ہے، یا کچھ مدّت کے لیے اس میں آپ کا فائدہ ہے؟"

پھر منبر سے نیچے اتر آئے۔ اس پر عمروؓ بن عاص نے کہا، "میں بھی یہی چاہتا تھا۔" اس کے بعد حسن اپنے اہل و عیال اور خدم و حشم کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے، اور اپنی زندگی کے باقی دن وہیں پُورے کیے۔ رضی اللہ عنہ!

میں نے ان ہی لوگوں کے حالات پر، جن کا ذکر ہو چکا ہے، اختصار کو پسند کیا ہے اور اسی میں کفایت ہے۔ ان شاء اللہ!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ختم کرنے سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان جامع احادیث کے نمونے پیش کیے جائیں، جن کا متن تو مختصر ہے، مگر اپنے اندر معانی، احکام الٰہی اور حکمتوں کا ایک جہان سموئے ہوئے ہیں۔ دوسرے علماء (شکر اللہ سعیہم) نے تو ان کا احاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر میں اختصار کے پیشِ نظر ان میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں،

- اعمال کا دار و مدار نیّت پر ہے۔
- جو ہمارے دین میں وُہ چیز نکالے، جو اس میں نہیں ہے، وُہ مردود ہے۔
- آدمی اس کے ساتھ ہو گا، جس سے اسے محبت ہے۔
- اسلام لے آ، سلامت رہے گا!
- لڑائی دھوکا ہے۔
- پہلوان پچھاڑنے سے نہیں بنتا، بلکہ پہلوان وُہ ہے، جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پائے۔
- بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری لاعلاج ہے؟

- گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر بندھی ہوئی ہے۔
- رُوح لشکروں کی شکل میں جمع ہیں۔ جن کا وہاں تعارف ہوا، ان میں اتفاق پایا گیا۔ اور جو بیگانے رہے، ان میں اختلاف ہوا۔
- کچھ تقریریں جادو کا اثر رکھتی ہیں۔
- بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔
- تندرستی اور فراغت دو نعمتیں ہیں، جن میں اکثر لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔
- جو ہمیں دھوکا دے، وُہ ہم میں سے نہیں۔
- اللہ تعالیٰ اور دن آخرت پر ایمان لانے والا درست بات کہے، یا خاموش رہے۔
- کسی مومن کے لیے اپنے بھائی سے تین دن قطع تعلق رکھنا حلال نہیں۔
- جس کو عملوں نے پیچھے رکھا، نسب اس کو آگے نہیں کرے گا۔
- اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔
- شرارت سے باز رہنا صدقہ ہے۔
- حیا سَب کا سَب خیر ہے۔
- بلاشبہ دین احسان ہے۔
- دین کے معاملہ میں کوئی سختی نہیں کرے گا مگر وہ اس پر غالب آئے گا۔
- سیدھی اور درمیانی چال چلو، خوشی پاؤ گے۔
- صبح، شام اور کچھ رات سے مدد لو۔
- تونگری دل کی تونگری ہے۔
- ہمیشہ جاری رہنے والا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، خواہ تھوڑا ہی ہو۔
- عورت سے حسن و جمال، دولتمندی اور دیانتداری کی بنا پر شادی کی جاتی ہے، تم دیانتدار کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔
- ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔
- ورثہ کا مال حقداروں کو دو، اور جو بچ رہے، وہ قریبی مرد کے حوالے کرو۔

- لڑکا صاحبِ فراش کو ملے گا، اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔
- کامل مسلمان وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔
- مہاجر وہ ہے، جو اس چیز کو ترک کر دے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔
- جو شرط کتاب اللہ کے خلاف ہے، وُہ باطل ہے۔ گو ایسی سَو شرطیں ہوں۔
- مظلوم کی بددُعا سے بچو، اس کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کوئی پردہ نہیں۔
- اپنے ظالم اور مظلوم بھائی کی مدد کر۔
- عمل کرو۔ ہر شخص کو اسی عمل کی توفیق ملے گی، جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔
- صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔
- معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی عزت پہلے سے زیادہ کر دیتا ہے۔
- جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ اونچا کر دیتا ہے۔
- جو مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان واقع ہونے والی چیز کی ضمانت دے، میں اس کو جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔
- ہبہ دے کر واپس لینے والا کتّے جیسا ہے، جو قے کرنے کے بعد اسے دوبارہ کھا لیتا ہے۔
- مالدار کی ٹال مٹول ظلم ہے۔
- تم میں سے جس کو غنی کے حوالے کیا جائے، وُہ اس کے پیچھے لگ جائے۔
- پہلے اپنے اہل وعیال کی ضرورت پوری کرو۔
- ہر نیکی صدقہ ہے۔
- عمدہ بات صدقہ ہے۔
- دنیا میٹھی اور سبز ہے۔
- موسم بہار میں اگنے والی گھاس قتل کر دیتی' یا قتل کے قریب کر دیتی ہے۔
- تم سب نگہبان ہو، اور تم سب سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہو گا۔

یہ سب احادیث صحیحین یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں ہیں۔ دوسری کتابوں میں ذکر ہونے والی احادیث درج ذیل ہیں:

(آپؐ نے انصارؓ سے فرمایا:)

- تم طمع کے وقت کم ہوتے ہو اور جنگ کے وقت زیادہ ہوتے ہو۔
- مومن سے وعدہ کرنا اُس کا ہاتھ پکڑنا ہے۔
- میری امت کے لیے صبح کے وقت کام کرنے میں برکت ہے۔
- میری امت جب تک امانت کو غنیمت، اور زکوٰۃ کو چٹی نہ سمجھے گی، بھلائی سے رہے گی۔
- ناحق مدح سراؤں کے منہ میں مٹی ڈالو۔
- اصل دانائی اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔
- ”اے اللہ تعالیٰ کی فوج! جہاد کے لیے سوار ہو اور جنت کی بشارت لے۔“
- اب تنور گرم ہو گیا ہے، اس کے بارہ میں دو بکریاں بھی آپس میں نہیں لڑتیں۔
- ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔
- آدمی کے خلاف اس کا ہاتھ قصور وار ہے۔
- شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔
- قوم کو پانی پلانے والا آخر میں پانی پیتا ہے۔
- مجلس میں طے شدہ بات امانت ہے۔
- اگر پہاڑ بھی کسی پہاڑ پر ظلم کرے، تو ظالم ذلیل ہو گا۔
- علم کو تحریر کے ساتھ قید کرو۔
- جاگنے والی آنکھ، سونے والی آنکھ کے لیے بہترین مال ہے۔
- مسلمان مسلمان کا شیشہ ہے۔
- اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے، جو اچھی بات کہہ کر فائدہ اٹھاتا ہے، یا خاموش رہ کر سلامت رہتا ہے۔
- سعادت مند وہ ہے، جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔
- بادشاہوں کا معاف کرنا ملک کی بقا ہے۔
- زمین والوں پر رحم کر، تجھ پر آسمان والا رحم کرے گا۔

- مکر اور دھوکہ آگ میں جائے گا۔
- جو چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کا حق نہ پہچانے، وُہ ہم میں سے نہیں ہے۔
- جس سے مشورہ لیا جاتا ہے' وہ امانتدار ہے۔
- نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والا، نیکی کرنے والا ہے۔
- گناہ پر پشیمانی' توبہ ہے۔
- جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔
- کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔
- سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔
- مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔ مگر وہ شرط، جو حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرے۔
- آدمی اپنی مجلس کی صدارت اور اپنے جانور کے سینے کا زیادہ حقدار ہے۔
- لوگ سونے اور چاندی کی طرح کانیں ہیں۔
- مصافحہ کرنے سے سلام پورا ہوتا ہے۔
- آدمی کا اچھا اسلام یہ ہے کہ وُہ بے فائدہ بات کو چھوڑ دے۔
- دلوں کی تخلیق، اس آدمی سے محبت کرنے کے لیے ہوئی ہے، جو اُن پر احسان کرے۔
- گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے' جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔
- حاضر، وہ چیز دیکھتا ہے' جسے غائب نہیں دیکھتا۔
- مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دو۔
- جس کے ہمسائے اس کی مصیبتوں سے ڈرتے ہیں، وہ مومن نہیں۔
- آدھی کھجور تک صدقہ کرکے آگ سے بچو۔
- اس کی دوستی میں کوئی خوبی نہیں، جو تمہارا حق اس طرح نہیں جانتا، جس طرح اپنا جانتا ہے۔
- دنیا ایماندار کی جیل اور کافر کی جنت ہے۔
- دعا، ایماندار کا ہتھیار ہے۔
- سب کاموں سے' درمیانہ کام' بہتر ہے۔

- جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے، تو اس کی عزت کرو۔
- سفارش کرو، ثواب پاؤ گے اور تعریف کے لائق سمجھے جاؤ گے۔
- آدمی مشورہ کرنے سے خسارے میں نہیں رہتا۔
- جو میانہ روی اختیار کرے، وہ بھوکا نہیں رہتا۔
- ضرورت کے مطابق تھوڑا مال، غافل کرنے والے زیادہ مال سے بہتر ہے۔
- بدترین پشیمانی قیامت کے دن ہو گی۔
- بدترین عذر موت کے وقت ہے۔
- اچھی حیثیت والے لوگوں کی لغزشیں معاف کر دو۔
- گندگی میں اگنے والی سبزی سے بچو! ___ پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! اس سے کون مراد ہے؟" فرمایا: "بدترین خاندان کی خوبصورت عورت!"
- بولنے سے مصیبت آتی ہے۔
- جھوٹی قسم ملک کو ریگستان بنا دیتی ہے۔
- چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
- جو امانتدار نہیں، وہ ایماندار نہیں۔ اور جو عہد کا پابند نہیں، وہ دیندار نہیں۔
- اپنی ضروریات میں پردہ داری سے کام لو، کیونکہ ہر صاحبِ نعمت پر حسد کیا جاتا ہے۔
- تم لوگوں کو اپنے مال سے خوش نہیں کر سکتے، ان کو اپنے اخلاق سے خوش کرو۔
- دیر سے ملاقات کو آیا کرو، محبت زیادہ ہو جائے گی۔
- دانا وہ ہے جو اپنے آپ سے حساب لے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے۔
- جو اپنی خواہش کے پیچھے لگا اور اللہ تعالیٰ سے آرزو کی، وہ عاجز ہے۔
- امانت والے کی امانت ادا کرو۔ اور جس نے تمہاری خیانت کی، اس کی خیانت نہ کرو۔
- دین خیر خواہی کا نام ہے۔
- نیکیاں بری قسم کی ہلاکتوں سے بچاتی ہیں۔
- پوشیدہ صدقہ رب کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

- صلہ رحمی سے عمر زیادہ ہوتی ہے۔
- اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ اسے نجات دے گا اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے گا۔
- آج تیاری ہے، کل گھوڑ دوڑ ہے، اور منزل جنت ہے۔
- جو آگ میں داخل ہوا، وُہ ہلاک ہو گیا۔
- انسان نے پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرا۔
- جو حلقہ بگوش اسلام ہوا اور ' قوت لا یموت ' پر قناعت کی، وہ کامیاب ہو گیا۔
- سب شکار نیل گائے کے پیٹ میں ہے۔
- مشکوک چھوڑ اور غیر مشکوک لے۔
- سچ کہو خواہ تلخ ہو۔
- جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی مسلمانوں کے لیے پسند کرو۔
- جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
- برائی کے بعد نیکی کرو، وُہ برائی کو مٹا دے گی۔
- لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔
- دنیا سے رغبت چھوڑ، اللہ تعالیٰ تجھے دوست رکھے گا۔ اور لوگوں کے مال میں رغبت نہ کر، لوگ تجھ کو دوست رکھیں گے۔
- سچ نیکی کا، اور جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے۔
- جس شاندار کام سے پہلے ' بسم اللہ ' نہ پڑھی جائے وُہ بے برکت ہے یا کوڑھی ہے۔
- جس کے پاس میرا نام لیا جائے، اور وُہ مجھ پر درود نہ پڑھے ' وہ بخیل ہے۔
- عملوں کا دارو مدار خاتمہ پر ہے۔

ان میں سے کچھ حدیثیں صحیحین میں ہیں۔ کچھ سنن اور مسند کتابوں میں ہیں، جو صحیح، حسن اور ضعیف ہیں —— مرفوع بھی ہیں اور صحابی پر موقوف بھی ہیں۔ واللہ اعلم!

اس کتاب کے طبع کرنے میں ہم نے جس مخطوطہ پر اعتماد کیا ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے:

"سیّد البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، آپؐ کے اعمال واخلاق، آپؐ کے غزوات اور دشمنوں سے آپؐ کے جہاد و قتال، نیز آپؐ کے خلفائے راشدین۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت و احوال پر مشتمل، اس جلیل القدر کتاب کی تحریر سے احقر العباد مبارک بن عبداللہ بن مبارک ۱۲۱۲ھ کے کسی مہینہ کی ۱۷ــ تاریخ کو فارغ ہوا ـــــــ

ـــــــ فللّٰہ الحمد والنّعمۃ!"

بروز اتوار ۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ ساڑھے بارہ بجے رات مختصر سیرۃ الرسولؐ مصنفہ علامہ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ سے فراغت حاصل ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ!

محمد اسحاق عفی عنہ

مدرس دار العلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور ۸۱-۱۲-۱۳